فیوضاتُ الرّضویہ
فی
تشریحات الھدایہ

فقہ حنفی کی عظیم معرکے آرا کتاب
کی جامع و مستند اردو شرح

المعروف بہ

شرح ھدایہ

جلد 2

کتاب
الصلوٰۃ

تصنیف

امام ابوالحسن علی بن ابوبکر بن عبدالجلیل الفرغانی

ترجمہ و شرح

علامہ محمد لیاقت علی رضوی

شبیر برادرز
اردو بازار ۰ لاہور

زوہیب حسن عطاری

مجلس خصوصی اسلامی بھائی

فقہ حنفی کی عظیم معرکہ آرا کتاب کی جامع و مستند اردو شرح

فیوضات الرضویہ فی تشریحات الھدایہ

المعروف بہ

شرح ھدایہ

جلد دوئم

کتاب الصلوٰۃ

تصنیف

امام ابوالحسن علی بن ابوبکر بن عبدالجلیل الفرغانی

ترجمہ و شرح

علامہ محمد لیاقت علی رضوی

اُستاذ الفقہ، جامعہ شہابیہ اچھرہ لاہور

شبیر برادرز

زبیدہ سنٹر ۴۰۔ اردو بازار لاہور

فون: 042-37246006

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

باہتمام	ملک شبیر حسین
سن اشاعت	اگست 2011ء / رمضان 1432ھ
طابع	اشتیاق اے مشتاق پرنٹر لاہور
کمپوزنگ	ورڈز میکر
سرورق	اے ایف ایس ایڈورٹائزر لاہور 0322-7202212
قیمت	-/350 روپے

ضروری التماس

قارئین کرام! ہم نے اپنی بساط کے مطابق اس کتاب کے متن کی تصحیح میں پوری کوشش کی ہے، تاہم پھر بھی آپ اس میں کوئی غلطی پائیں تو ادارہ کو آگاہ ضرور کریں تاکہ وہ درست کر دی جائے۔ ادارہ آپ کا بے حد شکر گزار ہوگا۔

فہرست مضامین

مقدمة الرضويه

الحمدُ لله الذی جعل العلماءَ ورثة الأنبياء، وخلاصةَ الأولياء، الذين يدعو لهم ملائكةُ السماء، والسَّمَكُ فی الماء، والطيرُ فی الهواء. والصلاةُ والسلامُ الأتمّان الأعمّان علی زُبدةِ خُلاصة الموجودات، وعُملة سُلالة المشهودات، فی الأصفياءِ الأزكياء، وعلی آله الطيبينَ الأطهارِ الأتقياء، وأصحابه الأبرار نجومِ الاقتداءِ والاهتداء. اما بعد فيقول العبد الضعيف الی حرم ربه البارى، محمد لياقت علی الحنفی الرضوی البريلوی غفرله والوالديه، الساكن قرية سنتيكا من مضافات بهاولنگر۔ اعلم ان الفقه اساس من سائر العلوم الدينية وامور الدنياوية۔ احرر شرح الهدايه باسم "فيوضات الرضويه فی تشريحات الهدايه" بتوفق الله تعالی وَ بوسيلة النبی الكريم ﷺ۔

فقہ حنفی کے اصول

حضرت سیدنا امام اعظم امام حنیفہؒ کے نزدیک مصادر واستنباط کی ترتیب اس طرح تھی۔ پہلے قرآن پھر حدیث پھر صحابہ کرامؓ کے متفقہ فتاویٰ، (یعنی اجماع) اگر صحابہ کرامؓ کے مابین کسی مسلہ میں اختلاف ہوتا تو کسی بھی ایک صحابی کی رائے کو ضرور اختیار فرماتے، سب سے ہٹ کر اپنی کوئی رائے نہیں رکھتے، البتہ تابعین کے اقوال کو اس بناء پر ترک فرمادیتے کہ وہ آپ کے ہم مرتبہ لوگ تھے۔ آپ کے خاص شاگرد امام محمدؒ فرماتے ہیں امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ قیاس کے باب میں کھل کر بحث و مباحثہ کرتے ہیں لیکن جب آپ دلیل استحسانی پیش کرتے تو سب لوگ خاموش ہوجاتے۔ ابنِ حزمؒ کا بیان ہے کہ تمام اصحابِ ابوحنیفہؒ اس بات پر متفق ہیں کہ امام صاحبؒ کا مذہب یہ تھا کہ ضعیف حدیث بھی اگر مل جائے تو اس کے مقابلہ میں قیاس اور رائے کو چھوڑ دیا جائے گا۔ فقہائے احناف نص میں علت مشترکہ کے ثبوت کے بعد قیاس سے استنباط کرتے ہیں۔

احادیثِ صحیحہ میں ترجیح

فقہ حنفی کے مسائل نصوصِ شرعیہ کے زیادہ قریب ہیں۔ جب ایک مسلہ میں بہت سی احادیث جمع ہوجاتی ہیں تو امام صاحبؒ ان میں جو روایتاً و درایتاً قوی ہوتی ہے اس کو اختیار کرتے ہیں۔ مثلاً ایک مشہور مسلہ، مسلہ رفع یدین کو لے لیجئے۔ مثلاً امام اوزاعیؒ جو ملکِ شام کے امام اور فقہ میں مذہبِ مستقل کے بانی تھے، مکہ معظمہ میں امام ابوحنیفہؒ سے ملے اور کہا کہ عراق والوں سے نہایت تعجب ہے کہ رکوع اور رکوع سے سر اٹھانے کے وقت رفع یدین نہیں کرتے حالانکہ میں نے زہریؒ سے انہوں نے سالم بن عبداللہؒ سے، انہوں نے عبداللہ بن عمرؓ سے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان موقعوں پر رفع یدین فرماتے تھے۔

امام ابوحنیفہؒ نے اسکے مقابلہ میں حمادؒ، ابراہیم نخعیؒ، علقمہؒ اور عبداللہ بن مسعودؓ کے سلسلہ سے حدیث روایت کی کہ نبی

کریم ﷺ ان موقعوں پر رفع یدین نہیں فرماتے تھے۔امام اوزاعیؒ نے یہ سن کر کہا سبحان اللہ ! میں تو زہریؒ، سالمؒ، عبداللہ بن عمرؓ کے ذریعے حدیث بیان کرتا ہوں آپ اس کے مقابلہ حمادؒ نخعیؒ، علقمہؒ کا نام لیتے ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے کہا میرے رواۃ آپ کے راویوں سے زیادہ فقیہ ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا رتبہ تو خود معلوم ہی ہے اس لئے ان کی روایت کو ترجیح ہوگی۔(تذکرۃ النعمان، از علامہ محمد بن یوسف دمشقی)

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے درمیان علمی گفتگو

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے روایت ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے حج کیا تو ابوجعفر محمد بن علی بن حسینؓ بن علی ابی طالبؓ کی زیارت کی۔امام ابوجعفر محمد بن علی رضی اللہ عنہ نے امام صاحبؒ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم وہی ہو جو عقل و قیاس کے ذریعے حدیثوں کی مخالفت کرتے ہو؟ امام اعظم ابوحنیفہ نے فرمایا اللہ کی پناہ تشریف رکھیئے۔آپ کی تعظیم ہم پر واجب ہے کیونکہ آپ سادات میں سے ہیں۔ ابوجعفر محمد بیٹھ گئے، امام صاحبؒ نے باادب عرض کیا حضرت ! آپ سے صرف تین مسئلے دریافت کر رہا ہوں جواب عنایت فرمائیں۔اول یہ کہ مرد زیادہ کمزور ہے یا عورت؟ فرمایا عورت۔ امام صاحبؒ نے عرض کیا مرد اور عورت کے کیا کیا حصے وراثت میں ہوتے ہیں؟ امام ابوجعفر صادق علیہ الرحمہ نے فرمایا عورت کا حصہ مرد کے حصہ کا آدھا ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے عرض کیا اگر میں قیاس سے کہتا اور عقل کا استعمال کرتا تو اسکے برعکس کہتا کیونکہ عورت مرد سے کمزور ہے لہٰذا اس کیلئے دو حصے ہونے چاہیں۔

دوسرا مسئلہ عرض یہ ہے کہ نماز افضل ہے یا روزہ؟ فرمایا نماز تب امام صاحبؒ نے عرض کیا اگر میں قیاس سے کہتا تو دوسرا حکم دیتا اور کہتا کہ حائضہ عورت نماز کی قضاء کرے، روزہ کی نہیں، کیونکہ نماز روزہ سے افضل ہے۔

تیسرا مسئلہ امام صاحب نے دریافت کیا کہ پیشاب زیادہ نجس ہے یا منی؟ فرمایا پیشاب زیادہ نجس ہے۔ اس پر امام صاحبؒ نے فرمایا کہ اگر میں قیاس سے کہتا تو یہ حکم دیتا کہ پیشاب سے غسل واجب ہے، منی سے نہیں کیونکہ پیشاب زیادہ نجس ہے۔اللہ کی پناہ کہ میں حدیث کے خلاف کوئی بات کہوں میں تو حدیث کے چاروں طرف پھرتا ہوں۔ یہ سن کر ابوجعفر محمد کھڑے ہوگئے اور امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کی پیشانی کو چوم لیا۔

امام عبدالوہاب شعرانی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوریؒ، مقاتل بن حیانؒ، حماد بن سلمہؒ اور حضرت جعفر صادقؒ امام ابوحنیفہؒ کے پاس آئے اور ان سے اس پروپیگنڈے کی حقیقت معلوم کی کہ وہ قیاس کو حدیث پر مقدم رکھتے ہیں، اس کے جواب میں امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ میں تو قیاس کو قرآن وحدیث ہی نہیں، آثار صحابہ کے بھی بعد استعمال کرتا ہوں اور صبح سے زوال تک امام ابوحنیفہؒ ان حضرات کو اپنا موقف سمجھاتے رہے آخر میں یہ چاروں حضرات یہ کہہ کر تشریف لے گئے کہ آپ تو علماء کے سردار ہیں، لہٰذا ہم نے ماضی میں آپ کے بارے میں صحیح علم کے بغیر جو بدگمانیاں کی ہیں ان پر آپ ہمیں معاف فرمائیے۔

(المیزان الکبریٰ)(تذکرۃ النعمان، از علامہ محمد بن یوسف دمشقی) (محمد لیاقت علی رضوی حنفی عفی عنہ)

تقریظ وثیق

جامع المعقول والمنقول مناظر اسلام محقق اہل سنت استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا

مفتی غلام محمد بندیالوی شرقپوری دامت فیوضہم العالیہ

شیخ الحدیث: جامعہ نبویہ شرقپور روڈ لاہور

نحمد الله الذی هدانا الی السبیل القویم و ارسل الینا رسله والقی علینا فیوضات الرضویة و فهمنا تشریحات الهدایة ولمع خواطر نا بشریعة النبویة والصلوٰة والسلام علی رسوله خیر البریة وعلی آله المهدیة واصحابه المرضیة ۔اما بعد

اللہ تعالیٰ بعض نفوس کو بشری کدورتوں سے بزیہ اور نظیف فکر اور ہیولیٰ اور صورۃ جسمیہ کی فطری وجبلی خواہشات سے منزہ فرما کر ان پر رشد وہدایۃ کے ابواب مفتوح فرما دیتا ہے۔ اور ان کے اجنان واذہان کو گلستان شریعہ نبویہ کے گلدستوں سے معطر فرما دیتا ہے۔

المختصر، الفاضل المحتشم مولانا علامہ محمد لیاقت علی رضوی زید مجدہ کی شرح ہدایہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ بعض مقامات کا طائرانہ نظر سے مطالعہ کرنے کا موقع میسر ہوا۔ ظاہراً وباطناً، انبساط اور اغتباط سے متلذذ ہوا۔ اور شرح کو حج لامعہ اور براہین رافعہ سے منسق پایا۔

الحمدللہ! فاضل موصوف کو اللہ قدوس نے جوہر ملکہ عبارات کی تخریج سے مترشح فرمایا ہے۔ اور شرح کی عبارات فصیح وبلیح سے ترشیح وترمیص کر دینے کا حماسہ متوافرہ عطا فرمایا ہے۔" الحمد لله علی ذلك حمدا كثيرا"، قضایا معقولہ کو نقوش متلونہ سے متشکل کر کے انہیں وجود کتابی سے قرطاس کو اسالیب بدیعہ سے رشیق وانیق کرنا ان کی ھویہ ہے۔

مباحث متکاثرہ کو اس طریق انیق سے جامعیت کے جوہر سے مبعج کیا اور ایجاز واطناب کے اطراف سے کنارہ کشی کرتے ہوئے قصور وجیزہ کو جامعیت کے دائم سے وثیق کیا۔

شارح ممدوح نے علم فقہ کی شاہراہ میں استقراء کی فوانیس اور تمثیل کے مصابیح روشن کر کے جزئیات فقہیہ کو استنباط واستخراج فرما کر مسلک اہل سنت حنفی بریلوی کے ارتفاع وارتقاء کیلئے سبل مسطع فرما دیئے۔

تشریحات تلمیعہ وتحقیقات فریدیہ وتدقیقات غالیہ کو فیوضات رضویہ کی طرف منسوب کر کے گلستان رضویت کی نضارۃ میں اضافہ فرمایا ہے۔

شارح موصوف شرح میں علمی گھتیوں کوسلجھانے میں متفرد ہیں اس پر مستزادیہ کہ قضایا جیدہ کو قضایا مزیعہ سے متمیز کر کے ان میں فکری خطاء سے مصون رہ کرنتائج کی تحصیل میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔

مجیب الدعوات کی بارگاہ میں انتہائی عاجزی وانکساری سے دعا ہے کہ فاضل موصوف کی شرح کو عوام وخواص میں مقبول فرمائے۔آمین بجاہ النبی الامین وبحرمت خاتم النبیین ﷺ۔

بالآخران شاءاللہ تعالی شارح موصوف کی شرح علماء وطلبا کو جزماًدیگر شروع سے مستغنی کردے گی۔وللہ الحمد۔

العبد الضعیف غلام محمد بندیالوی شرقپوری

خویدم الشریعة النبویة علی صاحبها الصلوٰة والسلام دائماً ابداً

مدینة العلوم الجامعة النبویة شرقپور روڈ لاهور

تقریظ

حضرت علامہ،مولانا مفتی مشتاق احمد نوری صاحب دامت فیوضہم العالیہ

رئیس الجامعہ وشیخ الجامعہ:جامعہ شہابیہ اچھرہ لاہور

میں نے ''فیوضات رضویہ فی تشریحات ہدایہ'' کومختلف جگہ سے دیکھا ہے۔جس قدر میں نے پڑھا ماخذ مستندہ کتب سے لئے گئے ہیں یہ کتاب فقہ کے موضوع پر ہے۔بہت سے دوسرے علمی مسائل کی طرح فقہی مسائل میں بھی مختلف آراء پائی جاتی ہیں۔مگر مصنف کا انداز بیاں سلیس اور عام فہم ہے۔جگہ جگہ الجھن کا حل پیش کرنے کی بھر پور سعی کی گئی ہے۔

فقہ سے دلچسپی رکھنے والے دین دار طبقہ کیلئے خصوصاً اور عوام کیلئے عموماً یہ تالیف نافع ہوگی۔مصنف علامہ محمد لیاقت علی رضوی ایک باعمل عالم،صوفی منش اور قابل فخر سپوت ہیں۔علم وفضل کا ذاتی کمال ان کی ذاتی سعادت مندی کی دلیل ہے۔علم کے بارے میں خوش نصیب ہیں۔ایک طرف قدیم درس نظامی کی تکمیل کی تو دوسری طرف رائج الوقت تعلیم حاصل کر کے پنجاب یونیورسٹی سے ایم،اے کی ڈگری حاصل کر چکے ہیں۔دینی مدرسہ کے معلم اور مصنف بن جانے کے باوجود ہنوز وہ جستجوئے تحقیق بھی ہیں۔

ان کی کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔پڑھ کر عمل کرنے کی کوشش کریں۔

مشتاق احمد نوری

مہتمم جامعہ شہابیہ شیر شاہ ولی اچھرہ لاہور،چیئرمین تحریک فروغ اسلام

﴿یہ کتاب نماز کے بیان میں ہے﴾

کتاب الصلوٰۃ کی ماقبل ومابعد کتب سے مطابقت:

مصنف نے کتاب الطہارات کے بعداور کتاب الزکوٰۃ وصوم وحج سے پہلے کتاب الصلوٰۃ کوذکر کیا ہے۔جبکہ تمام کتابوں میں یہ اسلوب مصنف کا ہے کہ کتاب کے تحت ابواب قائم کیے ہیں اوران کے ابواب کے تحت فصول ذکر کرکے مسائل کی تفہیم میں نہایت اعلیٰ کارنامہ سرانجام دیا ہے۔کتب فقہ کی ترتیب کتابیں باہم نوع کے درجے میں ہیں۔کیونکہ تمام کتابوں کی خواہ وہ کتاب الطہارات ہو یا کتاب الصلوٰۃ وزکوٰۃ وغیرہ ہوں ان کی حقیقت متفق ہے اوروہ عبادت ہے اسی طرح کتاب النکاح ،بیوع وغیرہ میں اگرچہ معاملات ہیں تاہم ان میں بھی احکام شرعیہ کے مطابق عمل کرنا عبادت ہے۔لہذا تمام فقہی کتابوں میں جوترتیب فقہی ہے وہ نوع کے درجے میں ہے۔

مصنف کے اسلوب ابواب وفصول میں جوترتیب ہے وہ جنس وفصل اورکسی بھی فصل کے آخر جواستثنائی مسائل بیان کیے جاتے ہیں وہ خاصہ کے درجے میں ہوتے ہیں جن میں بعض خاصہ شاملہ اوربعض خاصہ غیرشاملہ کے درجے میں ہوتے ہیں۔ اسی طرح فقہی ترتیب نہایت جامع ومحقق انداز میں بیان کی گئی ہے۔تاہم محدثین نے اسی ترتیب کوپسند کیااورفقہی ترتیب کے مطابق کثیر کتب احادیث کاذخیرہ بھی ملتاجلتا ہے۔

کتاب الصلوٰۃ کے ماقبل کتاب یعنی کتاب الطہارات سے مناسبت یہ ہے کہ اس کتاب کاحصول اس پرموقوف ہے کیونکہ جب تک طہارت معتبرنہیں ہوگی اس وقت تک نماز کی ادائیگی ممکن ہی نہیں ہوسکتی۔اسی طرح دوسری وجہ یہ ہے کہ طہارت ذریعہ ہے جس سے نماز کوادا کیاجائے۔ذرائع اکثر مقاصد سے مقدم ہوتے ہیں۔اس کی تیسری وجہ یہ ہے کہ طہارت کے تقدم کاحکم، حکم شرعی ہے لہذا جس حکم کوعملی طورپرشریعت نے مقدم کیاہواسے مقدم ہی سمجھاجائے گا۔

کتاب الصلوٰۃ کے بعدمصنف نے کتاب الزکوٰۃ وغیرہ کوذکر کیا ہے۔اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ اسلوب قرآن کی اتباع ہے کیونکہ قرآن مجید میں کثیرمقامات پرنماز کے حکم کومقدم اوراسی پرعطف ڈالتے ہوئے زکوٰۃ کے حکم کومؤخرذکرکیاگیاہے اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ نماز کی ادائیگی میں کثرت ہے کیونکہ وہ دن میں پانچ مرتبہ جبکہ زکوٰۃ سال میں صرف ایک مرتبہ دی جاتی ہے۔اس کی تیسری وجہ ہے کہ نماز میں نصاب وغیرہ کوئی شرط ہی نہیں کہ ہرغریب وامیراس کوپڑھ سکتا ہے۔جبکہ زکوٰۃ میں نصاب کاہوناضروری ہے اوروہ صرف صاحب نصاب پرفرض ہوتی ہے۔اس کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ نماز کاسبب دن میں پانچ مرتبہ مکلّف کوپہنچنے والا ہے۔جبکہ زکوٰۃ کاسبب نصاب کے بعدبھی ایک سال کی طویل مسافت کے بعدپہنچتا ہے۔

(محمد لیاقت علی رضوی)

کتاب الصلوٰۃ کی کتاب الطہارت سے تقدم کی وجہ:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ مصنف جب طہارات سے فارغ ہوئے تو نماز کا بیان شروع کردیا ہے کیونکہ طہارت نماز کیلئے شرط ہے۔اور نماز مشروط ہے۔اور شرط طبعاً مقدم ہوا کرتی ہے۔اور حکم شرط اس کے بعد ہوتا ہے۔اور اس کے بعد یعنی اس کے ساتھ ہی ملا ہوا ہوتا ہے۔(البنایہ شرح الہدایہ،ج ۲،ص ۳،حقانیہ ملتان)

صلوٰۃ کا معنی ومفہوم:

عربی لغت میں صلوٰۃ کے معنی دعا کے ہیں۔عرب شاعروں کے شعر اس پر شاہد ہیں۔پھر شریعت میں اس لفظ کا استعمال نماز کے لئے ہونے لگا جو رکوع وسجود اور دوسرے خاص افعال کا نام ہے جو مخصوص اوقات میں جملہ شرائط وصفات اور اقسام کے ساتھ بجالائی جاتی ہے۔ابن جریر فرماتے ہیں۔صلوٰۃ کو نماز اس لئے کہا جاتا ہے کہ نمازی اللہ تعالیٰ سے اپنے عمل کا ثواب طلب کرتا ہے اور اپنی حاجتیں اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے۔بعض نے کہا ہے کہ جو دو رگیں پیٹھ سے لے کر ریڑھ کی ہڈی کی دونوں طرف آتی ہیں انہیں عربی میں صلوین کہتے ہیں چونکہ صلوٰۃ میں یہ ہلتی ہیں اس لئے اسے صلوٰۃ کہا گیا ہے۔لیکن یہ قول ٹھیک نہیں بعض نے کہا یہ ماخوذ ہے صلی سے،جس کے معنی ہیں جھک جانا اور لازم ہوجانا۔جیسے قرآن میں آیت (لا یصلاھا) الخ یعنی جہنم میں ہمیشہ نہ رہے گا مگر بد بخت۔

بعض علماء کا قول ہے کہ جب لکڑی کو درست کرنے کے لئے آگ پر رکھتے ہیں تو عرب تصلیہ کہتے ہیں چونکہ مصلی بھی اپنے نفس کی کجی کو نماز سے درست کرتا ہے اس لئے اسے صلوٰۃ کہتے ہیں۔جیسے قرآن میں ہے آیت (ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر) الخ یعنی نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے لیکن اس کا دعا کے معنی میں ہونا ہی زیادہ صحیح اور زیادہ مشہور ہے۔(تفسیر ابن کثیر،البقرہ،۴)

صلوٰۃ کے لغوی معنی رحمت کا نازل ہونا،دعا کرنا،نماز وعبادت کرنا ہے اور کسی کے لئے اللہ سے رحمت کی دعا کرنا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ومن الاعراب من یومن باللہ والیوم الأخر ویتخذ ماینفق قربت عنداللہ وصلوٰت الرسول (التوبہ)

اور بعض دیہاتی ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسی سے اللہ کا قرب چاہتے ہیں اور اس کی دعاؤں کا ذریعہ جانتے ہیں۔

یہاں صلوٰۃ کی جمع صلوٰت ہے جو دعا کے لیے استعمال ہوا ہے مدینہ کے اطراف کے دیہاتی آپ کے پاس آتے تھے اور اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرتے تھے جنہیں رسول اللہ ﷺ کی دعا کی سعادت نصیب ہوتی تھی چونکہ نماز بھی اللہ کے لیے

ہے جس میں قیام ورکوع وسجودوذکراذکار ہیں جو اللہ کے لیے خاص ہیں اس لیے اس کو صلوٰۃ نماز کہتے ہیں۔

اور ہم نبی کریم ﷺ کے لیے اللہ تعالیٰ سے رحمت کی دعا کرتے ہیں کہ اللھم صل علی محمد اے اللہ تو رحمتیں بھیج محمد ﷺ پر اور آپ کی ال پر!(درود وسلام جیسے صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہم)

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ اللهَ وَمَلٰئِكَتَه يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔الاحزاب،٥٦)

بیشک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر اے ایمان والوان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

اس لیے صلوٰۃ کے معنی رحمت کی دعا کرنا بھی ہے ایسی بہت سی مثالیں قرآن کریم میں ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

خذمن اموالهم صدقة تطهرهم و تزكيهم بهاوصل عليهم ان صلوتك سكن لهم والله سميع عليم (التوبه)

آپ اُن کے مالوں سے صدقات (وزکوٰۃ) قبول کیا کریں اور اس کے ذریعہ ان کو پاک وصاف کردیں اور ان کے لیے دعا کریں کیوں کہ آپ کی دعا ان کے لیے سکون کا باعث ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

لفظ صلوٰۃ کی وجہ تسمیہ:

نماز اردو زبان کا لفظ ہے اور شریعت اسلامی میں اسکا مطلب ہے ایک خاص ترتیب سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا۔نماز کو عربی میں صلوٰۃ کہتے ہیں۔اسکے حروف اصلی تین ہیں (ص،ل،الف) عربی لغت کے اعتبار سے نماز کا معنی ہے۔دعا کرنا، تعظیم کرنا، آگ جلانا، آگ میں جانا، آگ پر گرم کرکے ٹیڑھی لکڑی کو سیدھا کرنا وغیرہ۔

عربی زبان کا یہ قاعدہ ہے کہ کسی لفظ کے لغوی معنی اور شرعی معنی میں مناسبت ضرور ہونی چاہئے۔پس جس قدر صلوٰۃ کے لغوی معنی ہیں وہ شرعی اعتبار سے صلوٰۃ کے عمل میں موجود ہیں مثلاً نماز میں اپنے لئے، والدین کیلئے اور تمام مسلمانوں کے لئے دعا ہے۔تعظیم کی تین صورتیں، کھڑے ہونا، جھکنا، سجدہ کرنا یہ سب نماز میں موجود ہیں۔نماز کے ذریعے انسان کے دل میں عشق الٰہی کی آگ بھڑکتی ہے۔نمازی کے گناہوں کا جل کر خاک ہو جانا احادیث سے ثابت ہے۔نمازی کے ٹیڑھے اور برے اخلاق کا درست ہونا اظہر من الشمس ہے۔

نماز کی تعریف:

نماز کی نیت سے نماز کی شرائط کے ساتھ نماز کے ارکان کو ایسے طریقہ کے ساتھ ادا کرنا جیسا کہ آپ ﷺ نے ادا کی تھی، نماز کہلاتی ہے۔

نماز کب فرض ہوئی:

امام بخاری علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں حضرت سیدنا انس بن مالک ؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابوذر ؓ بیان کیا کرتے

تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : (ایک شب) میرے گھر کی چھت کھولی گئی اور میں مکہ میں تھا، پھر جبرئیل اترے اور انھوں نے میرے سینہ کو چاک کیا، پھر اسے زم زم کے پانی سے دھویا، پھر ایک طشت سونے کا حکم وایمان سے بھرا ہوا لائے اور اسے میرے سینے میں ڈال دیا، پھر سینے کو بند کر دیا۔ اس کے بعد میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے آسمان پر چڑھا لے گئے تو جب میں آسمان دنیا پر پہنچا تو جبرئیل نے آسمان کے داروغہ سے کہا کہ (دروازہ) کھول دو تو اس نے کہا یہ کون ہے؟ وہ بولے کہ یہ جبرئیل ہے۔ پھر اس نے کہا کیا تمہارے ساتھ کوئی (اور بھی) ہے؟ جبریل نے کہا ہاں ! میرے ہمراہ محمد ﷺ ہیں۔ پھر اس نے کہا کیا وہ بلائے گئے ہیں؟ جبریل نے کہا ہاں پس جب دروازہ کھول دیا گیا تو ہم آسمان دنیا کے اوپر چڑھے۔ پس یکا یک میری ایک ایسے شخص پر (نظر پڑی) جو بیٹھا ہوا تھا، اس کی دائیں جانب کچھ لوگ تھے اور اس کی بائیں جانب (بھی) کچھ لوگ تھے۔ جب وہ اپنے دائیں جانب دیکھتے تو ہنس دیتے اور جب بائیں طرف دیکھتے تو رو دیتے۔ پھر انھوں نے (مجھے دیکھ کر) کہا مرحبا (خوش آمدید) نیک پیغمبر اور نیک بیٹے میں نے جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ تو انھوں نے کہا کہ یہ آدم ہیں اور جو لوگ ان کے داہنے اور بائیں ہیں، ان کی اولاد کی روحیں ہیں۔ دائیں جانب جنت والے ہیں اور بائیں جانب دوزخ والے۔ اسی سبب سے جب وہ اپنی دائیں جانب نظر کرتے ہیں تو ہنس دیتے ہیں اور جب بائیں طرف دیکھتے ہیں تو رونے لگتے ہیں۔ یہاں تک کہ مجھے دوسرے آسمان تک لے گئے اور اس کے داروغہ سے کہا کہ دروازہ کھولو تو ان سے داروغہ نے اسی قسم کی گفتگو کی جیسے پہلے نے کی تھی۔ پھر دروازہ کھول دیا گیا۔ سیدنا انس ؓ کہتے ہیں پھر سیدنا ابوذر ؓ نے ذکر کیا کہ آپ ﷺ نے آسمانوں میں آدم، ادریس، موسیٰ، عیسیٰ اور ابراہیم کو پایا اور (اور ان کے ٹھکانے بیان نہیں کیے، صرف اتنا کہا کہ آپ ﷺ نے) آدم کو آسمان دنیا پر اور ابراہیم کو چھٹے آسمان پر پایا۔ سیدنا انس ؓ کہتے ہیں کہ جب جبرئیل نبی ﷺ کو لے کر ادریس کے پاس سے گزرے تو انھوں نے کہا خوش آمدید نیک پیغمبر اور نیک بھائی۔ (آپ ﷺ نے فرمایا کہ (میں نے جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ تو جبریل نے کہا یہ ادریس ہیں، پھر میں موسیٰ کے پاس سے گزرا تو انھوں نے مجھے دیکھ کر کہا خوش آمدید نیک پیغمبر اور نیک بھائی میں نے (جبریل سے) پوچھا یہ کون ہیں؟ تو جبریل نے کہا کہ یہ موسیٰ ہیں، پھر میں عیسیٰ کے پاس سے گزرا تو انھوں نے کہا خوش آمدید نیک پیغمبر اور نیک بھائی میں نے پوچھا یہ کہ کون ہیں؟ تو جبریل نے کہا کہ یہ عیسیٰ ہیں، پھر میں ابراہیم کے پاس گزرا تو انھوں نے کہا خوش آمدید نیک پیغمبر اور نیک بیٹے میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ جبریل نے کہا کہ یہ ابراہیم ہیں۔ (صحیح بخاری، ج ۱، ص ۵۰، قدیمی کتب خانہ کراچی)

معجزہ معراج سے پہلے نمازوں کی کیفیت:

اور مواہب کی فصل اوّل میں جہاں اولین ایمان لانے والوں کا ذکر ہے، اس سے تھوڑا پہلے مذکور ہے کہ مقاتل نے کہا ہے کہ ابتداء میں نماز کی صرف دو رکعتیں صبح کو اور دو رکعتیں رات کو فرض تھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور تسبیح کہو اپنے رب کی

حمد کے ساتھ رات کو اور سویرے۔ فتح الباری میں کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے پہلے نماز تو یقیناً پڑھتے تھے اور اسی طرح آپ کے صحابہ بھی پڑھتے تھے، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ پانچ نمازیں فرض ہونے سے پہلے کوئی نماز فرض بھی تھی یا نہیں ! تو کہا گیا ہے کہ ایک نماز طلوع سے اور ایک غروب سے پہلے فرض تھی اور اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے : اور تسبیح کہو اپنے رب کی حمد کے ساتھ طلوع شمس سے پہلے اور غروبِ شمس سے پہلے۔(شرح الزرقانی علی المواهب المقصد الاول فی تشریف الله تعالٰی له علیه وسلم ، مطبوعه المطبعة العامره مصر)

پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کی نماز:

امام ابو جعفر طحاوی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ جب آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی توبہ وقتِ فجر قبول ہوئی انہوں نے دو رکعتیں پڑھیں وہ نماز صبح ہوئی۔ اور اسحٰق علیہ الصلاۃ والسلام کا فدیہ وقت ظہر آیا ابرہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے چار پڑھیں وہ ظہر مقرر ہوئی۔ عزیر علیہ السّلام سو برس کے بعد عصر کے وقت زندہ کئے گئے انہوں نے چار پڑھیں وہ عصر ہوئی۔ داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توبہ وقتِ مغرب قبول ہوئی چار رکعتیں پڑھنے کھڑے ہوئے تھک کر تیسری پر بیٹھ گئے، مغرب کی تین ہی رہیں۔ اور عشاء سب سے پہلے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی۔

جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے اسی کے مطابق اس کو طحاوی نے روایت کیا ہے کہ قاسم ابن جعفر نے بحرابن حکم کیسانی سے، اس نے ابو عبدالرحمٰن عبداللہ ابن محمد ابن عائشہ سے سُنا اس کے بعد سابقہ روایت بیان کی ہے۔

(شرح معانی الآثار باب الصلوٰۃ الوسطی مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ یہ حکایت ایک لطیف کلام پر مشتمل ہے لہذا اُس کا خلاصہ لکھتے ہوئے امام زندوستی فرماتے ہیں میں نے امام ابوالفضل سے پوچھا صبح کی دو رکعتیں ظہر وعصر وعشاء کی چار مغرب کی تین کیوں ہوئیں۔ فرمایا حکم۔ میں نے کہا مجھے اور ابھی افادہ کیجئے۔ کہا ہر نماز ایک نبی نے پڑھی ہے، آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب جنت سے زمین پر تشریف لائے دنیا آنکھوں میں تاریک تھی اور ادھر رات کی اندھیری آئی، انہوں نے رات کہاں دیکھی تھی بہت خائف ہوئے، جب صبح چمکی دو رکعتیں شکرِ الٰہی کی پڑھیں، ایک اس کا شکر کہ تاریکی شب سے نجات ملی دوسرا اس کا کہ دن کی روشنی پائی انہوں نے نفل پڑھی تھیں ہم پر فرض کی گئیں کہ ہم سے گناہوں کی تاریکی دُور ہو اور طاعت کا نُور حاصل ہو۔ زوال کے بعد سب سے پہلے ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے چار رکعت پڑھیں جبکہ اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فدیہ اُترا ہے پہلی اس کے شکر میں کہ بیٹے کا غم دُور ہوا دوسری فدیہ آنے کے سبب، تیسری اللہ تعالیٰ کی رضا کا شکر، چوتھی اس کے شکر میں کہ اللہ عزوجل کے حکم پر اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے گردن رکھ دی، یہ ان کے نفل تھے ہم پر فرض ہوئیں کہ مولی عز تعالیٰ ہمیں قتلِ نفس پر قدرت دے

جیسی اُنہیں ذبحِ ولد پر قدرت دی اور ہمیں بھی غم سے نجات دے اور یہود ونصاریٰ کو ہمارا فدیہ کر کے نار سے ہمیں بچالے اور ہم سے بھی راضی ہو۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۵، کتاب الصلوٰۃ۔ رضافاونڈیشن لاہور)

نماز چھوڑنے پر وعید کا بیان:

امام مسلم علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز کا چھوڑنا بندہ مومن اور کفر کے درمیان (کی دیوار کو گرادیتا) ہے۔ (صحیح مسلم)

یہاں لفظ بین کا متعلق محذوف ہے یعنی اس حدیث میں یہ عبارت مقدر ہے کہ تَرْکُ الصَّلٰوۃِ وُصْلَۃٌ بَیْنَ الْعَبْدِ الْمُسْلِمِ وَبَیْنَ الْکُفْرِ جس کا مطلب یہ ہوا کہ بندہ مومن اور کفر کے درمیان نماز بمنزلہ دیوار کے ہے کہ بندہ اس کی وجہ سے کفر تک نہیں پہنچ سکتا مگر جب نماز ترک کر دی گئی تو گویا درمیان کی دیوار اٹھ گئی لہٰذا نماز چھوڑنا اس بات کا سبب ہوگا کہ نماز چھوڑنے والا مسلمان کفر تک پہنچ جائے گا بہر حال۔ اس حدیث میں نماز چھوڑنے والوں کے لیے سخت تہدید ہے اور اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ نماز کا چھوڑنے والا ممکن ہے کہ کافر ہو جائے۔

کیونکہ جب اس نے اسلام وکفر کے درمیان کی دیوار کو ختم کر دیا گویا وہ کفر کی حد تک پہنچ گیا ہے اور جب وہ کفر کی حد تک پہنچ گیا تو ہوسکتا ہے کہ یہی ترک نماز اس کو فسق وفجور اور اللہ سے بغاوت وسرکشی میں اس حد تک دلیر کر دے کہ وہ دائرہ کفر میں داخل ہو جائے یہ شروع میں بتایا جا چکا ہے کہ تارک نماز کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں چنانچہ اصحاب ظواہر تو یہ کہتے ہیں کہ تارک صلوۃ کافر ہو جاتا ہے۔

حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ نماز چھوڑنے والا اگرچہ کافر نہیں ہوتا مگر وہ اس سرکشی وطغیانی کے پیش نظر اس قابل ہے کہ اس کی گردن اڑادی جائے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ جو آدمی نماز چھوڑ دے اس کو اس وقت تک جب تک کہ نماز نہ پڑھے مارنا اور قید خانہ میں ڈال دینا واجب ہے۔

بَابُ الْمَوَاقِيت

﴿یہ باب نماز کے اوقات کے بیان میں ہے﴾

باب اوقات کی مطابقت کا بیان:

علامہ ابن محمود البابرتی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کتاب الایمان کے بعد کتاب الصلوٰۃ تمام کتابوں سے مقدم ہے۔ اور لغت میں ''صلوٰۃ'' کا معنی دعا ہے۔ جبکہ اصطلاح میں افعال مخصوصہ معہودہ کا نام نماز ہے۔ اور اس کو نماز اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کے اندر لغوی معنی جو شریعت سے منقول ہو کر آیا اس میں پایا جاتا ہے۔ اور اس کے وجوب کا سبب وقت ہے۔ (اسی وجہ سے مصنف نے اوقات کے باب کو مقدم ذکر کیا ہے کیونکہ سبب وجود میں مقدم ہوتا ہے)۔ (عنایہ، ج ا،ص ۳۵۱، بیروت)

قرآن مجید سے نمازوں کے اوقات کا بیان:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا (۱۰۳، سورة نساء)

بے شک نماز مسلمانوں پر وقت مقررہ پر فرض ہے۔ سورۃ روم میں پنجگانہ نماز کے وقتوں کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے۔

فَسُبْحَانَ اللَّهِ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ تُصْبِحُونَ (۱۷)وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَعَشِيًّا وَحِينَ تُظْهِرُونَ (۱۸، سورة روم)

تو اللہ کی پاکی بولو جب شام کرو اور صبح ہو۔ اور اسی کی تعریف ہے آسمانوں اور زمینوں میں اور کچھ دن رہے جب تمہیں دوپہر ہو۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی نور العرفان میں اس آیت کی تفسیر لکھتے ہیں کہ شام میں مغرب اور عشاء کی نمازیں آ گئی اور صبح میں نماز فجر۔ تین نمازیں یہ ہوئیں۔ تمام آسمان و زمین والے خصوصیت سے ان اوقات میں تسبیح وتحمید کرتے ہیں۔ عشیّا میں نماز عصر اور تُظھِرُون میں نماز ظہر مراد ہے کیونکہ ظہر ظہرہ سے بنا ہے یعنی دوپہر۔ خیال رہے کے عربی میں صبح سے دوپہر تک غدا، دوپہر سے رات تک کے اول حصہ تک عشاء اور نصف رات کے بعد کو سحور کہتے ہیں۔

ایک اور جگہ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ

وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذَلِكَ ذِكْرَى لِلذَّاكِرِينَ (۱۱۴) (ب، هود)

ترجمہ: اور نماز قائم کرو دن کے دونوں کناروں اور کچھ رات کے حصوں میں۔

حضرت صدرالافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی تفسیر خزائن العرفان میں لکھتے ہیں کہ دن کے دونوں کناروں سے صبح اور شام مراد ہے زوال سے قبل کا وقت صبح میں اور بعد کا شام میں داخل ہے صبح کی نماز فجر اور شام کی نماز ظہر وعصر ہیں اور رات کے حصوں کی نمازیں مغرب وعشاء ہیں۔

امام بخاری ومسلم اپنی اسناد کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے کسی (غیر) عورت کا بوسہ لے لیا پھر (احساس ندامت وشرمندگی کے ساتھ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر صورت واقعہ کی خبر دی (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا حکم پوچھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ وحی کے ذریعہ حکم خداوندی کے منتظر رہے اس اثناء میں اس آدمی نے نماز پڑھی جب ہی اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔آیت (وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفاً مِّنَ الَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ) 11۔ہود 114:) اور نماز کو دن کے وقت اول وآخر اور رات کی چند ساعات میں پڑھا کرو کیونکہ نیکیاں (یعنی نمازیں) برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ آیت کے نازل ہونے کے بعد اس آدمی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ حکم میرے لیے ہے (یا پوری امت کے لیے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (نہیں! یہ حکم) میری امت کے لیے ہے۔ایک دوسری روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب اس طرح مذکور ہے کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) میری امت میں سے جو آدمی اس آیت پر عمل کرے اس کے لیے (یہی حکم ہے، یعنی جو آدمی بھی برائی کے بعد بھلائی کرے گا اسے یہی سعادت حاصل ہوگی کہ اس بھلائی کے نتیجے میں اس کی برائی ختم ہو جائے گی)۔(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

جس صاحب کا یہ واقعہ ہے کہ انہوں نے ایک غیر عورت کا بوسہ لے لیا تھا ان کا نام ابوالیسر تھا۔جامع ترمذی نے ان کی ایک روایت نقل کی ہے جس میں وہ خود راوی ہیں کہ، میرے پاس ایک عورت کھجوریں خریدنے کے لیے آئی میں نے اس سے کہا کہ میرے گھر میں اس سے زیادہ اچھی کھجوریں رکھی ہوئی ہیں (اس لیے تم وہاں چل کر دیکھ لو) چنانچہ وہ میرے ہمراہ مکان میں آگئی (وہاں میں شیطان کے بہکانے میں آ گیا اور جذبات سے مغلوب ہوکر) اس اجنبی عورت سے بوس وکنار کیا۔اس نے (میرے اس غلط اور نازیبا رویے پر مجھے تنبیہ کرتے ہوئے) کہا کہ بندہ خدا! اللہ (کے قہر وغضب) سے ڈرو چنانچہ (خوف خدا سے میرا دل تھرا گیا اور) میں نہایت ہی شرمندہ وشرمسار ہوکر بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوا۔چنانچہ بارگاہ رسالت ﷺ میں ان کے ساتھ جو معاملہ ہوا وہی حدیث میں ذکر کیا گیا ہے آیت کریمہ میں طرفی النہار یعنی دن کے اول و آخر سے دن کا ابتدائی حصہ اور انتہائی حصہ مراد ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ دن کے اول یعنی ابتدائی حصہ سے فجر کی نماز اور آخری حصہ سے ظہر وعصر کی نمازیں مراد ہیں اسی طرح زلفا من الیل یعنی رات کی چند ساعتوں سے مغرب وعشاء کا وقت مراد ہے۔اس طرح اب آیت کریمہ کا مطلب یہ ہوگا فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نماز پڑھا کرو، کیونکہ نیکیاں (نمازیں)

برائیوں کومٹا دیتی ہیں۔

نماز فجر کے وقت کا بیان:

(أَوَّلُ وَقْتِ الْفَجْرِ إذَا طَلَعَ الْفَجْرُ الثَّانِي وَهُوَ الْبَيَاضُ الْمُعْتَرِضُ فِي الْأُفُقِ ، وَآخِرُ وَقْتِهَا مَا لَمْ تَطْلُعْ الشَّمْسُ) لِحَدِيثِ (إمَامَةِ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ ، فَإِنَّهُ أَمَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهَا فِي الْيَوْمِ الْأَوَّلِ حِينَ طَلَعَ الْفَجْرُ ، وَفِي الْيَوْمِ الثَّانِي حِينَ أَسْفَرَ جِدًّا وَكَادَتْ الشَّمْسُ تَطْلُعُ) ، ثُمَّ قَالَ فِي آخِرِ الْحَدِيثِ :مَا بَيْنَ هَذَيْنِ الْوَقْتَيْنِ وَقْتٌ لَك وَلِأُمَّتِك .

ترجمہ:

جب فجر ثانی طلوع ہواس وقت نماز فجر کا وقت اول ہے۔اور وہ سفیدی ہے جو جو اُفق پر پھیلی ہواور اس کا آخر وقت جب تک سورج طلوع نہ ہو۔ کیونکہ وہ حدیث جس میں جبرائیل امین نے رسول اللہ ﷺ کی امامت کرائی تھی ۔اس میں پہلے دن انہوں نے طلوع فجر کے وقت امامت کرائی اور دوسرے دن جب خوب اجالا ہو گیا۔اور قریب تھا کہ سورج طلوع ہو جاتا۔ پھر حدیث کے آخر میں انہوں نے کہا کہ ان دووقتوں کے درمیان کا وقت آپ اور آپ کی امت کیلئے ہے۔

امام ابوداؤد اور امام ترمذی اپنی اسناد کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے،حضرت جبرائیل علیہ السلام نے (نماز کی کیفیت اور اوقات بتانے کے لیے) امام بن کر خانہ کعبہ کے نزدیک مجھے دومرتبہ (دوروز) نماز پڑھائی چنانچہ (پہلے روز جس وقت سورج ڈھل گیا اور سایہ تسمے کی مانند تھا تو مجھے ظہر کی نماز پڑھائی اور جب ہر چیز کا سایہ (علاوہ سایہ اصلی کے) اس کے برابر ہو گیا تو مجھے عصر کی نماز پڑھائی اور جس وقت روزہ دار روز افطار کرتا ہے (یعنی سورج چھپنے کے بعد) تو مجھے مغرب کی نماز پڑھائی اور شفق غائب ہونے کے وقت مجھے عشاء کی نماز پڑھائی اور جس وقت روزہ دار کے لیے کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے (یعنی صبح صادق کے بعد) تو مجھے فجر کی نماز پڑھائی۔اور جب اگلا روز ہوا تو انہوں نے مجھے ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب کہ سایہ ایک مثل (کے قریب ہو گیا اور مجھے عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب کہ ہر چیز کا سایہ اس کے دو مثل ہو جاتا ہے اور مجھے مغرب کی نماز اس وقت پڑھائی جب کہ روزہ دار افطار کرتا ہے اور مجھے عشاء کی نماز اس وقت پڑھائی جب کہ تہائی رات ہو گئی تھی اور مجھے فجر کی نماز اس وقت پڑھائی جب کہ خوب روشنی ہو گئی اور پھر (جبریل علیہ السلام نے) میری طرف متوجہ ہو کر کہا۔اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ! یہ وقت آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے کے نبیوں (کی نماز) کا ہے اور نماز انہیں دووقتوں کے درمیان ہے۔

(ابوداؤد، جامع ترمذی، ج ا،ص ۲۱، فاروقی کتب خانہ لاہور)

صبح صادق اور صبح کاذب:

صبح صادق ایک روشنی ہے جو مشرق کی جانب آسمان کے کنارے میں دکھائی دیتی ہے اور بڑھتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ تمام آسمان پر پھیل جاتی ہے۔ اور زمین پر اجالا ہوتا جاتا ہے اور اس سے پہلے بیچ آسمان پر ایک سفیدی ستون کی طرح ظاہر ہوتی ہے جس کے نیچے سارا افق سیاہ ہوتا ہے۔ اور صبح صادق کے وقت یہ دراز سپیدی غائب ہو جاتی ہے اس کو صبح کاذب کہتے ہیں۔

فجر کاذب کا اعتبار نہیں کیا جائے گا:

وَلَا مُعْتَبَرَ بِالْفَجْرِ الْكَاذِبِ وَهُوَ الْبَيَاضُ الَّذِي يَبْدُو طُولًا ثُمَّ يَعْقُبُهُ الظَّلَامُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا يَغُرَّنَّكُمْ أَذَانُ بِلَالٍ وَلَا الْفَجْرُ الْمُسْتَطِيلُ ، وَإِنَّمَا الْفَجْرُ الْمُسْتَطِيرُ فِي الْأُفُقِ) .أَيْ الْمُنْتَشِرُ فِيهِ .

ترجمہ:

اور فجر کاذب کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اور وہ سفیدی ہے جو لمبائی میں ظاہر ہوتی ہے پھر اس کے فوراً بعد اندھیرا آجاتا ہے اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے بلال کی اذان تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ ہی دراز فجر۔ اور بیشک جو فجر افق میں پھیلی ہوئی ہو وہی فجر (صادق) ہے۔

شرح:

امام مسلم علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت سمرہ ابن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بلال کی اذان تمہیں تمہاری سحری کھانے سے نہ روکے (کیونکہ وہ رات کو اذان دیتے ہیں) اور نہ فجر دراز (یعنی صبح کاذب) البتہ افق پر پھیلی ہوئی فجر (یعنی صبح صادق نمودار ہو جائے تو کھانا پینا چھوڑ دو)

(صحیح مسلم، ج ۱، ص ۳۵۰، قدیمی کتب خانہ کراچی) الفاظ جامع ترمذی کے ہیں۔

قَالَ التِّرْمِذِيُّ :قَالَ مُحَمَّدٌ :يَعْنِي الْبُخَارِيَّ :حَدِيثُ جَابِرٍ أَصَحُّ شَيْءٍ فِي الْمَوَاقِيتِ .وَالْحَدِيثُ الثَّانِي رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَأَبُو دَاوُد وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ كُلُّهُمْ فِي الصَّوْمِ ، وَاللَّفْظُ لِلتِّرْمِذِيِّ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (لَا يَمْنَعَنَّكُمْ مِنْ سُحُورِكُمْ أَذَانُ بِلَالٍ وَلَا الْفَجْرُ الْمُسْتَطِيلُ وَلَكِنْ الْفَجْرُ الْمُسْتَطِيرُ فِي الْأُفُقِ) .

نماز ظہر کے وقت کی ابتداء وانتہاء:

(وَأَوَّلُ وَقْتِ الظُّهْرِ إذَا زَالَتْ الشَّمْسُ) لِإِمَامَةِ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْيَوْمِ الْأَوَّلِ حِينَ زَالَتْ الشَّمْسُ (وَآخِرُ وَقْتِهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ إذَا صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَيْهِ سِوَى فَيْءِ الزَّوَالِ وَقَالَا

زوال آفتاب کے ڈھلنے کو کہتے جسے ہماری عرف میں دوپہر ڈھلنا کہا جاتا ہے:

سایہ اصلی اس سایہ کو کہتے ہیں جو زوال کے وقت باقی رہتا ہے۔ یہ سایہ ہر شہر کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے کسی جگہ بڑا ہوتا ہے، کسی جگہ چھوٹا ہوتا ہے اور کہیں بالکل نہیں ہوتا، جیسے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں زوال اور سایہ اصلی کے پہچاننے کی آسان ترکیب یہ ہے کہ ایک سیدھی لکڑی ہموار زمین پر گاڑی جائے اور جہاں تک اس کا سایہ پہنچے اس مقام پر ایک نشان بنا دیا جائے پھر دیکھا جائے کہ وہ سایہ اس نشان کے آگے بڑھتا ہے یا پیچھے ہٹتا ہے۔ اگر آگے بڑھتا ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ ابھی زوال نہیں ہوا اور اگر پیچھے ہٹے تو زوال ہوگیا۔ اگر یکساں رہے نہ پیچھے ہٹے نہ آگے بڑھے تو ٹھیک دوپہر کا وقت ہے اس کو استواء کہتے ہیں ایک مثل سایہ اصلی کے سوا جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جائے دو مثل۔ سایہ اصلی کے سوا جب ہر چیز کا سایہ اس سے دوگنا ہو جائے ان اصطلاحی تعریفات کو سمجھنے کے بعد اب حدیث کی طرف آیئے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوقات نماز کے سلسلے میں سب سے پہلے ظہر کا ذکر کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے وقت نماز کی تعلیم کے سلسلے میں سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی نماز پڑھائی تھی، یہی وجہ ہے کہ نماز ظہر کی نماز کو پیشین کہا جاتا ہے نماز ظہر کا اول وقت اسی وقت شروع ہو جاتا ہے جب کہ درمیان آفتاب مغرب کی طرف تھوڑا سا مائل ہوتا ہے جس کو زوال کہتے ہیں اور اس کا آخری وقت وہ ہوتا ہے جب کہ آدمی کا سایہ اس کے طول کے برابر علاوہ سایہ اصلی کے ہو جاتا ہے۔ سایہ اصلی کے بارے میں بتایا جا چکا ہے کہ یہ وہ سایہ ہوتا ہے جو زوال کے وقت ہوتا ہے یعنی اکثر مقامات پر جب کہ آفتاب سمت راس پر نہیں آتا وہاں ٹھیک دوپہر کے وقت ہر چیز کا تھوڑا سا سایہ ہوتا ہے اس سائے کو چھوڑ کر جب تک کسی چیز کے طول کے برابر سایہ رہے گا ظہر کا وقت باقی رہے گا مالم یحضر العصر (عصر کا وقت آنے تک) یہ جملہ دراصل پہلے جملہ کی تاکید ہے کیونکہ جب ایک مثل تک سایہ پہنچ گیا تو وقت ظہر ختم ہو گیا۔ اور عصر کا وقت شروع ہو گیا چونکہ اس جملے کا مطلب پہلے ہی جملے سے ادا ہو گیا تھا اس لیے یہی کہا جائے گا کہ یہ جملہ پہلے جملے کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے ہاں اتنی بات اور کہی جاسکتی ہے کہ یہ جملہ اس چیز کی دلیل ہے کہ ظہر اور عصر کے درمیان وقت مشترک نہیں ہے جیسا کہ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک ہے۔ عصر کے وقت کی ابتداء تو معلوم ہوگئی کہ جب ظہر کا وقت ختم ہو جائے گا عصر کا وقت شروع ہو جائے گا۔ آخری وقت کی بات یہ ہے کہ جب تک آفتاب زرد نہیں ہو جاتا عصر کا وقت بلا کراہیت باقی رہتا ہے چنانچہ حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے۔ البتہ اس کے بعد سے غروب آفتاب تک وقت جواز باقی رہتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آفتاب کی زردی سے کیا مراد ہے تو بعض حضرات کہتے ہیں کہ آفتاب کے زرد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آفتاب اتنا بدل جائے کہ اس کی طرف نظر اٹھانے سے آنکھوں میں خیرگی نہ ہو۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ غروب آفتاب کی جو شعاعیں دیوار وغیرہ پر پڑتی ہیں اس میں تغیر ہو جائے۔

نمازظہر کے آخر وقت اور نماز عصر کے اول وقت میں ائمہ وفقہاء کا اختلاف:

حضرت امام شافعی، حضرت امام مالک، حضرت امام احمد اور صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم نیز حضرت امام زفر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ ظہر کا وقت ایک مثل تک باقی رہتا ہے اس کے بعد عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے چنانچہ ان حضرات کی دلیل یہی حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہر کا آخری وقت ایک مثل تک رہتا ہے۔

جہاں تک امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا تعلق ہے تو ایک روایت کے مطابق ان کا بھی وہی مسلک ہے جو جمہور علماء کا ہے بلکہ بعض نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ امام اعظم کا فتویٰ بھی اسی مسلک پر ہے۔ چنانچہ درمختار میں بہت سی کتابوں کے حوالوں سے اسی مسلک کو ترجیح دی گئی ہے۔ مگر ان کا مشہور مسلک یہ ہے کہ ظہر کا وقت دو مثل تک رہتا ہے ان کے دلائل ہدایہ وغیر میں مذکور ہیں بہر حال علماء نے اس سلسلہ میں ایک صاف اور سیدھی راہ نکالی ہے وہ فرماتے ہیں کہ مناسب یہ ہے کہ ظہر کی نماز تو ایک مثل کے اندر اندر پڑھ لی جائے اور عصر کی نماز دو مثل کے بعد پڑھی جائے تا کہ دونوں نمازیں بلا اختلاف ادا ہو جائیں۔

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک جب تک سایہ ظل اصلی کے علاوہ دو مثل نہ ہو جائے وقتِ عصر نہیں آتا اور صاحبین کے نزدیک ایک ہی مثل کے بعد آ جاتا ہے اگر چہ بعض کتب فتاویٰ وغیرہ تصانیف بعض متاخرین مثل برہان طرابلسی وفیض کرکی و درمختار میں قول صاحبین کو مرجح بتایا مگر قولِ امام ہی احوط واصح اور از روئے دلیل ارجح ہے، عموماً متون مذہب قولِ امام پر جزم کیے ہیں اور عامہ اجلہ شارحین نے اُسے مرضی ومختار رکھا اور اکابر ائمہ ترجیح وافتا بلکہ جمہور پیشوایانِ مذہب نے اُسی کی تصحیح کی، امام (۱) ملک العلما ابوبکر مسعود نے بدائع اور امام (۲) سرخسی نے محیط میں فرمایا :ھو الصحیح ۔ (یہی صحیح ہے)۔ امام (۳) اجل قاضیخان نے اسی کو تقدیم دی اور وہ اسی کو تقدیم دیتے ہیں جو اظہر من حیث الدرایۃ اور اشہر من حیث الروایۃ ھو ۔ ۔(البحرالرائق بحوالہ بدائع کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی فتاوٰی قاضی خان مقدمۃ الکتاب مطبوعہ نولکشور لکھنؤ انڈیا)

کما نص علیہ فی خطبۃ الخانیۃ (جیسا کہ خانیہ کے خطبہ میں یہ بات صراحۃً مذکور ہے۔ت) اور وہی قول معتمد ہوتا ہے کما فی الطحطاوی والشامی (جیسا کہ شامی اور طحطاوی میں ہے۔ت) یونہی (۴) امام طاہر بخاری نے خلاصہ میں اسے تقدیم دی۔ امام اجل (۵) برہان الدین صاحب ہدایۃ نے ہدایہ اور امام (۶) اجل ابوالبرکات نسفی نے کافی اور امام (۷) زیلعی نے تبیین الحقائق میں اسی کی دلیل مرجح رکھی، امام (۸) اجل محبوبی نے اسی کو اختیار فرمایا۔ امام (۹) صدر الشریعۃ نے اسی پر اعتماد کیا وہ چند متاخرین اعنی مصنفین برہان وفیض و درمختار ان اکابر میں ایک کی بھی جلالتِ شان کو نہیں پہنچتے۔ فتاویٰ (۱۰) غیاثیہ

وجواہر(۱۱) اخلاطی میں فرمایا :ھوالمختار (یہی مختار ہے) علامہ(۱۲) قاسم نے تصحیح قدوری میں اسی کی تحقیق کی، امام(۱۳) سمعانی نے خزانۃ المفتین میں اسی پر اقتصار فرمایا قول خلاف کا نام بھی نہ لیا، امام(۱۴) محمود عینی نے اسی کی تائید فرمائی، ملتقی(۱۵) الابحر میں اسی کو مقدم رکھا اور وہ اسی کو تقدیم دیتے ہیں جوارجح ہو کما ذکرفی خطبۃ (جیسا کہ اس کے خطبے میں ذکر کیا گیا ہے۔ت) اور وہی مختار للفتوٰی ہوتا ہے کما فی شرحہ مجمع الانھر (جیسا کہ اس کی شرح مجمع الانہر میں ہے ت ((م مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر خطبہ کتاب مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ،مراقی(۱٦) الفلاح میں ہے ھو الصحیح وعلیہ جل المشایخ والمتون ۔(یہی صحیح ہے اور اسی پر بزرگ مشایخ ومتون مذہب ہیں ، مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی کتاب الصلوٰۃمطبوعہ نور محمد کارخانہ کتب کراچی، علی المراقی میں ہے صححہ جمھور اھل المذھب ۔ (جمھور ائمہ مذھب نے اسی کی تصحیح فرمائی، مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی کتاب الصلوٰۃمطبوعہ نور محمد کارخانہ کتب کراچی)

حدیث بخاری سے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے استدلال میں قوت:

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا ہم ایک سفر میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ہمراہ رکاب اقدس تھے مؤذن نے اذانِ ظہر دینی چاہی، فرمایا :ابرد (وقت ٹھنڈا کر) دیر کے بعد پھر مؤذن نے اذان دینی چاہی، فرمایا :ابرد (وقت ٹھنڈا کر)، دیر کے بعد مؤذن نے سہ بارہ اذان کا ارادہ کیا، فرمایا :ابرد (وقت ٹھنڈا کر) اور یونہی تاخیر کا حکم فرماتے رہے یہاں تک کہ سایہ ٹیلوں کے برابر ہوگیا۔ اُس وقت اذان کی اجازت فرمائی اور ارشاد فرمایا" : گرمی کی شدت جہنم کی سانس سے ہے تو جب گرمی سخت ہو ظہر ٹھنڈے وقت پڑھو"۔(صحیح البخاری باب الاذن للمسافر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ مشاہدہ شاہد اور قواعد علم ہیأت گواہ اور خود ائمہ شافعیہ کی تصریحات ہیں کہ دوپہر کو ٹیلوں کا سایہ ہوتا ہی نہیں معدوم محض ہوتا ہے خصوصاً اقلیم ثانی میں جس میں حرمین طیبین اور اُن کے بلاد ہیں۔ امام نووی، شافعی وامام قسطلانی شافعی نے فرمایا : ٹیلے زمین پر نصب کی ہوئی اشیاء کی مانند نہیں بلکہ زمین پر پھیلے ہوتے ہیں تو زوال کے بہت زمانے کے بعد اُن کا سایہ شروع ہوتا ہے جب ظہر کا اکثر وقت گزر جاتا ہے ظاہر ہے کہ جب آغاز اُس وقت ہوگا تو ٹیلوں کے برابر ہرگز نہ پہنچے گا مگر مثل ثانی کے بھی اخیر حصہ میں اُس وقت تک حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اذان نہ دینے دی تو نماز تو یقیناً اور بھی بعد ہوئی تو بلاشبہہ مثل ثانی بھی وقت ظہر ہوا اور اس حدیث کو ارادہ جمع بین الصلاتین پر حمل کرنا خود اسی حدیث کے الفاظ سے باطل ہے حضور یہاں ابراد کا اظہار فرمارہے ہیں کہ نماز اپنے وقت کے ٹھنڈے حصے میں پڑھی جائے نہ یہ کہ وقت نکال دینے کے بعد دوسری نماز کے وقت میں ادا کی جائے، حضور یہاں حکم عام ارشاد فرمارہے ہیں کہ جب گرمی سخت ہو یوں ہی وقت ٹھنڈا کرو یہ نہیں فرماتے کہ جب مسافر ہو تو ظہر کو عصر سے ملاکر پڑھو اور یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ حدیث امامت

جبریل جس کے بھروسے پر برہان ودرمختار نے مثل اول اختیار کیا اصل حجت نہیں ہوسکتی کہ وہ دنیا میں سب سے پہلی حدیث اوقات ہے نماز شب اسرا میں فرض ہوئی اور اسی کے دن میں وقت ظہر کو آکر جبریل امین علیہ الصلاۃ والسلام نے بیان اوقات کے لئے امامت کی تو جو حدیث اُس کے خلاف ہے اُس کے بعد اور اُس کی ناسخ ہے اور قول دو مثل سے امام کا رجوع فرمانا ہرگز صحیح نہیں بلکہ اُس کا خلاف ثابت ہے کہ تمام متونِ مذہب وہی نقل فرمارہے ہیں اور متون ہی نقل مذہب کیلئے موضوع ہیں، امام محمد نے کتاب الاصل یعنی مبسوط میں کہ کتب ظاہر الروایۃ سے ہے وہی قول امام لکھا۔ نہایہ میں ہے امام سے وہی ظاہر الروایہ ہے، غایۃ البیان میں ہے یہی امام کا مذہب مشہور وماخوذ ہے۔ محیط میں ہے قول امام سے یہی صحیح ہے۔ ینابیع میں ہے امام سے یہی روایت صحیح ہے۔ شرح مجمع میں ہے مذہب امام یہی ہے۔ یہ سب بحر میں ہے۔

(البحر الرائق کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

نماز عصر کے وقت کا بیان:

(وَأَوَّلُ وَقْتِ الْعَصْرِ إِذَا خَرَجَ وَقْتُ الظُّهْرِ عَلَى الْقَوْلَيْنِ وَآخِرُ وَقْتِهَا مَا لَمْ تَغْرُبْ الشَّمْسُ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَهَا)

ترجمہ:

اور جب نماز ظہر کا وقت نکل جائے دونوں اقوال کے مطابق وہی عصر کا اول وقت ہے۔ اور اس کا آخری وقت جب تک سورج غروب نہ ہو۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے غروب آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پائی پس اس نے عصر کو پالیا۔

شرح:

امام مسلم علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ظہر کا وقت زوال آفتاب کے بعد ہے اور اس کا آخری وقت جب تک ہے کہ آدمی کا سایہ اس کے طول کے برابر ہو جائے عصر کے آنے کے وقت تک۔ اور عصر کا وقت اس وقت تک ہے جب تک کہ آفتاب زرد نہ ہو جائے اور مغرب کی نماز کا وقت اس وقت تک ہے جب تک شفق غائب نہ ہو جائے اور نماز عشاء کا وقت ٹھیک آدھی رات تک ہے اور نماز فجر کا وقت طلوع فجر سے اس وقت تک ہے جب تک سورج نہ نکل آئے اور جب سورج نکل آئے تو نماز سے باز رہو کیونکہ سورج شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان نکلتا ہے۔ (صحیح مسلم، ج ا،ص ۲۲۳، قدیمی کتب خانہ کراچی)

عصر وفجر کی نماز کا وقت میں ادراک رکعت کا بیان:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس آدمی نے آفتاب طلوع ہونے

سے پہلے صبح کی نماز کی ایک رکعت پالی تو اس نے صبح کی نماز کو پالیا اور جس نے آفتاب غروب ہونے سے پہلے عصر کی نماز کی ایک رکعت پالی تو اس نے عصر کی نماز کو پالیا (یعنی اس کی نماز ضائع نہیں ہوگی لہٰذا اسے چاہئے کہ بقیہ رکعتیں پڑھ کر نماز پوری کرلے)۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

صورت مسئلہ یہ ہے کہ مثلاً ایک آدمی عصر کی نماز بالکل آخری وقت میں پڑھنے کھڑا ہوا، ابھی اس نے ایک ہی رکعت نماز پڑھ پائی تھی۔ کہ سورج ڈوب گیا اسی طرح ایک آدمی فجر کی نماز بالکل آخری وقت میں پڑھنے کھڑا ہوا حتی کہ ایک رکعت پڑھنے کے بعد سورج نکل آیا تو اس حدیث کی رو سے دونوں کی نمازیں صحیح ہو جائیں گی۔

مگر اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے چنانچہ اکثر علماء کے نزدیک اس حدیث کے مطابق آفتاب کے طلوع وغروب کی بناء پر فجر، عصر کی نماز باطل نہیں ہوتی لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے متبعین فرماتے ہیں کہ عصر کی نماز میں تو یہ شکل صحیح ہے کہ غروب آفتاب کی بناء پر عصر کی نماز باطل نہیں ہوتی لیکن فجر کے بارے میں معاملہ بالکل مختلف ہوگا بایں طور کہ طلوع آفتاب کے بعد فجر کی نماز باطل ہو جائے گی۔ اس طرح یہ حدیث چونکہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلاف ہوگی اس لیے اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اس حدیث اور ان احادیث میں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آفتاب کے طلوع وغروب کے وقت نماز خواہ نفل ہوں یا فرض پڑھنا ممنوع ہے۔ تعارض واقع ہورہا ہے اس لیے ہم نے اصول فقہ کے اس قاعدے کے مطابق کہ جب دو آیتوں میں تعارض ہو تو حدیث کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور جب دو حدیثوں میں تعارض ہو تو قیاس کا سہارا لینا چاہئے، قیاس پر عمل کیا ہے چنانچہ قیاس نے اس حدیث کے حکم کو تو نماز عصر میں ترجیح دی اور احادیث نہی کو فجر کی نماز میں ترجیح دی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فجر میں طلوع آفتاب تک پورا وقت کامل ہوتا ہے لہٰذا طلوع آفتاب سے پہلے پہلے جب نماز شروع کی جاتی ہے تو وہ اسی صفت کمال کے ساتھ واجب ہوتی ہے جس کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ جس طرح ابتداء صفت کمال سے ہوئی ہے اسی طرح اختتام بھی صفت کمال کے ساتھ یعنی وقت کے اندر اندر ہو۔ مگر جب ایک رکعت کے بعد آفتاب طلوع ہو گیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وقت ختم ہو جانے کی وجہ سے نماز میں نقصان پیدا ہو گیا لہٰذا یہ نماز جس طرح صفت کمال کے ساتھ واجب ہوئی تھی اس طرح ادا نہیں ہوئی اور جب صفت کمال کے ساتھ ادا نہیں ہوئی تو گویا پوری نماز باطل ہوگئی۔

اس کے برعکس عصر میں دوسری شکل ہے وہ یہ کہ عصر میں غروب آفتاب تک پورا وقت کامل نہیں ہوتا یعنی جب تک کہ آفتاب زرد نہ ہو جائے اس وقت تک تو وقت مختار یا وقت کامل رہتا ہے مگر آفتاب کے زرد ہو جانے کے بعد آخر میں وقت مکروہ ہو جاتا ہے لہٰذا عصر کی نماز جب بالکل وقت آخر یعنی ناقص میں شروع کی جائے گی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کی ابتداء چونکہ وقت ناقص میں ہوئی اس لیے اس کا وجوب بھی صفت نقصان کے ساتھ ہو لہٰذا اس کا اختتام جب غروب آفتاب پر ہوگا تو کہا جائے گا کہ غروب آفتاب سے نماز میں نقصان پیدا ہو جانے کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوئی۔ کیونکہ جس طرح اس کی ابتداء

وقت ناقص میں ہوئی تھی اسی طرح اس کی انتہاء بھی وقت ناقص میں ہوئی گویا جس صفت کے ساتھ نماز واجب ہوئی تھی اسی صفت کے ساتھ (یعنی ناقص سے) ادا ہوئی۔

جن احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ طلوع آفتاب اور نصف النہار کے وقت نماز پڑھنا ممنوع ہے ان کے بارے میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا تعلق نوافل کے ساتھ ہے یعنی اگر کوئی آدمی ان تینوں اوقات میں نفل نماز پڑھنا چاہے تو اس کے لیے یہ جائز نہ ہوگا البتہ فرض نمازیں ان تینوں اوقات میں بھی جائز ہوں گی لیکن احادیث کے الفاظ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مسلک کی تائید نہیں کرتے ہیں کیونکہ حدیث میں فرض ونفل کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی بلکہ عمومی طور پر تمام نمازوں کے بارے میں کہا گیا ہے۔ لہٰذا اگر اس بارے میں کسی نماز کی تخصیص کی جاتی ہے تو یہی کہنا پڑے گا کہ یہ حدیث کے ظاہری منشاء اور مفہوم کے سراسر خلاف ہے۔

ابن ملک فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے پہلے جملے کا مطلب یہ ہے کہ جس آدمی نے طلوع آفتاب سے پہلے صبح کی نماز کی ایک رکعت پالی تو بے شک اس نے نماز کا وقت پالیا اگر چہ وہ وقت نماز کے مناسب نہیں تھا لیکن پھر وہ وقت نماز کے مناسب اس لیے ہو گیا کہ ایک رکعت کی مقدار وقت بہر حال باقی رہا تھا لہٰذا وہ نماز اس آدمی کے لیے لازم ہوگی۔

نماز عصر اور فجر کے ادراک فی الوقت میں فرق کا بیان:

اگر کسی شخص نے نماز فجر شروع کی اور ایک رکعت ادا کی کہ اتنے میں سورج طلوع ہو گیا اور وقت فاسد ہو گیا جو ادائے نماز کیلئے سبب تھا۔ اور طلوع سورج کے بعد وقت منع اور اس کے بعد وہ وقت آیا جو نماز کی قضاء کا وقت ہو سکتا ہے ادا کیلئے سبب بننے کی ہرگز صلاحیت نہیں رکھتا۔

اسی طرح نماز عصر کا آخری وقت جس میں نماز کی ادائیگی مکروہ ہوتی ہے کہ سورج کا رنگ سرخ ہونے کی وجہ سے اور قریب غروب ہونے کی وجہ سے حکم کراہت شریعت نے بیان کیا ہے اگر کسی شخص نے وقت مکروہ میں نماز عصر کو شروع کیا حتیٰ کہ اس نے دو رکعت پڑھی تھیں کہ سورج غروب ہو گیا اور وقت مکروہ جس میں وہ نماز ادا کر رہا تھا وہ وقت جا تا رہا اور وقت ممانعت شروع ہو گیا تو ایسے شخص کی نماز کا کیا حکم ہے؟

ان دونوں مسائل میں اس بات کا خیال رکھا جائے کہ جو نماز جس صفت پر ادا کی جارہی تھی اسے اسکی ادائیگی پر ہی رکھا گیا تو وہ نماز ہو جائے گی اور اگر صفت تبدیل ہوگئی تو نماز فاسد ہو جائے گی اور فجر کی نماز اسی وجہ سے فاسد ہوگی کیونکہ اسکی ابتدائی رکعت صفت ادا کے ساتھ ہوئی جبکہ دوسری رکعت صفت قضاء کے ساتھ ہوئی جبکہ ان دونوں رکعات میں صفت کے اعتبار سے اتحاد ہونا چاہیے تھا۔ اور ایسا بالکل جائز ہی نہیں کہ ایک رکعت ادائیگی کے صفت کے ساتھ متصف ہو اور دوسری رکعت صفت قضاء کے ساتھ متصف ہو۔

جبکہ نماز عصر کے جس کی پہلی دو رکعتیں ہی صفت قضاء یعنی وقت مکروہ میں شروع ہونے کی وجہ سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ وقت کامل اور صفت ادا کے ساتھ ہے بلکہ وقت مکروہ میں شروع ہو کر اسکی ابتداء ہی وقت ناقص میں ہوئی ہے لہذا غروب آفتاب کی وجہ سے وہ نماز فاسد نہ ہوگی۔ (قواعد فقہیہ مع فوائد رضویہ، ص ۲۹۰، شبیر برادرز لاہور)

نماز مغرب کے وقت کا بیان:

(وَأَوَّلُ وَقْتِ الْمَغْرِبِ إذَا غَرَبَتْ الشَّمْسُ وَآخِرُ وَقْتِهَا مَا لَمْ يَغِبْ الشَّفَقُ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ :مِقْدَارُ مَا يُصَلَّى فِيهِ ثَلَاثُ رَكَعَاتٍ لِأَنَّ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَمَّ فِي الْيَوْمَيْنِ فِي وَقْتٍ وَاحِدٍ .

وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (أَوَّلُ وَقْتِ الْمَغْرِبِ حِينَ تَغْرُبُ الشَّمْسُ وَآخِرُ وَقْتِهَا حِينَ يَغِيبُ الشَّفَقُ) وَمَا رَوَاهُ كَانَ لِلتَّحَرُّزِ عَنْ الْكَرَاهَةِ (ثُمَّ) الشَّفَقُ هُوَ الْبَيَاضُ الَّذِي فِي الْأُفُقِ بَعْدَ الْحُمْرَةِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ ، وَقَالَا :هُوَ الْحُمْرَةُ وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "(الشَّفَقُ الْحُمْرَةُ) وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (وَآخِرُ وَقْتِ الْمَغْرِبِ إذَا اسْوَدَّ الْأُفُقُ) وَمَا رَوَاهُ مَوْقُوفٌ عَلَى ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا ذَكَرَهُ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي الْمُوَطَّأِ ، وَفِيهِ اخْتِلَافُ الصَّحَابَةِ .

ترجمہ:

اور نماز مغرب کا اول وقت وہ ہے جس وقت سورج غروب ہو اور اس کا آخر وقت جب تک شفق غائب نہ ہو۔ اور امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرماتے ہیں اتنی مقدار وقت ہے جس میں تین رکعات پڑھی جاسکتی ہوں۔ کیونکہ جبرائیل علیہ السلام نے دونوں دنوں میں اسی وقت امامت کرائی تھی۔

اور ہمارے نزدیک نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ نماز مغرب کا اول وقت جب سورج غروب ہو اور اس کا آخری وقت شفق کے غائب ہونے تک ہے۔ اور جس روایت کو (امام شافعی نے بیان کیا ہے) وہ کراہت سے بچنے کیلئے ہے۔ اور امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک شفق اس سفیدی کو کہتے ہیں جو افق میں سرخی کے بعد آئے۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک شفق سرخی کو کہتے ہیں۔ اور ایک روایت امام اعظم اور ایک قول کے مطابق امام شافعی سے بھی یہ روایت ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: شفق سرخی ہے۔ اور امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نماز مغرب کا آخری وقت شفق کے سیاہ پڑنے تک ہے۔

اور پہلی روایت حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر موقوف ہے۔ امام مالک علیہ الرحمہ نے اس کو ''المؤطا'' میں ذکر کیا ہے اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہے۔

شفق کا فقہی معنی ومفہوم:

۱ امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک شفق اس سفیدی کا نام ہے جو مغرب میں سرخی ڈوبنے کے بعد صبح صادق کی طرح پھیلی ہوئی رہتی ہے۔

مغرب کا وقت آفتاب چھپنے کے بعد شروع ہوتا ہے اور شفق غائب ہو جانے کے وقت ختم ہو جاتا ہے۔ اکثر ائمہ کے نزدیک شفق اس سرخی کو کہتے ہیں جو آفتاب چھپنے کے بعد ظاہر ہوتی ہے چنانچہ اہل لغت کا کہنا بھی یہی ہے۔
مگر حضرت امام اعظم اور علماء کی ایک دوسری جماعت کا قول یہ ہے کہ شفق اس سفیدی کا نام ہے جو سرخی ختم ہونے کے بعد نمودار ہوتی ہے اہل لغت و دیگر ائمہ کے قول کے مطابق حضرت امام اعظم کا بھی ایک قول یہ ہے کہ شفق سرخی کا نام ہے چنانچہ شرح وقایہ میں فتویٰ اسی قول پر مذکور ہے۔ لہٰذا احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ مغرب کی نماز تو سرخی غائب ہونے سے پہلے پڑھی جائے اور عشاء کی نماز سفیدی غائب ہونے کے بعد پڑھی جائے تاکہ دونوں نمازیں بلا اختلاف ادا ہوں عشاء کے بارے میں مختار مسلک اور فیصلہ یہ ہے کہ اس کا وقت شفق غائب ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے اور ٹھیک آدھی رات تک بلا کراہت باقی رہتا ہے البتہ وقت جو طلوع فجر سے پہلے تک رہتا ہے فجر کا وقت طلوع صبح صادق کے بعد شروع ہوتا ہے اور طلوع آفتاب پر ختم ہو جاتا ہے۔ بظاہر تو حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ طلوع صبح صادق کے بعد سے طلوع آفتاب تک تمام وقت نماز فجر کے لیے مختار ہے۔

نماز عشاء کے اول وآخر وقت کا بیان:

(وَأَوَّلُ وَقْتِ الْعِشَاءِ إذَا غَابَ الشَّفَقُ ، وَآخِرُ وَقْتِهَا مَا لَمْ يَطْلُعْ الْفَجْرُ الثَّانِي) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (وَآخِرُ وَقْتِ الْعِشَاءِ حِينَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ) . وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي تَقْدِيرِهِ بِذَهَابِ ثُلُثِ اللَّيْلِ .

(وَأَوَّلُ وَقْتِ الْوِتْرِ بَعْدَ الْعِشَاءِ وَآخِرُهُ مَا لَمْ يَطْلُعْ الْفَجْرُ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي الْوِتْرِ (فَصَلُّوهَا مَا بَيْنَ الْعِشَاءِ إلَى طُلُوعِ الْفَجْرِ) قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : هَذَا عِنْدَهُمَا ، وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَقْتُهُ وَقْتُ الْعِشَاءِ ، إلَّا أَنَّهُ لَا يُقَدَّمُ عَلَيْهِ عِنْدَ التَّذَكُّرِ لِلتَّرْتِيبِ .

ترجمہ:

اور نماز عشاء کا اول وقت جب شفق غائب ہو جائے اور اس کا آخری وقت جب فجر طلوع نہ ہو۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے

فرمایا عشاء کا آخری وقت جب تک فجر طلوع نہ ہو۔اور یہی حدیث امام شافعی کا تہائی رات گذرنے کے ساتھ اندازہ لگانے میں حجت ہے۔

اور نماز عشاء کے بعد وتر کا اول وقت ہے اور اس کا آخری وقت جب تک فجر طلوع نہ ہو۔کیونکہ نبی کریم ﷺ نے وتر کے بارے میں ارشاد فرمایا: تم اس کو عشاء سے طلوع فجر تک کے درمیانی وقت میں پڑھو۔اور مصنف رضی اللہ عنہ نے فرماتے ہیں یہ صاحبین کے نزدیک ہے جبکہ امام اعظم کے نزدیک اس کا وقت، وقت عشاء ہی ہے۔لیکن یاد ہونے کی صورت میں وتر کو عشاء پر مقدم نہ کیا جائے کیونکہ ترتیب ضروری ہے۔

نماز عشاء کے وقت کے بارے میں احادیث سے بیان:

امام بخاری ومسلم اپنی اسناد کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔حضرت سیار بن سلامہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اور میرے والد (ہم دونوں) حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، میرے والد نے ان سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرض نمازیں کس طرح (یعنی کس کس وقت) پڑھتے تھے؟انہوں نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز جسے پہلی نماز کہا جاتا ہے سورج ڈھلنے کے وقت پڑھتے تھے اور عصر کی نماز (ایسے وقت) پڑھتے تھے کہ ہم میں سے کوئی نماز پڑھ کر مدینہ کے کنارے اپنے مکان پر جا کر سورج روشن ہوتے ہوئے (یعنی اس کے متغیر ہونے سے پہلے) واپس آجاتا تھا۔سیار فرماتے ہیں کہ مغرب کے بارے میں ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کچھ بتایا تھا وہ میں بھول گیا اور (ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے تھے کہ عشاء کی نماز جسے تم عتمہ کہتے ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تاخیر سے پڑھنے کو بہتر سمجھتے تھے اور عشاء کی نماز سے پہلے سونے اور عشاء کی نماز کے بعد (دنیاوی) باتیں کرنے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکروہ سمجھتے تھے اور صبح کو نماز ایسے وقت پڑھ (کر فارغ ہو) لیتے تھے کہ ہر آدمی اپنے پاس بیٹھنے والے کو پہچان لیتا تھا اور (نماز میں) ساٹھ آیتوں سے لے کر سو آیتوں تک پڑھ لیا کرتے تھے، ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہائی رات تک عشاء میں دیر کرنے میں تامل نہ فرماتے تھے اور عشاء کی نماز سے پہلے سونے اور عشاء کی نماز کے بعد باتیں کرنے کو پسند نہیں فرماتے تھے۔(صحیح البخاری، ج۱،ص۸۰،قدیمی کتب خانہ کراچی وصحیح مسلم)

عتمہ کہنے کی ممانعت کا حکم اور نماز عشاء میں تاخیر کا بیان:

عتمہ اس تاریکی کو کہتے ہیں جو شفق غائب ہونے کے بعد ہوتی ہے چنانچہ پہلے عرب میں عتمہ عشاء کو کہتے تھے مگر بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو منع کر دیا کہ عشاء کو عتمہ نہ کہا جائے۔یہاں تاخیر سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

عشاء کی نماز تہائی رات تک تاخیر کر کے پڑھتے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز کے بعد دنیا کی باتیں کرنے کو پسند نہیں فرماتے تھے اور اس کا مقصد یہ تھا کہ اعمال کا خاتمہ عبادت اور ذکر اللہ پر ہونا چاہئے کیونکہ نیند بمنزلہ موت ہے شرح السنۃ میں منقول ہے کہ عشاء سے پہلے سونے کو اکثر علماء نے مکروہ کہا ہے اور بعض حضرات نے سونے کی اجازت دی ہے چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ عشاء سے پہلے سوتے اور بعض علماء کے نزدیک صرف رمضان میں عشاء سے پہلے سونا جائز ہے۔حضرت امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر نیند کا غلبہ ہو اور یہ خوف نہ ہو کہ عشاء کی نماز کا وقت سونے کی نذر ہو جائے گا تو سونا مکروہ نہیں ہے عشاء کے بعد باتوں میں مشغول ہونے کو علماء کی ایک جماعت نے مکروہ کہا ہے چنانچہ حضرت سعید بن مسیب کے بارے میں بھی منقول ہے کہ وہ کہتے تھے کہ میرے نزدیک بغیر عشاء کی نماز پڑھے سو رہنا اس سے بہتر ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد کوئی آدمی لغو کلام اور دنیاوی باتوں میں مشغول ہو بعض علماء نے عشاء کے بعد علم کی باتیں کرنے کی اجازت دی ہے اسی طرح ضرورت اور حاجت کے سلسلے میں یا گھر والوں اور مہمان کے ساتھ باتیں کرنے کی بھی اجازت دی ہے۔(ملا علی قاری)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں چیزیں جائز ہیں، یعنی اگر کوئی آدمی عشاء کی نماز سے پہلے سستی اور کاہلی کو دور کرنے اور نشاط و تازگی حاصل کرنے کے لیے سونا چاہے تو اس کے لیے سونا جائز ہے، اسی طرح عشاء کی نماز کے بعد ایسی باتیں کرنا جو ضروری ہوں اور بے معنی نہ ہوں جائز ہے۔

فَصْلٌ فِي الْأَوْقَاتِ الْمُسْتَحَبَّةِ

﴿یہ فصل نماز کے مستحب اوقات کے بیان میں ہے﴾

مستحب اوقات والی فصل کی مطابقت:

اس سے پہلے مصنف نے ان احادیث سے مسائل کے استنباط ذکر کیا ہے۔ جس سے نمازوں کے اول اوقات اور ان کے آخری اوقات ثابت ہوتے ہیں۔ جس سے یہ واضح ہو گیا۔ ان اوقات ابتداء وانتہاء سے نمازوں کے مکمل اوقات کا علم حاصل ہو جائے۔ لہذا وہ معلوم ہوا۔ اب اس کے بعد مصنف تمام نمازوں کے مستحب اوقات بیان کریں گے۔ احکام شرعیہ میں فرائض کا مقام مقدم اور مستحبات کا مقام مؤخر لہذا اسی مناسبت سے اس فصل کو مصنف نے مؤخر ذکر کیا ہے۔

احکام شرعیہ میں فرائض کے احکام متعین و مستحکم ہوتے ہیں جبکہ استحباب اسی عمل میں زائد اجر کا باعث بنتا ہے۔ جو نفل کے درجے میں ہوتا ہے۔ لہذا اسی وجہ سے مصنف نے احکام فرائض کو مقدم اور زوائد اجر والے احکام کو مؤخر ذکر کیا ہے۔

تاخیر مستحب کا فقہی مفہوم:

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ تاخیر کا معنی یہ ہے کہ وقت کے دو حصوں میں تقسیم کیا جائے اور اوّل نصف کو چھوڑ کر نصف ثانی میں پڑھیں تو اسے تاخیر کہا جائے گا۔ (البحر الرائق کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

نماز فجر کا مستحب وقت:

(وَيُسْتَحَبُّ الْإِسْفَارُ بِالْفَجْرِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (أَسْفِرُوا بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ :يُسْتَحَبُّ التَّعْجِيلُ فِي كُلِّ صَلَاةٍ ، وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا رَوَيْنَاهُ وَمَا نَرْوِيهِ .

ترجمہ:

فجر کی نماز میں اجالا مستحب ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: فجر کے ساتھ اجالا کرو کیونکہ اس میں بہت بڑا اجر ہے۔ اور امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا: ہر نماز میں جلدی مستحب ہے اور ان پر حجت وہی حدیث ہے جسے ہم نے روایت کیا ہے۔ اور جسے ہم روایت کریں گے۔

احناف کے نزدیک نماز فجر کا مستحب وقت تاخیر ہے:

امام ابوداؤد علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ صبح کو روشن کرو۔ اس میں زیادہ ثواب ہے (صبح کی نماز روشنی میں پڑھو)۔

(سنن ابوداؤد، ج ۱، ص ۱۴۱، دارالحدیث ملتان)

حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو حنفی مسلک کے ایک جلیل القدر امام ہیں، فرماتے ہیں کہ ابتداء تو غلس (اندھیرے) میں ہونی چاہئے اور اختتام اسفار میں، اور اس کا طریقہ یہ ہو کہ قرأت اتنی طویل کی جائے کہ پڑھتے پڑھتے اجالا پھیل جائے۔ چنانچہ علماء کرام فرماتے ہیں کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی یہ تاویل اولی اور احسن ہے کیونکہ اس طرح ان تمام احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے جن میں سے بعض تو غلس میں نماز پڑھنے پر دلالت کرتی ہیں اور بعض سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسفار میں نماز پڑھنا افضل ہے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا۔

ان احادیث میں ایک دوسری تطبیق کی وجہ خود ایک حدیث بھی ہے جو شرح السنہ میں منقول ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں موسم کا اعتبار ہوگا یعنی جاڑے کے موسم میں تو غلس میں نماز پڑھنا بہتر ہوگا اور گرمی کے موسم میں اسفار کرنا بہتر ہوگا۔ چنانچہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

(قَالَ مُعَاذٌ بَعَثَنِی رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ و سلم اِلَی الْیَمَنِ فَقَالَ اِذَا کَانَ فِی الشِّتَاءِ فَغَلِّسْ بِالْفَجْرِ وَاطِلِ الْقِرَآءَۃَ قَدْرَ مَا یُطِیْقُ النَّاسُ وَلَا تُمِلَّهُمْ وَاِذَا کَانَ فِی الصَّیْفِ فَاسْفِرْ بِالْفَجْرِ فَاِنَّ اللَّیْلَ قَصِیْرٌ وَالنَّاسُ نِیَامٌ فَامْهِلْهُمْ حَتّٰی اَدْرَکُوْا یَعْنِی الصَّلٰوۃَ۔ (شرح السنۃ، کتاب الصلوٰۃ)

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یمن بھیجا تو یہ (بھی) فرمایا کہ جب سردی کا موسم ہو تو فجر کی نماز غلس (اندھیرے) میں پڑھنا اور قرأت طویل کرنا (مگر اتنی کہ) لوگوں پر بھاری نہ ہو کہ وہ تنگ ہو جائیں اور جب گرمی کا موسم ہو تو فجر کی نماز اسفار (اجالے) میں پڑھنا کیونکہ (گرمی) میں رات چھوٹی ہونے کی وجہ سے لوگ سوئے رہتے ہیں ان لیے انہیں اتنا موقع دو کہ وہ نماز میں شریک ہو سکیں۔

بہر حال علماء احناف کے نزدیک اسفار کی حد یہ ہے کہ طلوع آفتاب میں اتنا وقت رہے کہ اس میں قرأت مسنون (جو چالیس سے ساٹھ یا سو آیتوں تک ہے) ترتیل کے ساتھ پڑھی جا سکے۔ اور نماز کے بعد اگر طہارت میں کوئی خلل معلوم ہو تو طلوع آفتاب سے پہلے پہلے وضو اور مذکورہ بالا طریقہ پر نماز کا اعادہ ممکن ہو سکے۔

امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک فجر غلس میں پڑھی جائے گی:

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز (ایسے وقت میں) پڑھتے تھے کہ نماز سے فارغ ہو کر جب عورتیں چادریں لپیٹے ہوئے واپس ہوتیں تو اندھیرے کی بنا پر پہچانی نہ جاتی تھیں۔ (سنن ابوداؤد)

مگر بعض حضرات فرماتے ہیں کہ فجر کی نماز کا وقت مختار اسفار تک ہے اس کے بعد وقت جواز رہتا ہے نماز کے اوقات کی تفصیل جان لینے کے بعد اب حدیث کے آخری جملہ کا مطلب بھی سمجھ لیجئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جب کہ سورج نکل آئے تو نماز سے باز رہو کیونکہ سورج شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان سے نکلتا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سورج نکلنے کی جگہ

بھی ہیں کہ) کیونکہ گرمی کی شدت دوزخ کی بھاپ سے ہوتی ہےاور (دوزخ کی) آگ نے اپنے رب سے شکایۂ عرض کیا کہ میرے پروردگا! میرے بعض (شعلے) بعض کوکھائے لیتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے دو سانس لینے کی اجازت دے دی ہے۔اب وہ ایک سانس جاڑے میں لیتی ہےاور ایک سانس گرمی میں۔گرمی میں جس وقت تمہیں زیادہ گرمی معلوم ہوتی ہےاور جاڑے میں جس وقت تمہیں زیادہ سردی معلوم ہوتی ہے(تو اس کا سبب یہی ہوتا ہے کہ وہ ایک سانس گرمی میں اور ایک سانس سردی میں لیتی ہے۔) (صحیح بخاری وصحیح مسلم) اور صحیح البخاری کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جس وقت تم گرمی کی شدت محسوس کرتے ہوتو اس کا سبب دوزخ کا گرم سانس ہوتا ہےاور جس وقت تم سردی کی شدت محسوس کرتے ہوتو اس کا سبب دوزخ کا ٹھنڈا سانس ہوتا ہے۔

دوزخ کے سانسوں پر اشکالات وجوابات:

پروردگار سے دوزخ کی آگ کی نے یہ شکایت کی کہ، میرے بعض (شعلے) بعض کوکھائے لیتے ہیں۔کنایہ ہے اجزاء آگ کی کثرت سے اور آپس کے اختلاط سے یعنی آگ کے شعلے اتنے زیادہ ہوتے ہیں اور اس شدت سے بھڑکتے ہیں کہ ان مین سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ دوسرے شعلے کو فنا کر گھاٹ اتار کر اس کی جگہ بھی خود لے لے۔ چنانچہ پروردگار نے اسے سانس لینے کی اجازت دے دی یعنی سانس سے مراد شعلے کو دبانا اور اس کا دوزخ سے باہر نکلنا ہے۔جس طرح کہ جاندار سانس لیتا ہے تو ہوا باہر نکلتی ہے بہر حال ایسے وقت باوجود یہ کہ مشقت بہت ہوتی ہے نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ ایسے سخت وقت میں جب کہ گرمی اپنی شدت پر ہوتی ہے دل ودماغ تپش کی وجہ سے بے چین ہوتے ہیں نیز خشوع اور سکون واطمینان حاصل نہیں ہوتا جو نماز کی روح ہیں اس موقع پر عقلی طور پر چند اشکال پیدا ہوتے ہیں ان کی وضاحت کر دینی ضروری ہے پہلا اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ گرمی اور سردی کی شدت، عرض البلد اور آفتاب کی وجہ سے ہوتی ہے اس لیے یہاں یہ کیسے کہا گیا کہ گرمی کی شدت دوزخ کی بھاپ سے ہوتی ہے؟

اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ یہاں دوزخ کی بھاپ کو گرمی کی شدت کا سبب بتایا گیا ہے نہ کہ اصل گرمی کا۔اس پر یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ گرمی اور سردی کی شدت بھی آفتاب کے قرب وبعد کی بناء پر ہوتی ہے کیونکہ اس کے باوجود ہوسکتا ہے کہ دوزخ کا سانس اس میں مزید شدت پیدا کرتا ہو لہٰذا اس کا انکار مخبر صادق کی خبر کے ہوتے ہوئے طریقہ اسلام کے منافی ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ اتنی بات تو طے ہے کہ زمین میں حرارت کی علت سورج کا مقابلہ اور اس کی شعاعیں پڑنا ہےاور یہ کہیں ثابت نہیں ہوا ہے کہ سورج دوزخ نہیں ہے لہٰذا ہوسکتا ہے کہ ہمارے نظام کی دوزخ یہی ہو جسے ہم سورج کہتے ہیں کیونکہ سورج میں ناریت کا تموج اور اشتعال اس قدر ہے کہ دوزخ کی تمام صفات اس پر منطبق ہوتی ہیں اور اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ سورج دوزخ نہیں ہے تو یہ بالکل بعید اور ناممکن نہیں ہے کہ دوزخ علیحدہ ہو اور اس کی گرمی کا اثر زمین پر پڑتا ہو دوسرا

اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دوزخ نے شکایت کیسے کی کیونکہ دوزخ بے زبان ہے اور بے زبان اظہار مدعا کیسے کرسکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح زبان کے لیے تلفظ ضروری نہیں ہے اسی طرح تلفظ کے لیے زبان بھی ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ اکثر جانوروں کی زبان ہوتی ہے مگر وہ تلفظ نہیں کرتے ایسے ہی بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کے زبان نہیں ہوتی مگر وہ بات کرتی ہیں۔ لہٰذا یہ اشکال پیدا کرنا کہ بغیر زبان کے بات کرنا ناممکن ہے کم فہمی کی بات ہے۔ کیونکہ اگر کوئی یہ پوچھنے بیٹھ جائے کہ زبان سے بات کیوں کی جاتی ہے اس سے سننے کا کام کیوں نہیں لیا جاتا؟ آنکھ سے دیکھتے اور کان سے سنتے کیوں ہو ان سے بات کیوں نہیں کرتے جب کہ یہ سب اعضاء بظاہر ایک ہی مادہ سے بنتے ہیں جو نطفہ ہے تو ہر ایک قوت کی تخصیص کی وجہ ایک خاص چیز سے کیا ہے؟

تو اس کا جواب یہی دیا جائے گا کہ یہ صانع مطلق کی قدرت ہے کہ بولنا زبان سے مختص کیا، دیکھنا آنکھ سے اور سننا کان سے ورنہ یہ سب اعضاء گوشت کا ایک حصہ ہونے میں برابر ہیں۔ ٹھیک اسی طرح یہاں بھی یہی کہا جائے گا کہ کیا صانع مطلق کی یہ قدرت نہیں ہوسکتی کہ وہ اپنی ایک مخلوق کو گویائی کی قوت دے دے اور جب کہ حکماء کی ایک جماعت تو یہ بھی کہتی ہے کہ اجرام فلکیہ میں نفوس ہیں اور ان میں احساس و ادراک کی قوت ہے تو اس صورت میں بولنا بعید ہے؟ تیسرا اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دوزخ جاندار نہیں ہے وہ سانس کیسے لیتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ دوزخ میں نفس ہونے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے اور جب مذکورہ بالا بحث کی رو سے اس سے تکلم ثابت ہوسکتا ہے تو سانس لینے میں کیا اشکال باقی رہ جائے گا! چوتھا اشکال یہ ہے کہ آگ کے ٹھنڈا سانس لینے کے کیا معنی؟ اس کا مختصر سا جواب یہ ہے کہ آگ سے مراد اس کی جگہ یعنی دوزخ ہے اور اس میں ایک طبقہ زمہریر بھی ہے پانچواں اشکال یہ پیدا ہوسکتا ہے کہ اس حدیث کے مفہوم کے مطابق تو یہ چاہئے تھا کہ سخت سردی کے موسم میں فجر کو بھی تاخیر سے پڑھنے کا حکم دیا جاتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سردی میں صبح کو سورج نکلتے تک اسی شدت کے ساتھ رہتی ہے اگر طلوع آفتاب تک نماز میں تاخیر کی جاتی ہے تو وہاں سرے سے وقت ہی جاتا رہتا بہر حال۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گرمی کے موسم میں ظہر کی نماز تاخیر سے پڑھنا مستحب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود صحابہ بھی گرمی کے موسم میں ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھتے تھے۔

فقہ شافعی وحنفی کے مطابق ابراد کا مطلب:

چنانچہ صحیح البخاری کی ایک روایت میں منقول ہے کہ صحابہ ظہر کی نماز (تاخیر سے) ٹھنڈا کر کے پڑھتے تھے یہاں تک کہ ٹیلوں کے سائے زمین پر پڑنے لگتے تھے۔ اور یہ سب ہی جانتے ہیں کہ ٹیلے چونکہ پھیلے ہوئے ہوتے ہیں اس لیے ان کے سائے زمین پر بہت دیر کے بعد پڑتے ہیں بخلاف دراز چیزوں مثلاً مینار وغیرہ کے ان کے سائے جلدی ہی پڑنے لگتے ہیں

بعض روایتوں میں منقول ہے کہ صحابہ ظہر کی نماز کے لیے دیواروں کے سائے میں ہوکر جاتے تھے۔اور دیواروں کے بارے میں تحقیق ہوچکی ہے کہ اس وقت دیواریں عام طور پر سات سات گز کی ہوتی تھیں۔لہٰذا ان کے سائے میں چلنا اس وقت کار آمد ہوتا ہوگا جب کہ سورج کافی نیچے ہوتا ہو۔بعض حضرات نے تاخیر کی حد آدھا وقت مقرر کی ہے یعنی کچھ علماء یہ فرماتے ہیں کہ گرمی کے موسم میں ظہر کی نماز آدھے وقت تک مؤخر کر کے پڑھنی چاہیے۔بعض شوافع حضرات حدیث سے ثابت شدہ ابراد (یعنی نماز کو ٹھنڈا کر کے) کا محمول وقت زوال کو بتاتے ہیں یعنی ان کا کہنا یہ ہے کہ اس ابراد کا مقصد نماز ظہر میں اتنی تاخیر نہیں ہے۔

جو احناف بتاتے ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وقت استواء کی شدید گرمی سے بچنے کے لیے زوال کے وقت ظہر کی نماز پڑھنی چاہیے ان حضرت کی یہ تاویل نہ صرف یہ کہ بعید از مفہوم ہے بلکہ خلاف مشاہدہ بھی ہے کیونکہ وقت استواء کے مقابلہ میں زوال کے وقت گرمی کی شدت میں کمی آ جانے کا خیال تجربہ ومشاہدہ ہے ہدایہ میں مذکور ہے کہ جن شہروں میں گرمی کی شدت آفتاب کے ایک مثل سایہ پہنچنے کے وقت ہوتی ہے وہاں تو ابراد کا مقصد اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب کہ نماز ایک مثل سایہ ہونے کے بعد پڑھی جائے الحاصل۔ظہر کی نماز کو ابراد میں یعنی ٹھنڈا کر کے پڑھنے کے بارے میں بہت زیادہ حدیثیں وارد ہیں جن سے متفقہ طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ گرمی میں ظہر کی نماز ٹھنڈا کر کے پڑھنا ہی افضل واولیٰ ہے۔جہاں تک حدیث حباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعلق ہے جس میں مروی ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گرمی کے موسم میں دوپہر کی شدت کے بارے میں شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری درخواست قبول نہیں کی۔تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گرمی کے موسم میں ظہر کی نماز کو پورے وقت تک موخر کرنے کی درخواست کی تھی اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول نہیں فرمائی کہ اگر اتنی تاخیر کی جائے گی تو نماز کا وقت بھی نکل جائے گا۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ابراد رخصت ہے اور وہ بھی سب کے لیے نہیں بلکہ ان لوگوں کے لیے ہے جو جماعت کے لیے مسجدوں میں جانے کے لیے مشقت ومحنت کا سامنا کرتے ہیں۔جو لوگ تنہا نماز پڑھتے ہوں یا اپنے پڑوس ومحلّہ کی مسجد میں نماز کے لیے آتے ہوں ان کے لیے میرے نزدیک یہ پسندیدہ ہے کہ وہ اول وقت سے تاخیر نہ کریں، یہ قول ظاہر حدیث کے خلاف ہے اس لیے اس کی اتباع نہیں کی جاسکتی۔

حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک حدیث نقل کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں بھی باوجود یہ کہ سب یکجا رہتے تھے ابراد کا حکم فرمایا کرتے تھے، نیز امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جو آدمی گرمی کی شدت سے بچنے کے لیے ظہر کی نماز کو تاخیر سے پڑھنے کے لیے کہتا ہے اس مسلک کی اتباع سنت کی وجہ سے اولیٰ وافضل ہے۔

ظہر کے وقت کے سلسلے میں احادیث میں جو تعارض ہے کہ بعض حدیثوں سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز دیر(لیٹ) کر کے پڑھتے تھے اور بعض حدیثوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جلدی پڑھ لیتے تھے۔اس حدیث سے یہ تعارض ختم ہو جاتا ہے بایں طور کہ گرمی کے موسم میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز تاخیر سے پڑھا کرتے تھے اور سردی کے موسم میں جلدی پڑھتے تھے۔

نماز ظہر کا گرمیوں میں بھی جلدی پڑھنے میں غیر مقلدین کا جاہلانہ استدلال:

غیر مقلد مولوی زبیر زئی لکھتا ہے۔نماز ظہر کا وقت

" عن انس بن مالك قال :كنا اذا صلينا خلف رسول الله صلى الله عليه و سلم بالظهائر سجدنا على ثيابنا اتقاء الحر"

حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ظہر کی نمازیں پڑھتے تھے تو گرمی سے بچنے کے لئے اپنے کپڑوں پر سجدہ کرتے تھے۔

(صحیح البخاری رح واللفظ لہ وصحیح مسلم، ج ۱ص ۲۲۵،قدیمی کتب خانہ کراچی)

1) اس روایت اور دیگر احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز ظہر کا وقت زوال کیساتھ شروع ہو جاتا ہے،اور ظہر کی نماز اول وقت پڑھنی چاہئے۔

2) اس پر اجماع ہے کہ ظہر کا وقت زوال کے ساتھ شروع ہو جاتا ہے۔(الافصاح لابن ہبیرۃ)

3) جن روایات میں آیا ہے کہ جب گرمی زیادہ ہو تو ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرو،ان تمام احادیث کا تعلق سفر کیساتھ ہے جیسا کہ صحیح بخاری ج ص ح کی حدیث سے ثابت ہے،حضر (گھر، جائے سکونت) کے ساتھ نہیں۔جو حضرات سفر والی روایات کو حدیث بالا وغیرہ کے مقابلہ میں پیش کرتے ہیں،ان کا موقف درست نہیں۔انہیں چاہئے کہ ثابت کریں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ظہر کی نماز ٹھنڈی کر کے پڑھی ہے۔:

4) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب سایہ ایک مثل ہو جائے تو ظہر کی نماز ادا کرو اور جب دو مثل ہو جائے تو عصر پڑھو۔"(موطا امام مالک وسندہ صحیح)

اس کا مطلب یہ ہے کہ ظہر کی نماز زوال سے لیکر ایک مثل تک پڑھ سکتے ہیں،یعنی ظہر کا وقت زوال سے لیکر ایک مثل تک ہے اور عصر کا وقت ایک مثل سے لیکر دو مثل تک ہے۔مولانا عبدالحئی لکھنوی نے بھی التعلیق الممجد ص حاشیہ میں اس موقوف اثر کا یہی مفہوم لکھا ہے۔یہاں بطور تنبیہ عرض ہے کہ اس "اثر "کے آخری حصہ "فجر کی نماز اندھیرے میں ادا کر "

5) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ظہر کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا :جب دوپہر کو سورج ڈھل جائے اور سایہ

تسمہ جتنا ہو جائے تو ظہر قائم ہوگئی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، سندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس کے قائل تھے کہ ظہر کا وقت سورج کے زوال کیساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔

6) سُوید بن غفلہ رحمہ اللہ نماز ظہر اول وقت ادا کرنے پر اس قدر ڈٹے ہوئے تھے کہ مرنے کے لئے تیار ہو گئے، مگر یہ گوارا نہ کیا کہ ظہر کی نماز تاخیر سے پڑھیں اور لوگوں کو بتایا کہ ہم ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے اول وقت میں نماز ظہر ادا کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ وسندہ حسن) (نماز نبوی، مولوی زبیر علی زئی)

فقہاء احناف نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس حدیث میں ''ابردوا'' جو امر کا صیغہ ہے۔ جو غیر مقلدین کی مستدل احادیث کے قرینے پر استحباب کے حکم میں ہے۔ یہی فقہاء احناف نے کہا ہے کہ گرمیوں میں ظہر کا مستحب وقت تاخیر سے پڑھنا ہے۔ غیر مقلدین پر تعجب ہے کہ وہ اس قدر مضبوط اسناد والی احادیث کو چھوڑ کر کتنی تیزی سے اپنی خواہشات کی اتباع کرتے ہیں۔ کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ قرآن کا حکم ہے کہ اسلام میں مکمل طور پر داخل ہو جاؤ۔ تو یہ لوگ کیونکر قرآن کے حکم کی مخالفت کرتے ہوئے کثیر احادیث پر عمل نہیں کرتے۔

حدیث ''ابردوا'' صیغہ امر کے ساتھ صحیح، مرفوع اور قولی حدیث ہے اصول حدیث میں ہے کہ قولی حدیث کو فعلی حدیث پر ترجیح دی جاتی ہے۔ لہذا ظہر گرمیوں میں تاخیر کر کے پڑھو۔

دور حاضر میں یہ کتنی عجیب مثال ہے کہ جو لوگ کلام و احکام کے قرآنی ذرائع جاننے سے معذور ہیں وہ لوگوں کو اسلام سیکھانے کے ٹھیکیدار بن بیٹھے ہیں۔ یہ بھی تعجب ہے کہ قرآن و سنت کو چھوڑ کر انصاح کے حوالے یاد آ گئے۔

انصاح کا حوالہ ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اس پر اجماع ہے۔ کتنی دورنگی ان لوگوں کے اندر سرایت کر چکی ہے کہ ایک طرف تو تقلید کو شرک بتائیں اور دوسری طرف خود تقلید کے سمندر میں غوطہ زن رہیں ۔ این ذھبك العقل

عصر کی نماز میں تاخیر مستحب ہے:

(وَتَأْخِيرُ الْعَصْرِ مَا لَمْ تَتَغَيَّرْ الشَّمْسُ فِي الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ) لِمَا فِيهِ مِنْ تَكْثِيرِ النَّوَافِلِ لِكَرَاهَتِهَا بَعْدَهُ ، وَالْمُعْتَبَرُ تَغَيُّرُ الْقُرْصِ وَهُوَ أَنْ يَصِيرَ بِحَالٍ لَا تَحَارُ فِيهِ الْأَعْيُنُ هُوَ الصَّحِيحُ ، وَالتَّأْخِيرُ إلَيْهِ مَكْرُوهٌ .

ترجمہ:

گرمیوں اور سردیوں میں نماز عصر کو اس وقت تک مؤخر کرنا جب تک سورج متغیر نہ ہو کیونکہ عصر کے بعد نوافل کی کثرت مکروہ ہے۔ اور اس میں قرص کی تبدیلی کا اعتبار کیا گیا ہے۔ اور قرص یہ ہے کہ سورج کا اس حالت میں ہو جانا کہ آنکھیں اسے ٹکٹکی باندھ کر نہ دیکھ سکیں۔ یہی صحیح روایت ہے۔ (تغیر شمس) تک تاخیر مکروہ ہے۔

امام ابو داؤد علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت علی بن شیبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم

مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے (ہم نے دیکھا کہ) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عصر کی نماز میں تاخیر کرتے تھے آفتاب کے سفید اور صاف رہنے کی حدتک۔ (سنن ابوداؤد، ج ۱،ص ۵۹، دارالحدیث ملتان)

زرمی کی تعریف:

سورج کا رنگ سفیدی سے زردی کی طرف اتنا تبدیل ہو جائے کہ دیکھنے والے کی نظر آسانی سے مسلسل ٹکٹکی باندھ کر اسے دیکھ سکے۔

نمازِ عصر کے نام کی وجہ تسمیہ:

نمازِ عصر میں ابر کے دن تو جلدی چاہیئے، نہ اتنی کہ وقت سے پیشتر ہو جائے۔ باقی ہمیشہ اس میں تاخیر مستحب ہے۔ اسی واسطے اس کا نام عصر رکھا گیا لانہا تعصر (یعنی وہ نچوڑ کے وقت پڑھی جاتی ہے)۔

حاکم و دارقطنی نے زیاد بن عبداللہ نخعی سے روایت کی "ہم امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کے ساتھ مسجد جامع میں بیٹھے تھے مؤذن نے آکر عرض کی: یا امیر المومنین نماز۔ امیر المومنین نے فرمایا بیٹھو۔ وہ بیٹھ گیا۔ دیر کے بعد پھر حاضر ہوا اور نماز کیلئے عرض کی۔ امیر المومنین نے فرمایا ھذا الکلب یعلمنا السنۃ (یہ کتا ہمیں سنت سکھاتا ہے) پھر اٹھ کر ہمیں نمازِ عصر پڑھائی۔ جب ہم نماز پڑھ کر وہاں آئے جہاں مسجد میں پہلے بیٹھے تھے فجثونا للرکب لنزول الشمس للغروب نتراھا ہم زانوؤں پر کھڑے ہو کر سورج کو دیکھنے لگے کہ وہ غروب کے لئے نیچے اتر گیا تھا۔

(سنن الدارقطنی باب ذکر بیان المواقیت الخ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

عصر میں تاخیر مستحب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت پر جرح وتعدیل:

حاکم نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے اما ان زیاد الم یروعنہ غیر العباس، رہی یہ بات کہ زیاد سے سوائے عباس کے کسی نے روایت نہیں کی، (سنن الدارقطنی باب ذکر بیان المواقیت المطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

قالہ الدارقطنی، فاقول :عباس ثقۃ، وغایتہ جھالۃ عین، فلا تضر عندنا، لاسیما فی اکابر التابعین۔ قال فی المسلّم، لا جرح بان لہ راویا فقط وھو مجھول العین باصطلاح۔

جیسا کہ دارقطنی نے کہا ہے۔ عباس ثقہ ہے، زیادہ سے زیادہ اس میں "جہالت عین" پائی جاتی ہے اور یہ ہمارے نزدیک مضر نہیں ہے، خصوصاً اکابر تابعین میں۔ مسلّم میں ہے کہ یہ کوئی جرح نہیں ہے کہ فلاں سے ایک ہی راوی ہے اور وہ اصطلاحی طور پر "مجہول العین" ہے، (مسلّم الثبوت مع شرح فواتح الرحموت مسئلہ مجہول الحال مطبوعہ منشورات الشریف الرضی قم، ایران) فواتح میں ہے کہ بعض نے کہا کہ ایسا راوی قابل قبول نہیں ہے، لیکن یہ بے دلیل بات ہے۔

(فواتح الرحموت شرح مسلّم الثبوت مسئلہ مجہول الحال)

اگر یہ مولیٰ علی کا صرف اپنا فعل ہوتا جب بھی حجت شرعی تھا نہ کہ وہ اسے صراحۃً سنّت بتا رہے اور مؤذن پر جو جلدی کا تقاضا کرتا تھا ایسا شدید غضب فرما رہے ہیں، اسی کی مثل امیر المومنین کرم اللہ تعالیٰ وجہہ، سے نمازِ صبح میں مروی امام طحاوی بطریق داود بن یزید الاودی عن ابیہ روایت فرماتے ہیں۔

قال كان على ابن ابى طالب رضى الله تعالىٰ عنه يصلى بناالفجر و نحن نترائ الشمس مخافة ان تكون قدطلعت ـ

مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ہمیں نماز صبح پڑھایا کرتے اور ہم سورج کی طرف دیکھا کرتے تھے اس خوف سے کہ کہیں طلوع نہ کر آیا ہو۔(شرح معانى الآثار باب الوقت الذى يصلى فيه الفجر،مطبوعه ايچ ايم سعيد كمپنى كراچى)

مناقب سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ للامام حافظ الدین الکردری میں ہے۔

ذكر الامام الديلمى عن زهير ابن كيسان قال صليت مع الرصافى العصر ثم انطلقت مسجد الامام فاخر العصر حتىٰ خفتُ فوات الوقت ثم انطلقت الى مسجد سفين فاذاهو لم يصل العصر فقلت رحم الله اباحنيفة مااخرها مثل اخر سفين ـ یعنی امام دیلمی نے زهیربن کیسان سے روایت کی۔

کہ میں رصافی کے ساتھ نماز عصر پڑھ کر مسجد امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں گیا امام نے عصر میں اتنی تاخیر فرمائی کہ مجھے خوف ہوا کہ وقت جاتا رہے گا پھر میں مسجد امام سفین ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف گیا تو کیا دیکھوں کہ انہوں نے ابھی نماز پڑھی بھی نہیں میں نے کہا اللہ ابوحنیفہ پر رحمت فرمائے انہوں نے تو اتنی تاخیر کی بھی نہیں جتنی سفیان ثوری علیہ الرحمہ نے کی ہے۔ (مناقب امام اعظم ابوحنیفہ للکردری الفصل الثانی فی اصول بنی علیہ مذہب مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ)

نماز مغرب میں جلدی مستحب ہے:

(وَ) يُسْتَحَبُّ (تَعْجِيلُ الْمَغْرِبِ) لِأَنَّ تَأْخِيرَهَا مَكْرُوهٌ لِمَا فِيهِ مِنْ التَّشَبُّهِ بِالْيَهُودِ.وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا تَزَالُ أُمَّتِي بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوا الْمَغْرِبَ وَأَخَّرُوا الْعِشَاءَ).

ترجمہ:

اور مغرب میں جلدی مستحب ہے کیونکہ اس میں تاخیر مکروہ ہے اسی وجہ سے کہ اس میں یہود کے ساتھ مشابہت ہے۔ اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری امت ہمیشہ بھلائی پر رہے گی جب تک انہوں نے مغرب میں جلدی کی اور عشاء کو مؤخر کیا۔

نماز مغرب کی ادائیگی کے بعد اندھیرے کی کیفیت:

امام ابوداؤد علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز ہم پڑھا کرتے تھے پھر ہم تیر اندازی کرتے تھے اور ہم کو تیر گرنے کی جگہ

دکھائی دیتی تھی۔(سنن ابوداؤد، ج ا،ص ۶۰، دارالحدیث ملتان)

نماز مغرب میں تاخیر مکروہ ہے:

امام ابوداؤد علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت کے لوگ اگر مغرب کی نماز کو (اس قدر) دیر کر کے نہ پڑھا کریں کہ ستارے جگمگانے لگیں تو ہمیشہ بھلائی، یا فرمایا کہ، فطرت (یعنی اسلام کے طریقے) پر رہیں گے،(سنن ابوداؤد، ج ا،ص ۶۰، دارالحدیث ملتان) اور اس روایت کو دارمی نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے۔(مشکوٰۃ المصابیح)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغرب کے وقت فقط ستارے نظر آ جانے سے کراہیت نہیں آتی البتہ ستارے گنجان ہو کر جگمگانے لگتے ہیں تو تب وقت مکروہ ہو جاتا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مغرب کی نماز تاخیر سے پڑھی تھی اور وہ بھی بیان جواز کے لیے ورنہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اول وقت ہی مغرب کی نماز ادا فرماتے تھے۔

عدم دلیل کراہت سے اثبات استحباب میں نظر وجواب:

علامہ ابن محمود البابرتی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ صاحب ہدایہ کا یہ قول کہ مغرب میں جلدی اس لئے مستحب ہے کہ اس میں تاخیر مکروہ ہے۔اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے۔کیونکہ جس طرح نماز عشاء کو رات کے نصف اخیر تک مؤخر کرنا مکروہ ہے حالانکہ اس کے ترک سے استحباب لازم نہیں آتا۔کیونکہ نصف رات تک مؤخر کرنا مباح ہے۔

علامہ البابرتی علیہ الرحمہ کی عبارت کا حاصل اعتراض یہ ہے کہ ترک مکروہ سے استحباب ثابت نہیں ہوتا۔لہذا مغرب میں عجلت کا استحباب ترک مکروہ سے کیسے ثابت کیا جاسکتا ہے۔

اس کو جواب یہ ہے کہ یہاں نماز مغرب کی عجلت کا استحباب ترک مکروہ کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ استحباب یہود سے مشابہت چھوڑنے کی وجہ سے ہے۔اور جس میں تشبہ بایہود ہو کہ اس کا ترک کرنا مستحب ہے۔کیونکہ اس میں اباحت تسامح کی طرف لے جانے والی ہے۔(عنایہ شرح الہدایہ، ج ا،ص، بیروت)

علامہ البابرتی علیہ الرحمہ کے اس سوال وجواب کا مقصد یہ ہے کہ فقہاء احناف نے نماز مغرب میں تعجیل ترک کراہت کی وجہ سے نہیں بلکہ تشبہ بایہود کی وجہ سے ہے۔

علامہ ابن نجیم حنفی لکھتے ہیں۔لایلزم من ترك المستحب ثبوت الكراهة اذلابدلها من دليل خاص ۔

ترک مستحب سے کراہت کا ثبوت نہیں ہوتا کیونکہ اس کیلئے خاص دلیل کی ضرورت ہے۔

(البحر الرائق، باب العیدین، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

عشاء کی نماز میں تاخیر مستحب ہے:

قَالَ (وَتَأْخِيرُ الْعِشَاءِ إِلَى مَا قَبْلَ ثُلُثِ اللَّيْلِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَخَّرْتُ الْعِشَاءَ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ) وَلِأَنَّ فِيهِ قَطْعَ السَّمَرِ الْمَنْهِيِّ عَنْهُ بَعْدَهُ ، وَقِيلَ فِي الصَّيْفِ تُعَجَّلُ كَيْ لَا تَتَقَلَّلَ الْجَمَاعَةُ ، وَالتَّأْخِيرُ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ مُبَاحٌ لِأَنَّ دَلِيلَ الْكَرَاهَةِ وَهُوَ تَقْلِيلُ الْجَمَاعَةِ عَارَضَهُ دَلِيلُ النَّدْبِ وَهُوَ قَطْعُ السَّمَرِ بِوَاحِدَةٍ فَتَثْبُتُ الْإِبَاحَةُ وَإِلَى النِّصْفِ الْأَخِيرِ مَكْرُوهٌ لِمَا فِيهِ مِنْ تَقْلِيلِ الْجَمَاعَةِ وَقَدْ انْقَطَعَ السَّمَرُ قَبْلَهُ .

ترجمہ:

نماز عشاء کو تہائی رات سے پہلے تک مؤخر کرنا مستحب ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر میری امت پر مشقت نہ ہوتی تو میں نماز عشاء کو تہائی رات تک موخر کرتا۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ قصہ کہانی کو ختم کرنا ہے کیونکہ عشاء کے بعد اس سے منع کیا گیا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ گرمیوں میں جلدی کی جائے تا کہ جماعت تھوڑی نہ ہو۔ اور آدھی رات تک تاخیر کرنا مباح ہے۔ کیونکہ دلیل کراہت قلت جماعت ہے جس کا معارضہ صرف دلیل ندب ہے اور کسی سے باتیں کرنے کو ختم کرنا ہے۔ لہذا نصف رات تک اباحت ثابت ہوگئی۔ اور رات کے آخری نصف تک مؤخر کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس سے قلت جماعت ہوگی۔ جبکہ قصہ کہانی اس سے پہلے ختم ہو چکی ہے۔

شرح:

امام ابوداؤد علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے عشاء کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتظار کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیر ہوگئی یہاں تک کہ کسی نے سمجھا کہ اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (حجرہ سے) باہر تشریف نہ لائیں گے اور کسی نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہو چکے ہیں ابھی ہم اسی مخمصہ میں تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجرہ سے باہر تشریف لائے لوگ جیسا آپس میں کہہ رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی کہہ دیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس نماز میں تاخیر کرو کیونکہ تمام امتوں پر تم کو اسی نماز کی بنا پر فضیلت بخشی گئی ہے اور تم سے پہلے کسی امت نے یہ نماز نہیں پڑھی۔

(سنن ابوداؤد، ج ۱، ص ۶۰، دارالحدیث ملتان)

عشاء کی نماز میں استحباب تہائی رات تک ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک رات ہم عشاء کی نماز کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

انتظار میں بیٹھے رہے پس جب تہائی رات یا اس سے کچھ زائد رات بیت گئی تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے لیکن ہمیں معلوم نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تاخیر کسی کام میں مشغولیت کی بنا پر کی یا کسی اور وجہ سے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (حجرہ سے باہر) تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم ہی اس نماز کا انتظار کرتے ہو (پھر فرمایا) اگر مجھے اپنی امت پر اس نماز کے بار ہونے کا خطرہ نہ ہوتا تو میں اس نماز کو ہمیشہ اس وقت پر پڑھایا کرتا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مؤذن کو حکم دیا پس اس نے نماز قائم کی (یعنی تکبیر کہی)۔ (سنن ابوداؤد)

نماز وتر کا مستحب وقت:

(وَيُسْتَحَبُّ فِي الْوِتْرِ لِمَنْ يَأْلَفُ صَلَاةَ اللَّيْلِ أَنْ يُؤَخِّرَهُ إلَى آخِرِ اللَّيْلِ ، فَإِنْ لَمْ يَثِقْ بِالِانْتِبَاهِ أَوْتَرَ قَبْلَ النَّوْمِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ خَافَ أَنْ لَا يَقُومَ آخِرَ اللَّيْلِ فَلْيُوتِرْ أَوَّلَ اللَّيْلِ ، وَمَنْ طَمِعَ أَنْ يَقُومَ آخِرَ اللَّيْلِ فَلْيُوتِرْ آخِرَ اللَّيْلِ) "

ترجمہ:

اور وتر میں اس شخص کیلئے جو رات کی نماز سے محبت رکھتا ہے وتر کو آخری رات تک مؤخر کرنا مستحب ہے۔ اگر اسے نیند سے بیدار ہونے کی امید نہ ہو تو وہ سونے سے پہلے ہی وتر پڑھے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو خوف ہو کہ وہ رات کے آخری وقت میں نہیں اٹھ سکے گا تو وہ پہلے وقت میں ہی وتر پڑھے۔ اور جس کو شوق ہو کہ وہ رات کے آخر میں قیام کرلے گا تو وہ وتر کو آخر رات میں پڑھے۔

شرح:

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی رات کی نماز میں آخری نماز وتر کو قرار دو۔ (صحیح مسلم)

پھر یہ جان لیجئے کہ اس حدیث میں جو حکم دیا جارہا ہے وہ وجوب کے طور پر نہیں ہے بلکہ استحباب کے طور پر ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صبح (آثار نمایاں ہونے پر) وتر میں جلدی کرو۔ (صحیح مسلم)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات کی نماز دو دو رکعت ہے اور جب کسی کو صبح ہونے کا اندیشہ ہونے لگے تو ایک رکعت پڑھ لے، یہ (ایک رکعت) پہلی پڑھی ہوئی نماز کو طاق کردے گی۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم)

حدیث کے پہلے جزو کا مطلب یہ ہے کہ رات کو پڑھی جانے والی نفل نمازیں دو دو رکعت کر کے پڑھی جائیں چنانچہ حضرت امام شافعی، حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد نے اس حدیث کے پیش نظر کہا ہے کہ افضل یہی ہے کہ رات میں نفل نمازیں اس طرح پڑھی جائیں کہ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرا جائے یعنی دو دو رکعت کر کے پڑھی جائیں۔

بادلوں کے ایام میں مستحب اوقات کا بیان:

(فَإِذَا كَانَ يَوْمُ غَيْمٍ فَالْمُسْتَحَبُّ فِي الْفَجْرِ وَالظُّهْرِ وَالْمَغْرِبِ تَأْخِيرُهَا ، وَفِي الْعَصْرِ وَالْعِشَاءِ تَعْجِيلُهُمَا) لِأَنَّ فِي تَأْخِيرِ الْعِشَاءِ تَقْلِيلَ الْجَمَاعَةِ عَلَى اعْتِبَارِ الْمَطَرِ ، وَفِي تَأْخِيرِ الْعَصْرِ تَوَهُّمَ الْوُقُوعِ فِي الْوَقْتِ الْمَكْرُوهِ ، وَلَا تَوَهُّمَ فِي الْفَجْرِ لِأَنَّ تِلْكَ الْمُدَّةَ مَدِيدَةٌ . وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ التَّأْخِيرُ فِي الْكُلِّ لِلاحْتِيَاطِ أَلَا تَرَى أَنَّهُ يَجُوزُ الْأَدَاءُ بَعْدَ الْوَقْتِ لَا قَبْلَهُ .

ترجمہ:

اور جب بادلوں کا دن ہو تو فجر، ظہر اور مغرب کی نماز میں تاخیر مستحب ہے جبکہ عصر اور عشاء میں جلدی پڑھنا مستحب ہے۔ کیونکہ عشاء میں تاخیر بارش پر قیاس کرتے ہوئے قلت جماعت کا سبب ہوگا۔ اور عصر میں تاخیر وقت مکروہ کے وقوع کا وہم ہوگا جبکہ فجر میں کوئی وہم نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کا وقت لمبا ہے اور امام اعظم علیہ الرحمہ سے تمام نمازوں میں احتیاط کے طور پر تاخیر روایت کی گئی ہے۔ کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ نماز کو وقت کے بعد ادا کرنا جائز ہے جبکہ وقت سے پہلے جائز نہیں۔

بادلوں کی وجہ سے حکم تاخیر و تعجیل میں تبدیلی کا بیان:

حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک بادلوں کے دنوں میں نمازوں بطور احتیاط تاخیر کی جائے گی۔ کیونکہ کسی بھی نماز کی ادائیگی وقت سے پہلے نہ ہوگی۔ البتہ وقت کے بعد وہ ادا ہو جاتی ہے۔ یعنی اگر وقت میں تاخیر کی تو نماز ادا ہو جائے گی۔ یہاں یہ شبہ نہ ہو کہ شاید امام اعظم نماز کو اس کے وقت کے بعد ادا کرنے کے قائل ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ انہوں نے احتیاط کے طور پر صرف تاخیر کا حکم دیا۔

دور حاضر میں سائنسی ترقی کے پیش نظر اب گھڑیوں کا نظام رائج ہے جس سے بہ آسانی اوقات کو دیکھا جا سکتا ہے۔ اور اس کے مطابق نمازوں کو ادا کیا جا سکتا ہے۔

فَصْلٌ فِي الْأَوْقَاتِ الَّتِي تُكْرَهُ فِيهَا الصَّلَاةُ

﴿یہ فصل ان اوقات کے بیان میں ہے جن میں نماز پڑھنا مکروہ ہے﴾

اوقات مکروہ والی فصل کی مطابقت فقہی کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ یہ فصل ان اوقات کے بیان میں ہے جس میں نماز مکروہ ہے۔ اور اس فصل کا نام مکروہ اس لئے رکھا ہے کیونکہ اس میں نماز کا عدم جواز غالب ہے۔ یا پھر عدم جواز کراہت کو مستلزم ہے۔ جب مصنف وقت کی اقسام سے فارغ ہوئے تو انہوں نے اوقات میں سے اسی ایک یہ قسم بھی بیان فرمائی ہے۔

(البنائیہ شرح الہدایہ، ج ۲، ص ۵۵، حقانیہ ملتان)

نماز کے اوقات ممنوعہ کا بیان:

(لَا تَجُوزُ الصَّلَاةُ عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَلَا عِنْدَ قِيَامِهَا فِي الظَّهِيرَةِ وَلَا عِنْدَ غُرُوبِهَا) لِحَدِيثِ (عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ :ثَلَاثَةُ أَوْقَاتٍ نَهَانَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نُصَلِّيَ فِيهَا وَأَنْ نَقْبُرَ فِيهَا مَوْتَانَا :عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ حَتَّى تَرْتَفِعَ ، وَعِنْدَ زَوَالِهَا حَتَّى تَزُولَ ، وَحِينَ تَضَيَّفُ لِلْغُرُوبِ حَتَّى تَغْرُبَ) وَالْمُرَادُ بِقَوْلِهِ وَأَنْ نَقْبُرَ :صَلَاةُ الْجِنَازَةِ لِأَنَّ الدَّفْنَ غَيْرُ مَكْرُوهٍ ، وَالْحَدِيثُ بِإِطْلَاقِهِ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي تَخْصِيصِ الْفَرَائِضِ ، وَبِمَكَّةَ فِي حَقِّ النَّوَافِلِ ، وَحُجَّةٌ عَلَى أَبِي يُوسُفَ فِي إبَاحَةِ النَّفْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَقْتَ الزَّوَالِ .

ترجمہ:

طلوع آفتاب، دوپہر (وقت زوال) اور غروب آفتاب کے وقت نماز پڑھنا جائز نہیں۔ کیونکہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو تین اوقات میں نماز سے اور مُردوں کو دفن کرنے سے روکا۔ ایک تو جب سورج طلوع ہو رہا ہو، یہاں تک کہ بلند ہو جائے دوسرے جس وقت ٹھیک دوپہر ہو، جب تک کہ زائل نہ ہو جائے اور تیسرے جس وقت سورج ڈوبنے لگے، جب تک پورا ڈوب نہ جائے۔ اور آپ کے فرمان "ان نقبر" سے مراد نماز جنازہ ہے۔ کیونکہ اسوقت دفن کرنا مکروہ نہیں ہے اور حدیث مطلق ہے اسی کے اطلاق کی وجہ سے امام شافعی علیہ الرحمہ کے خلاف دلیل ہے کیونکہ وہ فرائض اور مکہ کو خاص کرتے ہیں۔ اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے خلاف بھی دلیل ہے کیونکہ وہ جمعہ کے دن زوال کے وقت نفل کو مباح قرار دیتے ہیں۔

تین اوقات میں نہ نماز پڑھی جائے اور نہ میت کو دفنایا جائے:

امام مسلم علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت علی بن رباح کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا عقبہ بن عامر جہنیؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں تین اوقات میں نماز سے اور مُردوں کو دفن کرنے سے روکتے تھے۔ ایک تو جب سورج طلوع ہو رہا ہو، یہاں تک کہ بلند ہو جائے، دوسرے جس وقت ٹھیک دوپہر ہو، جب تک کہ زوال نہ ہو جائے اور تیسرے جس وقت سورج ڈوبنے لگے، جب تک پورا ڈوب نہ جائے۔ (219، صحیح مسلم)

امام بخاری علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت سیدنا ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (اے لوگو!) تم اپنی نمازیں طلوع آفتاب کے وقت نہ ادا کرو اور نہ غروب آفتاب کے وقت۔ (صحیح بخاری، رقم، ۳۵۸)

حضرت سیدنا ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب آفتاب کا کنارا نکل آئے تو نماز موقوف کر دو یہاں تک کہ آفتاب بلند ہو جائے اور جب آفتاب کا کنارا چھپ جائے تو نماز موقوف کر دو یہاں تک کہ (پورا آفتاب) چھپ جائے۔ (صحیح بخاری، رقم، ۳۵۹)

اوقات ممنوعہ میں صلوٰۃ تخصیص مکہ میں امام شافعی کا استدلال و جواب:

شارح حاوی امام شافعی علیہ الرحمہ کا مؤقف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک طلوع سورج، قیام شمس اور غروب شمس کے وقت مکہ میں فرائض پڑھنا جائز ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ سبب مقدم ہوتا ہے یا وہ سبب نماز سے ملا ہوا ہوتا ہے۔ لہذا ان اوقات میں نماز مکروہ نہ ہوگی کیونکہ فوت شدہ نمازوں کے بارے میں یہ حدیث عام ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص نماز سے سو گیا یا اس کو نماز بھول گئی تو جب اسے یاد آئے وہ اس کو پڑھے۔ یہ حدیث فرائض، سنن اور نوافل سب کی قضاء میں برابر ہے۔

اور اسی سے نماز جنازہ ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تین چیزوں کو مؤخر نہ کرو ان میں نماز جنازہ کا ذکر بھی ہے کہ جب وہ حاضر ہو۔

اسی طرح نماز تحیۃ المسجد بھی اسی حکم میں ہے کہ جب کوئی شخص اتفاق سے ان اوقات میں مسجد میں داخل ہوا۔ اگرچہ اس کا تحیۃ المسجد کا ارادہ نہ بھی ہو بلکہ نماز کے انتظار کیلئے داخل ہوا ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو وہ دو رکعتیں نماز پڑھے بغیر نہ بیٹھے۔ البتہ جب کوئی شخص ان اوقات میں تحیۃ المسجد کے ارادے سے مسجد میں داخل ہوا تو اس کیلئے مکروہ ہے۔

تخصیص مکہ سے علت ممانعت کا معدوم ہونا:

فقہاء شوافع کی یہ بھی دلیل ہے۔ کہ حدیث میں اوقات ممنوعہ کی جو علت بیان ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ ان اوقات میں مشرکین

سے اشتباہ ہوتا ہے۔جبکہ مکہ میں نماز پڑھنے کی وجہ سے اشتباہ لازم نہ آئے گا۔کیونکہ حرمین شریفین پوری دنیا کی نظروں میں ایک خاص مقام رکھتا ہے۔مسلمان تو مسلمان حتیٰ کہ غیر مسلم بھی بہ خوبی جانتے ہیں۔کہ وہاں جانے والے اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔

امام شافعی نے اپنے موقف کو ثابت کرنے کیلئے احادیث میں بیان کردہ علت سے استدلال کیا ہے۔کہ مشرکین سے اشتباہ علت کے معدوم ہونے کی وجہ سے مکہ میں نماز جائز ہے۔جبکہ ہماری دلیل یہ ہے کہ اصول ہمارے نزدیک مسلمہ یہ ہے کہ کسی حکم نص کے ہوتے ہوئے وجود علت یا عدم علت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔اگرچہ احادیث میں اس کی علت بیان ہوئی ہے تاہم یہ احادیث ثبوت حکم کیلئے نص ہیں۔لہذا ان پر عمل کرتے ہوئے یہ کہیں گے ان اوقات میں ہر جگہ و ہر مقام پر نماز پڑھنا جائز نہیں۔

ہمارا دوسرا جواب یہ ہے کہ ان اوقات میں نماز پڑھنے کی اباحت اس مقام پر اس لئے بھی جائز نہیں کہ ماخذ شرعی میں کہیں اس کی اباحت کا بھی ثبوت نہیں۔کہ نبی کریم ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مواظبت کے ساتھ مکہ میں انہی اوقات میں نماز پڑھی ہو۔

جمعہ کے دن وقت زوال نوافل پڑھنے میں امام ابو یوسف و امام شافعی علیہما الرحمہ کا اختلاف و دلائل:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھیک دوپہر کے وقت جب تک کہ آفتاب ڈھل نہ جائے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے البتہ جمعہ کے دن (جائز ہے)۔ (شافعی)

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا تو یہی مسلک ہے کہ جمعہ کے روز ٹھیک دوپہر کے وقت بھی نماز پڑھی جاسکتی ہے مگر حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک جمعہ کے روز بھی نصف النہار کے وقت نماز پڑھنی درست نہیں (امام اعظم کا مسلک تو یہی ہے جو یہاں نقل کیا گیا ہے مگر امام ابو یوسف کا قول صحیح ہے اور معتمد کذا فی الاشباہ۔) ہے اس لیے کہ وہ احادیث جن میں مطلقاً نہی ثابت ہے اس حدیث کے مقابلے میں زیادہ مشہور ہیں اور یہ حدیث ضعیف ہے ان احادیث کا مقابلہ نہیں کرسکتی یا پھر یہ کہا جائے گا کہ قاعدے کے مطابق کسی چیز کے بارے میں حرام اور مباح دونوں کے دلائل ہوں تو حرام کے دلائل کو ترجیح دی جائے گی۔

حضرت ابوالخلیل حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم ٹھیک دوپہر کے وقت جب تک کہ سورج نہ ڈھل جائے نماز پڑھنے کو مکروہ سمجھتے تھے علاوہ جمعہ کے دن کے۔نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ علاوہ جمعہ کے دن کے روزانہ (دوپہر کے وقت) دوزخ جھونکی جاتی ہے۔اسی روایت کو امام ابوداؤد نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت ابوقتادہ رضی سے ابوالخلیل کی ملاقات ثابت نہیں ہے (لہذا اس حدیث کی سند متصل نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد)

اوقات ممنوعہ میں نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت کا حکم:

قَالَ (وَلَا صَلَاةُ جِنَازَةٍ) لِمَا رَوَيْنَا (وَلَا سَجْدَةُ تِلَاوَةٍ) لِأَنَّهَا فِي مَعْنَى الصَّلَاةِ (إلَّا عَصْرَ يَوْمِهِ عِنْدَ الْغُرُوبِ) لِأَنَّ السَّبَبَ هُوَ الْجُزْءُ الْقَائِمُ مِنْ الْوَقْتِ ، لِأَنَّهُ لَوْ تَعَلَّقَ بِالْكُلِّ لَوَجَبَ الْأَدَاءُ بَعْدَهُ ، وَلَوْ تَعَلَّقَ بِالْجُزْءِ الْمَاضِي فَالْمُؤَدِّي فِي آخِرِ الْوَقْتِ قَاضٍ ، وَإِذَا كَانَ كَذَلِكَ فَقَدْ أَدَّاهَا كَمَا وَجَبَتْ ، بِخِلَافِ غَيْرِهَا مِنْ الصَّلَوَاتِ لِأَنَّهَا وَجَبَتْ كَامِلَةً فَلَا تَتَأَدَّى بِالنَّاقِصِ .

قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : وَالْمُرَادُ بِالنَّفْيِ الْمَذْكُورِ فِي صَلَاةِ الْجِنَازَةِ وَسَجْدَةِ التِّلَاوَةِ الْكَرَاهَةُ ، حَتَّى لَوْ صَلَّاهَا فِيهِ أَوْ تَلَا سَجْدَةً فِيهِ فَسَجَدَهَا جَازَ لِأَنَّهَا أُدِّيَتْ نَاقِصَةً كَمَا وَجَبَتْ إذْ الْوُجُوبُ بِحُضُورِ الْجِنَازَةِ وَالتِّلَاوَةِ .

ترجمہ:

اور نماز جنازہ بھی نہ پڑھے اس روایت کی وجہ سے جسے ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور سجدہ تلاوت بھی جائز نہیں کیونکہ سجدہ تلاوت بھی نماز کے معنی میں ہے۔ سوائے اس دن کی عصر کے جو غروب کے وقت پڑھی کیونکہ سبب وقت کا وہ جز ہے جو قائم ہے کیونکہ سبب اگر کل وقت کے ساتھ متعلق ہو تو ادا کرنا وقت کے بعد واجب ہوگا۔ اور اگر سبب اس کے جز کے ساتھ متعلق ہو جیسا کہ گذرا تو آخر وقت میں ادا کرنے والا قضاء کرنے والا ہی ہوگا۔ اور جب ایسا ہی ہے تو تحقیق اس نے ایسے ہی ادا کی جس طرح اس پر واجب ہوئی تھی۔ جبکہ دوسری نمازوں میں ایسا نہیں کیونکہ وہ کامل وقت کے ساتھ واجب ہوئی ہیں۔ لہذا وہ ناقص وقت کے ساتھ ادا نہ ہوں گی۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت کی جو نفی مذکور ہے اس سے مراد کراہت ہے کیونکہ اگر اس نے مکروہ وقت میں نماز جنازہ پڑھایا آیت سجدہ تلاوت کی اور سجدہ کیا تو جائز ہے۔ کیونکہ نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت ناقص ادائیگی ہوگی جس طرح وہ واجب ہوئے تھے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جنازے کا واجب حضور کی وجہ سے اور سجدے کا وجوب تلاوت کرنے کی وجہ سے ہوا ہے۔

اوقات ممنوعہ میں سجدہ تلاوت کرنے کی ممانعت میں مذاہب فقہاء:

احناف کے مذہب میں یہ نہی فرض اور نفل دونوں کو شامل ہے چنانچہ پہلے تینوں اوقات یعنی طلوع آفتاب، غروب آفتاب اور استواء کے وقت نماز جائز نہیں ہے خواہ ادا ہو یا قضا البتہ اسی دن کی عصر کی نماز جائز ہے اسی طرح نہ جنازہ کی نماز جائز ہے اور نہ تلاوت کا سجدہ جائز ہے ہاں اس جنازے کی نماز جائز ہوگی جو انہیں اوقات میں پڑھا گیا ہو اسی طرح وہ سجدہ تلاوت جائز ہوگا جب آیت سجدہ انہیں اوقات میں پڑھی گئی ہو۔ تاہم ان اوقات سے مؤخر کرنا اولیٰ ہوگا۔

عَلَيْهِمَا مَعَ حِرْصِهِ عَلَى الصَّلَاةِ ۔

ترجمہ:

فجر کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے حتیٰ کہ سورج طلوع ہو جائے اور عصر کے بعد بھی نفل پڑھنا مکروہ ہے حتیٰ کہ سورج غروب ہو جائے ۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس سے منع کیا ہے۔ اور ان دونوں اوقات میں قضاء نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ۔ اور سجدہ تلاوت کرے اور نماز جنازہ پڑھے ۔ اس لئے کہ کراہت تو فرض کے حق کی وجہ سے تھی کہ سارا وقت ہی فرض میں مصروف ہو۔ جبکہ کسی ایسے معنی کیلئے ہرگز نہیں جو وقت فرائض کے حق میں پایا جائے ۔ لہذا یہ کراہت فرائض کے حق میں ظاہر نہ ہوئی ۔ اور جو چیزیں بالذات واجب ہیں جس طرح سجدہ تلاوت ہے ان کے حق میں کراہت ظاہر ہوگی ۔ اور اسی طرح نذر رکھنے کی نماز ہے کیونکہ اس کا وجوب بھی نذر رکھنے والے سے متعلق ہے ۔ کیونکہ اس کا سبب وہی ہے۔ اسی طرح طواف اور ایسی نماز کے حق میں کراہت ثابت ہوگی جس کو شروع کر کے اس نے فاسد کر دیا ہو۔ کیونکہ یہ وجوب لغیرہ ہے اور دوسرا ختم طواف ہے جو مودیٰ کو باطل کرنے بچانے والا ہے۔

طلوع فجر کے بعد فجر کی دو رکعات کے سوا زائد نوافل پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ ان دو رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے حالانکہ آپ ﷺ کو نماز کا بہت شوق تھا۔

جن وقتوں میں نماز جائز نہیں اور جن میں مکروہ ہے :

نماز کے اوقات مکروہہ دو قسم کے ہیں ۔ قسم اول ۔ یہ تین وقت ہیں ۔

۱ ۔ سورج نکلتے وقت ، یعنی سورج کا کنارہ ظاہر ہونے سے سورج کے اندازاً ایک نیزہ بلند ہو جانے تک (اندازاً بیس منٹ)

۲ ۔ استواء یعنی ٹھیک دوپہر کا وقت اور وہ نصف النہار شرعی سے زوال تک ہے، طلوع فجر سے غروب آفتاب تک ہر روز جتنا وقت ہو اس کے پہلے نصفِ اول کے ختم پر نصف النہار شرعی شروع ہوتا ہے اس کو ضحوہ کبریٰ بھی کہتے ہیں

۳ ۔ سورج غروب ہوتے وقت یعنی جب دھوپ کمزور اور پیلی پڑ جائے اور سورج پر نظر ٹھہرنے لگے اس وقت سے آفتاب غروب ہونے تک کا وقت (اندازاً بیس منٹ -(ان تین وقتوں میں کوئی نماز خواہ ادا ہو یا قضا جائز نہیں اور شروع کرنے سے شروع نہیں ہوتی اور اگر پہلے سے شروع کی ہوئی نماز کے ختم ہونے سے پہلے ان تین وقتوں میں سے کوئی وقت داخل ہو جائے تو وہ نماز باطل ہو جاتی ہے لیکن سجدہ تلاوت اور پانچ نمازیں شروع ہو جاتی ہیں۔

(۴) اس جنازہ کی نماز جو ان تین وقتوں میں سے کسی وقت میں تیار ہوا ہو بلا کراہت جائز بلکہ افضل ہے اور تاخیر مکروہ ہے۔

(۵) جو سجدہ والی آیت ان تین وقتوں میں سے کسی وقت میں تلاوت کی گئی ہو اس کا سجدہ اس وقت جائز ہے مگر مکروہ تنزیہی ہے اور کراہت کا وقت نکل جانے تک تاخیر کرنا بہتر و افضل ہے۔

(۶) اُسی دن کی عصر کی نماز اگر چہ اتنی تاخیر کرنا مکروہ تحریمی ہے لیکن اگر اتنا وقت تنگ ہوگیا ہو اور کسی نے ابھی تک عصر نہیں پڑھی تو وہ اس وقت ضرور پڑھ لے اور اگر وقتی عصر کی نماز سورج غروب ہونے سے پہلے شروع کردی تو اس کا توڑنا جائز نہیں خواہ سورج غروب ہو رہا ہو اور یہ۔فرض ادا ہو جائیں گے۔

(۷) نفل نماز خواہ سنتِ موکدہ ہو یا غیر موکدہ کراہتِ تحریمہ کے ساتھ شروع ہو جائے گی اور اُس کو توڑ کر کامل وقت میں ادا کرنا واجب ہے۔

(۸) نمازِ نذر مقید یعنی وہ نماز جسکی انہی تین وقتوں میں سے کسی وقت میں ادا کرنے کی نظر کی گئی ہو۔

(۹) وہ سنت و نفل نماز جو ان تین وقتوں میں سے کسی وقت میں شروع کر کے فاسد کردی گئے ہو ۔یہ دونوں یعنی نمازِ نذر مقید اور مندرجہ بالا بھی ان وقتوں میں کراہتِ تحریمی کے ساتھ شروع ہو جائیں گی اور ان کو توڑ کر کامل وقت میں ادا کرنا واجب ہے کہ ان تین وقتوں میں ہر قسم کی نماز و سجدہ ادا کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے سوائے اس دن کی عصر اور اس جنازہ کی نماز کے جو اسی وقت لایا گیا ہو۔

ممنوعہ اوقات کی دوسری قسم کا بیان:

یہ وہ اوقات ہیں جن میں صرف نوافل کا قصداً پڑھنا اور نمازِ واجب لغیرہ کا ادا کرنا مکروہِ تحریمی ہے پس سوائے سنتِ فجر کے ہر قسم کی سنتیں اور نفل اگر چہ تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضو ہی ہوں اور نمازِ نذرِ مقید ہو یا مطلق، ہر دوگانہ طواف اور سجدۂ سہو جو ان نمازوں میں پیش آئے جن کا ادا کرنا ان وقتوں میں مکروہ ہے، جس نفل نماز یا واجب لغیرہ کو مستحب یا مکروہ وقت میں شروع کر کے پھر توڑ دیا ہو اگر چہ وہ صبح کی سنتیں ہوں ان سب کا ان وقتوں میں ادا کرنا مکروہِ تحریمی ہے اور ان کو توڑ دینا اور دوسرے غیر مکروہ وقت میں ادا کرنا واجب ہیا اور ان کے علاوہ باقی سب نمازیں یعنی پنج وقتہ فرض نمازیں، نمازِ واجب لعینہ یعنی نمازِ وتر، نماز جنازہ، سجدہ تلاوت ادا و قضا بلا کراہت جائز ہیں وہ اوقات یہ ہیں۔

(۱) طلوعِ فجر یعنی صبح صادق سے نمازِ فجر ادا کرنے سے پہلے کا وقت اس میں صبح کی دو رکعت سنتِ معکدہ کے سوا ہر قسم کی نفل نماز اور واجب لغیرہ قصداً ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے -

(۲) فجر کے فرضوں کے بعد سے سورج نکلنے سے لحظہ بھر پہلے تک کا وقت۔

(۳) عصر کی فرض نماز کے بعد سے سورج کے متغیر ہونے سے لحظہ بھر پہلے تک کا وقت۔

(۴) سورج غروب ہونے کے بعد سے مغرب کی فرض نماز شروع ہونے سے پہلے کا وقت، تاکہ مغرب کی نماز میں تاخیر نہ ہو جائے تھوڑی تاخیر یعنی دو رکعت سے کم فاصلہ مکروہ نہیں اور دو رکعت کی مقدار یا اس سے زیادہ لیکن ستاروں کے گتھنے سے پہلے تک تاخیر مکروہ تنزیہی ہے اور اس کے بعد ستاروں کے گتھنے (بکثرت نمودار ہونے) تک تاخیر کرنا مکروہِ تحریمی ہے۔

(۵) جب جمعہ کے روز امام خطبہ کے لئے حجرہ سے نکلے یا جہاں حجرہ نہ ہو اپنی جگہ سے خطبہ کے منبر پر چڑھنے کے لئے کھڑا ہو اُس وقت سے فرضِ جمعہ ختم ہونے تک یعنی جب امام خطبہ کے لئے کھڑا ہو اُس وقت سے لیکر عین خطبہ کے وقت خواہ پہلا خطبہ ہو یا دوسرا یا ان کا درمیانی وقفہ ہو، اور فرض نماز جمعہ شروع ہونے سے ختم ہونے تک کا وقت اس وقت جمعہ کی سنتیں پڑھنا بھی مکروہِ تحریمی ہی البتہ اگر سنتیں امام کے کھڑے ہونے سے پہلے شروع کر دی تھیں تو ان چار رکعتوں کو پورا کر لے یہی صحیح ہے، جمعہ کے علاوہ ہر خطبے کا بھی یہی حکم ہے۔

(۶) جب فرض نمازوں کی تکبیر واقامت ہو جائے لیکن صبح کی دو رکعت سنتوں کے لئے یہ حکم ہے کہ اگر جماعت فوت ہونے کا خوف نہ ہو اگر چہ قعدہ ہی میں شریک ہو جائے تو سنت فجر پڑھنا جائز ہے ۔ لیکن جماعت کی صف سے دور پڑھے اور اگر جماعت میں شامل ہونا ممکن نہ ہو تو ان سنتوں کو ترک کر کے جماعت میں شامل ہو جائے۔

(۷) جب کسی نماز کا وقت تنگ ہو جائے تو اس وقت کے فرض کے سوا اور سب نمازیں مکروہِ تحریمی ہیں وقت کی تنگی سے مراد مستحب وقت کی تنگی ہے۔

(۸) عیدین کی نماز سے پہلے گھر و مسجد وعید گاہ میں نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے اور عیدین کی نماز کی بعد مسجد وعید گاہ میں نفل پڑھنا مکروہ ہے گھر میں پڑھنا مکروہ نہیں یہی اصح ہے۔

(۹) عرفات میں جب شرائط کے ساتھ ظہر اور عصر دو نمازوں کو جمع کرے تو اُن کے فرضوں کے درمیان میں نفل وسنت پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے اور بعد میں بھی مکروہ ہے اس لئے کہ عصر کی نماز کے بعد نفل مکروہ ہیں، اسی طرح جب مزدلفہ میں نمازِ مغرب و عشاء کو جمع کرے تو ان کے درمیان میں بھی نمازِ نفل وسنت مکروہِ تحریمی ہے لیکن یہاں بعد میں مکروہ نہیں اس لئے مزدلفہ میں مغرب وعشاء کی سنتیں و وتر عشاء کے فرضوں کے بعد پڑھے۔

(۱۰) پیشاب یا پاخانہ یا دونوں کی حاجت کے وقت یا ریح کے غلبہ کو روک کر کوئی نماز پڑھنا خواہ فرض ہو یا نفل مکروہِ تحریمی ہے، اسی طرح جب کھانا حاضر ہو اور نفس اس کی طرف راغب ہو، اس وقت نماز پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے اسی طرح اگر کوئی اور سبب پایا جائے جس کی وجہ سے نماز کے افعال کی طرف سے دل ہٹنے اور خشوع میں خلل پڑے اور وہ اسے کو دفع کر سکتا ہو تو اس کو دور کئے بغیر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے لیکن اگر وقت جاتا ہو تو نماز پڑھ لے اور پھر دوسرے وقت میں لوٹا لے۔

(۱۱) دو وقت ایسے ہیں جن میں صرف وقتی نماز کا ادا کرنا مکروہِ تحریمی ہے، اول مغرب کی فرض نماز میں بلا عذر ستارے گتھنے (خوب نمودار ہونے) تک تاخیر کرنا، دوم عشاء کی فرض نماز بلا عذر آدھی رات کے بعد پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے۔

فرائض مغرب سے پہلے نوافل پڑھنے کی ممانعت کا بیان:

(وَلَا يَتَنَفَّلُ بَعْدَ الْغُرُوبِ قَبْلَ الْفَرْضِ) لِمَا فِيهِ مِنْ تَأْخِيرِ الْمَغْرِبِ (وَلَا إذَا خَرَجَ الْإِمَامُ لِلْخُطْبَةِ يَوْمَ

الْجُمُعَةِ إِلَى أَنْ يَفْرُغَ) مِنْ خُطْبَتِهِ لِمَا فِيهِ مِنَ الِاشْتِغَالِ عَنِ اسْتِمَاعِ الْخُطْبَةِ.

ترجمہ:

اور غروب آفتاب کے بعد فرض سے پہلے نفل نہ پڑھے۔ کیونکہ اس طرح مغرب میں تاخیر لازم آتی ہے اور جمعے کے دن امام خطبہ کیلئے نکلے تب بھی نفل پڑھنا مکروہ ہے حتیٰ کہ وہ خطبہ سے فارغ ہو جائے۔ اس دلیل کی بنیاد پر کہ خطبہ توجہ سے سننے کی بجائے دوسرے کام میں مشغول ہونا لازم آتا ہے۔ (جو منع ہے)۔

گیارہ وقتوں میں نوافل پڑھنا منع ہے:

طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک سوا دو رکعت سنت فجر کے کوئی نفل نماز جائز نہیں۔ جب اپنے مذہب کی جماعت کے لیے اقامت ہے۔ نماز عصر کے بعد۔ غروب آفتاب سے فرض مغرب تک۔ جب امام اپنی جگہ سے خطبہ جمعہ کے لیے کھڑا ہو۔ عین خطبہ کے وقت۔ نماز عید سے پہلے۔ نماز عید کے بعد جبکہ عید گاہ یا مسجد میں پڑھے۔ گھر میں پڑھنا مکروہ نہیں۔۔ عرفات میں ظہر وعصر کے درمیان۔۔ جبکہ فرض کا وقت تنگ ہو تو ہر نماز، یہاں تک کہ سنت فجر وظہر بھی مکروہ ہے۔ جس بات سے دل بٹے اور دفع کر سکتا ہو اسے دفع کیے بغیر ہر نماز مکروہ ہے۔ مثلاً زور کا پیشاب و پاخانہ آتے وقت۔

غروب آفتاب کے بعد اور مغرب کی نماز سے پہلے نفل نماز پڑھنے کا مسئلہ:

حضرت مختار ابن فلفل فرماتے ہیں کہ میں نے (ایک دن) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عصر کے بعد نفل نماز پڑھنے کے بارے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ (اس معاملے میں) امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کا تو اتنا سخت رویہ تھا کہ وہ) عصر کے بعد نفل نماز کی نیت باندھنے والے کے ہاتھ پر مارتے تھے (یعنی انتہائی سختی اور شدت سے اس وقت نماز پڑھنے سے منع کرتے تھے) اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں آفتاب غروب ہونے کے بعد اور مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعتیں (نفل نماز کی) پڑھا کرتے تھے۔ (یہ سن کر) میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑتے دیکھتے تھے لیکن ہمیں اس کے پڑھنے کا نہ تو حکم ہی دیتے تھے اور نہ ہمیں اس کے پڑھنے سے منع فرماتے تھے۔ (صحیح مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول نہ تو ہمیں حکم ہی دیتے تھے اور نہ منع فرماتے تھے، سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر ثابت کی یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نماز پڑھنے کو درست سمجھتے تھے کیونکہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اس وقت نماز پڑھنا مکروہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے ضرور منع فرماتے، لیکن خلفائے راشدین کے بارہ میں ثابت ہے کہ وہ حضرات اس وقت نماز پڑھنے کو درست نہیں سمجھتے تھے لہٰذا اس سلسلے میں خلفائے راشدین کی اقتداء کافی ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر فقہاء نے اس وقت نماز پڑھنے سے منع کیا ہے کیونکہ اس سے مغرب کی نماز کی تاخیر لازم آتی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم مدینہ میں تھے (اس وقت یہ حال تھا کہ) جب مؤذن مغرب کی اذان دیتا تو (بعض صحابہ یا تابعین) مسجد کے ستونوں کی طرف دوڑتے اور دو رکعت نماز پڑھنے لگتے، یہاں تک کہ کوئی (مسافر آدمی اگر مسجد میں آتا تو اکثر لوگوں کو (تنہا تنہا) دو رکعت نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر یہ گمان کرتا کہ نماز ہو چکی ہے (اور اب لوگ سنتیں پڑھ رہے ہیں۔) (صحیح مسلم)

علامہ طیبی شافعی فرماتے ہیں کہ غروب آفتاب کے بعد اور مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت نماز کے اثبات کی یہ حدیث ظاہری دلیل ہے۔اس سلسلہ میں ملا علی قاری حنفی کے قول کا مفہوم یہ ہے کہ یہ حدیث اس وجہ سے ان دونوں رکعتوں کے اثبات کی دلیل نہیں ہوسکتی کہ اس طریقے کے نادر ہونے میں کوئی شک نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمومی طور پر مغرب کی نماز کی ادائیگی میں جلدی فرماتے تھے جب کہ ان دونوں رکعتوں کے پڑھنے سے نہ صرف یہ کہ مغرب کی ادائیگی میں تاخیر لازم آتی ہے بلکہ بعض علماء کے قول کے مطابق تو نماز کا اپنے وقت سے خروج ہی لازم آجاتا ہے۔

لہٰذا اس حدیث کی تاویل یا تو یہ کی جائے گی کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ ہمیشہ کا طریقہ نقل نہیں کررہے بلکہ ہوسکتا ہے کہ کسی ایک دن بعض لوگوں نے یہ طریقہ اختیار کرلیا ہو کہ مغرب کی اذان سنتے ہی مسجد آگئے ہوں اور وہاں نماز مغرب سے پہلے دو رکعت نماز نفل پڑھ لی ہو یا پھر اس کی سب سے بہتر تاویل جیسا کہ بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ پہلے یہ نماز پڑھی جاتی تھی مگر پھر بعد میں اسے چھوڑ دیا گیا، لہٰذا اب اس نماز کا پڑھنا مکروہ ہے۔

نماز مغرب سے قبل نوافل کا حکم منسوخ ہوگیا ہے:

فقہاء احناف کے نزدیک ان نوافل کی منسوخیت کی دلیل ''تعجیل المغرب'' والی حدیث ہے۔جبکہ فقہاء شوافع کے مذہب کا اگر مطالعہ کیا جائے تو خود امام شافعی علیہ الرحمہ کے مذہب کے مطابق بھی ان نوافل کا منسوخ ہونا لازم آئے گا۔کیونکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک نماز مغرب کا وقت صرف تین رکعات فرائض کی ادائیگی ہے۔اور اگر دو رکعت نفل پڑھ لیے تو باقی صرف ایک رکعت نماز کا وقت باقی رہ جائے گا۔جس میں تین رکعتوں کو ادا نہیں کیا جاسکتا۔لہذا فقہ شافعی کے مطابق بھی نماز مغرب سے قبل نوافل کو منسوخ سمجھا جائے گا۔

مغرب سے قبل کی دو رکعتوں کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے:

امام شافعی رحمہ اللہ سے اس مسئلہ میں دو قول منقول ہیں۔

(۱) استحباب، امام شافعی کا یہ قول امام نووی نے شرح المہذب میں نقل کیا ہے۔(۲) جواز، امام شافعی کا یہ قول شرح مسلم میں منقول ہے۔

امام احمد بن حنبل سے بھی اس مسئلہ میں دو قول منقول ہیں، (۱) استحباب، یہ قول امام ترمذی رحمہ اللہ نے جامع الترمذی میں

نقل کیا ہے۔(۲) جواز، امام احمد بن حنبل کا یہ قول علامہ ابن قدامہ نے المغنی میں نقل کیا ہے۔

مالکیہ اور متقدمین حنفیہ کے نزدیک مغرب سے پہلے کی دو رکعتیں مکروہ ہیں، جبکہ متاخرین حنفیہ کے نزدیک مغرب سے پہلے دو رکعت نوافل کا ترک افضل ہے۔

فقہاء شوافع وحنابلہ کی دلیل کا بیان:

حدثنا هناد نا وكيع عن كهمس بن الحسين عن عبدالله بن بريدة عن عبدالله بن مغفل عن النبی صلی الله علیه وسلم قال بين كل اذانين صلوة لمن شاء،

(جامع الترمذی، ج ص، کتاب الصلوۃ، باب ماجاء فی الصلوۃ قبل المغرب)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر دو اذانوں (یعنی ہر اذان واقامت) کے درمیان نماز ہے، ہر اس شخص کیلئے جو پڑھنا چاہے۔

قال رسول صلی الله علیه و سلم ان عند كل اذانين ركعتين ما خلا صلوة المغرب

(سنن دار قطنی، ج ، ، کتاب الصلوۃ، باب الحث علی الركوع بين الاذانين فی كل صلوة و الركعتين قبل المغرب والاختلاف فيه، سنن بيهقی، ج ، كتاب الصلوة، باب من جعل قبل صلوة المغرب ركعتين، مسند بزار)

(ترجمہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر دو اذانوں (یعنی ایک اذان اور ایک اقامت) کے درمیان نماز ہے سوائے مغرب کی نماز کی۔

یہ حدیث احناف کی دلیل بھی ہے اور اختلاف کرنے والوں کا جواب بھی۔

(اعتراض اول) اس پر بعض حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ما خلا صلوۃ المغرب (سوائے مغرب کی نماز کی) یہ استثناء ضعیف ہے، حتی کہ علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے تو اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے،

(لیکن یاد رہے کہ علامہ ابن الجوزی اس حدیث پر موضوع (من گھڑت) ہونے کا حکم نہیں لگایا، صرف اس حدیث کو صحیح نہیں کہا، چنانچہ تحریر ہے کہ لكن لم يحكم عليه بالوضع و انما قال هذا حديث لا يصح (الموضوعات لابن الجوزی)

اور صحیح نہ کہنے کی اور اعتراض کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس روایت کی سند کا مدار حیان پر ہے، جنہیں فلاس نے کذاب قرار دیا ہے۔

(جواب) پہلی بات تو یہ کہ علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ کا جرح کے معاملہ میں تشدد معروف ہے، اور دوسرے اس روایت کی مکمل

تحقیق علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ میں کی ہے۔

چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ درحقیقت حیّان نام کے دو راوی ہیں () حیّان بن عبداللہ الدارمی () حیّان بن عبید اللہ البصری ۔ ،اور حیّان بن عبداللہ الدارمی کو بلاشبہ فلاّس نے کذاب قرار دیا ہے، لیکن حیّان بن عبید اللہ البصری صدوق ہیں اور یہ روایت انہی سے مروی ہے۔

قال فيه ابو حاتم صدوق و قال اسحق بن راهويه كان رجل صدوق و ذكره ابن حبان في الثقات وقال ابن حزم مجهول فلم يصب۔ (اللآلي المصنوعة في الاحاديث الموضوعة، ج، ص نقلاً عن الميزان

ابوحاتم نے حیّان بن عبید اللہ البصری کے بارے میں فرمایا کہ وہ صدوق ہیں، اسحٰق بن راہویہ نے ان کے بارے میں کہا کہ وہ سچے آدمی ہیں، اور ابن حبان رحمہ اللہ نے ان کو ثقہ رُوات میں ذکر کیا ہے، اور ابن حزم ظاہری نے مجہول کہا ہے، لیکن یہ درست نہیں۔

(اعتراض ثانی) امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس بات پر اعتراض کیا ہے، جسے علامہ سیوطی نے بھی نقل کیا ہے کہ

راوه حيان بن عبيدالله عن عبدالله بن بريدة و اخطأ في اسناده و اتي بزيادة لم يتابع عليها (بيهقي)

(ترجمہ) حیان بن عبید اللہ نے عبداللہ بن بریدہ سے روایت کیا، اور اپنی سند میں غلطی کی، اور ایسے اضافہ کو لائے، جس کا کوئی متابع بھی نہیں۔

پھر امام بیہقی نے امام ابن خزیمہ کا بھی قول نقل کیا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں،۔

بان هذه الزاوية خطأ ان ابن المبارك قال في حديثه عن كهمس فكان ابن بريدة يصلي قبل المغرب ركعتين فلو كان ابن بريدة قد سمع من ابيه عن النبي صلى الله عليه وسلم هذا الاستثناء الذي زاد حيان بن عبيدالله في الخبر منا خلا صلوة المغرب لم يكن يخالف خبر النبي صلى الله عليه وسلم
(سنن کبریٰ بیہقی، ج، ص، باب من جعل قبل صلوۃ المغرب رکعتین)

یہ روایت غلط ہے، عبداللہ بن مبارک رحمہ نے اپنی حدیث (کی سند) میں عن کھمس فرمایا، پس ابن بریدہ تو مغرب سے قبل دو رکعت پڑھتے تھے، چنانچہ اگر ابن بریدہ نے اپنے والد سے سنا ہوتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ استثناء مروی ہے، جو حیان بن عبید اللہ نے اپنی روایت میں زیادہ کیا ہے کہ سوائے مغرب کی نماز کے، تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت کے مخالف عمل نہیں کرتے۔

(جواب اعتراض ثانی) اس کا جواب علامہ علاء الدین رحمہ نے دیا ہے، جو درج ذیل ہے،

وقال علاء الدين الماردينى في الجوهر النقى قلت اخرج البزار هذا الحديث (اى حديث حيان بن

عبیداللہ البصری) ثم قال حیان رجل من اهل البصرة مشهور لیس به بأس و قال فیه ابو حاتم صدوق و ذکره ابن حبان فی الثقات من اتباع التابعین و اخرج له الحاکم فی ابواب الزنا حدیثا و صحح اسناده فهذه زیادة من ثقة فیحمل علی ان لابن بریدة فیه سندین سمعه من ابن

مغفل تلك الزیادة و سمعه من ابیه بالزیادة (فی ذیل سنن کبریٰ بهیقی، ج، ص ، (

علامہ علاء الدین المار دینی نے الجوہر النقی میں فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ بزار نے اس حدیث کی تخریج کی ہے (یعنی حیان بن عبید اللہ البصری والی حدیث کی)، پھر فرمایا کہ حیان بصرہ کا مشہور آدمی ہے، اس سے حدیث لینے میں کوئی حرج نہیں، ابو حاتم نے حیان بن عبید اللہ البصری کے بارے میں فرمایا کہ وہ صدوق ہیں، ابن حبان رحمہ اللہ نے ان کو تابعین کی اتباع کرتے ہوئے ثقہ رُوات میں ذکر کیا ہے، اور امام حاکم نے بھی ابواب زنا میں ان کی ایک حدیث درج کی ہے، اور اسکی سند کو صحیح قرار دیا ہے، لہٰذا یہ اضافہ ایک ثقہ روای کی طرف سے ہے، چنانچہ اس بات کو اس پر محمول کیا جائے گا، کہ ابن بریدہ کی اس روایت کی دو سندیں ہیں، ایک یہ کہ انہوں نے ابن مغفل سے اس اضافہ کیساتھ اس حدیث کو سنا، اور ایک یہ کہ انہوں نے اپنے والد سے اس حدیث کو بغیر اضافہ اور استثناء کے سنا۔ (جواب ثانی للشوفع والحنابلۃ)

بعض علماء نے فرمایا کہ بین کل اذانین صلوۃ یہ حکم تغلیباً ھے، للاکثر حکم الکل کےطور پر، یعنی باقی سب فرض نمازوں سے قبل سنتیں ہیں، تو اکثر نمازوں کا جو حکم ہے، اُس حکم کو سب کا حکم شمار کر کے کہہ دیا گیا ہے، حاصل یہ ہے کہ بین کل اذانین صلوۃ یہ اکثر نمازوں کا حکم ہے، (تمام کا نہیں ہے) جسے تمام نمازوں کے حکم کے طور پر بیان کیا گیا ہے،

جیسا کہ بین کل اذانین صلوۃ (ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے) یہاں دو اذانوں سے مراد ایک تو اذان ہے اور دوسری اقامت ہے، لیکن تغلیباً اذانین فرمایا گیا، جیسا کہ کہا جاتا ہے شمسین، قمرین وغیرہ،

گویا اس حدیث میں دو تغلیبیں ہیں، ایک من حیث اللفظ والتعبیر اور دوسری من حیث الحکم۔

عن طاؤس قال سئل ابن عمر عن الرکعتین قبل المغرب فقال ما رأیت احداً علیٰ عهد رسول اللّٰه صلی علیه وسلم یصلیها۔

(ابو داؤد، ج،ص ، باب الصلوۃ قبل المغرب ، سنن کبریٰ بهیقی ج، ص ،، باب من جعل قبل صلوۃ المغرب رکعتین)

طاؤس سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مغرب سے پہلی کی دو رکعتوں کے بارے میں پوچھا گیا، تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کسی کو ان دو رکعتوں کو پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

جن علماء نے رکعتین قبل المغرب کو مستثنیٰ کہا ہے، وہ اس روایت کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ عدمِ رویت عدمِ وجود کو مستلزم نہیں، یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مغرب سے قبل کسی کو دو رکعت پڑھتے ہوئے نہ دیکھنا، ان دو رکعت کے نہ ہونے کو لازم نہیں، نیز قاعدہ ہے کہ مثبت نافی سے اَولیٰ ہوتا ہے (کمافی الکوکب)

لیکن شیخ ابن الہمام رحمہ اللہ اس قاعدہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے، چنانچہ جس مقام پر نفی من جنس مایعرف بدلیله (یعنی ایسی نفی ہو جو دلیل سے جانی جاتی) ہو، وہاں وہ نفی اثبات کے مساوی ہوتی ہے، اس لئے کہ اثبات کو نفی پر ترجیح اس لئے ہے کہ مثبت کے پاس زیادہ علم ہوتا ہے، بخلاف نفی کے، کہ نفی کبھی صرف ظاہر حال کو دیکھ کر بغیر دلیل کے بھی کر دی جاتی ہے، لیکن جو نفی من جنس مایعرف بدلیله کے قبیل سے ہو، وہ صرف ظاہر حال کے اعتبار سے نہیں ہوتی، وہاں نفی کرنے والے کے پاس دلیل بھی ہوتی ہے۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ بات کہ میں نے کسی کو رکعتین پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا، گویا وہ اپنا مشاہدہ بیان کر رہے ہیں، لہٰذا یہ بلا دلیل کے نہیں ہے، تو پتا چلا کہ یہ نفی اثبات کے مساوی والی نفی ہے۔

لیکن یہ ذہن میں رہے کہ شیخ ابن الہمام رحمہ اللہ کا مقصد اس وضاحت سے صرف قاعدۂ اصولیہ پر متنبہ کرنا ہے۔

ابراهیم نخعی رحمہ اللہ کی روایت ھے که قال لم یصل ابو بکر ولا عمر ولا عثمان رضی الله عنهم قبل المغرب رکعتین (بھیقی ج، ص، باب من جعل قبل صلوۃ المغرب رکعتین)

وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ نے مغرب سے قبل کی دو رکعت نہیں پڑھی۔

سعید بن المسیب رحمہ اللہ سے مغرب سے قبل کی دو رکعتوں کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے کسی فقیہ کو ان دو رکعتوں کو پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا سوائے سعد بن مالک کے،

ابو سعید الجدری کا فرمان ہے کہ میں نے کوئی ایسا صحابی نہیں پایا جو ان دو رکعتوں کو پڑھتا ہو سوائے سعد بن مالک کے،

امام احمد سے مروی ہے کہ جب میں نے لوگوں کا اس پر عمل نہیں پایا تو میں نے اسے ترک کر دیا۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان روایات سے سنیت کی نفی تو ثابت ہوتی ہے، لکن عدم جواز پر استدلال نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ ان روایات میں پڑھنے کی نفی ہے، نہی نہیں، جبکہ جواز پر شافعیہ کے پاس مضبوط دلائل ہیں، جن میں سے چند درج ذیل ہیں،

عبد الله المزنی عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: صلوا قبل صلوۃ المغرب قال فی الثالثة: لمن شاء کراهیة ان یتخذها الناس سنة۔ (صحیح بخاری، کتاب التهجد، باب الصلوۃ قبل المغرب، ابو داؤد، باب الصلوۃ قبل المغرب)

عبد اللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مغرب سے پہلے دو رکعت

پڑھو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری باریوں فرمایا کہ جو چاہے وہ پڑھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند فرمایا کہ لوگ اسے سنت سمجھ لیں۔

اس روایت میں صلاۃ قبل المغرب کا امر وارد ہے، لیکن ساتھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ لمن شاء کہ جس کا جی چاہے پڑھے، یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثواب وفضیلت کا ذکر اور ترغیبی، کوئی پہلو اختیار نہیں فرمایا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو رکعت پڑھنے کی تو رخصت ہے، البتہ یہ مندوب اور مرغوب فیہ نہیں ہیں۔

عن انس بن مالك قال :المؤذن اذا اذن قام ناس من اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم یبتدرون السواری حتیٰ یخرج النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم وهم كذلك یصلون ركعتین قبل المغرب ولم یكن بین الاذان الاقامة شیء۔ (صحیح بخاری،ج ص ، كتاب الاذان، باب كم بین الاذان و الاقامة)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں) جب مؤذن اذان دیتا، تو صحابہ میں سے کچھ لوگ ستونوں کی طرف لپکتے تھے (تاکہ نماز کھڑی ہونے سے قبل دو رکعت پڑھ لیں) یہاںتک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (حجرہ مبارک) سے نکل آتے، اور وہ اسی طرح نماز پڑھتے رہتے، مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھتے رہتے، اور اذان اور تکبیر میں کچھ زیادہ فاصلہ نہ ہوتا۔

اس حدیث کے سیاق سے پتا چلتا ہے کہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم ایسا نہیں کرتے تھے، جیسا کہ لفظ ناس (کچھ لوگ) سے مترشح ہوتا ہے۔

عن انس بن مالك قال صلیت الركعتین قبل المغرب علی عهد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال قلت لانس اراكم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال نعم رآنا فلم یامرنا ولم ینهنا۔

(ابو داؤد ،ج، ص ، باب الصلوة قبل المغرب

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے زمانے میں مغرب (کے فرائض) سے پہلے دو رکعت پڑھی ہیں، اس پر شاگرد نے دریافت کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو یہ دو رکعت پڑھتے دیکھا ہے؟ حضرت انس نے فرمایا کہ ہاں دیکھا ہے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ ہمیں اس کا حکم فرمایا اور نہ ہی اس سے روکا۔

باب الاذان

﴿یہ باب اذان کے بیان میں ہے﴾

باب الاذان کی مطابقت کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ مصنف جب باب الاوقات سے فارغ ہوئے تو اس باب کا ذکر شروع کیا ہے کیونکہ وہ اوقات اسباب میں سے ہے۔ اور اذان حقیقت میں اعلام سے ہے۔ لہذا اس کا ذکر اس کے ساتھ متصل ہوگا کیونکہ یہ اسی کی علامت یعنی وقت کے شروع ہونے اور نماز کی اطلاع ہے۔ اور باب الاوقات کو مقدم اس لئے کیا ہے کہ وہ سبب ہے اور سبب ہمیشہ اپنی علامت پر مقدم ہوا کرتا ہے۔ (البنایہ شرح الہدایہ، ج ۲، ص ۷۷، حقانیہ ملتان)

اذان کے مفاہیم:

لغت میں اذان کا معنی خبر دینا ہیں اور اصطلاح شریعت میں چند مخصوص الفاظ کے ساتھ اوقات مخصوصہ میں نماز کے وقت آنے کی خبر دینے کو اذان کہتے ہیں۔ اس تعریف سے وہ اذان خارج ہے جو نماز کے علاوہ دیگر امور کے لیے ہے مسنون کی گئی ہے جیسا کہ بچے کی پیدائش کے بعد اس کے دائیں کان میں اذان کے کلمات اور بائیں کان میں اقامت کے کلمات کہے جاتے ہیں اور اسی طرح اس آدمی کے کان میں اذان کہنا مستحب ہے جو کسی رنج میں مبتلا ہو یا اسے مرگی وغیرہ کا مرض ہو یا وہ غصے کی حالت میں ہو، یا جس کی عادتیں خراب ہوگئی ہوں خواہ وہ انسان ہو یا جانور۔

چنانچہ حضرت دیلمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ راوی ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے فرمایا کہ ایک دن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے غمگین دیکھ کر فرمایا کہ اے ابن ابی طالب : میں تمہیں غمگین دیکھ رہا ہوں لہٰذا تم اپنے اہل بیت میں سے کسی کو حکم دو کہ وہ تمہارے کان میں اذان کہے جس سے تمہارا غم ختم ہو جائے گا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ فرماتے تھے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد کے مطابق عمل کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات صحیح ثابت ہوئی نیز اس روایت کو حضرت علی کرم اللہ وجہ تک نقل کرنے والے ہر راوی نے کہا ہے کہ ہم نے اس طریقے کو آزمایا تو مجرب ثابت ہوا۔ ایسے ہی حضرت دیلمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت علی کرم اللہ وجہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کی عادتیں خراب ہوگئی ہوں خواہ وہ انسان ہو یا جانور تو اس کے کان میں اذان کہو۔

یاد رہے کہ فرائض نماز کے لیے اذان کہنا سنت موکدہ ہے تاکہ لوگ نماز کے وقت مسجد میں جمع ہوئیں اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں۔ اذان کی مشروعیت کے سلسلے میں مشہور اور صحیح یہ ہے کہ اذان کی مشروعیت کی ابتداء عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خواب ہے جس کی تفصیل آئندہ احادیث میں آئے گی۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اذان کا خواب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی دیکھا تھا۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ دس صحابہ کرام کو خواب میں اذان کے کلمات کی تعلیم دی گئی تھی بلکہ کچھ حضرات نے تو کہا ہے کہ خواب دیکھنے والے چودہ صحابہ کرام ہیں۔

بعض علماء محققین کا قول یہ ہے کہ اذان کی مشروعیت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے نتیجے میں ہوئی ہے جس کی طرف شب معراج میں ایک فرشتے نے رہنمائی کی تھی چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج میں جب عرش پر پہنچے اور سدرۃ المنتہیٰ تک جو کبریائی حق جل مجدہ کا محل خاص ہے پہنچے تو وہاں سے ایک فرشتہ نکلا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ فرشتہ کون ہے؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ اس اللہ کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے تمام مخلوق سے زیادہ قریب ترین درگاہ عزت سے میں ہوں لیکن میں نے پیدائش سے لے کر آج تک اس وقت کے علاوہ اس فرشتہ کو کبھی نہیں دیکھا ہے چنانچہ اس فرشتہ نے کہا اللہ اکبر اللہ اکبر یعنی اللہ بہت بڑا ہے اللہ بہت بڑا ہے۔ پردے کے پیچھے سے آواز آئی کہ میرے بندہ نے سچ کہا انا اکبر انا اکبر (یعنی میں بہت بڑا ہوں میں بہت بڑا ہوں) اس کے بعد اس فرشتے نے اذان کے باقی کلمات ذکر کئے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذان کے کلمات صحابہ کرام کے خواب سے بھی بہت پہلے شب معراج میں سن چکے تھے۔ چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ اس سلسلہ میں محقق فیصلہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کے کلمات شب معراج میں سن تو لیے تھے لیکن ان کلمات کو نماز کے لیے اذان میں ادا کرنے کا حکم نہیں ہوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں بغیر اذان کے نماز ادا کرتے رہے یہاں تک کہ مدینہ تشریف لائے اور یہاں صحابہ کرام سے مشورہ کیا چنانچہ بعض صحابہ کرام نے خواب میں ان کلمات کو سنا اس کے بعد وحی بھی آ گئی کہ جو کلمات آسمان پر سنے گئے تھے اب وہ زمین پر اذان کے لیے مسنون کر دیے جائیں۔ (مظاہر حق شرح مشکوٰۃ المصابیح)

اذان کے اسرار و رموز:

جب اذان میں چار مرتبہ اللہ اکبر کہا جاتا ہے تو یہ پیغام دیا جا رہا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طاقت آگ پانی ہوا اور مٹی گویا ہر چیز کی طاقت سے زیادہ ہے پس اس پروردگار کی طرف آ جاؤ تمہیں اسکے گھر میں بلایا جا رہا ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی کہ چاروں اطراف میں پیغام پہنچانے کیلئے چار مرتبہ اللہ اکبر کہا گیا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ جب اذان کی اللہ اکبر سنتے تو اتنا روتے کہ چادر بھیگ جاتی۔ کسی نے پوچھا تو بتایا کہ میں اللہ اکبر کے الفاظ سنتا ہوں تو عظمت الٰہی اور ہیبت الٰہی کی ایسی کیفیت دل پر طاری ہوتی ہے کہ گریہ طاری ہو جاتا ہے۔

اذان میں حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے الفاظ سے یہ بتایا گیا کہ نماز میں فلاح ہے۔ یہی پیغام قرآن مجید میں دیا گیا کہ قَدْ

اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ۔ اَلَّذِیۡنَ هُمۡ فِیۡ صَلٰوتِهِمۡ خَاشِعُوۡنَ (المؤمنون :۔) (کامیاب ہوگئے ایمان والے، جو اپنی نماز میں جھکنے والے تھے) پس اذان اور نماز کے پیغام میں مطابقت موجود ہے۔

مؤذن اللہ اکبر کے الفاظ کہہ کر اللہ تعالیٰ کی عظمت کی گواہی دے رہا ہوتا ہے لہذا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مؤذن کو عزت و شرافت سے نوازے گا۔ حدیث پاک میں ہے کہ قیامت کے دن مؤذن کا چہرہ منور ہوگا اور اسکی گردن دوسروں کی نسبت اونچی ہوگی۔ یہ اعزاز اسے اذان دینے کی وجہ سے ملے گا۔

علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی کافر اپنے ارادے سے اذان دے تو اسکے مسلمان ہونے کا فتویٰ دیا جائے گا۔

ایک مرتبہ نبی علیہ السلام نے مردوں اور عورتوں کی صفوں کے درمیان کھڑے ہو کر فرمایا کہ مؤذن اذان دے تو سننے والے کو چاہئے کہ وہی الفاظ کہے جو مؤذن کہتا ہے البتہ حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے جواب میں "لا حول ولا قوۃ الا باللہ" کہے۔ اسی طرح فجر کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم کہے تو جواب میں یوں کہا جائے صَدَقْتَ وَ بَرَرْتَ (تو نے سچ کہا اور تو بری ہوگیا۔

جب بچہ پیدا ہو تو اسکے ایک کان میں اذان اور دوسرے کان میں اقامت کہی جاتی ہے۔ اس کا مقصد اصلی اس بچے کے کان میں اللہ رب العزت کی عظمت کو پہنچانا ہوتا ہے۔

زبیدہ خاتون ایک نیک ملکہ تھی۔ اس نے نہر زبیدہ بنوا کر مخلوق خدا کو بہت فائدہ پہنچایا۔ اپنی وفات کے بعد وہ کسی کو خواب میں نظر آئی۔ اس نے پوچھا کہ زبیدہ خاتون! آپ کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا؟ زبیدہ خاتون نے جواب دیا کہ اللہ رب العزت نے بخشش فرمادی۔ خواب دیکھنے والے نے کہا، آپ نے نہر زبیدہ بنوا کر مخلوق کو فائدہ پہنچایا آپ کی بخشش تو ہونی ہی تھی۔ زبیدہ خاتون نے کہا نہیں، نہیں۔ جب نہر زبیدہ والا معاملہ پیش ہوا تو پروردگار عالم نے فرمایا کہ کام تو تم نے خزانے کے پیسوں سے کروایا۔ اگر خزانہ نہ ہوتا تو نہر بھی نہ بنتی۔ مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے میرے لئے کیا عمل کیا۔ زبیدہ نے کہا کہ میں تو گھبرا گئی کہ اب کیا بنے گا۔ مگر اللہ رب العزت نے مجھ پر مہربانی فرمائی۔ مجھے کہا گیا کہ تمہارا ایک عمل ہمیں پسند آ گیا۔ ایک مرتبہ تو بھوک کی حالت میں دستر خوان پر بیٹھی کھانا کھا رہی تھی کہ اتنے میں اللہ اکبر کے الفاظ سے اذان کی آواز سنائی دی۔ تمہارے ہاتھ میں لقمہ تھا اور سر سے دوپٹہ سرکا ہوا تھا۔ تم نے لقمے کو واپس رکھا، پہلے دوپٹے کو ٹھیک کیا، پھر لقمہ کھایا۔ تم نے لقمہ کھانے میں تاخیر میرے نام کے ادب کی وجہ سے کی چلو ہم نے تمہاری مغفرت کردی۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے مکان کے سامنے ایک لوہار رہتا تھا۔ بال بچوں کی کثرت کی وجہ سے وہ سارا دن کام میں لگا رہتا۔ اسکی عادت تھی کہ اگر اس نے ہتھوڑا ہوا میں اٹھایا ہوتا کہ لوہا کوٹ سکے اور اسی دوران اذان کی آواز آ جاتی تو وہ ہتھوڑا لوہے پر مارنے کی بجائے اسے زمین پر رکھ دیتا اور کہتا کہ اب میرے پروردگار کی طرف سے بلاوا آ گیا ہے میں پہلے نماز

پڑھوں گا پھر کام کروں گا۔ جب اسکی وفات ہوئی تو کسی کو خواب میں نظر آیا۔ اس نے پوچھا کیا بنا؟ کہنے لگا کہ مجھے امام احمد بن حنبلؒ کے نیچے والا درجہ عطا کیا گیا۔ اس نے پوچھا کہ تمہارا علم وعمل تو اتنا نہیں تھا۔ اس نے جواب دیا کہ میں اللہ کے نام کا ادب کرتا تھا اور اذان کی آواز سنتے ہی کام روک دیتا تھا تاکہ نماز ادا کروں اس ادب کی وجہ سے اللہ رب العزت نے مجھ پر مہربانی فرمادی۔

امام ابن سیرینؒ کے پاس ایک شخص نے آکر کہا کہ میں نے دیکھا کہ خواب کی حالت میں اذان دے رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا تجھے عزت نصیب ہوگی۔ کچھ عرصے کے بعد اس شخص کو عزت ملی۔ دوسرے شخص نے خواب دیکھا کہ اذان دے رہا ہوں۔ ابن سیرینؒ نے فرمایا کہ تجھے ذلت ملے گی وہ شخص کچھ عرصے بعد چوری کے جرم میں گرفتار ہوا اسکے ہاتھ کاٹے گئے۔ ابن سیرینؒ کے ایک شاگرد نے پوچھا کہ حضرت دونوں نے ایک جیسا خواب دیکھا مگر تعبیر مختلف کیوں ہوئی؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب پہلے نے اذان دیتے ہوئے دیکھا تو میں نے اس شخص میں نیکی کے آثار دیکھے تو مجھے قرآن میں یہ آیت سامنے آئی "وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ (الحج)" اور پکار دے لوگوں کو حج کے واسطے میں نے تعبیر دی کہ اسے عزت ملے گی۔ جب دوسرے نے خواب سنایا تو اسکے اندر فسق وفجور کے آثار تھے۔ مجھے قرآن مجید کی یہ آیت سامنے آئی۔ "ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَیَّتُهَا الْعِیْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ (یوسف)" پھر پکارا پکارنے والے نے، اے قافلہ والو: تم تو البتہ چور ہو) پس میں نے یہ تعبیر لی اس شخص کو ذلت ملے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اگر کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ میں بے وقت اذان دے رہا ہوں تو اسکی تعبیر یہ ہے کہ اسے ذلت ملے گی۔ اگر عورت خواب میں دیکھے کہ اذان دے رہی ہے تو وہ بیمار ہوگی۔

ایک شخص نے ابن سیرینؒ سے خواب بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ میں مردوں کے منہ پر اور عورتوں کی شرمگاہوں پر مہر لگا رہا ہوں۔ انہوں نے فرمایا لگتا ہے کہ تم مؤذن ہو اور ماہ رمضان میں وقت سے پہلے فجر کی اذان دیتے ہو۔ تحقیق کرنے پر تعبیر صحیح نکلی۔ چونکہ اذان کی آواز سن کر لوگ روزے کی نیت کر لیتے تھے لہذا وہ لوگوں کو کھانے پینے اور جماع سے روکتا تھا حالانکہ ابھی اذان کا وقت نہیں ہوتا تھا۔

حکم شرعی کے مطابق اذان کی شرعی حیثیت:

(اَلْاَذَانُ سُنَّةٌ لِلصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ وَالْجُمُعَةِ دُونَ مَا سِوَاهَا) لِلنَّقْلِ الْمُتَوَاتِرِ . (وَصِفَةُ الْاَذَانِ مَعْرُوفَةٌ) وَهُوَ كَمَا اَذَّنَ الْمَلَكُ النَّازِلُ مِنَ السَّمَاءِ .

(وَلَا تَرْجِيعَ فِيهِ) وَهُوَ اَنْ يُرَجِّعَ فَيَرْفَعَ صَوْتَهُ بِالشَّهَادَتَيْنِ بَعْدَ مَا خَفَضَ بِهِمَا . وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ : فِيهِ ذَلِكَ لِحَدِيثِ اَبِي مَحْذُورَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ (اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ

بِالتَّرْجِيعِ) وَلَنَا أَنَّهُ لَا تَرْجِيعَ فِي الْمَشَاهِيرِ وَكَانَ مَا رَوَاهُ تَعْلِيمًا فَظَنَّهُ تَرْجِيعًا.

ترجمہ:

نماز خمسہ اور جمعہ کیلئے اذان سنت ہے۔ جبکہ ان کے سوا کسی کیلئے نہیں۔ کیونکہ تواتر سے یہی حکم نقل کیا گیا ہے۔ اور اذان کا طریقہ وہی معروف طریقہ ہے جس طرح آسمان سے نازل ہونے والے فرشتے نے پڑھی تھی۔

اور اس میں ترجیع نہیں ہے اور ترجیع یہ ہے کہ شہادتین کے ساتھ اپنی آواز پست کرنے کے بعد بلند کرے۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اذان میں ترجیع ہے۔ اس حدیث کی بناء پر جو ابومحذورہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں ترجیع کا حکم دیا تھا۔ اور ہماری دلیل یہ ہے احادیث مشہورہ میں ترجیع بیان نہیں ہوئی۔ اور ابومحذورہ والی حدیث بطور تعلیم تھی جبکہ ابومحذورہ نے اس کو ترجیع خیال کرلیا۔

اذان کی ابتداء کس طرح ہوئی تھی:

حضرت عبداللہ بن زید فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارادہ فرمالیا نرسنگا بجوانے کا اور حکم دیدیا ناقوس کی تیاری کا۔ پس وہ تراش لیا گیا تو عبداللہ بن زید کو خواب دکھائی دیا کہتے ہیں میں نے دیکھا ایک مرد دو سبز کپڑے پہنے ہوئے ناقوس اٹھائے ہوئے ہے میں نے اس سے کہا اے اللہ کے بندے! کیا یہ ناقوس بیچو گے؟ کہنے لگا تم اس کو کیا کرو گے؟ میں نے کہا میں اس کے ذریعہ نماز کا اعلان کروں گا کہنے لگا میں تمھیں اس سے بہتر چیز نہ بتاؤں؟ میں نے کہا اس سے بہتر کیا ہے؟ کہنے لگا تم یوں کہو (اذان مکمل) کہتے ہیں میں (بیدار ہونے پر) نکلا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر خواب سنایا، عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں نے دو سبز کپڑوں میں ملبوس ایک مرد دیکھا جس نے ناقوس اٹھایا ہوا ہے اور سارا خواب بیان کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہارے ساتھی نے ایک (اچھا) خواب دیکھا تم بلال کے ساتھ مسجد جاؤ اور بلال اذان دے کیونکہ اس کی آواز تم سے بلند ہے۔ کہتے ہیں میں بلال کے ساتھ مسجد گیا، میں ان کو سکھاتا جاتا اور وہ پکارتے جاتے کہتے ہیں کہ عمر بن خطاب نے یہ آواز سنی تو آئے اور عرض کی اے اللہ کے رسول! بخدا میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا جیسا اس نے دیکھا۔ امام ابن ماجہ کے استاذ ابوعبید کہتے ہیں مجھے ابوبکر حکمی نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن زید انصاری نے اس بارے میں یہ اشعار کہے میں بزرگی اور احسان کرنے والے اللہ کی حمد وتعریف کرتا ہوں اور بہت تعریف اذان سکھانے پر جب خوشخبری دینے والا فرشتہ اللہ کی جانب سے میرے پاس اذان لایا، میرے نزدیک کیسا عزت والا خوشخبری سنانے والا ہے، تین رات مسلسل میرے پاس آیا اور جب بھی آیا میری عزت اور وقار میں اضافہ کر گیا۔ (سنن ابن ماجہ)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس نماز فجر کی اطلاع دینے کے لئے

آئے (کہ جماعت تیار ہے) گھروالوں نے کہا آپ سورہے ہیں، بلال نے کہا (نماز نیند سے بہتر ہے) پھر فجر کی اذان میں یہ کلمہ مقرر ہوا اور یہی حکم جاری رہا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب مؤذن اذان دے تو تم اسی جیسے الفاظ کہو (یعنی ساتھ، ساتھ دہراؤ)۔ (سنن ابن ماجہ)

امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک ترجیح کرنی چاہیے:

اذان کے اندر امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک ترجیح کرنی چاہئے ان کی دلیل سنن ابن ماجہ کی یہ حدیث ہے۔

حضرت عبداللہ بن محیریز سے روایت ہے اور وہ یتیم تھے حضرت ابو محذورہ کی گود میں جب ابو محزورہ نے عبداللہ کو سامان دے کر شام کی طرف روانہ کیا تو (عبداللہ نے کہا کہ) میں نے ابو محذورہ سے پوچھا چچا جان میں شام کے لئے روانہ ہو رہا ہوں اور میں آپ سے اذان کے متعلق پوچھتا ہوں انہوں نے مجھے بتایا کہ میں کچھ ساتھیوں کے ساتھ نکلا ہم راستے میں تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مؤذن نے نماز کے لئے اذان دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہی ہم نے مؤذن کی آواز سنی اس وقت ہم اذان سے دور تھے (یعنی مسلمان نہ ہوئے تھے) ہم بطور تیج چیخ کر اس کی نقل اتارنے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہماری آواز سنی تو کچھ لوگوں کو بھیجا ہماری طرف، انہوں نے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے لا بٹھایا تو، فرمایا تم میں سے کس کی آواز میں نے سنی جو بلند تھی تو سب ساتھیوں نے میری طرف اشارہ کیا اور سچ ہی کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کو چھوڑ دیا اور مجھے روک لیا اور مجھ سے فرمایا کھڑے ہو کر اذان دو میں کھڑا ہوا میری یہ حالت تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ اور اس اذان سے زیادہ جس کا مجھے آپ نے حکم دیا کوئی چیز ناپسندیدہ نہ تھی پھر بھی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کھڑا ہو گیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بذات خود مجھے اذان کہلوائی، فرمایا کہو۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰہِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰہِ " پھر مجھ سے کہا اپنی آواز بلند کرو "اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰہِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰہِ حَیَّ عَلَی الصَّلَاۃِ حَیَّ عَلَی الصَّلَاۃِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ اللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ۔

پھر جب میں نے اذان مکمل کر لی تو مجھے بلا کر ایک تھیلی دی جس میں کچھ چاندی تھی پھر میری پیشانی پر اپنا دست مبارک رکھا اور میرا چہرہ، سینہ و کلیجے پر ہاتھ پھیرا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ میری ناف کے قریب تک پہنچا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے اور تمہارے اوپر برکت دے، میں نے عرض کیا اے اللہ

کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے مجھے مکہ میں اذان پر مامور فرمایا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جی! میں نے تمہیں مامور کیا، اسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نفرت میرے دل سے نکل گئی اور وہ سب نفرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں بدل گئی میں وہاں سے مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عامل حضرت عتاب بن سید کے پاس گیا اور ان کے ساتھ میں نے نماز کے لئے اذان دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق، عبدالعزیز بن عبدالملک بن ابی محذورہ کہ ایک اور صاحب جو ابومحذورہ رضی اللہ عنہ سے ملے تھے نے اسی طرح حدیث بیان کی جس طرح عبداللہ بن محیریز نے بیان کی۔ (سنن ابن ماجہ)

فقہ حنفی کے مطابق ترجیع نہ کی جائے:

حضرت عبداللہ ابن زید بن عبدربہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقوس بنائے جانے کا حکم دیا تا کہ نماز کی جماعت میں لوگوں کے حاضر ہونے کے لیے اسے بجایا جائے تو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک آدمی اپنے ہاتھ میں ناقوس لیے ہوئے (جاتا) ہے میں نے اس آدمی سے کہا کہ بندہ خدا! کیا تم یہ ناقوس بیچو گے؟ اس آدمی نے کہا کہ تم اس کا کیا کرو گے؟ میں نے کہا کہ ہم اسے بجا کر لوگوں کو نماز (کی جماعت) کے لئے بلایا کریں گے۔ اس نے کہا کہ کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز نہ بتادوں؟ میں نے کہا کہ ہاں ضرور بتاؤ! اس آدمی نے کہا کہ کہو اللہ اکبر تک اس نے اذان بتا کر پھر اسی طرح اقامت بھی بتائی، جب صبح ہوئی تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور جو کچھ خواب میں دیکھا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (خواب سن کر) فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ خواب سچا ہے، اب تم بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کھڑے ہو کر جو کچھ خواب میں دیکھا ہے انہیں بتائے جاؤ اور وہ اذان کہیں کیونکہ وہ تم سے بلند آواز ہیں۔ چنانچہ میں بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کھڑا ہو کر انہیں سکھلاتا گیا اور وہ اذان دیتے رہے۔ راوی فرماتے ہیں کہ، حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اپنے مکان میں اذان کی آواز سنی تو (جلدی کی بنا پر) اپنی چادر کھینچتے ہوئے مکان سے باہر نکلے اور یہ کہتے ہوئے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں) حاضر ہوئے کہ یا رسول اللہ ﷺ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا ہے (یہ سن کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الحمد اللہ (یعنی سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں) یہ حدیث ابوداؤد، دارمی، اور ابن ماجہ نے نقل کی ہے مگر ابن ماجہ نے تکبیر کا ذکر نہیں کیا اور امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے لیکن انہوں نے ناقوس کے قصے کی تصریح نہیں کی۔

حدیث کے پہلے جزء کا یہ مطلب نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقوس بجانے کا حکم دے دیا تھا۔ بلکہ یہاں حکم کا مطلب یہ ہے کہ جب اس سلسلے میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے مشورہ کیا اور کوئی مناسب تجویز ذہن میں نہیں آئی تو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقوس بجانے کا حکم دینے کا ارادہ فرمایا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ ابن زید کے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب کے ذریعے اس کی نوبت نہ آنے دی۔

یہ حدیث احناف کے مسلک کی موید ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تکبیر اور اذان کے کلمات میں کوئی فرق نہیں ہے جس طرح اذان کے کلمات کو سوائے شروع میں اللہ اکبر اور آخر میں لا الـٰه الا الـلـه کے دو دو مرتبہ کہا جاتا ہے اسی طرح تکبیر کے کلمات کو بھی دو مرتبہ کہا جاتا ہے البتہ تکبیر میں صرف قد قامت الصلوٰۃ کا اضافہ ہے جو اذان میں نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خواب کو سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق فرمائی کہ یہ خواب سچا ہے اب اس تصدیق کا تعلق یا تو وحی سے ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اس خواب کے سچا ہونے کی خبر دے دی تھی اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسے حق کہا یا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتہاد کی بناء پر اس خواب کو سچا مانا۔ اس موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انشاء اللہ کہنا برکت اور اظہار طمانیت کے طور پر تھا۔ نہ کہ شک کے لیے۔ اذان کی آواز سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر جو یہ کہا کہ میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا تھا تو ہو سکتا ہے کہ انہوں نے یہ بات اس وقت کہی ہو جب انہیں معلوم ہو گیا ہو کہ یہ اذان حضرت عبداللہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خواب کے نتیجے میں کہی گئی ہے یا پھر انہیں اس خواب کا علم مکاشفہ کے ذریعے ہو گیا ہوگا۔ نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ موذن کا بلند آواز اور خوش گلو ہونا مستحب ہے۔

حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما کے نزدیک اذان میں ترجیع یعنی شہادتین کو دو مرتبہ کہنا سنت ہے۔ ترجیع کی شکل یہ ہوتی ہے کہ پہلے شہادتیں کو دو مرتبہ پست آواز سے کہا جاتا ہے پھر دو مرتبہ بلند آواز سے ان حضرات کی دلیل یہی حدیث ہے۔

علمائے احناف فرماتے ہیں کہ یہ تکرار حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعلیم کے لیے تھا نہ کہ تشریع کے لیے۔ یعنی پہلی مرتبہ ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب شہادتین کو پست آواز سے کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ان کلمات کو پھر ادا کرو اور بلند آواز سے ادا کرو چنانچہ اس سلسلے میں حضرت ابو محذورہ کی جو ایک دوسری روایت منقول ہے اس میں ترجیع نہیں ہے۔

نیز حضرت عبداللہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں بھی جو اذان کے باب میں اصل کی حیثیت رکھتی ہے ترجیع نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو موذنوں کے سردار ہیں، نہ ان کی اذان میں اور نہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اذان میں جو مسجد نبوی میں اذان کہتے تھے اور نہ ہی حضرت سعد قرظ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اذان میں جو مسجد قبا کے موذن تھے ترجیع منقول ہے۔ پھر یہ کہ اس سلسلے میں حضرت ابی محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا تھا اس سے

بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ تکرار شہادتین کی تعلیم کے لیے تھا۔

اذان فجر میں ''الصلوٰۃ خیر من النوم'' کا اضافہ:

(وَيَزِيدُ فِي أَذَانِ الْفَجْرِ بَعْدَ الْفَلَاحِ :الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنْ النَّوْمِ مَرَّتَيْنِ) (لِأَنَّ بِلَالًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنْ النَّوْمِ مَرَّتَيْنِ حِينَ وَجَدَ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ رَاقِدًا ، فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ : مَا أَحْسَنَ هَذَا يَا بِلَالُ اجْعَلْهُ فِي أَذَانِك) وَخُصَّ الْفَجْرُ بِهِ لِأَنَّهُ وَقْتُ نَوْمٍ وَغَفْلَةٍ .

ترجمہ:

اور فجر کی اذان میں ''حی علی الفلاح'' کے بعد ''الصلوٰۃ خیر من النوم'' کو دوبار پڑھ پر زیادہ کرے۔ کیونکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جب نبی کریم ﷺ کو محواستراحت دیکھا تو ''الصلوٰۃ خیر من النوم'' دومرتبہ کہا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بلال یہ کتنا اچھا ہے اس کو اپنی اذان میں داخل کرو۔ اور اس کو فجر کی اذان کے ساتھ خاص کر دیا گیا کیونکہ غفلت و نیند کا یہی وقت ہوتا ہے۔

شرح:

حضرت بلال رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو فجر میں تثویب (اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کہنے) کرنے کا حکم دیا اور عشاء میں تثویب (اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کہنے) سے منع فرمایا۔ (سنن ابن ماجہ)

علت غفلت حکم نص کے ساتھ خاص ہے:

اس حدیث میں جو ''اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ'' پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس حکم کی علت صاحب ہدایہ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ وقت لوگوں کیلئے نینداور غفلت کا وقت ہوتا ہے۔ لہذا اسی وجہ سے شریعت نے ان کیلئے تثویب کا حکم دیا ہے۔ جبکہ باقی نمازوں میں فجر کی طرح نیند و غفلت کا وقت نہیں ہوتا لہذا ان میں یہ کلمات ''اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ'' نہیں کہے جائیں گے۔ اگر کسی نے دور حاضر میں کسی قسم کی علت ثابت کرنے کی کوشش کی تو اسے ہرگز اجازت نہ دی جائے گی۔ کیونکہ یہ طریقہ بہ اجماع مسلمین چلا آرہا ہے۔ اسی کی پابندی ضروری ہوگی۔

کلمات اقامت اذان کے کلمات کی طرح ہیں:

(وَالْإِقَامَةُ مِثْلُ الْأَذَانِ إلَّا أَنَّهُ يَزِيدُ فِيهَا بَعْدَ الْفَلَاحِ قَدْ قَامَتْ الصَّلَاةُ مَرَّتَيْنِ) هَكَذَا فَعَلَ الْمَلَكُ النَّازِلُ مِنْ السَّمَاءِ وَهُوَ الْمَشْهُورُ ثُمَّ هُوَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي قَوْلِهِ إنَّهَا فُرَادَى فُرَادَى إلَّا قَوْلَهُ قَدْ قَامَتْ الصَّلَاةُ .

ترجمہ: اقامت اذان کی طرح ہے۔ لیکن اقامت میں ''حی علی الفلاح'' کے بعد ''قد قامت الصلوٰۃ'' کو دو

مرتبہ پڑھ کر بڑھایا جائے گا۔ کیونکہ آسمان سے نازل ہونے والے فرشتے نے ایسا ہی کیا تھا۔ اور یہی مشہور ہے اور یہی روایت امام شافعی علیہ الرحمہ کے خلاف دلیل ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ اقامت ''قدم قامت الصلوۃ'' کے سواء اکیلا، اکیلا کلمہ ہے۔

کلمات اقامت واذان میں فقہاء احناف وشوافع کا اختلاف دلائل:

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان کے کلمات دو دو دفعہ اور تکبیر کے کلمات ایک ایک دفعہ (کہے جاتے) تھے البتہ (تکبیر میں) قد قامت الصلوۃ بے شک نماز تیار ہے مؤذن دو مرتبہ کہتا تھا۔ (ابوداؤد، سنن نسائی، دارمی)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو یہ فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانے میں اذان کے کلمات دو دو مرتبہ کہے جاتے تھے تو اس سے مراد یہ ہے کہ شروع میں اللہ اکبر چار مرتبہ کہتے تھے اور آخر میں لاالہ الا اللہ ایک مرتبہ کہتے تھے ان دونوں کلمات کے علاوہ باقی کلمات دو دو مرتبہ کہے جاتے تھے۔

اقامت میں جس طرح قد قامت الصلوۃ کا استثناء کیا گیا ہے اسی طرح تکبیر یعنی اللہ اکبر کو بھی مستثنی کرنا مناسب تھا کیونکہ تکبیر بھی بلا اختلاف اول وآخر میں مکرر ہے۔

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اذان کے انیس کلمات اور تکبیر کے سترہ کلمات سکھلائے تھے۔ (مسند احمد بن حنبل، جامع ترمذی، ابوداؤد، سنن نسائی، دارمی، سنن ابن ماجہ)

فقہ حنفی کے مطابق اذان کے پندرہ کلمات ہیں مگر اس حدیث میں انیس ذکر کئے گئے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انیس کلمات ترجیع سمیت ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک ہے اور یہ یاد رہے کہ۔ احناف کے نزدیک ترجیع تعلیم پر محمول ہے وہ مشروع نہیں ہے۔

تکبیر کے سترہ کلمات بتائے گئے ہیں بایں طور کہ ترجیع کے چار کلمات الگ کر کے اور دو کلمات قد قامت الصلوۃ کے بڑھا کر تکبیر کے کلمات سترہ ہوئے اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک بھی یہی ہے لہٰذا یہ حدیث اذان کے بارے میں تو شوافع کے مسلک کی تائید کرتی ہے کہ ان کے ہاں اذان کے کلمات انیس ہوتے ہیں۔ اور تکبیر کے بارے میں حنفیہ کے مسلک کے موافق ہے کہ ان کے یہاں تکبیر کے کلمات سترہ ہوتے ہیں چنانچہ تکبیر کے کلمات کی تعیین میں احناف کی جانب سے یہی حدیث بطور دلیل پیش کی جاتی ہے۔

اس سے پہلے والی حدیث میں جس میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مسلک کے مطابق تکبیر کے کلمات کی تعداد گیارہ ثابت ہوتی ہے اگر صحیح ہے تو اس حدیث سے منسوخ ہے۔

کلمات اذان میں فقہ جعفریہ کا اختلاف ودلائل کا تجزیہ کتب شیعہ کی روشنی میں:

اذان شعائر اسلام میں سے ہے ان کے الفاظ وہی درست ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔ اذان میں نہ اپنی طرف سے اضافہ جائز ہے اور نہ کمی۔ جو شخص اذان میں بعض کلمات کا اضافہ کرتا ہے۔

اگر چہ ابو محذورہ رضی اللہ عنہ سے اذان میں ترجیع بھی ثابت ہے یعنی شہادتین کے کلمات کو دوبارہ کہنا۔ پہلی بار آہستہ دوسری بار اس سے اونچی آواز میں۔ مذکورہ بالا صحیح احادیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اذان کے مذکورہ کلمات ہی سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ ان میں نہ اضافہ جائز ہے اور نہ ہی کمی۔ اس اذان میں اشهد ان عليا ولى الله وغیرہ کے کلمات نہیں ہیں جو لوگ ان کلمات کا اضافہ کرتے ہیں، وہ احداث فی الدین کے مرتکب ہیں اور بدعتی ہیں۔ فقہ جعفریہ میں بھی ان کلمات کا اذان میں کہنا ثابت نہیں ہے بلکہ فقہ جعفریہ کی رو سے یہ کلمات اذان میں کہنا گناہ ہے اور کہنے والا لعنت کا مستحق ہے۔

فقہ جعفریہ کے اصحاب اربعہ وغیرہ میں مرقوم اذان اور اہل سنت کی اذان میں فرق صرف یہ ہے کہ حی علی الفلاح کے بعد فقہ جعفریہ کی طرف سے ''حی علی خیر العمل'' دو مرتبہ کہنا ہے۔ باقی اذان کے الفاظ وہی ہیں جو اہل سنت کی اذان کے ہیں شیعہ مذہب کی معتبر کتاب "الفقیه من لا یحضره افلقیه ص/۱۰۸ پر ابن با بویه قمی" نے اذان کے الفاظ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

یہی اذان صحیح ہے نہ اس میں زیادتی کی جائے گی اور نہ کمی اور مفوضہ فرقہ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ انہوں نے بہت سی روایات گھڑیں اور اذان میں '' محمد و آل محمد خير البريه '' دو مرتبہ کہنے کیلئے بڑھا دیئے اور انکی بعض روایات میں "اشهد ان محمدا رسول الله کے بعد اشهد ان عليه ولى الله '' دو دفعہ ذکر کیا گیا۔ ان مفوضہ میں سے بعض نے ان الفاظ کی بجائے یہ افلاظ روایت کیے ہیں ''اشهد ان امير المومنين حقا'' یہ بات یقینی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، اللہ کے ولی اور سچے امیر المؤمنین ہیں اور "محمد و آل محمد خير البريه "ہیں لیکن یہ الفاظ اصل اذان میں نہیں ہیں۔ میں نے یہ الفاظ اس لئے ذکر کیے ہیں تا کہ ان کی وجہ سے ہولوگ پہچانے جائیں جو مفوضہ ہونے کی اپنے اور تہمت لئے ہوئے ہیں۔ اس کے ابوجود اپنیا ور آپ کے اہل تشیع میں شمار کرتے ہیں"۔ انتھی ابن بابویہ قمی شیعہ محدث کی اس صراحت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اشھد ان علیھا ولی اللہ وغیرہ کلمات اصل اذان کے کلمے نہیں بلکہ اس لعنتی فرقہ مفوضہ نے یہ گھڑے ہیں اور اذان میں داخل کر دیئے ہیں۔ ائمہ محدثین کے ہاں ان کا کوئی ثبوت نہیں۔ الفقيه من لا يحضره الفقيه کے حاشیہ میں مفوضہ فرقے کی تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے

مفوضہ ایک گمراہ فرقہ ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا۔ اس کے بعد دنیا

کی پیدائش کا معاملہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا لہٰذا آپ ہی خلاق (بہت زیادہ پیدا کرنے والے) ہوئے اور ان کے عقائد میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیدائش کا معاملہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔

مذکورہ بالا وضاحت سے معلوم ہوگیا کہ مفوضہ ایک لعنتی فرقی ہے۔اس نے یہ کلمات اذان میں بڑھائے ہیں۔سنت کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں۔شیعہ مذہب کی معتبر کتاب لامبسوط رط تہران لابی جعفر بن محمد حسن الطوسی میں لکھا ہے کہ :

" بہر حال اذان میں اشھد ان علینا امیر المؤمنین وال محمد خیر البریہ کہنا جیسا کہ شاذ روایات میں آیا ہے ان کے کہنے پر کوئی کار بند نہیں ہے اور اگر کوئی شخص اذان میں یہ کلمات کہے تو وہ گناہگار ہوگا۔علاوہ ازیں یہ کلمات اذان کی فضیلت اور کمال میں سے نہیں ہیں"۔

اس طرح شیعہ مذہب کی معتبر کتاب اللمعۃ الدمشقیہ میں لکھا ہے ": مذکورہ اذان (جو کہ اہل سنت کے مطابق ہے) ہی شرع میں منقول ہے۔اس کے علاوہ زائد کلمات کا شروع طور پر درست سمجھنا جائز نہیں ہے خواہ وہ اذان کے اندر ہوں یا اقامت میں۔جیسا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ولایت کی گواہی کے الفاظ اور محمد و آل محمد کے خیر البریہ یا خیر البشر ہونے کے الفاظ ہیں۔اگر چہ جو کچھ ان الفاظ میں کہا گیا ہے، وہ واقعی درست ہے (یعنی سدینا علی رضی اللہ عنہ کا ولی اللہ ہون اور محمد و آل محمد کا بہترین مخلوق ہوان) لیکن ہر وہ بات جو واقعتاً درست اور حق ہو، اسے ایسی عبادات میں داخل کر لینا جو شرعی وظیفہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی حد بندی کی گئی ہو، جائز نہیں ہو جاتا ہے۔لہٰذا ان کلمات کا اذان میں کہنا بدعت ہے اور ایک نئی شریعت بنانا ہے"۔

اسی طرح شیعہ کی کتاب فقہ امام جعفر صادق محمد جواد ایران میں لکھا ہے۔

تمام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اشھد ان علیا ولی اللہ کلما اذان اور اس کے اجزاء میں سے نہیں ہے اور اس پر بھی کہ جو شخص ان الفاظ کو اس نیت سے کہتا ہے کہ یہ بھی اذان میں شامل ہیں تو اس نے دین میں نکالی اور وہ بات دین میں داخل کر دی جو اس سے خارج تھی"۔

اس طرح شیعہ محدث ومفسر شیخ الطائفہ ابو جعفر محمد بن حسن الطوسی نے اپنے فتاوی النھایہ فی مجرد النفقہ و الفتاوی ص ٦٩ ط قم ایران میں لکھا ہے۔

شاذ روایات مین یہ "قول اشھاد ان علیا ولی اللہ آل محمد خیر البریۃ "جو مروی ہے، یہ ان کلمات میں سے ہے جن پر اذان اور اقامت میں عمل نہیں کیا جاتا جس شخص نے اس پر عمل کیا وہ غلطی پر ہے"۔

مذکورہ بالا دلائل سے یہ بات متحقق ہوتی ہے کہ اذان کے کلمات شعائر اسلام میں سے ہیں اور یہ اللہ کے رسول صلی

اللہ علیہ وسلم نے مقرر کیے ہیں۔ کسی شخص کو ان میں نہ اضافہ کرنے کی اجازت ہے اور نہ ہی کمی کی۔ جو شخص اذان میں اضافہ یا کمی کرتا ہے، وہ بدعتی ہے اور موجب لعنت ہے۔ فقہ جعفریہ کی امہات الکتب میں بھی یہی اذان جو اہل سنت کے ہاں مشروع ہے، نقل کی گئی ہے سوائے "حی علی خیر العمل" کے اور فقہ جعفریہ کی رو سے "اشھد ان علیا ولی اللہ" کے کلمات کا اذان میں درج کرنا گناہ ہے اور بدعت ہے بلکہ یہ الفاظ لعنتی فرقہ مفوضہ نے گھڑے ہیں اور اذان میں داخل کر دیئے ہیں حالانکہ یہ کلمات اذان نہیں ہیں۔ ہم دعوے کے ساتھ یہ بات کہتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، علی زین العابدین وغیرہ جو شیعہ کے ہاں ائمہ اہل بیت، معصوم عن الخطاء شمار ہوتے ہیں۔ ان سے صحیح سند کے ساتھ تو کیا ضعیف سند کے ساتھ بھی ان کلمات کا اذان میں کہنا درست ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی نماز کیلئے اذان دی جاتی تھی تو کیا سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے یہ کلمات اذان میں کہلوائے تھے۔ بعض لوگ کہتے کہ جو لوگ اذان میں کلمات نہیں کہتے، ان کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم سے محبت نہیں ہے۔ یہ بات سرا سر غلط ہے اگر محبت کی یہ علامت ہے کہ جس کے ساتھ محبت ہو، اس کا نام اذان میں لیا جائے تو حضرات کی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کی تمام اولاد، اسی طرح ان کے بارہ امام اور ان کے اولاد کا نام بھی اذان میں لینا چاہیے۔ تاکہ کھل کر محبت کا اظہار ہو اور اگر اس طرح اذان شروع کر دی جائے تو ہو سکتا ہے گھنٹے میں اذان بھی مکمل نہ ہو اور نماز کا وقت ہی نہ ملے۔ اور شیعہ مجتہدین سے صراحت کے ساتھ نقل کر دیا ہے جو بات امر واقع میں درست ثابت ہو، اس کو اذان میں اپنی طرف سے داخل کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اذان کے کلمات اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں اور متعین ہیں۔

کتنے تعجب کی بات ہے کہ جو اذان اہل تشیع پڑھتے ہیں وہ اذان بارہ اماموں میں سے کسی نہیں پڑھی اور نہ کسی نے لکھی ہے لہذا ایک طرف ائمہ معصومین سے محبت کا دعویٰ اور دوسری طرف عمل ان کی بیان کردہ شریعت کے خلاف ہے۔ اور اسی طرح اہل تشیع کی امہات الکتب میں کہیں ان کی اذان مرقوم نہیں ہے۔

اقامت کے وقت کب کھڑے ہوں:

اس مسئلہ میں لوگوں نے ایک من گھڑت دلیل کو عوام الناس میں پھیلانے کی کوشش کی ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ جیسے ہی اللہ کا نام لیا جائے تو تم اس کے احترام کیلئے کھڑے ہو جاؤ۔ حالانکہ ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ کوئی بھی خلاف سنت کام کسی قسم کے ثواب یا اجر کا حامل نہیں ہوتا۔

امام بیہقی علیہ الرحمہ روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کے مسجد میں تشریف لانے سے پہلے اٹھ جاتے اور آپ کے آنے سے پہلے ہی اپنے کھڑے ہونے کی جگہوں کو سنبھال لیتے، تب آپ ﷺ نے ان پر تخفیف و نرمی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: نماز کیلئے جلدی کھڑے نہ ہوا کرو مجھے دیکھ کر کھڑے ہوا کرو۔

(سنن کبریٰ، ج ۲، ص ۲۰، مطبوعہ بیروت)

امام بیہقی علیہ الرحمہ کی یہ روایت بڑی واضح طور پر بتا رہی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کھڑے ہوئے تو نبی کریم ﷺ

نے انہیں منع کر دیا۔لہٰذا جولوگ اقامت کے وقت ابتداء ہی میں کھڑے ہو جائیں انہیں کھڑے ہونے سے منع کرنا نبی کریم ﷺ کی سنت ہے۔

ایک جماعت کے بہت بڑے عالم سے ہمارا جب اس مسئلہ میں مباحثہ ہوا،تو ہم نے ان سے اسی مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے صحیح بخاری سے حدیث پیش کی ،جس میں یہ تعین موجود تھا کہ نبی کریم ﷺ نے ابتدائے اقامت کے وقت کھڑے ہونے سے منع کیا۔اوراس طویل مباحثہ کے آخر وقت تک ہم اس سے مطالبہ کرتے رہے کہ ہمیں صحیح بخاری کی حدیث میں بیان کردہ قیام کی نفی کا تعین آپ اپنے مؤقف کے مطابق بیان کردیں،لیکن آخر کار وہ عالم صاحب عاجز آکر یہ کہنے پر مجبور ہوگئے۔کہ اس مسئلہ کی کچھ مزید تحقیق کے بعد وہی مؤقف اپناؤں گا جو آپ کا مؤقف ہے۔لیکن افسوس! وہ عالم عاجز آکر بھی اس مسئلہ کو ماننے کیلئے تیار نہ ہوا۔حالانکہ اس عالم صاحب نے مسجد میں بیٹھ کر ہمارے سامنے اس بات کا اقرار کیا تھا۔اب ہم قارئین کے سامنے صحیح بخاری کی وہی حدیث بیان کررہے ہیں جس میں نبی کریم ﷺ نے منع کیا ہے کہ اقامت کے شروع میں کھڑے نہ ہوں۔

عن ابی قتادة قال قال رسول الله ﷺ اذا اقیمت الصلوٰة فلا تقوموا حتی ترونی۔

(صحیح بخاری،ج۱ص۸۸،قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب نماز کیلئے اقامت کہی جائے تم کھڑے نہ ہوجاؤ جب تک مجھے دیکھ نہ لو۔

اس حدیث مبارکہ میں لفظ ''اذا'' موجود ہے جس کا معنی یہ ہے کہ کھڑا ہونا اس وقت منع ہے جس وقت اقامت کہی جائے کیونکہ اقامت سے پہلے تو کھڑے ہونے کا معنی ومفہوم بنتا ہی نہیں اس سے یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ابتدائے اقامت کے وقت کھڑے ہوئے تھے جس سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمادیا۔نبی کریم ﷺ کبھی حجرہ مبارک سے **''حی علی الصلوٰۃ''** کے وقت تشریف لاتے اور آپ ﷺ کا عمل یہ تھا کہ آپ ﷺ **''قد قامت الصلوٰۃ''** کے وقت کھڑے ہوتے تھے۔اس کی تائید اس حدیث سے ہے۔

حضرت عطیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جیسے ہی مؤذن نے اقامت کہنا شروع کی،تو ہم اٹھ کھڑے ہوئے،اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بیٹھ جاؤ۔جب مؤذن **''قد قامت الصلوٰۃ''** کہے تب کھڑے ہونا۔

(المصنف،باب قیام الناس عند الاقامۃ،ج۱ص۵۰۶،دارالقلم،بیروت)

اقامت میں اللہ اکبر کہنے کے ساتھ ہی کھڑا ہونا مکروہ ہے:

فقہ حنفی کے چھ سو متفقہ علماء کے بورڈ سے مرتب کیا جانے والا فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے۔جب کوئی شخص اقامت میں داخل ہو تو اس کیلئے کھڑے ہوکر انتظار کرنا مکروہ ہے لیکن وہ بیٹھ جائے اور جب مؤذن **''حی علی الفلاح''** کہے تو کھڑا

ہو جائے۔ (مضمرات، عالمگیری، ج ا، ص ۵۷، بولاق مصر)

اب بدعقیدہ لوگوں کو یا تو فقہ حنفی کا پرچار کرنا چھوڑ دینا چاہیے یا پھر صحیح معنوں میں اس پر عمل کریں ویسے عوام میں بڑے بلند بانگ دعوؤں کے ساتھ یہ لوگ فقہ حنفی کا نام استعمال کرتے ہیں لیکن ایک وہ عمل جس کو فقہ حنفی نے مکروہ لکھا ہے اس پر انتہائی سختی سے عمل کرتے ہیں۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ صرف اسے ہی اپنائے ہوئے ہیں جس میں اہل سنت و جماعت کی مخالفت لازم آئے۔

اذان واقامت کے کلمات:

اس مسئلہ کو لکھنے کی ضرورت اس لئے محسوس کی جارہی ہے کہ بعض لوگ اذان میں جتنے کلمات پڑھتے ہیں اقامت میں اتنے کلمات نہیں پڑھتے۔ اس لئے ہم صحاح ستہ کی حدیث صحیح سے یہ بیان کر رہے ہیں کہ جو کلمات اذان میں پڑھے جاتے ہیں ”قد قامت الصلوٰۃ“ کو دوبار کہنے کے سوا باقی وہی کلمات اقامت میں کہنا سنت ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اذان اور اقامت دونوں میں کلمات اذان اور اقامت دو، دو بار پڑھے جاتے تھے۔ (جامع ترمذی، ص ۵۵، نور محمد اصح المطابع کراچی)

اذان میں ترسیل جبکہ اقامت میں حدر کا بیان:

(وَيَتَرَسَّلُ فِي الْأَذَانِ وَيَحْدُرُ فِي الْإِقَامَةِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِبِلَالٍ (إِذَا أَذَّنْتَ فَتَرَسَّلْ ، وَإِذَا أَقَمْتَ فَاحْدُرْ) وَهَذَا بَيَانُ الِاسْتِحْبَابِ .

(وَيَسْتَقْبِلُ بِهِمَا الْقِبْلَةَ) لِأَنَّ الْمَلَكَ النَّازِلَ مِنْ السَّمَاءِ أَذَّنَ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ ، وَلَوْ تَرَكَ الِاسْتِقْبَالَ جَازَ لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ ، وَيُكْرَهُ لِمُخَالَفَتِهِ السُّنَّةَ (وَيُحَوِّلُ وَجْهَهُ بِالصَّلَاةِ وَالْفَلَاحِ يَمْنَةً وَيَسْرَةً) لِأَنَّهُ خِطَابٌ لِلْقَوْمِ فَيُوَاجِهُهُمْ بِهِ (وَإِنْ اسْتَدَارَ فِي صَوْمَعَتِهِ فَحَسَنٌ) مُرَادُهُ إذَا لَمْ يَسْتَطِعْ تَحْوِيلَ الْوَجْهِ يَمِينًا وَشِمَالًا (مَعَ ثَبَاتِ قَدَمَيْهِ) مَكَانَهُمَا كَمَا هُوَ السُّنَّةُ بِأَنْ كَانَتْ الصَّوْمَعَةُ مُتَّسِعَةً ، فَأَمَّا مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ فَلَا .

ترجمہ:

اور اذان میں ترسیل جبکہ اقامت میں حدر کرے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تو اذان پڑھے تو ترسیل کر اور جب اقامت کہے تو حدر کر۔ اور یہی استحباب کا بیان ہے۔

اذان اور اقامت قبلہ کی طرف رخ کر کے پڑھے کیونکہ آسمان سے نازل ہونے والے فرشتے نے بھی قبلہ رخ ہو کر اذان پڑھی تھی۔ اور اگر کسی نے استقبال قبلہ ترک کیا تو مقصود حاصل ہو جانے کی وجہ سے جائز ہے۔ اور خلاف سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہوگا۔ اور جس وقت ”حی علی الصلوۃ“ اور ”حی علی الفلاح“ کہے تو دائیں اور بائیں جانب اپنا چہرہ پھیرے۔ اس

لئے کہ اس کا یہ قوم کو خطاب ہے۔ لہذا وہ ان کے سامنے ہوگا۔ اور اگر مؤذن اپنے منارے میں گھوم گیا۔ تو اچھا ہے۔

اور امام محمد علیہ الرحمہ کے قول کی مراد یہ ہے کہ جب وہ اپنے قدموں کو سنت طریقے پر جما کر دائیں و بائیں اپنے چہرے کو نہ پھیر سکتا ہو جبکہ منارہ بھی کشادہ ہو۔ لہذا بغیر ضرورت کے اپنی جگہ سے قدم اٹھانا مناسب نہیں۔

اذان کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے میں حکم شرعی کا بیان:

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ جب تم اذان کہو تو ٹھہر ٹھہر کر کہا کرو اور جب تکبیر کہو تو جلدی جلدی کہا کرو اور اذان و تکبیر کے درمیان اتنا وقفہ کیا کرو کہ کھانے والا اپنے کھانے سے، پینے والا پینے سے، قضائے حاجت والا اپنی حاجت سے فارغ ہو جائے اور اس وقت تک نماز کے لیے کھڑے نہ ہو جب تک مجھے (نماز پڑھانے کے لیے آتا ہوا) نہ دیکھ لو۔ اس حدیث کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ ہم اس حدیث کو سوائے عبدالمنعم کے اور کسی سے نہیں جانتے اور اس کی سند مجہول ہے۔

اذان کو ٹھہر ٹھہر کر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے کلمات کو ایک دوسرے سے جدا جدا کر کے اور خفیف سے سکتہ کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر ادا کرو۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب موذن تکبیر کے لیے کھڑا ہو تو مجھے مسجد میں آتا ہوا نہ دیکھ لو تو نماز کے لیے کھڑے نہ ہو، کیونکہ امام کی آمد سے پہلے ہی کھڑے ہو جانا خواہ مخواہ کی تکلیف اٹھانا ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے کے لیے اپنے حجرہ مبارک سے اس وقت نکلتے ہوں گے جب کہ موذن تکبیر شروع کرتا ہوگا اور جب موذن تکبیر کہتا ہوا حی علی الصلوٰۃ پر پہنچتا ہوگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت محراب میں داخل ہوتے ہوں گے۔ اسی وجہ سے ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم نے کہا ہے کہ جب مؤذن تکبیر شروع کردے اور حی علی الصلوٰۃ پر پہنچے تو امام اور مقتدیوں کو کھڑے ہو جانا چاہئے اور جب موذن قد قامت الصلوٰۃ پر پہنچے تو نماز شروع کر دینی چاہئے۔

وقت اذان کانوں میں انگلیاں ڈالنے کا بیان:

(وَالْأَفْضَلُ لِلْمُؤَذِّنِ أَنْ يَجْعَلَ أُصْبُعَيْهِ فِي أُذُنَيْهِ) بِذَلِكَ أَمَرَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بِلَالًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَلِأَنَّهُ أَبْلَغُ فِي الْإِعْلَامِ (فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ فَحَسَنٌ) لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِسُنَّةٍ أَصْلِيَّةٍ .

ترجمہ:

اور اذان کہنے والے کیلئے افضل یہ ہے کہ وہ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈالے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اسی طرح حکم دیا تھا۔ کیونکہ اعلام میں یہی بلیغ ہے اگر اس نے ایسا نہ کیا تب بھی اچھا ہے کیونکہ یہ سنت اصلیہ سے نہیں۔

شرح:

حضرت عبدالرحمٰن بن سعد بن عمار بن سعد، مؤذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کانوں میں انگلیاں ڈالنے کا حکم دیا اور فرمایا اس کی وجہ سے تمہاری آواز بلند رہے گی۔ (سنن ابن ماجہ)

ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ابطح (منیٰ میں ایک جگہ) میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ سرخ قبہ میں تھے حضرت بلال رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے اور اذان دی تو اذان میں (کے وقت) گھومے اور دونوں انگلیاں دونوں کانوں میں ڈالیں۔ (سنن ابن ماجہ)

معدوم علت کے باوجود حکم پر عمل کا جاری ہونا:

مذکورہ احادیث وہدایہ کے متن سے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ کانوں میں انگلیاں ڈالنے کی علت یہ ہے کہ اس سے اذان کی آواز بلند ہوتی ہے۔ جبکہ موجودہ دور میں لاؤڈ سپیکر کی وجہ سے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ آواز لاؤڈ سپیکر کے ذریعے بلند ہوتی ہے۔ اس لئے یہاں یہ جاننا ضروری ہے کہ احکام شرع میں جس قدر بھی احکام مشروع ہیں ان میں اگر بعض اوقات علت نہ بھی ہو تب بھی عمل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ کیونکہ جب کوئی حکم نص سے ثابت ہو جائے تو اس میں وجود علت یا معدوم علت کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ خواہ وہ حکم کسی علت کی بناء پر شریعت میں جاری ہوا ہو۔

اسی طرح اگر کسی نے یہ کہا کہ نماز اصلاح نفس یا تذکیہ نفس کیلئے پڑھی جاتی ہے۔ اور میں تذکیہ نفس کر چکا ہوں اس لئے اب میں ہر قسم کے گناہوں سے پاک ہو گیا لہذا مجھے نماز پڑھنا ضروری نہیں۔ تو اس کے اس عقیدے کو رد کر دیا جائے گا۔ کیونکہ انسان خواہ تذکیہ نفس کے کتنے بڑے درجے پر فائز کیوں نہ ہو جائے نماز اس سے کسی صورت میں بھی ساقط نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ اس کا ثبوت نص قطعی سے حاصل ہو چکا ہے۔ اس سے وہ جہلاء نام نہاد لوگ سبق حاصل کریں یا وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم دل کی نمازیں پڑھتے ہیں۔ جن کا ظاہر نماز پڑھنے سے گھبرائے وہ دل میں کس طرح نمازیں پڑھ سکتے ہیں؟

مسئلہ تھویب میں فقہی احکام ودلائل:

(وَالتَّثْوِيبُ فِي الْفَجْرِ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ مَرَّتَيْنِ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ حَسَنٌ) لِأَنَّهُ وَقْتُ نَوْمٍ وَغَفْلَةٍ (وَكُرِهَ فِي سَائِرِ الصَّلَوَاتِ) وَمَعْنَاهُ الْعَوْدُ إلَى الْإِعْلَامِ بَعْدَ الْإِعْلَامِ وَهُوَ عَلَى حَسَبِ مَا تَعَارَفُوهُ ، وَهَذَا التَّثْوِيبُ أَحْدَثَهُ عُلَمَاءُ الْكُوفَةِ بَعْدَ عَهْدِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ لِتَغَيُّرِ أَحْوَالِ النَّاسِ ، وَخَصُّوا الْفَجْرَ بِهِ لِمَا ذَكَرْنَا ، وَالْمُتَأَخِّرُونَ اسْتَحْسَنُوهُ فِي الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا لِظُهُورِ التَّوَانِي فِي الْأُمُورِ الدِّينِيَّةِ .

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ ، لَا أَرَى بَأْسًا أَنْ يَقُولَ الْمُؤَذِّنُ لِلْأَمِيرِ فِي الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الْأَمِيرُ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ ، الصَّلَاةَ يَرْحَمُكَ اللَّهُ ، وَاسْتَبْعَدَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّ النَّاسَ سَوَاسِيَةٌ فِي أَمْرِ الْجَمَاعَةِ ، وَأَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ خَصَّهُمْ بِذَلِكَ لِزِيَادَةِ اشْتِغَالِهِمْ بِأُمُورِ الْمُسْلِمِينَ كَيْ لَا تَفُوتَهُمْ الْجَمَاعَةُ ، وَعَلَى هَذَا الْقَاضِي وَالْمُفْتِي .

ترجمہ:

اور فجر کی اذان میں ''حَيَّ عَلَى الصَّلَاة اور حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ'' کے ساتھ اذان واقامت کے درمیان بہتر ہے کیونکہ وہ نیند اور غفلت کا وقت ہوتا ہے۔اور باقی نمازوں میں تثویب مکروہ ہے۔اور تثویب کا معنیٰ ''اعلام کی طرف دوبارہ متوجہ کرنا'' اور یہ لوگوں کے عرف کے مطابق ہے۔اور یہ وہی تثویب ہے جس کو علماء کوفہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد لوگوں کے حالات کے مطابق بدل دیا تھا۔اور علماء کوفہ نے اس تثویب کو فجر کے ساتھ اسی دلیل کی وجہ سے خاص کیا ہے جسے ہم بیان کر چکے ہیں۔جبکہ متاخرین فقہاء نے تمام نمازوں میں تثویب کو اچھا سمجھا ہے۔کیونکہ دینی معاملات میں سستی زیادہ ہو چکی ہے۔

اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ اذان دینے والا ساری نمازوں میں امیر کو کہے ''السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الْأَمِيرُ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ ، الصَّلَاةَ يَرْحَمُكَ اللَّهُ'' جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ نے اس کو بعید (از قیاس) سمجھا ہے کہ جماعت کے حکم میں سب برابر ہیں۔اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے حکام کو تثویب کے ساتھ اس لئے خاص کیا ہے کہ مسلمانوں کے معاملات میں ان کی مصروفیت زیادہ ہوتی ہے۔لہذا ان سے جماعت فوت نہ ہو اور اسی حکم میں قاضی ومفتی بھی ہیں۔

تثویب کے بارے میں فقہی آراء:

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ فجر کی نماز کے علاوہ اور کسی نماز میں تثویب نہ کرو۔(جامع ترمذی ،سنن ابن ماجہ) اور حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ (اس حدیث کے راوی) ابو اسرائیل محدثین کے نزدیک قوی (یعنی قابل اعتبار) نہیں ہیں۔

تثویب وہ اعلام ہوتا ہے جس سے پہلے کوئی اعلام ہو چکا ہو اور اس کی غرض اور اس سے پہلے کے اعلام کی غرض ایک ہو۔ مثلاً پہلے اعلام سے لوگوں کو نماز کے لیے بلانا مقصود ہو تو اس اعلام سے بھی یہی مقصود ہو۔تثویب کی کئی قسمیں ہیں۔ایک تو یہ کہ فجر کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم کہنا، یہ تثویب اس لیے ہے کہ ایک مرتبہ تو حی علی الصلوٰۃ کہہ کر لوگوں کو نماز کے لیے بلایا گیا پھر دوبارہ الصلوٰۃ خیر من النوم سے لوگوں کو آگاہ کیا گیا۔یہ تثویب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں رائج

تھی اور مسنون یہی ہے پھر اس کے بعد کوفہ کے علماء نے اذان وتکبیر کے درمیانی وقفے میں حی علی الفلاح کہنا رائج کیا، اس کے بعد ہر فرقہ وطبقہ کے لوگوں نے اپنے اپنے عرف کے مطابق کچھ نہ کچھ طریقہ تثویب کے طور پر رائج کیا مگر یہ تمام تثویبیں فجر کی نمازہی کے لیے رائج کی گئیں، کیونکہ فجر کا وقت نینداور غفلت کا وقت ہوتا ہے۔

پھر آخر میں متاخرین علماء نے تمام نمازوں کے لیے تثویب رائج کی اور اسے بنظر استحسان دیکھا حالانکہ متقدمین کے نزدیک یہ مکروہ ہے کیونکہ یہ احداث ہے اور بدعت ہے چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی اس کا انکار بایں طور منقول ہے کہ ایک آدمی تثویب کہتا تھا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے بارہ میں فرمایا کہ" اخرجوا ھذا المبتدع من المسجد "یعنی اس بدعتی آدمی کو مسجد سے نکال باہر کرو۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک دن جب کہ وہ مسجد میں موجود تھے موذن کو غیر فجر میں تثویب کرتے ہوئے سنا تو مسجد سے باہر نکل آئے اور دوسروں سے بھی کہا کہ اس آدمی کے سامنے نہ رہو، باہر نکل آؤ کیونکہ یہ بدعتی ہے۔(ترمذی بتصرف)

فقہ حنفی کی کتب سے مسئلہ تثویب کی اباحت:

فقہ میں تثویب اسے کہتے ہیں یعنی مسلمانوں کو نماز کی اطلاع اذان سے دے کر پھر دوبارہ اطلاع دینا اور وہ شہروں کے عرف پر ہے جہاں جس طرح اطلاع مکرر رائج ہو وہی تثویب ہے خواہ عام طور پر ہو جیسے "صلاۃ" کہی جاتی ہے یا خاص طریقہ پر، مثلاً کسی سے کہنا اذان ہوگئی یا جماعت کھڑی ہوتی ہے یا امام آگئے یا کوئی قول یا فعل ایسا جس میں دوبارہ اطلاع دینا ہو وہ سب تثویب ہے اور اس کا اور صلاۃ کا ایک حکم ہے یعنی جائز، جس کی اجازت سے عامہ کتب مذہب متون مثل تنویر۔

(۱) الابصار وقایہ(۲) ونقایہ() وغرر الاحکام(۳) وکنز(٤) وغرر الاذکار(٥) ووافی(٦) وملتقی(۷) واصلاح(۸) نورالایضاح(۱۰)و شروحانند درمختار(۱۱)وردالمحتار(۱۲)وطحطاوی(۱۳)وعنایہ()ونہایہ(١٤) وغنیہ(۱٥) شرح منیہ وصغیری(١٦) وبحرالرائق(۱۷) ونہرالفائق(۱۸) وتبیین الحقائق (۱۹)وبرجندی(۲۰) وقہستانی(۲۱) ودرر(۲۲) وابن ملك(۲۳) وکافی(٢٤) ومجتبیٰ(۲٥) وایضاح(۲٦) وامدادالفتاح(۲۷)ومراقی الفلاح(۲۸) وحاشیہ مراقی للعلامۃ الطحطاوی(۲۹)وفتاویٰ مثل ظہیریہ(۳۰) وخانیہ(۳۱) وخلاصہ(۳۲) وخزانۃ المفتین(۳۳) وجواھراخلاطی(۳٤) وعلمگیری(۳٥) وغیرھا مالامال ھیں، وھو الذی علیہ عامۃ الائمۃ المتاخرین والخلاف خلاف زمان لابرھان(عام ائمہ متاخرین اسی پر ھیں اور یہ اختلاف زمانی اختلاف ھے برھانی نہیں۔

مختصرالوقایہ میں ہے :التثویب حسن فی کل صلاۃ (تثویب ہر نماز کے لئے بہتر ہے۔

(مختصر الوقایہ فی مسائل الہدایہ فصل الاذان نور محمد کارخانہ تجارت کراچی)

اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی سنت کا بیان:

امام مسلم علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم مؤذن کی اذان سنو تو وہی کہو جو مؤذن کہتا ہے، پھر مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جو کوئی مجھ پر درود پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر اپنی دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلہ مانگو۔ اور وسیلہ جنت میں ایک مقام ہے جو اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ کو دیا جائے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں گا۔ اور جو کوئی میرے لئے وسیلہ (مقامِ محمود یعنی جنت کا ایک محل) طلب کرے گا تو اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔ (صحیح مسلم، 198:)

اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام پڑھنے میں حدیث کا بیان:

یا ایھا الذین امنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما ۔(الاحزاب،٥٦)

اے ایمان والو، تم اپنے نبی (ﷺ) پر خوب صلوٰۃ وسلام بھیجا کرو۔

اس آیت میں درود اور سلام کا حکم علی الاطلاق وارد ہوا ہے۔ اور اسے مطلق حکم پر رکھنا چاہیے۔

صلوٰۃ وسلام کا مطلب:

یاد رہے یہاں پر ہم تفصیل میں جائے بغیر یہ بیان کر رہے ہیں کہ یہ بات تمام فقہاء اسلام اور جمہور علمائے اسلام کے نزدیک متفق ہے کہ آپ (ﷺ) کیلئے صلوٰۃ وسلام کا مطلب دعا ہے علامہ ابن قیم لکھتے ہیں کہ جب ہم صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں تو اس کا معنی یہ ہے کہ ہم دعا کرتے ہیں اللہ آپ (ﷺ) پر نزول رحمت فرمائے۔ (جلاء الافہام ص ۸۷، دار الکتاب العربی بیروت)

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بنی نجار کی ایک عورت سے روایت بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میرا گھر اونچے گھروں میں سے تھا اور مسجد کے گردونواح میں تھا، پس حضرت بلال رضی اللہ عنہ فجر کی اذان کیلئے سحری کے وقت آتے اور میرے مکان پر بیٹھ جاتے اور فجر کا انتظار کرتے تھے اور جب وہ دیکھ لیتے تو وہ یہ کہتے، اے اللہ میں تیری حمد کرتا ہوں اور تجھ سے مدد مانگتا ہوں اس بات کی کہ قریش آپ (ﷺ) کے دین پر قائم رہیں انہوں نے کہا پھر وہ اذان پڑھتے۔ (بنی نجار کی اس عورت نے کہا) خدا کی قسم! میں نہیں جانتی کہ کسی بھی رات آپ نے یہ کلمات پڑھنے ترک کیے ہوں۔ (ہر رات کو اذان سے پہلے پڑھتے تھے)۔

(سنن ابوداؤد ج ا ص ۷۷، مطبوعہ، دار الحدیث ملتان)

نماز ظہر کی ادائیگی کے بعد نفلی نماز پڑھنا مباح ہے اگر کوئی شخص اس وقت میں ہمیشگی کے ساتھ نفل پڑھے تو کیا اس پر مقید کا الزام لگاتے ہوئے اسے نماز سے منع کرو گے۔ حاشا للہ

تو اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ کیا آپ ﷺ کیلئے دعا کرنا اذان سے پہلے جائز ہے یا نہیں تو اس کا ثبوت ہم فراہم کر رہے ہیں کیونکہ قاعدہ کلیہ کے طور پر تو حکم نص سے ثابت ہے تاہم تسلی کیلئے ہم اسکی جزئی کا بیان بھی کر دیتے ہیں۔

منکرین صلوٰۃ وسلام کے شیخ الحدیث زکریا صاحب اپنی کتاب فضائل اعمال میں لکھتے ہیں کہ نماز کے فارغ ہونے پر، اذان کا جواب دینے کے بعد، جمعہ کے دن صلوٰۃ وسلام پڑھا جائے گا (فضائل اعمال، ص ۸۳۱، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

اس حکم کے باوجود یہ لوگ نہ تو اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں اور نہ نماز جمعہ کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں اب جو لوگ قرآن وسنت کے علاوہ اپنے اسلاف کی بھی پیروی نہیں کرتے، انہیں ہمارے دلائل سے شاید ہی نفع ملے؟

اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام پڑھنے میں دلیل ممانعت کا معدوم ہونا:

تمام بدعقیدہ فرقے یہ دلیل پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ کہ قرآن وسنت اجماع وقیاس میں کسی بھی مقام پر یا اسلاف میں سے کسی فقیہ، محدث، امام، علامہ نے یہ دلیل پیش کی ہو کہ اذان سے قبل صلوٰۃ وسلام پڑھنا منع ہے۔ دلیل ممانعت کا معدوم ہونا خود اس کی اباحت کی دلیل ہے۔ کیونکہ اصول وقانون شرعی یہ ہے کہ احکام میں اصل اباحت ہے۔ حتیٰ کہ ان کی ممانعت پر حرمت کی کوئی دلیل آجائے۔

اذان واقامت کے درمیان وقفے کا بیان:

(وَيَجْلِسُ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ إلَّا فِي الْمَغْرِبِ ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَقَالَا :يَجْلِسُ فِي الْمَغْرِبِ أَيْضًا جَلْسَةً خَفِيفَةً) لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ الْفَصْلِ إذْ الْوَصْلُ مَكْرُوهٌ ، وَلَا يَقَعُ الْفَصْلُ بِالسَّكْتَةِ لِوُجُودِهِمَا بَيْنَ كَلِمَاتِ الْأَذَانِ فَيَفْصِلُ بِالْجَلْسَةِ كَمَا بَيْنَ الْخُطْبَتَيْنِ ، وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ التَّأْخِيرَ مَكْرُوهٌ فَيَكْتَفِي بِأَدْنَى الْفَصْلِ احْتِرَازًا عَنْهُ وَالْمَكَانُ فِي مَسْأَلَتِنَا مُخْتَلِفٌ ، وَكَذَا النَّغْمَةُ فَيَقَعُ الْفَصْلُ بِالسَّكْتَةِ وَلَا كَذَلِكَ الْخُطْبَةُ ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ :يَفْصِلُ بِرَكْعَتَيْنِ اعْتِبَارًا بِسَائِرِ الصَّلَوَاتِ ، وَالْفَرْقُ قَدْ ذَكَرْنَاهُ (قَالَ يَعْقُوبُ :رَأَيْت أَبَا حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ يُؤَذِّنُ فِي الْمَغْرِبِ وَيُقِيمُ وَلَا يَجْلِسُ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ) وَهَذَا يُفِيدُ مَا قُلْنَا ، وَأَنَّ الْمُسْتَحَبَّ كَوْنُ الْمُؤَذِّنِ عَالِمًا بِالسُّنَّةِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (وَيُؤَذِّنُ لَكُمْ خِيَارُكُمْ)☆.

ترجمہ:

نماز مغرب کے سوا اذان اور اقامت کے درمیان بیٹھے۔ یہ امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک ہے جبکہ صاحبین کے فرماتے ہیں کہ مغرب میں معمولی سا جلسہ کرے۔ کیونکہ فاصلہ ضروری ہے۔ اس لئے کہ اس میں ملانا مکروہ ہے۔ اور یہ فاصلہ چپ رہنے سے نہیں ہوتا کیونکہ سکتہ تو کلمات اذان کے درمیان بھی پایا جاتا ہے۔ لہذا وہ بیٹھ کر فاصلہ کرے۔ جس طرح دو

خطبوں کے درمیان کیا جاتا ہے۔اور امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ مغرب میں تاخیر کرنا مکروہ ہے۔لہذا اس تاخیر سے بچنے کیلئے تھوڑے سے تھوڑا فصل پر اکتفاء کرے۔لہذا ہمارے اس مسئلہ میں مکان مختلف ہے اور آواز بھی مختلف ہے اس لئے سکتہ کے ساتھ فاصلہ کیا جائے گا۔جبکہ خطبہ میں ایسا نہیں کیا جائے گا۔

اور امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ دو رکعات کے ساتھ فاصلہ کیا جائے گا۔وہ دوسری نمازوں پر قیاس کرتے ہوئے ایسا کہتے ہیں۔جبکہ فرق ہم نے ذکر کر دیا ہے۔

امام یعقوب (امام ابو یوسف علیہ الرحمہ) فرماتے ہیں کہ میں نے امام اعظم علیہ الرحمہ کو دیکھا ہے کہ مغرب کی اذان پڑھتے اور اقامت کہتے اور اذان واقامت کے درمیان نہیں بیٹھتے۔یہ قول دو باتوں کا فائدہ دیتا ہے۔ایک وہی جو ہم نے کہہ دی ہے جبکہ دوسری بات یہ ہے کہ مستحب ہے اذان دینے والا سنت کا عالم ہو کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تمہارے لئے وہ اذان دے جو تم میں سے بہتر ہو۔

شرح:

☆حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں سے بہترین لوگ اذان دیا کریں اور عمدہ قرأت والے نماز پڑھایا کریں۔(سنن ابن ماجہ)

اذان واقامت کے درمیان وقفہ کرنے میں فقہی بیان:

علامہ محمد بن محمود البابرتی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اذان اور اقامت میں وصل یعنی ان دونوں کو ملانا مکروہ ہے۔کیونکہ اذان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو اطلاع ہو جائے کہ وقت نماز شروع ہو چکا ہے اور وضو کرتے ہوئے مسجد میں حاضر ہو جائیں جبکہ اقامت کا مقصد یہ ہوتا ہے جماعت کھڑی ہو رہی ہے۔اور اگر اذان واقامت دونوں کو ملایا جائے تو مقصود ختم ہو جائے گا۔لہذا وہ نمازیں جن سے پہلے نوافل پڑھے جاتے ہیں یا سنن پڑھی جاتی ہیں۔خوان کا پڑھنا مستحب ہی کیوں نہ ہو ان کے درمیان فصل (وقفہ) کیا جائے گا۔کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے آپ نے یہ ارشاد تین بار فرمایا ہے۔اور تیسری مرتبہ فرمایا: جس قدر وہ چاہے۔اس کا معنی یہ ہے کہ اگرچہ وہ لمبا وصل نہ کرے البتہ تھوڑا وصل ضرور کرے تاکہ مقصود حاصل ہو جائے۔

اسی طرح مغرب کی اذان ونماز میں فصل کرنے پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔البتہ اس کی مقدار میں اختلاف ہے۔امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ وہ ایک سکتہ کی مقدار ٹھہرے جس میں وہ تین آیات خواہ وہ قصار مفصل سے ہوں یا طوال مفصل سے ہوں ان کی قرأت کر سکے۔

اور آپ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ تین قدموں کی مقدار ٹھہرے اور پھر اقامت کہے۔جبکہ صاحبین کے نزدیک دو

خطبوں کے درمیان بیٹھنے کی مقدار فصل کرے۔اوران کے دلائل واضح ہیں۔(عنایہ شرح الہدایہ،ج ا،ص ۴۰۳،بیروت)

حضرت سیدنا عبد اللہ بن مغفل المزنیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر دو اذانوں کے مابین نماز ہے۔ آپ ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ ارشاد فرمائی۔تیسری بار فرمایا جو چاہے پڑھ لے۔(صحیح مسلم،رقم،۳۷۱)

تم میں سے بہترین لوگ اذان پڑھیں:

امام ابن ماجہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا قیامت کے روز سب سے زیادہ لمبی (اور عزت کی وجہ سے) اونچی گردن والے مؤذنین ہوں گے۔

امام ابن ماجہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں سے بہترین لوگ اذان دیا کریں اور عمدہ قرأت والے نماز پڑھایا کریں۔(سنن ابن ماجہ)

علامہ محمد بن محمود البابرتی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

قَالَ مُحَمَّدٌ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ أَبَا يُوسُفَ بِاسْمِهِ دُونَ كُنْيَتِهِ دَفْعًا لِتَوَهُّمِ التَّسْوِيَةِ فِي التَّعْظِيمِ بَيْنَ الشَّيْخَيْنِ ، وَكَانَ مُحَمَّدٌ مَأْمُورًا مِنْ جِهَةِ أَبِي يُوسُفَ أَنْ يَذْكُرَهُ بِاسْمِهِ حَيْثُ ذَكَرَ أَبَا حَنِيفَةَ .

قَوْلُهُ :(وَإِنَّ الْمُسْتَحَبَّ) مَعْطُوفٌ عَلَى مَا قُلْنَا يَعْنِي يُفِيدُ مَا قُلْنَا ، وَيُفِيدُ اسْتِحْبَابَ (كَوْنُ الْمُؤَذِّنِ عَالِمًا بِالسُّنَّةِ) أَيْ بِأَحْكَامِ الشَّرْعِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (وَيُؤَذِّنُ لَكُمْ خِيَارُكُمْ) ") وَخِيَارُهُمْ مَنْ كَانَ عَالِمًا بِأَحْكَامِ الشَّرْعِ ، وَهَذَا يَرُدُّ عَلَى مَنْ قَالَ :الْأَحْسَنُ لِلْإِمَامِ أَنْ يُفَوِّضَ الْأَذَانَ وَالْإِقَامَةَ إلَى غَيْرِهِ ، فَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كَانَ يُبَاشِرُ الْأَذَانَ وَالْإِقَامَةَ بِنَفْسِهِ وَكَانَ إمَامًا لَهُمْ فِي الصَّلَوَاتِ .

قُلْنَا :أَذَّنَ وَأَقَامَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْيَانًا .رَوَى عُقْبَةُ بْنُ عَامِرٍ قَالَ "(كُنْت مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَلَمَّا زَالَتْ الشَّمْسُ أَذَّنَ وَأَقَامَ وَصَلَّى الظُّهْرَ) . "

فوت ہونے والی نمازوں کیلئے حکم اذان:

(وَيُؤَذِّنُ لِلْفَائِتَةِ وَيُقِيمُ) (لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ قَضَى الْفَجْرَ غَدَاةَ لَيْلَةِ التَّعْرِيسِ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ) ، وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي اكْتِفَائِهِ بِالْإِقَامَةِ (فَإِنْ فَاتَتْهُ صَلَوَاتٌ أَذَّنَ لِلْأُولَى وَأَقَامَ) لِمَا رَوَيْنَا (وَكَانَ مُخَيَّرًا فِي الْبَاقِي ، إنْ شَاءَ أَذَّنَ وَأَقَامَ) لِيَكُونَ الْقَضَاءُ عَلَى حَسَبِ الْأَدَاءِ (وَإِنْ شَاءَ اقْتَصَرَ عَلَى الْإِقَامَةِ) لِأَنَّ الْأَذَانَ لِلِاسْتِحْضَارِ وَهُمْ حُضُورٌ .

قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ :وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يُقِيمُ لِمَا بَعْدَهَا وَلَا يُؤَذِّنُ ، قَالُوا :يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ

هَذَا قَوْلُهُمْ جَمِيعًا .

ترجمہ:

اور وہ فوت شدہ نماز کیلئے اذان واقامت کہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ لیلۃ التعریس کے روز سورج نکلنے پر فجر کی نماز کو اذان واقامت کے ساتھ قضاء کیا تھا۔ اور یہی حدیث امام شافعی علیہ الرحمہ کے خلاف دلیل بھی ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ صرف اقامت کافی ہوگی۔

اگر کسی شخص کی چند نمازیں فوت ہوجائیں تو وہ اذان واقامت کہے اسی حدیث کی وجہ سے جسے ہم نے ذکر کردیا ہے۔ جبکہ باقی نمازوں میں اس کیلئے اختیار ہے وہ چاہے تو اذان واقامت کہے تاکہ اس کی قضاء اس کی اداء کے مطابق ہوجائے۔ اور اگر وہ شخص چاہے تو صرف اقامت ہی کہے۔ اس لئے کہ اذان تو لوگوں کو حاضر کرنے کیلئے کہی جاتی ہے۔ حالانکہ وہ تو موجود ہیں۔

اور صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ بعد والی نمازوں کیلئے صرف اقامت کافی ہے اور مشائخ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ہوسکتا ہے یہ سبھی کا قول ہو۔

وقت کے چلے جانے کے بعد (قضا نماز کے لیے بھی) اذان کہنا:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت سیدنا ابوقتادہؓ کہتے ہیں کہ ہم نے ایک شب نبی ﷺ کے ہمراہ سفر کیا تو بعض لوگوں نے کہا کہ کاش آپ ﷺ اخیر شب میں مع ہم سب لوگوں کے آرام فرماتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تم نماز (فجر) سے (غافل ہوکر) سو جاؤ۔ چنانچہ سیدنا بلالؓ بولے کہ میں تم سب کو جگادوں گا۔ لہٰذا سب لیٹے رہے اور سیدنا بلالؓ اپنی پیٹھ اپنی اونٹنی سے ٹیک کر بیٹھ گئے مگر ان پر بھی نیند غالب آگئی اور وہ بھی سو گئے۔ پس نبی ﷺ ایسے وقت بیدار ہوئے کہ آفتاب کا کنارا نکل آیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے بلالؓ! تمہارا کہنا کہاں گیا؟ انھوں نے عرض کی کہ ایسی نیند میرے اوپر کبھی نہیں ڈالی گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے تمہاری جانوں کو جس وقت چاہا قبض کرلیا اور جس وقت چاہا واپس کیا، اے بلالؓ! اٹھو اور لوگوں میں نماز کے لیے اذان دے دو۔ پھر آپ ﷺ نے وضو فرمایا اور جب آفتاب بلند ہوگیا اور سفید ہوگیا تو آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور نماز پڑھی۔ (صحیح بخاری، رقم ۳۶۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب غزوہ خیبر سے واپس ہوئے تو رات بھر چلتے رہے، جب آپ کو اونگھ آنے لگی تو اتر پڑے اور بلال سے کہا ہمارے لئے تم رات کا خیال رکھو۔ بلال نے جتنا مقدر میں تھا نفل ادا کئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھی سو گئے، جب فجر قریب ہوئی تو بلال نے اپنی اونٹنی کے ساتھ ٹیک لگادی فجر (مشرق) کی طرف منہ کرکے، پس بلال پر اسی اونٹنی پر ٹیک کی حالت میں نیند غالب آگئی نہ ان کی آنکھ کھلی نہ کسی اور صحابی کی، یہاں تک کہ ان کو دھوپ محسوس ہوئی تو سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جاگے اور گھبرا کر فرمایا

ارے بلال !(یہ کیا ہوا؟) بلال نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان اے اللہ کے رسول ﷺ میری جان کو اسی نے روکے رکھا جس نے آپ کی جان کو روکے رکھا، آپ نے فرمایا اونٹوں کو چلاؤ لوگوں نے تھوڑی دور تک اپنے اونٹوں کو چلایا (آپ اس جگہ سے چلے گئے کیونکہ وہاں شیطان تھا جیسے دوسری روایت میں ہے) پھر آپ نے وضو کیا اور صبح کی نماز پڑھائی جب آپ نماز پڑھ چکے تو آپ نے فرمایا جو شخص نماز کو بھول جائے تو جب اس کو یاد آئے پڑھ لے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قائم کر نماز کو میری یاد کی خاطر اور ابن شہاب اس آیت کو یوں پڑھتے۔(وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِى 14) 20۔طہ 14:)۔(سنن ابن ماجہ)

علامہ محمد بن محمود البابرتی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

(حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ فِي اكْتِفَائِهِ بِالْإِقَامَةِ) لَا يُقَالُ :قَدْ رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِلَالًا فَأَقَامَ بِدُونِ ذِكْرِ الْأَذَانِ ؛ لِأَنَّ الْقِصَّةَ وَاحِدَةٌ ، فَالْعَمَلُ بِالزِّيَادَةِ أَوْلَى ، وَفِيهِ نَظَرٌ ؛ لِأَنَّ ذَلِكَ إنَّمَا يَكُونُ إذَا كَانَ رَاوِيهِمَا وَاحِدًا وَلَمْ يَثْبُتْ هَاهُنَا ذَلِكَ .

وَالْجَوَابُ أَنَّ الرَّاوِيَ إذَا كَانَ مُتَعَدِّدًا إنَّمَا يُعْمَلُ بِالْخَبَرَيْنِ إذَا أَمْكَنَ الْعَمَلُ بِهِمَا ، وَهَاهُنَا لَا يُمْكِنُ ذَلِكَ ؛ لِأَنَّ الْقِصَّةَ وَاحِدَةٌ (فَإِنْ فَاتَتْهُ صَلَوَاتٌ أَذَّنَ لِلْأُولَى وَأَقَامَ لِمَا رَوَيْنَا) مِنْ حَدِيثِ لَيْلَةِ التَّعْرِيسِ (وَكَانَ مُخَيَّرًا فِي الْبَاقِي إنْ شَاءَ أَذَّنَ وَأَقَامَ) لِيَكُونَ الْقَضَاءُ عَلَى حَسَبِ الْأَدَاءِ (وَإِنْ شَاءَ اقْتَصَرَ عَلَى الْإِقَامَةِ) ؛ لِأَنَّ الْأَذَانَ لِلِاسْتِحْضَارِ وَهُمْ حُضُورٌ فَلَا حَاجَةَ إلَيْهِ .

فَإِنْ قِيلَ :إذَا كَانَ الرِّفْقُ مُتَعَيِّنًا فِي أَحَدِ الْأَمْرَيْنِ فَلَا تَخْيِيرَ بَيْنَهُمَا كَمَا فِي قَصْرِ صَلَاةِ الْمُسَافِرِ وَهَاهُنَا الرِّفْقُ مُتَعَيِّنٌ فِي الْإِقَامَةِ فَمَا وَجْهُ التَّخْيِيرِ ؟ أُجِيبَ بِأَنَّ ذَلِكَ بَيْنَ الشَّيْئَيْنِ الْوَاجِبَيْنِ لَا فِي السُّنَنِ وَالتَّطَوُّعَاتِ .

قَالَ (وَعَنْ مُحَمَّدٍ) رُوِيَ فِي غَيْرِ رِوَايَةِ الْأُصُولِ عَنْ مُحَمَّدٍ :إذَا فَاتَتْ صَلَوَاتٌ تُقْضَى الْأُولَى بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ ، وَالْبَوَاقِي بِالْإِقَامَةِ دُونَ الْأَذَانِ .

قَالَ أَبُو بَكْرٍ الرَّازِيّ (يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ هَذَا قَوْلَهُمْ جَمِيعًا) وَالْمَذْكُورُ فِي الْكِتَابِ مَحْمُولٌ عَلَى الصَّلَاةِ الْوَاحِدَةِ فَيَرْتَفِعُ الْخِلَافُ بَيْنَ أَصْحَابِنَا (عنایہ شرح الهدایہ، 1/407)

حالت طہارت میں اذان واقامت پڑھنے کا بیان:

(وَيَنْبَغِي أَنْ يُؤَذِّنَ وَيُقِيمَ عَلَى طُهْرٍ ، فَإِنْ أَذَّنَ عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ جَازَ) لِأَنَّهُ ذِكْرٌ وَلَيْسَ بِصَلَاةٍ فَكَانَ الْوُضُوءُ فِيهِ اسْتِحْبَابًا كَمَا فِي الْقِرَاءَةِ

(وَيُكْرَهُ أَنْ يُقِيمَ عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ) لِمَا فِيهِ مِنْ الْفَصْلِ بَيْنَ الْإِقَامَةِ وَالصَّلَاةِ ، وَيُرْوَى أَنَّهُ لَا يُكْرَهُ

الْإِقَامَةُ أَيْضًا لِأَنَّهَا أَحَدُ الْأَذَانَيْنِ ، وَيُرْوَى أَنَّهُ يُكْرَهُ الْأَذَانُ أَيْضًا لِأَنَّهُ يَصِيرُ دَاعِيًا إِلَى مَا لَا يُجِيبُ بِنَفْسِهِ (وَيُكْرَهُ أَنْ يُؤَذِّنَ وَهُوَ جُنُبٌ) رِوَايَةً وَاحِدَةً . وَوَجْهُ الْفَرْقِ عَلَى إِحْدَى الرِّوَايَتَيْنِ أَنَّ لِلْأَذَانِ شَبَهًا بِالصَّلَاةِ فَتُشْتَرَطُ الطَّهَارَةُ عَنْ أَغْلَظِ الْحَدَثَيْنِ دُونَ أَخَفِّهِمَا عَمَلًا بِالشَّبَهَيْنِ .

وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ :إِذَا أَذَّنَ وَأَقَامَ عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ لَا يُعِيدُ وَالْجُنُبُ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يُعِيدَ (وَلَوْ لَمْ يُعِدْ أَجْزَأَهُ) أَمَّا الْأَوَّلُ فَلِخِفَّةِ الْحَدَثِ ، وَأَمَّا الثَّانِي فَفِي الْإِعَادَةِ بِسَبَبِ الْجَنَابَةِ رِوَايَتَانِ ، وَالْأَشْبَهُ أَنْ يُعَادَ الْأَذَانُ دُونَ الْإِقَامَةِ لِأَنَّ تَكْرَارَ الْأَذَانِ مَشْرُوعٌ دُونَ الْإِقَامَةِ .

وَقَوْلُهُ وَلَوْ لَمْ يُعِدْ أَجْزَأَهُ :يَعْنِي الصَّلَاةَ لِأَنَّهَا جَائِزَةٌ بِدُونِ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ .قَالَ (وَكَذَلِكَ الْمَرْأَةُ تُؤَذِّنُ) مَعْنَاهُ يُسْتَحَبُّ أَنْ يُعَادَ لِيَقَعَ عَلَى وَجْهِ السُّنَّةِ

ترجمہ:

اور مناسب ہے کہ اذان واقامت کہنے والا طہارت کی حالت میں ہو۔لہذا اگر اس نے وضو کے بغیر اذان پڑھی تو جائز ہے اس لئے کہ اذان ذکر ہے اذان نماز نہیں ہے۔لہذا اس کیلئے وضو مستحب ہے۔جس طرح قرآن پڑھنے کیلئے ہے۔

وضو کے بغیر اقامت کہنا مکروہ ہے۔اس لئے کہ اس طرح اقامت اور نماز کے درمیان فصل لازم آئے گا اور ایک یہ بھی روایت ہے کہ اقامت بھی مکروہ نہیں ہے۔کیونکہ وہ بھی دو اذانوں میں سے ایک اذان ہی تو ہے۔اور ایک روایت میں ہے کہ اذان بھی مکروہ ہے۔کیونکہ وہ ایسی شئے کی طرف دعوت دینے والا ہے جسے وہ خود قبول نہیں کرتا۔

اور جنابت والے کی اذان مکروہ ہے یہ ایک ہی روایت ہے۔اور دونوں روایات میں سے ایک روایت کا فرق یہ ہے کہ اذان نماز کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے۔جبکہ زیادہ غلیظ حدثوں سے طہارت حاصل کرنا شرط ہے نہ خیف حدثوں سے طہارت حاصل کرنا۔اور ایسا دونوں مشابہتوں پر عمل کرنے کی وجہ سے ہے۔

اور جامع صغیر میں ہے کہ جب کسی نے بغیر وضو اذان واقامت کہی تو ان کو لوٹانا ضروری نہیں۔اور جنبی نے ایسا کیا تو مجھے لوٹانا پسند ہے۔اور اگر کسی نے اعادہ نہ کیا تو تب بھی جائز ہے۔اور پہلا حکم تو اس لئے کہ حدث خفیف ہے جبکہ دوسرا اس لئے کہ اس میں جنابت سبب ہے۔اور اس کے اعادہ میں دو روایات ہیں۔اور اس میں فقہ کے زیادہ قریب یہ ہے کہ اذان کا اعادہ کیا جائے گا جبکہ اقامت کا اعادہ نہ کیا جائے گا۔کیونکہ اذان کا تکرار مشروع ہے اقامت کا تکرار شرعا جائز نہیں۔اور امام محمد علیہ الرحمہ کا قول ''وَلَوْ لَمْ يُعِدْ أَجْزَأَهُ '' نماز ہے اس لئے کہ نماز اذان واقامت کے بغیر بھی جائز ہے۔اور صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ عورت کی اذان کا بھی یہی حکم ہے لہذا اس کا اعادہ مستحب ہے تا کہ حکم سنت کے مطابق مکمل ہو۔

اذان واقامت کیلئے وضوکرنے کاحکم:

علامہ محمد بن محمود البابرتی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

قَالَ (وَيَنْبَغِي أَنْ يُؤَذِّنَ وَيُقِيمَ عَلَى طُهْرٍ) ؛ لِأَنَّ لَهُمَا شَبَهًا بِالصَّلَاةِ عَلَى مَا سَيَأْتِي ، فَإِنْ أَذَّنَ بِغَيْرِ وُضُوءٍ جَازَ بِلَا كَرَاهَةٍ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ ؛ لِأَنَّهُ ذِكْرٌ فَكَانَ الْوُضُوءُ فِيهِ مُسْتَحَبًّا كَالْقِرَاءَةِ (وَيُكْرَهُ أَنْ يُقِيمَ عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ) لِمَا فِيهِ مِنْ الْفَصْلِ بَيْنَ الْإِقَامَةِ وَالصَّلَاةِ بِالِاشْتِغَالِ بِأَعْمَالِ الْوُضُوءِ ، وَالْإِقَامَةُ شُرِعَتْ مُتَّصِلَةً بِالشُّرُوعِ فِي الصَّلَاةِ (وَيُرْوَى أَنَّهُ) أَيْ الشَّأْنَ (لَا تُكْرَهُ الْإِقَامَةُ أَيْضًا) ؛ لِأَنَّهَا أَحَدُ الْأَذَانَيْنِ ، وَالْآخَرُ وَهُوَ الْأَذَانُ لَا يُكْرَهُ بِلَا وُضُوءٍ فَكَذَا الْإِقَامَةُ (وَيُرْوَى يُكْرَهُ الْأَذَانُ أَيْضًا) وَهُوَ رِوَايَةُ الْكَرْخِيِّ ؛ لِأَنَّهُ يَصِيرُ دَاعِيًا إلَى مَا لَا يُجِيبُ بِنَفْسِهِ .

(وَيُكْرَهُ أَنْ يُؤَذِّنَ وَهُوَ جُنُبٌ رِوَايَةً وَاحِدَةً وَوَجْهُ الْفَرْقِ عَلَى إحْدَى الرِّوَايَتَيْنِ) أَيْ بَيْنَ أَذَانِ الْجُنُبِ وَالْمُحْدِثِ عَلَى الرِّوَايَةِ الَّتِي لَا يُكْرَهُ أَذَانُهُ (أَنَّ لِلْأَذَانِ شَبَهًا بِالصَّلَاةِ) فِي أَنَّهُمَا يُفْتَتَحَانِ بِالتَّكْبِيرِ وَيُؤَدَّيَانِ مَعَ الِاسْتِقْبَالِ وَيُرَتَّبُ كَلِمَاتُ الْأَذَانِ كَأَرْكَانِ الصَّلَاةِ وَيَخْتَصَّانِ بِالْوَقْتِ وَلَا يَتَكَلَّمُ فِيهِمَا إلَّا أَنَّهُ لَيْسَ بِصَلَاةٍ عَلَى الْحَقِيقَةِ ، وَلَوْ كَانَ صَلَاةً عَلَى الْحَقِيقَةِ لَمْ يَجُزْ مَعَ الْحَدَثِ وَالْجَنَابَةِ فَإِذَا كَانَ مُشَبَّهًا بِهَا كُرِهَ مَعَ الْجَنَابَةِ اعْتِبَارًا لِلشَّبَهِ وَلَمْ يُكْرَهْ مَعَ الْحَدَثِ اعْتِبَارًا لِلْحَقِيقَةِ وَلَمْ يُعْكَسْ ؛ لِأَنَّا لَوْ اعْتَبَرْنَا فِي الْحَدَثِ جَانِبَ الشَّبَهِ لَزِمَنَا اعْتِبَارُهُ فِي الْجَنَابَةِ بِطَرِيقِ الْأَوْلَى ؛ لِأَنَّ الْجَنَابَةَ أَغْلَظُ الْحَدَثَيْنِ فَكَانَ يَتَعَطَّلُ جَانِبُ الْحَقِيقَةِ .

وَذَكَرَ رِوَايَةَ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ لِاشْتِمَالِهَا عَلَى الْإِعَادَةِ وَعَدَمِهَا .وَقَوْلُهُ :(أَمَّا الْأَوَّلُ) يَعْنِي عَدَمَ إعَادَةِ أَذَانِ الْمُحْدِثِ وَإِقَامَتِهِ .وَقَوْلُهُ :(وَأَمَّا الثَّانِي) يَعْنِي اسْتِحْبَابَ

(عنایہ شرح الهدایہ ص409/1ج)

الْإِعَادَةِ بِسَبَبِ الْجَنَابَةِ .وَقَوْلُهُ :(رِوَايَتَانِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ يُسْتَحَبُّ ، وَفِي رِوَايَةِ الْكَرْخِيِّ يَجِبُ وَالْأَشْبَهُ إعَادَةُ الْأَذَانِ فَقَطْ) ؛ لِأَنَّ تَكْرَارَ الْأَذَانِ مَشْرُوعٌ فِي الْجُمْلَةِ كَمَا فِي الْجُمُعَةِ بِخِلَافِ الْإِقَامَةِ .وَقَوْلُهُ :(يَعْنِي الصَّلَاةَ) إنَّمَا فَسَّرَهُ بِهَذَا ؛ لِأَنَّهُ قَالَ فِي الْإِيضَاحِ :وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ الْمُرَادُ مِنْ الْجَوَازِ أَصْلَ الْأَذَانِ ؛ لِأَنَّ رَفْعَ الصَّوْتِ زَائِدٌ فِي الْبَابِ .

وَقَوْلُهُ :(وَكَذَلِكَ الْمَرْأَةُ تُؤَذِّنُ) عَطْفٌ عَلَى قَوْلِهِ ، وَالْجُنُبُ أُحِبُّ أَنْ يُعِيدَ .وَقَوْلُهُ :(لِيَقَعَ) أَيْ الْأَذَانُ (عَلَى وَجْهِ السُّنَّةِ) فَإِنَّ أَذَانَ الْمَرْأَةِ لَا يَكُونُ عَلَى وَجْهِ السُّنَّةِ بَلْ عَلَى وَجْهِ الْبِدْعَةِ ؛ لِأَنَّهَا إنْ رَفَعَتْ صَوْتَهَا فِي أَعْلَى مَوْضِعٍ ارْتَكَبَتْ بِدْعَةً وَإِلَّا لَمْ تُؤَذِّنْ عَلَى وَجْهِ السُّنَّةِ وَتَرْكُ وَجْهِ هَذِهِ السُّنَّةِ بِدْعَةٌ ، وَلَيْسَ عَلَى النِّسَاءِ

أَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ ؛ لِأَنَّهُمَا سُنَّتَا الصَّلَاةِ بِالْجَمَاعَةِ وَجَمَاعَتُهُنَّ مَنْسُوخَةٌ وَإِنْ صَلَّيْنَ بِجَمَاعَةٍ صَلَّيْنَ بِغَيْرِ أَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ لِحَدِيثِ رَائِطَةَ قَالَتْ : كُنَّا جَمَاعَةً مِنَ النِّسَاءِ أَمَّتْنَا عَائِشَةُ بِلَا أَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ۔ (1/410)

وقت سے پہلے اذان پڑھنے کے بارے میں حکم:

(وَلَا يُؤَذِّنُ لِصَلَاةٍ قَبْلَ دُخُولِ وَقْتِهَا وَيُعَادُ فِي الْوَقْتِ) لِأَنَّ الْأَذَانَ لِلْإِعْلَامِ وَقَبْلَ الْوَقْتِ تَجْهِيلٌ (وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ) وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ (يَجُوزُ لِلْفَجْرِ فِي النِّصْفِ الْأَخِيرِ مِنَ اللَّيْلِ) لِتَوَارُثِ أَهْلِ الْحَرَمَيْنِ .

وَالْحُجَّةُ عَلَى الْكُلِّ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِبِلَالٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ (لَا تُؤَذِّنْ حَتَّى يَسْتَبِينَ لَكَ الْفَجْرُ هَكَذَا ، وَمَدَّ يَدَيْهِ عَرْضًا).

ترجمہ:

اوروقت سے پہلے بھی نماز کیلئے اذان نہ دی جائے اوروقت کے اندر ہی اس کا اعادہ کیا جائے۔اس لئے کہ اذان تو دخول وقت کی خبر دینے والی ہے۔اوروقت سے پہلے لوگوں کو جہالت میں دھکیلنا ہے۔جبکہ امام ابو یوسف اور یہی قول امام شافعی کا ہے کہ فجر کیلئے رات کے آخیری نصف میں اذان جائز ہے۔کیونکہ یہ اہل حرمین سے توارثاً نقل کیا گیا ہے۔اور تمام ائمہ کے خلاف حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ روایت ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: تم اذان نہ دو حتیٰ کہ فجر تمہارے لئے اس طرح ظاہر ہو جائے اور آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ مبارک چوڑائی میں پھیلائے۔

اذان فجر کا قبل از وقت پڑھنے میں امام ابو یوسف و امام شافعی کا موقف وجواب:

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔وقت سے پہلے اذان دینا مکروہ ہے اور اس کا اعادہ کیا جائے۔جبکہ امام ابو یوسف اور امام شافعی کے نزدیک بھی وقت سے پہلے اذان دینا جائز نہیں البتہ فجر کی اذان دینا جائز ہے۔اور ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک بلال رات کو اذان دیتے ہیں تم کھاؤ پیو حتیٰ کہ ابن ام مکتوم کی اذان سن لو۔جبکہ ہماری دلیل وہ حدیث جس کو امام ابوداؤد نے شداد سے بیان کیا ہے جو عیاض بن عامر کے غلام ہیں وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو حکم دیا: تم اذان نہ کہو حتیٰ کہ فجر اس طرح ظاہر ہو جائے پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ مبارک کو چوڑائی کی جانب لمبا کیا۔امام ابوداؤد نے اس حدیث کا ضعف بیان نہیں کیا۔

امام بیہقی نے اس حدیث کی سند میں تعلیل کی اور فرمایا کہ شداد نے حضرت بلال کو نہیں پایا۔لہذا یہ منقطع ہے۔ابن قطعان نے کہا ہے کہ شداد مجہول ہے۔وہ جعفر بن برقان کے سوا کسی روایت سے پہچانے نہیں جاتے۔

امام بیہقی علیہ الرحمہ روایت بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے بلال! فجر کی اذان نہ دو حتیٰ کہ فجر طلوع ہو جائے۔اور امام بیہقی فرماتے ہیں اس حدیث کے تمام رجال ثقہ ہیں۔

حضرت نافع حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت بلال نے فجر سے قبل اذان دی تو رسول اللہ ﷺ ان سے ناراض ہوئے۔امام بیہقی کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی کریم ﷺ سے ناراضگی کا سبب دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہ میں بیدار ہوا حالانکہ میں وسنان میں محو استراحت تھا۔پس نے خیال کیا کہ فجر طلوع ہوگئی۔پس نبی کریم ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اپنے آپ کو بیدار کر لیا کریں مگر بندہ چونکہ سویا ہوتا ہے۔(یعنی دوسروں کو بیدار نہ کریں کیونکہ وہ نفلی عبادت کے مکلف نہیں ہیں)۔(فتح القدیر، ج ا،ص ۲۸۴، بیروت)

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ کے مذکورہ دلائل سے معلوم ہوا کہ امام ابو یوسف اور امام شافعی علیہما الرحمہ کے نزدیک فجر کی اذان سے وقت سے پہلے دینے کا حکم جواز صحیح نہیں ہے۔

مسافر کیلئے اذان واقامت کا بیان:

(وَالْمُسَافِرُ يُؤَذِّنُ وَيُقِيمُ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِابْنَيْ أَبِي مُلَيْكَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا (إذَا سَافَرْتُمَا فَأَذِّنَا وَأَقِيمَا) .

(فَإِنْ تَرَكَهُمَا جَمِيعًا يُكْرَهُ) وَلَوْ اكْتَفَى بِالْإِقَامَةِ جَازَ لِأَنَّ الْأَذَانَ لِاسْتِحْضَارِ الْغَائِبِينَ وَالرُّفْقَةُ حَاضِرُونَ وَالْإِقَامَةَ لِإِعْلَامِ الِافْتِتَاحِ وَهُمْ إلَيْهِ مُحْتَاجُونَ .

(فَإِنْ صَلَّى فِي بَيْتِهِ فِي الْمِصْرِ يُصَلِّي بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ) لِيَكُونَ الْأَدَاءُ عَلَى هَيْئَةِ الْجَمَاعَةِ (وَإِنْ تَرَكَهُمَا جَازَ) لِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : أَذَانُ الْحَيِّ يَكْفِينَا .

ترجمہ:

مسافر اذان واقامت کہے گا۔کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ابوملیکہ کے دو بیٹوں سے فرمایا: جب تم دونوں سفر کرو تو تم دونوں اذان دو اور اقامت کہو۔لہذا اگر دونوں نے ترک کیا تو مکروہ ہے۔اگر اقامت پر انحصار کیا تو بھی جائز ہے۔اس لئے کہ اذان

غیر موجود لوگوں کیلئے کہی جاتی ہے تا کہ وہ حاضر ہوں۔اور سفر کے سارے ساتھی تو حاضر ہوتے ہیں۔جبکہ اقامت نماز کے شروع کرنے کیلئے کہی جاتی ہے اور اسی کے سارے محتاج ہوتے ہیں۔

اگر کسی نے اپنے گھر میں شہر کے اندر نماز پڑھی تو وہ اذان واقامت کے ساتھ پڑھے۔تا کہ اس کی ادائیگی جماعت کی صورت پر ہو جائے۔اور اگر اس نے اذان واقامت دونوں کو چھوڑ دیا تو بھی جائز ہے۔کیونکہ حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم کو محلے کی اذان ہی کافی ہے۔

مسافر کا اذان واقامت کو ترک کرنا مکروہ ہے:

مسافر آبادی سے باہر خواہ اکیلا نماز پڑھتا ہو اس کو اذان واقامت دونوں کا چھوڑ دینا مکروہ ہے، اگر اذان کہی اور اقامت چھوڑ دی تو جائز ہے لیکن مکروہ ہے اور اگر اذان چھوڑ دی اور اقامت کہی تو بلا کراہت جائز ہے، بہتر یہ ہے کہ دونوں کہے، اسی طرح اگر مسافر کے تمام ساتھی موجود ہوں تو اذان کا ترک بلا کراہت جائز ہے اور اقامت کا ترک مکروہ ہے اور دونوں کا کہنا مستحب ہے سنتِ مؤکدہ نہیں، جس گاؤں میں ایسی مسجد ہو جس میں اذان واقامت ہوتی ہو، اس گاؤں میں گھر کے اندر نماز پڑھنے والے کا حکم وہی ہے جو شہر کے اندر گھر میں نماز پڑھنے والے کا ہوتا ہے اور اگر اس گاؤں میں ایسی مسجد نہیں ہے تو وہ مسافر کے حکم میں ہے۔

اگر شہر یا گاؤں کے باہر باغ یا کھیت وغیرہ ہے اور وہ جگہ قریب ہے تو گاؤں یا شہر کی اذان کافی ہے پھر بھی اذان دے لینا اولیٰ ہے اور اگر وہ جگہ دور ہے تو شہر کی اذان اس کے لئے کافی نہیں اور قریب کی حد یہ ہے کہ شہر کی اذان وہاں سنائی دیتی ہو اگر جنگل میں جماعت سے پڑھیں اور اذان چھوڑ دیں تو مکروہ نہیں اور اقامت چھوڑ دیں تو مکروہ ہے۔

امام ابن ماجہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔حضرت زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا۔آپ نے مجھے حکم دیا تو میں نے اذان دی حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت کہنا چاہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا صدائی بھائی نے اذان دی ہے اور جو اذان دیتا ہے وہی اقامت کہتا ہے۔(سنن ابن ماجہ)

ابن ماجہ کی بیان کردہ مذکورہ حدیث سے مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ سفر کی حالت میں اذان واقامت کہی جائے گی۔

بَابُ شُرُوطِ الصَّلَاةِ الَّتِي تَتَقَدَّمُهَا

﴿یہ باب نماز کی ان شرائط کے بیان میں ہے جونماز سے مقدم ہیں﴾

باب شرائط نماز کی مناسبت کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ یہ باب ان شرائط کے بیان میں ہے جونماز سے مقدم ہیں۔ شرائط شرط کی جمع ہے۔ اوروہ علامت ہے۔ جبکہ اصطلاح میں شرط اسے کہتے ہیں جس پر کسی چیز کا وجود موقوف ہواگر چہ وہ اس میں داخل نہ ہو۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے۔ انتفائے شرط انتفائے مشروط کولازم ہے۔ اوراس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وجود شرط ہی وجود مشروط ہے۔ امام سرخسی علیہ الرحمہ نے اصول میں لکھا ہے۔ کہ جب حکم کی اضافت شرط کی طرف کی جائے گی تو اس کا وجود شرط کے ساتھ پایا جائے گا اور بغیر شرط کے نہ پایا جائے گا۔ اور جب حکم کی اضافت علت کی طرف کی جائے تو وہ اس کے ساتھ ہوگا شرط اور رکن دونوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ باہم ساتھ ہوں اور وہ دونوں عام خاص کی طرح الگ بھی ہوجاتے ہیں۔ لہذا ہر رکن کیلئے وجود شرط ضروری ہے۔ اس سے یہ لازم نہ آئے گا کہ انتفائے شرط کی وجہ سے رکن منتفی ہوجائے۔

(البنائیہ شرح الہدایہ، ج ۲، ص ۱۲۵، حقانیہ ملتان)

نماز پڑھنے سے پہلے طہارت کاملہ کا بیان:

(يَجِبُ عَلَى الْمُصَلِّي أَنْ يُقَدِّمَ الطَّهَارَةَ مِنْ الْأَحْدَاثِ وَالْأَنْجَاسِ عَلَى مَا قَدَّمْنَاهُ) قَالَ اللَّهُ تَعَالَى (وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ) وَقَالَ تَعَالَى :(وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا).

ترجمہ:

نمازی پرواجب ہے کہ وہ سب سے پہلے نجاستوں اور حدثوں سے طہارت حاصل کرے جسے ہم بیان کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اور آپ اپنے کپڑے کو پاک رکھیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اگر تم جنبی ہوجاؤ تو طہارت حاصل کرو۔

شرح:

وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۔ (المدثر، ٤) اور اپنے کپڑے پاک رکھو۔ (کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن) .

ہرطرح کی نجاست سے کیونکہ نماز کیلئے طہارت ضروری ہے اور نماز کے سوا اور حالتوں میں بھی کپڑے پاک رکھنا بہتر ہے یا یہ معنٰی ہیں کہ اپنے کپڑے کوتاہ کیجئے، ایسے دراز نہ ہوں جیسی کہ عربوں کی عادت ہے کیونکہ بہت زیادہ دراز ہونے سے چلنے پھرنے میں نجس ہونے کا احتمال رہتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور

زمین پر چلنے (کی وجہ سے وضو نہ کرتے تھے)۔ (جامع ترمذی)

مطلب یہ ہے کہ ہم نماز پڑھنے کے لیے اپنے اپنے مکان سے وضو کر کے چلتے تھے اور مسجد آتے ہوئے ننگے پاؤں چلنے کی وجہ سے پاؤں پر یا جوتے اور موزوں پر جو نجاست وگندگی لگ جایا کرتی تھی اسے دھویا کرتے تھے۔

اس ارشاد کے بارے میں بھی یہی کہا جائے گا کہ اس کا تعلق خشک نجاست سے ہے، کہ اگر خشک گندگی مثلاً سوکھا گوبر وغیرہ پیروں پر جوتے وموزے پر لگ جاتا تو اس کو دھونے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی کیونکہ صاف زمین پر چلنے کی وجہ سے وہ پاک ہو جایا کرتا تھا اس سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ مراد ہے کہ راستہ چلتے وقت جو گرد وغبار پاؤں کو لگ جایا کرتی تھی اسے دھوتے تھے۔

مساجد میں پاک وصاف ہوکر جانے کا حکم:

(وَيَسْتُرُ عَوْرَتَهُ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ) أَيْ مَا يُوَارِي عَوْرَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا صَلَاةَ لِحَائِضٍ إلَّا بِخِمَارٍ) أَيْ لِبَالِغَةٍ (وَعَوْرَةُ الرَّجُلِ مَا تَحْتَ السُّرَّةِ إلَى الرُّكْبَةِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (عَوْرَةُ الرَّجُلِ مَا بَيْنَ سُرَّتِهِ إلَى رُكْبَتِهِ) وَيُرْوَى (مَا دُونَ سُرَّتِهِ حَتَّى تُجَاوِزَ رُكْبَتَهُ) وَبِهَذَا تَبَيَّنَ أَنَّ السُّرَّةَ لَيْسَتْ مِنْ الْعَوْرَةِ خِلَافًا لِمَا يَقُولُهُ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ (وَالرُّكْبَةُ مِنْ الْعَوْرَةِ) خِلَافًا لَهُ أَيْضًا ، وَكَلِمَةُ إلَى نَحْمِلُهَا عَلَى كَلِمَةِ مَعَ عَمَلًا بِكَلِمَةِ حَتَّى أَوْ عَمَلًا بِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (الرُّكْبَةُ مِنْ الْعَوْرَةِ).

ترجمہ:

اور وہ اپنے ستر کو چھپائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے تم ہر مسجد میں جاتے وقت زینت کیا کرو۔ اس سے مراد جو کچھ تمہارے ستر میں داخل ہے ہر نماز کے وقت اس کا چھپانا ہے۔ اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حائض کی نماز نہیں مگر خمار کے ساتھ یعنی بالغہ عورت کیلئے حکم ہے۔

اور مرد کا ستر ناف کے نیچے سے لیکر گھٹنے تک ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مرد کا ستر اس کی ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ ہے۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ ناف کے سوا جبکہ گھٹنے سمیت ستر ہے۔ اسی روایت سے واضح ہو گیا کہ ناف ستر نہیں ہے جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ گھٹنا ستر ہے۔ اور ہم کلمہ "الی" کو "مع" کے معنی محمول کرتے ہیں۔ تاکہ کلمہ حتیٰ پر عمل ہو جائے۔ یا اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ گھٹنا ستر ہے۔ اس پر عمل کرتے ہیں۔

نماز کیلئے مفہوم زینت میں عموم کا بیان:

علامہ ابن محمود البابرتی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ ہر نماز کیلئے ستر کو چھپانے کا حکم جو بیان ہوا ہے۔ یہ حکم نماز کی وجہ سے ہے

لوگوں کی وجہ سے نہیں ہے کیونکہ لوگ اکثر بازاروں میں ہوتے ہیں اور قرآن میں مسجد پاس حکم زینت بیان ہے۔اوراگر یہ حکم لوگوں کیلئے ہوتا ہے تو زینت کے حکم میں بازاروں کا لفظ استعمال ہوتا۔اور زینت خود مصدر ہے لہذا اس کا اطلاق عام ہے۔اور یہاں حال سے مراد محل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منسوب ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ یہ آیت طواف والوں کے حق میں نازل ہوئی ہے نمازیوں کے حق میں نازل نہیں ہوئی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں زینت کا اطلاق عام ہے۔جس میں کسی قسم کی تخصیص نہ کی جائے گی۔کیونکہ عبرت عام ہے۔جس میں کسی بھی سبب خاص کے ساتھ تخصیص نہ کی جائے گی۔لہذا اس حکم کو مسجد حرام کے ساتھ خاص نہیں کیا جاتا بلکہ اپنے عموم پر جاری رہے گا۔(عنایہ شرح الہدایہ،ج ا،ص ۲۱۶،بیروت)

گھٹنے اور ناف کے ستر ہونے میں امام شافعی علیہ الرحمہ کا اختلاف اور اس جواب:

امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔گھٹنے کا عطف ناف پر ہے لہذا یہ دونوں ستر میں داخل نہیں ہیں۔ان کی دلیل یہ ہے کہ یہاں پر کلمہ "الی" غایت کے استعمال ہوا ہے جو حکم کو وضع تک کھینچنے کیلئے آیا ہے لہذا اس میں مغیہ شامل نہ ہوگی۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ یہاں کلمہ "الی" مع کے معنی میں ہے۔جس طرح اللہ تعالی کا فرمان ہے" (وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَى أَمْوَالِكُمْ) "لہذا یہ بھی اسی معنی میں ہے۔اور

اسی طرح کلمہ "حتیٰ" پر عمل کرتے ہوئے کیونکہ "حتیٰ" جب فعل پر داخل ہو تو اس کو "الی" کے معنی میں کردیتا ہے۔
(عنایہ شرح الہدایہ،ج ا،ص ۲۱۶،بیروت)

اسی طرح حدیث مبارکہ میں لفظ "الرُّكْبَةُ مِنَ الْعَوْرَةِ" استعمال ہوا ہے۔جس کے اندر صراحت موجود ہے کہ گھٹنا ستر ہے اور فقہ کا یہ قانون ہے کہ جب کسی مسئلہ کی صراحت نص سے حاصل ہو جائے تو استدلال یا قیاس باطل ہو جاتا ہے کیونکہ حکم صریح میں استدلال یا کسی قسم کی تاویل نہیں کی جاتی۔لہذا گھٹنا ستر میں داخل ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

مرد کا ستر آٹھ اعضاء ہیں: (۱) عضو مخصوص اور اردگرد (۲) خصیتین اور ان کا اردگرد (۳) دُبر اور اردگرد (۴،۵) دونوں سرین کے حصے (۶،۷) دونوں رانیں گھٹنوں سمیت (۸) ناف تا زیر ناف سمیت پشت پیٹ اور دونوں پہلوؤں کے اس حصہ کے جو اس کے مقابل ومحاذی ہے۔(ردالمحتار۔باب شروط الصلوۃ مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر)

مساجد میں جاتے ہوئے زینت اختیار کرو:

اور اس آیت میں مشرکین کا رد ہے وہ ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف کرتے تھے جیسے کہ پہلے گزرا۔ابن عباس فرماتے ہیں کہ

ننگے مردوں کو طواف کرتے اور ننگی عورتیں رات کو، اس وقت عورتیں کہا کرتی تھیں کہ آج اس کے خاص جسم کا کل حصہ یا کچھ حصہ کو ظاہر ہو لیکن کسی کو وہ اس کا دیکھنا جائز نہیں کرتیں۔ پس اس کے برخلاف مسلمانوں کو حکم ہوتا ہے کہ اپنا لباس پہن کر مسجد دن میں جاؤ، اللہ تعالیٰ زینت کیلئے حکم دیتا ہے اور زینت سے مراد لباس ہے اور لباس وہ ہے جو اعضاء مخصوصہ کو چھپا لے اور جو اس کے سوا ہو مثلاً اچھا کپڑا وغیرہ۔ ایک حدیث میں ہے کہ یہ آیت جوتیوں سمیت نماز پڑھنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن ہے یہ غور طلب اور اس کی صحت میں بھی کلام ہے واللہ اعلم۔ یہ آیت اور جو کچھ اس کے معنی میں سنت میں وارد ہے اس سے نماز کے وقت زینت کرنا مستحب ثابت ہوتا ہے۔ خصوصاً جمعہ کے دن اور عید کے دن اور خوشبو لگانا بھی مسنون طریقہ ہے اس لئے کہ وہ زینت میں سے ہی ہے اور مسواک کرنا بھی۔ کیونکہ وہ بھی زینت کو پورا کرنے میں داخل ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ سب سے افضل لباس سفید کپڑا ہے۔ جیسے کہ مسند احمد کی صحیح حدیث میں ہے حضور فرماتے ہیں سفید کپڑے پہنو وہ تمہارے تمام کپڑوں سے افضل ہیں اور اسی میں اپنے مردوں کو کفن دو۔ سب سرموں میں بہتر سرمہ اثمد ہے وہ نگاہ کو تیز کرتا ہے اور بالوں کو اگاتا ہے۔ سنن کی ایک اور حدیث میں ہے سفید کپڑوں کو ضروری جانو اور انہیں پہنو وہ بہت اچھے اور بہت پاک صاف ہیں انہی میں اپنے مردوں کو کفن دو۔ طبرانی میں مروی ہے کہ حضرت تمیم داری نے ایک چادر ایک ہزار کو خریدی تھی نمازوں کے وقت اسے پہن لیا کرتے تھے۔

اس آیت کی تفسیر میں مسجد حرام کے طواف کے حکم میں زینت کو خاص نہ کیا جائے گا اس کا جواب ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔

ستر سے متعلق احادیث کا بیان:

امام ابوداؤد علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ خمار کے بغیر حائض کی نماز قبول نہیں فرماتا۔ (سنن ابوداؤد، ج ا، ص ۴۹، دارالحدیث ملتان)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ بالغ عورت کی نماز بغیر دوپٹہ کے قبول نہیں فرماتا۔ (سنن ابن ماجہ)

آزاد عورت کے ستر کا بیان وحکم:

(وَبَدَنُ الْحُرَّةِ كُلُّهَا عَوْرَةٌ إلَّا وَجْهَهَا وَكَفَّيْهَا) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (الْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ مَسْتُورَةٌ) وَاسْتِثْنَاءُ الْعُضْوَيْنِ لِلِابْتِلَاءِ بِإِبْدَائِهِمَا .

قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : وَهَذَا تَنْصِيصٌ عَلَى أَنَّ الْقَدَمَ عَوْرَةٌ . وَيُرْوَى أَنَّهَا لَيْسَتْ بِعَوْرَةٍ وَهُوَ الْأَصَحُّ فَإِنْ صَلَّتْ وَرُبُعُ سَاقِهَا أَوْ ثُلُثُهُ مَكْشُوفٌ تُعِيدُ الصَّلَاةَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ وَإِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنْ الرُّبُعِ لَا تُعِيدُ .

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ :لَا تُعِيدُ إِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنَ النِّصْفِ) لِأَنَّ الشَّيْءَ إِنَّمَا يُوصَفُ بِالْكَثْرَةِ إِذَا كَانَ مَا يُقَابِلُهُ أَقَلَّ مِنْهُ إِذْ هُمَا مِنْ أَسْمَاءِ الْمُقَابَلَةِ (وَفِي النِّصْفِ عَنْهُ رِوَايَتَانِ) فَاعْتَبَرَ الْخُرُوجَ عَنْ حَدِّ الْقِلَّةِ أَوْ عَدَمَ الدُّخُولِ فِي ضِدِّهِ وَلَهُمَا أَنَّ الرُّبُعَ يَحْكِي حِكَايَةَ الْكَمَالِ كَمَا فِي مَسْحِ الرَّأْسِ وَالْحَلْقِ فِي الْإِحْرَامِ ، وَمَنْ رَأَى وَجْهَ غَيْرِهِ يُخْبِرُ عَنْ رُؤْيَتِهِ وَإِنْ لَمْ يَرَ إِلَّا أَحَدَ جَوَانِبِهِ الْأَرْبَعَةِ .

ترجمہ:

آزادعورت کے چہرے اور ہتھیلیوں کے سوا سارا بدن ستر ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے۔عورت چھپانے کیلئے ہے۔اور دونوں کا استثناء اس لئے ہے کیونکہ ان کو ظاہر کرنے میں ابتلاء ہے۔صاحب ہدایہ نے فرمایا: یہ نص ہے کہ عورت کا قدم بھی ستر ہے اور یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ قدم عورت نہیں اور یہی روایت صحیح ہے۔

اگر آزادعورت نے نماز پڑھی اس حالت میں اس کی پنڈلی کا چوتھائی حصہ کھل گیا یا تہائی تو وہ نماز کا اعادہ کرے گی۔یہ امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک ہے اور اگر چوتھائی سے کم کھلی ہو تو وہ نماز کا اعادہ نہ کرے گی۔

امام ابو یوسف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔اگر نصف سے کم کھلی ہو تو نماز کا اعادہ نہ کرے گی۔کیونکہ کوئی بھی چیز کثرت کے ساتھ اس وقت متصف ہوتی ہے جب اس کا مدمقابل اس سے کمتر ہو۔کیونکہ وہ دونوں اسماء مقابلہ میں سے ہیں۔اور نصف کے بارے میں امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے دو روایات منقول ہیں۔لہذا انہوں نے حد قلت سے نکلنے کا اعتبار کیا ہے یا انہوں نے عدم دخول کا اعتبار اس کی ضد سے کیا ہے۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ چوتھائی بھی پوری کی ترجمانی کرتا ہے جس طرح سر کے مسح اور احرام کی حالت میں چوتھائی سر منڈوانے میں ہے۔اور جس نے دوسرے کے چہرے کی طرف دیکھا تو وہ اس کے دیکھنے کی خبر دیتا ہے۔اگرچہ اس نے ایک ہی طرف کے سوا باقی چاروں کی طرف دیکھا ہی نہیں۔

ستر عورت میں کف ووجہ کے استثناء کا فقہی مفہوم:

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ہدایہ کے بعض نسخوں میں ''کلہ'' ہے۔اور یہ دونوں بدن کی تاکید کیلئے ہیں کیونکہ جب اس کی اضافت عورت کی طرف کی جائے تو اس سے مؤنث مراد لینا صحیح ہے۔مطلب یہ ہے کہ مضاف کو حذف کرتے ہوئے حکم کی اضافت مضاف الیہ کی طرف کیا جائے۔لہذا یہ کہنا صحیح ہے۔''الْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ إِلَّا كَذَا كَمَا يَصِحُّ بَدَنُ الْمَرْأَةِ عَوْرَةٌ إِلَّا كَذَا''۔

ظہیریہ میں ہے۔جب عورت بہت ہی چھوٹی ہو حتیٰ کہ ان کو دیکھنا اور چھونا جائز ہو جس طرح رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔''الْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ مَسْتُورَةٌ'' اس کو امام ترمذی نے رضاع میں نقل کیا ہے۔(سنن ترمذی، رقم الحدیث ۱۱۷۳) اور حضرت عبد

اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عورت چھپانے کی چیز ہے جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کوتکتا ہے۔امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن، صحیح، غریب ہے۔اوراس میں ''مستورۃ'' کا لفظ معروف نہیں ہے۔
(فتح القدیر، ج ا،ص،۴۰۵،بیروت)

- آزاد عورتوں کے تمام بدن کے ستر ہونے کا بیان:

وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ یَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَ لَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ لْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُیُوْبِهِنَّ وَ لَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآىٕهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآىٕهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآىٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ وَ لَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ وَ تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔(النور،۳۱)

اور مسلمان عورتوں کو حکم دو اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی پارسائی کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ نہ دکھائیں مگر جتنا خود ہی ظاہر ہے اور وہ دوپٹے اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں اور اپنا سنگھار ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ یا شوہروں کے باپ یا اپنے بیٹے یا شوہروں کے بیٹے یا اپنے بھائی یا اپنے بھتیجے یا اپنے بھانجے یا اپنے دین کی عورتیں یا اپنی کنیزیں جو اپنے ہاتھ کی مِلک ہوں یا نوکر بشرطیکہ شہوت والے مرد نہ ہوں یا وہ بچے جنہیں عورتوں کی شرم کی چیزوں کی خبر نہیں اور زمین پر پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ جانا جائے ان کا چھپا ہوا سنگھار اور اللہ کی طرف توبہ کرو اے مسلمانو سب کے سب اس امید پر کہ تم فلاح پاؤ۔(کنزالایمان)

اور غیر مردوں کو نہ دیکھیں۔حدیث شریف میں ہے کہ ازواجِ مطہرات میں سے بعض اُمہات المؤمنین سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تھیں،اسی وقت ابنِ اُم مکتوم آئے حضور نے ازواج کو پردہ کا حکم فرمایا انہوں نے عرض کیا کہ وہ تو نابینا ہیں فرمایا تو تم تو نابینا نہیں ہو۔(ترمذی وابوداؤد) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو بھی نامَحرم کا دیکھنا اور اس کے سامنے ہونا جائز نہیں۔

اظہر یہ ہے کہ یہ حکم نماز کا ہے نہ نظر کا کیونکہ حُرہ کا تمام بدن عورت ہے،شوہر اور مَحرم کے سوا اور کسی کے لئے اس کے کسی حصہ کا دیکھنا بے ضرورت جائز نہیں اور معالجہ وغیرہ کی ضرورت سے قدرِ ضرورت جائز ہے۔(تفسیر احمدیہ)

اور انہیں کے حکم میں ہیں چچا ماموں وغیرہ تمام محارم۔حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ابوعبیدہ بن جراح کو لکھا تھا کہ کفار اہلِ کتاب کی عورتوں کو مسلمان عورتوں کے ساتھ حمام میں داخل ہونے سے منع کریں۔اس سے معلوم ہوا کہ مسلمہ عورت کو کافرہ عورت کے سامنے اپنا بدن کھولنا جائز نہیں۔

مسئلہ : عورت اپنے غلام سے بھی مثل اجنبی کے پردہ کرے۔ (مدارک وغیرہ)

ان پر اپنا سنگار ظاہر کرنا ممنوع نہیں اور غلام ان کے حکم میں نہیں، اس کو اپنی مالکہ کے مواضعِ زینت کو دیکھنا جائز نہیں۔ مثلاً ایسے بوڑھے ہوں جنہیں اصلاً شہوت باقی نہیں رہی ہو اور ہوں صالح۔

مسئلہ : ائمہ حنفیہ کے نزدیک خصی اور عِنّین حرمتِ نظر میں اجنبی کا حکم رکھتے ہیں۔

یعنی عورتیں گھر کے اندر چلنے پھرنے میں بھی پاؤں اس قدر آہستہ رکھیں کہ ان کے زیور کی جھنکار نہ سُنی جائے۔

مسئلہ : اسی لئے چاہیئے کہ عورتیں باجے دار جھانجھن نہ پہنیں حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قوم کی دعا نہیں قبول فرماتا جن کی عورتیں جھانجھن پہنتی ہوں۔ اس سے سمجھنا چاہیئے کہ جب زیور کی آواز عدمِ قبولِ دعا کا سبب ہے تو خاص عورت کی آواز اور اس کی بے پردگی کیسی موجبِ غضبِ الٰہی ہوگی، پردے کیطرف سے بے پروائی تباہی کا سبب ہے۔

(تفسیر احمدیہ، خزائن العرفان)

انکشاف ستر فساد نماز یا عدم فساد کا بیان:

علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ جب ربع عضو کا اداءِ رکن کی ادائیگی سے کم کھلا رہے تو بالاتفاق نماز فاسد نہیں ہوگی، کیونکہ قلیل وقت میں انکشاف کثیر معاف ہے، یہ اس انکشاف کا معاملہ ہے جو دورانِ نماز عارض ہو، اگر وہ انکشاف ابتداء نماز سے عارض ہو اور کھلنے والی جگہ عضو کی چوتھائی ہو تو ایسا انکشاف بالاتفاق مطلقاً انعقادِ نماز سے مانع ہے یہ اس وقت ہے جبکہ یہ کشف عورت قصد مصلی کے بغیر ہو (پس اگر ایسا کشف عورت قصد مصلی کے باعث ہو تو فقہاء کے ہاں نماز فی الفور فاسد ہو جائے گی قنیہ، حلبی نے کہا یعنی اگر چہ وہ اداءِ رکن کی ادائیگی سے کم میں ہو، مگر یہ کہ وہ فعل مصلی کسی ضرورت کی بنا پر ہو جیسے مصلی کا اپنے جوتوں کو ضائع ہونے کے خوف سے اُٹھالینا جتنے وقت میں وہ رکن نماز ادا نہ کر سکے۔ خلاصہ میں ایسے ہے۔) اور مکشوف اجزاء کو جمع کیا جائے گا (اور وہ اجزاء مثلاً نصف، چوتھائی اور تہائی ہیں) اگر ایک عضو میں کئی کشف ہوں ورنہ مقدار یعنی پیمائش کے ساتھ اندازہ کیا جائے گا پھر اگر (وہ پیمائش کے ساتھ مجموعہ) ادنیٰ عضو کے ربع کو پہنچ جائے (یعنی وہ اعضاء جو جزوی طور پر مکشوف ہیں ان میں کہ ادنیٰ عضو کے ربع کو پہنچ جائے) تو ایسا کشف نماز سے مانع ہے، (مثلاً عورت کی ران کے آٹھویں حصے کا نصف اور کان کے آٹھویں حصے کا نصف اگر کھل جائے تو پیمائش کے اعتبار سے ان دونوں کا مجموعہ ان دونوں کھلنے والے اعضاء میں سے چھوٹے عضو کان کے چوتھائی سے زیادہ بنتا ہے۔

(درمختار باب شروط الصلوۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی)

جب کسی بال، پیٹ اور ران کا ثلث کھل جائے تو حکم نماز:

(وَالشَّعْرُ وَالْبَطْنُ وَالْفَخِذُ كَذَٰلِكَ) يَعْنِي عَلَى هَٰذَا الْخِلَافِ لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ عُضْوٌ عَلَى حِدَةٍ ،

وَالْمُرَادُ بِهِ النَّازِلُ مِنَ الرَّأْسِ هُوَ الصَّحِيحُ ، وَإِنَّمَا وَضَعَ غَسْلَهُ فِي الْجَنَابَةِ لِمَكَانِ الْحَرَجِ وَالْعَوْرَةُ الْغَلِيظَةُ عَلَى هَذَا الِاخْتِلَافِ ، وَالذَّكَرُ يُعْتَبَرُ بِانْفِرَادِهِ وَكَذَا الْأُنْثَيَانِ ، وَهَذَا هُوَ الصَّحِيحُ دُونَ الضَّمِّ .

(وَمَا كَانَ عَوْرَةً مِنَ الرَّجُلِ فَهُوَ عَوْرَةٌ مِنَ الْأَمَةِ ، وَبَطْنُهَا وَظَهْرُهَا عَوْرَةٌ وَمَا سِوَى ذَلِكَ مِنْ بَدَنِهَا لَيْسَ بِعَوْرَةٍ) لِقَوْلِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ :أَلْقِي عَنْكِ الْخِمَارَ يَا دَفَارُ أَتَتَشَبَّهِينَ بِالْحَرَائِرِ ، وَلِأَنَّهَا تَخْرُجُ لِحَاجَةِ مَوْلَاهَا فِي ثِيَابِ مِهْنَتِهَا عَادَةً فَاعْتُبِرَ حَالُهَا بِذَوَاتِ الْمَحَارِمِ فِي حَقِّ جَمِيعِ الرِّجَالِ دَفْعًا لِلْحَرَجِ .

ترجمہ:

بال، پیٹ اور ران کا بھی یہی حکم ہے یعنی اسی اختلاف پر ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک عضو ہے۔ اور بالوں سے مراد یہ ہے جو سر سے نیچے کی طرف لٹکے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہی صحیح روایت ہے۔ جبکہ غسل جنابت میں ان کو دھونے کا سقوط حرج کو دور کرنے کی وجہ سے ہے۔ اور عورت غلیظہ بھی اسی اختلاف پر مبنی ہے۔ جبکہ ذکر کو علیحدہ اور خصیتان کو الگ الگ عضو شمار کیا جائے گا۔ اور صحیح روایت یہی ہے ایسا نہیں ہے کہ ان دونوں کو ملا کر ایک عضو شمار کیا جائے۔

اور جس قدر مرد کا جسم ستر ہے وہی باندی کا ستر ہے جبکہ اس کا پیٹ اور پیٹھ بھی ستر ہے۔ اور اس کے سوا سارا بدن ستر نہیں ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کی وجہ سے جب انہوں نے ایک باندی سے کہا اے وہیات! کیا تو آزاد عورتوں سے مشابہت اختیار کرتی ہے۔ کیونکہ باندی بطور عادت اپنے آقا کی ضرورتوں میں خدمت کرنے والے کپڑوں میں نکلے گی۔ لہذا تمام مردوں کے حق میں باندی کی حالت کو ذوات محارم پر قیاس کریں گے۔ تا کہ حرج کو دور کیا جائے۔

عورت کے اعضاء ستر کے بارے جامع بیان:

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ زنِ آزاد کا سارا بدن سر سے پاؤں تک سب عورت ہے مگر منہ کی ٹکلی اور دونوں ہتھیلیاں کہ یہ بالاجماع اور عبارت خلاصہ سے مستفاد کہ ناخن پا سے ٹخنوں کے نیچے جوڑ تک پشتِ قدم بھی بالاتفاق عورت نہیں، تلووں اور پشت کف دست میں اختلاف تصحیح ہے اصل مذہب یہ کہ وہ دونوں بھی عورت ہیں تو اس تقدیر پر صرف پانچ ٹکڑے مستثنیٰ ہوئے، منہ کی ٹکلی، دونوں ہتھیلیاں، دونوں پشتِ پا۔ ان کے سوا سارا بدن عورت ہے اور وہ تیس عضووں پر مشتمل کہ اُن میں جس عضو کی چوتھائی کھلے گی نماز کا وہی حکم ہوگا جو ہم نے پہلے فتوے میں اعضاء عورت مرد کی نسبت لکھا وہ بیس عضو یہ ہیں۔

(۱) سر یعنی طول میں پیشانی کے اُوپر سے گردن کے شروع تک اور عرض میں ایک کان سے دوسرے کان تک جتنی جگہ پر عادۃً بال جمتے ہیں۔

(۲) بال یعنی سر سے نیچے جو لٹکے ہوئے بال ہیں وہ جدا عورت ہیں۔ (۳) دونوں کان (۴) گردن جس میں گلا بھی

شامل ہے۔ (۵) دونوں شانے یعنی جانب پشت کے جوڑ سے شروع بازو کے جوڑ تک۔ (۶) دونوں بازو یعنی اُس جوڑ سے کہنیوں سمیت کلائی کے جوڑ تک۔

(۷) دونوں کلائیاں یعنی کہنی کے اُس جوڑ سے گٹوں کے نیچے تک۔ (۸) دونوں ہاتھوں کی پشت۔ (۹) سینہ یعنی گلے کے جوڑ سے دونوں پستان کی زیریں تک۔

(۱۰) دونوں پستانیں جبکہ اچھی طرح اُٹھ چکی ہوں یعنی اگر ہنوز بالکل نہ اُٹھیں یا خفیف نوخاستہ ہیں کہ ٹوٹ کر سینہ سے جدا عضو کی صورت نہ بنی ہوں تو اس وقت تک سینہ ہی کے تابع رہیں گی الگ عورت نہ گنی جائیں گی اور جب اُبھار کی اُس حد پر آجائیں کہ سینہ سے جدا عضو قرار پائیں تو اس وقت ایک عورت سینہ ہوگا اور دو عورتیں یہ، اور وہ جگہ کہ دونوں پستان کے بیچ میں خالی ہے اب بھی سینہ میں شامل رہے گی۔

(۱۱) پیٹ یعنی سینہ کی حد مذکور سے ناف کے کنارہ زیریں تک، ناف پیٹ ہی میں شامل ہے۔

(۱۲) پیٹھ یعنی پیٹ کے مقابل پیچھے کی جانب محاذات سینہ کے نیچے سے شروع کمر تک جتنی جگہ ہے۔

(۱۳) اُس کے اُوپر جو جگہ پیچھے کی جانب دونوں شانوں کے جوڑوں اور پیٹھ کے بیچ سینہ کے مقابل واقع ہے ظاہراً جدا عورت ہے، ہاں بغل کے نیچے سینہ کی زیریں حد تک دونوں کروٹوں میں جو جگہ ہے اُس کا اگلا حصہ سینہ میں شامل ہے اور پچھلا اسی سترھویں عضو یا شانوں میں اور زیرِ سینہ سے شروع کمر تک جو دونوں پہلو ہیں ان کا اگلا حصہ پیٹ اور پچھلا پیٹھ میں داخل ہوگا۔

(۱۴) دونوں سرین یعنی اپنے بالائی جوڑ سے رانوں کے جوڑ تک۔

(۱۵) فرج۔ (۱۶) دُبر۔ (۱۷) دونوں رانیں یعنی اپنے بالائی جوڑ سے زانوؤں کے نیچے تک دونوں زانو بھی رانوں میں شامل ہیں۔ (۱۸) زیرِ ناف کی نرم جگہ اور اس سے متصل ومقابل جو کچھ باقی ہے یعنی ناف کے کنارہ زیریں سے ایک سیدھا دائرہ کمر پر کھینچے اس دائرے کے اوپر اوپر تو سینہ تک اگلا حصہ پیٹ اور پچھلا پیٹھ میں شامل تھا اور اس کے نیچے نیچے دونوں سرین اور دونوں رانوں کے شروع جوڑ اور دُبر بالائی کنارے تک جو کچھ حصہ باقی ہے سب ایک عضو ہے عانہ یعنی بال جمنے کی جگہ بھی اسی میں داخل ہے۔ (۱۹) دونوں پنڈلیاں یعنی زیرِ زانو سے ٹخنوں تک۔ (۲۰) دونوں تلوے۔

(فتاویٰ رضویہ، کتاب الصلوٰۃ، ج ۶، رضا فاؤنڈیشن لاہور، فی تنویر الابصار والدر المختار (تنویر الابصار اور دُرِ مختار)

علامہ شامی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں

وہ جو پستانوں کے درمیان جگہ ہے تو اس بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ پستانوں کے ڈھلکنے سے پہلے پستانوں کی جگہ اور پستان کے درمیان کی جگہ سینے ہی کا حصہ تھے پھر پستان ڈھلکنے سے جدا عضو بن گئے تو پستانوں کے درمیان کی جگہ جس طرح

پہلے سینہ میں شامل تھی ویسے ہی سینہ میں داخل رہے گی یہ بات تو ظاہر ہے، باقی ناف بطن کے تابع اس لئے ہے کہ وہ ستر اور عدم ستر کے حکم میں شامل ہونے میں پیٹ کے تابع ہے، توبطن مرد جب ستر میں شامل نہیں تو مرد کی ناف بھی ستر میں شامل نہ ہوگی لیکن لونڈی کی پشت اوربطن دونوں ستر میں شامل ہیں جیسا کہ اس بارے میں شامی نے تصریح کی ہےبطن (پیٹ) وہ ہے جو آگے کی طرف نرم حصہ ہےاورظہر (پشت) اس کے مقابل پچھلا حصہ ہے کذافی الخزائن۔ شیخ رحمتی نے کہاظہر (پشت) سے مراد جسم کاوہ حصہ جوسینے سے نیچے ناف تک پیٹ کے مقابل ہے، جوہرۃ۔ یعنی جسم کا وہ حصہ جو سینے کے مقابل ہو وہ اس پشت کا ایسا حصہ نہیں جوستر میں شامل ہے۔ حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے جانب پہلوبطن کے تابع ہے قنیہ میں اسی طرح ہے، اوراوجہ (بہتر) یہ ہے کہ جوحصہ پہلوکابطن کے ساتھ متصل ہے وہ بطن کے تابع ہے۔ یعنی جو پشت کے ساتھ ملنے والا حصہ ہے وہ پشت کے تابع ہے کمافی تحفۃ الاخیار۔ (ردالمحتار باب شروط الصلوٰۃ، مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر)

کپڑے سے جب زوال نجاست کا ذریعہ نہ رکھتا ہو حکم:

قَالَ (وَمَنْ لَمْ يَجِدْ مَا يُزِيلُ بِهِ النَّجَاسَةَ صَلَّى مَعَهَا وَلَمْ يُعِدْ) وَهَذَا عَلَى وَجْهَيْنِ إنْ كَانَ رُبْعُ الثَّوْبِ أَوْ أَكْثَرُ مِنْهُ طَاهِرًا يُصَلِّي فِيهِ وَلَوْ صَلَّى عُرْيَانًا لَا يُجْزِئُهُ لِأَنَّ رُبْعَ الشَّيْءِ يَقُومُ مَقَامَ كُلِّهِ ، وَإِنْ كَانَ الطَّاهِرُ أَقَلَّ مِنْ الرُّبْعِ فَكَذَلِكَ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ ، وَهُوَ أَحَدُ قَوْلَيْ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّ فِي الصَّلَاةِ فِيهِ تَرْكَ فَرْضٍ وَاحِدٍ . وَفِي الصَّلَاةِ عُرْيَانًا تَرْكَ الْفُرُوضِ .

وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ يَتَخَيَّرُ بَيْنَ أَنْ يُصَلِّيَ عُرْيَانًا وَبَيْنَ أَنْ يُصَلِّيَ فِيهِ ، وَهُوَ الْأَفْضَلُ لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَانِعُ جَوَازِ الصَّلَاةِ حَالَةَ الِاخْتِيَارِ ، وَيَسْتَوِيَانِ فِي حَقِّ الْمِقْدَارِ فَيَسْتَوِيَانِ فِي حُكْمِ الصَّلَاةِ ، وَتَرْكُ الشَّيْءِ إلَى خَلَفٍ لَا يَكُونُ تَرْكًا وَالْأَفْضَلِيَّةُ لِعَدَمِ اخْتِصَاصِ السَّتْرِ بِالصَّلَاةِ وَاخْتِصَاصِ الطَّهَارَةِ بِهَا .

ترجمہ

اوراگرنمازی نے کوئی ایسی چیز نہ پائی جس سے وہ نجاست کوزائل کرے تو وہ اسی نجاست والے کپڑے میں نماز پڑھے اورنماز کااعادہ نہ کرے۔ اس کی دوصورتیں ہیں۔ اگر وہ کپڑا چوتھائی پاک ہویا اس سے زیادہ پاک ہوتو اسی میں نماز پڑھے اور اگربغیر کپڑوں کے پڑھی تو جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ چیز کا چوتھائی اس کے کل کے قائم مقام ہوتا ہے۔ اوراگر چوتھائی سے کم پاک ہوتو امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک ہی حکم ہے اورامام شافعی کے دواقوالوں میں سے ایک قول اسی کے موافق ہے۔ کیونکہ نجس کپڑے میں نماز پڑھنے میں ایک فرض کوچھوڑنا ہے۔ اور ننگے نماز پڑھنے سے چندفرضوں کاچھوڑنا لازم آتا ہے۔

جبکہ امام اعظم اورامام ابویوسف کے نزدیک اسے اختیار حاصل ہے خواہ وہ بغیر کپڑے کے نماز پڑھے یا اسی نجس کپڑے

میں نماز پڑھے۔ افضل قول یہی ہے کیونکہ ہر حالت اختیاری اس کیلئے جواز نماز کو مانع ہے۔ جبکہ مقدار کے حق میں دونوں برابر ہیں۔ اور کسی چیز کا جب خلیفہ موجود ہو تو اس چیز کا ترک لازم نہیں آتا۔ اور فضیلت اس لئے ہے کہ ستر نماز کے ساتھ خاص نہیں بلکہ طہارت نماز کے ساتھ خاص ہے۔

کپڑوں سے ازالہ نجاست کے اعتبار وعدم اعتبار میں فقہاء کی تصریحات:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ مصنف کی عبارت میں کلمہ ''ما'' کو جب قصر کے ساتھ پڑھیں تو اس وقت یہ تمام مانع چیزوں کو شامل ہوگا۔ ایسے ہی شارحین نے بیان کیا ہے۔ اور اس کو مد کے ساتھ پڑھنا بھی جائز ہے لیکن عموم کیلئے پہلا اولی ہے۔

احناف کے نزدیک نماز کا اعادہ نہ کیا جائے جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک نماز کا اعادہ کیا جائے گا۔ اور ننگے نماز پڑھنے میں ان کا مذہب ظاہر ہے۔

اور امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک جب کسی نے نجس کپڑے میں نماز پڑھی تو اس کا اعادہ نہ کیا جائے گا۔ جبکہ ہمارے نزدیک نجاست کا ازالہ کپڑوں سے، بدن سے اور جگہ سے کرنا نماز کی صحت کیلئے بہ قدر قدرت شرط ہے۔ فرض، نفل، نماز جنازہ، سجدہ تلاوت اور شکر میں علم وجہل اور نسیان کے درمیان فرق نہ کیا جائے گا۔ اسی طرح امام شافعی اور سلف وخلف سے جمہور فقہاء نے کہا ہے۔ امام نووی شافعی نے کہا ہے کہ امام مالک سے اس سلسلہ میں تین روایات مشہور ہیں۔ ایک یہ ہے اگر اسے علم ہے تو پھر نماز صحیح نہیں۔ البتہ نسیان اور جہل کے ساتھ جائز ہے۔ اور امام شافعی کا قدیم قول بھی یہی ہے۔ اور ان کا دوسرا قول ہمارے ساتھ ہے۔ اور تیسرے قول کے مطابق ان کے نزدیک نجاست کا ازالہ سنت ہے۔

(البنائیہ شرح الہدایہ، ج ۲، ص ۱۴۳، مکتبہ حقانیہ ملتان)

بغیر کپڑوں کے نماز پڑھنے کا طریقہ وحکم:

(وَمَنْ لَمْ يَجِدْ ثَوْبًا صَلَّى عُرْيَانًا قَاعِدًا يُومِءُ بِالرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ) هَكَذَا فَعَلَهُ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (فَإِنْ صَلَّى قَائِمًا أَجْزَأَهُ) لِأَنَّ فِي الْقُعُودِ سَتْرَ الْعَوْرَةِ الْغَلِيظَةِ ، وَفِي الْقِيَامِ أَدَاءُ هَذِهِ الْأَرْكَانِ فَيَمِيلُ إِلَى أَيِّهِمَا شَاءَ (إِلَّا أَنَّ الْأَوَّلَ أَفْضَلُ) لِأَنَّ السَّتْرَ وَجَبَ لِحَقِّ الصَّلَاةِ وَحَقِّ النَّاسِ ، وَلِأَنَّهُ لَا خَلَفَ لَهُ وَالْإِيمَاءُ خَلَفٌ عَنْ الْأَرْكَانِ .

ترجمہ:

اور جو شخص کپڑا نہ پائے تو بیٹھ کر رکوع وسجود کے اشارے کے ساتھ نماز پڑھے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ اگر اس نے ننگے کھڑے ہو کر نماز پڑھی تب بھی جائز ہے لیکن بیٹھ کر پڑھنے میں عورت غلیظہ کا ستر

زیادہ ہے۔ جبکہ کھڑے ہوکر ان ارکان کو ادا کرنا ہے۔ لہذا جس پر چاہے عمل کرے لیکن افضل پہلا طریقہ ہے۔ کیونکہ ستر نماز کے حق اور لوگوں کے حق کی وجہ سے واجب ہوا ہے۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ ستر کا کوئی خلیفہ نہیں جبکہ اشارہ ارکان نماز کا خلیفہ ہے

نماز میں ستر عورت کے بارے میں فقہی تصریحات:

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسا ہی کیا یعنی کپڑے نہ ہونے کی صورت میں بیٹھ کر اشارے کے ساتھ نماز پڑھی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کشتی پر سوار تھے کہ وہ ٹوٹ گئی۔ پس جب وہ سمندر سے باہر نکلے تو لباس سے عاری تھے تو انہوں نے بیٹھ کر اشارے کے ساتھ نماز پڑھی۔ سبط بن جوزی نے کہا ہے کہ اس کو خلال نے بھی روایت کیا ہے۔

مجتبیٰ میں ہے کہ وہ اکیلے اکیلے ایک دوسرے سے دور نماز پڑھیں۔ اور اگر وہ جماعت کے ساتھ پڑھنا چاہیں تو امام درمیان میں کھڑا ہوگا۔ اور اگر امام کو مقدم کریں تب بھی جائز ہے۔ اور وہ ارسال کریں گے اور اپنے پاؤں قبلہ کی طرح رکھیں اور اپنے دونوں ہاتھوں کو رانوں پر رکھیں۔ اور اشارے سے نماز پڑھیں اور اگر کھڑے ہوکر رکوع وسجدے کا اشارہ کیا تو بھی جائز ہے۔ یہ تمام صورتیں اس وقت جائز ہیں جب وہ گھاس وپتوں سے ستر ڈھانپنے پر قادر نہ ہوں۔

اور حسن مروزی سے روایت ہے کہ جب وہ کیچڑ پائیں تو اس سے ستر عورت کریں اور اسی کے ساتھ نماز پڑھیں جس طرح نماز پڑھی جاتی ہے۔ اور اگر وہ بعض ستر عورت پر قادر ہوئے تو ان پر اس کا استعمال لازم ہے۔ اور اس سے وہ قبل ودبر کا ستر کریں۔ (فتح القدیر، ج ۲، ص ۴، بیروت)

نیت اور تکبیر کے درمیان فاصلے کا بیان:

قَالَ (وَيَنْوِي الصَّلَاةَ الَّتِي يَدْخُلُ فِيهَا بِنِيَّةٍ لَا يَفْصِلُ بَيْنَهَا وَبَيْنَ التَّحْرِيمَةِ بِعَمَلٍ) وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ) وَلِأَنَّ ابْتِدَاءَ الصَّلَاةِ بِالْقِيَامِ وَهُوَ مُتَرَدِّدٌ بَيْنَ الْعَادَةِ وَالْعِبَادَةِ وَلَا يَقَعُ التَّمْيِيزُ إلَّا بِالنِّيَّةِ ، وَالْمُتَقَدِّمُ عَلَى التَّكْبِيرِ كَالْقَائِمِ عِنْدَهُ إذَا لَمْ يُوجَدْ مَا يَقْطَعُهُ وَهُوَ عَمَلٌ لَا يَلِيقُ بِالصَّلَاةِ وَلَا مُعْتَبَرَ بِالْمُتَأَخِّرَةِ مِنْهَا عَنْهُ لِأَنَّ مَا مَضَى لَا يَقَعُ عِبَادَةً لِعَدَمِ النِّيَّةِ ، وَفِي الصَّوْمِ جُوِّزَتْ لِلضَّرُورَةِ ، وَالنِّيَّةُ هِيَ الْإِرَادَةُ ، وَالشَّرْطُ أَنْ يَعْلَمَ بِقَلْبِهِ أَيَّ صَلَاةٍ يُصَلِّي .

أَمَّا الذِّكْرُ بِاللِّسَانِ فَلَا مُعْتَبَرَ بِهِ ، وَيَحْسُنُ ذَلِكَ لِاجْتِمَاعِ عَزِيمَتِهِ . ثُمَّ إنْ كَانَتْ الصَّلَاةُ نَفْلًا يَكْفِيهِ مُطْلَقُ النِّيَّةِ ، وَكَذَا إنْ كَانَتْ سُنَّةً فِي الصَّحِيحِ ، وَإِنْ كَانَتْ فَرْضًا فَلَا بُدَّ مِنْ تَعْيِينِ الْفَرْضِ

كَالظُّهْرِ مَثَلًا لِاخْتِلَافِ الْفُرُوضِ

(وَإِنْ كَانَ مُقْتَدِيًا بِغَيْرِهِ نَوَى الصَّلَاةَ وَمُتَابَعَتَهُ) لِأَنَّهُ يَلْزَمُهُ فَسَادُ الصَّلَاةِ مِنْ جِهَتِهِ فَلَا بُدَّ مِنَ الْتِزَامِهِ

ترجمہ:

اور جس نماز میں داخل ہوا ہے اسی کی نیت کرے۔اور وہ نیت اس طرح کرے کہ اس نیت اور تکبیر تحریمہ کے درمیان کوئی فاصلہ نہ کرے۔اور اس میں دلیل نبی کریم ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے کہ اعمال کے ثواب کا دارومدار نیتوں پر ہے۔اور یہ بھی دلیل ہے کہ نماز کی ابتداء قیام سے ہوتی ہے۔اور قیام ہی عبادت وعادت کے درمیان فرق کرنے والا ہے۔اور یہ فرق نیت ہی کے ذریعے واقع ہوگا۔اور جو نیت تکبیر سے پہلے کرلی وہی تکبیر کے وقت قائم ہوگی اس شرط کے ساتھ کہ ان کے درمیان کوئی عمل پایا جائے۔جو ان کو ختم کرنے والا ہو جو نماز کے شیان شان نہ ہو۔اور جو تکبیر نیت کے بعد کی اس کا اعتبار نہیں۔اس لئے کہ جو اس سے پہلے گزر گیا وہ عبادت شمار نہ ہوگا۔کیونکہ اس میں نیت معدوم ہے۔جبکہ روزے میں یہ نیت ضرورت کی وجہ سے جائز کی گئی ہے۔اور نیت ارادے کا نام ہے اور نیت میں شرط یہ ہے کہ وہ دل کے ساتھ جانتا ہو۔کہ وہ کونسی نماز پڑھ رہا ہے۔

بہرحال زبان کے ذکر کرنے کا حکم تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔اور اگر زبان کے ساتھ ذکر کرے تو یہ نیت وزبان کے ساتھ جمع ہونے کی وجہ سے اچھا ہے۔اگر وہ نفل نماز ہے تو اس کیلئے مطلق نیت ہی کافی ہے۔اور اگر سنت ہو تو بھی صحیح قول کے مطابق یہی حکم ہے۔اور اگر نماز فرض ہو تو فرض معین کرنا ضروری ہے جیسے نماز ظہر ہے کیونکہ فرض مختلف ہیں۔

اور اگر نمازی کسی دوسرے کی اقتداء کرنے والا ہے تو اس کیلئے اس نماز اور دوسرے کی اتباع کی نیت کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ مقتدی کو امام کی طرف سے بھی فساد لازم آتا ہے لہذا اس کی اتباع کا التزام ضروری ہے۔

نیت کیلئے تعین ضروری ہے لسانی فعل کا محتاج نہیں:

علامہ فخر الدین عثمان بن علی زیلعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اور شک نہیں کہ جو شخص نماز وقتی میں یہ بتادے گا کہ مثلاً نمازِ ظہر کا ارادہ وہ یہ بھی بتادیگا کہ آج کی ظہر شاید یہ صورت کبھی واقع نہ ہو کہ نیت کرتے وقت دریافت کرنے سے یہ تو بتادے کہ ظہر پڑھتا ہوں اور یہ سوچتا رہے کہ کب کی تو قصد قلب میں تعیین نوعی نماز کے ساتھ تعیین شخصی بھی ضروری ہوتی ہے اور اسی قدر کافی ہے، ہاں اگر کوئی شخص بالقصد ظہر غیر معین کے نیت کرے یعنی کسی خاص ظہر کا قصد نہیں کرتا بلکہ مطلق ظہر پڑھتا ہوں چاہے وہ کسی دن کی ہو تو بلاشبہ اُس کی نماز نہ ہوگی۔(تبیین الحقائق ،ج۱،ص۵۵۲، بیروت)

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔جب کوئی نمازِ عصر کی نیت بغیر کسی قید کے کرے تو اس میں اختلاف ہے، ظہیریہ میں ہے اگر کسی نے ظہر کی نیت کی تو جائز نہیں، بعض کے نزدیک جائز ہے اور یہی صحیح ہے۔لیکن یہ اس وقت ہے جب وہ نماز ادا کر رہا ہو (یعنی قضا والا نہ ہو) اگر نمازِ قضا پڑھنے والا ہو تو اگر وقت کے نکلنے کے بعد اس حال میں پڑھی ہے کہ اسے

خروج وقت کا علم نہیں ہوا تو نماز جائز نہ ہوگی۔اور شمس الائمہ کہتے ہیں اتنی نیت کافی ہے کہ میں وہ نماز پڑھتا ہوں جو مجھ پر واجب ہے اب ادا ہو یا قضاوہ یقیناً اس پر لازم تھی۔اسی طرح فتح القدیر میں فتاوٰی عتابی کے حوالے سے اس کی تصحیح کی ہے، لیکن خلاصہ میں عدم جواز پر جزم کا اظہار کیا گیا ہے اور سراج ہندی نے شرح المغنی میں اسی کو صحیح کہا جیسا کہ آپ ملاحظہ کر رہے ہیں۔تصحیح مسئلہ میں اختلاف ہے۔ردالمحتار میں نہر کے حوالے سے ہے کہ ظہیریہ کی عبارت سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ ارجح قول پر جواز ہی ہے۔(البحرالرائق شرح کنزالدقائق باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

ثواب کا دارومدار نیت پر ہے قاعدہ فقہیہ:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اعمال (کے ثواب کا دارومدار) نیتوں پر ہے۔(صحیح بخاری، ج۱،ص۲،مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

لا ثواب الا بالنية ۔ (الاشباہ والنظائر) ثواب کا دارومدار نیت پر ہے۔

نیت کا معنی:

قاموس میں ہے کہ نیت کا معنی ہے ارادہ کرنا یا کسی چیز کا ارادہ کرنا۔

ملا علی قاری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کیلئے کسی کام کی طرف دل کو متوجہ کرنا نیت کہلاتا ہے (مرقات، ج۱،ص۴۰،مکتبہ امدادیہ ملتان)

علامہ ابن نجیم المصری الحنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

ہمارے فقہاء نے یہ تصریح کی ہے کہ مذکورہ حدیث میں اعمال سے پہلے ''حکم'' مضاف مقدر مانیں گے اور معنی یہ ہوگا کہ عمل کی قبولیت یا مرذودیت کا حکم نیت کے ساتھ ہے یعنی اگر نیت اچھی ہے تو نیک عمل مقبول باعث ثواب ہوگا اور اگر نیت بری ہوئی تو عمل مردود باعث عذاب ہوگا۔(الاشباہ)

نیت کے مشروع ہونے کی وجہ:

عبادات کو عادات سے ممتاز کرنا اور اسی طرح بعض عبادات کو بعض عبادات پر امتیاز وفوقیت کا ظاہر ہونا۔جس طرح مسجد میں بیٹھنا اگر عادت کے طور پر ہو تو صرف آرام حاصل ہوگا اور اگر مسجد میں بیٹھنے والا ثواب کے حصول کا قصد وارادہ کرے تو اسے آرام اور ثواب دونوں چیزیں حاصل ہونگی۔(الاشباہ)

قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھنے کا بیان:

قَالَ (وَيَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ) ثُمَّ مَنْ كَانَ بِمَكَّةَ فَفَرْضُهُ إصَابَةُ عَيْنِهَا ، وَمَنْ كَانَ غَائِبًا فَفَرْضُهُ إصَابَةُ جِهَتِهَا هُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّ التَّكْلِيفَ بِحَسَبِ الْوُسْعِ .

(وَمَنْ كَانَ خَائِفًا يُصَلِّي إِلَى أَيِّ جِهَةٍ قَدَرَ) لِتَحَقُّقِ الْعُذْرِ فَأَشْبَهَ حَالَةَ الِاشْتِبَاهِ (فَإِنْ اشْتَبَهَتْ عَلَيْهِ الْقِبْلَةُ وَلَيْسَ بِحَضْرَتِهِ مَنْ يَسْأَلُهُ عَنْهَا اجْتَهَدَ وَصَلَّى) (لِأَنَّ الصَّحَابَةَ رِضْوَانُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ تَحَرَّوْا وَصَلَّوْا وَلَمْ يُنْكِرْ عَلَيْهِمْ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ) ، وَلِأَنَّ الْعَمَلَ بِالدَّلِيلِ الظَّاهِرِ وَاجِبٌ عِنْدَ انْعِدَامِ دَلِيلٍ فَوْقَهُ ، وَالِاسْتِخْبَارُ فَوْقَ التَّحَرِّي ۔

ترجمہ:

اور وہ قبلہ کی طرف متوجہ ہو جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: پس تم اپنے چہروں کو مسجد حرام کی طرف پھیر لو۔ اور جو شخص مکہ میں ہو اس کیلئے فرض یہ ہے کہ وہ عین کعبہ کو پائے۔ اور جو شخص غائب ہے اس کیلئے فرض یہ ہے کہ وہ قبلہ کی جہت کو پائے۔ یہی قول صحیح ہے۔ اس لئے کہ تکلیف طاقت کے مطابق دی جاتی ہے۔

اور جس شخص کو خوف لاحق ہو وہ جس سمت چاہے نماز اسی طرف پڑھ لے۔ کیونکہ اشتباہ کی وجہ سے اس کا عذر متحقق ہو گیا ہے۔ اگر کسی شخص پر قبلہ مشتبہ ہو جائے اور صورت حال یہ ہے کہ اسے کوئی بتانے والا بھی موجود نہیں جس سے وہ پوچھ سکے تو وہ اجتہاد کرے۔ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی تحری کی تھی اور نماز پڑھی تھی۔ اور نبی کریم ﷺ نے ان کو منع نہیں کیا تھا۔ اور یہ بھی ہے کہ عمل دلیل ظاہری کے مطابق کیا جاتا ہے۔ جبکہ اس سے بڑھ کر کوئی دلیل موجود نہ ہو۔ لہذا پوچھنا اجتہاد سے بڑھ کر ہے۔

شرح:

عبارت کا مطلب یہ ہے کہ غیر مکی کو ہرگز ضروری نہیں کہ اس کی توجہ عین کعبہ معظمہ کی طرف ہو بلکہ اسی جہت کی طرف منہ ہونا کافی ہے جس میں کعبہ واقع ہے تکلیف بقدر وسعت اور طاعت بحسب طاقت ہے اس سے خود ثابت ہوا کہ غیر مکہ مکرمہ میں اتنا انحراف کہ جہت سے خارج نہ کرے مضر نہیں اور اسکی تصریح نہ صرف ہدایہ بلکہ عامہ کتب مذہب میں ہے پھر مسافت بعیدہ میں ایک حد تک کثیر انحراف بھی جہت سے باہر نہ کرے گا اور در حق نماز قلیل ہی کہلائے گا اور جتنا بعد بڑھتا جائیگا انحراف زیادہ گنجائش پائے گا۔

پہلے حکم شرعی کے منسوخ اور جہت قبلہ میں نماز پڑھنے کا حکم شرعی:

حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ قرآن میں قبلہ کا حکم پہلا نسخ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی یہاں کے اکثر باشندے یہود تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھنے کا حکم دیا یہود اس سے بہت خوش ہوئے۔ آپ کئی ماہ تک اسی رخ نماز پڑھتے رہے لیکن خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چاہت قبلہ ابراہیمی کی تھی آپ اللہ سے دعائیں مانگا کرتے تھے اور نگاہیں آسمان کی طرف اٹھایا کرتے تھے بالآخر آیت (قد نری) الخ نازل ہوئی اس پر یہود کہنے

لگے کہ اس قبلہ سے یہ کیوں ہٹ گئے جس کے جواب میں کہا گیا کہ مشرق اور مغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اور فرمایا جدھر تمہارا منہ ہو ادھر ہی اللہ کا منہ ہے اور فرمایا کہ اگلا قبلہ امتحاناً تھا۔ اور روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد اپنا سر آسمان کی طرف اٹھاتے تھے اس پر یہ آیت اتری اور حکم ہوا کہ مسجد حرام کی طرف کعبہ کی طرف میزاب کی طرف منہ کرو جبرائیل علیہ السلام نے امامت کرائی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد حرام میں میزاب کے سامنے بیٹھے ہوئے اس آیت پاک کی تلاوت کی اور فرمایا میزاب کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم ہے۔ امام شافعی کا بھی ایک قول یہ ہے کہ عین کعبہ کی طرف توجہ مقصود ہے اور دوسرا قول آپ کا یہ ہے کہ کعبہ کی جہت ہونا کافی ہے اور یہی مذہب اکثر ائمہ کرام کا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مراد اس کی طرف ہے ابوالعالیہ مجاہد عکرمہ سعید بن جبیر قتادہ ربیع بن انس وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ مشرق ومغرب کے درمیان قبلہ ہے ابن جریج میں حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بیت اللہ مسجد حرام والوں کا قبلہ اور مسجد اہل حرام کا قبلہ اور تمام زمین والوں کا حرام قبلہ ہے خواہ مشرق میں ہوں خواہ مغرب میں میری تمام امت کا قبلہ یہی ہے۔ ابونعیم میں بروایت براء مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سولہ سترہ مہینے تک تو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی لیکن آپ کو پسند امر یہ تھا کہ بیت اللہ کی طرف پڑھیں چنانچہ اللہ کے حکم سے آپ نے بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو کر عصر کی نماز ادا کی پھر نمازیوں میں سے ایک شخص مسجد والوں کے پاس گیا وہ رکوع میں تھے اس نے کہا میں حلفیہ گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ شریف کی طرف نماز ادا کی یہ سن کر وہ جس حالت میں تھے اسی حالت میں بیت اللہ شریف کی طرف پھر گئے۔ (تفسیر ابن کثیر، ج ا، سورۃ البقرہ)

عبدالرزاق میں بھی یہ روایت قدرے کمی بیشی کے ساتھ مروی ہے نسائی میں حضرت ابوسعید بن معلیٰ سے مروی ہے کہ ہم صبح کے وقت مسجد نبوی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جایا کرتے تھے اور وہاں کچھ نوافل پڑھا کرتے تھے ایک دن ہم گئے تو دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ممبر پر بیٹھے ہوئے ہیں میں نے کہا آج کوئی نئی بات ضرور ہوئی ہے میں بھی بیٹھ گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت (قد نری) تلاوت فرمائی میں نے اپنے ساتھی سے کہا آؤ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوں گے اور منبر سے اترنے سے پہلے ہی ہم اس نئے حکم کی تعمیل کریں اور اول فرمانبردار بن جائیں چنانچہ ہم ایک طرف ہو گئے اور سب سے پہلے بیت اللہ شریف کی طرف نماز پڑھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی منبر سے اتر آئے اور اس قبلہ کی طرف پہلی نماز ظہر ادا کی گئی۔

ابن مردویہ میں بروایت ابن عمر مروی ہے کہ پہلی نماز جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کی طرف ادا کی وہ ظہر کی نماز ہے اور یہی نماز صلوٰۃ وسطیٰ ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ پہلی نماز کعبہ کی طرف عصر کی ادا کی ہوئی اسی وجہ سے اہل قبا کو دوسرے دن صبح کے

وقت اطلاع پہنچی۔

ابن مردویہ میں روایت نویلہ بنت مسلم موجود ہے کہ ہم مسجد بنو حارثہ میں ظہر یا عصر کی نماز بیت المقدس کی طرف منہ کئے ہوئے ادا کر رہے تھے دو رکعت پڑھ چکے تھے کہ کسی نے آ کر قبلہ کے بدل جانے کی خبر دی۔ چنانچہ ہم نماز میں بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو گئے اور باقی نماز اسی طرف ادا کی، اس گھومنے میں مرد عورتوں کی جگہ اور عورتیں مردوں کی جگہ آ گئیں، آپ کے پاس جب یہ خبر پہنچی تو خوش ہو کر فرمایا یہ ہیں ایمان بالغیب رکھنے والے۔

ابن مردویہ میں بروایت عمارہ بن اوس مروی ہے کہ رکوع کی حالت میں ہمیں اطلاع ہوئی اور ہم سب مرد عورتیں بچے اسی حالت میں قبلہ کی طرف گھوم گئے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے تم جہاں بھی ہو مشرق مغرب شمال یا جنوب میں ہر صورت نماز کے وقت منہ کعبہ کی طرف کر لیا کرو۔ ہاں البتہ سفر میں سواری پر نفل پڑھنے والا جدھر سواری جا رہی ہو ادھر ہی نفل ادا کرنے کیلئے اس کے دل کی توجہ کعبہ کی طرف ہونی کافی ہے۔

اسی طرح میدان جنگ میں نماز پڑھنے والا جس طرح اور جس طرف بن پڑے نماز ادا کر لے اور اسی طرح وہ شخص جسے قبلہ کی جہت کا قطعی علم نہیں وہ اندازہ سے جس طرف زیادہ دل مانے نماز ادا کر لے۔ پھر اگر اس کی نماز فی الواقع قبلہ کی طرف نہ بھی ہوئی ہو تو بھی وہ اللہ کے ہاں معاف ہے۔

مسئلہ مالکیہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ نمازی حالت نماز میں اپنے سامنے اپنی نظریں رکھے نہ کہ سجدے کی جگہ جیسے کہ شافعی، احمد اور ابوحنیفہ کا مذہب ہے اس لیے کہ آیت کے الفاظ یہ ہیں کہ منہ مسجد الحرام کی طرف کرو اور اگر سجدے کی جگہ نظر جمانا چاہے گا تو قدرے جھکنا پڑے گا اور یہ تکلیف کمال خشوع کے خلاف ہو گا بعض مالکیہ کا یہ قول بھی ہے کہ قیام کی حالت میں اپنے سینہ کی طرف نظر رکھے قاضی شریک کہتے ہیں کہ قیام کے وقت سجدہ کی جگہ نظر رکھے جیسے کہ جمہور جماعت کا قول ہے اس لئے کہ یہ پورا پورا خشوع خضوع ہے اور اور ایک حدیث بھی اس مضمون کی وارد ہوئی ہے اور رکوع کی حالت میں اپنے قدموں کی جگہ پر نظر رکھے اور سجدے کے وقت ناک کی جگہ اور التحیات کے وقت اپنی گود کی طرف پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہ یہودی جو چاہیں باتیں بنائیں لیکن ان کے دل جانتے ہیں کہ قبلہ کی تبدیلی اللہ کی جانب سے ہے اور برحق ہے کیونکہ یہ خود ان کی کتابوں میں بھی موجود ہے لیکن یہ لوگ کفر و عناد اور تکبر و حسد کی وجہ سے اسے چھپاتے ہیں اللہ بھی ان کی ان کرتوتوں سے بے خبر نہیں۔

قبلہ کی طرف متوجہ ہونے میں احادیث کا بیان:

امام مسلم علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت سیدنا ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے مسجد میں داخل ہو کر نماز پڑھی اور رسول اللہ ﷺ مسجد کے ایک گوشہ میں تشریف فرما تھے۔ اس کے بعد پوری حدیث بیان کرتے

ہوئے آخر میں فرمایا کہ جب تم نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتو اچھی طرح وضو کرو، پھر قبلہ رو کھڑے ہو اور اسکے بعد تکبیر کہو۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث 261)

جہاں کہیں ہو نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنا ضروری ہے:

حضرت سیدنا جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ اپنی سواری پر، جس سمت بھی وہ رخ کرتی (اسی سمت نفل) نماز پڑھتے رہتے اور جب فرض (نماز پڑھنے) کا ارادہ فرماتے تو اتر پڑتے اور قبلہ کی طرف منہ کر لیتے۔

امام بخاری علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے نماز پڑھی، ابراہیم راوی ہیں علقمہ سے اور علقمہ راوی ہیں سیدنا ابن مسعودؓ سے، وہ کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ آپ ﷺ نے (نماز میں کچھ) زیادہ کر دیا تھا یا کم کر دیا تھا، پھر جب آپ ﷺ سلام پھیر چکے تو آپ سے کہا گیا کہ یارسول اللہ! کیا نماز میں کوئی نئی بات ہوگئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ کیا؟ لوگوں نے کہا کہ آپ نے اس قدر نماز پڑھی۔ پس آپ ﷺ نے اپنے دونوں پاؤں کو سمیٹ لیا اور قبلہ کی طرف منہ کر لیا اور دو سجدے کیے، بعد اس کے سلام پھیرا۔ پھر جب ہماری طرف منہ کیا تو فرمایا: اگر نماز میں کوئی نیا حکم ہو جاتا تو میں تمہیں (پہلے سے) مطلع کرتا، لیکن میں تمہاری طرح ہی ایک بشر ہوں، جس طرح تم بھولتے ہو، میں بھی بھول جاتا ہوں۔ لہٰذا جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلاؤ اور جب تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں شک کرے تو اسے چاہیے کہ ٹھیک بات سوچ لے اور اسی پر نماز تمام کرے، پھر سلام پھیر کر دو سجدے (سہو کے) کرے۔ (بخاری، ج۱،ص ۵۸، قدیمی کتب خانہ کراچی)

احکام میں ظاہر پر عمل کیا جاتا ہے قاعدہ فقہیہ:

احکام میں ظاہر پر عمل کیا جاتا ہے اور باطن کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔

اس کا ثبوت یہ اصل ہے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک لشکر کے ساتھ روانہ کیا ہم صبح سویرے ہی قبیلہ جہینہ کی بستیوں میں پہنچ گئے میں نے ایک آدمی پر حملہ کیا اس نے کہا "لا الہ الا اللہ" لیکن میں نے اس کو قتل کر دیا، پھر مجھے اس فعل کے بارے میں کچھ تردد ہوا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس واقعہ کا ذکر کیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے اس شخص کے کلمہ پڑھنے کے باوجود تم نے اسے قتل کر دیا؟ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ اس نے اپنی جان کے خوف سے کلمہ پڑھا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھا؟ جس سے تم کو پتہ چل جاتا کہ اس نے دل سے کلمہ پڑھا تھا یا نہیں، رسول اللہ ﷺ بار بار یہی کلمات دہراتے رہے حتیٰ کہ میں نے تمنا کی کاش! میں اس وقت اسلام لایا ہوتا۔ (صحیح مسلم، ج۱،ص ۶۷، قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس قاعدہ سے بہت سے مسائل کا استنباط ہوتا ہے۔ مثلاً خاص کر حدود کے بارے میں کہ جب گواہوں کی شہادت پوری نہ ہو، حالانکہ اگر تین گواہوں نے قسم کھا کر بھی کہا کہ ہم نے زنا اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے تو حد ثابت نہ ہوگی اگر چہ ان کے نزدیک حقیقت یہی ہے کہ زنا ہوا ہے لیکن چونکہ گواہی کا نصاب چار گواہوں کا ہے اس لئے حکم حد ثابت نہ ہوگا بلکہ حد کا معاملہ اللہ کے سپرد کردیا جائے گا۔

استقبال قبلہ کے چند مسائل:

پوری نماز میں خانہ کعبہ کی طرف منہ کرنا نماز کی شرط اور ضروری حکم ہے لیکن چند صورتوں میں اگر قبلہ کی طرف منہ نہ کرے پھر بھی نماز جائز ہے مثلاً

مسئلہ -: جو شخص دریا میں کسی تختہ پر بہا جارہا ہو اور صحیح اندیشہ ہو کہ منہ پھیرنے سے ڈوب جائے گا اس طرح کی مجبوری سے وہ قبلہ کی طرف منہ نہیں کرسکتا۔ تو اس کو چاہیئے کہ جس رخ بھی نماز پڑھ سکتا ہو پڑھ لے۔ اس کی نماز ہوجائے گی اور بعد میں اس نماز کو دہرانے کی بھی ضرورت نہیں۔ (بہارِ شریعت)

مسئلہ -: بیمار میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ قبلہ کی طرف منہ کرسکے اور وہاں دوسرا ایسا کوئی آدمی بھی نہیں جو کعبہ کی طرف اس کا منہ کرادے۔ تو وہ اس مجبوری کی حالت میں جس طرف بھی منہ کر کے نماز پڑھ لے گا اس کی نماز ہوجائے گی اور اس نماز کو بعد میں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ (بہارشریعت وردالمحتار)

مسئلہ -: چلتی ہوئی کشتی میں اگر نماز پڑھے تو تکبیر تحریمہ کے وقت قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز شروع کرے اور جیسے جیسے کشتی گھومتی جائے خود بھی قبلہ کی طرف منہ پھیرتا رہے چنانچہ فرض نماز ہو یا نفل۔ (غنیۃ)

مسئلہ -: اگر یہ نہ معلوم ہو کہ قبلہ کدھر ہے اور وہاں کوئی بتانے والا بھی نہ ہو تو نمازی کو چاہیئے کہ اپنے دل میں سوچے اور جدھر قبلہ ہونے پر دل جم جائے اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے۔ اس کے حق میں وہی قبلہ ہے۔ (منیۃ المصلی وغیرہ)

مسئلہ -: جس طرف دل جم گیا تھا ادھر منہ کر کے نماز پڑھ رہا تھا پھر درمیان نماز ہی میں اس کی یہ رائے بدل گئی کہ قبلہ دوسری طرف ہے یا اس کو اپنی غلطی معلوم ہوگئی تو اس پر فرض ہے کہ فوراً ہی اُس طرف گھوم جائے اور پہلے جتنی رکعتیں پڑھ چکا ہے اس میں کوئی خرابی نہیں آئے گی اس طرح اگر نماز میں اس کو چاروں طرف بھی گھومنا پڑا پھر بھی اس کی نماز ہوجائے گی اور اگر رائے بدلتے ہی یا غلطی ظاہر ہوتے ہی دوسری طرف نہیں گھوما۔ اور تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کے برابر دیر لگادی تو اس کی نماز نہ ہوگی۔ (درمختار وردالمحتار ج 1 ص(491)

مسئلہ -: نمازی نے اگر بلا عذر قصداً جان بوجھ کر قبلہ سے سینہ پھیر دیا اور اگر چہ فوراً ہی اُس نے قبلہ کی طرف سینہ پھیر لیا پھر بھی اس کی نماز ٹوٹ گئی اور وہ پھر سے نماز پڑھے اور اگر نماز میں بلا قصد وارادہ قبلہ سے سینہ پھر گیا اور فوراً ہی وہ قبلہ کی طرف سینہ

کرلیا تو اس کی نماز ہوگئی۔(منیۃ المصلی)

مسئلہ :۔اگر صرف منہ قبلہ سے پھیر لیا اور سینہ قبلہ سے نہیں پھیرا تو اس پر واجب ہے کہ فوراً ہی وہ قبلہ کی طرف منہ کرلے۔اس کی نماز ہوجائے گی مگر بلا عذر ایک سیکنڈ کیلئے بھی قبلہ سے چہرہ پھیر لینا مکروہ ہے۔(منیہ المصلی)

مسئلہ :۔اگر نمازی نے قبلہ سے نہ سینہ پھیرا نہ چہرہ بلکہ صرف آنکھوں کو پھیر پھیر کر ادھر اُدھر دیکھ لیا۔تو اس کی نماز ہوجائے گی مگر ایسا کرنا مکروہ ہے۔

تحری میں غلطی کرنے والا کیلئے اعادہ نماز کا حکم:

(فَإِنْ عَلِمَ أَنَّهُ أَخْطَأَ بَعْدَمَا صَلَّى لَا يُعِيدُهَا) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ :يُعِيدُهَا إذَا اسْتَدْبَرَ لِتَيَقُّنِهِ بِالْخَطَإِ، وَنَحْنُ نَقُولُ :لَيْسَ فِي وُسْعِهِ التَّوَجُّهُ إلَى جِهَةِ التَّحَرِّي وَالتَّكْلِيفُ مُقَيَّدٌ بِالْوُسْعِ

(وَإِنْ عَلِمَ ذَلِكَ فِي الصَّلَاةِ اسْتَدَارَ إلَى الْقِبْلَةِ وَبَنَى عَلَيْهِ) لِأَنَّ أَهْلَ قُبَاءٍ لَمَّا سَمِعُوا بِتَحَوُّلِ الْقِبْلَةِ اسْتَدَارُوا كَهَيْئَتِهِمْ فِي الصَّلَاةِ ، وَاسْتَحْسَنَهُ النَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ، وَكَذَا إذَا تَحَوَّلَ رَأْيُهُ إلَى جِهَةٍ أُخْرَى تَوَجَّهَ إلَيْهَا لِوُجُوبِ الْعَمَلِ بِالِاجْتِهَادِ فِيمَا يَسْتَقْبِلُ مِنْ غَيْرِ نَقْضِ الْمُؤَدَّى قَبْلَهُ .

ترجمہ:

اگر کسی شخص کو نماز پڑھنے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ وہ غلط سمت میں تھا تو وہ نماز کا اعادہ نہیں کرے گا۔اور امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں اگر وہ دوران نماز پھرا ہے تو پھر وہ اعادہ کرے گا۔کیونکہ اس کو غلطی کا یقین ہوگیا ہے۔جبکہ فقہاء احناف کہتے ہیں کہ جہت قبلہ کی طرف متوجہ ہونے میں اس کی وسعت کے سوا اس پر کچھ لازم نہیں۔اور تکلیف وسعت کے ساتھ مقید ہے۔

اور اگر اس شخص کو نماز کے اندر ہی معلوم ہوا کہ وہ غلطی پر ہے تو وہ نماز کے اندر ہی قبلہ کی طرف پھر جائے۔اس لئے کہ اہل قباء نے جب تحویل قبلہ کا حکم سنا تو وہ نماز ہی میں پھر گئے تھے۔اور ان کے اس فعل کو نبی کریم ﷺ نے اچھا کہا تھا۔اور اسی طرح نماز میں اس کے رائے دوسرے طرف تبدیل ہوگئی تو وہ اسی جانب پھر جائے کیونکہ آئندہ نماز والے حصے کو اجتہاد کے مطابق عمل کرنا واجب ہے۔جبکہ پہلے اجتہاد کو بھی نہیں توڑا جائے گا۔کیونکہ وہ اجتہاد سے ادا کیا گیا تھا۔

تحری کی صورت میں تبدیلی جہت میں امام شافعی کے مؤقف اعادہ نماز کا جواب:

امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک جب اسے پہلی جانب نماز پڑھنے کی صورت میں یقین ہوگیا کہ وہ غلطی پر ہے تو وہ دوسری جانب پھر جائے جبکہ پہلی پڑھی ہوئی نماز باطل ہوجائے گی کیونکہ وہ غلط جہت پر تھی۔لہذا وہ اس کا اعادہ کرے گا۔لیکن احناف کے نزدیک اس پر اعادہ نہیں ہے۔کیونکہ اس نے پہلی بھی اجتہاد کے مطابق پڑھی اور دوسری جہت بھی اجتہاد کے مطابق ہے۔اور اگر اجتہاد میں خطاء بھی ہو تو اس پر اجر مرتب ہوتا ہے۔جس طرح حدیث مبارکہ میں ہے۔

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔حضرت سیدنا عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب حاکم سوچ کر کوشش سے فیصلہ کرے پھر صحیح کرے تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور جو سوچ کر فیصلہ دے اور غلطی کر بیٹھے تو اس کے لئے ایک اجر ہے۔(صحیح مسلم ،رقم ۱۰۵۶)

قبلہ کے متعلق کیا وارد ہوا ہے اور جس نے اس شخص کے لیے جو بھول کر قبلہ کے علاوہ کسی اور طرف نماز پڑھے نماز کا دہرانا ضروری نہیں سمجھا؟

امیر المومنین سیدنا عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے پروردگار سے تین باتوں میں موافقت کی میں نے (ایک مرتبہ) کہا کہ یارسول اللہ ! کاش ہم مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنالیں پس یہ آیت نازل ہوئی اور مقام ابراہیم پر نماز ادا کرو۔ (البقرہ:) اور حجاب کی آیت بھی میری خواہش کے مطابق نازل ہوئی۔ میں نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ ! کاش آپ ﷺ اپنی بیویوں کو پردہ کرنے کا حکم دے دیں، اس لیے کہ ان سے ہر نیک و بد گفتگو کرتا ہے۔پس حجاب کی آیت نازل ہوئی اور (اور ایک مرتبہ) نبی ﷺ کی بیویاں آپ ﷺ پر جوش میں (آ کر) جمع ہوئیں تو میں نے ان سے کہا کہ اگر وہ (نبی ﷺ) تم کو طلاق دے دیں تو عنقریب ان کا رب انہیں تم سے اچھی بیویاں تمہارے بدلے میں دے دے گا۔ (التحریم:) پس یہی آیت نازل ہوئی۔(بخاری، رقم ،۲۶۴)

امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔حضرت عامر بن ربیعہ فرماتے ہیں کہ ایک سفر میں ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے کہ آسمان پر بادل چھا گیا اور ہم پر قبلہ مشتبہ ہو گیا ہم نے نماز پڑھ لی اور (جس طرف نماز پڑھی تھی اس طرف) نشانی لگا دی جب سورج نکلا تو معلوم ہوا کہ ہم نے قبلہ کے علاوہ اور طرف نماز پڑھ لی ہے تو ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس کا تذکرہ کیا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی پس تم جدھر بھی منہ کر دادھر ہی اللہ کی جہت ہے یعنی وہ جہت جس طرف تمہیں نماز کا حکم ہے۔(سنن ابن ماجہ)

حضرت سیدنا انسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے گدھے پر سوار ہو کر نماز پڑھی اور ان کا منہ قبلہ کے بائیں طرف تھا (جب وہ نماز پڑھ چکے) تو پوچھا گیا کہ آپ نے خلاف قبلہ نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں (کبھی) ایسا نہ کرتا۔(بخاری،۵۸۳)

ایک اجتہاد کا دوسرے اجتہاد کو منسوخ نہ کرنے کا قاعدہ فقہیہ:

الاجتهاد لا ينقض بالاجتهاد (الاشباہ ص ۵۳)

ایک اجتہاد دوسرے اجتہاد کے ذریعے منسوخ نہیں ہوتا کیونکہ دوسرا اجتہاد پہلے اجتہاد سے قوی نہیں ہوتا۔

اس قاعدہ کا ثبوت اجماع ہے۔کیونکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت سارے ایسے مسائل کا فیصلہ فرمایا ہے جبکہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسے کئی مسائل میں ان سے اجتہاداً اختلاف کیا ہے مگر انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم و فیصلہ کو منسوخ نہیں کیا۔ (الاشباہ)

اجتہاد کا شرعی معنی:

علامہ سید شریف لکھتے ہیں۔ کہ اجتہاد کا لغوی معنی ہے کوشش کرنا'' جبکہ اصطلاح شرع میں کسی مسئلہ شرعیہ میں کتاب و سنت سے استدلال میں ذہنی وفکری قوت کو تصرف میں لانا اجتہاد کہلاتا ہے۔ (کتاب التعریفات ص ۴، مطبوعہ انتشارات، ایران)

۲۔ اجتہاد کا ثبوت:

قرآن مجید میں آتا ہے۔ ترجمہ: اور داؤد اور سلیمان (علیہما السلام) کو یاد کیجئے جب وہ ایک کھیت کا فیصلہ کر رہے تھے جب کچھ لوگوں کی بکریوں نے رات میں اس کھیت کو چر لیا تھا اور ہم ان کے فیصلہ کو دیکھ رہے تھے پس ہم نے اس کا صحیح فیصلہ سلیمان (علیہ السلام) کو سمجھا دیا اور ہم نے دونوں کو حکومت اور علم عطا فرمایا تھا۔ (الانبیاء ۷۹، ۷۸)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ دو آدمی حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آئے ان میں سے ایک کھیت کا مالک تھا اور دوسرا بکریوں کا مالک تھا کھیت کے مالک نے کہا۔ اس آدمی نے اپنی بکریاں میرے کھیت میں ہانک دیں اور میرے کھیت میں سے کوئی چیز باقی نہیں بچی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: جاؤ یہ ساری بکریاں تیری ہیں۔ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ تھا۔ پھر بکریوں والا حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس گیا اور ان کو حضرت داؤد علیہ السلام کا کیا ہوا فیصلہ بتایا۔ تب حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس گئے اور کہا اے اللہ کے نبی؛ آپ نے جو فیصلہ کیا ہے اس کے سوا ایک اور فیصلہ ہے حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: وہ کیا ہے حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: کھیت والے کو تو معلوم ہے کہ ہر سال اسکی کتنی فصل ہوتی ہے وہ اس فصل کی قیمت بکریوں والے سے وصول کرے اور بکریوں والا بکریوں کے بال، اون اور ان کے بچوں کو بیچ کر وہ قیمت ادا کرے۔ جبکہ بکریوں کی نسل تو ہر سال چلتی رہتی ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: تم نے صحیح فیصلہ کیا اور فیصلہ یہی ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث ۱۸۶۵۶)

بچے کا فیصلہ:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: دو عورتیں تھیں اور ان کے ساتھ دو بچے تھے بھیڑیا آیا اور ان میں سے ایک کے بچے کو کھا گیا۔ ایک نے دوسری سے کہا کہ بھیڑیے نے تمہارے بچے کو کھایا اور دوسری نے کہا بھیڑیے نے تمہارے بچے کو کھایا ہے پھر ان دونوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس مقدمہ پیش کیا تو حضرت داؤد علیہ السلام نے بڑی عورت کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ پھر وہ دونوں عورتیں حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس گئیں اور اپنا مقدمہ پیش کیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: مجھے چھری لا کر دو۔ میں اس بچے کو کاٹ کر دو ٹکڑے کر دیتا ہوں پھر اس کو تم

دونوں کے درمیان تقسیم کروں گا۔ تب چھوٹی عورت نے کہا کہ نہیں؛ اللہ آپ پر رحم کرے یہ اسی کا بچہ ہے۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس چھوٹی عورت کے حق میں بچے کا فیصلہ کر دیا۔ (مسلم، ج ۲، ص ۷۷، قدیمی کتب خانہ کراچی)

قرآن سنت سے مذکورہ دونوں مسائل سابقہ شریعتوں سے ذکر کیے گیے ہیں اب ہم اجتہاد کا بوت موجودہ شریعت یعنی شریعت مصطفویہ ﷺ سے اجتہاد کا ثبوت پیش کررہے ہیں۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا اور پوچھا تم کس طرح فیصلہ کرو گے۔ انہوں نے کہا میں اللہ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا: اگر کتاب اللہ میں تصریح نہ ہو؟ انہوں نے کہا پھر میں رسول اللہ ﷺ کی سنت سے فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا: اگر رسول اللہ ﷺ کی سنت میں تصریح نہ ہو؟ انہوں نے کہا پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے نمائندہ کو توفیق دی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب حاکم اجتہاد سے کوئی فیصلہ کرے اور وہ صحیح ہو تو اس کو دو اجر ملتے ہیں اور جب وہ فیصلہ کرنے میں خطاء کرے تو اس کو ایک اجر ملتا ہے۔

(جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۵۹، ۱۵۸، قدیمی کتب خانہ کراچی)

۳۔ چار رکعات چار سمتوں کی طرف:

اگر نمازی کو قبلہ کی سمت میں اجتہادی رائے سے تبدیلی آجائے تو وہ اپنے دوسرے اجتہاد کے مطابق عمل کرسکتا ہے لیکن اس صورت میں اس کا پہلا اجتہاد بھی درست رہے گا حتیٰ کہ اگر اس نے اپنی رائے اور اجتہاد کے مطابق چاروں رکعات مختلف چار سمتوں کی طرف رخ کرکے ادا کرلیں تو اسکی نماز ہوجائے گی اور اس پر ان کی قضاء نہیں ہے۔ (الاشباہ ص ۱۵۱)

انتباہ:

اگر حاکم نے کوئی حکم دیا اور اسکے بعد اسکی اجتہادی رائے تبدیل ہوگئی ہو تو اُسکا پہلا حکم برقرار رہے گا مگر آئندہ وہ اپنے دوسرے اجتہاد کے مطابق حکم دیا کرے گا۔

۴۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے پہلے اجتہاد کو منسوخ نہیں کیا:

جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس سلطنت کا کام بہت ہوگیا تو انہوں نے عدالت کا کام، حضرت ابوالارداء رضی اللہ عنہ کے سپرد کردیا۔ اسی دوران ایک مرتبہ دو آدمیوں کا مقدمہ ان کے سامنے پیش کیا گیا تو حضرت ابوالارداء نے ایک کے خلاف فیصلہ کردیا۔ تو وہ شخص حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان کے دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ فیصلہ تو میرے خلاف ہوا ہے۔ تو اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میں انکی جگہ پر ہوتا تو میں تمہارے حق میں فیصلہ کرتا تو اس شخص نے کہا کہ اب آپ کو فیصلہ کرنے میں کون سی چیز مانع ہے آپ نے فرمایا: کیونکہ اس معاملہ میں کوئی نص شرعی وارد

نہیں۔اس لئے اجتہاداوررائے دونوں برابر ہیں۔

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے پہلے سال میراث کے ایک مسئلہ میں جو حجریہ یا مشترکہ کے نام سے مشہور ہے کہ سگے بھائی کو کچھ نہ دیا جائے۔جب دوسرا سال آیا تو انہوں نے پھرایسا فیصلہ کرنا چاہا تو سگے بھائی نے احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ اخیافی بھائی اپنی والدہ کی طرف سے جوکہ میری بھی ماں ہے وارث بنے ہیں،فرض کریں کہ ہمارا باپ گدھا تھایا ایک پتھر تھا جسے سمندر میں پھینک دیا گیا تو کیا ہم سب کی ماں ایک نہیں؟ اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کو بھی بھائیوں کے ساتھ شریک کر دیا لوگوں نے کہا۔آپ نے گذشتہ سال اس کے خلاف فیصلہ کیا تھا آپ نے فرمایا: وہ مسئلہ اس فیصلہ کے مطابق تھا جو ہم کر چکے ہیں اور یہ مسئلہ اس فیصلہ کے مطابق ہے جو ہم اب کر رہے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ ایک اجتہاد دوسرے اجتہاد سے باطل یا منسوخ نہیں ہوتا۔(الطرق الحکمیہ ص ۲۷،دارنشر الکتب الاسلامیہ لاہور)

تعین جہت کعبہ کیلئے محراب کے استعمال میں فقہی تصریحات:

جہت کعبہ دلیل کے ذریعہ پہچانی جاسکتی ہے اور دلیل شہروں اور دیہاتوں میں وہ محراب ہیں جو صحابہ کرام وتابعین رضی اللہ عنھم اجمعین نے قائم کئے،صحابہ نے جب عراق کا علاقہ فتح کیا تو اُنہوں نے وہاں کے لوگوں کیلئے مشرق ومغرب کے درمیان جہت کعبہ مقرر کی اس لئے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا عراقی مغرب کو اپنی دائیں طرف اور مشرق کو اپنی بائیں طرف کرلے۔

اسی طرح امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا، یہ انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کی اتباع میں کہا ہے جس میں ہے کہ جب تم مغرب کو اپنی دائیں اور مشرق کو اپنی بائیں طرف کرلے تو ان کے درمیان اہل عراق کا قبلہ ہے۔اور جب صحابہ نے خراسان فتح کیا تو وہاں کے رہنے والوں کے لئے موسم گرما کے مغرب اور موسم سرما کے مغرب کے درمیان کو قرار دیا۔پس ہم پر ان کی اتباع لازم ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مروی ہے کہ اُنہوں نے اہل رے کے لئے قبلہ کا تعین کرتے ہوئے فرمایا: جدی (ستارہ) کا اپنے بائیں کاندھے پر کرو۔ان کے علاوہ دیگر شہروں کے بارے میں مشائخ کرام رحمھم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے۔بعض کا قول یہ ہے کہ جب بنات نعش صغریٰ کو اپنے دائیں کان پر کرتے ہوئے تھوڑا سا اپنی بائیں طرف پھر جاؤ یہی تمہارا قبلہ ہے۔اور بعض کا قول یہ ہے کہ جدی (ستارہ) کو جب اپنے بائیں کان کے پیچھے کرلے تو یہ تیرا قبلہ ہے

اور حضرت عبداللہ ابن مبارک،ابومطیع،ابومعاذ،سلم بن سالم اور علی بن یونس رحمھم اللہ عنھم فرماتے ہیں کہ ہمارا قبلہ عقرب (ستارہ) ہے۔اور بعض کا کہنا یہ ہے کہ سورج بُرج جوزا میں ہو تو ظہر کے آخری وقت میں جب تو سورج کی طرف اپنے چہرے کو پھیر لے تو یہی تمھارا قبلہ ہے۔

اور فقیہ ابوجعفر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب تم چہرہ مغارب کے سامنے کی طرف کرو تو نسر واقع تمھارے دائیں کاندھے کے برابر اور نسر طائر چہرے میں تمھاری دائیں آنکھ کے مقابل ہوگا جو ان کے درمیان ہو وہ قبلہ ہے۔فرمایا اور بخارا کا

قبلہ ہمارے ہی قبلہ پر ہے اور امام قاضی صدرالاسلام کا قول ہے کہ قبلہ دونوں نسروں کے درمیان ہے۔

شیخ الاسلام ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ تم سال کے بڑے دنوں میں سورج کے مغرب کی طرف دیکھو اس طرح سال کے چھوٹے دنوں میں دیکھو پھر اپنی دائیں جانب سے دو تہائی اور بائیں جانب سے ایک تہائی چھوڑ دو تو یہ سمت قبلہ ہے۔ یہ تمام اقوال ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں۔ (فتاویٰ قاضی خان، کتاب الصلوٰۃ، ج ا،ص ۳۴ لکھنو)

اندھیری رات میں پڑھائی جانے والی نماز میں تحری کا حکم:

قَالَ (وَمَنْ أَمَّ قَوْمًا فِي لَيْلَةٍ مُظْلِمَةٍ فَتَحَرَّى الْقِبْلَةَ وَصَلَّى إلَى الْمَشْرِقِ وَتَحَرَّى مَنْ خَلْفَهُ فَصَلَّى كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ إلَى جِهَةٍ وَكُلُّهُمْ خَلْفَهُ وَلَا يَعْلَمُونَ مَا صَنَعَ الْإِمَامُ أَجْزَأَهُمْ) لِوُجُودِ التَّوَجُّهِ إلَى جِهَةِ التَّحَرِّي ، وَهَذِهِ الْمُخَالَفَةُ غَيْرُ مَانِعَةٍ كَمَا فِي جَوْفِ الْكَعْبَةِ (وَمَنْ عَلِمَ مِنْهُمْ بِحَالِ إمَامِهِ تَفْسُدُ صَلَاتُهُ) لِأَنَّهُ اعْتَقَدَ أَنَّ إمَامَهُ عَلَى الْخَطَإِ (وَكَذَا لَوْ كَانَ مُتَقَدِّمًا عَلَيْهِ) لِتَرْكِهِ فَرْضَ الْمَقَامِ

ترجمہ:

اور جس شخص نے لوگوں کو اندھیری رات تحری کے ساتھ نماز پڑھائی۔ اور اس نے تحری کی کہ قبلہ جانب مشرق ہے۔ اور امام کے پیچھے نماز پڑھنے والوں میں ہر ایک نے نماز میں تحری کی۔ لہذا ان میں سے ہر ایک نے الگ طرف نماز پڑھی۔ حالانکہ وہ سب ہی امام کے پیچھے تھے۔ اور انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ امام نے کیا عمل کیا ہے۔ تو ان کی نماز جائز ہے۔ کیونکہ تحری کی جانب ان کی توجہ پائی گئی ہے۔ اور تحری کی مخالفت مانع نماز نہیں ہے۔ جس طرح جوف کعبہ کے مسئلہ میں ہے۔ اور ان مقتدیوں میں سے جس نمازی نے اپنے امام کی حالت معلوم کر لی تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ اس نے اپنے امام کو غلطی پر گمان کیا ہے۔ اور اسی طرح اگر وہ شخص امام سے آگے بڑھا تو بھی اسکی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ اس مقام فرض ترک کیا ہے۔

جہت کعبہ کی مثال سے مسئلہ تحری کے قیاس کا حکم:

صاحب طحطاوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ عبارت کا مطلب یہ ہے کہ غیر مکی کو ہرگز ضروری نہیں کہ اس کی توجہ عین کعبہ معظمہ کی طرف ہو بلکہ اسکی جہت کی طرف منہ ہونا کافی ہے جس میں کعبہ واقع ہے تکلیف بقدر وسعت اور طاعت بحسب طاقت ہے اس سے خود ثابت ہوا کہ غیر مکہ مکرمہ میں اتنا انحراف کہ جہت سے خارج نہ کرے مضر نہیں اور اسکی تصریح نہ صرف ہدایہ بلکہ عامہ کتب مذہب میں ہے۔ پھر مسافت بعیدہ میں ایک حد تک کثیر انحراف بھی جہت سے باہر نہ کرے گا اور در حق نماز قلیل ہی کہلائے گا اور جتنا بُعد بڑھتا جائیگا انحراف زیادہ گنجائش پائے گا۔ بحر الرائق وطحطاوی علی الدر وغیرہما میں ہے: المسامتة التقريبية هو ان يكون منحرفا عن القبلة انحرافا لاتزول به المقابلة بالكلية، والمقابلة اذا وقعت في مسافة بعيدة لاتزول بما تزول به من الانحراف لو كانت في مسافة قريبة۔

مسامت تقریبی یہ ہے کہ انحراف عن القبلہ اس طرح ہو کہ جہت کعبہ سے مقابلہ بالکلیہ ختم نہ ہو اور مقابلہ جب مسافت بعیدہ کی صورت میں ہو تو وہ اتنے انحراف سے ختم نہیں ہوتا جتنے سے مسامت قریبیہ میں مقابلہ ہو تو ختم ہو جاتا ہے۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

باب صفة الصلوٰة

﴿یہ باب نماز کی صفات کے بیان میں ہے﴾

باب صفت الصلوۃ کی مطابقت کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ یہ باب نماز کی صفات کے بیان میں ہے۔مصنف جب ان وسائل کے بیان سے فارغ ہوئے جو نماز کیلئے شرائط واسباب تھے۔تواب یہاں سے مقصود کا بیان شروع کیا ہے۔اور صفت نماز، صفت وصف کو کہتے ہیں۔اور صفۃ مصدر ہے۔جس طرح "زعد، وزن، زنۃ" ہیں۔اور باب "ضرب یضرب" سے ہے۔

(البنائیہ شرح الہدایہ ج ۲، ص ۱۶۴، حقانیہ ملتان)

نماز کے چھ فرائض کا بیان:

(فَرَائِضُ الصَّلَاةِ سِتَّةٌ :التَّحْرِيمَةُ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَرَبَّك فَكَبِّرْ) وَالْمُرَادُ تَكْبِيرَةُ الِافْتِتَاحِ ، (وَالْقِيَامُ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ).

(وَالْقِرَاءَةُ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْ الْقُرْآنِ) (وَالرُّكُوعُ وَالسُّجُودُ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا) (وَالْقَعْدَةُ فِي آخِرِ الصَّلَاةِ مِقْدَارَ التَّشَهُّدِ) (لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حِينَ عَلَّمَهُ التَّشَهُّدَ إذَا قُلْت هَذَا أَوْ فَعَلْت هَذَا فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُك) " عَلَّقَ التَّمَامَ بِالْفِعْلِ قَرَأَ أَوْ لَمْ يَقْرَأْ .

ترجمہ:

نماز کے چھ فرائض ہیں۔(۱) تکبیر تحریمہ، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو۔اس سے مراد تکبیر افتتاح ہے (۲) قیام، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے اور تم کھڑے ہو اللہ کے حضور ادب سے۔(۳) قرأت، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے پس تم پڑھو جس قدر قرآن سے آسان ہو۔(۴۔۵) رکوع وسجو.۔اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے اور تم رکوع کرو اور سجدہ کرو۔(۶) نماز کے آخر میں تشہد کی مقدار بیٹھنا۔کیونکہ جب نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو تشہد سکھایا تو فرمایا جب تم نے یہ کہہ لیا یا کرلیا تو تمہاری نماز پوری ہوگئی۔لہذا آپ ﷺ نے تکمیل نماز کو فعل پر معلق کیا ہے۔اگرچہ کچھ پڑھا ہو یا نہ پڑھا ہو۔

فرض کی تعریف:

وہ کام جس کا کرنا ضروری ہو اور اسکا ترک بالکل لازماً منع ہو۔اس کا ثبوت بھی قطعی ہو اور اس کے فعل کا لزوم بھی قطعی ہو اور

اس کا انکار کفر ہو اور اس کو ترک کرنے والا عذاب کا مستحق ہو۔ چاہے ہمیشہ ترک کرنے والا ہو یا کبھی کبھی۔
(ردالمحتار ج اص ۱۸۶، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

تکبیر تحریمہ کی وجہ تسمیہ:

علامہ ابن محمود البابرتی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ نماز کا فرض ہے اس کا رکن نہیں ہے۔ اور اسمیت کے تحقق کیلئے اس کے آخر میں تاء کو لاحق کیا گیا ہے۔ اور اب یہ نام اس تکبیر کے ساتھ خاص ہے۔ کیونکہ یہ تکبیر ہر اس چیز کو حرام قرار دیتی ہے جو اس سے پہلے حلال تھی۔ (جیسا مباح کاموں کا مثلا کھانا، پینا اور کلام کرنا وغیرہ ہیں)۔ اور باقی تمام تکبیرات میں سے کوئی تکبیر بھی اشیاء مباحہ کو حرام کرنے والی نہیں۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ا ص، بیروت)

تکبیر تحریمہ کی فرضیت کا بیان:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ فرمانا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز تو تکبیر سے شروع فرماتے تھے اور قرأت کی ابتداء الحمد اللہ رب العالمین سے کرتے تھے۔ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ آہستہ سے پڑھتے تھے جیسا کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک بھی یہی ہے۔

کیونکہ رب کی بڑائی بولنے اور بزرگی وعظمت بیان کرنے ہی سے اس کا خوف دلوں میں پیدا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم و تقدیس ہی وہ چیز ہے جس کی معرفت سب اعمال واخلاق سے پہلے حاصل ہونی چاہیے۔ بہر حال اس کے کمالات وانعامات پر نظر کرتے ہوئے نماز میں اور نماز سے باہر اس کی بڑائی کا اقرار واعلان کرنا تمہارا کام ہے۔

کبریائی صرف اللہ کے لیے ہے اس لیے اسی کی کبریائی کا ذکر تمہاری زبان پر ہونا چاہیے اور اسی کا چرچا لوگوں میں کرنا چاہیے۔ نماز کا آغاز تکبیر یعنی اللہ اکبر (اللہ سب سے بڑا ہے) کے کلمات ہی سے ہوتا ہے اور اذان میں بھی بار بار اس کلمہ کو دہرایا جاتا ہے تاکہ فضا اللہ کی تکبیر سے گونج اٹھے۔ تکبیر کا حکم سورۂ بنی اسرائیل کی آخری آیت میں بھی دیا گیا ہے:

وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا اور اس کی بڑائی بیان کرو جیسی بڑائی بیان کرنا چاہیے۔

اللہ کی بڑائی بیان کرنے میں شرک کی تردید بھی ہے اور توحید کا اثبات بھی۔ مشرکین نے کسی کو مہادیو بنا دیا ہے اور کسی کو مہاتما جن کی وہ پرستش کرتے ہیں لیکن یہ صرف دعوے ہیں حقیقت یہ ہے کہ کبریائی اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے اور نہ اس کے سوا کوئی معبود ہے جس کی پرستش کی جائے۔

قیام کی فرضیت کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ نماز کا دوسرا فرض قیام ہے۔ اور قیام فرض نماز میں فرض ہے نفلی نماز فرض نہیں ہے۔ اور نماز میں اس کی فرضیت کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے" وقوموا للہ قانتین "اس سے استدلال یہ ہے

کہ اللہ تعالیٰ نے قیام کوحکم دیا ہےاور امر وجوب کیلئے آتا ہے۔جبکہ نماز کے باہر قیام واجب نہیں ہے۔لہذا نماز کے اندر قیام کا وجوب بطور ضرورت واجب ہوگیا۔اور''قانتین " قوموا ''میں انتم ضمیر سے حال ہے۔اوراس کا معنی یہ ہے کہ تم خاموش رہنے والے ہواورتم کلام کوترک کرنے والے ہو۔اوراس پر حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی دلالت کرتی ہے کہ ہم نماز میں کلام کرتے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا''وقوموا لله قانتین ''اس حدیث کوامام ابن ماجہ کے سوامحدثین کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔(البنائیہ شرح الہدایہ،ج ۲،ص ۱۶۵،حقانیہ ملتان)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ (البقرہ،۲۳۸،۲۳۹)

سب نمازوں کی حفاظت کرواور(خاص طور پر) بیچ والی نماز کی۔اور اللہ کے سامنے ادب سے کھڑے رہا کرو۔پھر اگر تم خوف کی حالت میں ہوتو پیادے یا سوار جس حال میں ہو(نماز پڑھ لو)۔پھر جب امن ہو جائے تو اللہ کو اسی طریقے سے یاد کرو جس طریقے سے اس نے تمہیں سکھایا ہے جو تم پہلے نہیں جانتے تھے۔

علماء نے اس آیت کی روشنی میں فرض نماز میں قیام کے لازمی ہونے پر امت کا اجماع نقل کیا ہے۔فرض نماز پڑھنے والا امام ہو یا مقتدی یا منفرد(یعنی اکیلے نماز پڑھنے والا) کسی کے لیے بھی عذر کیبغیر فرض نماز بیٹھ کر ادا کرنے کی اجازت نہیں ہے۔البتہ اگر امام کسی وجہ سے کھڑے ہوکر نماز پڑھانے پر قادر نہ ہوتو مقتدی بھی اس کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھیں گے۔فرمان رسول ہے۔

وَإِذَا صَلَّى قَائِمًا فَصَلُّوا قِيَامًا وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا أَجْمَعُونَ (صحیح بخاری کتاب الاذان باب انما جعل الامام لیوتم به)

جب(امام) کھڑے ہوکر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہوکر پڑھواور جب وہ(کسی عذر کی بناء پر) بیٹھ کر نماز پڑھے تو، تم سب بھی(اس کے پیچھے) بیٹھ کر نماز ادا کرو۔

قرأت کی فرضیت کا بیان :

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔نماز کا تیسرا فرض قرأت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔'' فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ''اس سے استدلال یہ ہے کہ اس میں قرأت کا امر ہے جو وجوب کیلئے آتا ہے۔جبکہ نماز سے باہر بہ اجماع قرأت واجب نہیں ہے۔لہذا اسی وجہ سے قرأت کا وجوب نماز میں متعین ہوگیا۔

(البنائیہ شرح الہدایہ،ج ۲،ص ۱۶۵،حقانیہ ملتان)

امام مسلم علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔حضرت سیدنا ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے کہ اتنے میں ایک آدمی آیا، اس نے نماز پڑھنے کے بعد آپ ﷺ کو سلام کیا تو آپ ﷺ نے سلام کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ جاؤ نماز پڑھو،تم نے نماز نہیں پڑھی۔اس نے واپس ہوکر پہلے کی طرح پھر نماز پڑھی اور لوٹ کر آپ ﷺ کو سلام کیا۔آپ ﷺ نے وعلیکم السلام کہتے ہوئے فرمایا کہ جاؤ نماز پڑھو تم نے نماز ادا نہیں کی۔حتی کہ تین دفع ایسے ہی کیا تو آدمی نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو رسولِ برحق بنایا ہے کہ میں اس طریقہ کے علاوہ مزید کسی چیز سے ناواقف ہوں، براہِ کرم آپ ﷺ ہی مجھے ارشاد فرمایئے۔فرمایا اور پھر جتنا قرآن تم آسانی پڑھ سکتے ہو وہ پڑھو،اس کے بعد اطمینان سے رکوع کرو اور پھر بہ آرام بالکل سیدھے کھڑے ہو جاؤ،اس کے بعد بااطمینان سجدہ کرو اور پھر بااطمینان قعدہ میں بیٹھو اور اسی طرح اپنی پوری نماز میں کیا کرو۔(اس حدیث سے یہ چیز معلوم ہوئی کہ نماز میں تعدیل ارکان بہت ضروری ہے،اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔اور جمہور علماء کے نزدیک تعدیل ارکان فرض ہے)۔(صحیح مسلم،۲۸۲)

یعنی اللہ تعالٰی نے دیکھا کہ تم میں بیمار بھی ہوں گے اور مسافر بھی جو ملک میں روزی یا علم وغیرہ کی تلاش کرتے پھریں گے اور وہ مرد مجاہد بھی ہوں گے جو اللہ کی راہ میں جنگ کریں گے ان حالات میں شب بیداری کے احکام پر عمل کرنا سخت دشوار ہو گا۔اس لیے تم پر تخفیف کردی کہ نماز میں جس قدر قرآن پڑھنا آسان ہو پڑھ لیا کرو۔اپنی جان کو زیادہ تکلیف میں ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ہاں فرض نمازیں نہایت اہتمام سے باقاعدہ پڑھتے رہو۔

رکوع کی فرضیت کا بیان:

نماز کا چوتھا فرض رکوع ہے۔اس کی فرضیت کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالی کا فرمان''ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا''اس میں امر کا صیغہ ہے جس کی دلالت وجوب پر ہے۔جبکہ غیر نماز میں کسی قسم کا رکوع مشروع ہی نہیں۔جس کی وجہ سے یہ حکم نماز والے رکوع کیلئے متعین ہو گیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (الحج۔۷۷)

اے ایمان والو رکوع اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی بندگی کرو اور بھلے کام کرو اس امید پر کہ تمہیں چھٹکارا ہو۔(کنزالایمان)

ہدایہ کے متن میں''واؤ''استعمال ہوا ہے جبکہ آیات میں''واؤ''کی قرأت نہیں ہے۔لہذا یہ کتابت کا سہو ہے۔

(البنایہ شرح الہدایہ،ج ۲،ص ۱۶۵،حقانیہ ملتان)

سجدہ کی فرضیت کا بیان:

نماز کا پانچواں فرض سجدہ ہے اس کی فرضیت کا استدلال ودلیل رکوع والے حکم میں گذر چکی ہے کیونکہ رکوع وسجود آیت میں

دونوں کا بیان ہے۔

قعدہ آخیرہ کی فرضیت کا بیان:

نماز کا چھٹا فرض قعدہ آخیرہ ہے۔اس کی فرضیت کا استدلال حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت سے ہے۔ جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:'' إذَا قُلْت هَذَا أَوْ فَعَلْت هَذَا فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُك '' اس حدیث سے استدلال کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ یہ خبر واحد ہے لہذا کسی خبر واحد سے فرضیت کو کیسے ثابت کیا جائے گا۔کیونکہ وہ خبر واحد مفید ظن ہے۔اور ثبوت فرضیت کیلئے قطعی الدلالت کا ہونا ضروری ہے۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں یہ روایت اس کی فرضیت کو ثابت کرنے والی نہیں ہے بلکہ یہ حدیث قرآن کریم میں حکم نماز کا بیان ہے۔اور وہ اللہ تعالی کا فرمان'' إذَا قُلْت هَذَا أَوْ فَعَلْت هَذَا فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُك '' اور جب نبی کریم ﷺ نے تکمیل نماز اس کو اس فعل قعود یا فعل قرأت تشہد کے ساتھ معلق کیا تو یہ تکمیل نماز کیلئے ضروری ہو گیا۔اور فقہ کا قاعدہ ہے جو چیز واجب کے بغیر پوری نہ ہو وہ بھی واجب ہوتی ہے۔لہذا اس حدیث نے قرآن کے حکم'' اقیموا الصلوٰۃ '' کے اجمال کو بیان کیا ہے لہذا آخری قعدہ کی فرضیت اس حکم قرآنی سے بذریعہ بیان حدیث کے طور پر ثابت ہوگئی۔

واجبات نماز کا بیان:

قَالَ (وَمَا سِوَى ذَلِكَ فَهُوَ سُنَّةٌ) أَطْلَقَ اسْمَ السُّنَّةِ ، وَفِيهَا وَاجِبَاتٌ كَقِرَاءَةِ الْفَاتِحَةِ وَضَمِّ السُّورَةِ إلَيْهَا وَمُرَاعَاةِ التَّرْتِيبِ فِيمَا شُرِعَ مُكَرَّرًا مِنْ الْأَفْعَالِ ، وَالْقَعْدَةِ الْأُولَى وَقِرَاءَةِ التَّشَهُّدِ فِي الْقَعْدَةِ الْأَخِيرَةِ وَالْقُنُوتِ فِي الْوِتْرِ وَتَكْبِيرَاتِ الْعِيدَيْنِ وَالْجَهْرِ فِيمَا يُجْهَرُ فِيهِ وَالْمُخَافَتَةِ فِيمَا يُخَافَتُ فِيهِ ، وَلِهَذَا تَجِبُ عَلَيْهِ سَجْدَتَا السَّهْوِ بِتَرْكِهَا ، هَذَا هُوَ الصَّحِيحُ ، وَتَسْمِيَتُهَا سُنَّةً فِي الْكِتَابِ لِمَا أَنَّهُ ثَبَتَ وُجُوبُهَا بِالسُّنَّةِ :

ترجمہ:

فرمایا اور جو اس کے علاوہ ہیں وہ سب سنت ہیں۔ان پر سنت کا اطلاق کیا ہے حالانکہ ان میں واجبات بھی ہیں جیسے فاتحہ کا پڑھنا ہے۔اور اس کے ساتھ سورت ملانا ہے اور انہی افعال میں ترتیب کی رعایت کرنا ہے۔جس طرح شریعت نے جاری کی ہے۔اور پہلا قعدہ اور آخری قعدہ میں تشہد پڑھنا،اور وتر میں قنوت کا پڑھنا اور عیدین کی تکبیریں اور جن میں جہر واجب ہے ان میں جہر کرنا اور جن میں اخفاء واجب ہے ان میں اخفاء کرنا واجب ہے۔اسی دلیل کی بناء پر نمازی پر ان میں سے کسی ایک بھی ترک پر سہو کے دو سجدے واجب ہو جاتے ہیں۔یہی صحیح روایت ہے اور کتاب میں ان کا نام سنت اس لئے رکھا گیا ہے کیونکہ ان کا ثبوت وجوب سنت سے ہے۔

سورۃ فاتحہ اور ضم سورۃ کے وجوب کا بیان:

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس آدمی نے (نماز میں) سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز پوری نہیں ہوئی۔ (صحیح البخاری، مسلم) اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں اس آدمی کی نماز نہیں ہوتی جو سورہ فاتحہ اور اس کے بعد قرآن سے کچھ نہ پڑھے۔

صحیح مسلم کی آخری روایت کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ کے ساتھ قرآن کی کوئی اور سورۃ یا اور کچھ آیتیں پڑھنا بھی ضروری ہے۔

نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے مسئلے میں آئمہ کے مذاہب:

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے اگر کوئی آدمی سورہ فاتحہ نہ پڑھے تو اس کی نماز نہیں ہو گی۔ چنانچہ اسی حدیث سے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے کیونکہ حدیث نے صراحت کے ساتھ ایسے آدمی کی نماز کی نفی کی ہے جس نے نماز میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھی۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں ہے بلکہ واجب ہے۔ اس حدیث کے بارے میں امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں نفی کمال مراد ہے یعنی سورہ فاتحہ کے نماز ادا تو ہو جاتی ہے مگر مکمل طور پر ادا نہیں ہوتی۔ اس کی دلیل قرآن کی یہ آیت ہے آیت (فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ) 73۔المزمل 20:) (یعنی قران میں سے جو پڑھنا آسان ہو وہ پڑھو، اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں بلکہ مطلق قرآن کی کوئی بھی سورۃ یا آیتیں پڑھنا فرض ہے۔ اس کے علاوہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک اعرابی کی نماز کے سلسلے میں یہ تعلیم فرمائی تھی کہ فاقرؤا ما تیسر معلک من القران (یعنی تمہارے لیے قرآن میں سے جو کچھ پڑھنا آسان ہو وہ پڑھو)

احناف کے مسلک کے مطابق نماز میں فرض قرأت ہے کہ جس کے بغیر نماز ادا نہیں ہوتی قرآن کی ایک آیت یا تین آیتوں کا پڑھنا ہے خواہ سورہ فاتحہ ہو یا دوسری کوئی سورۃ اور سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے اس کے بغیر نماز ناقص ادا ہوتی ہے۔

واجبات نماز کی بیان کردہ فقہی تعداد کا بیان:

نماز کے کچھ واجبات ہیں اگر ان میں سے کوئی بھولے سے چھوٹ جائے تو سجدہ سہو کر لینے سے نماز درست ہو جاتی ہے اگر بھولے سے چھوٹ جانے پر سجدہ سہو نہ کیا یا قصداً کسی واجب کو چھوڑ دیا تو اس نماز کو لوٹانا واجب ہو جاتا ہے پس اگر نہیں لوٹائے گا تو فاسق و گناہگار ہوگا کیونکہ ترک واجب سے نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے اور اس کا لوٹانا واجب ہوتا ہے جب امام ترک واجب کی وجہ سے نماز کا اعادہ کرے تو اگر اس دوسری دفعہ کی جماعت میں کوئی نیا مقتدی شریک ہو جائے تو صحیح یہ ہے کہ اس کی

نماز درست ہے واجبات نماز اکتیس (۳۱) ہیں اور وہ یہ ہیں۔

۱. تکبیر تحریمہ کا خاص اللہ اکبر کے لفظ سے ہونا۔

۲. قرآتِ واجبہ یعنی سورۃ فاتحہ اور کوئی چھوٹی صورت یا چھوٹی تین آیتیں یا ایک بڑی آیت کی مقدار قیام کرنا لیکن امی یا گونگے یا اس مقتدی کے لئے جو امام کو رکوع میں پائے قیام کی کوئی مقدار واجب نہیں ہے۔

۳. تین یا چار رکعت والی فرض نماز میں قرآت فرض کے ادا کرنے کے لئے پہلی دو رکعتوں کا متعین کرنا۔

۴. فرض نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں اور باقی نمازوں کی تمام رکعتوں میں صورۃ فاتحہ کا پڑھنا۔

۵. فرض نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں اور باقی نمازوں کی تمام رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے بعد کوئی چھوٹی صورت یا چھوٹی تین آیتیں یا ایک بڑی آیت پڑھنا۔

۶. سورۃ فاتحہ کو قرآت سورۃ یا آیت سے پہلی پڑھنا۔

۷. سورۃ ملانے سے پہلے سورۃ فاتحہ ایک ہی دفعہ پڑھں ااس سے زیادہ نہ پڑھنا۔

۸. جو فعل ہر رکعت میں مکرر (دودفعہ) ہوتا ہے یعنی سجدہ یا تمام نماز میں مقرر ہوتا ہے جیسا کہ عدد رکعت ان میں ترتیب ہونا یعنی کوئی فیصلہ نہ ہونا پس قرآت و رکوع، سجدوں اور رکعتوں میں ترتیب قائی رکھنا واجب ہے یعنی الحمد اور سورۃ کے درمیان کسی اجنبی کا فاصل نہ ہونا (آمین سورۃ الحمد کے تابع ہے بسم اللہ سورۃ کے تابع ہے اس لئے یہ اجنبی و فاصل نہیں ہو) اور قرآت کے بعد متصلا رکوع کرنا ایک سجدہ کے بعد دوسرا سجدہ متصلاً ہونا کہ دونوں کے درمیان کوئی رکن فاصل نہ ہو واجب ہے۔

۹. قومہ کرنا یعنی رکوع سے سیدھا کھڑا ہونا۔

۱۰. سجدہ میں پیشانی کے اکثر حصہ کا لگانا (کچھ پیشانی کا لگانا فرض ہیا گر چہ قلیل ہو)۔

۱۱. جلسہ یعنی دونوں سجدوں کے درمیان میں سیدھا بیٹھنا۔

۱۲. تعدیل ارکان یعنی رکوع و سجود و قومہ و جلسہ کو اطمنان سے اچھی طرح ادا کرنا یعنی ان میں کم از کم ایک بار سبحان اللہ کہنے کی مقدار ٹھرنا، تعدیل اعضا کے ایسے سکون کو کہتے ہیں کہ ان کے سب جوڑ کم سے کم سبحان اللہ کہنے کی مقدار ٹھہر جائیں۔

۱۳. پہلا قعدہ یعنی تین یا چار رکعت والی فرض نماز اور چار رکعت والی نفل نماز میں دو رکعتوں کے بعد تشہد کی مقدار بیٹھنا۔

۱۴. ہر قعدے میں پورا تشہد یعنی التحیات آخیر تک پڑھنا اگر ایک لفظ بھی چھوڑ دے گا تو ترک واجب ہوگا۔

۱۵. فرض و واجب (وتر) اور سنن موئکدہ کے قعدہ اولیٰ میں تشہد (تشہد کے بعد کچھ نہ پڑھنا) پر کچھ نہ پڑھنا اللھم صلی علی محمد یا اس کی مقدار ہو بڑھانے سے ترک واجب ہوگا اگر چہ اتنی دیر خاموش رہے اور کچھ نہ پڑھے اس سے کم مقدار ہو تو ترک واجب نہیں ہوگا۔

١٦ . سلام کے لفظ کے ساتھ نماز سے باہر ہونا۔

١٧ . دوبار لفظ اَلسَّلَامُ کہنا واجب ہے عَلَیْکُم واجب نہیں، پہلے سلام پر نماز سے باہر ہو جاتا ہے اس کے بعد امام کی اقتدا درست نہیں۔

١٨ . نماز وتر میں دعائے قنوت کے لئے اللہ اکبر کہنا۔

١٩ . نماز وتر میں دعائے قنوت پڑھنا۔

٢٠ . دونوں عیدوں کی نماز میں چھ زائد تکبیریں کہنا یعنی ہر رکعت میں تین بار اللہ اکبر کہنا ہر تکبیر جداگانہ واجب ہے ایک تکبیر بھی چھوڑ دے گا تو ترک واجب ہوگا۔

٢١ . دونوں عیدوں کی نماز میں دوسری رکعت کے رکوع کی تکبیر لفظ اللہ اکبر سے کہنا اگر کسی اور لفظ سے کہے گا تو ترک واجب ہو گا جیسا کہ ہر نماز میں تکبیر تحریمہ کا حکم ہے۔

٢٢ . امام کو جہری نمازوں میں جہر کرنا یعنی مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں اور نماز فجر و جمعہ و عیدین اور تراویح و رمضان المبارک کے وتروں کی ہر رکعت میں جہر یعنی آواز سے پڑھنا جہر کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس کی آواز قریب والے سن سکیں اگر اکیلا نماز پڑھے تو جہری نمازوں میں جہر کرنا اس پر واجب نہیں البتہ افضل ہے اگر جہری نمازیں قضا ہو جائیں ان کو جماعت سے قضا کرے تو امام ان کو بھی جہر ہی سے پڑھے اور منفرد کو اختیار ہے خواہ جہر کرے یا آہستہ پڑھے۔

٢٣ . امام کو دوسری نمازوں یعنی نماز ظہر و عصر کی کل رکعتوں میں اگرچہ عرفات میں ہو اور نماز مغرب کی تیسری رکعت اور نماز عشا کی آخری دو رکعتوں اور دن کے نوافل مثلاً کسوف و استسقاء میں آہستہ قرآت کرنا آہستہ پڑھنے کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنی آواز وہ خود سن سکے یا اس کے قریب کا ایک دو آدمی سن لیں صرف خیال دوڑا لینے سے نماز نہیں ہوگی بلکہ زبان سے پڑھنا ضروری ہے۔

٢٤ . نماز کے اندر ہر فرض یا واجب کا اس کے مقام پر ادا کرنا یعنی دو فرض یا دو واجب یا فرض و واجب کے درمیان تین تسبیح (تین بار سبحان اللہ کہنے) کی مقدار تاخیر نہ کرنا۔

٢٥ . پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدے کے بعد قعدہ نہ کرنا یعنی ایک رکن کی مقدار دیر نہ کرنا۔

٢٦ . ایک رکعت میں رکوع دو دفعہ نہ کرنا یعنی ہر رکعت میں رکوع ایک ہی بار ہونا۔

٢٧ . ہر رکعت میں دو ہی سجدے کرنا تین سجدے نہ کرنا۔

٢٨ . نماز میں آیت سجدہ پڑھی تو سجدہ تلاوت کرنا۔

٢٩ . نماز میں سہو ہوا تو سجدہ سہو کرنا۔

۴۰۔ آیت سجدہ پڑھی تو سجدہ تلاوت ادا کرنے میں تین آیت یا اس سے زیادہ تاخیر نہ کرنا۔

۴۱۔ قرآت کے سوا تمام واجبات میں امام کی متابعت کرنا۔

وتر میں دعائے قنوت پڑھنے کے وجوب کا بیان:

امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت ابی بن کعب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر پڑھتے تو قنوت رکوع سے پہلے پڑھتے۔ (سنن ابن ماجہ، ج۱، ص۸۳، قدیمی کتب خانہ کراچی)

تکبیرات عیدین کے وجوب کا بیان:

حضرت سعید ابن عاص فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوموسیٰ وحضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سوال کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید و بقرعید کی نماز میں کتنی تکبیریں کہتے تھے؟ تو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ میں چار تکبیریں کہتے تھے اسی طرح عیدین کی نماز میں بھی چار تکبیریں کہا کرتے تھے حضرت حذیفہ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ ابوموسیٰ نے سچ کہا (ابوداؤد)

حضرت ابوموسیٰ کے جواب کی تفصیل یہ ہے کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہا کرتے تھے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی نماز میں بھی ہر رکعت میں چار تکبیریں کہا کرتے تھے اس طرح کہ پہلی رکعت میں تو قرأت سے پہلے تکبیر تحریمہ سمیت چار تکبیریں کہتے تھے اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد رکوع کی تکبیر سمیت چار تکبیریں کہتے تھے۔

جہر میں جہر اور اخفاء میں اخفاء کے وجوب کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ یہاں جہر سے مراد یہ نمازیں ہیں۔ فجر، مغرب اور عشاء کی نمازیں ہیں اور اخفاء سے مراد یہ نمازیں ہیں۔ جس طرح نماز ظہر اور عصر کی نماز ہے۔ اور یہ حکم امام کے حق میں ہے جبکہ اس میں منفرد شامل نہیں ہے۔ (البنائیہ، ج۲، ص۱۷۴، حقانیہ ملتان)

نماز کو تکبیر تحریمہ سے شروع کیا جائے گا:

قَالَ (وَإِذَا شَرَعَ فِي الصَّلَاةِ كَبَّرَ) لِمَا تَلَوْنَا ، وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "(تَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ) " وَهُوَ شَرْطٌ عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ ، حَتَّى أَنَّ مَنْ تَحَرَّمَ لِلْفَرْضِ كَانَ لَهُ أَنْ يُؤَدِّيَ بِهَا التَّطَوُّعَ عِنْدَنَا .

وَهُوَ يَقُولُ : وَإِنَّهُ يُشْتَرَطُ لَهَا مَا يُشْتَرَطُ لِسَائِرِ الْأَرْكَانِ وَهَذَا آيَةُ الرُّكْنِيَّةِ . وَلَنَا أَنَّهُ عَطَفَ الصَّلَاةَ عَلَيْهِ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى (وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى) وَمُقْتَضَاهُ الْمُغَايَرَةُ ، وَلِهَذَا لَا يَتَكَرَّرُ كَتَكَرُّرِ الْأَرْكَانِ ،

وَمُرَاعَاةُ الشَّرَائِطِ لِمَا يَتَّصِلُ بِهِ مِنْ الْقِيَامِ .

ترجمہ:

اور جب کوئی شخص نماز شروع کرے تو نماز میں تکبیر کہے اسی دلیل کی بنیاد پر جو ہم نے تلاوت کی ہے۔ اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نماز کی تحریم تکبیر ہے۔ اور یہ ہمارے نزدیک شرط ہے جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ ہمارے نزدیک اگر کسی تکبیر تحریمہ فرض کیلئے کہی تو وہ اسی تکبیر تحریمہ کے ساتھ نفل ادا کر سکتا ہے۔

اور امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا: تکبیر تحریمہ کیلئے ہر وہ چیز شرط ہے جو تمام ارا کین کیلئے شرط ہے۔ اور یہی چیز اس کے رکن ہونے کی علامت ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان '' وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى '' میں تکبیر تحریمہ کا عطف نماز پر ڈالا گیا ہے۔ اور عطف مغایرت کا تقاضہ کرتا ہے۔ اور اسی دلیل کی بنیاد پر تکبیر میں تکرار نہیں ہوتا جس طرح دوسرے ارا کین میں تکرار ہوتا ہے۔ اور شرائط کی رعایت اس قیام کی بناء پر ہے جو اس کے ساتھ ملا ہوا ہے۔

نماز کی تحریم تکبیر اور تحلیل سلام ہے:

امام ابوداؤد علیہ الرحمہ اپنی سند سے بیان کرتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ﷺ نے فرمایا نماز کی کنجی طہارت ہے اس کی تحریم تکبیر ہے اور اس کی تحلیل سلام ہے۔ (سنن ابوداؤد)

امام ابن ماجہ لکھتے ہیں۔

ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو قبلہ کی طرف منہ کرتے اور دونوں ہاتھ اٹھاتے اور کہتے اللّٰہُ اَکبَرُ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز شروع کر کے کہتے پاک ہے (سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ) تو یا الٰہی اور پاکی بیان کرتے ہیں ہم ساتھ تیری اور تعریف کے اور بابرکت ہے نام تیرا اور بلند ہے بزرگی تیری اور نہیں کوئی معبود سوائے تیرے۔ (سنن ابن ماجہ)

تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانے کا بیان:

(وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ مَعَ التَّكْبِيرِ وَهُوَ سُنَّةٌ) (لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاظَبَ عَلَيْهِ) ، وَهَذَا اللَّفْظُ يُشِيرُ إِلَى اشْتِرَاطِ الْمُقَارَنَةِ ، وَهُوَ الْمَرْوِيُّ عَنْ أَبِي يُوسُفَ وَالْمَحْكِيُّ عَنْ الطَّحَاوِيِّ ، وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ يَرْفَعُ يَدَيْهِ أَوَّلًا ثُمَّ يُكَبِّرُ لِأَنَّ فِعْلَهُ نَفْيُ الْكِبْرِيَاءِ عَنْ غَيْرِ اللَّهِ وَالنَّفْيُ مُقَدَّمٌ عَلَى الْإِثْبَاتِ .

(وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ بِإِبْهَامَيْهِ شَحْمَتَيْ أُذُنَيْهِ) وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ :يَرْفَعُ إِلَى مَنْكِبَيْهِ ، وَعَلَى هَذَا تَكْبِيرَةُ الْقُنُوتِ وَالْأَعْيَادِ وَالْجِنَازَةِ لَهُ حَدِيثُ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ "قَالَ كَانَ

النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (إِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَى مَنْكِبَيْهِ) " وَلَنَا رِوَايَةُ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ وَالْبَرَاءِ وَأَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ "(أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ إِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِذَاءَ أُذُنَيْهِ) " وَلِأَنَّ رَفْعَ الْيَدِ لِإِعْلَامِ الْأَصَمِّ وَهُوَ بِمَا قُلْنَاهُ ، وَمَا رَوَاهُ يُحْمَلُ عَلَى حَالَةِ الْعُذْرِ (وَالْمَرْأَةُ تَرْفَعُ يَدَيْهَا حِذَاءَ مَنْكِبَيْهَا) وَهُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّهُ أَسْتَرُ لَهَا

ترجمہ

اور وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو تکبیر کے ساتھ اٹھائے کیونکہ یہی سنت ہے۔اور نبی کریم ﷺ نے اسی پر ہمیشگی فرمائی ہے۔اور یہی لفظ مقارنت کی شرط کی طرف اشارہ کرنے والا ہے۔اور امام ابو یوسف سے یہی روایت کی گئی ہے اور امام طحاوی علیہ الرحمہ سے بھی اسی طرح روایت کیا گیا ہے۔اور صحیح روایت یہ ہے کہ پہلے وہ دونوں ہاتھ اٹھائے اور پھر وہ تکبیر کہے۔کیونکہ اس کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کے سوا کی بڑائی کی نفی کرنا ہے اور نفی مثبت پر مقدم ہوتی ہے۔

اور اپنے دونوں ہاتھوں کا اٹھائے حتیٰ کہ اپنے دونوں انگوٹھوں کا دونوں کانوں کی لو کے برابر لے جائے۔جبکہ امام شافعی کے نزدیک اپنے دونوں ہاتھوں کا کندھوں تک اٹھائے۔اور اسی اختلاف کے مطابق قنوت کی تکبیر،عیدین کی تکبیر اور جنازہ کی تکبیر ہے۔امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر کہتے تھے تو اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے تھے۔

اور ہماری دلیل حضرت وائل بن حجر، براء اور حضرت انس رضی اللہ عنہم کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ جب تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کا دونوں کانوں کے برابر تک اٹھایا کرتے تھے۔کیونکہ ہاتھوں کا اٹھانا بہرے کو خبر دینے کیلئے ہے۔اور اسی طریقے کے مطابق ہوسکتا ہے جو ہم نے بیان کیا ہے۔اور جس روایت کو ابوحمید ساعدی نے روایت ہے اس کو عذر کی حالت پر محمول کیا جائے گا۔

اور عورت اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر تک اٹھائے گی۔یہ صحیح روایت ہے اس لئے کہ اس کیلئے یہی طریقہ زیادہ پردے کے لئے بہتر ہے۔

ہاتھوں کو اٹھانے کے ساتھ ہی تکبیر کہنے کا حکم:

علامہ فخر الدین علی بن عثمان زیلعی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔جب وہ نماز میں داخل ہونے کا ارادہ کرے تو وہ تکبیر ہے اسی حدیث کے پیش نظر جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تو نماز کیلئے اٹھے تو اچھی طرح وضو کر اور تکبیر کہہ اور دونوں ہاتھوں کو کانوں کے برابر تک اٹھا۔یہ حدیث نیت ان کے خلاف بھی حجت ہے جو کہتے ہیں صرف نیت مشروع ہے۔اس حدیث میں ''واؤ'' استعمال ہوئی ہے جس کا تقاضہ نہ تو رفع یدین کے ساتھ تکبیر کو مقارنت کا ہے اور نہ مفارقت کا ہے۔کیونکہ علی الاطلاق

''واؤ'' جمع کیلئے آتی ہے۔ جبکہ خواہر زادہ شیخ الاسلام فرماتے ہیں۔ یہاں واؤ مقارنت کے معنی میں ہے اور اسی طرح امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت کی گئی ہے۔ کیونکہ رکوع وسجود کی تکبیرات میں بھی مقارنت ہوتی ہے۔ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ اس میں بڑائی کی نفی ہے لہذا جس طرح کلمہ طیبہ میں نفی مقدم ہے اسی طرح ہاتھوں کو پہلے اٹھایا جائے تا کہ نفی کے تقدم پر دلالت کرے۔ اور ہاتھوں کو اٹھانے کا طریقہ یہ ہے کہ انہیں کانوں تک اٹھائے حتیٰ کہ انگلیوں کو کانوں سے ملائے۔

(تبیین الحقائق ،ج ا،ص ۱۰۹، بیروت)

وقت تکبیر ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھانے میں امام شافعی کا مؤقف ودلیل:

امام بخاری علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ایک جماعت میں فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ نماز کو تم میں سب سے زیادہ جانتا ہوں۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر کہتے تھے تو اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے تھے اور جب رکوع میں جاتے تھے تو اپنے دونوں زانوں کو ہاتھوں سے مضبوط پکڑتے تھے اور اپنی پیٹھ جھکا دیتے تھے (تا کہ گردن کے برابر ہو جائے) اور جب اپنا سر (رکوع سے) اٹھاتے تو سیدھے کھڑے ہو جاتے یہاں تک کہ سارے جوڑ اپنی اپنی جگہ پر آ جاتے تھے اور جب سجدے میں جاتے تو دونوں ہاتھ زمین پر (منہ کے بل) رکھ دیتے تھے اور انہیں نہ پھیلاتے تھے اور نہ (پہلو کی طرف) میٹھتے تھے اور پاؤں کی انگلیاں قبلے کی طرف سامنے رکھتے تھے اور جب دو رکعتیں پڑھنے کے بعد بیٹھتے تھے تو بائیں پاؤں پر بیٹھتے تھے اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھتے تھے اور جب آخری رکعت پڑھ کہ بیٹھتے تھے تو بائیں پاؤں کو آگے نکال دیتے اور دوسرے (یعنی دائیں) پاؤں کو کھڑا کر کے کولھے پر بیٹھ جاتے تھے۔ (صحیح البخاری ،ج ا،ص ۱۰۲، قدیمی کتب خانہ کراچی)

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب تکبیر کہتے تھے تو اپنے ہاتھ کندھوں کے برابر اٹھاتے تھے۔ چنانچہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک یہی ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو کانوں کی لو کے مقابل تک اٹھانا چاہئے کیونکہ دیگر احادیث میں اسی طرح مروی ہے اور چونکہ بعض روایات میں ان دونوں سے الگ ایک تیسرا طریقہ یعنی ہاتھوں کو کانوں کی اوپر کی جانب تک اٹھانا بھی آیا ہے۔ اس لیے امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نہ تو کانوں کے نیچے یعنی کندھوں تک اٹھانے کے طریقہ کو اختیار کیا اور نہ کانوں کے اوپر کی جانب تک اٹھانے کے طریقہ کو اختیار کیا بلکہ درمیانی طریقہ اختیار کیا ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان روایات کی تطبیق کے سلسلے میں فرمایا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اس طرح

اٹھانا چاہئے کہ ہاتھ کی ہتھیلیاں تو کاندھوں کے مقابل رہیں انگوٹھے کانوں کی لو کے مقابل اور انگلیوں کے سرے کان کے اوپر کے حصے پر رکھے جائیں تاکہ اس طریقے سے تمام احادیث میں عمل ممکن ہو جائے اور روایتوں میں کسی قسم کے اختلاف کی گنجائش نہ رہ جائے اور ان احادیث میں ایک دوسری تطبیق یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ احادیث مختلف اوقات سے متعلق ہیں یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت کبھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح ہاتھ اٹھاتے ہوں گے اور کبھی اس طرح۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رکوع کا طریقہ یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ہاتھوں سے دونوں زانوں کو مضبوطی سے پکڑ لیتے تھے اور انگلیوں کو کشادہ رکھتے تھے اور پھر گردن مبارک کو جھکا کر بالکل پیٹھ کر برابر کر دیتے تھے۔علماء نے لکھا ہے کہ رکوع میں تو انگلیاں کشادہ رکھنی چاہئیں اور سجدے میں ملی ہوں نیز تکبیر تحریمہ اور تشہد میں ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دینا چاہئے۔

سجدے میں زمین پر ہاتھ رکھنے کا جو طریقہ بتایا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدے کی حالت میں انگلیاں اور ہتھلیاں زمین پر پھیلا دینی چاہئیں اور پہنچے اٹھے ہوئے اور پہلو اس طرح الگ رکھنے چاہئیں کہ اگر بکری کا بچہ چاہے تو نیچے سے گزر جائے۔

اس حدیث میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا کہ قومہ سے سجدہ میں جانے کے وقت زمین پر پہلے زانوں رکھے جائیں یا ہاتھ تو اس سلسلہ میں صحیح مسئلہ یہ ہے کہ درست تو دونوں طریقے ہیں لیکن اکثر آئمہ کے نزدیک افضل اور مختار یہی ہے کہ زمین پر پہلے زانوں رکھے۔

تکبیر تحریمہ سے پہلے ہاتھ اٹھانے چاہئیں :

حدیث کے الفاظ رفع یدیه حتی یحاذی بهما منکبیه ثم یکبر سے بصراحت معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو پہلے رفع یدین کرتے اس کے بعد تکبیر تحریمہ کہتے چنانچہ امام اعظم کا مسلک بھی یہی ہے کہ پہلے ہاتھ اٹھائے جائیں اس کے بعد تکبیر تحریمہ کہی جائے۔سجدے کی تکمیل زمین پر ناک اور پیشانی دونوں، رکھنے سے ہوتی ہے :فامکن انفه و جبهته الارض سے معلوم ہوا کہ سجدہ پیشانی اور ناک دونوں کو زمین پر رکھ کر کرنا چاہئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مستقل طور پر سجدہ اسی طرح کرتے تھے اور احادیث بھی اس کے موافق وارد ہیں لہٰذا سجدہ مکمل تو جب ہی ہوتا ہے کہ ناک اور پیشانی دونوں کو زمین پر رکھا جائے۔اگر کسی مجبوری اور عذر کی بناء پر سجدے میں ان دونوں میں سے کسی ایک کو زمین پر نہیں رکھا تو مکروہ نہیں ہے۔اور اگر بغیر کسی عذر اور مجبوری کے ایسا کیا تو اس میں یہ صورت ہوگی کہ اگر زمین پر پیشانی رکھی ہے ناک نہیں رکھی تو یہ متفقہ طور پر جائز ہوگا البتہ سجدہ مکروہ ہوگا اور اگر پیشانی نہیں رکھی بلکہ ناک رکھی تو امام اعظم کے نزدیک یہ بھی بکراہت جائز ہے مگر حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد کے نزدیک جائز نہیں ہے اور اسی پر فتوی ہے۔

ہاتھوں کو کانوں تک اٹھانے میں ائمہ احناف کے موقف میں احادیث:

حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب تکبیر کہتے تو ہاتھ کانوں تک اٹھاتے ۔ (صحیح مسلم، ج ۱، ص ۱۶۸، قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز پڑھتے تو دونوں ہاتھوں کو بلند کرتے حتیٰ کہ دونوں انگوٹھے دونوں کانوں کے برابر ہو جاتے ۔ (مسند احمد، ج ۴، ص ۳۰۳، مکتب اسلامی بیروت)

حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ انہوں نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے کھڑے ہوئے تو اپنے دونوں ہاتھ اتنے اٹھائے کہ کندھوں کے برابر پہنچ گئے اور دونوں انگوٹھوں کو کانوں تک لے گئے پھر تکبیر کہی ۔ (سنن ابوداؤد) اور سنن ابوداؤد ہی کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھوں کو کانوں تک اٹھاتے تھے ۔

یہ حدیث بھی حضرت امام اعظم کے مسلک کی تائید کر رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ اٹھانے کے بعد تکبیر کہتے تھے اور انگوٹھوں کو کانوں کی لو تک اٹھاتے تھے ۔

ادائے تکبیر میں فقہی احکام:

(فَإِنْ قَالَ بَدَلَ التَّكْبِيرِ اللَّهُ أَجَلُّ أَوْ أَعْظَمُ ، أَوْ الرَّحْمَنُ أَكْبَرُ أَوْ لَا إلَهَ إلَّا اللَّهُ أَوْ غَيْرَهُ مِنْ أَسْمَاءِ اللَّهِ تَعَالَى) أَجْزَأَهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ .

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ :إنْ كَانَ يُحْسِنُ التَّكْبِيرَ لَمْ يُجْزِئْهُ إلَّا قَوْلُهُ اللَّهُ أَكْبَرُ أَوْ اللَّهُ الْأَكْبَرُ أَوْ اللَّهُ الْكَبِيرُ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ :لَا يَجُوزُ إلَّا بِالْأَوَّلَيْنِ .

وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللَّهُ :لَا يَجُوزُ إلَّا بِالْأَوَّلِ لِأَنَّهُ هُوَ الْمَنْقُولُ وَالْأَصْلُ فِيهِ التَّوْقِيفُ .وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ يَقُولُ :إدْخَالُ الْأَلِفِ وَاللَّامِ فِيهِ أَبْلَغُ فِي الثَّنَاءِ فَقَامَ مَقَامَهُ .

وَأَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ يَقُولُ :إنَّ أَفْعَلَ وَفَعِيلًا فِي صِفَاتِهِ تَعَالَى سَوَاءٌ ، بِخِلَافِ مَا إذَا كَانَ لَا يُحْسِنُ لِأَنَّهُ لَا يَقْدِرُ إلَّا عَلَى الْمَعْنَى .وَلَهُمَا أَنَّ التَّكْبِيرَ هُوَ التَّعْظِيمُ لُغَةً وَهُوَ حَاصِلٌ .

ترجمہ:

اور پس اگر اس نے تکبیر کے بدلے "اللہ اجل، اللہ اعظم، یا الرحمٰن اکبر، یا لا الہ الا اللہ کہے یا اللہ تعالی کے دوسرے اسماء صفاتیہ میں سے کسی نام کو پڑھے تو طرفین کے اس کا ایسا کرنا کافی ہے ۔

جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے فرمایا: اگر وہ شخص تکبیر اچھی طرح کہہ سکتا ہو تو اس کیلئے اللہ اکبر، اللہ الاکبر، اللہ الکبیر کے

علاوہ جائز نہیں۔

اور امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ صرف پہلے دو کلمات کے علاوہ کہنا جائز نہیں۔ اور امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ تکبیر صرف پہلے کلمہ کے ساتھ جائز ہے کیونکہ اسی کو نقل کیا گیا ہے۔ اور اس میں اصولی طور پر توقیف ہے۔

امام شافعی علیہ الرحمہ دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تعریف میں الف لام کا داخل کرنا یہ زیادہ بلاغت رکھتا ہے۔ لہذا "الاکبر" "اکبر" کے قائم مقام ہو گیا۔

امام ابو یوسف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ "افعل، فعیل" یہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہونے میں دونوں برابر ہیں۔ مگر جس وقت پڑھنے والا ان کو اچھی طرح نہ پڑھ سکتا ہو۔ کیونکہ وہ صرف معنی پر قادر ہے۔

اور طرفین علیہما الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ لغت کے اعتبار سے تکبیر تعظیم ہے۔ اور وہ حاصل ہو جاتی ہے۔ (لہذا مذکورہ کلمات کے ساتھ تکبیر کہنا جائز ہے)۔

نماز کے شروع میں اللہ اکبر کہنے کا سنن سے ثبوت:

امام ابن ماجہ لکھتے ہیں۔ حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو قبلہ کی طرف منہ کرتے اور دونوں ہاتھ اٹھاتے اور کہتے اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ (سنن ابن ماجہ)

نماز کس لفظ سے شروع ہوتی ہے اور کس لفظ پر ختم ہوتی ہے۔

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز کو اللہ اکبر کہہ کر شروع کرتے اور قرأت الحمد للہ رب العالمین کے ساتھ شروع کرتے (یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آہستہ سے کہتے) اور جب رکوع کرتے تو سر کو نہ اونچا رکھتے نہ نیچا بلکہ (پیٹھ کے برابر رکھتے) بیچ میں۔ اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو سجدہ نہ کرتے یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاتے اور جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو دوسرا سجدہ نہ کرتے، یہاں تک کہ سیدھا بیٹھ جاتے اور ہر دو رکعت کے بعد (قعدے میں) التحیات پڑھتے اور بایاں پاؤں بچھا کر داہنا پاؤں کھڑا کرتے اور شیطان کی (طرح) بیٹھنے سے منع کرتے تھے اور اس بات سے بھی منع کرتے تھے کہ آدمی اپنے دونوں ہاتھ زمین پر درندے کی طرح بچھائے اور نماز کو سلام پر ختم کرتے تھے۔ (صحیح مسلم، 273:)

حضرت سیدنا ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے اور پھر رکوع کے وقت تکبیر کہتے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے سمع اللہ لمن حمدہ کہتے اور پھر یونہی کھڑے کھڑے رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ کہتے اور پھر جب سجدہ کرتے تو تکبیر کہتے اور سجدہ سے سر اٹھاتے وقت بھی تکبیر کہتے اور پھر ختم نماز تک اسی طرح (ہر نشست و برخاست) کے وقت تکبیر کہتے تھے اور دو رکعت کے بعد جب قیام کرتے تو پھر اللہ اکبر کہتے۔ پھر اس کے بعد سیدنا ابو ہریرہؓ

نے کہا کہ تم سب لوگوں کی بہ نسبت میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کی طرح نماز پڑھتا ہوں ۔(274، صحیح مسلم)

غیر عربی میں قرأت سے متعلق احکام فقہی:

فَإِنْ افْتَتَحَ الصَّلَاةَ بِالْفَارِسِيَّةِ أَوْ قَرَأَ فِيهَا بِالْفَارِسِيَّةِ أَوْ ذَبَحَ وَسَمَّى بِالْفَارِسِيَّةِ وَهُوَ يُحْسِنُ الْعَرَبِيَّةَ أَجْزَأَهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ .

وَقَالَا :لَا يُجْزِئُهُ إلَّا فِي الذَّبِيحَةِ وَإِنْ لَمْ يُحْسِنْ الْعَرَبِيَّةَ أَجْزَأَهُ) أَمَّا الْكَلَامُ فِي الِافْتِتَاحِ فَمُحَمَّدٌ مَعَ أَبِي حَنِيفَةَ فِي الْعَرَبِيَّةِ وَمَعَ أَبِي يُوسُفَ فِي الْفَارِسِيَّةِ لِأَنَّ لُغَةَ الْعَرَبِ لَهَا مِنْ الْمَزِيَّةِ مَا لَيْسَ لِغَيْرِهَا .

وَأَمَّا الْكَلَامُ فِي الْقِرَاءَةِ فَوَجْهُ قَوْلِهِمَا أَنَّ الْقُرْآنَ اسْمٌ لِمَنْظُومٍ عَرَبِيٍّ كَمَا نَطَقَ بِهِ النَّصُّ ، إلَّا أَنَّ عِنْدَ الْعَجْزِ يُكْتَفَى بِالْمَعْنَى كَالْإِيمَاءِ ، بِخِلَافِ التَّسْمِيَةِ لِأَنَّ الذِّكْرَ يَحْصُلُ بِكُلِّ لِسَانٍ .

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ قَوْله تَعَالَى (وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ) وَلَمْ يَكُنْ فِيهَا بِهَذِهِ اللُّغَةِ ، وَلِهَذَا يَجُوزُ عِنْدَ الْعَجْزِ إلَّا أَنَّهُ يَصِيرُ مُسِيئًا لِمُخَالَفَتِهِ السُّنَّةَ الْمُتَوَارَثَةَ ، وَيَجُوزُ بِأَيِّ لِسَانٍ كَانَ سِوَى الْفَارِسِيَّةِ هُوَ الصَّحِيحُ لِمَا تَلَوْنَا ، وَالْمَعْنَى لَا يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ اللُّغَاتِ وَالْخِلَافُ فِي الِاعْتِدَادِ ، وَلَا خِلَافَ فِي أَنَّهُ لَا فَسَادَ ، وَيُرْوَى رُجُوعُهُ فِي أَصْلِ الْمَسْأَلَةِ إلَى قَوْلِهِمَا وَعَلَيْهِ الِاعْتِمَادُ ، وَالْخُطْبَةُ وَالتَّشَهُّدُ عَلَى هَذَا الِاخْتِلَافِ ، وَفِي الْأَذَانِ يُعْتَبَرُ التَّعَارُفُ .

(وَلَوْ افْتَتَحَ الصَّلَاةَ بِاَللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي لَا يَجُوزُ) لِأَنَّهُ مَشُوبٌ بِحَاجَتِهِ فَلَمْ يَكُنْ تَعْظِيمًا خَالِصًا ، وَلَوْ افْتَتَحَ بِقَوْلِهِ اللَّهُمَّ فَقَدْ قِيلَ يُجْزِئُهُ لِأَنَّ مَعْنَاهُ يَا اللَّهُ ، قِيلَ لَا يُجْزِئُهُ لِأَنَّ مَعْنَاهُ يَا اللَّهُ أُمَّنَا بِخَيْرٍ فَكَانَ سُؤَالًا .

ترجمہ:

اگر کسی شخص نے فارسی زبان میں نماز شروع کی یا اس میں قرأت فارسی میں شروع کردی یا اس نے ذبح کے وقت بسم اللہ فارسی میں پڑھی ۔حالانکہ وہ شخص اچھی طرح فارسی پڑھ سکتا ہے ۔تو امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک اس کیلئے یہ کافی ہوگا ۔

جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ ذبیحہ کے سوا بالکل کفایت نہ کرے گا ۔ہاں اگر وہ عربی اچھے طریقے سے نہیں پڑھ سکتا ۔تو پھر کافی ہوگا ۔

امام محمد علیہ الرحمہ تکبیر تحریمہ کے عربی ہونے میں امام اعظم علیہ الرحمہ کے ساتھ ہیں جبکہ فارسی ہونے میں امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے ساتھ ہیں ۔کیونکہ عربی زبان وہ مقام حاصل ہے جو دوسری زبانوں کا حاصل نہیں ۔

قرأت میں کلام کی دلیل:

صاحبین فرماتے ہیں کہ قرآن عربی منظوم کلام کا نام ہے جس طرح اس کو نص نے بیان کیا ہے ۔مگر معنی پر اس کتفاء اس

وقت ہوگا جب وہ کلام سے عاجز ہو جائے گا۔ جس طرح اشارے پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ جبکہ بسم اللہ میں ایسا اس وجہ سے نہیں ہے کہ ذکر ہو ہر زبان میں حاصل ہو جاتا ہے۔ جبکہ امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے'' (وَاِنَّــهٗ لَفِـي زُبُـرِ الْاَوَّلِيـــنَ) ''اور حالانکہ ان میں (سابقہ کتب) یہ زبان نہ تھی۔ اسی دلیل کی بنیاد پر کہ جب وہ عاجز ہو تو اس کیلئے جائز ہے مگر سنت متوارثہ کی مخالفت کی وجہ سے گناہگار ہوگا۔

اور اسی طرح فارسی زبان کے علاوہ دوسری زبانوں میں بھی جائز ہے یہی صحیح روایت ہے۔ اسی آیت کی وجہ سے جسے ہم تلاوت کر چکے ہیں۔ (قاعدہ) کوئی معنی لغات کے مختلف ہونے کی وجہ مختلف نہیں ہوتا۔

اور اختلاف ان کے معتبر ہونے میں ہے اور فساد نہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ اور یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ اصل مسئلہ میں امام اعظم علیہ الرحمہ نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔ جبکہ خطبہ اور تشہد میں بھی اسی طرح اختلاف ہے اور اذان میں اعتبار پہچاننے کا کیا جائے گا۔

اگر کسی شخص نے'' اللھم اغفرلی '' سے نماز شروع کی۔ تو اس کیلئے جائز نہیں کیونکہ یہ ضرورت کی وجہ سے روا ہے لہذا اس میں خالص تعظیم نہ ہوئی۔ اور اگر کسی نے'' اللھم '' تو کہا گیا ہے کہ کافی ہوگا کیونکہ اس کا معنی یا اللہ ہے۔ اور اسی کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس کا مطلب ہے اے اللہ! ہمیں خیر و بھلائی دے۔ لہذا یہ سوال ہو گیا۔

قرآن مجید کی غیر عربی میں قرأت کرنے میں امام صاحب اور صاحبین کا مؤقف و دلائل:

علامہ سید محمود آلوسی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ امام اعظم علیہ الرحمہ سے ایک روایت یہ ہے کہ جب نمازی عربی میں قرآن مجید پڑھنے سے عاجز ہو تو پھر اس کیلئے فارسی میں قرآن مجید کی قرأت کرنا جائز ہے جب ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی ثناء ہو جس طرح سورۃ اخلاص ہے اور اگر اس میں کوئی دوسرا مضمون ہے تو پھر فارسی میں قرأت کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اسی طرح جب وہ اچھی طرح عربی پڑھ سکتا ہے تو پھر بھی اس کیلئے نماز و غیر نماز میں غیر عربی میں قرأت کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اہل تحقیق کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے علی الاطلاق غیر عربی میں قرأت کرنے کی اجازت سے رجوع کر لیا تھا۔
(روح المعانی، جز ۱۹، ص ۱۸۹، بیروت)

علامہ محمد امین شامی محقق حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد علیہ الرحمہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ عربی پڑھنے سے عاجز ہو اور خطبہ اور نماز کے تمام اذکار میں یہی اختلاف ہے کہ ان کو غیر عربی میں کراہت تنزیہی کے ساتھ صحیح ہے اور اگر وہ عربی میں قرآن پڑھنے سے عاجز ہے تو غیر عربی میں اجماعاً قرأت کرنا جائز ہے اور قرأت میں عجز قید ضروری ہے کیونکہ صحیح یہی ہے۔ اور امام اعظم علیہ الرحمہ نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ اور اسی پر فتویٰ ہے جبکہ علامہ عینی نے نماز کو شروع کرنے کا حکم بھی نماز میں قرأت کرنے کی مثل لکھا ہے۔ جبکہ سلف نے اس طرح نہیں کیا اور نہ ہی اس قول میں

کوئی طاقت ہے اور نہ ہی اس کی کوئی سند ہے۔ بلکہ تاتارخانیہ میں نماز کے شروع کرنے کوتلبیہ کی مثل لکھا ہے۔لہذا یہ ظاہر ہے کہ صاحبین نے امام اعظم کے قول کی طرف رجوع کیا نہ امام اعظم نے ان کے قول کی طرف رجوع کیا۔اسے یادرکھنا چاہیے کہ اکثر فقہاء پر یہ معاملہ پوشیدہ ہے حتیٰ کہ علامہ حسن شرنبلالی پر بھی پوشیدہ ہے جس طرح ان کی کتابوں میں سے پتہ چلتا ہے۔ (ردالمحتار، ج ۲،ص ۱۶۲، بیروت)

علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں ۔اگراس نے نماز میں فارسی میں قرآن پڑھایا تورات وانجیل پڑھی تو اس کی نماز فاسد ہوجائے گی ۔اوراس نے اللہ تعالی کا ذکر پڑھا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی ۔(درمختار، ج ۲،ص ۱۶۳، بیروت)

فقہی احکام میں ترجیح دلائل کو دی جاتی ہے نہ کہ شخصیت وامام فقہ کو:

ہدایہ کی مذکورہ عبارت سے واضح ہوگیا کہ فقہی احکام میں ایسا نہیں ہے کہ کسی شخصیت کو محض اس کے مرتبے کے پیش نظر قبول کرتے ہوئے اس کے قول پر فتویٰ دیا جائے بلکہ فتویٰ اس فقیہ کے قول کے مطابق دیا جاتا ہے۔جس کے دلائل قوی ہوں اوراستنباط جوقریب حق وصواب ہو۔

قرائت فرض عملی ہے اوراُس شخص پر ہے جواس فرض پر قادر ہے پس جس شخص کو ایک آیت بھی یاد نہ ہو وہ قرائت کی جگہ سبحان اللہ یاالحمد للہ پڑھ لے اوراس شخص پر جلد ازجلد قرآن مجید سیکھنا اور قرآتِ فرض کی مقدار یاد کرنا فرض اور قرآت واجب کی مقدار یاد کرنا واجب ہے نہ سیکھنے کی صورت میں وہ سخت گناہگار ہوگا۔

۴ . قرآت کا مطلب یہ ہے کہ قدرت ہوتے ہوئے تمام حروف مخارج سے ادا کیے جائیں تا کہ ہرحرف دوسرے سے صحیح طور پر ممتاز ہوجائے اور آہستہ پڑھنے کی صورت میں خود سن لے جوشخص صرف خیال سے پڑھے گا زبان سے الفاظ ادا نہیں کرے گا یا مخارج سے صحیح ادا نہیں کرے گا یا آہستہ قرآت والی نماز میں ایسا نہیں پڑھے گا کہ خود سن سکے تو اس کی نماز درست نہیں ہوگی۔

۵ . قرآت جاگنے کی حالت میں کرے، نیند کی حالت میں قرآت کی تو جائز نہیں اسے پھر پڑھے اسی طرح رکوع یا سجدہ یا جو رکن بھی نیند کی حالت میں ادا کیا اس کو جاگنے پر دوبارہ ادا کرے (لیکن اگر کوئی رکن فرض وواجب کی مقدار بیداری کی حالت میں ادا ہوا اور باقی حصہ نیند میں تو اس رکن کے لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

۶ . اصل عربی قرآن پاک کی قرآت کرے ترجمہ فارسی یا اردو وغیرہ میں قرآت کرنا بلاعذر جائز نہیں۔

نماز میں ہاتھ باندھنے پر اختلاف فقہاء:

قَالَ (وَيَعْتَمِدُ بِيَدِهِ الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى تَحْتَ السُّرَّةِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (إنَّ مِنْ السُّنَّةِ وَضْعَ الْيَمِينِ عَلَى الشِّمَالِ تَحْتَ السُّرَّةِ) " وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى مَالِكٍ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي الْإِرْسَالِ ، وَعَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي الْوَضْعِ عَلَى الصَّدْرِ ، وَلِأَنَّ الْوَضْعَ تَحْتَ السُّرَّةِ أَقْرَبُ إلَى التَّعْظِيمِ وَهُوَ

الْمَقْصُودُ ، ثُمَّ الِاعْتِمَادُ سُنَّةُ الْقِيَامِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ حَتَّى لَا يُرْسِلَ حَالَةَ الثَّنَاءِ .

وَالْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ قِيَامٍ فِيهِ ذِكْرٌ مَسْنُونٌ يَعْتَمِدُ فِيهِ وَمَا لَا فَلَا هُوَ الصَّحِيحُ ، فَيَعْتَمِدُ فِي حَالَةِ الْقُنُوتِ وَصَلَاةِ الْجَنَازَةِ ، وَيُرْسِلُ فِي الْقَوْمَةِ وَبَيْنَ تَكْبِيرَاتِ الْأَعْيَادِ .

ترجمہ:

فرمایا: اور اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھتے ہوئے ناف کے نیچے باندھے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دائیں ہاتھ کا بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا سنت ہے۔ اور یہی حدیث امام مالک علیہ الرحمہ کے خلاف دلیل ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں نماز میں ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں۔ اور ہماری بیان کردہ حدیث امام شافعی علیہ الرحمہ کے خلاف بھی دلیل ہے۔ کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ ہاتھ سینے پر باندھے جائیں گے۔ اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا اس لئے ہے کہ یہ تعظیم کے زیادہ قریب ہے اور وہی تعظیم ہی مقصود ہے۔

پھر ہاتھ باندھنا شیخین کے نزدیک قیام کی صفت ہے حتی کہ ثناء کی حالت میں بھی ہاتھ چھوڑنا جائز نہیں۔ اور قاعدہ (فقہیہ) یہ ہے ہر وہ قیام نماز جس میں ذکر مسنون نہ ہو تو وہ قیام کی صفت بھی نہ ہوگا۔ یہی روایت صحیح ہے۔ لہذا وہ شخص دعائے قنوت اور نماز جنازہ کی حالت میں ہاتھ باندھے گا۔ جبکہ قومہ اور عیدین کی تکبیرات کے درمیان ہاتھ چھوڑے گا۔

ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کے بارے میں احادیث:

حضرت ہلب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں امامت کراتے تھے تو بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ سے پکڑتے تھے۔ (سنن ابن ماجہ)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا۔ آپ نے اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ سے پکڑا۔ (سنن ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے قریب سے گزرے جبکہ میں اپنا بایاں ہاتھ دائیں ہاتھ پر رکھے ہوئے (نماز ادا کر رہا تھا) تو آپ نے میرا دایاں ہاتھ پکڑ کر بائیں ہاتھ کے اوپر رکھ دیا۔ (سنن ابن ماجہ)

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے متعلق احادیث:

حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ ہتھیلیوں کو، ہتھیلیوں پر، ناف کے نیچے رکھا جائے۔ (مسند احمد، ج ۱، ص ۱۱۰، مکتب اسلامی بیروت)

حضرت علقمہ بن وائل بن حجر رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا ہے نبی کریم ﷺ نے

نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر ناف کے نیچے رکھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱، ص ۳۹۰، ادارۃ القرآن کراچی)

ان احادیث، اور دیگر بہت سی مشہور روایات کے مطابق نماز میں سنت یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو یعنی دائیں کی ہتھیلی کو بائیں کی ہتھیلی پر رکھتے ہوئے ناف کے نیچے باندھا جائے۔لیکن بعض لوگوں کو عادت ہے کہ وہ عورتوں کی طرح اپنے ہاتھوں کو سینے پر باندھتے ہیں۔اب ہم یہ تو نہیں کہتے کہ ان لوگوں کو عورتیں بننے کا شوق کیوں دامن گیر رہتا ہے۔حالانکہ نماز پڑھنے کے طریقے میں مردوں اور عورتوں کے درمیان کئی امور میں فرق ہے۔اسی طرح سینے پر ہاتھ باندھنے والا حکم عورتوں کیلئے ہے مردوں کیلئے نہیں۔

علماء احناف (اللہ تعالیٰ ان پر لطف وکرم عام فرمائے) کے نزدیک حکم یہ ہے کہ خواتین نماز میں سینے پر ہاتھ باندھیں، اس مسئلہ پر ہمارے ائمہ کا اتفاق ہے۔علماء کا جم غفیر نے یہ بات اپنی اپنی کتب میں بغیر اختلاف نقل کی ہے، چنانچہ علامہ محمد بن محمد بن محمد المعروف ابن امیر الحاج حلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے منیہ کی شرح میں فرمایا: تیسرا مقام ہاتھ رکھنے کے بارے میں ہمارے علمانے فرمایا کہ مرد ناف کے نیچے اور عورت سینہ پر ہاتھ باندھے۔اور یہ بھی فرمایا کہ عورت اپنے دونوں ہاتھ سینہ پر رکھے جیسا کہ جم غفیر نے تصریح کی ہے (حلية المحلى شرح منية المصلى)

علامہ ابراہیم بن محمد بن ابرہیم حلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے غنیۃ میں اس مسئلہ پر اتفاق علما کی تصریح کی ہے اور اگر کوئی حدیث اس کے موافق نہیں ملتی تو اس کی مخالفت میں بھی وارد نہیں۔اگر کوئی دعوٰی کرتا ہے تو دلیل پیش کرے، اسی لیے محقق حلبی نے حلیہ میں فرمایا: ہم نے جو یہ کہا کہ عورت اپنا دایاں ہاتھ بایں ہاتھ پر اپنے سینے پر باندھے یہ اس لیے کہ عورت کے لئے اس میں زیادہ ستر ہے لہذا یہ اس کے حق میں اولی ہے کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ عورت کے حق میں جتنے بھی امور جائز ہیں ان میں سے اسی کو اختیار کرنا بہتر ہے جو سب سے زیادہ ستر کا سبب ہو خصوصاً حالتِ نماز میں زیادہ خیال رکھنا چاہئے، یہ تو وہ ہے جو ظاہر نظر میں آیا ہے۔

نماز میں ہاتھ باندھنے کی دو صورتیں اور ان میں ترجیح کا بیان:

حضور ﷺ سے ہاتھ باندھنے کی دو صورتیں مروی ہیں ایک صورت زیرِ ناف کی ہے اور اس بارے میں متعدد احادیث وارد ہیں سب سے اہم روایت وہ ہے جسے ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں ذکر کیا کہ ہمیں وکیع نے موسی بن عمیر سے علقمہ بن وائل بن حجر نے اپنے والد گرامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث بیان کی ہے کہ میں نے دورانِ نماز نبی اکرم ﷺ کو دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے باندھے دیکھا ہے۔امام علامہ قاسم بن قطلو بغا حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ اختیار شرح مختار کی احادیث کی تخریج کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کی سند جید اور تمام راوی ثقہ ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ وضع الیمین علی الشمال من کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ ادرۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)

(تخریج احادیث شرح مختار للقاسم بن قطلو بغا)

دوسری صورت سینے پر ہاتھ باندھنے کی ہے اس بارے میں ابن خزیمہ اپنے صحیح میں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالی عنہ سے ہی روایت لائیں ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی معیت میں نماز پڑھنے کا شرف پایا تو آپ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر رکھ کر سینے پر ہاتھ باندھیں۔

(صحیح ابن خزیمه باب وضع الیمین علی الشمال فی الصلوة مطبوعه المکتب الاسلامی بیروت)

چونکہ اس کی تعریف کا علم نہیں کہ کون سی روایت پہلے کی ہے اور کون سی بعد کی، اور دونوں روایات ثابت ومقبول ہیں تو لا جرم دونوں میں سے کسی ایک کو ترجیح ہوگی جب ہم نماز کے اس فعل بلکہ نماز کے تمام افعال پر نظر ڈالتے ہیں تو وہ تمام کے تمام تعظیم پر مبنی نظر آتے ہیں اور مسلم ومعروف تعظیم کا طریقہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا ہے لہذا امام محقق علی الاطلاق نے فتح میں فرمایا ہے: قیام میں بقصد تعظیم ہاتھ باندھنے کا معاملہ معروف طریقے پر چھوڑا جائے اور قیام میں تعظیما ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا ہی معروف ہے۔ (فتح القدیر باب صفت الصلوۃ نوریہ رضویہ سکھر ج۱،ص۲۴۹)

لہذا مردوں کے بارے ابن ابی شیبہ کی روایت راجح ہے اور چونکہ خواتین کے معاملہ میں شرع مطہر کا مطالبہ کمال ستر حجاب ہے، اس لئے فقہاء نے فرمایا مردوں کی پہلی صف افضل اور آخری غیر افضل اور خواتین کی آخری صف افضل اور پہلی غیر افضل یہ حدیث صحاح ستہ کی تمام کتابوں میں ہے سوائے بخاری کے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے اور طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت ابو امامہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے، یہ بھی فرمایا عورت کی نماز کمرے میں گھر کے صحن میں نماز پڑھنے سے افضل اور خاص چھوٹے کمرے میں اس سے بھی افضل ہے۔

(سنن ابن داؤد باب صف النساء والتاخر عن الصف الاول مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور)

ہاتھ سینے پر باندھنے میں غیر مقلدین کے دلائل کا تجزیہ:

غیر مقلدوں پاس نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے کی نہ کوئی صحیح حدیث ہے او نہ ہی خیر القرون (یعنی صحابہ تابعین تبع تابعین) کا عمل نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے کا موجود ہیں۔

پہلی دلیل: (وانحر) کی تفسیر حضرت علیؓ سے سینہ پر ہاتھ باندھنا ہے۔ (سنن الکبری بیہقی ج 2 ص 30، 31)

اعتراض نمبر: 1 تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

اعتراض نمبر: 2 تفسیر قرطبی میں بھی اس کی سند کو ضعیف قرار دیا گیا ہے۔

اعتراض نمبر: 3 تفسیر ابن جریر میں ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ وانحر سے مراد قربانی ہے۔ (ج 15 ص 328)

اعتراض نمبر: 4 غیر مقلدین کے عالم ابو عبد السلام بن عبد الحنان اپنی کتاب (القول المقبول ص 343) پر لکھتے ہے کہ اس کی

سند ضعیف ہے۔اعتراض نمبر :5اس کی سند میں ابوالحریش کلابی ہے۔اسکی ثقات مطلوب ہے؟

اعتراض نمبر :6ابوالحریش یہ روایت شیبان بن فروخ سے نقل کر رہا ہے ابوالحریش کلابی کا شیبان بن فروخ سے سماع ثابت نہیں۔

اعتراض نمبر :7شیبان بن فروغ کے بارے میں (تقریب التھذیب ج 1ص 148) میں صدوق ہے۔وہم ہو جاتا ہے۔دوسری دلیل :غیر مقلدوں کی دوسری دلیل تفسیر ابن عباس ہے۔

اعتراض نمبر :1غیر مقلد زبیر علی زئی اپنی کتاب تسہیل الوصول ص 201 پر اس کی سند کو ضعیف قرار دیتا ہے۔

اعتراض نمبر :2غیر مقلد مبارک پوری ابکار المنن ص 109 میں لکھتا ہے کہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس کی سند ضیعف ہے۔

اعتراض نمبر :3اس کی سند میں ایک راوی روح بن المسیب ہے۔وضاع الحدیث (یعنی حدیثیں گھڑتا تھا)(میزان الااعتدال ج 2ص 61)

اعتراض نمبر :4اس روایت میں عند انحر ہے علی انحر نہیں ہے لہٰذا غیر مقلدوں کی دلیل ہی نہ بنی۔

تیسری دلیل :ابن خزیمہ کی حدیث ج 1ص 243ہے۔

اعتراض نمبر :1غیر مقلد ناصر الدین البانی ابن خزیمہ کے حاشیہ میں لکھتا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے۔

اعتراض نمبر :2غیر مقلد مبارک پوری ابکار المنن ص 109 میں لکھتا ہے کہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔

اعتراض نمبر :3غیر مقلد ابوعبد السلام القول المقبول میں ص 345 میں لکھتا ہے اس کی سند ضعیف ہے۔

اعتراض نمبر :4اس روایت میں ایک راوی مؤمل بن اسماعیل ہے۔امام بخاری فرماتے ہے یہ منکر الحدیث ہے(المغنی فی الضعفاء ج 2ص446،تہذیب الکمال ج 91ص526،تہذیب التھذیب ج 5ص2،میزان الااعتدال ج 4ص 228امام بخاریؒ فرماتے ہیں جسکو میں منکر الحدیث کہہ دوں اس سے روایت لینا حلال نہیں ہے۔(میزان ج 1ص6، تدریب الراوی)

اعتراض نمبر :5امام بخاریؒ کے استاد امام ابوزرعہؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث میں کثرت سے خطاء کرتا ہے۔(میزان ج 4ص 228)اعتراض نمبر :6تقریب التھذیب میں ہے۔برے حافظے والا ہے۔(ج 2ص231)

اعتراض نمبر :7غیر مقلد زبیر علی زئی نے اپنی کتاب نور العینین ص 61 پر لکھا ہے جو راوی کثیر الخطاء اور برے حافظہ والا ہو، اس کی منفرد روایت ضعیف ہوتی ہے یہاں مؤمل بن اسماعیل کا بھی یہی حال ہے۔

چوتھی دلیل :ابن حجرؒ سے ایک روایت بیہقی کے حوالہ سے پیش کرتے ہیں وہ بھی ضعیف ہے(القول المقبول ص340)

اعتراض نمبر :1فتح الباری ج 9ص 170 پر ہے مؤمل بن اسماعیل کثیر الخطا ہے سفیان سے اسکی روایت ضعیف ہوتی ہے

یہاں مول بن اسماعیل سفیان سے نقل کر رہا ہے۔

اعتراض نمبر :2نورالعینین ص 127 پرلکھا ہے جب سفیان (عن) سے روایت کرے تو حجت نہیں غیر مقلدوں آنکھیں کھولوں یہاں بھی سفیان (عن) سے روایت کر رہا ہے

اعتراض نمبر :3غیر مقلد حکیم عبدالرحمٰن خلیق بارہ مسائل ص 38 پرلکھتا ہے کہ عاصم بن کلیب بالاتفاق کبار محدثین کے نزدیک سخت درجہ کاضعیف راوی ہے کہ یہاں بھی عاصم بن کلیب راوی موجود ہے اسے کہتے ہے کہ

گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

پانچویں دلیل :مسنداحمد کی روایت ہے جوج 5ص 226 پر ہے۔

اعتراض نمبر :1غیر مقلدین کی مشہور کتاب القول المقبول اس کے ص 341 پرلکھا ہے کہ اس کی سندضعیف ہے۔

اعتراض نمبر :2اس روایت میں سماک بن حرب ہے جو کہ استاد ہے سفیان کا،سفیان فرماتے ہیں سماک بن حرب ضعیف ہے۔ (میزان الا اعتدال ج 2ص(232)

اعتراض نمبر :3سفیان کا خودعمل ناف کے نیچے نماز میں ہاتھ باندھنے کا ہے۔(شرح مسلم ج 1ص(173)

اعتراض نمبر :4امام نسائی فرماتے ہیں سماک بن حرب جب منفرد ہو تو حجت نہیں۔(میزان ج 2ص(232)

اعتراض نمبر :5 کتاب الشق ہم سنی مسلمان غیر مقلدوں (اہلحدیث،وہابیوں) کی طرح نماز میں سینے پر ہاتھ کیوں نہیں باندھتے؟

اعتراض نمبر :6سماک بن حرب کے تمام شاگرد ھذہ علی ھذہ کے الفاظ نقل کرتے ہیں۔سینہ پر ہاتھ باندھنے کو بیان نہیں کرتے ان کے حوالے(سنن ابن ماجہ ج 1ص58،مسنداحمد ج 5ص(226)

اعتراض نمبر :7یہ روایت کوفہ کی ہے اور کوفہ سے غیر مقلدوں کو پہلے ہی بہت بغض وکینہ ہے اور کوفہ کا عملی تواتر ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا ہے۔

اعتراض نمبر :8مسند احمد کی روایت میں لفظ ھذہ ہے جس سے دو ہاتھ کا ترجمہ کرنا جہالت ہے اسی وجہ سے غیر مقلدوں کے بہت بڑے مناظر مبشر ربانی اپنی کتاب آپ کے سوال قرآن وسنت کی روشنی میں کے ص 125 جلد اول پر اس روایت کے لفظ ھذہ کو ھذا میں بدل دیا نئے چھاپے میں بھی درست نہیں کیا اور نظر ثانی کرنیوالے زبیر علی زئی کی بھی اس لفظ پر آ کر آنکھیں بند ہوگئی اللہ تعالٰی غیر مقلدوں کی عقل وآنکھوں کو درست فرمائے۔آمین

ہاتھ چھوڑ کرنماز پڑھنے میں اہل تشیع کے دلائل اوران کا تجزیہ:

ایسا سوال جو ہمیشہ بہت سے لوگوں کے ذہن میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ کیا نماز میں ہاتھ باندھنا جائز ہے یا نہیں؟

شیعوں کے نزدیک یہ عمل جائز نہیں ہے؟(۱) جیسا کہ خلاف (۲)، غنیۃ (۳) اور دروس (۴) جیسی کتب میں ذکر ہوا ہے۔

سید مرتضی نے اپنی کتاب الانتصار (۵) میں اس کے جائز نہ ہونے پر اجماع ہونے کا دعوی کیا ہے. اسی طرح اہل بیت علیہم السلام سے بھی اس بارے میں بہت سی روایات نقل ہوئی ہیں۔

نیز اہل سنت میں بھی امام مالک اور بعض فقہائے سلف اسے مکروہ سمجھتے ہیں اسے تابعین بلکہ بعض صحابہ کرام سے نقل ہوا ہے کہ وہ نماز میں ہاتھ کھولنے کا عقیدہ رکھتے تھے۔(۶)

اہل سنت کے درمیان اس مسئلے میں اختلاف کا باعث پیغمبر کی نماز کے متعلق وہ صحیح جن ا۔خلاف ا :۱۰۹. ۲۔خلاف ا: ۱۰۹. ۳۔(غنیۃ النزوع :۸۱. ۴۔الدروس الشرعیۃ :۱۸۵. ۵۔الانتصار :۴۱.)

۶۔ بدایۃ المجتہد ا:۱۳۶؛ ذہبی اس کتاب کے مؤلف قرطبی کے بارے میں کہتے ہیں :وہ فقہ میں علامہ تھے... فقہ میں برتری پائی... وہ اندلس میں علم و فضل اور کمال میں بے نظیر تھے... جیسا کہ فقہ میں لوگوں کی پناہ گاہ تھے اسی طرح حکمت میں بھی لوگ انہیں کی طرف رجوع کیا کرتے۔(سیر اعلام النبلاء ۲۱ :۳۰۸.)

میں یہ ذکر ہوا ہے کہ آنحضرت حالت نماز میں ہاتھ نہیں باندھتے تھے. جیسا کہ ابن رشد نے بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

ابراہیم نخعی (۱) جنھوں نے اہل سنت کے آئمہ اربعہ میں سے بعض سے پہلے وفات پائی وہ بھی ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کے قائل تھے۔

اسی طرح حسن بصری (۲) تابعی جسے اہل سنت علم و عمل میں اہل زمانہ کا سردار مانتے ہیں وہ بھی نماز میں ہاتھ کھول کر پڑھا کرتے تھے۔

ا۔وہ پہلی صدی کے بزرگوں میں سے ہیں جنھوں نے بعض صحابہ کرام کو بھی درک کیا اور ۹۶ھ میں وفات پائی۔

ذہبی کہتے ہیں :وہ امام، حافظ، فقیہ عراق اور بزرگ شخصیت تھے اور ایک جماعت نے ان سے روایات نقل کی ہیں اسی طرح انہوں نے حکم بن عتیبہ، سلیمان بن مہران اور ان کے علاوہ کئی ایک افراد سے روایات نقل کی ہیں . وہ معتقد تھے کہ ابو ہریرہ کی بہت سی روایات منسوخ ہیں۔

عجلی کہتے ہیں :وہ مفتی کوفہ فقیہ اور پرہیز گار انسان تھے... احمد بن حنبل سے بھی نقل ہوا ہے کہ وہ کہتے ہیں :ابراہیم ذہین، حافظ اور صاحب سنت تھے۔(سیر اعلام النبلاء ۴ :۵۲۰.)

۲۔حسن بصری حضرت عمر کی خلافت کے پورے ہونے سے دو سال پہلے پیدا ہوئے اور حضرت عثمان کی اقتداء میں نماز جمعہ میں شریک ہوا کرتے ... کہا جاتا ہے کہ علم و عمل میں وہ اپنے زمانے کے سردار تھے۔

ابن سعد لکھتے ہیں :وہ جامع ،عالم، رفیع ،فقیہ ،ثقہ ،حجت ،قابل اعتماد، عابد ،ناسک اور کثیر العلم تھے۔(سیر اعلام النبلاء ۴: ۵۷۱)۔ جبکہ ہمارے (شیعوں) ہاں اس کی مذمت میں روایات ذکر ہوئی ہیں۔

ابن سیرین (۱) اور لیث بن سعد (۲) اور عبداللہ بن زبیر جو صحابی ہے اور مالک کے مذہب میں بھی مشہور نظریہ یہی ہے، اسی طرح اہل مغرب بھی اسی نظریے (نماز میں ہاتھ کھولنے) پر عقیدہ رکھتے اور اسی پر عمل کیا کرتے تھے۔

۱۔محمد بن سیرین خلیفہ دوم کی خلافت کے اواخر میں پیدا ہوئے اور ۱۱۰ھ میں وفات پائی ۔اس نے تیس صحابہ کرام کو درک کیا۔عجلی کہتے ہیں :پرہیز گاروں میں اس سے بڑھکر فقیہ اور فقہاء میں اس سے بڑھکر کسی کو پرہیز گار نہیں دیکھا۔طبری کہتے ہیں :ابن سیرین فقیہ، عالم، متقی ،کثیر الحدیث اور سچے انسان تھے، اہل علم وفضل نے بھی اسکی گواہی دی ہے جو حجت ہے۔
(سیر اعلام النبلاء ۴: ۶۰۶۔)وہ بھی نماز میں ہاتھ کھولنے کا عقیدہ رکھتے تھے۔

اگرچہ ہمارے سابقہ علماء نے اس کے متعلق کوئی اشارہ نہیں کیا لیکن حجاج بن یوسف کی مدح میں اس کچھ مطالب نقل ہوئے ہیں۔

تستری کہتے ہیں :اگر اس کے متعلق بیان کئے جانے والے مطالب صحیح ہوں تو یہی اس کی نادانی اور جہالت کے لئے کافی ہیں۔(قاموس الرّجال ۹ :۳۲۲؛ تنقیح المقال ۳ :۱۳۰۔)

۲۔لیث بن سعد کے بارے میں کہا گیا ہے :وہ امام، حافظ، شیخ الاسلام اور عالم دیار مصر تھے جو ۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۷۵ھ میں وفات پائی۔احمد بن حنبل کہتے ہیں :لیث کثیر العلم، صحیح الحدیث ،ثقہ اور قابل اعتماد تھے۔مصریوں میں ان سے بڑھکر کوئی صحیح الحدیث نہیں ہے۔

ابن سعد کہتے ہیں :لیث فتوی میں مستقل اور ثقہ تھے اس نے بہت سی احادیث نقل کی ہیں۔عجلی اور نسائی اسکے بارے میں کہتے ہیں :لیث ثقہ ہے۔ابن خراش کہتے ہیں :وہ سچا انسان ہے اور اسکی احادیث بھی صحیح ہیں۔شافعی کہتے ہیں :لیث ، مالک سے بھی بڑھکر فقیہ تھا لیکن اصحاب نے اسے ترجیح نہ دی؟ (سیر اعلام النبلاء ۸ :۱۳۶)۔وہ بھی ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کے قائل تھے۔

ہم شیعوں کے مطابق اس نے امام صادق علیہ السلام کا ادراک کیا ان عظمت ومنقبت بھی بیان کی لیکن یہ اس کی ہدایت کا باعث نہ بن سکی۔(قاموس الرّجال ۸ :۶۳۲؛ تنقیح المقال ۲: ۶۴۔)

امام مالک علیہ الرحمہ سے عدم ارسال کی روایات کا بیان:

مالکیوں کی کتاب "المدونہ" میں لکھا ہوا ہے۔

"وقال مالك في وضع اليمنىٰ على اليسرىٰ في الصلوٰة قال :لا اعرف ذلك في الفريضة و كان

"یکرھه ولکن فی النوافل اذا طال القیام فلاباس بذلك یعین به نفسه"

(امام) مالک نے نماز میں ہاتھ باندھنے کے بارے میں کہا" : مجھے فرض نماز میں اس کا ثبوت معلوم نہیں "وہ اسے مکروہ سمجھتے تھے، اگر نوافل میں قیام لمبا ہو تو ہاتھ باندھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس طرح وہ اپنے آپ کو مدد دے سکتا ہے۔

(المدونہ) مدونہ ایک مشکوک اور غیر مستند کتاب ہے۔

اس غیر ثابت قول کے مقابلے میں موطا امام مالک میں باب باندھا ہوا ہے":باب وضع الیدین احداھما علی الاخری فی الصلوٰۃ "(اس باب میں امام مالک سیدنا سہل بن سعد ؓ والی حدیث لائے ہیں": کان الناس یؤمرون أن یضع الرجل الیدالیمنیٰ علی ذراعه الیسریٰ فی الصلوۃ "لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ آدمی اپنا دایاں ہاتھ اپنی بائیں ذراع پر رکھے۔(الاستذکار، والزرقانی)

ابن عبدالبر نے کہا۔

" وروی ابن نافع وعبدالمالك ومطرف عن مالك أنه قال :توضع الیمنیٰ علی الیسریٰ فی الصلوٰۃ فی الفریضة والنافلة ، قال :لا باس بذلك ، قال ابو عمر :وھو قول المدنیین من اصحابه"

ابن نافع، عبدالمالک اور مطرف نے (امام) مالک سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا" :فرض اور نفل (دونوں نمازوں) میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا چاہیے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ "ابوعمر (ابن عبدالبر) نے کہا :اور ان (امام مالک) کے مدنی شاگردوں کا یہی قول ہے۔"(الاستذکار، ج ۲ ص ۲۹۱)

نماز میں ہاتھ باندھنے کے فقہی دلائل:

حضرت سہل بن سعدؓ نے فرمایا :لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ وہ نماز میں اپنا دایاں ہاتھ اپنی بائیں ذراع پر رکھیں۔ (مؤطا امام مالک، ج ۱ ص ۱۵۹، صحیح بخاری مع فتح الباری، ج ۲، ۱۷۸)

دلیل نمبر (۱)

نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنے کی احادیث متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے صحیح یا حسن اسانید کے ساتھ مروی ہیں، مثلاً:۱۔وائل بن حجر (مسلم :۴۰۱ وابوداود: ۷۲۷) ۲۔جابر (احمد، رقم الحدیث ۱۵۱۵۶ وسندہ حسن) ۳۔ابن عباس (صحیح ابن حبان، الموارد ۸۸۵ وسندہ صحیح) ۴۔عبداللہ بن جابر البیاضی (معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم الاصبہانی، وسندہ حسن واوردہ الضیاء فی المختارۃ ۵۔غضیف بن الحارث (مسند احمد وسندہ حسن) ۶۔عبداللہ بن مسعود (ابوداؤد وابن ماجہ وسندہ حسن) ۷۔عبداللہ بن زبیر (ابوداؤد :واسنادہ حسن واوردہ الضیاء المقدسی فی المختارۃ) یہ حدیث متواتر ہے۔

(نظم المتناثر من الحدیث المتواتر ج ۶۸، ص ۲۸)

ارسال والی روایت کی سند میں ضعف کا بیان:

المعجم الکبیر للطبرانی میں معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں ارسال یدین کرتے تھے اور کبھی کبھار دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھتے تھے۔ (مجمع الزوائد، ج ۲، ص ۱۰۲)

اس دلیل کا جائزہ

اس روایت کی سند کا ایک راوی خصیف بن جحدر ہے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی، ج ۲۰، ص ۱۳۹)

امام بکاری، ابن الجارود، الساجی شعبہ، القطان اور ابن معین وغیرہ نے کہا : کذاب (جھوٹا) ہے۔ (دیکھئے لسان المیزان، ج ۲، ۴۸۶) حافظ ہیثمی نے کہا۔ کذاب ہے۔ (مجمع الزوائد، ج ۲، ص ۱۰۲)

نماز میں ہاتھ باندھنا قیام کی صفت ہے:

احکام فقہیہ کی روشنی میں فقہاء نے ہاتھ باندھنے کو قیام کی صفت قرار دیا ہے۔ اسی طرح قومہ کے درمیان ہاتھ نہ باندھنا بھی اسی وجہ سے ہے وہ قیام نہیں ہے۔ کیونکہ اگر وہ قیام ہوتا تو فرض ہوتا۔ اس کی عدم فرضیت کی دلیل کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ وہ قیام نہیں ہے۔ لہذا اس وقت اس میں ہاتھ نہیں باندھے جاتے۔ اس لئے قیام کی صورت میں اس کی صفت کو قائم رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ ہاتھوں کا باندھا جائے تاکہ صفت قائم ہو اور قیام صفت سے موصوف یا ذات کی پہچان ہوتی ہے کیونکہ صفت کا مقصد ہی ذات یا موصوف کی معرفت ہے۔

امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک ارسال عزیمت جبکہ اعتماد رخصت ہے:

امام سرخسی علیہ الرحمہ مبسوط میں لکھتے ہیں۔ ہاتھ میں باندھنے میں اصل سنت ہے۔ جبکہ امام اوزاعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نمازی کو ارسال اور اعتماد میں اختیار دیا جائے گا۔

کثرت روایات کی وجہ سے خبر واحد پر ترجیح ثابت ہو جائے گی کیونکہ ہاتھ باندھنے میں روایات کی کثرت ہے جس کا تقاضہ یہ ہے اسے اس خبر واحد جس میں ارسال کا ذکر ہے اس پر ترجیح دی جائے گی۔ لہذا امام مالک علیہ الرحمہ کے موقف ارسال کی بجائے اعتماد پر عمل کیا جائے گا۔ کیونکہ جب کسی عمل کے بارے میں روایات کی کثرت واقع ہو تو اسے ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

نماز میں ثناء پڑھنے کا بیان:

(ثُمَّ يَقُولُ : سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ إلَى آخِرِهِ) وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يَضُمُّ إلَيْهِ قَوْلَهُ : (إنِّي وَجَّهْت وَجْهِي) إلَى آخِرِهِ ، لِرِوَايَةِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ يَقُولُ ذَلِكَ .

وَلَهُمَا رِوَايَةُ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ "(أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ إذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ كَبَّرَ

وَقَرَأَ :سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ إِلَى آخِرِهِ) " وَلَمْ يَزِدْ عَلَى هَذَا ، وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى التَّهَجُّدِ .وَقَوْلُهُ وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ لَمْ يُذْكَرْ فِي الْمَشَاهِيرِ فَلَا يَأْتِي بِهِ فِي الْفَرَائِضِ .وَالْأَوْلَى أَنْ لَا يَأْتِيَ بِالتَّوَجُّهِ قَبْلَ التَّكْبِيرِ لِتَتَّصِلَ بِهِ النِّيَّةُ هُوَ الصَّحِيحُ ـ

ترجمہ:

پھر نمازی کہے" :سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ إِلَى آخِرِهِ "اورامام ابو یوسف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ وہ ثناء کو ان کلمات" (إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِي) إِلَى آخِرِهِ" سے ملائے۔کیونکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اسی طرح کہا کرتے تھے۔

جبکہ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب نماز شروع کرتے تو آپ ﷺ تکبیر کہتے اور پھر پڑھتے" سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ إِلَى آخِرِهِ) "اوراس پر کچھ زیادہ نہ کرتے۔اورامام ابو یوسف علیہ الرحمہ کی روایت کو تہجد پر محمول کیا جائے گا۔اوران کا قول" وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ "مشہورروایت میں ذکر نہیں ہوااس لئے فرائض میں اسے نہ لایا جائے گا۔اورافضل یہ ہے کہ تکبیر سے پہلے (انی وجہت)نہ پڑھے تاکہ نیت تکبیر کے ساتھ مل جائے جو کہ صحیح ہے۔

تکبیر کے بعد نماز میں ثناء کے متعلق احادیث:

امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز شروع کر کے فرماتے ہیں۔سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ ، تَبَارَكَ اسْمُكَ ، وَتَعَالَى جَدُّكَ ، وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ. (سنن ابن ماجہ، ج ا،ص ۵۸، قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو (تکبیر تحریمہ کے بعد) یہ پڑھا کرتے تھے۔ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَ تَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ اللہ تو پاک ہے اور ہم تیری پاکی تیری تعریف کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔تیرا نام بابرکت ہے، تیری شان بلند و برتر ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔یہ حدیث ترمذی اور ابوداؤد نے نقل کی ہے نیز ابن ماجہ نے (بھی) اس روایت کو ابو سعید سے نقل کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو ہم سوائے (بواسطہ) حارثہ راوی کے نہیں جانتے اوراس میں قوت حافظہ کے فقدان کی وجہ سے کلام کیا گیا ہے۔(مشکوۃ)

علامہ طیبی شافعی نے اس حدیث کے بارے میں کہا ہے کہ یہ حدیث حسن مشہور ہے اور اس حدیث پر خلفائے راشدین میں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمل کیا ہے نیز یہ حدیث مسلم میں بھی منقول ہے۔

نماز میں تعوذ وتسمیہ پڑھنے کا بیان:

(وَيَسْتَعِيذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ) مَعْنَاهُ :إذَا أَرَدْت قِرَاءَةَ الْقُرْآنِ ، وَالْأَوْلَى أَنْ يَقُولَ أَسْتَعِيذُ بِاللَّهِ لِيُوَافِقَ الْقُرْآنَ ، وَيَقْرُبُ مِنْهُ أَعُوذُ بِاللَّهِ ، ثُمَّ التَّعَوُّذُ تَبَعٌ لِلْقِرَاءَةِ دُونَ الثَّنَاءِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ لِمَا تَلَوْنَا حَتَّى يَأْتِيَ بِهِ الْمَسْبُوقُ دُونَ الْمُقْتَدِي وَيُؤَخِّرُ عَنْ تَكْبِيرَاتِ الْعِيدِ خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ

(وَيَقْرَأُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ) هَكَذَا نُقِلَ فِي الْمَشَاهِيرِ (وَيُسِرُّ بِهِمَا) لِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَوْله تَعَالَى :أَرْبَعٌ يُخْفِيهِنَّ الْإِمَامُ ، وَذَكَرَ مِنْهَا التَّعَوُّذَ وَالتَّسْمِيَةَ وَآمِينَ .

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ :يَجْهَرُ بِالتَّسْمِيَةِ عِنْدَ الْجَهْرِ بِالْقِرَاءَةِ لِمَا رُوِيَ "(أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ جَهَرَ فِي صَلَاتِهِ بِالتَّسْمِيَةِ). "

قُلْنَا :هُوَ مَحْمُولٌ عَلَى التَّعْلِيمِ لِأَنَّ أَنَسًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَخْبَرَ (أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ لَا يَجْهَرُ بِهَا).

ثُمَّ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ لَا يَأْتِي بِهَا فِي أَوَّلِ كُلِّ رَكْعَةٍ كَالتَّعَوُّذِ .وَعَنْهُ أَنَّهُ يَأْتِي بِهَا احْتِيَاطًا وَهُوَ قَوْلُهُمَا ، وَلَا يَأْتِي بِهَا بَيْنَ السُّورَةِ وَالْفَاتِحَةِ إلَّا عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ فَإِنَّهُ يَأْتِي بِهَا فِي صَلَاةِ الْمُخَافَتَةِ

ترجمہ

اور اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرے کہ وہ اس کو شیطان مردود سے بچائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: جب تو قرآن پڑھے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کر و شیطان مردود (کے شر سے بچنے کیلئے) اذا قرأت کا معنی یہ ہے جس وقت تو قرآن کی قرأت کا ارادہ کرے۔ اور افضل یہ ہے کہ "أَسْتَعِيذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ" تا کہ قرآن مجید سے موافقت ہو جائے اور "اعوذ بالله" بھی اسی کے قریب ہے طرفین کے نزدیک تعوذ قرأت کے تابع ہے۔ جبکہ ثناء کے تابع نہیں۔ اس آیت کی وجہ سے جسے ہم تلاوت کر چکے ہیں۔ اور مسبوق تعوذ پڑھے گا جبکہ مقتدی تعوذ نہ پڑھے گا۔ اور امام تعوذ کو عید کی تکبیرات پر مؤخر کرے گا۔ اس میں امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے۔

اور "بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ" پڑھے یہی مشہور احادیث سے روایت کیا گیا ہے۔ بسم اللہ اور تعوذ دونوں کو آہستہ پڑھے۔ کیونکہ حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امام چار چیزوں کو آہستہ پڑھے گا اور ان میں سے انہوں نے بسم اللہ، تعوذ اور آمین کو بھی ذکر کیا ہے۔

جبکہ امام شافعی نے فرماتے ہیں کہ وہ بسم اللہ کو جہر سے پڑھے گا جب وہ قرأت جہرے سے کرے۔ اس لئے کہ نبی کریم

علیہ ﷺ نے بسم اللہ کو جہر سے پڑھا ہے۔

فقہاء احناف فرماتے ہیں کہ یہ جہر پڑھنا تعلیم پر محمول کیا جائے گا۔ کیونکہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بسم اللہ جہر سے نہیں پڑھا کرتے تھے۔

اسی طرح امام اعظم فرماتے ہیں کہ وہ بسم اللہ کو ہر رکعت کے شروع میں نہ پڑھے جس طرح تعوذ کو نہیں پڑھا جاتا۔ اور امام اعظم سے یہ بھی روایت ہے کہ بسم اللہ کو ہر رکعت کے شروع بطور احتیاط پڑھے۔ اور صاحبین کا بھی یہی قول ہے اور بسم اللہ کو سورۃ فاتحہ اور سورۃ کے درمیان نہ لائے جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک اس کو سری نماز میں پڑھے۔

نماز میں تعوذ پڑھنے کا سنن میں بیان:

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز میں داخل ہوئے تو کہا تین مرتبہ "اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ" حضرت عمرو بن مرہ فرماتے ہیں ہمزہ جنون اور دیوانگی کو کہتے ہیں اور نفث شعر کو اور نفخ تکبر کو۔

(سنن ابن ماجہ، ج ا، ص ۵۸، قدیمی کتب خانہ کراچی)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھا "اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ وَهَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ" فرمایا ہمزہ دیوانگی اور جنون ہے اور نفث شعر ہے اور نفخ تکبر ہے۔ (سنن ابن ماجہ، ج ا، ص ۵۸، قدیمی کتب خانہ کراچی)

نماز میں بسم اللہ پڑھنے کے فقہی احکام:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما نماز "الحمد الله رب العالمين" سے شروع کرتے تھے۔ (صحیح مسلم)

بظاہر تو اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع کرتے وقت سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے لیکن سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھنا تمام ائمہ کے نزدیک متفق علیہ ہے کیونکہ دوسری احادیث سے بسم اللہ کا پڑھنا ثابت ہوتا ہے خواہ بسم اللہ کو سورہ فاتحہ کا جزء مانا جائے جیسا کہ شوافع فرماتے ہیں خواہ نہ مانا جائے جیسا کہ حنفیہ فرماتے ہیں۔

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہاں الحمد للہ رب العالمین سے مراد سورہ فاتحہ ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورہ فاتحہ سے نماز شروع کرتے تھے جیسا کہ یہ کہا جائے کہ فلاں آدمی نے الم پڑھا تو اس سے مراد سورہ بقرہ ہی لی جاتی ہے اور یہ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ امام شافعی کے نزدیک بسم اللہ سورۃ کا جزء ہے لہذا اس قول سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ

نہیں پڑھتے تھے۔

احناف کی جانب سے اس کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ یہاں مطلق نفی مراد نہیں ہے بلکہ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ بآ واز بلند نہیں پڑھتے تھے بلکہ آہستہ سے پڑھتے تھے اور بآ واز بلند نماز کی ابتداء ''الحمد اللہ رب العالمین'' سے کرتے تھے کیونکہ یہ بات پوری صحت کی ساتھ ثابت ہو چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاء راشدین اور دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین بسم اللہ بہ آواز بلند نہیں پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ بآ واز بلند پڑھی جانے والی نماز میں بھی آہستہ پڑھتے تھے۔

حضرت شیخ ابن ہمام نے بعض حفاظ حدیث (یعنی وہ لوگ جن کو بہت زیادہ احادیث زبانی یاد رہتی تھیں) سے نقل کیا ہے کہ کوئی بھی ایسی حدیث ثابت نہیں ہے جس میں بسم اللہ کا بآ واز بلند پڑھنا بصراحت ثابت ہو تو وہاں اگر کوئی ایسی حدیث ثابت بھی ہے کہ جس سے بسم اللہ بآ واز بلند پڑھنا ثابت ہوتا ہے تو اس کی اسناد میں کلام کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ صحابہ و تابعین اور تبع تابعین کی ایک بڑی جماعت سے بسم اللہ آہستہ پڑھنا بکثرت منقول ہے اور اگر اتفاقی طور پر کسی کے بارے میں بآ واز بلند پڑھنا ثابت ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یا تو انہوں نے لوگوں کی تعلیم کے لیے بسم اللہ بآ واز بلند پڑھی ہوگی یا پھر ان مقتدیوں کی روایت ہے جو ان کے بالکل قریب نماز میں کھڑے ہوتے تھے کہ اگر وہ، بسم اللہ آہستہ سے بھی پڑھتے تھے تو مقتدی سن لیتے تھے اور اسی کو انہوں نے بآ واز بلند پڑھنے سے تعبیر کیا۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب جامع ترمذی میں اس مسئلے سے متعلق دو باب قائم کیے ہیں ایک باب میں تو ان احادیث کو نقل کیا ہے جن سے بسم اللہ بآ واز بلند پڑھنا ثابت ہے اور دوسرے باب میں وہ احادیث نقل کی ہیں جو آہستہ آواز سے پڑھنے پر دلالت کرتی ہیں اور امام ترمذی نے ترجیح انہیں احادیث کو دی ہے جن سے بآ واز آہستہ پڑھنا ثابت ہوتا ہے اور کہا ہے کہ اس طرف (یعنی بسم اللہ آہستہ پڑھنے کے مسلک کے حق میں) اکثر اہل علم مثلاً صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان غنی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین کرام وغیرہ ہیں۔ (جامع ترمذی)

نماز میں قرات تسمیہ کا حکم سری:

تسمیہ کی شرعی حیثیت کے تحت تسمیہ کا سورہ فاتحہ کا حصہ نہ ہونا اس امر سے بھی مترشح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہری نمازوں میں قرات بالجہر کا آغاز الحمدللہ رب العالمین،، سے کرتے تھے۔ بسم اللہ کی قرات جہراً نہ فرماتے تھے۔ اس سلسلے میں چند احادیث ملاحظہ ہوں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابابکر و عمر و عثمان کانوا یفتتحون القراۃ بالحمد للّٰہ رب العلمین

وزاد مسلم لایذکرون بسم اللہ الرحمن الرحیم فی اول قرأۃ ولا فی آخرھا

سنن دارمی میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جہری قرات کا آغاز الحمد للہ سے فرمایا کرتے تھے صحیح مسلم کے مزید الفاظ یہ ہیں کہ پہلی اور دوسری مرتبہ دونوں قراتوں میں (جہرا) بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے۔

(صحیح لمسلم، 172 : 1، کتاب الصلاۃ، رقم 52 :مسند احمد بن حنبل، 101 : 3، 114سنن الدارمی، 300 : 1مطبوعہ، دارالقلم دمش .سنن النساء ی، 97 : 2، رقم 902 :)

سعید بن منصور سنن میں ابووائل رضی اللہ عنہ سے اسناد صحیح کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

کانوا یسرون التعوذ والبسملة فی الصلوۃ . صحابہ کرام نماز میں تعوذ اور تسمیہ آہستہ پڑھتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ اسنادِ صحیح کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

قال صلیت خلف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم وابی بکر وعمر وعثمان (رضی الله عنهم) فلم أسمع أحدا منهم یجهر بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم .

انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ میں نے ان میں سے کسی کو بھی جہراً بسم اللہ پڑھتے نہیں سنا۔ (سنن نسائی، 99 : 2، رقم(907 :)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکی دور میں ابتداء دوران نماز بسم اللہ جہراً پڑھتے تھے۔ اس پر مشرکین مکہ استہزاء کرتے کیونکہ وہ مسلیمہ کذاب،، کو رحمٰن کہتے تھے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سن کر وہ طعنہ دیتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل یمامہ کے معبود مسلیمہ کذاب،، کی طرف بلاتے ہیں۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو بسم اللہ کی قرأت آہستہ کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

فامر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم باخفائها فما جهر بها حتی مات .

لہذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم صادر فرمایا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پوشیدہ پڑھا کرو، پھر تا وقتِ وفات کبھی نماز میں بسم اللہ پکار کر نہیں پڑھی۔ (طبرانی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

فلما نزلت هذه الایة أمر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ان لایجهربها .

جب آیت بسم اللہ نازل ہوئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بسم اللہ بلند آواز سے نہ پڑھی جائے۔ (طبرانی)

اسی طرح صحیح بخاری، صحیح مسلم اور طبرانی کے علاوہ مصنف ابن ابی شیبہ، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، اور بیہقی وغیرہ متعدد کتب حدیث میں اس امر کی صراحت موجود ہے کہ تسمیہ کی قرات سورہ فاتحہ یا کسی اور سورت کے حصے کے طور پر نہیں بلکہ الگ حیثیت سے کی جاتی تھی۔ اگر یہ حصہ سورۃ فاتحہ ہوتی تو یقیناً اس کی قرات بھی اس کے ساتھ بلند آواز سے کی جاتی۔ جن روایات میں بسم اللہ کی قرات کا دوران نماز بلند آواز سے ہونا مذکور ہے وہ مکی دور کے اوائل ایام سے متعلق ہیں۔ لیکن بعد میں صراحت کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پکار کر پڑھنے کی ممانعت فرمادی۔ لہذا تسمیہ کا نماز میں پڑھا جانا تلاوتِ قرآن کے آغاز وافتتاح کے طور پر ہے۔ کیونکہ حمد وثناء کے بعد جب سورہ فاتحہ کی قرات شروع ہوتی ہے تو یہی دوران نماز تلاوت قرآن کا آغاز ہے اور یہاں بھی یہ حکم ہے کہ تلاوت قرآن کا آغاز پہلے تعوذ (اعوذ بالله من الشیطٰن الرجیم) اور پھر تسمیہ (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) سے کیا جائے۔

بسم اللہ کا فاتحہ کے جز ہونے یا نہ ہونے میں فقہی مذاہب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے الفاظ کو اصطلاح میں تسمیہ کہا جاتا ہے۔ یہی ایک آیت کے حصے کے طور پر قرآن حکیم کی سورۃ النمل میں وارد ہوا ہے۔ اس لحاظ سے یہ بالاتفاق حصہ قرآن بھی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

انه من سليمن وانه بسم الله الرحمن الرحيم ٥

بے شک وہ (خط) سلیمان کی جانب سے (آیا) ہے اور وہ اللہ کے نام سے شروع (کیا گیا) ہے جو بے حد مہربان بڑا رحم فرمانے والا ہے ٥

آئمہ فقہ میں سے شوافع اسے سورۃ الفاتحہ کا جز قرار دیتے ہیں۔ جب کہ بعض علماء ہر سورت سے پہلے بسم اللہ وارد ہونے کی بناء پر سوائے سورۃ برات کے اسے ہر سورت کا جز تسلیم کرتے ہیں۔ ان میں ابن عباس ابن عمر ابن زبیر ابو ہریرۃ اور تابعین میں سے عطاء طاؤس سعید بن جبیر مکحول اور زہری وغیرہ ہم کے اسماء بیان کیے جاتے ہیں۔ امام عبداللہ بن مبارک امام شافعی اور امام احمد بن حنبل سے بھی ایک قول اس طرح منقول ہے۔ قول معروف اور مذہب مختار یہ ہے کہ بسم اللہ قرآن کا حصہ ہے۔ لیکن سورۃ الفاتحہ یا دوسری سورتوں کا جز نہیں بلکہ ہر سورت سے پہلے اسے محض امتیاز وانفصال اور تیمن وتبرک کے لیے بیان کیا گیا ہے۔ عبداللہ بن عباس سے اسناد صحیح کے ساتھ مروی ہے۔

كان المسلمون لايعرفون انقضاء السورة وفي رواية لايعرفون فصل السورة حتى تنزل بسم الله الرحمن الرحيم فاذا نزلت عرفوا السورة قد انقضت وفي رواية ان السورة قد ختمت واستقبلت او ابتداء ت سورة اخرى۔

مسلمانوں کو دو سورتوں کے درمیان فرق وانفصال کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ چنانچہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے نازل ہونے سے

ایسی حدفاصل قائم ہوئی کہ لوگوں کواس کے ذریعے ہرایک سورت کے شروع ہونے یا ختم ہونے اوردوسری کے شروع ہونے کی معرفت حاصل ہوگئی۔

مدینہ وبصرہ اورشام کے قراء وفقہا بھی اسی قول کے موید ہیں کہ بسم اللہ سورۃ النمل میں وارد ہونے کے اعتبار سے ایک مرتبہ تو قرآن کی مستقل آیت ہے۔لیکن باقی تمام سورتوں سے اس کا ورود محض فصل کے طور پر ہے تا کہ اس کے ذریعے دو متصل سورتوں کے درمیان واضح فرق کا پتہ چل جائے۔امام ابوحنیفہ،امام مالک،امام سفیان ثوری،امام احمد بن حنبل،امام اور امام اوزاعی وغیرہم کا مذہب بھی یہی ہے۔

نماز میں قرأت کرنے کا بیان ودلائل:

(ثُمَّ يَقْرَأُ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُورَةً أَوْ ثَلَاثَ آيَاتٍ مِنْ أَيِّ سُورَةٍ شَاءَ) فَقِرَاءَةُ الْفَاتِحَةِ لَا تَتَعَيَّنُ رُكْنًا عِنْدَنَا ، وَكَذَا ضَمُّ السُّورَةِ إلَيْهَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي الْفَاتِحَةِ وَلِمَالِكٍ رَحِمَهُ اللَّهُ فِيهِمَا .

لَهُ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (لَا صَلَاةَ إلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُورَةٍ مَعَهَا) " وَلِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (لَا صَلَاةَ إلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ) "

وَلَنَا قَوْله تَعَالَى (فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْ الْقُرْآنِ) وَالزِّيَادَةُ عَلَيْهِ بِخَبَرِ الْوَاحِدِ لَا يَجُوزُ لَكِنَّهُ يُوجِبُ الْعَمَلَ فَقُلْنَا بِوُجُوبِهِمَا .

ترجمہ

اوروہ سورۃ فاتحہ اورکوئی سورت یا جس سورت سے چاہے تین آیات پڑھے۔لہذا ہمارے نزدیک فاتحہ کی قرأت کا رکن متعین نہیں۔اوراسی طرح اس کے ساتھ سورۃ ملانے کا حکم بھی ہے۔سورۃ فاتحہ میں امام شافعی نے اورسورۃ فاتحہ اورضم سورۃ میں امام مالک نے اختلاف کیا ہے۔امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے کہ سورۃ فاتحہ اورسورۃ کے بغیر نماز نہیں۔

اورامام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں۔اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالی نے ارشادفرمایا: قرآن سے پڑھو جو آسان ہو۔لہذا خبرواحد کے ذریعے قرآن پرزیادتی کرنا جائز نہیں۔البتہ خبرواحد عمل کوواجب کرتی ہے۔لہذا ہم ان دونوں کے وجوب کے قائل ہیں۔

ائمہ فقہ کے نزدیک نماز میں حکم قرأت کی مقدار کا بیان:

نماز میں قرأت یعنی قرآن کریم پڑھنا تمام علماء کے نزدیک متفقہ طور پرفرض ہے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ کتنی رکعتوں میں پڑھنا فرض ہے؟ چنانچہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک پوری نماز میں قرأت فرض

ہے۔حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاں للا کثر حکم الکل (اکثر کل کے حکم میں ہے) کے کلیہ کے مطابق تین رکعت میں فرض ہے۔حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مسلک کے مطابق دو رکعتوں میں قرأت فرض ہے۔حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک قول مشہور ہے کے مطابق امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مسلک کے موافق ہے۔حضرت حسن بصری اور حضرت زفر رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما کے نزدیک صرف ایک رکعت میں قرأت فرض ہے۔

نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا بیان:

امام بخاری ومسلم اپنی اسناد کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس آدمی نے (نماز میں) سورہ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز پوری نہیں ہوئی۔(صحیح البخاری، مسلم) اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں اس آدمی کی نماز نہیں ہوتی جو سورہ فاتحہ اور اس کے بعد قرآن سے کچھ نہ پڑھے۔(صحیح بخاری، ج۱،ص۱۰۴،قدیمی کتب خانہ کراچی)

صحیح مسلم کی آخری روایت کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ کے ساتھ قرآن کی کوئی اور سورۃ یا اور کچھ آیتیں پڑھنا بھی ضروری ہے۔

نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے مسئلے میں آئمہ وفقہاء کے مذاہب:

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے اگر کوئی آدمی سورہ فاتحہ نہ پڑھے تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔چنانچہ اسی حدیث سے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے کیونکہ حدیث نے صراحت کے ساتھ ایسے آدمی کی نماز کی نفی کی ہے جس نے نماز میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھی۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں ہے بلکہ واجب ہے۔اس حدیث کے بارے میں امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں نفی کمال مراد ہے یعنی سورہ فاتحہ کے بغیر نماز ادا تو ہو جاتی ہے مگر مکمل طور پر ادا نہیں ہوتی۔(کیونکہ سجدہ سہو کے ساتھ ہوگی) اس کی دلیل قرآن کی یہ آیت ہے آیت (فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ) 73۔المزمل 20:) (یعنی قران میں سے جو پڑھنا آسان ہو وہ پڑھو،اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں بلکہ مطلق قرآن کی کوئی بھی سورۃ یا آیتیں پڑھنا فرض ہے۔اس کے علاوہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک اعرابی کی نماز کے سلسلے میں یہ تعلیم فرمائی تھی کہ فاقرؤا ما تیسر معك من القران (یعنی تمہارے لیے قرآن میں سے جو کچھ پڑھنا آسان ہو وہ پڑھو)

بہر حال احناف کے مذہب کے مطابق نماز میں فرض کہ جس کے بغیر نماز ادا نہیں ہوتی قرآن کی ایک آیت یا تین آیتوں کا پڑھنا ہے خواہ سورہ فاتحہ ہو یا دوسری کوئی سورۃ اور سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے اس کے بغیر نماز ناقص ادا ہوتی ہے۔

امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ سے قرأت شروع فرمایا کرتے تھے۔ (سنن ابن ماجہ، ج ۱، ص ۵۹، قدیمی کتب خانہ کراچی)

نماز میں آمین پڑھنے کا بیان:

(وَإِذَا قَالَ الْإِمَامُ وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ آمِينَ وَيَقُولُهَا الْمُؤْتَمُّ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِّنُوا) " وَلَا مُتَمَسَّكَ لِمَالِكٍ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي قَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (إِذَا قَالَ الْإِمَامُ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا آمِينَ) " مِنْ حَيْثُ الْقِسْمَةُ لِأَنَّهُ قَالَ فِي آخِرِهِ فَإِنَّ الْإِمَامَ يَقُولُهَا .

قَالَ (وَيُخْفُونَهَا) لِمَا رَوَيْنَاهُ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ ، وَلِأَنَّهُ دُعَاءٌ فَيَكُونُ مَبْنَاهُ عَلَى الْإِخْفَاءِ ، وَالْمَدُّ وَالْقَصْرُ فِيهِ وَجْهَانِ ، وَالتَّشْدِيدُ فِيهِ خَطَأٌ فَاحِشٌ .

ترجمہ:

اور جب امام "وَلَا الضَّالِّينَ" کہے تو خود امام اور تم آمین کہو۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب امام "إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ" کہے تو تم آمین کہو۔ اور امام مالک علیہ الرحمہ کے قول کا کوئی اعتبار نہیں ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب امام "وَلَا الضَّالِّينَ" کہے تو تم آمین کہو۔ لہذا "ولا الضالین" اور آمین امام اور مقتدیوں کے درمیان تقسیم ہوگئی۔ جبکہ نبی کریم ﷺ کی حدیث کے آخر میں ہے کہ امام بھی آمین کہے۔

اور وہ آمین کو آہستہ پڑھیں۔ جو ہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کر چکے ہیں۔ اور یہ دلیل بھی ہے کہ آمین دعا ہے اور اس میں اصل اخفاء ہے۔ اور آمین میں مد اور قصر دو وجوہات ہیں۔ جبکہ اس کو تشدید سے پڑھنا بڑی غلطی ہے۔

آمین امام اور مقتدی دونوں یا صرف مقتدی پڑھیں اور جہر و سر میں ترجیح حدیث کا بیان:

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مقتدی کے آمین کہنے کے سر و جہر میں عموم ہے۔ البتہ بعض نے کہا ہے آمین آہستہ کی جائے اور بعض نے کہا کہ جہری آواز کے ساتھ آمین کہی جائے۔

ہندوانی سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ اس حدیث کا ظاہر یہ ہے۔ کہ جب وہ آمین کہے تو تم آمین کہو جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوئی تو اس کے سابقہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ (متفق علیہ) اس حدیث سے امام کی آمین کہنا بطریقہ اشارہ ثابت ہے۔ کیونکہ اس کی آمین اس لئے نہیں ثابت ہوئی کہ جس کیلئے حکم نص چلایا گیا ہو۔ لہذا وہ اس زیادتی کی

محتاج نہیں ہے۔جس کو مصنف نے ذکر کیا ہے۔یعنی امام بھی آمین کہے۔اسی کونسائی وابن حبان نے بھی ذکر کیا ہے۔

اورحدیث قسمت جس کو صحیح نے بیان کیا ہے۔کہ امام بنایا اسی لئے جاتا ہے تا کہ تم اس کو اتباع کرو اور تم اس سے اختلاف نہ کرو۔پس جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور وہ قرأت کرے تو چپ کر جاؤ اور جب وہ" وَلَا الضَّالِّين " کہے تو تم آمین کہو۔اور مصنف کا قول کہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو مقدم کیا ہے۔

امام احمد،ابویعلی،طبرانی،دارقطنی اور امام حاکم نے مستدرک میں "شُعْبَةَ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ حُجْرٍ أَبِي الْعَنْبَسِ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ عَنْ أَبِيهِ " سے حدیث روایت کی ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی پس جب آپ " وَلَا الضَّالِّين " پہنچے تو آپ نے آمین آہستہ کہی۔جبکہ امام ابوداؤد و ترمذی نے "عَنْ سُفْيَانَ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ حُجْرِ بْنِ الْعَنْبَسِ عَنْ أَبِي وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ ، وَذَكَرَ الْحَدِيثَ وَفِيهِ " سے روایت کی ہے اور اس میں ہے کہ آپ ﷺ نے آمین بلند آواز سے کہی۔

پس حضرت سفیان نے بلند آواز سے آمین کہنے میں شعبہ کی مخالفت کی ہے۔اور کہا ہے کہ حجر ابوعنبس یا ابن عنبس جو ہے اس میں علقمہ کا ذکر ہی نہیں کیا۔اور اس کی دوسری علت یہ ہے کہ امام ترمذی نے ایک بہت بڑی علت یہ بیان کی ہے کہ انہوں نے امام بخاری سے پوچھا کہ کیا علقمہ نے اپنے باپ سے سنا ہے تو انہوں نے جواب دیا۔کہ علقمہ تو اپنے والد کی وفات کے چھ ماہ بعد پیدا ہوئے تھے۔

لہذا یہ روایت منقطع ہوئی اور اسی وجہ سے امام دارقطنی وغیرہ نے سفیان کی طرف رجوع کیا ہے کیونکہ وہ زیادہ حافظ حدیث تھے۔حالانکہ امام بیہقی نے شعبہ سے بلند آواز والی حدیث روایت کی تھی۔

احادیث کے اختلاف کی وجہ سے مصنف نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی حدیث کی طرف عدول کیا کیونکہ وہ روایت معلوم ہے اور اس میں آمین آہستہ کہنے کا بیان ہے۔(فتح القدیر،ج ۲،ص ۶۸، بیروت)

نماز میں آمین کا مسئلہ:

نماز میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہوں تو حکم شرعی یہ ہے کہ جس وقت امام "ولا الضالین" کہے تو تم آہستہ "آمین" کہو۔

امام بخاری علیہ الرحمہ امین کے آہستہ کہنے پر ایک باب باندھتے ہیں اور اس کے ذیل میں یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب امام امین کہے تو تم امین کہو، کیونکہ جس کی امین فرشتوں کی امین کے موافق ہوگئی،اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

(صحیح بخاری، ج ا،ص ۱۰۸،قدیمی کتب خانہ کراچی)

سادہ لوح لوگوں کو صحیح بخاری کا نام استعمال کر کے گمراہ کرنے والے ہی صحیح بخاری کی اس حدیث کو قبول نہیں کرتے اور حالت نماز میں نہایت شور کرتے ہوئے بلند آواز سے آمین کہتے ہیں۔ہم اسی حدیث کی تائید میں صحاح ستہ کی ایک اور حدیث بیان کررہے ہیں تاکہ من گھڑت روایات بیان کرنے والوں کے منہ کو لگام دی جاسکے۔

امام ترمذی علیہ الرحمہ نقل فرماتے ہیں حضرت علقمہ بن وائل رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے "**غیر المغضوب علیهم ولا الضالین** پڑھا اور آہستہ آمین کہی۔

(جامع ترمذی، ص۳۴، نور محمد اصح المطابع کراچی)

یاد رہے جو روایت آمین بلند آواز سے کہنے والے لوگوں کو سناتے ہیں اس میں ایک راوی بشر بن رافع ابوالاسباط حارثی ہے جس کو امام بخاری، امام ترمذی، امام نسائی، امام احمد، اور امام ابن معین نے اس کو ضعیف کہا ہے۔لہذا وہ روایت صحیح نہیں۔

(عمدة القاری، ج٦ ص٥٢، مطبوعہ منیریہ مصر)

آمین آہستہ کہنے کے دلائل میں احادیث:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ :إِذَا قَالَ الإِمَامُ :(غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ) فَقُوْلُوْا :آمِيْنَ .فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.(البخاری فی الصحیح، کتاب صفة الصلاة، باب جهر المأموم بالتأمین، 271/1 ، الرقم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :جب امام (غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ) کہے تو تم کہو :آمین۔جس کا کہنا فرشتوں کے کہنے کے موافق ہوگیا تو اس کے سابقہ گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں تعلیم دیتے تھے کہ امام پر سبقت نہ کرو، جب امام تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو، اور جب وہ (وَلَا الضَّالِّيْنَ) کہے تو تم آمین کہو، اور جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو اور جب وہ (سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ) کہے تو تم (اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ) کہو۔

مسلم فی الصحیح، کتاب :الصلاة، باب :النهی عن مبادرة الإمام بالتکبیر وغیره، 310/1 ، الرقم 415 :، وابن خزیمة فی الصحیح، 34/3 ، الرقم 1576 :، والبیهقی فی السنن الکبری، 92/2 ، الرقم .2424 :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب امام (غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ) کہے اور اس کے پیچھے مقتدی آمین کہیں اور آمین پڑھنے والوں کا قول فرشتوں کے قول کے موافق ہو جائے تو نمازی کے پچھلے تمام گناہ معاف کردیے جاتے ہیں۔

عَنْ مسلم فی الصحیح، کتاب :الصلاة، باب :التسمیع و التحمید و التأمین، 307/1 ، الرقم 410 :، وأحمد بن حنبل فی المسند، 449/2 ، الرقم 9803 :، وأبو عوانة فیِ المسند، 456/2 ، الرقم .1689 :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :جب امام (غَیْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّالِّینَ) کہے تو تم آمین کہو۔ بے شک فرشتے بھی آمین کہتے ہیں اور امام بھی آمین کہتا ہے۔ تو جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ مل جائے گی اس کے سابقہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

(النسائی فی السنن، کتاب :الافتتاح، باب :جهر الإمام بآمین، 144/1 ، الرقم 927)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (غَیْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّالِّینَ) پڑھا تو کہا : آمین۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آمین کی آواز کو پست کیا۔

(وَقَالَ أَبُوْعِیْسَی :هَذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ. الترمذی فی السنن، کتاب :الصلاة عن رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم، باب :ما جاء فی التأمین، 289/1 ، الرقم 248)

حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما تسمیہ (بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ) ، تعوذ (أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ)، اور تامین (آمین) بلند آواز سے نہیں کہتے تھے۔

(الطبرانی فی المعجم الکبیر، 263/9 ، الرقم 9304 :، والهیثمی فی مجمع الزوائد، 2)

فقہ شافعی کے مطابق امام کے پیچھے قرأت کرنے کا طریقہ:

حضرت سمرۃ ابن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سکتے (یعنی چپ رہنا) یاد رکھے ہیں۔ ایک سکتہ تو تکبیر تحریمہ کہہ لینے کے بعد اور ایک سکتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کرتے تھے جب آیت (غَیْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّالِّینَ) پڑھ کر فارغ ہوتے تھے۔ حضرت ابی ابن کعب نے (بھی سمرہ کے) اس قول کی تصدیق کی ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ا،ص ۱۱۳، دارالحدیث ملتان، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، دارمی)

تکبیر تحریمہ کے بعد خاموشی اختیار کرنے سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت باآواز بلند نہیں پڑھتے تھے چنانچہ اس موقعہ پر دعائے استفتاح (یعنی سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ) پڑھنے کے لیے خاموشی اختیار کرنا تمام آئمہ کے نزدیک متفق علیہ مسئلہ ہے۔ دوسری جگہ یعنی سورہ فاتحہ ختم کرنے کے بعد خاموشی اختیار کرنا حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک سنت ہے تاکہ مقتدی اس عرصے میں سورہ فاتحہ پڑھ لیں اور امام کے ساتھ منازعت لازم نہ آئے جو ممنوع ہے حنفیہ اور مالکیہ مسلک میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد خاموشی اختیار کرنا مکروہ ہے۔

ولا الضالین کے بعد خاموش رہنے کی توجیہ اور غیر مقلدین کا نماز میں شور کرنا:

برصغیر پاک وہند میں غیر مقلدین نماز کے بعد ذکر کرنے کے بارے میں یہ واویلہ کرتے ہیں کہ مسجدوں میں شور ہوتا ہے اور نمازیوں کی نماز ڈسٹرب ہوتی ہے جبکہ خود یہ لوگ لاؤڈ سپیکر پر اونچی آوازوں سے آمین کہتے ہیں تو اس وقت مساجد تو درکنار پورے محلے میں ان کی آمین کا شور جاتا ہے۔اب ان لوگوں کی نماز ڈسٹرب کیوں نہیں ہوتی۔

سورۃ فاتحہ پڑھ لینے کے بعد تھوڑی دیر کے بعد کیلئے خاموشی اختیار کرنے سے شوافع کی دلیل کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا ہے۔جبکہ غیر مقلدین نماز کے خشوع وخضوع کو خراب کرتے ہوئے اتنی زور سے آمین کہتے ہیں۔کہ ان کے ہاں آنے والا نیا نمازی ویسے ہی خوف زدہ ہو جاتا ہے کہ وہ کہاں آ گیا ہے۔غیر مقلدین اپنے مؤقف کو ثابت کرنے کیلئے اس مسئلہ میں فقہ شافعی کا بڑا سہارا لیتے ہیں۔فقہ شافعی کی اس توجیہ پر عمل کیوں نہیں کرتے۔کیا صرف اپنی مرضی کے مطابق ماننا ہے اور اپنی مرضی سے انکار کرنا ہے۔

رکوع میں جاتے ہوئے تکبیر کا حکم:

قَالَ (ثُمَّ يُكَبِّرُ وَيَرْكَعُ) وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ :وَيُكَبِّرُ مَعَ الِانْحِطَاطِ (لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ يُكَبِّرُ عِنْدَ كُلِّ خَفْضٍ وَرَفْعٍ) (وَيَحْذِفُ التَّكْبِيرَ حَذْفًا) لِأَنَّ الْمَدَّ فِي أَوَّلِهِ خَطَأٌ مِنْ حَيْثُ الدِّينُ لِكَوْنِهِ اسْتِفْهَامًا ، وَفِي آخِرِهِ لَحْنٌ مِنْ حَيْثُ اللُّغَةُ .

ترجمہ:

فرمایا: اور وہ تکبیر کہے اور رکوع کرے۔اور جامع صغیر میں ہے کہ وہ جھکتے ہوئے تکبیر کہے۔کیونکہ نبی کریم ﷺ ہر جھکتے اور اٹھتے وقت تکبیر کہا کرتے تھے۔اور تکبیر میں اچھی طرح سے حذف کرے کیونکہ تکبیر کے اول کو لمبا دین کے اعتبار سے غلطی ہے کیونکہ وہ استفہام بن جائے گا اور تکبیر کے آخر میں مد کرنے سے لغت کی حیثیت سے لحن ہوگا۔(جو کہ غلط ہے)۔

شرح:

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اذان کے کلمات کی ادائیگی میں اتنی ڈھیل کرو کہ کلمات بغیر کھینچے ہوئے تا کہ حد سے تجاوز نہ ہو واضح واضح کہہ سکو۔اسی وجہ سے مؤذنوں کے لیے تاکید ہے کہ وہ اذان کے کلمات کی ادائیگی میں احتیاط سے کام لیں اور قواعد کے مطابق اذان کہیں تا کہ غلطیوں کا ارتکاب نہ ہو سکے کیونکہ بعض غلطیاں ایسی ہیں کہ ان کو قصداً کرنے والا کفر کی حد تک پہنچ جاتا ہے جیسے اشھد کے الف کو مد کے ساتھ ادا کرنا کہ یہ استفہام ہو جاتا ہے اور جس کے معنی یہ ہو جاتے ہیں کہ کیا میں گواہی دوں الخ؟ یا اللہ اکبر میں حرف با کو مد کے ساتھ کھینچ کر (اکبار) پڑھنا کہ یہ لفظ کبر کی جمع ہو جاتی ہے جس کے معنی اس طبلے کے آتے ہیں جس کا ایک منہ ہوتا ہے اور دائرے کی شکل میں ہوتا ہے یا اسی طرح

لفظ الہ پر وقف کرنا اور اللہ سے ابتداء کرنا۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بصرہ میں نماز پڑھی تو انہوں نے ہمیں وہ نماز یاد کروادی جو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔انہوں نے بتایا کہ وہ (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ) جب بھی اٹھتے اور جھکتے تو تکبیر کہا کرتے تھے۔(بخاری، رقم ۱۴)

رکوع کرنے کا طریقہ اور اس کی تسبیح کا بیان:

(وَيَعْتَمِدُ بِيَدَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ وَيُفَرِّجُ بَيْنَ أَصَابِعِهِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِأَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ " (إِذَا رَكَعْتَ فَضَعْ يَدَيْكَ عَلَى رُكْبَتَيْكَ وَفَرِّجْ بَيْنَ أَصَابِعِكَ) " وَلَا يُنْدَبُ إِلَى التَّفْرِيجِ إِلَّا فِي هَذِهِ الْحَالَةِ لِيَكُونَ أَمْكَنَ مِنْ الْأَخْذِ ، وَلَا إِلَى الضَّمِّ إِلَّا فِي حَالَةِ السُّجُودِ وَفِيمَا وَرَاءَ ذَلِكَ يُتْرَكُ عَلَى الْعَادَةِ (وَيَبْسُطُ ظَهْرَهُ) لِأَنَّ (النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ إِذَا رَكَعَ بَسَطَ ظَهْرَهُ) ، (وَلَا يَرْفَعُ رَأْسَهُ وَلَا يُنَكِّسُهُ) لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ إِذَا رَكَعَ لَا يُصَوِّبُ رَأْسَهُ وَلَا يُقْنِعُهُ (وَيَقُولُ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ ثَلَاثًا وَذَلِكَ أَدْنَاهُ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (إِذَا رَكَعَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ فِي رُكُوعِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ ثَلَاثًا وَذَلِكَ أَدْنَاهُ) " أَيْ أَدْنَى كَمَالِ الْجَمْعِ .

ترجمہ:

اور وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھے اور اپنی انگلیوں کو کشادہ رکھے۔اس لئے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تو رکوع کرے تو اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھ اور اپنی انگلیوں کے درمیان کشادگی کر۔اور انگلیوں کی کشادگی اس کے سوا کہیں بھی مندوب نہیں۔تا کہ پکڑنا ممکن ہو اور سجدے کی حالت کے سوا کسی حالت میں انگلیوں کو ملانا مندوب نہیں۔اور ان ذکر کردہ احوال کے سوا ہاتھوں کو اپنی عادت پر چھوڑ دیا جائے گا۔اور کمر کو برابر رکھے کیونکہ جب نبی کریم ﷺ رکوع کرتے تو آپ ﷺ کمر کو برابر رکھتے تھے۔لہذا وہ سر کو نہ جھکائے اور نہ ہی سر کو اٹھائے۔کیونکہ نبی کریم ﷺ جب رکوع کرتے تو نہ اپنے سر جھکاتے اور نہ ہی اٹھاتے۔اور تین بار" سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيم " کہے۔اور یہ کم از کم مقدار ہے۔کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ تم میں سے جب کوئی شخص رکوع کرے تو وہ تین مرتبہ " سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيم " اور یہ اس کا کم از کم درجہ ہے۔یعنی کثرت والی جمع کا ادنیٰ ہے۔

شرح:

حضرت عون بن عبداللہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی رکوع کرے تو اس کو رکوع میں سبحان ربی العظیم تین مرتبہ کہنا چاہئے تب اس کا رکوع پورا

ہوگا اور یہ ادنی درجہ ہے اور جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اسے سجدے میں سبحان ربی الاعلی تین مرتبہ کہنا چاہئے تب اس کا سجدہ پورا ہوگا اور یہ ادنیٰ درجہ ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، ج۱ص،۱۲۷، دارالحدیث ملتان، سنن ابن ماجہ)

رکوع میں ان تسبیحات کو تین مرتبہ کہنا ادنی درجہ کمال سنت کا ہے ورنہ تو اصل سنت ایک مرتبہ میں ادا ہو جاتی ہے اور کمال سنت کا اوسط درجہ پانچ مرتبہ ہے اور اعلیٰ درجہ سات مرتبہ کہنا ہے اور انتہائے کمال کی کوئی حد نہیں ہے گو بعض حضرات نے دس مرتبہ کہا ہے اور بعض حضرات نے تو تقریباً قیام کی مقدار تک کہا ہے لیکن بہر صورت میں امام کو مقتدیوں کی رعایت لازم ہوگی۔

حضرت ابن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس نوجوان یعنی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے علاوہ کسی کے پیچھے ایسی نماز نہیں پڑھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے مشابہ ہو۔ راوی فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہم نے ان کے (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے، رکوع کا دس تسبیحات (کے بقدر) اور سجدے کا دس تسبیحات (کے بقدر) اندازہ کیا۔

(ابوداؤد، ج۱ص،۱۲۹، دارالحدیث ملتان، سنن نسائی)

رکوع وسجود میں کمر سیدھی رکھنے کا بیان:

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب رکوع میں جاتے تو چہرہ اور سر کو اونچا رکھتے نہ نیچا بلکہ درمیان میں (کمر کے برابر) رکھتے۔

حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ نماز کافی نہیں جس میں مرد اپنی کمر رکوع سجدہ میں سیدھی بھی نہ کرے۔

حضرت علی بن شیبان جو اپنی قوم کی طرف سے وفد میں آئے تھے فرماتے ہیں کہ ہم چلے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ سے بیعت اور آپ کے پیچھے نماز ادا کی تو آپ نے گوشہ چشم سے ایک صاحب کو دیکھا کہ رکوع سجدہ میں ان کی کمر سیدھی نہیں ہوتی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز ادا فرمائی فرمایا اے مسلمانوں کی جماعت اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو رکوع سجدے میں اپنی کمر سیدھی نہ کرے۔

حضرت وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب رکوع میں جاتے تو اپنی پشت بالکل سیدھی رکھتے حتیٰ کہ اگر پانی ڈال دیا جائے تو وہیں ٹھہر جائے۔

(سنن ابن ماجہ)

حضرت طلق ابن علی حنفی فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ بزرگ و برتر اس بندے کی نماز کی

طرف نہیں دیکھتا جو اپنی نماز کے سجود و رکوع میں اپنی کمر سیدھی نہیں کرتا۔ (مسند احمد بن حنبل)

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہی نماز مقبولیت کے درجے کو پہنچتی ہے جس کے تمام ارکان پوری طرح ادا کیے جاویں اگر کوئی رکن اپنے قواعد و آداب کے مطابق درست نہ ہو تو نماز قبولیت کے درجے کو نہیں پہنچتی چنانچہ رکوع و سجود چونکہ نماز کے اہم ترین رکن ہیں اس لیے ان میں اگر نقص رہ جاتا ہے تو گویا پوری نماز ناقص رہ جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ نماز اتمام و کمال کے مرتبے کو نہیں پہنچتی لہٰذا اس حدیث کے ذریعے آگاہ کیا جا رہا ہے کہ رکوع و سجود (کو پوری) احتیاط کے ساتھ ادا کرنا چاہئے یعنی پہلے رکوع و سجود سے اٹھنے کے بعد کمر کو اچھی طرح سیدھا کر لینا چاہئے اس کے بعد دوسرا رکوع و سجدہ کیا جائے اگر ایسا نہیں کیا جائے گا پہلے رکوع و سجدہ سے اٹھ کر کمر کو سیدھی کیے بغیر دوسرے رکوع و سجدے میں جلدی جلدی جائے گا تو وہ رکوع و سجود ادا کہلانے کا مستحق نہیں ہوگا جس کا نتیجہ یہ ہوگا اس کی نماز کی طرف رب قدوس نظر بھی نہیں کرے گا یعنی اسے قبول نہیں کریگا۔

قومہ کرنے کا شرعی بیان:

(ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ وَيَقُولُ :سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ ، وَيَقُولُ الْمُؤْتَمُّ :رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ ، وَلَا يَقُولُهَا الْإِمَامُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ ، وَقَالَا يَقُولُهَا فِي نَفْسِهِ) لِمَا رَوَى أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ (أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَجْمَعُ بَيْنَ الذِّكْرَيْنِ) " وَلِأَنَّهُ حَرَّضَ غَيْرَهُ فَلَا يَنْسَى نَفْسَهُ .

وَلَهُ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "(إذَا قَالَ الْإِمَامُ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ) " هَذِهِ قِسْمَةٌ وَأَنَّهَا تُنَافِي الشَّرِكَةَ ، لِهَذَا لَا يَأْتِي الْمُؤْتَمُّ بِالتَّسْمِيعِ عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ ، وَلِأَنَّهُ يَقَعُ تَحْمِيدُهُ بَعْدَ تَحْمِيدِ الْمُقْتَدِي ، وَهُوَ خِلَافُ مَوْضِعِ الْإِمَامَةِ ، وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى حَالَةِ الِانْفِرَادِ (وَالْمُنْفَرِدُ يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا فِي الْأَصَحِّ) وَإِنْ كَانَ يُرْوَى الِاكْتِفَاءُ بِالتَّسْمِيعِ وَيُرْوَى بِالتَّحْمِيدِ ، وَالْإِمَامُ بِالدَّلَالَةِ عَلَيْهِ آتٍ بِهِ مَعْنًى

ترجمہ:

پھر وہ اپنے سر کو اٹھائے اور وہ کہے "سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" اور مقتدی۔ کہے "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" اور امام "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" نہ کہے۔ یہ امام اعظم کے نزدیک ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک امام بھی دل میں کہے گا۔ کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ان دونوں کو جمع فرمایا کرتے تھے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس میں دوسرے کو ترغیب دلانا ہے۔ لہٰذا وہ اپنے آپ کو نہ بھلائے۔

اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ جب امام "سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" پس تم "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" کہو۔ اور یہی تقسیم ہے اور یہی تقسیم امام کو روکنے والی ہے۔ اور اسی دلیل کی بنیاد پر ہمارے نزدیک مقتدی

''سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ'' نہ کہے گا۔اورامام شافعی علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ امام کی حمد کرنا یہ حمد کرنے کے بعد حمد ہے۔اورامامت کی وضع کے بھی خلاف ہے۔اورجمع کرنے والی روایت کومنفرد نمازی پرمحمول کیا جائے گا کیونکہ وہ دونوں کوجمع کرتا ہے۔یہی روایت صحیح ہے۔اورامام اعظم سے یہ بھی روایت ہے کہ منفرد کا''سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ''یا''رَبَّنَا لَکَ الْحَمْد ''پراکتفاء بھی کرسکتا ہے۔حالانکہ امام حمد پردلالت کرنے کی وجہ سے یہ معنی لے آیا۔

شرح:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدارصلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کاارادہ کرتے تو کھڑے ہونے کے وقت تکبیر کہتے پھررکوع میں جانے کے وقت تکبیر کہتے اور جب رکوع سے اپنی پشت اٹھاتے تو''سمع الله لمن حمده'' کہتے پھر کھڑے ہی کھڑے'' ربنا لك الحمد '' کہتے پھر جب (سجدے کے لیے) جھکتے تو تکبیر کہتے اور (سجدے سے) سراٹھاتے توتکبیر کہتے۔پھرنماز پوری کرنے تک ساری نماز میں یہی کرتے تھے اور جب دورکعتیں پڑھنے کے بعد اٹھتے تو تکبیر کہتے۔(صحیح البخاری وصحیح مسلم،ج ا،ص،۱۰۹،قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت علی بن حسین ابن علی بطریق مرسل روایت فرماتے ہیں کہ۔آقائے نامدارصلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جب جھکتے (یعنی رکوع وسجود میں جاتے) اور جب (قومہ،جلسہ اور قیام کے وقت) اٹھتے تو تکبیر کہتے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اسی طرح نماز پڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے ملاقات فرمائی (یعنی وفات پائی)۔ (مالک)

ربنا لک الحمدآہستہ آواز میں صرف مقتدی ومنفرد کے کہنے میں اجماع امت:

"ربنا لک الحمد " کو بالجہر پڑھنے کارواج ماضی قریب میں ہوا ہے،اوروہ بھی صرف ایک جماعت اوران میں بھی صرف چندہی لوگوں کے بیچ،اس کے برخلاف حنفیہ،شافعیہ،مالکیہ،حنابلہ،اور دیگر تمام فرقوں کے یہاں اس مسئلہ کا نام ونشان تک نہیں ہے،سلف صالحین،صحابہ وتابعین کے ادوار میں اس مسئلہ کا کوئی سراغ نہیں ملتا،عہد صحابہ سے لیکرعصر حاضر تک حدیث و فقہ اور تفسیر قرآن کا جتنا مطبوعہ اور غیر مطبوعہ ذخیرہ موجود ہے کسی میں بھی اس مسئلہ کی جانب ادنیٰ اشارہ تک نہیں،قرآن کے بعدسب سے معتبر کتاب" صحیح بخاری "ہے،اس میں ہمیں یہ ابواب تو نظر آتے ہیں" :باب جهر الامام بالتامين ،"باب جهر الماموم بالتامين " مگر "باب الجهر باللهم ربنا لك الحمد "یعنی دعاء قومہ کو بلند آواز سے پڑھنا،اس کے اثبات میں کوئی باب نظر نہیں آتا،حالانکہ دعاء قومہ میں جہر کے قائلین جن احادیث سے استدلال کرتے ہیں وہ صحیح بخاری میں موجود ہیں۔

حیرت ہے کہ امام بخاری جن کے بارے میں "امام الدنیا فی فقه الحدیث "اور"فقہ البخاری فی تراجمہ " کہا گیا

ہے،ان کے ذہن کی رسائی بھی اس مسئلہ تک نہ ہوسکی جسے آج پیدا کیا جارہا ہے،امام بخاری پر کیا موقوف دنیا کے کسی محدث نے بھی دعاء قومہ میں جہر کا فتویٰ نہیں دیا ہے،عصر حاضر کے ناصر الدین الانبانی ہیں انہوں نے صفۃ صلوٰۃ پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے،اس کتاب میں یہ مسئلہ تو مل جائے گا کہ "آمین بآواز بلند کہنا چاہئے " مگر "ربنا لک الحمد "بلند آواز سے پڑھنا، اس کا بیان کیا نام ونشان تک نہ ملے گا، بلکہ "اصل صفۃ الصلوٰۃ" کی بعض کی عبارات سے لگتا ہے کہ علامہ البانی کے نزدیک ربنا لک الحمد کا آہستہ پڑھنا متفق علیہ مسئلہ ہے۔(اصل صفۃ الصلوٰۃ: ج ۲ص ۶۷۸)

قرون مشہود لہا بالخیر اوراس کے بعد کے ادوار میں کسی کا اس مسئلہ کو بیان نہ کرنا، اور نہ ہی اس پر کسی کے عمل کا منقول ہونا اس بات پر صاف دلالت کرتا ہے کہ ان ادوار میں عملی یا قولی کسی بھی شکل میں اس مسئلہ کا وجود نہیں تھا، بلکہ سب کا اس بات پر اتفاق واجماع تھا کہ "ربنا لک الحمد " آہستہ ہی پڑھیں گے،غور کیجئے کہ سلف آمین بالجہر پر عمل کرتے تھے اور یہ ہم تک منقول ہوگیا، پس اگر وہ "ربنا لک الحمد " بھی بالجہر پڑھتے تو یہ بھی ہم تک نقل ہوجاتا، لیکن اس سلسلے میں سلف سے کچھ منقول نہ ہونا اس بات پر صاف دلالت کرتا ہے کہ سلف صالحین متفقہ اور اجماعی طور پر اس دعاء کو آہستہ ہی پڑھتے تھے۔

ربنا لک الحمد کے بارے میں قولوا صیغے کے اسلوب وبیان کا مفہوم:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " :جب امام اللہ أکبر کہے تو تم اللہ أکبر کہو اور جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو "(مسند أحمد 10994))المستدرک علی الصحیحین للحاکم : 335 /1))، کتاب الصلوٰۃ: ومن کتاب الامامۃ وصلاۃ الجماعۃ،رقم (۷۷۹) امام حاکم نے اس حدیث کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے اور امام ذہبی نے بھی ان کی تائید کی ہے،امام ابن خزیمہ نے بھی اسے صحیح کہا ہے (صحیح ابن خزیمہ: ۳۵۳رقم ۱۵۷۷ واللفظ لہ) شیخ البانی نے بھی اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔

(صحیح الجامع :۔ ۱۸۲۱ رقم ۷۰۶ طرف الحدیث :اذا قال الامام)اور اپنی کتاب صفۃ الصلوۃ(عربی :(ص ۷۶ حاشیہ نمبر ۲ میں اسے نقل کیا ھے ۔، یہ حدیث درج ذیل کتب میں بھی ہے (السنن الکبری للبیہقی (۱٦۲): کتاب لحیض(أبو اب صفہ الصلوۃ:(باب کیفیۃ التکبیر،رقم ۲۰۹٦ أیضاًرقم ۲۰۹۸ ،مسند أبی یعلی:۵۰۷۲ رقم ۱۳۵۵، مسند الحارث :۲۷۱۱ رقم ۱۵۳ ،مسند عبد بن حمید : ۳۰۳۱ رقم ۱۹۸٤ وغیرہ)۔

اب بتلایا جائے کہ کیا مقتدی حضرات "اللہ اکبر" بھی بآواز بلند پڑھیں گے؟ کیونکہ اس حدیث میں ربنا لک الحمد کے لئے "قولوا "کے ساتھ ساتھ "اللہ اکبر "کے لئے بھی "قولوا" موجود ہے،اور دونوں جگہ "قولوا" سے مطلق خطاب وارد ہے،اب جو مفہوم "اللہ أکبر "والے "قولوا "کا ہوگا وہی مفہوم ربنا لک الحمد والے "قولوا" کا بھی ہوگا، کیونکہ یہ دونوں ایک ہی حدیث میں ایک ہی ساتھ ایک ہی اسلوب وشکل میں وارد ہیں۔

سجدہ کرنے کا حکم شرعی:

قَالَ (ثُمَّ إذَا اسْتَوَى قَائِمًا كَبَّرَ وَسَجَدَ) أَمَّا التَّكْبِيرُ وَالسُّجُودُ فَلِمَا بَيَّنَّا ، وَأَمَّا الِاسْتِوَاءُ قَائِمًا فَلَيْسَ بِفَرْضٍ ، وَكَذَا الْجِلْسَةُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ وَالطُّمَأْنِينَةُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ .

قَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ : يُفْتَرَضُ ذَلِكَ كُلُّهُ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "(قُمْ فَصَلِّ فَإِنَّك لَمْ تُصَلِّ) " قَالَهُ لِأَعْرَابِيٍّ حِينَ أَخَفَّ الصَّلَاةَ .

وَلَهُمَا أَنَّ الرُّكُوعَ هُوَ الِانْحِنَاءُ وَالسُّجُودَ هُوَ الِانْخِفَاضُ لُغَةً ، فَتَتَعَلَّقُ الرُّكْنِيَّةُ بِالْأَدْنَى فِيهِمَا ، وَكَذَا فِي الِانْتِقَالِ إذْ هُوَ غَيْرُ مَقْصُودٍ .

وَفِي آخِرِ مَا رُوِيَ تَسْمِيَتُهُ إيَّاهُ صَلَاةً حَيْثُ قَالَ : وَمَا نَقَصْت مِنْ هَذَا شَيْئًا فَقَدْ نَقَصْت مِنْ صَلَاتِك ، ثُمَّ الْقَوْمَةُ وَالْجِلْسَةُ سُنَّةٌ عِنْدَهُمَا ، وَكَذَا الطُّمَأْنِينَةُ فِي تَخْرِيجِ الْجُرْجَانِيِّ . وَفِي تَخْرِيجِ الْكَرْخِيِّ وَاجِبَةٌ حَتَّى تَجِبَ سَجْدَتَا السَّهْوِ بِتَرْكِهَا سَاهِيًا عِنْدَهُ

ترجمہ:

جب وہ سیدھا کھڑا ہو جائے تو وہ تکبیر کہے اور سجدہ کرے۔ تکبیر اور سجدے کی دلیل ہم بیان کر چکے ہیں۔ جبکہ رکوع سے سیدھا کھڑا ہونا یہ فرض نہیں ہے۔ اور اسی طرح طرفین کے نزدیک دو سجدوں کے درمیان جلسہ اور رکوع وسجود میں طمانیت بھی فرض نہیں۔

جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے فرمایا: یہ ساری چیزیں فرض ہیں۔ اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ کیونکہ جب ایک اعرابی نے نماز میں تخفیف کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: تو نماز پڑھ کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ رکوع کا معنی جھکنا اور سجدے کا معنی لغت کے اعتبار سے پست ہونا ہے۔ لہذا رکنیت انہی دونوں میں کم از کم کے ساتھ متعلق ہوگی۔ اور اسی طرح منتقل ہونا ہے حالانکہ وہ غیر مقصود ہے۔ اور اعرابی والی حدیث کے آخر میں اس کا نام نماز رکھا ہے۔ لہذا اسی وجہ سے فرمایا ہے کہ جو تو نے نماز میں کمی کی ہے تو تیری نماز کم ہوئی۔ اور طرفین کے نزدیک قومہ اور جلسہ سنت ہے اور امام جرجانی کی تخریج کے مطابق طمانیت کا بھی یہی حکم ہے۔ جبکہ امام کرخی کی تخریج کے مطابق طمانیت واجب ہے۔ لہذا امام کرخی کے نزدیک طمانیت کو چھوڑنے کی وجہ سے سہو کے دو سجدے لازم آئیں گے۔

تعدیل ارکان کے بارے میں احکام شرعیہ کا بیان:

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما ہوئے جبکہ ایک آدمی بھی مسجد

میں داخل ہوا۔اس نے نماز پڑھی پھر آیا نبی ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کیا تو نبی کریم ﷺ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: لوٹ جا اور نماز پڑھ کیونکہ تو نے نماز (درست طریقے سے) نہیں پڑھی وہ آدمی واپس گیا پس اس نے نماز پڑھی اور پھر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کیا تو آپ نے فرمایا: تو لوٹ جا تو نے نماز (درست طریقے سے) نہیں پڑھی ۔تیسری مرتبہ تک (یہی فرمایا) پھر اس شخص نے کہا قسم ہے اس ذات کی ،جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا میں اس سے اچھی نہیں پڑھ سکتا۔ آپ مجھے سکھلایئے ۔تو آپ نے فرمایا: جب تو نماز کیلئے کھڑا ہو تو تکبیر کہہ، پھر قرآن پاک میں سے جتنا ہو سکے قراءت کر، پھر اطمینان سے رکوع کر، پھر رکوع سے اٹھ حتیٰ کہ سیدھا کھڑا ہو جا، پھر سجدہ کر، حتیٰ کہ تو سجدہ سے مطمئن ہو جائے، پھر جلسہ کر، حتیٰ کہ اطمینان سے بیٹھ جائے۔ پھر تمام نماز میں ایسا ہی کر۔ (بخاری ج ۱ص ۱۰۹، قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت رفاعہ ابن رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی مسجد میں آیا اور نماز پڑھی، پھر آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (سلام کا جواب دے کر) فرمایا کہ۔ اپنی نماز دوبارہ پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی اس آدمی نے عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے نماز پڑھنے کا طریقہ بتا دیجئے کہ نماز کس طرح پڑھوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تو قبلے کی طرف متوجہ ہو تو اللہ اکبر (یعنی تکبیر تحریمہ) کہو پھر سورہ فاتحہ اور جو کچھ اللہ چاہے پڑھو (یعنی سورۃ فاتحہ کے ساتھ جو سورت چاہو پڑھو) اور جب تم رکوع میں جاؤ تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے زانوؤں پر رکھو رکوع میں (اطمینان سے) قائم رہو اور اپنی پشت کو ہموار رکھو اور جب تم (رکوع سے) سر اٹھاؤ تو اپنی پشت کو سیدھا کرو اور سر اٹھاؤ (یعنی بالکل سیدھے ہو جاؤ) یہاں تک کہ تمام ہڈیاں اپنی اپنی جگہ پر آ جائیں اور جب سجدہ کرو تو اچھی طرح سجدہ کرو اور جب تم سجدے سے سر اٹھاؤ تو اپنی بائیں ران پر بیٹھ جاؤ پھر اسی طرح ہر ایک رکوع وسجدے میں کرو، یہاں تک کہ رکوع، سجود، قومہ اور جلسہ) گویا ہر ایک رکن کی صحیح ادائیگی پر تمہیں اطمینان ہو جائے۔ حدیث کے یہ الفاظ مصابیح کے ہیں اور ابوداؤد نے اسے تھوڑے سے تغیر وتبدل کے ساتھ نقل کیا ہے نیز ترمذی اور نسائی نے بھی اس روایت کو بالمعنی نقل کیا ہے اور ترمذی کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو اس طرح وضو کرو جیسا کہ اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے پھر کلمہ شہادت پڑھو (جیسا کہ وارد ہے کہ وضو کے بعد کلمہ شہادت پڑھنا ہی فضیلت کی بات ہے یا یہ کہ کلمہ شہادت سے مراد اذان ہے) پھر اچھی طرح نماز ادا کرو (یا فاقم کا مطلب یہ ہے کہ تکبیر کہو) اور قرآن میں سے جو کچھ تمہیں یاد ہو اس کو پڑھو اور کچھ یاد نہ ہو تو الحمد الله، الله اکبر اور لا اله الا الله کہو۔ پھر رکوع کرو۔

حدیث کے آخری الفاظ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جس آدمی کو قرآن کی کوئی سورۃ وآیت یاد نہ ہو تو اسے چاہئے کہ وہ قرأت کی جگہ سبحان الله و الحمد الله و لا اله الا الله و الله اکبر پڑھ لیا کرے۔ چنانچہ یہ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی کافر مسلمان ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ نماز کا وقت آنے تک قرآن کی کم سے کم اتنی آیتیں جتنی آیات کا پڑھنا نماز میں

فرض ہے یاد کرلے۔ اگر اس عرصہ میں اسے کچھ بھی یاد نہ ہو سکے تو وہ قرأت کی جگہ ذکر اور تسبیح و تہلیل کر لیا کرے اس کی نماز ادا ہو جائے گی۔

حضرت شفیق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ (نماز میں) اپنے رکوع و سجود کو پوری طرح ادا نہیں کر رہا تھا چنانچہ جب وہ نماز پڑھ چکا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے بلایا اور کہا کہ تم نے پوری (طرح) نماز نہیں پڑھی۔ حضرت شفیق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آدمی سے یہ بھی کہا کہ اگر تم (ایسی نماز سے بغیر توبہ کیے ہوئے) مر جاؤ تو تم غیر فطرت پر (یعنی اس طریقہ اسلام کے خلاف) مرو گے جس پر اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا۔ (صحیح البخاری)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چوری کرنے کے اعتبار سے سب سے بڑا چور وہ ہے جو اپنی نماز کی چوری کرے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نماز کی چوری کیسے ہوتی ہے؟ فرمایا رکوع و سجود کا پورا نہ کرنا۔ (مسند احمد بن حنبل)

مال کی چوری کرنے والے سے نماز کی چوری کرنے والا آدمی اس لیے برا ہے کہ مال چرانے والا کم سے کم چوری کے مال سے دنیا میں فائدہ تو اٹھا لیتا ہے اور پھر یہ کہ مالک سے معاف کرنے کے بعد یا سزا کے طور پر (اسلامی قانون کے مطابق) اپنے ہاتھ کٹوا کر وہ مواخذہ آخرت سے بچ جاتا ہے لیکن اس کے برخلاف نماز کی چوری کرنے والا آدمی ثواب کے معاملے میں خود اپنے نفس کا حق مارتا ہے اور اس کے بدلہ میں عذاب آخرت کو لے لیتا ہے لیکن اس نقصان و خسران کے علاوہ اس کے ہاتھ اور کچھ نہیں لگتا۔

حضرت نعمان بن مرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا شراب پینے والے، زنا کرنے والے، اور چوری کرنے والے کے بارے میں تم لوگوں کا کیا خیال ہے (کہ وہ کس قدر گناہ گار ہیں؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سوال حدود نازل ہونے سے پہلے کیا تھا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اللہ اور رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ گناہ کبیرہ ہیں جن کی سزا بھی ہے اور بدترین چوری وہ چوری ہے جو انسان اپنی نماز میں کرتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) انسان اپنی نماز میں چوری کیسے کرتا ہے فرمایا رکوع و سجود کو پوری طرح ادا نہیں کرتا۔ (مالک، دارمی)

اس روایت میں لفظ ترون تا کے زبر کے ساتھ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ تم کیا اعتقاد کرتے ہو؟ لیکن ایک نسخے میں تا کے پیش کے ساتھ بھی ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ تمہارا کیا خیال ہے؟ راوی کے الفاظ میں یہ سوال حدود نازل ہونے سے پہلے کیا تھا۔ وجہ سوال کو ظاہر کر رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس وقت کیا تھا جب کہ ان

افعال کی برائی صحابہ کرام کو اچھی طرح معلوم نہ تھی جب ان افعال بد کی حدود (سزائیں) متعین ہوگئیں تو پھر سب کے ذہن میں ان کی برائی راسخ ہوگئی اوران میں کوئی شبہ نہ رہا۔

تعدیل ارکان سے نماز کے بعد دعا مانگنے کا استدلال:

حضرت فضل ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (نفل) نماز دو رکعت ہے اور ہر دو رکعت میں التحیات ہے اور (نماز کی روح) خشوع، عاجزی اور اظہار غریبی ہے پھر (نماز پڑھنے کے بعد) اپنے پروردگار کی طرف دونوں ہاتھ اٹھاؤ، (حضرت فضل فرماتے ہیں کہ ثم تقنع یدیک سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ نماز پڑھنے کے بعد تم) اپنے پروردگار کی طرف اپنے ہاتھوں کو اس طرح اٹھاؤ کہ ہاتھوں کی دونوں ہتھیلیاں منہ کی جانب ہوں (جو دعا کا طریقہ ہے) اور یہ کہو کہ اے میرے رب! اے میرے رب! اور جو آدمی ایسا نہ کرے (یعنی مذکورہ بالا طریقے پر عمل نہ کرے اور دعا نہ مانگے) تو اس کی نماز ایسی ہے، ویسی ہے (یعنی ناقص ہے) اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ، اس کی نماز ناقص ہے۔ (جامع ترمذی، مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱ ص ۷۷، قدیمی کتب خانہ کراچی)

شب و روز کے نوافل میں فقہی مذاہب:

اس حدیث سے تین چیزوں کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے۔ یعنی پہلی چیز تو یہ ہے کہ نفل نماز دو رکعت پڑھی جائے خواہ دن ہو یا رات۔ یعنی ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیا جائے چار رکعتوں کے بعد سلام نہ پھیرا جائے چنانچہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی حدیث پر عمل کرتے ہوئے کہا ہے کہ نفل نماز دو رکعت کر کے ہی پڑھنا افضل ہے۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ چاہے رات ہو چاہے دن، نفل نماز چار چار رکعتیں کر کے پڑھنا ہی افضل ہے، حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما کے نزدیک رات کو دو دو اور دن کو چار چار رکعتیں کر کے پڑھنا افضل ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دلیل تو یہی حدیث ہے۔ حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما نے تراویح پر قیاس کرتے ہوئے یہ حکم دیا ہے اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی دلیل کے طور پر فرماتے ہیں کہ یہ بات صحیح طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کے بعد چار رکعت پڑھتے تھے، نیز ظہر کی نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے چار رکعتیں پڑھنا ثابت ہے۔ پھر اس کے علاوہ ایک چیز یہ بھی ہے کہ چار چار رکعت پڑھنے میں تحریمہ کے اندر زیادہ دیر تک رہنے کی وجہ سے زیادہ مشقت ومحنت برداشت کرنی پڑتی ہے اور یہ بتایا جاچکا ہے کہ جس عبادت میں مشقت زیادہ ہوتی ہے وہ افضل ہوتی ہے۔ امام ابوحنیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد (الصلوٰۃ مثنی مثنی) کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ اس ارشاد کی مراد یہ ہے کہ نفل نماز طاق نہیں ہے بلکہ اولیٰ درجہ دو رکعتیں ہیں۔

دوسری چیز یہ ہے کہ نماز کی روح اور نماز کی معراج خشوع وخضوع اور اظہار عاجزی ہے، بندہ نماز کے اندر جس قدر خشوع کرے گا خضوع سے کام لے گا اور پروردگار کے سامنے کھڑا ہو کر اس کی بڑائی وعظمت اور اپنی انتہائی بے چارگی ومحتاجگی کا اظہار کرے گا نماز اسی قدر مقبولیت کے درجات کو پہنچے گی۔خشوع کا مطلب یہ ہے کہ باطن میں بندہ اپنے عجز کا احساس کرے اپنے نفس کو عاجزی وانکساری کے راستے پر لگائے رہے گویا خشوع عجز باطنی کا نام ہے اور خضوع کا مطلب یہ ہے کہ بندہ ظاہری طور پر اپنے ہر عمل اور ہر زاویے سے اپنے عجز وانکساری کا اظہار کرے گویا خضوع عجز ظاہری کا نام ہے۔

تیسری چیز یہ کہ نماز کے بعد دعا مانگنی چاہئے۔یعنی جب بندہ اللہ کے دربار میں حاضری دے اور نماز پڑھ کر اپنی عبودیت و فرمانبرداری کا اظہار کردے تو اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ نماز کے بعد اللہ کی درگاہ میں اپنے ہاتھوں کو اٹھادے اور اپنی محتاجگی ولاچارگی کا اظہار کرتے ہوئے اپنی دینی ودنیاوی بھلائی میں اللہ کی مدد ونصرت کا طلب گار ہو۔

سجدہ کرنے کا طریقہ:

(وَيَعْتَمِدُ بِيَدَيْهِ عَلَى الْأَرْضِ) لِأَنَّ وَائِلَ بْنَ حُجْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَصَفَ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " (فَسَجَدَ وَادَّعَمَ عَلَى رَاحَتَيْهِ وَرَفَعَ عَجِيزَتَهُ) " قَالَ (وَوَضَعَ وَجْهَهُ بَيْنَ كَفَّيْهِ وَيَدَيْهِ حِذَاءَ أُذُنَيْهِ) لِمَا رُوِيَ أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَ كَذَلِكَ .

قَالَ (وَسَجَدَ عَلَى أَنْفِهِ وَجَبْهَتِهِ) لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَاظَبَ عَلَيْهِ (فَإِنْ اقْتَصَرَ عَلَى أَحَدِهِمَا جَازَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ .

وَقَالَا :لَا يَجُوزُ الِاقْتِصَارُ عَلَى الْأَنْفِ إلَّا مِنْ عُذْرٍ) وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْهُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (أُمِرْت أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ ، وَعَدَّ مِنْهَا الْجَبْهَةَ) " وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ السُّجُودَ يَتَحَقَّقُ بِوَضْعِ بَعْضِ الْوَجْهِ ، وَهُوَ الْمَأْمُورُ بِهِ إلَّا أَنَّ الْخَدَّ وَالذَّقَنَ خَارِجٌ بِالْإِجْمَاعِ ، وَالْمَذْكُورُ فِيمَا رُوِيَ الْوَجْهُ فِي الْمَشْهُورِ ، وَوَضْعُ الْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ سُنَّةٌ عِنْدَنَا لِتَحَقُّقِ السُّجُودِ بِدُونِهِمَا ، وَأَمَّا وَضْعُ الْقَدَمَيْنِ فَقَدْ ذَكَرَ الْقُدُورِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ فَرِيضَةٌ فِي السُّجُودِ.

ترجمہ:

اور وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھے۔کیونکہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی نماز کا طریقہ بیان کیا۔کہ آپ نے سجدہ کیا اور دونوں ہتھیلیوں کو رکھا اور سرین کو بلند کیا۔اور فرمایا: کہ آپ نے اپنے چہرہ کو اپنی ہتھیلیوں کے درمیان رکھا۔اور دونوں ہاتھوں کو دونوں کانوں کے برابر رکھا۔اسی دلیل کی بنیاد پر کہ نبی کریم ﷺ نے ایسا ہی کیا۔

اور وہ سجدہ اپنی پیشانی اور ناک پر کرے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اسی پر دوام اختیار کیا ہے۔اور امام اعظم کے نزدیک ان

دونوں میں سے کسی ایک پر اگر اکتفاء کیا تو جائز ہے جبکہ صاحبین نے کہا ہے کہ عذر کے بغیر ناک پر اکتفا کرنا جائز نہیں۔ اور اسی طرح امام اعظم سے بھی ایک روایت مروی ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور ان میں پیشانی کو بھی شمار کیا ہے۔ اسی طرح امام اعظم کی دلیل یہ ہے کہ چہرے کا بعض حصہ رکھنے سے متحقق ہو جاتا ہے اور اسی کا حکم دیا گیا ہے۔ مگر گال اور ٹھوڑی بالا جماع خارج ہیں۔ کیونکہ روایت مشہورہ میں چہرے کا ذکر ہے۔ اور ہاتھوں اور گھٹنوں کا رکھنا ہمارے نزدیک سنت ہے۔ کیونکہ ان دونوں کے بغیر بھی سجدہ ہو جاتا ہے۔ اور امام قدوری نے ذکر کیا ہے سجود میں دونوں قدموں کا رکھنا فرض ہے۔

سجدہ میں ہاتھوں اور کہنیوں کو رکھنے کا طریقہ:

حضرت براء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم سجدہ کرو تو اپنے دونوں ہاتھ زمین پر رکھو اور کہنیوں کو زمین سے اونچا رکھو۔ (صحیح مسلم)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے ہم کو سجدہ کا طریقہ بتایا تو اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھا، گھٹنوں پر سہارا لگایا اور سرین کو بلند کیا اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح سجدہ کیا کرتے تھے۔

(سنن ابوداؤد، ج ۱ ص، ۱۳۰، دار الحدیث ملتان)

سجدہ میں ہاتھوں کو رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں زمین پر کانوں کے سامنے رکھی رہیں۔ انگلیاں آپس میں ملی ہوں، اور یہ کہ ہاتھ کھلے رہیں کسی کپڑے وغیرہ کے اندر انہیں چھپانا مکروہ ہے۔

کہنیوں کو اونچا رکھنے کے دو ہی معنی ہو سکتے ہیں یا تو یہ کہ دونوں کہنیاں زمین سے اونچی رہیں یا پھر یہ کہ دونوں پہلوؤں سے اونچی رہیں۔ بہر صورت یہ حکم خاص طور پر مردوں کے لیے ہے عورتیں اس حکم میں شامل نہیں ہیں کیونکہ عورتوں کو تو سجدے میں کہنیوں کو زمین پر پہلوؤں سے ملی ہوئی رکھنے کا حکم ہے اس لیے کہ اس طرح جسم کی نمائش نہیں ہوتی اور پردہ اچھی طرح ہوتا ہے۔

ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدے میں جاتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان اتنا فرق رکھتے تھے کہ اگر بکری کا بچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کے نیچے سے گزرنا چاہے تو گذر سکتا تھا۔ یہ الفاظ ابوداؤد کے ہیں جیسا کہ خود بغوی نے شرح السنۃ میں اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے اور مسلم نے یہ حدیث بالمعنی نقل کی ہے (جس کے الفاظ یہ ہیں) کہ حضرت میمونہ نے رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرمایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اس طرح) سجدے کرتے تھے کہ اگر بکری کا بچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں میں سے نکلنا چاہتا تو نکل جاتا۔

ہاتھوں کے درمیان فرق رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں اپنے دونوں بازو پہلو سے اور پیٹ اور ران سے الگ رکھتے تھے۔

حدیث میں بکری کے بچے کے لیے (بھمة) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ بھمة بکری کے اس بچہ کو کہتے ہیں جو بڑا ہو کر اپنے پاؤں پر چلنے لگتا ہے اور جب بکری کا بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس وقت اسے (سخلة) کہتے ہیں۔

ہذا لفظ ابی داؤد سے مصنف مشکوٰۃ کا مقصد صاحب مصابیح پر اعتراض کرنا ہے کہ اس حدیث کو جس کے الفاظ ابوداؤد کے ہیں۔ پہلی فصل میں نقل کرنا نہیں چاہئے تھا کیونکہ پہلی فصل میں تو صرف شیخین یعنی البخاری و مسلم کی روایت کردہ احادیث ہی نقل کی جاتی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مالک ابن بحینہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو اپنے ہاتھوں کو اتنا کشادہ رکھتے تھے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی ظاہر ہو جاتی تھی۔ (صحیح البخاری و صحیح مسلم)

بحینہ حضرت عبداللہ کی والدہ کا نام ہے اور مالک ان کے والد کا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مالک اور ابن کے درمیان کے الف کو باقی رکھ کر مالک کو تنوین کے ساتھ پڑھتے ہیں تاکہ لوگوں کو یہ غلط فہمی نہ ہو جائے کہ مالک بحینہ کے بیٹے کا نام ہے بلکہ یہ جانیں کے بحینہ کے لڑکے حضرت عبداللہ ہی ہیں اور ابن مالک و ابن بحینہ دونوں نسبتیں انہیں کی ہیں۔

لہذا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب نماز پڑھتے دیکھا تھا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک پر کپڑا نہ تھا، یا ان کی مراد یہ ہوگی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بغل کی جگہ معلوم ہوتی تھی اور بغلوں کی سفیدی اس لیے کہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بغل مبارک بالکل سفید اور صاف و شفاف تھی جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا بدن ہی آئینہ کی طرح سفید اور صاف و شفاف تھا، دوسرے لوگوں کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بغلیں سیاہ اور مکدر نہ تھیں۔ (مرقات و مظاہر حق بتصرف)

حالت سجدہ میں اعضاء کو زمین پر لگانے میں فقہی دلائل:

عن ابن عباس رضی اللّٰه عنهما قال امر النبی ﷺ ان یسجد علی سبعة اعضاء و لا یکف شعرا و لا ثوبا الجهة و الیدین و الرکبتین و الرجلین (بخاری جلد اول ص 112 مسلم جلد اول ص 193)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ سات اعضاء پر سجدہ فرمائیں اور بالوں کو نہ روکیں اور نہ ہی کپڑے کو اکٹھا کریں، وہ سات اعضاء سجدہ پیشانی، دونوں ہاتھ، دو گھٹنے اور دونوں پاؤں ہیں۔

اس حدیث میں سات اعضاء پر سجدہ کا حکم ذکر ہوا اور اس کے بعد والی حدیث میں سات ہڈیوں پر کا لفظ ہے۔ ان ہڈیوں سے مراد بھی وہ ہی اعضاء ہیں۔ جو اوپر والی حدیث میں مذکور ہوئے اور اس حدیث میں لفظ امر اور بعد والی حدیث میں لفظ

امرنا ہے۔جس سے معلوم ہوا صرف یہ حکم آپ کے لئے ہی نہیں بلکہ آپ ﷺ کی امت کے لئے بھی ہوتا ہے۔ یہ بھی جو حکم آپ کیلئے ہو، وہ آپ کی امت کیلئے بھی ہوتا ہے۔ جب دلیل خصوص نہ ہو۔ یہ معلوم ہوا کہ سجدہ میں سات اعضاء چہرہ، دونوں ہاتھ، دونوں زانو، دونوں پاؤں لگانے کا حکم ہے۔ان اعضاء میں سے اگر کوئی عضو نہ لگا تو سجدہ ناقص ہوگا اور نماز ناقص ہوگی۔اس حدیث میں کف ثوب اور شعر (بال) کی ممانعت کا بھی حکم ہے۔جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

سجدہ میں اعضاء زمین پر لگانے میں اختلاف ائمہ:

امام احمد اور اسحاق نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اگر اعضاء سبعہ سے کسی عضو پر سجدہ کرنا ترک کر دیا تو وہ سجدہ کفایت نہ کرے گا اور سجدہ ادا نہ ہوگا اور یہی امام شافعی کا اصح قول ہے۔اصح حدیث میں ناک کا ذکر نہیں ہے اور ایک حدیث میں ناک کا بھی ذکر ہے۔اس حدیث میں اختلاف ہے کہ ناک کا لگانا بھی سجدہ میں فرض ہے یا نہیں؟ تو ایک گروہ نے فرمایا ہے جب پیشانی پر سجدہ کیا اور ناک نہ لگایا تو بھی کافی ہوگا یعنی سجدے کا فرض ادا ہو جائے گا اور یہ مذہب ابن عمر اور عطاء اور حسن اور ابن سیرین اور دیگر کثیر فقہاء سے مروی ہے اور ایک گروہ نے فرمایا کہ اگر ناک پر سجدہ کیا اور ماتھا نہ لگایا تو بھی کافی ہوگا اور یہ قول ہے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا جیسا کہ ہدایہ اور اس کی شرح فتح القدیر میں ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک پیشانی اور ناک میں سے ایک پر اختصار جائز ہے۔کیونکہ مشہور روایت میں جبہۃ کی جگہ وجہ کا لفظ ہے اور مکمل چہرہ تو بالاتفاق خارج نہیں باقی ناک اور پیشانی میں سے ایک پر سجدہ کفایت کرے گا اور فرض ادا ہو جائے گا۔لیکن صاحبین کے نزدیک سجدہ میں دونوں یعنی پیشانی اور ناک لگانا ضروری ہیں۔بلا عذر اگر ایک پر اختصار کیا۔تو کافی نہ ہوگا۔

لیکن علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ نے اس قول سے اختلاف کیا ہے اور نہایہ شرح ہدایہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ پیشانی لگانے سے آئمہ ثلاثہ کے نزدیک فرض ادا ہو جائے گا۔صرف صاحبین کا اختلاف ہے کہ بلا عذر ناک پر اختصار کرنا جائز نہیں ہے ہاں عذر کے وقت تو آئمہ ثلاثہ کے نزدیک ناک پر اختصار بلا کراہت جائز ہوگا اور بلا عذر صرف ناک لگانا امام صاحب کے نزدیک اگرچہ کافی ہے۔لیکن شدید مکروہ ہے۔شارح مسلم علامہ غلام رسول سعیدی صاحب نے لکھا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر پیشانی پر سجدہ کیا اور ناک نہ لگی تو کوئی حرج نہیں اور اگر ناک پر سجدہ کیا پیشانی نہیں لگی، تو سجدہ نہ ہوگا ان کا استدلال بھی اسی حدیث سے ہے۔(فتح القدیر، باب بیان السجدہ)

امام شافعی کے نزدیک سجدہ میں ناک اور پیشانی دونوں کا لگانا واجب ہیں۔ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں حضور نبی اکرم ﷺ نے پیشانی کے ساتھ ناک کا بھی ذکر کیا ہے اور پیشانی اور ناک دونوں کو ملا کر ایک عضو قرار دیتے ہیں تاکہ اعضاء کی تعداد سات سے زیادہ نہ ہو۔تاہم ان کا ایک قول امام اعظم رضی اللہ عنہ کے موافق بھی ہے اور یہی مختار ہے۔کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے سجدہ کیا اور ناک نہ لگایا۔(شرح مسلم، جلد اول ص، 681)

بہر حال کامل سجدہ سات اعضاء کو لگانے سے ہی ہوگا۔ اگر بلا عذر ناک نہ لگائی تو امام صاحب کے نزدیک بھی نماز مکروہ تحریمی ہوگی اور بعض کے نزدیک نماز ہی نہ ہوگی۔ اسی طرح دونوں ہاتھ، دونوں زانو، دونوں پاؤں لگانے بھی ضروری ہیں۔ اگر کسی نے سجدہ میں دونوں پاؤں نہ لگائے تو سجدہ نہ ہوگا اور نہ ہی نماز ہوگی۔

امام ابوداؤد علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو نماز پڑھائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی اور ناک پر مٹی کا نشان دیکھا گیا۔ ابوعلی نے کہا ہے ابوداؤد نے جب چوتھی مرتبہ یہ کتاب پڑھی تو اس حدیث کو نہیں پڑھا۔

(سنن ابوداؤد، ج ا، ص ۱۳۱، دارالحدیث ملتان)

سجدے میں ناک یا پیشانی میں سے کسی ایک پر اکتفاء کرنے کا بیان:

سجدے کے وقت پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں کے پنجوں کو زمین پر ٹیکنا چاہیے۔ اکثر ائمہ کے نزدیک سجدہ ناک اور پیشانی دونوں سے کرنا چاہیے بغیر ان دونوں کو زمین پر لگائے سجدہ جائز نہیں ہے مگر حضرت امام اعظم ابو حنفیہ اور صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم فرماتے ہیں کہ اگر محض پیشانی ہی ٹیک کر سجدہ کر لیا جائے تو جائز ہے البتہ بغیر عذر کے ایسا کرنا مکروہ ہے۔ حضرت امام شافعی اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک محض ناک کو زمین پر ٹیک کر سجدہ کرنا جائز نہیں ہے ہاں اگر کوئی ایسا عذر پیش ہو کہ پیشانی کو زمین پر ٹیکنا ممکن نہ ہو تو جائز ہے، اس سلسلے میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دو قول ہیں۔ ایک قول تو یہ ہے کہ جائز نہیں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ جائز ہے لیکن کراہت کے ساتھ۔

سجدے میں دونوں پاؤں کو زمین پر رکھنا ضروری ہے۔ اگر کوئی آدمی سجدے میں دونوں پاؤں زمین سے اٹھا لے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور ایک پاؤں اٹھالے گا تو سجدہ مکروہ ہوگا۔ سجدے میں پاؤں کی انگلیوں کو قبلے کی طرف رکھنا فرض ہے خواہ ایک ہی انگلی رکھی جائے۔ اگر انگلیاں قبلہ کی سمت نہ ہوں گی تو جائز نہیں ہوگا۔

درمختار میں ایک جگہ مذکور ہے کہ پیشانی اور دونوں پاؤں کے ساتھ سجدہ کرنا فرض ہے اور دونوں پیروں میں کم سے کم ایک انگلی زمین پر رکھنا شرط ہے اور ہاتھوں اور زانوؤں کو زمین پر رکھنا سنت ہے، حنفیہ اور شافعیہ کا مسلک یہی ہے۔

عمامہ پر سجدہ کرنے کا بیان:

قَالَ (فَإِنْ سَجَدَ عَلَى كَوْرِ عِمَامَتِهِ أَوْ فَاضِلِ ثَوْبِهِ جَازَ) لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَسْجُدُ عَلَى كَوْرِ عِمَامَتِهِ ، وَيُرْوَى "أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ يَتَّقِي بِفُضُولِهِ حَرَّ الْأَرْضِ وَبَرْدَهَا .

(وَيُبْدِي ضَبْعَيْهِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "وَأَبْدِ ضَبْعَيْك "وَيُرْوَى "وَأَبِدَّ "مِنْ الْإِبْدَادِ :

وَهُوَ الْمَدُّ ، وَالْأَوَّلُ مِنَ الْإِبْدَاءِ وَهُوَ الْإِظْهَار .

" (وَيُجَافِي بَطْنَهُ عَنْ فَخِذَيْهِ) " (لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ إِذَا سَجَدَ جَافَى حَتَّى أَنَّ بَهْمَةً لَوْ أَرَادَتْ أَنْ تَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ لَمَرَّتْ). "

وَقِيلَ إِذَا كَانَ فِي الصَّفِّ لَا يُجَافِي كَيْ لَا يُؤْذِيَ جَارَهُ (وَيُوَجِّهُ أَصَابِعَ رِجْلَيْهِ نَحْوَ الْقِبْلَةِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "(إِذَا سَجَدَ الْمُؤْمِنُ سَجَدَ كُلُّ عُضْوٍ مِنْهُ ، فَلْيُوَجِّهْ مِنْ أَعْضَائِهِ الْقِبْلَةَ مَا اسْتَطَاعَ

ترجمہ:

اگر نمازی نے عمامہ کے کنارے پر سجدہ کیا یا بچے ہوئے کپڑے پر سجدہ کیا تو جائز ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ عمامہ کے کنارے پر سجدہ کیا کرتے تھے اور یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی۔ اور اس کا زائد حصہ زمین کی گرمی وسردی سے بچاتا تھا۔

اور اپنے دونوں بازؤں کو کشادہ رکھے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اپنے بازؤں کو ظاہر کر۔ اور یہ بھی روایت ہے۔ ''ابد'' ابداد سے مشتق ہے جس کا معنی کھینچنا ہے۔ اور اول ''ابداء'' سے ہے جس کا معنی ظاہر کرنا ہے۔

اور اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے الگ رکھے۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ جب سجدہ کرتے تو آپ (ہاتھ اس قدر) الگ رکھتے حتیٰ کہ اگر بکری کا بچہ آپ کے ہاتھوں کے درمیان گذرنے کا ارادہ کرتا تو وہ گذر سکتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر صف میں ہو تو الگ نہ رکھے تا کہ ہمسائے کو تکلیف نہ ہو۔

اور وہ اپنے پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ کی طرف متوجہ کرے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب مؤمن سجدہ کرتا ہے تو اس کا ہر عضو بھی سجدہ کرتا ہے۔ لہذا جس قدر ممکن ہو سکے اپنے اعضاء کو قبلہ کی طرف پھیرے۔:

سجدہ کرنے کی فضیلت کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ امام بخاری نے باب فضل السجود میں ایک طویل حدیث ذکر فرمائی ہے جس میں دیگر امور کے علاوہ یہ بھی ذکر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ رحمت فرمائے گا اور فرشتوں کو حکم فرمائے گا: جہنم سے ان کو نکال دو۔ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے فرشتے ان کو نکالیں گے اور اللہ تعالیٰ نے آگ پر حرام فرمایا ہے کہ نشان سجود کو کھائے۔ معلوم ہوا کتنی شان ہے اللہ تعالیٰ کے حضور سربسجود ہونے کی کہ اگر شامت اعمال کی وجہ سے آگ میں جانا بھی پڑا، پھر بھی اعضاء سجود جلنے سے محفوظ ہوں گے اور آثار سجود روشن ہوں گے۔ ایک حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا: بندہ اپنے رب کے بہت قریب ہوتا ہے جب سجدہ کرتا ہے۔ (عینی شرح بخاری ج6ص88)

بندہ کو سجدہ میں اور مولیٰ تعالیٰ کا خصوصی قرب حاصل ہوتا ہے، بندہ کیلئے اس سے بڑا اعزاز کیا ہو سکتا ہے کہ اس کو مولا کر

کا قرب خاص حاصل ہو جائے اور وہ آپ کے حکم کے مطابق سجدہ کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ مسلم شریف میں معدان بن طلحہ یعمری بیان کرتے ہیں کہ میں جناب رسول اللہ ؟ کے غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے ملا اور میں نے ان سے عرض کیا: مجھے ایسا عمل بتلائیے جو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہو؟ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ خاموش رہے۔ میں نے دوبارہ سوال کیا، وہ خاموش رہے، میں نے سہ بارہ سوال کیا، تو انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ؟ سے یہ بات پوچھی تھی، تو آپ ؟ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کیلئے کثرت سجود لازم کرلو، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایک سجدہ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہارا درجہ بلند کرے گا اور تمہارا ایک گناہ مٹائے گا۔ حضرت معدان کہتے ہیں کہ اس کے بعد میری ملاقات حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ میں نے ان سے بھی یہی سوال کیا تو انہوں نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ والا جواب دیا۔ کیا شان ہے اللہ تعالیٰ کے حضور سر بسجود ہونے کی کہ ایک درجہ بلند ہوتا ہے اور ایک گناہ مٹتا ہے اور کثرت سجود محبوب ترین عمل ہے اور جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ ہے۔ مولیٰ تعالیٰ ہم سب کو کثرت سجود اور کثرت نماز کی توفیق بخشے۔

سجدہ مسنونہ کا طریقہ :

سجدہ میں جب جائے تو زمین پر پہلے گھٹنے رکھے، پھر ہاتھ، پھر ناک، پھر پیشانی رکھے اور جب سجدہ سے اُٹھے، تو عکس کرے، یعنی پہلے پیشانی، پھر ناک، پھر ہاتھ پھر گھٹنے اُٹھائے۔ (عالمگیری) اُٹھتے وقت زمین پر ٹیک لگا کر نہ اُٹھے، بلکہ سیدھا پاؤں پر دباؤ ڈال کر اُٹھ کھڑا ہو۔ رسول اللہ ﷺ جب سجدہ کو جاتے، تو پہلے گھٹنے رکھتے پھر ہاتھ اور جب اُٹھتے تو پہلے ہاتھ پھر گھٹنے اُٹھاتے۔ اصحاب سنن اربعہ اور سنن دارمی نے اس حدیث کو وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

مرد کے لئے سجدہ میں سنت یہ ہے کہ بازو کروٹوں سے جدا ہوں اور پیٹ رانوں سے اور کلائیاں زمین پر نہ بچھائے، مگر صف میں ہو تو بازو کروٹوں سے (اچھی طرح) جدا نہ ہوں گے۔ (عالمگیری۔ ہدایہ) حدیث میں جس کو بخاری و مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں: سجدہ میں اعتدال کرے، اور کتے کی طرح کلائیاں نہ بچھائے۔ صحیح مسلم میں ہے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور انور ﷺ فرماتے ہیں: جب تو سجدہ کرے تو ہتھیلی کو زمین پر رکھ دے اور کہنیاں اُٹھا لے۔ ابوداؤد نے حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ جب حضور اکرم ﷺ سجدہ کرتے۔ تو دونوں ہاتھ کروٹوں سے دور رکھتے، یہاں تک کہ ہاتھوں کے نیچے سے اگر بکری کا بچہ گزرنا چاہتا تو گزر جاتا اور مسلم کی روایت بھی اس کی مثل ہے۔ دوسری روایت بخاری و مسلم کی حضرت عبد اللہ بن مالک بن بحینہ رضی اللہ عنہ سے یوں ہے کہ ہاتھوں کو کشادہ رکھتے، یہاں تک کہ بغل مبارک سپید ظاہر ہو جاتی۔ عورت سمٹ کر سجدہ کرے۔ یعنی بازو کروٹوں سے ملا دے اور پیٹ ران سے اور ران پنڈلیاں زمین سے (دونوں پاؤں داہنی طرف نکال دے۔) مسائل سجدہ : پیشانی کا زمین پر جمنا سجدہ کی حقیقت ہے اور پاؤں کی ایک انگلی کا پیٹ زمین پر لگنا شرط ہے۔ تو اگر کسی

نے اس طرح سجدہ کیا کہ دونوں پاؤں زمین سے اُٹھے رہے، نماز نہ ہوئی، بلکہ صرف انگلی کی نوک زمین سے لگی۔ جب بھی نہ ہوئی۔ اس مسئلہ سے بہت لوگ غافل ہیں۔ (درمختار۔ فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ:

سجدہ میں دونوں پاؤں کی دس کی دس انگلیوں کے پیٹ زمین پر لگنا سنت ہے اور ہر پاؤں کی تین تین انگلیوں کے پیٹ زمین پر لگنا واجب اور دسوں کا قبلہ رو ہونا سنت ہے۔ (فتاویٰ رضویہ) مسئلہ: اگر کسی عذر کے سبب پیشانی زمین پر نہیں لگا سکتا، تو صرف ناک پر سجدہ کرے، پھر بھی فقط ناک کی نوک لگنا کافی نہیں بلکہ ناک کی ہڈی زمین پر لگنا ضروری ہے (عالمگیری۔ ردالمحتار) مسئلہ: رخسار یا ٹھوڑی زمین پر لگانے سے سجدہ نہ ہوگا۔ خواہ عذر کے سبب ہو یا بلا عذر، اگر عذر ہو تو اشارہ کا حکم ہے۔ مسئلہ: ہر رکعت میں دو بار سجدہ کرنا فرض ہے۔ مسئلہ: کسی نرم چیز مثلاً گھاس، روئی، قالین، وغیرہ پر سجدہ کیا گیا اگر پیشانی جم گئی، یعنی اتنی دبی کہ اب دبانے سے نہ دبے، تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ (عالمگیری) بعض جگہ سردیوں میں مسجد میں پیال (دھان کا بھس) بچھاتے ہیں۔ ان لوگوں کو سجدہ کرنے میں اس کا لحاظ بہت ضروری ہے۔ اگر پیشانی خوب نہ دبی تو نماز ہی نہ ہوئی اور ناک ہڈی تک نہ دبی، تو مکروہ تحریمی، واجب الاعادہ ہوئی۔ مسئلہ: عمامہ کے پیچ پر سجدہ کیا، اگر ماتھا خوب جم گیا، سجدہ ہو گیا اور ماتھا نہ جما، بلکہ چھو گیا، کہ دبانے سے دبے گا، یا سر کا کوئی حصہ لگا تو سجدہ نہ ہوا۔ (درمختار)

سجدے میں تسبیح پڑھنے کا بیان:

(وَيَقُولُ فِي سُجُودِهِ :سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى ثَلَاثًا وَذَلِكَ أَدْنَاهُ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (وَإِذَا سَجَدَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ فِي سُجُودِهِ :سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى ثَلَاثًا وَذَلِكَ أَدْنَاهُ) " أَيْ أَدْنَى كَمَالِ الْجَمْعِ وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يَزِيدَ عَلَى الثَّلَاثِ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ بَعْدَ أَنْ يَخْتِمَ بِالْوِتْرِ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (كَانَ يَخْتِمُ بِالْوِتْرِ) ، وَإِنْ كَانَ إمَامًا لَا يَزِيدُ عَلَى وَجْهٍ يُمِلُّ الْقَوْمَ حَتَّى لَا يُؤَدِّيَ إلَى التَّنْفِيرِ ثُمَّ تَسْبِيحَاتُ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ سُنَّةٌ لِأَنَّ النَّصَّ تَنَاوَلَهُمَا دُونَ تَسْبِيحَاتِهِمَا فَلَا يَزِيدُ عَلَى النَّصِّ (وَالْمَرْأَةُ تَنْخَفِضُ فِي سُجُودِهَا وَتَلْزَقُ بَطْنَهَا بِفَخِذَيْهَا) لِأَنَّ ذَلِكَ أَسْتَرُ لَهَا .

ترجمہ:

اور اپنے سجدے میں تین بار "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى" پڑھے۔ اور یہ کم از کم مقدار ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے جب کوئی سجدہ کرے تو سجدے میں تین مرتبہ "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى" کہے۔ اور یہ کم از کم ہے۔ یعنی یہ مکمل جمع کرنے کی کم از کم مقدار ہے۔ اور مستحب یہ ہے کہ وہ رکوع وسجود میں تین پر اضافہ کرے لیکن اس کو طاق پر ختم کرے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ طاق پر ختم فرمایا کرتے تھے۔ اور اگر وہ امام ہو تو پھر اس طرح نہ پڑھائے کہ مقتدی اس سے تنگ آ جائیں

تاکہ وہ اکثر تسبیحات کا سبب نہ بنے [illegible]

دونوں کے سوا کوئی نہ ہو جائے کا [illegible]

جبکہ عورت اپنے سجدے میں جھک جائے اور اپنے پیٹ [illegible]

ستر والا ہے۔

شرح

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ [illegible]

تو رکوع کے دوران تین بار کہے سبحان ربی العظیم [illegible]

کرے تو سجدہ میں تین بار کہے سبحان ربی الاعلی [illegible]

ادنی حد ہے۔ (سنن ابن ماجہ، ج ا، ص ۶۳، قدیمی کتب خانہ کراچی)

سجدہ میں دعا مانگنے کا حکم دیا گیا ہے تو سمجھئے کہ دعا کی دو قسمیں ہوتی ہیں [illegible]

اپنے مطلب و مراد کے لیے درخواست کی جائے اور دعا کی دوسری قسم یہ ہوتی ہے کہ [illegible]

کے ذکر میں مشغول رہا جائے کیونکہ رحیم و کریم کی تعریف وغیرہ بیان کرنا اور اس کے ذکر میں مشغول رہنا بھی حقیقت میں [illegible]

ہی ہے۔ لہذا سجدے میں کثرت سے دعا کرنے کا جو حکم فرمایا گیا ہے وہ دونوں قسم کی دعا کو شامل ہے [illegible]

حنفیہ کا ذکر پر اکتفا کرنا اور صریح دعا سے منع کرنا بھی دعا کے حکم میں ہی ہے [illegible]

شغله ذکری عن مسئلتی أعطيته أفضل ما أعطي السائلين (یعنی جس آدمی کو میرے ذکر نے مجھ سے سوال کرنے سے [illegible]

(اس طرح کہ وہ آدمی میرے ذکر میں مشغول ہونے کی وجہ سے مجھ سے سوال نہ کر سکا) تو میں اس آدمی کو [illegible]

مانگنے والوں کو دیتا ہوں (بہتر (چیز) بخشتا ہوں۔ مگر شرط یہ ہے کہ وہ آدمی اس وقت پروردگار کے ذکر میں [illegible]

مشغول رہے۔

البتہ بعض محققین احناف نے ان دونوں چیزوں میں یہ تطبیق دی ہے کہ نوافل میں تو [illegible]

صرف تسبیحات پر اکتفا کرنا چاہئے۔

اطمینان کے ساتھ جلسہ کرنے کا بیان:

قَالَ (ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ وَيُكَبِّرُ) لِمَا رَوَيْنَا (فَإِذَا اطْمَأَنَّ جَالِسًا كَبَّرَ وَسَجَدَ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي حَدِيثِ الْأَعْرَابِيِّ " (ثُمَّ ارْفَعْ رَأْسَك حَتَّى تَسْتَوِيَ جَالِسًا) " وَلَوْ لَمْ يَسْتَوِ جَالِسًا وَسَجَدَ أُخْرَى أَجْزَأَهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ ، وَتَكَلَّمُوا فِي مِقْدَارِ الرَّفْعِ

وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ إِذَا كَانَ إِلَى السُّجُودِ أَقْرَبَ لَا يَجُوزُ لِأَنَّهُ يُعَدُّ سَاجِدًا ، وَإِنْ كَانَ إِلَى الْجُلُوسِ أَقْرَبَ جَازَ لِأَنَّهُ يُعَدُّ جَالِسًا فَتَتَحَقَّقُ الثَّانِيَةُ .

ترجمہ:

پھر وہ اپنے سر کو اٹھائے اور تکبیر کہے اسی حدیث کی بناء پر جسے ہم روایت کر چکے ہیں۔اور جب وہ اطمینان کے ساتھ بیٹھ جائے تو تب وہ تکبیر کہے اور سجدہ کرے۔کیونکہ حدیث اعرابی میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تو اپنے سر کو اٹھا حتیٰ کہ تو سیدھا بیٹھ جائے اور اگر وہ سیدھا نہیں بیٹھا بلکہ تکبیر کہتے ہوئے سجدے میں چلا گیا تو طرفین کے نزدیک کفایت کر جائے گا اور اسے بھی ہم ذکر کر چکے ہیں۔اور سر اٹھانے کی مقدار میں فقہاء نے کلام کیا ہے اور سب سے زیادہ صحیح روایت یہ ہے کہ جب وہ سجدہ کے قریب ہو جائز نہیں۔کیونکہ وہ سجدے میں ہی شمار ہوگا۔اور اگر وہ بیٹھنے کے زیادہ قریب ہے تو جائز ہے۔کیونکہ اس کا جلسہ شمار ہو جائے گا۔لہذا دوسرا سجدہ محقق ہو جائے گا۔

جلسہ میں اطمینان کا فقہی مفہوم:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے ایک گوشے میں تشریف فرما تھے کہ ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا۔(پہلے) اس نے نماز پڑھی، اس طرح کہ تعدیل ارکان اور قومہ وجلسہ کی رعایت نہیں کی۔پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا جاؤ اور پھر نماز پڑھو اس لیے کہ تم نے نماز نہیں پڑھی وہ چلا گیا اور جس طرح پہلے نماز پڑھی تھی اسی طرح پھر نماز پڑھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر سلام عرض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دے کر پھر اس سے فرمایا کہ جاؤ نماز پڑھو اس لیے کہ تم نے نماز پڑھی ہی نہیں (اس طرح تین مرتبہ ہوا) تیسری مرتبہ یا چوتھی مرتبہ اس آدمی نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ مجھے سکھلا دیجئے (کہ نماز کس طرح پڑھوں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو (پہلے) اچھی طرح وضو کرلو۔پھر قبلے کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو کر تکبیر کہو پھر قرآن کی جو (سورت وغیرہ) تمہیں آسان معلوم ہو اسے پڑھو پھر سکون کے ساتھ رکوع کرو پھر سر اٹھاؤ یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ، پھر اطمینان کے ساتھ سجدہ کرو پھر سر اٹھاؤ اور اطمینان کے ساتھ بیٹھ جاؤ پھر اطمینان کے ساتھ (دوسرا) سجدہ کرو پھر سر اٹھاؤ اور سکون کے ساتھ بیٹھ جاؤ۔ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ پھر سر اٹھاؤ اور سیدھے کھڑے ہو جاؤ (اس روایت میں جلسہ استراحت کا ذکر نہیں) پھر اپنی تمام نماز اسی طرح ادا کرو۔(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

طمانیت کا مطلب یہ ہے کہ رکوع یا سجود وغیرہ میں اس طرح پوری دلجمعی اور سکون خاطر کے ساتھ ٹھہرا جائے کہ بدن کے تمام جوڑ اپنی جگہ اختیار کرلیں اور ان ارکان میں جو تسبیحات پڑھی جاتی ہیں وہ پورے اطمینان کے ساتھ پڑھی جائیں۔

نماز میں طمانیت کی شرعی حیثیت میں ائمہ کے مذاہب کا بیان:

حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد اور حضرت امام ابو یوسف رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اس حدیث کے پیش نظر رکوع، سجود، قومہ اور جلسہ میں طمانیت کی فرضیت کے قائل ہیں اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطمینان کے فقدان کی بناء پر نماز کی نفی فرمائی ہے اور یہ چیز فرضیت کی علامت ہے کہ ایک فعل اس کے نہ ہونے سے منتفی اور باطل ہو جائے لہٰذا یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اگر کسی آدمی نے ارکان میں آرام وسکون کو اختیار نہ کیا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی جس کا اعادہ ضروری ہوگا۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما کے نزدیک رکوع وسجود میں طمانیت واجب ہے اور قومہ و جلسہ میں سنت ہے یہ حضرات اس حدیث کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ یہاں نماز کی نفی مراد نہیں ہے بلکہ نماز کے کمال کی نفی مراد ہے کیونکہ اس حدیث کے آخری الفاظ جو ابوداؤد، جامع ترمذی اور سنن نسائی میں منقول ہیں یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی سے فرمایا کہ اگر تم نے اسے (یعنی طمانیت کو) پورا کیا تو تمہاری نماز مکمل ہوئی اور اس میں سے تم نے جو کچھ کم کیا تو تم نے اپنی نماز ناقص کی۔ لہٰذا اس طرح کا حکم وجوب اور سنت کی علامت ہے کہ اس کے بغیر فعل ناقص و ناتمام ہوتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کو نماز کا اعادہ کرنے کا حکم اس لیے نہیں دیا تھا کہ اس کی نماز سرے سے ہوئی ہی نہیں تھی بلکہ اس اعادہ کے حکم کا مطلب یہ تھا کہ نماز پورے کمال اور بغیر کسی کراہیت ونقصان کے ادا ہونی چاہئے۔ اور اگر طمانیت فرض ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو شروع ہی میں منع کر کے نماز پڑھنے سے روک دیتے اور اس کو بغیر فرائض کے نماز نہ پڑھنے دیتے۔

اس حدیث سے چند باتوں کی طرف اشارہ ملتا ہے پہلی چیز تو یہ کہ عالم اور ناصح کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ کسی جاہل اور غلط کام کرنے والے کو نہایت نرمی اور اخلاق کے ساتھ سمجھائے اور اس کے ساتھ نصیحت کا ایسا نرم معاملہ کرے کہ وہ آدمی اس کی بات کو ماننے اور اس پر عمل پیرا ہونے پر خود مجبور ہو جائے کیونکہ بسا اوقات نصیحت کے معاملے میں بداخلاقی وترش روئی اصلاح وسدھار پیدا کرنے کی بجائے اور زیادہ ضد وہٹ دھرمی اور گمراہی کا سبب بن جاتی ہے۔ دوسری چیز یہ ثابت ہوتی ہے کہ ملاقات اگرچہ مکرر اور تھوڑی دیر کے بعد ہی ہو سلام کرنا مستحب ہے۔ تیسری چیز یہ ثابت ہوتی ہے کہ اگر کوئی آدمی اپنی نماز کے واجبات میں کچھ خلل ونقصان پیدا کرے تو اس کی نماز صحیح ادا نہیں ہوتی اور وہ حقیقی معنی میں نمازی نہیں کہلاتا بلکہ اس کے بارے میں یہی کہا جائے گا کہ اس آدمی نے نماز نہیں پڑھی۔ پہلی روایت میں جلسہ استراحت یعنی پہلی اور تیسری رکعت میں دوسرے سجدے سے اٹھ کر بیٹھنے کا بھی ذکر کیا گیا ہے چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک جلسہ استراحت سنت ہے مگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک سنت نہیں ہے اس کی مفصل تحقیق (انشاء اللہ) آگے آئے گی۔

سجدے سے اٹھنے کا بیان:

قَالَ (فَإِذَا اطْمَأَنَّ سَاجِدًا كَبَّرَ) وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ (وَيَسْتَوِي قَائِمًا عَلَى صُدُورِ قَدَمَيْهِ وَلَا يَقْعُدُ وَلَا يَعْتَمِدُ بِيَدَيْهِ عَلَى الْأَرْضِ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ : يَجْلِسُ جِلْسَةً خَفِيفَةً ثُمَّ يَنْهَضُ مُعْتَمِدًا عَلَى الْأَرْضِ لِمَا رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فَعَلَ ذَلِكَ .

وَلَنَا حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (كَانَ يَنْهَضُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى صُدُورِ قَدَمَيْهِ) ، وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى حَالَةِ الْكِبَرِ ، وَلِأَنَّ هَذِهِ قَعْدَةُ اسْتِرَاحَةٍ وَالصَّلَاةُ مَا وُضِعَتْ لَهَا .

ترجمہ

جب وہ اطمینان سے سجدہ کر لے تو وہ تکبیر کہے جس کے بارے میں ذکر چکے ہیں۔ اور اپنے قدموں کے بھار پر سیدھا کھڑا ہو جائے وہ نہ بیٹھے اور نہ ہی اپنے ہاتھوں کے ساتھ زمین پر ٹیک لگائے۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ وہ تھوڑا سا بیٹھے پھر وہ زمین پر ٹیک لگاتے ہوئے کھڑا ہو جائے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بھی ایسا کیا ہے۔

جبکہ ہماری دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے پاؤں کے بھار پر کھڑے ہوتے تھے۔ اور جس حدیث کو امام شافعی نے روایت کیا ہے اسے بڑھاپے کی حالت پر محمول کیا جائے گا۔ اور یہ دلیل بھی ہے کہ یہ قعدہ استراحت ہے حالانکہ نماز کسی آرام کرنے کیلئے نہیں بنائی گئی۔

جلسہ استراحت کا مفہوم ومطلب:

پہلی اور تیسری رکعت کے بعد قیام سے قبل تھوڑی دیر بیٹھنا جلسہ استراحت کہلاتا ہے۔ اس کے بارے میں فقہاء کے دو

- قول ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ علیہ اور امام مالک رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک یہ جلسہ (بیٹھنا) سنت ہے اور احناف اس کی مشروعیت وسنیت کے قائل نہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سنت یہ ہے کہ نمازی زمین پر ٹیک لگا کر اٹھے بخلاف احناف کے۔ (شرح تراجم ابواب صحیح البخاری، المغنی میں ابن قدامہ لکھتے ہیں۔

کہ امام مالک وشافعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں : اٹھتے وقت ہاتھوں کا آسرا لینا سنت ہے۔

حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے آقائے نامدار ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی نماز کی طاق رکعت (یعنی پہلی یا تیسری) میں ہوتے تو جب تک سیدھے بیٹھ نہ لیتے اٹھتے نہ تھے۔ (صحیح البخاری)

مطلب یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے اور پہلی یا تیسری رکعت میں دوسرے سجدہ سے سر اٹھاتے تو پہلے بیٹھتے تھے اس کے بعد اگلی رکعت کے لیے اٹھتے تھے اسی کو جلسہ استراحت کہا جاتا ہے۔

جلسہ استراحت کے سنت یا عدم سنت ہونے میں فقہی مذاہب کا بیان:

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک جلسہ استراحت سنت ہے اور اس کا طریقہ وہی ہے جو پہلے قعدہ میں بیٹھنے کا ہے۔ نیز یہ کہ بیٹھنے کے بعد دونوں ہاتھوں سے زمین کا سہارا لے کر اٹھنا چاہیے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما کا مختار قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جلسہ استراحت کرنا چونکہ کبرسنی اور ضعف کی وجہ سے تھا اس لیے جس آدمی کو جلسہ استراحت کی حاجت نہ ہو اس کے لیے یہ سنت نہیں ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مستدل یہی حدیث ہے اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے جس کو ترمذی نے بھی نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدے سے) پشت قدم پر یعنی بغیر بیٹھے ہوئے اٹھتے تھے اگرچہ اس حدیث کے بعض طرق ضعیف ہیں لیکن حدیث صحیح الاصل ہے۔

حضرت ابن ابی شیبہ، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ وہ اپنے پشت قدم پر بغیر بیٹھے ہوئے اٹھتے تھے نیز انہوں نے حضرت علی المرتضیٰ، حضرت عمر، حضرت عبداللہ ابن عمر اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہم کے بارے میں بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔ اور حضرت نعمان ابن ابی عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے بہت سے صحابہ کو دیکھا ہے کہ وہ جب پہلی اور تیسری رکعت میں سجدے سے سر اٹھاتے تھے تو جس حالت میں ہوتے تھے اسی حالت میں بغیر بیٹھے ہوئے اٹھ جاتے تھے۔

اس سلسلے میں بہت زیادہ احادیث وآثار وارد ہیں اور جو احادیث اس کے برعکس وارد ہیں ان کا محمول کبرسنی اور ضعف ہے جیسا کہ اس حدیث کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبرسنی اور ضعف کی وجہ سے جلسہ استراحت اختیار فرماتے تھے۔ ہماری طرف مزید دلائل درج ذیل ہیں۔

قال الامام الترمذی حدثنا خالد بن ایاس (یقال خالد بن الیاس) عن صالح مولی التوأمة عن ابی ہریرة قال کان النبی ﷺ ینھضُ فِی الصَّلوٰةِ علیٰ صُدُورِ قَدَمَیهِ۔ (جامع ترمذی، مع تحفة الاحوذی ۱، باب کیف النھوض من السجود)

حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز میں کھڑے ہوتے تو پاؤں کے سینہ پر کھڑے

ہوتے۔(یعنی جلسہ استراحت کیلئے نہ بیٹھتے)۔

امام ابداؤد اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ھیں۔۔ وَإِذَا نَهَضَ نَهَضَ عَلَى رُكبَتِيهِ واعتمد على فخذه۔

(سنن ابی داؤد) جب رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوتے تو گھٹنوں کے بل کھڑے ہوتے اور ران کا آسرا لیتے۔

مسند احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ میں ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث ہے جس کے آخر میں ہے۔

فَسَجَدَ فَانتَهَضَ قَائِماً کہ رسول اللہ ﷺ نے سجدہ کیا اور کھڑے ہو گئے۔(مسند احمد بن حنبل)

سنن ابی داؤد رحمہ اللہ میں ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں ہے :فَسَجَدَ ثُمَّ كَبَّرَ فَقَامَ وَلَم يَتَوَرَّكْ ۔

(سنن ابی داؤد، ج ۱، ۲۶۷) کہ رسول اللہ ﷺ سجدے کے بعد تکبیر کہہ کر کھڑے ہوئے اور نہ بیٹھے۔

اس سے امام طحاوی حنفی علیہ الرحمہ نے استدلال کیا ہے کہ چونکہ ابوحمید کی اس روایت میں جلسہ استراحت کا ذکر نہیں لہذا یہ مشروع نہیں۔(حاشیہ صحیح البخاری، ج ۱، ص ۱۱۳)

دوسری رکعت شروع کرنے کا بیان:

(وَيَفْعَلُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ مَا فَعَلَ فِي الْأُولَى) لِأَنَّهُ تَكْرَارُ الْأَرْكَانِ (إلَّا أَنَّهُ لَا يَسْتَفْتِحُ وَلَا يَتَعَوَّذُ) لِأَنَّهُمَا لَمْ يُشْرَعَا إلَّا مَرَّةً وَاحِدَةً ۔

(وَلَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ إلَّا فِي التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي الرُّكُوعِ وَالرَّفْعِ مِنْهُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "(لَا تُرْفَعُ الْأَيْدِي إلَّا فِي سَبْعِ مَوَاطِنَ :تَكْبِيرَةِ الِافْتِتَاحِ ، وَتَكْبِيرَةِ الْقُنُوتِ وَتَكْبِيرَاتِ الْعِيدَيْنِ ، وَذَكَرَ الْأَرْبَعَ فِي الْحَجِّ) " وَالَّذِي يُرْوَى مِنْ الرَّفْعِ مَحْمُولٌ عَلَى الِابْتِدَاءِ ، كَذَا نُقِلَ عَنْ ابْنِ الزُّبَيْرِ .

ترجمہ:

اور وہ دوسری رکعت میں اسی طرح کرے جس طرح اس نے پہلی رکعت میں کیا تھا۔کیونکہ انہی ارکانوں کا تکرار ہے۔مگر وہ "ثناء نہ پڑھے گا" اور "تعوذ" نہیں پڑھے گا کیونکہ یہ دونوں صرف ایک ہی مرتبہ پڑھنے کیلئے مشروع ہوئے ہیں۔

اور وہ پہلی تکبیر کے سوا رفع یدین نہ کرے۔جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے اس پر اختلاف کیا اور فرمایا: کہ وہ رکوع میں جاتے ہوئے اور اس سے اٹھتے ہوئے بھی رفع یدین کرے گا۔(ہماری دلیل یہ ہے) کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: رفع یدین صرف سات جگہوں پر کیا جائے۔تکبیر تحریمہ، تکبیر قنوت، عیدین کی تکبیرات اور چار تکبیروں کو آپ ﷺ نے حج میں ذکر کیا ہے۔اور جو روایت رفع یدین کرنے کے بارے میں بیان کی جاتی ہے وہ ابتداء (اسلام) پر محمول ہے۔اسی طرح حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نقل کیا گیا ہے۔

سات مقامات پر رفع یدین کرنے میں حصر کا بیان:

امام ابن شیبہ علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رفع یدین نہ کیا جائے مگر سات مواقع پر، جب تم نماز کیلئے کھڑے ہو۔ (بقیہ حج کے متعلق ارشاد فرمائے)۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ج ا ص ۲۳۸ مطبوعہ کراچی)

اس حدیث میں رفع یدین کے حصر کا بیان ہے لہذا صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کیا جائے گا۔

﴿ترک رفع یدین کے متعلق احادیث﴾

تکبیر اُولیٰ کے علاوہ نماز میں رفع یدین نہ کرنے کا بیان:

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رضى الله عنه قَالَ :صَلَّى مَعَ عَلِيٍّ رضى الله عنه بِالْبَصْرَةِ، فَقَالَ :ذَكَّرَنَا هَذَا الرَّجُلُ صَلَاةً، كُنَّا نُصَلِّيهَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه و آله و سلم، فَذَكَرَ أَنَّهُ كَانَ يُكَبِّرُ كُلَّمَا رَفَعَ وَ كُلَّمَا وَضَعَ .(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.الحديث رقم : 14أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب :صفة الصلاة، باب :إتمام التكبير في الركوع، 271/1 ، الرقم 751 :، والبيهقي في السنن الكبرى، 78/2 ، الرقم 2326 :، والبزار في المسند، 26/9 ، الرقم .3532)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے فرمایا :انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بصرہ میں نماز پڑھی تو انہوں نے ہمیں وہ نماز یاد کروادی جو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ) جب بھی اٹھتے اور جھکتے تو تکبیر کہا کرتے تھے۔

صحیح بخاری اس کی حدیث میں نبی کریم ﷺ کا طریقہ نماز بیان کیا گیا ہے لیکن رکوع میں جانے یا اٹھنے والے رفع یدین کا اس میں کوئی ذکر نہیں ہے۔

عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنه أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي بِهِمْ، فَيُكَبِّرُ كُلَّمَا خفض وَرَفَعَ، فَإِذَا انْصَرَفَ قَالَ :إِنِّي لَأَشْبَهُكُمْ صَلَاةً بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه و آله و سلم .مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

(الحديث رقم :: 15أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب :صفة الصلاة، باب :إتمام التكبير في الركوع، 272/1 ، الرقم 752 :، ومسلم في الصحيح، كتاب :الصلاة، باب :اثبات التكبير في كل خفض ورفع في الصلاة، 293/1 ، الرقم 392 :، والنسائي في السنن، كتاب :التطبيق، باب :التكبير للنهوض، 2/ 235، الرقم 1155 :، وأحمد بن حنبل في المسند، 236/2 ، الرقم 7219 :، ومالك في الموطأ، 1/ 76، الرقم 166 :، والطحاوي في شرح معاني الآثار، 221/1)

حضرت ابو سلمہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ انہیں نماز پڑھایا کرتے تھے، وہ جب بھی جھکتے اور اٹھتے تو تکبیر کہتے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا :تم میں سے میری نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے۔

عَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضی الله عنه قَالَ :صَلَّيْتُ خَلْفَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضی الله عنه، أَنَا وَعِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ، فَكَانَ إِذَا سَجَدَ كَبَّرَ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ كَبَّرَ، وَإِذَا نَهَضَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ كَبَّرَ، فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ، أَخَذَ بِيَدِي عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ فَقَالَ :قَدْ ذَكَّرَنِي هَذَا صَلَاةَ مُحَمَّدٍ صلی الله علیه و آله وسلم، أَوْ قَالَ : لَقَدْ صَلَّى بِنَا صَلَاةَ مُحَمَّدٍ صلی الله علیه و آله وسلم .مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .(الحديث رقم : 16أخرجه البخاری فی الصحيح، كتاب :صفة الصلاة، باب :إتمام التكبير فی السجود، 272/1، الرقم 753 :، ومسلم فی الصحيح، كتاب :الصلاة، باب :إثبات التكبير فی كل خفض ورفع فی الصلاة، 295/1، الرقم 393 :، وأحمد بن حنبل فی المسند، 4/)

حضرت مطرف بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی جب انہوں نے سجدہ کیا تو تکبیر کہی جب سر اٹھایا تو تکبیر کہی اور جب دو رکعتوں سے اٹھے تو تکبیر کہی۔ جب نماز مکمل ہوگئی تو حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا :انہوں نے مجھے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز یاد کرادی ہے (یا فرمایا :) انہوں نے مجھے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز جیسی نماز پڑھائی ہے۔

.عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رضی الله عنه يَقُولُ :كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وآله وسلم إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ، يُكَبِّرُ حِينَ يَقُومُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْكَعُ، ثُمَّ يَقُولُ :(سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ .(حِينَ يَرْفَعُ صُلْبَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ .ثُمَّ يَقُولُ وَهُوَ قَائِمٌ :(رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ .(قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ :(وَلَكَ الْحَمْدُ .(ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَهْوِي، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَسْجُدُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ، ثُمَّ يَفْعَلُ ذَلِكَ فِي الصَّلَاةِ كُلِّهَا حَتَّى يَقْضِيَهَا، وَيُكَبِّرُ حِينَ يَقُومُ مِنَ الثِّنْتَيْنِ بَعْدَ الْجُلُوسِ .مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

(الحديث رقم : 17أخرجه البخاری فی الصحيح، كتاب :صفة الصلاة، باب :التكبير إذا قام من السجود، 272/1، الرقم 756 :، ومسلم فی الصحيح، كتاب :الصلاة، باب :إثبات التكبير فی كل خفض ورفع فی الصلاة، 293/1، الرقم .392 :)

حضرت ابوبکر بن عبد الرحمن نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو کھڑے ہوتے وقت تکبیر کہتے پھر رکوع کرتے وقت تکبیر کہتے پھر (سمع اللہ لمن حمدہ) کہتے جب کہ رکوع سے اپنی پشت مبارک کو سیدھا کرتے پھر سیدھے کھڑے ہوکر (ربنا لک الحمد) کہتے۔ پھر جھکتے وقت تکبیر کہتے۔ پھر سر اٹھاتے وقت تکبیر کہتے۔ پھر سجدہ کرتے وقت تکبیر کہتے پھر سجدے سے سر اٹھاتے وقت تکبیر کہتے۔ پھر ساری نماز

میں اسی طرح کرتے یہاں تک کہ پوری ہو جاتی اور جب دو رکعتوں کے آخر میں بیٹھنے کے بعد کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے۔

عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رضی الله عنه كَانَ يُكَبِّرُ فِي كُلِّ صَلَاةٍ مِنَ الْمَكْتُوبَةِ وَغَيْرِهَا، فِي رَمَضَانَ وَغَيْرِهِ، فَيُكَبِّرُ حِينَ يَقُومُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْكَعُ، ثُمَّ يَقُولُ :(سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ)، ثُمَّ يَقُولُ :(رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ)، قَبْلَ أَنْ يَسْجُدَ، ثُمَّ يَقُولُ :(اللهُ أَكْبَرُ)، حِينَ يَهْوِي سَاجِدًا، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَسْجُدُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَقُومُ مِنَ الْجُلُوسِ فِي الِاثْنَتَيْنِ، وَيَفْعَلُ ذَلِكَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ، حَتَّى يَفْرُغَ مِنَ الصَّلَاةِ، ثُمَّ يَقُولُ حِينَ يَنْصَرِفُ :وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، إِنِّي لَأَقْرَبُكُمْ شَبَهًا بِصَلَاةِ رَسُولِ اللهِ صلی الله علیه و آله وسلم، إِنْ كَانَتْ هَذِهِ لَصَلَاتَهُ حَتَّى فَارَقَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ .(الحديث رقم : 18أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب :صفة الصلاة، باب : يهوي بالتكبير حين يسجد، 276/1، الرقم 770 :، وأبو داود في السنن، كتاب :الصلاة، باب :تمام التكبير، 221/1 ، الرقم، 836 :)

ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہر نماز میں تکبیر کہتے خواہ وہ فرض ہوتی یا دوسری، ماہِ رمضان میں ہوتی یا اس کے علاوہ جب کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے اور جب رکوع کرتے تو تکبیر کہتے۔ پھر (سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ) کہتے۔ پھر سجدہ کرنے سے پہلے (رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ) کہتے۔ پھر جب سجدے کے لئے جھکتے تو (اللهُ أَكْبَرُ) کہتے۔ پھر جب سجدے سے سر اٹھاتے تو تکبیر کہتے، پھر جب (دوسرا) سجدہ کرتے تو تکبیر کہتے، پھر جب سجدے سے سر اٹھاتے تو تکبیر کہتے، پھر جب دوسری رکعت کے قعدہ سے اٹھتے تو تکبیر کہتے، اور ہر رکعت میں ایسا ہی کرتے یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو جاتے۔ پھر فارغ ہونے پر فرماتے : قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے ! تم سب میں سے میری نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کے ساتھ زیادہ مشابہت رکھتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تادمِ وصال اسی طریقہ پر نماز ادا کی۔

عَنْ أَبِي قِلَابَةَ أَنَّ مَالِكَ ابْنَ الْحُوَيْرِثِ رضی الله عنه قَالَ لِأَصْحَابِهِ :أَلَا أُنَبِّئُكُمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللهِ صلی الله علیه و آله وسلم؟ قَالَ :وَذَاكَ فِي غَيْرِ حِينِ صَلَاةٍ، فَقَامَ، ثُمَّ رَكَعَ فَكَبَّرَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ، فَقَامَ هُنَيَّةً، ثُمَّ سَجَدَ. ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ هُنَيَّةً، فَصَلَّى صَلَاةَ عَمْرِو بْنِ سَلَمَةَ شَيْخِنَا هَذَا .قَالَ أَيُّوبُ :كَانَ يَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ أَرَهُمْ يَفْعَلُونَهُ، كَانَ يَقْعُدُ فِي الثَّالِثَةِ وَالرَّابِعَةِ .قَالَ :فَأَتَيْنَا النَّبِيَّ صلی الله علیه و آله وسلم فَأَقَمْنَا عِنْدَهُ، فَقَالَ :لَوْ رَجَعْتُمْ إِلَى أَهْلِيكُمْ، صَلُّوا صَلَاةَ كَذَا فِي حِينِ كَذَا، صَلُّوا صَلَاةَ كَذَا فِي حِينِ كَذَا، فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ، فَلْيُؤَذِّنْ أَحَدُكُمْ، وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ .رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.(الحديث رقم : 19أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب :صفة

الصلاۃ، باب :المکث بین السجدتین إتمام التکبیر فی الرکوع، 282/1 ، الرقم .785)

حضرت ابوقلابہ سے روایت ہے کہ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا : کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز نہ بتاؤں؟ اور یہ نماز کے ۔۔۔ اوقات کے علاوہ کی بات ہے۔ سو انہوں نے قیام کیا، پھر رکوع کیا تو تکبیر کہی پھر سر اٹھایا تو تھوڑی دیر کھڑے رہے۔ پھر سجدہ کیا، پھر تھوڑی دیر سر اٹھائے رکھا پھر سجدہ کیا۔ پھر تھوڑی دیر سر اٹھائے رکھا۔ انہوں نے ہمارے ان بزرگ حضرت عمرو بن سلمہ کی طرح نماز پڑھی۔ ایوب کا بیان ہے وہ ایک کام ایسا کرتے جو میں نے کسی کو کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ وہ دوسری اور چوتھی رکعت میں بیٹھا کرتے تھے۔ فرمایا : ہم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ٹھہرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : جب تم اپنے گھر والوں کے پاس واپس جاؤ تو فلاں نماز فلاں وقت میں پڑھنا۔ جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے ایک اذان کہے اور جو بڑا ہو وہ تمہاری امامت کرے۔

عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ :قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ رضی الله عنه :أَلَا أُصَلِّي بِكُمْ صَلَاةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم؟ قَالَ :فَصَلَّى فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ إِلَّا مَرَّةً. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَالنَّسَائِيُّ وَزَادَ :ثُمَّ لَمْ يُعِدْ. وَقَالَ أَبُوْعِيْسَى :هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ.

(الحدیث رقم : 20أخرجه أبوداود فی السنن، کتاب :التطبیق، باب :من لم یذکر الرفع عند الرکوع، 286/1 ، الرقم 748 :، والترمذی فی السنن، کتاب :الصلاۃ عن رسول اللّٰہ صلی الله علیه وآله وسلم، باب :رفع الیدین عند الرکوع، 297/1 ، الرقم 257 :، والنسائی فی السنن، کتاب :الافتتاح، باب :ترك ذلك، 131/2 ، الرقم 1026 :، وفی السنن الکبری، 221/1 ، 351، الرقم 645 :، 1099، وأحمد بن حنبل فی المسند، 388/1 ، 441، وابن أبی شیبة فی المصنف، 213/1 ، الرقم .2441)

حضرت علقمہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا : کیا میں تمہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز نہ پڑھاؤں؟ راوی کہتے ہیں : پھر انہوں نے نماز پڑھائی اور ایک مرتبہ کے سوا اپنے ہاتھ نہ اٹھائے۔ امام نسائی کی بیان کردہ روایت میں ہے : پھر انہوں نے ہاتھ نہ اٹھائے۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ وَخَالِدُ بْنُ عَمْرٍو وَأَبُوْحُذَيْفَةَ رضی الله عنهم، قَالُوْا :حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بِإِسْنَادِهِ بِهٰذَا، قَالَ :فَرَفَعَ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ مَرَّةٍ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ :مَرَّةً وَاحِدَةً. (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ. الحدیث رقم : 21أخرجه أبوداود فی السنن، کتاب :التطبیق، باب :من لم یذکر الرفع عند الرکوع، 286/1 ، الرقم .749)

حضرت حسن بن علی، معاویہ، خالد بن عمرو اور ابو حذیفہ رضی اللہ عنھم روایت کرتے ہیں کہ سفیان نے اپنی سند کے ساتھ ہم سے حدیث بیان کی (کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے) پہلی دفعہ ہی ہاتھ اٹھائے، اور بعض نے کہا: ایک ہی مرتبہ ہاتھ اٹھائے۔

عَنِ الْبَرَاءِ رضی الله عنه أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله علیه وآله وسلم كَانَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَی قَرِيْبٍ مِنْ أُذُنَيْهِ ثُمَّ لَا يَعُوْدُ. (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ. الحديث رقم: 22أخرجه أبو داود في السنن، كتاب: الصلاة، باب: من لم يذكر الرفع عند الركوع، 1/287، الرقم 750، وعبد الرزاق في المصنف، 2/70، الرقم 2530، وابن أبي شيبة في المصنف، 1/213، الرقم 2440، والدارقطني في السنن، 1/293، والطحاوي في شرح معاني الآثار، 1/253، الرقم 1131.)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاتے، اور پھر ایسا نہ کرتے۔

عَنِ الْأَسْوَدِ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ رضی الله عنه كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ التَّكْبِيْرِ، ثُمَّ لَا يَعُوْدُ إِلَی شَيءٍ مِنْ ذَلِكَ. وَيَأْثِرُ ذَلِكَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی الله علیه وآله وسلم. (رَوَاهُ أَبُوْحَنِيْفَةَ. الحديث رقم: 23أخرجه الخوارزمي في جامع المسانيد، 1/355.)

حضرت اسود روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اُٹھاتے تھے، پھر نماز میں کسی اور جگہ ہاتھ نہ اٹھاتے اور یہ عمل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا کرتے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی الله عنه قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی الله علیه وآله وسلم وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ رضی اللّٰه عنهما، فَلَمْ يَرْفَعُوْا أَيْدِيَهُمْ إِلَّا عِنْدَ اسْتِفْتَاحِ الصَّلَاةِ. (رَوَاهُ الدَّارُقُطْنِيُّ. الحديث رقم: 24أخرجه الدارقطني في السنن، 1/295، وأبو يعلی في المسند، 8/453، الرقم 5039، والبيهقي في السنن الكبری، 2/79، والهيثمي في مجمع الزوائد، 2/101.)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نماز پڑھی، یہ سب حضرات صرف نماز کے شروع میں ہی اپنے ہاتھ بلند کرتے تھے۔

عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله علیه وآله وسلم إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّی يُحَاذِيَ بِهِمَا، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ، وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ، وَبَعْدَ مَا يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ، لَا يَرْفَعُهُمَا، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: وَلَا يَرْفَعُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ. رَوَاهُ أَبُوْعَوَانَةَ. (الحديث رقم: 25أخرجه أبو عوانة في المسند، 1

423/1، الرقم .1572)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز شروع کرتے وقت اپنے ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھایا، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکوع کرنا چاہتے اور رکوع سے سر اٹھاتے تو ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے، اور بعض نے کہا دونوں سجدوں کے درمیان (ہاتھ) نہیں اٹھاتے تھے۔

عَنِ الْأَسْوَدِ، قَالَ: رَأَيْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رضی الله عنه يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيرَةٍ، ثُمَّ لَا يَعُوْدُ. رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ. (الحديث رقم: 26 أخرجه الطحاوی فی شرح معانی الآثار، 294/1، الرقم .1329)

حضرت اسود بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو نماز ادا کرتے دیکھا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ تکبیر تحریمہ کہتے وقت دونوں ہاتھ اٹھاتے، پھر (بقیہ نماز میں ہاتھ) نہیں اٹھاتے تھے۔

عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّ عَلِيًّا رضی الله عنه كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ، ثُمَّ لَا يَعُوْدُ. رَوَاهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ. (الحديث رقم: 27 أخرجه ابن أبی شيبة فی المصنف، 213/1، الرقم .2444)

عاصم بن کلیب اپنے والد کلیب سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ صرف تکبیر تحریمہ میں ہی ہاتھوں کو اٹھاتے تھے پھر دوران نماز میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔

صحاح ستہ کے مشہور امام، امام ترمذی اپنی جامع ترمذی شریف ایک مستقل باب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

باب مَا جَاءَ انَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم لَمْ يَرْفَعْ الَّا فِى اَوَّلِ مَرَّةٍ حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الاَسْوَدِ، عَنْ عَلْقَمَةَ، قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُودٍ اَلَا اُصَلِّى بِكُمْ صَلَاةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَصَلّٰى فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ اِلَّا فِى اَوَّلِ مَرَّةٍ. قَالَ وَفِى الْبَابِ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ. قَالَ اَبُو عِيسٰى حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ. وَبِهٖ يَقُوْلُ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ اهلِ الْعِلْمِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَالتَّابِعِين. وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَاهلِ الْكُوفَةِ.

اس کے علاوہ: (مسند احمد 3498 نمبر۔ سنن نسائی کتاب التطبیق - 21 باب الرُّخْصَةِ فِى تَرْكِ ذٰلِكَ 1066)

علاوہ اس کے شرح معانی الآثار، طبرانی، بیہقی، موطا امام محمد، مسند امام اعظم، مصنف ابن ابی شیبہ، دارقطنی، صحیح ابن عوانہ، وغیرہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ اور تابعین کا یہ عمل ذکر کیا گیا ہے۔

آپ کے علم کے لیے بتادوں کی اوپر ترمذی شریف کی جو حدیث ذکر کی گئی ہے، اس کے پہلے رفع یدین کرنے کی حدیث

ذکر کی ہے،اور کثرت سے صحابہ وتابعین کے نام رفع یدین کرنے والوں کے گنوائے ہیں۔لیکن یہی امام ترمذی رح ترک رفع والی حدیث میں یہ بھی کہتے ہیں کہ وَبِهٖ يَقُوْلُ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ اهلِ الْعِلْمِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صلی الله علیه وسلم وَالتَّابِعِيْنَ ، یعنی بکثرت اہل علم صحابہ وتابعین اسی کے قائل ہیں۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرنے کے لئے تکبیر کہتے تو رفع یدین کرتے یہاں تک کہ آپ کے انگوٹھے کانوں کی لو کے قریب ہوجاتے۔پھر (رفع یدین) نہیں کرتے تھے۔

عن الزهری عن سالم عن ابیه قال رایت رسول اللهﷺ اذا افتتح الصلوة رفع یدیه حتی یحاذی بهما وقال بعضهم حذو منکبیه و اذ ا اراد ان یرکع بعد ما یرفع راسه من الرکوع لا یرفعهما و قال بعضهم و لا یرفع بین السجد تین و المعنی واحد۔(صحیح ابی عوانه ج 2ص(90)

حضرت امام زہریؒ،حضرت سالمؒ سے اور وہ اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ نماز شروع کرتے تو رفع یدین کرتے مونڈھوں تک۔اور جب آپ ارارہ فرماتے کہ رکوع کریں اور رکوع سے سر اٹھالینے کے بعد آپ رفع یدین نہ کرتے۔بعض راویوں نے کہا ہے کہ آپ دونوں سجدوں کے درمیان بھی رفع یدین نہ کرتے۔مطلب سب راویوں کی روایت کا ایک ہی ہیں۔

عن علی عن النبی ﷺ انه کان یرفع یدیه فی اول الصلوة ثم لا یعود ۔(العلل الواردة فی الا حادیث النبویة،(دارقطنی ج4ص(106)

ترجمہ : حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نماز کے شروع میں رفع یدین کرتے تھے،پھر دوبارہ نہیں کرتے تھے۔

عن عبد الله قال صلیت مع النبیﷺ مع ابی بکر ومع عمر رضی الله تعالیٰ عنهما فلم یرفعوا ایدیهم الا عند التکبیرة الاولی فی افتتاح الصلوة، قال اسحق به ناخذ فی الصلوة کلها۔(دار قطنی ج 1ص 295 ،بیهقی ج 2ص(79)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم،حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی۔ان سب نے رفع یدین نہیں کیا مگر پہلی تکبیر کے وقت نماز کے شروع میں،محدث اسحٰق بن ابی اسرائیلؒ کہتے ہیں کہ ہم بھی اسی کو اپناتے ہین پوری نماز میں۔

عن الا سود قال صلیت مع عمر فلم یرفع یدیه فی شی ء من صلوة الا حین افتتح الصلوة الحدیث۔

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج ص 237 ،شرح معانی الآ ثار للطحاوی ج ص 156)

حضرت اسودؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیساتھ نماز پڑھی تو انہوں نے نماز میں کسی جگہ بھی رفع یدین نہیں کیا سوائے ابتداء نماز کے۔

عن عاصم بن کلیب عن ابیه ان علیا کان یرفع یدیه فی اول تکبیرة من الصلوة ثم لا یرفع بعد۔

(شرح معانی الآثار للطحاوی جلد صفحه 154 ،مصنف ابن ابی شیبة جلد اول صفحه 236، موطا امام محمد جلد صفحه(90)

حضرت عاصم بن کلیبؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز کی پہلی تکبیر میں رفع یدین کرتے تھے پھر اسکے بعد رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

عن ابراهیم عن عبداللّٰه انه کان یرفع یدیه فی اول ما یستفتح ثم لا یرفعهما۔(مصنف ابن ابی شیبة ج صفحه 236، شرح معانی الآثار للطحاوی جلد اول صفحه 156، مصنف عبدالرزاق جلد دوم صفحه(71)

حضرت ابراہیم نخعیؒ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز کے شروع میں رفع یدین کرتے تھے پھر نہیں کرتے تھے۔

عن مجاهد قال صلیت خلف ابن عمر فلم یکن یرفع یدیه الافی التکبیرة الاولی من الصلوة۔

(شرح معانی الآ ثار للطحاوی جلد اول صفحہ 155 ،مصنف ابن ابی شیبۃ جلد اول صفحہ 237، موطا امام محمد صفحہ 90، معرفۃ السنن و الآ ثار جلد دوم صفحہ (428)

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے رفع یدین نہیں کیا مگر نماز کی پہلی تکبیر میں۔

عن اشعث عن الشعبی انه کان یرفع یدیه فی اول التکبیر ثم لا یرفعهما۔ (مصنف ابن ابی شیبة ج 1 ص (236)

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وہ تکبیر تحریمہ کے وقت ہی رفع یدین کرتے تھے پھر نہیں کرتے تھے۔

عن جابر عن الاسود و علقمة انهما کان یرفعان ایدیهما اذا افتتحا ثم لا یعودان۔ (مصنف ابن ابی شیبة جلد اول ص(236)

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ حضرت اسود یزیدؒ اور حضرت علقمہؒ نماز کے شروع میں رفع یدین کرتے تھے پھر نہیں کرتے تھے۔

ترک رفع الیدین والی حدیث کو جن محدثین نے صحیح قرار دیا ہے

اخبرنا محمود بن غیلان المروزی قال حدثنا سفیان عن عاصم بن کلیب عن عبد الرحمن بن الاسود عن علقمہ عن عبد اللہ انہ قال الا اصلی بکم صلوۃ رسول اللہ ﷺ فصلی فلم یرفع یدیہ الا مرۃ واحدۃ۔ (نسائی ص 161، قدیمی کتب خانہ، نسائی مترجم ج 1 ص 345 دارالاشاعت)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کیا میں تم لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھ کہ نہ دکھاؤں پھر انہوں نے نماز پڑھی اورصرف (شروع نماز میں) ایک مرتبہ رفع یدین کیا۔

حدیث ابن مسعودؓ کو صحیح قرار دینے والے حضرات محدثین:

عدم رفع یدین والی روایت کی صحیح قرار دینے والے محدثین کی تعداداور ثقاہت میں کسی قسم کا شک ہی نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے ہم یہاں پر ان کثیر محدثین وفقہاء میں چند کا تذکرہ کریں گے۔ تاکہ غیر مقلدین کواس بات کا احساس ہوکہ مسئلہ کی حقانیت کیا ہے۔ اورفقہ حنفی کی حقانیت ان پر واضح ہوجائے۔

انتباہ:

اصول فقہ حدیث کا ضابطہ ہے کہ جس حدیث سے کوئی فقیہ ومجتہد ومحدث استدلال کرے وہ اس کے نزدیک صحیح ہے۔

(تدریب الراوی ج 1 ص 48، تلخیص الحبیر ج 2 ص 143، قواعد فی علوم الحدیث 57)

عدم رفع یدین میں فقہاء ومحدثین کی روایات کی کثرت:

ہم یہاں وہ ائمہ ومجتہدین کا اختصار کے ساتھ ذکر کریں گے جنہوں نے عدم رفع یدین پر بڑی کثرت کے ساتھ دلائل جمع کیے ہیں۔ اور یہ ثابت کیا ہے کہ سوائے تکبیر تحریمہ کے نماز میں رفع یدین منسوخ ہوگیا ہے۔ اوراب سنت یہی ہے کہ نماز میں صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہی رفع یدین کیا جائے گا۔ باقی مواقع منسوخ ہوگئے ہیں۔

1۔حضرت ابراہیم النخعیؒ 96ھ:

مسند ابی حنیفہ بروایت حسن ص 13، مسند ابی حنیفہ بروایت ابی یوسف ص 21، موطا امام محمد ص 93، کتاب الحجۃ لامام محمد ج 1 ص 96، مسند ابن الجعد ص 292، سنن الطحاوی ج 1 ص 162,163، مشکل الآ ثار للطحاوی ج 2 ص 11، جامع المسانید ج 1 ص 352، معجم الکبیر للطبرانی ج 22 ص 22، سنن دار قطنی ج 1 ص 394، سنن الکبریٰ للبیہقی ج 2 ص 81

2۔امام اعظم ابوحنیفہ التابعیؒ 150ھ:

مسند ابی حنیفہ بروایت حسن ص 13، مسند ابی حنیفہ بروایت ابی یوسف ص 21، موطا امام محمد ص 93، کتاب الحجہ ج 1 ص 96، سنن الطحاوی ج 1 ص 162، جامع المسانید ج 1 ص 353، الاوسط لا بن المنذر ج 3 ص 148، التجرید

للقدروی ج5ص272، حلیۃ العماء للشاشی ج1ص189، المحلی ابن حزم ج4ص 119۔ ج1ص301، التمہید ج9ص213، الاتذکار لابن البرج4ص 99، مناقب المکی ج1ص130، مغنی لابن قدامہ ج2ص172۔ دلائل الاحکام ج1ص263،شرح سنن ابن ماجہ المغلطائی ج5ص 1466,1467،عمدۃ القاری ج5ص 272

3۔امام سفیان ثوریؒ161ھ:

جزرفع الیدین ص46،ترمذی ج1ص59،الاوسط لابن منذر ج3ص148،حلیۃ العماء للشاشی ج1ص189۔ التجرید للقدوری ج1ص272،شرح البخاری لابن بطال ج2ص423،التمہید ج9ص213،الاستذکار ج4ص99، شرح السنہ للبغوی ج 2ص24،مغنی لابن قدامہ ج2ص172، دلائل الاحکام لابن شداد ج1ص263،شرح سنن ابن ماجہ للمغلطائی ج5ص1466،عمدۃ القاری ج5ص 272

4۔امام ابن القاسم المصریؒ 191ھ المدونۃ الکبری لامام مالک ج1ص 71

5۔امام وکیع بن الجراح الکوفیؒ 197ھ جزء رفع الیدین للبخاری ص46،عمدۃ القاری ج5ص 272

6۔امام اسحاق بن ابی اسرائیل المروزیؒ 246ھ سنن دارقطنی ج 1ص 399,400 سند صحیح

7۔امام محمد بن اسماعیل البخاری 256ھ جزء رفع الیدین للبخاری ص25، للزوکی ص 112

8۔امام ابوداؤدالسجستانی 275ھ تاریخ بغدادالخطیب ج9ص59،تذکرۃ الحفاظ ج2ص127،النکت لابن حجر ص 141

9۔امام ابوعیسی ترمذیؒ 279ھ ترمذی ج1ص59،شرح الھدایہ للعینی ج2ص 294

10۔امام احمد بن شعیب نسائی 303ھ النکت لابن حجر ص165،زہرالربی للسیوطی ص 3

11۔امام ابوعلی الطوسی 312ھ

مختصرالاحکام مستخرج الطوسی علی جامع الترمذی ج2ص103،شرح ابن ماجہ للحافظ للمغلطائی ج5ص 1467

12۔امام ابوجعفر الطحاویؒ 321ھ الطحاوی ج1ص162،الردعلی الکرانی بحوالہ جوہرالنقی ص 77,78

13۔امام ابومحمد الحارثی البخاریؒ 340ھ،جامع المسانید ج1ص 353مکۃ المکرمۃ

14۔امام ابوعلی النسابوریؒ 349ھ،النکت لابن حجر ص 165،زہرالربی علی النسائی للسیوطی ص 3

15۔امام ابوعلی ابن السکن المصریؒ 353ھ،النکت لابن حجر 164 زہرالربی للسیوطی ص 3

16۔امام محمد بن معاویہ الاحمر 358ھ،النکت لابن حجر ص164،زہرالربی للسیوطی 3

17۔امام ابوبکر ابن السنی 364ھ،الارشاد لامام الخلیلی ص زہرالربی للسیوطی ص 3

18۔امام ابن عدیؒ 365ھ،النکت لابن حجر ص 164 زہرالربی ص 3

19۔امام ابوالحسن الدار قطنیؒ 385ھ، کتاب العلل ج5ص172، النکت ص 164 زہر الربی ص 3

20۔امام ابن مندۃ 390ھ، النکت لابن حجر 164، زہر الربی للسیوطی ص 3

21۔امام ابوعبداللہ الحاکمؒ 405ھ، النکت لابن حجر ص 164 زہر الربی للسیوطی ص 3

22۔امام عبدالغنی بن سعیدؒ 409ھ، النکت لابن حجر ص 164 زہر الربی للسیوطی ص 3

23۔امام ابوالحسین القدوریؒ 428ھ، التجرید للقدوریؒ ج2ص 518

24۔امام ابویعلی الخلیلیؒ 446ھ، الارشاد للخلیلی ص النکت ص 164 زہر الربی للسیوطی ص 3

25۔امام ابومحمد ابن حزم 456ھ، المحلی لابن حزم ج4ص 121 مصر

26۔امام ابوبکر الخطیب للبغدادیؒ 463ھ، النکت الابن حجر ص 163 زہر الربی للسیوطی ص 3

27۔امام ابوبکر السرخسیؒ 490ھ، المبسوط للسرخسی ج1ص 14

28۔امام موفق المکیؒ 568ھ، مناقب موفق المکی ج1ص 130,131

29۔امام ابوطاہر السلفیؒ 576ھ، النکت الابن حجر ص 163 زہر الربی للسیوطی ص3

30۔امام ابوبکر کاسانیؒ 587ھ، بدائع الصنائع للکاسانی ج1ص40

31۔امام ابن القطان الفاسیؒ 628ھ، بیان الوہم والایہام لابن القطان الفاسی ج3ص367

32 ۔امام محمد الخوارزمی 655ھ، جامع المسانید

33۔امام ابومحمد علی بن زکریا المنجیؒ 686ھ، اللباب فی الجمع بین السنۃ والکتاب ج 1ص256

34۔امام ابن الترکمانیؒ 745ھ، الجوہر النقی علی البیہقی لابن الترکمانی ج2ص77,78

35۔امام حافظ مغلطائیؒ 762ھ، شرح ابن ماجہ الحافظ المغلطائی ج5ص1467

36 ۔امام حافظ زیلعیؒ 672ھ، نصب الرایہ للزیلعی ج1ص396 وفی نسخۃ ج1ص474

37۔امام حافظ عبدالقادر القرشیؒ 775ھ، الحاوی علی الطحاوی ج1ص530

38 ۔امام فقیہ محمد البابرتی 786ھ، العنایہ شرح الہدایہ ج1ص269

39۔امام فقیہ محمد الکردری 826ھ، مناقب کردری ج1ص174

40 ۔محدث احمد بن ابی بکر البوصیریؒ 840ھ، اتحاف الخیرۃ المہرہ للبوصیری ج10ص355,356

41۔محدث محمود العینیؒ 855ھ، شرح سنن ابی داؤد للحافظ العینیؒ ج3ص 341,342، شرح الہدایہ عینی ج 2ص294

42۔امام ابن الہمامؒ 861ھ، فتح القدیر شرح الہدایہ لابن الہمام ج1ص269,270

43۔ملاعلی قاریؒ 1014ھ،مرقات ج2ص269،شرح الفقایہ ج1ص257,58،شرح مسند ابی حنیفہ للعلی قاری ص38۔

رفع یدین کی منسوخیت کے دلائل میں احادیث وآثار:

نماز میں رفع یدین کرنا ابتدائے اسلام میں مباح تھا بعد میں یہ رفع یدین منسوخ کر دیا گیا ہم اس کے منسوخ ہونے پر صحاح ستہ کی حدیث بیان کر رہے ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: کیا وجہ ہے کہ میں تم کو سرکش گھوڑوں کی دموں کی طرح نماز میں رفع یدین کرتے دیکھتا ہوں نماز سکون کے ساتھ پڑھا کرو۔ پھر دوبارہ تشریف لائے تو ہم کو متفرق حلقوں میں بیٹھے ہوئے دیکھا پھر آپ نے فرمایا: کہ تم متفرق طور پر کیوں بیٹھتے ہو،تم اس طرح صف کیوں نہیں بناتے جس طرح فرشتے اپنے رب کے سامنے صف بناتے ہیں آپ نے فرمایا: وہ پہلے پہلی صف پوری کرتے ہیں۔(صحیح مسلم،ج۱ص،۱۸۱،قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس حدیث میں بڑی وضاحت کے ساتھ موجود ہے کہ نبی کریم ﷺ نے رفع یدین کرنے سے منع فرمایا ہے۔اور اہل علم کیلئے یہ قانون بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ تمام علمائے اصول حدیث کے نزدیک یہ تسلیم شدہ قاعدہ ہے کہ جب کسی قولی حدیث اور فعلی حدیث میں تقابل آجائے تو فعلی حدیث کو چھوڑ کر قولی حدیث پر عمل کیا جاتا ہے۔ہم نے رفع یدین کے منسوخ ہونے پر قولی حدیث بیان کر دی ہے۔جب کہ رفع یدین کرنے والے بیچارے رفع یدین پر قیامت تک بھی ایک بھی قولی حدیث بیان نہیں کر سکتے۔لہذا انہیں چاہیے کہ وہ رفع یدین ترک کرتے ہوئے بغیر رفع یدین کے نماز پڑھا کریں۔ہم انصاف کی دعوت دیتے ہیں کہ ضد کو چھوڑ کر عدل پسندی کا مظاہرہ کریں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے شروع ہوتے وقت کندھوں تک رفع یدین کرتے اور رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین نہیں کرتے تھے۔اور نہ دوسجدوں کے درمیان رفع یدین کرتے تھے۔(المسند،ج۲ص۲۷۷،بیروت)

فقہاء احناف کے پاس اپنے مسلک کی تائید میں بہت زیادہ احادیث وآثار ہیں انہیں یہاں ذکر کیا جاتا ہے تاکہ حنفی مسلک پوری طرف واضح ہو جائے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ترمذی میں دو باب قائم کئے ہیں۔ پہلا باب تو رکوع کے وقت رفع یدین کا ہے۔اس کے ضمن میں امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث نقل کی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ دوسرا باب یہ ہے کہ ہاتھ اٹھانا صرف نماز کی ابتداء کے وقت دیکھا گیا ہے اس باب کے ضمن میں امام جامع ترمذی نے حضرت

عاقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ حدیث جو عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے رفقاء سے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ادا کرتا ہوں چنانچہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز ادا کی اور انہوں نے صرف پہلی مرتبہ ہی (یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت) ہاتھ اٹھائے۔ اسی باب میں امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی طرح منقول ہونا ثابت کیا ہے۔ نیز امام موصوف نے کہا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث حسن ہے اور صحابہ وتابعین میں سے اکثر اہل علم اس کے قائل ہیں اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ واہل کوفہ کا قول بھی یہی ہے۔

(جامع ترمذی، ج۱ص۳۴، فاروقی کتب خانہ ملتان)

جامع الاصول میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کو ابوداؤد وسنن نسائی کے حوالے سے اور براء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کو بھی ابوداؤد کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع فرماتے تھے تو (تکبیر تحریمہ کے وقت) دونوں ہاتھ اپنے دونوں کندھوں کے قریب تک اٹھاتے تھے اور ایسا دوبارہ نہیں کرتے تھے۔ اور ایک دوسری روایت میں یوں کہ پھر دوبارہ ہاتھوں کو نہیں اٹھاتے تھے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو جاتے تھے۔

اس موقع پر اتنی سی بات اور سنتے چلیے کہ اس حدیث کے بارے میں ابوداؤد نے جو یہ کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ تو ہوسکتا ہے کہ ان کے نزدیک صحیح ہونے سے مراد یہ ہو کہ اس خاص سند وطریق سے صحیح ثابت نہیں لہٰذا ایک خاص سند وطریق سے صحیح ثابت نہ ہونا اصل حدیث کی صحت پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ یا پھر یہ احتمال ہے کہ ابوداؤد کا مقصد اس حدیث کو حسن ثابت کرنا ہو جیسا کہ ترمذی نے کہا ہے لہٰذا اس صورت میں کہا جائے گا تمام ائمہ ومحدثین کے نزدیک حدیث حسن قابل استدلال ہوتی ہے۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب موطا میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت کو جس سے رکوع اور رکوع سے سر اٹھانے کے وقت رفع یدین ثابت ہوتا ہے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ سنت ہے کہ ہر مرتبہ جھکنے اور اٹھنے کے وقت تکبیر کہی جائے لیکن رفع یدین سوائے ایک مرتبہ (یعنی تحریمہ کے وقت) کے دوسرے مواقع پر نہ ہو اور یہ قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے اور اس سلسلے میں بہت زیادہ آثار وارد ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد عاصم ابن کلیب جرمی کی ایک روایت جسے عاصم نے اپنے والد مکرم سے جو حضرت علی المرتضیٰ کے تابعین میں سے ہیں روایت نقل کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سوائے تکبیر اولیٰ کے رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

عبدالعزیز ابن حکم کی روایت نقل کی گئی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا وہ ابتداء نماز میں پہلی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے اس کے علاوہ اور کسی موقع پر رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

مجاہد کی روایت نقل کی گئی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی ہے چنانچہ وہ صرف تکبیر اولیٰ کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔ اسود سے منقول ہے کہ میں نے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ وہ صرف تکبیر اولیٰ کے موقع پر رفع یدین کرتے تھے۔

لہٰذا جب حضرت عمر، حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ کرام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت قرب رکھتے تھے ترک رفع یدین پر عمل کرتے تھے تو وہ عمل جو اس کے برخلاف ہے قبول کرنے کے سلسلے میں اولیٰ اور بہتر نہیں ہوگا۔

شرح ابن ہمام میں ایک روایت دارقطنی اور ابن عدی سے نقل کی گئی ہے جسے انہوں نے محمد ابن جابر سے انہوں نے حماد ابن سلیمان سے انہوں نے ابراہیم سے انہوں نے علقمہ سے اور انہوں نے عبداللہ سے روایت کیا ہے۔ عبداللہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہمراہ نماز پڑھی ہے چنانچہ انہوں نے سوائے تکبیر اولیٰ کے اور کسی موقع پر رفع یدین نہیں کیا۔ (فتح القدیر، کتاب الصلوٰۃ)

امام اعظم اور امام اوزاعی کا رفع یدین وعدم رفع یدین والی روایت میں سند کا اعتبار:

منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوحنیفہ اور امام اوزاعی رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما مکہ کے دارالخیاطین میں جمع ہوئے۔ امام اوزاعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا کہ آپ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے؟ حضرت امام صاحب نے جواب دیا اس لیے کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں کچھ صحت کے ساتھ ثابت نہیں ہے !امام اوزاعی نے فرمایا کہ، مجھے زہری نے حضرت سالم کی یہ حدیث بیان کی کہ انہوں نے اپنے والد حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر اولیٰ کے وقت، رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھاتے وقت رفع یدین کیا کرتے تھے۔ حضرت امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ مجھ سے حماد نے ان سے ابراہیم نے اور ان سے علقمہ اور اسود نے اور ان دونوں نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف ابتداء نماز میں دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے اور دوبارہ ایسا نہیں کرتے تھے۔ یہ روایت سن کر امام اوزاعی نے کہا کہ میں نے تو زہری سے نقل کیا اور انہوں نے سالم سے اور انہوں نے اپنے باپ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے اور انہوں نے سالم سے اور انہوں نے اپنے باپ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے اور آپ اس کے مقابلے میں حماد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ابراہیم سے اور انہوں نے

علقمہ سے نقل کیا ہے یعنی میری بیان کردہ سند آپ کی بیان کردہ سند سے عالی اور افضل ہے۔

حضرت امام اعظم نے فرمایا کہ اگر یہی بات ہے تو پھر سنو کہ حماد، زہری سے زیادہ فقیہ ہیں اور ابراہیم سالم سے زیادہ فقیہ ہیں اور اسی طرح علقمہ بھی حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلہ میں فقہ میں کم نہیں ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت وصحابیت کا شرف حاصل ہے۔ نیز اسود کو بھی بہت زیادہ فضیلت حاصل ہے۔ اور عبداللہ تو خود عبداللہ ہیں۔ یعنی عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف وتوصیف کیا کی جائے کہ علم فقہ میں اپنی عظمت شان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت وصحبت کی سعادت وشرف کی وجہ سے مشہور ہیں۔

گویا امام اوزاعی نے تو اسناد کے عالی ہونے کی حیثیت سے حدیث کو ترجیح دی اور حضرت امام اعظم نے راویان حدیث کے فقیہ ہونے کے اعتبار سے حدیث کو ترجیح دی۔ چنانچہ حضرت امام اعظم کا اصول یہی ہے کہ وہ فقیہ راوی کو غیر راویوں پر ترجیح دیتے ہیں جیسا کہ اصول فقہ میں مذکور ہے۔

نہایہ شرح ہدایہ میں عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو مسجد حرام میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جو رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کر رہا تھا، انہوں نے اس آدمی سے کہا کہ ایسا مت کرو کیونکہ یہ ایک ایسا عمل ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اختیار کیا تھا اور بعد میں اسے ترک کر دیا یعنی ان مواقع پر رفع یدین کا حکم پہلے تھا اب منسوخ ہو گیا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع یدین کیا تو ہم نے بھی رفع یدین کیا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ترک کر دیا تو ہم نے بھی ترک کر دیا۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ عشرہ مبشرہ (یعنی وہ دس خوش نصیب صحابہ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زندگی ہی میں جنتی ہونے کی خوشخبری دی تھی) صرف ابتداء نماز ہی میں رفع یدین کیا کرتے تھے۔

حضرت مجاہد حضرت عبداللہ ابن عمر کا معمول نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر کے پیچھے سالہا سال نماز ادا کی ہے مگر میں نے اس کو سوائے ابتداء نماز کے اور کسی موقع پر رفع یدین کرتے نہیں دیکھا۔ حالانکہ حضرت عبداللہ ابن عمر کی وہ روایت گزر چکی ہے۔ جس سے تینوں مواقع پر رفع یدین کا اثبات ہوتا ہے اور جو شوافع کی سب سے اہم دلیل ہے۔ لہٰذا اصول حدیث کا چونکہ قاعدہ ہے کہ راوی کا عمل اگر خود اس کی روایت کے خلاف ہو تو روایت پر عمل نہیں کیا جاتا اس لیے حضرت عبداللہ ابن عمر کی وہ روایت ساقط العمل قرار دی جائے گی۔

بہر حال ان روایات وآثار سے معلوم ہوا کہ رفع یدین دونوں کے اثبات میں احادیث وآثار وارد ہیں اور صحابہ کی ایک جماعت خصوصاً حضرت عبداللہ مسعود اور ان کے تابعین رفع یدین نہ کرنے ہی کے حق میں ہیں۔ لہٰذا ان تمام موافق ومخالف

احادیث کا محمول یہی ہوسکتا ہے کہ ہم یہ کہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اوقات مختلفہ میں دونوں طریقے وجود میں آئے ہیں اور امام اعظم ابوحنیفہ کے علم فقہ اور ان کی اسناد کا نقطہ منتہا حضرت عبداللہ ابن مسعود اور ان کے تابعین کی ذات گرامی ہے اور چونکہ ان کا رجحان عدم رفع یدین کی طرف ہے اس لیے امام اعظم ابوحنیفہ کے ترک رفع یدین کے مسلک ہی کو اختیار کیا ہے اور اب تمام حنفیہ اسی مسلک کے حامی اور اس مسلک پر عامل ہیں۔

علمائے احناف صرف اسی قدر نہیں کہتے بلکہ ان حضرات کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے علاوہ دیگر مواقع پر رفع یدین کا حکم منسوخ ہے کیونکہ جب حضرت عبداللہ ابن عمر کے بارے میں یہ ثابت ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ ترک رفع یدین ہی اختیار کرتے تھے باوجود اس کے کہ رفع یدین کی حدیث کے راوی یہی ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ پہلے تو رفع یدین کا حکم رہا ہوگا مگر بعد میں یہ حکم باوجود کثرت احادیث وآثار کے منسوخ ہے۔(نہایہ شرح الہدایہ، بتصرف)

رفع یدین کے بارے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی تحقیق:

اس بات کا دعویٰ کرنا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے زیر بحث حدیث پر عمل نہیں کیا ہے تو یہ محض دعوی ہے،حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے اس پر عمل کیا ہے اور اس کو مالکیہ نے اختیار کیا ہے، چنانچہ امام سحنون نے المدونۃ الکبری میں ذکر کیا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے رفع یدین معلوم نہیں ہے، نہ ہی جھکنے کے وقت اور نہ ہی اٹھنے کے وقت سوائے تکبیر تحریمہ کے وقت کہ تھوڑا سا ہاتھ اٹھایا جائے گا، ابن القاسم رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں رفع یدین ضعیف ہے مگر تکبیر احرام میں۔

علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب التمہید میں ہے کہ :واختلف العلماء فی رفع الیدین فی الصلاۃ فروی ابن القاسم وغیرہ عن مالک أنہ کان یری رفع الیدین فی الصلاۃ ضعیفًا الا فی تکبیرۃ الاحرام وحدھا، وتعلق بہذہ الروایۃ عن مالک أکثر المالکیین.

ترجمہ :اور نماز میں رفع یدین کے سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہے چنانچہ ابن القاسم وغیرہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نماز میں رفع یدین کو ضعیف سمجھتے تھے مگر صرف تکبیر احرام میں، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی اس روایت پر اکثر مالکیین کا اعتماد ہے۔(التمہید)

اس جگہ اس بات کی طرف اشارہ کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ موطأ شریف امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا وہ مذہب نہیں ہے جس کو ان کے متبعین اختیار کرتے ہوں اور اس کی تقلید کرتے ہوں، بلکہ فتاوی اور احکام میں مالکیہ کا اعتماد اس پر ہے جس کو ابن القاسم رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہو، خواہ وہ موطأ کے موافق ہو یا نہ ہو جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تعجیل المنفعۃ ص:پر امام حسینی پر رد کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔

پھر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے عدم رفع کو نقل کرنے میں ابن عون متفرد نہیں ہیں، بلکہ ان کی متابعت ابن وہب اور ابن القاسم رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے جیسا کہ گزر چکا۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم کے اندر ذکر کیا ہے :قال أبو حنيفة وأصحابه وجماعةٌ من أهل الكوفة :لا يستحب الرفع في غير تكبيرة الافتتاح، وهو أشهر الروايات عن مالك.

یعنی امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور اہل کوفہ کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ میں رفع یدین مستحب نہیں ہے اور یہی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مشہور روایت ہے۔(حاشیہ مسلم شریف)

اور الجواہر النقی میں مع سنن بیہقی میں امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح مسلم سے نقل کیا گیا ہے کہ ترک رفع امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مذہب ہے، قواعد ابن رشد میں بھی اسی کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب قرار دیا ہے۔

علامہ ابن رشد مالکی اپنی کتاب بدایۃ المجتہد میں ذکر کرتے ہیں :فمِنهُم مَن اقتصر به على الاحرام فقط، ترجيحاً لحديث عبد اللهِ بن مسعود وحديث البراءُ بن عازب، وهو مذهب مالك رحمة الله عليه لِموافقة العمل به.

یعنی ائمہ میں سے بعض وہ حضرات ہیں جو عبداللہ ابن مسعود اور براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ترجیح دیتے ہوئے صرف تکبیر احرام میں رفع کے قائل ہیں، اور یہی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اس پر عمل کے موافقت کی بناء پر۔

ان نقول معتبرہ سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب افتتاح نماز کے علاوہ میں عدم رفع ہی کا تھا، نیز ترمذی شریف کے نسخے مختلف ہیں چنانچہ ہندیہ اور مجموعہ شروح اربعہ ترمذی اور معارف السنن وغیرہ جو ہمارے پاس متداول ہیں اس میں قائلین رفع میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر نہیں ہے، صرف بیروت کے جدید نسخہ میں بین المعکوفین (مالک رحمۃ اللہ علیہ) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا نام ہے جو کہ کثیر نسخوں کے مقابلہ میں معتبر نہیں ہے۔

تیسری وجہ :وہ یہ تھی کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ رفع پر محافظت کرتے تھے اور اس سے یہ مراد لیا گیا تھا کہ ترک رفع ان سے ثابت نہیں ہے، پس ماقبل میں ہم نے مجاہد اور عبدالعزیز ابن حکیم کی روایت سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ افتتاح صلاۃ کے علاوہ میں رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

رہی البانی کی یہ بات کہ اگر وہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہوتی تو وہ رفع یدین نہ کرتے، پس یہ تو سرے سے مردود ہے، کیونکہ وہ کبھی رفع کرتے تھے اور کبھی رفع کو چھوڑ دیتے تھے بیان جواز اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں کے ثابت ہونے کی وجہ سے۔

اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ، بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے مسنداً ترک رفع ثابت ہے جیسے ابن مسعود، براء بن عازب، ابوہریرۃ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہم اور صحابہ میں سے حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم

اجمعین کا اسی پر عمل رہا ہے۔

رفع یدین کے سلسلہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ سات طرح کے وارد ہوئے ہیں:

(۱) جس میں صرف شروع میں رفع کا ذکر ہے۔(المدونۃ الکبریٰ)

عن ابن وهب وابن القاسم عن مالك عن ابن شهاب عن سالم عن ابن عمر رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم ۔ نیز عبداللہ بن عون الخراز نے بھی امام مالک سے روایت کیا ہے(الخلافیات) للبیهقی

(۲) جس میں افتتاح صلاۃ اور رکوع کے بعد رفع کا ذکر ہے،(معارف السنن

(۳) جس میں رکوع اور سجدہ میں جاتے وقت رفع کا ذکر ہے(مجمع الزوائد)

(۴) جس میں افتتاح صلاۃ وانحطاط الی الرکوع اور رکوع سے اٹھنے کے وقت رفع کا تذکرہ ہے جس کو امام محمد نے اپنی موطأ کے اندر، اور بخاری، نسائی، ابوعوانہ، دارمی، طحاوی وغیرہم نے ذکر کیا ہے۔

(۵) جس میں ان مذکورہ تین جگہوں کے علاوہ دو رکعت کے بعد بھی رفع کا ذکر ہے،(ہو بخاری شریف، باب رفع اليدين اذا قام من الركعتين.

(۶) جس میں مذکورہ چار جگہوں کے علاوہ سجدہ کے وقت بھی رفع کا ذکر ہے۔(بخاری : جزء رفع الیدین)

(۷) جس میں ہر خفض ورفع، رکوع وسجود، قیام وقعود کے وقت نیز دو سجدوں کے درمیان بھی رفع کا ذکر ہے۔(فتح الباری)

یہ سات طرح کے الفاظ ہیں سب کے سب ابن عمر رضی اللہ عنہ سے صحیح طور پر ثابت ہیں، پس ان میں سے کسی بھی صورت کا انکار محض اس وجہ سے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل ویسا نہیں رہا ہے ممکن نہیں ہے، لہٰذا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں سیاق کا تنوع عہد رسالت میں رفع اور عدم رفع دونوں کے اوپر عمل کی دلیل ہے۔(معارف السنن)

منکرین فقہ نے فقہ کا محتاج ہو کر انوکھی فقہ گھڑ ڈالی:

دو مرتبہ رفع یدین کرنے کا حکم جو قرآن وسنت میں کہیں بھی موجود نہیں۔احادیث میں مدرک ومسبوق کے احکام ہونے کے باوجود کہیں ایسا حکم نہ ہونے کی صورت میں غیر مقلدین نے جو تقلید کے منکر نہ جانے لوگوں کو اپنی من مانی تقلید کی دعوت کیوں دیتے رہتے ہیں۔نام نہاد غیر مقلد کا حدیث فقہی استدلال پڑھیں اور اس کا دعویٰ قرآن حدیث پر غور کریں کہ یہ لوگ کس طرح کی تاویلات کے نہ صرف قائل بلکہ اپنے جال میں دوسرں کو پھنسانے میں کتنی چابک دستی سے کام لیتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان " :إذا أتى أحدكم الصلاة والإمام على حال فليصنع كما يصنع الإمام "

(جامع الترمذي ،أبواب الجمعة،باب ما ذكر في الرجل يدرك الإمام وهو ساجد كيف يصنع، حدیث 591:)

"جب تم میں سے کوئی شخص نماز کے لیے آئے اور امام جس حالت میں بھی ہو وہ ویسے ہی کرے جس طرح سے امام کررہا ہے۔"

اس حدیث کے ذریعہ رکوع جاتے ہوئے رفع الیدین کو ترک کر دیتے ہیں جب امام کو رکوع کی حالت میں پاتے ہیں جبکہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین کرتے ہیں اور تکبیر بھی کہتے ہیں۔ یا للعجب؟

رکوع جاتے ہوئے دومرتبہ رفع یدین کرنے میں غیر مقلدین کا غیر ثابت استدلال:

کیونکہ اگر "فليصنع كما يصنع الإمام" سے رکوع جانے کی تکبیر اور رفع الیدین کی نفی مانی جائے تو تکبیر تحریمہ اور اس کے رفع الیدین کی نفی بھی ماننا پڑے گی اور وہ مقتدی جو اس وقت آیا جب امام رکوع کی حالت میں تھا اس کو "فليصنع كما يصنع الإمام" کے تحت بغیر تکبیر تحریمہ و تکبیر رکوع کہے اور رفع الیدین کیے سیدھا رکوع میں چلے جانا چاہیے تھا۔ مگر ایسا نہیں ہوتا بلکہ وہ تکبیر تحریمہ کہتا اور رفع الیدین کرتا ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ جب بھی نماز کا آغاز فرماتے تو تکبیر تحریمہ کہتے اور رفع الیدین فرماتے، اس طریقہ کار کو اپنائے بغیر وہ نماز میں شامل نہیں ہوسکتا، بعینہ رسول اللہ ﷺ جب بھی رکوع میں جاتے تو تکبیر کہتے اور رفع الیدین فرماتے۔ لہٰذا وہ شخص جو اس وقت نماز میں شامل ہوا جب امام رکوع کی حالت میں تھا اس کو "فليصنع كما يصنع الإمام" کے حکم کے تحت فوراً رکوع میں ہی جانا چاہیے لیکن رکوع میں پہنچنے کے لیے طریقہ اپنی طرف سے نہ گھڑے بلکہ وہ طریقہ اپنائے جو رسول اللہ ﷺ نے دیا ہے، یعنی پہلے تکبیر تحریمہ کہے اور رفع الیدین کرے اور پھر فوراً دوبارہ تکبیر رکوع کہے اور رفع الیدین کرے اور پھر رکوع میں جائے۔

کیونکہ تکبیر تحریمہ و رفع الیدین کے بغیر نماز کا آغاز کرنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہ ہے اور تکبیر و رفع الیدین کے بغیر رکوع میں جانا بھی سید الانبیاء علیہ السلام سے ثابت نہ ہے۔

یاد رہے کہ وہ تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ نہیں باندھے گا بلکہ فوراً دوسری تکبیر، تکبیر رکوع اور رفع الیدین برائے رکوع کرے گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ ہاتھ قیام میں باندھا کرتے تھے۔

نیز یہ بھی کہ جب کوئی شخص اس وقت پہنچا جب امام رکوع سے سر کو اٹھا کر سمع اللہ لمن حمدہ کہہ چکا ہو تو وہ تکبیر تحریمہ و رفع الیدین کے بعد "فليصنع كما يصنع الإمام" والے اصول کے تحت دونوں ہاتھوں کو چھوڑ کر کھڑا ہو جائے گا اور ربنا لک الحمد کہتے ہوئے امام کے ساتھ ملے گا کیونکہ سمع اللہ لمن حمدہ کہنا اور اس کے ساتھ رفع الیدین کرنا صرف اس شخص کے لیے ہے جو رکوع سے اُٹھے اس نے نہ تو رکوع کیا ہے اور نہ ہی یہ رکوع سے اُٹھ رہا ہے لہٰذا اس کے لیے تسمیع کہنا یا رفع الیدین کرنا مشروع نہیں ہے۔ اسی طرح جو شخص امام کو سجدہ کی حالت میں پائے وہ تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے چلا جائے لیکن سجدہ میں جاتے ہوئے تکبیر کہنا نہ بھولے کیونکہ رسول اللہ ﷺ جب بھی سجدہ میں جاتے تو تکبیر کہتے یعنی یہ شخص پہلے تکبیر تحریمہ کہے گا اور رفع الیدین کر

ے گا اور اس کے فوراً بعد دوبارہ سجدے کے لیے تکبیر کہتے ہوئے سجدہ میں چلا جائے گا۔
(رفع یدین، عبدالرحمان، مکتبہ نشر ملتان)

ہمارا غیر مقلدین کے تمام علمی اثاثے سے صرف یہ سوال ہے کسی ایک مرفوع وغیر مرفوع حدیث سے یہ استدلال کی تائید ثابت کردو۔ کہ رکوع میں آنے والا دو مرتبہ رفع یدین کرے یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جب کوئی رکوع میں ملتا تو وہ دو مرتبہ رفع یدین کرتا۔ جب تمہارے پاس کوئی ایسی حدیث نہیں ہے اور نہ تم ثابت کرسکتے ہو فقہ کی طرف کیوں چلے گئے۔ ایک طرف تقلید وفقہ کو شرک بتاتے ہو اور پھر اس کے بغیر تمہارا گذارا ہی نہیں ہوتا۔ کیسی تعجب کی بات ہے۔

سجدے میں جانے اور سجدے سے اٹھنے والی تکبیر میں رفع یدین کیوں نہیں کرتے:

مالک بن الحویرث والی روایت ہے جس کو امام نسائی نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے" :

رأى النبي صلى الله عليه وسلم رفع يديه في صلاته ، وإذا ركع ، وإذا رفع رأسه من الركوع ، وإذا سجد ، وإذا رفع رأسه من السجود حتى يحاذي بهما فروع أذنيه "(سنن نسائی ، كتاب التطبيق، باب رفع اليدين للسجود ، حديث108:)

مالک بن الحویرث فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے اپنی نماز کے آغاز میں، رکوع جاتے ہوئے، رکوع سے اُٹھتے ہوئے، سجدہ میں جاتے ہوئے اور سجدے سے اُٹھتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں کو کانوں کی لو تک اُٹھایا۔

اور حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ نے اس حدیث کو یہ کہتے ہوئے ذکر کیا ہے "وأصح ما وقفت عليه من الأحاديث في الرفع في السجود مارواه النسائي من رواية سعيد بن ابي عروبة عن قتادة (فتح الباری 2/223)

"رفع الیدین عند السجود والی روایات میں جس صحیح ترین حدیث پر میں مطلع ہوا ہوں وہ روایت ہے جس کو امام نسائی نے سعید بن ابی عروبۃ عن قتادہ کی سند سے بیان کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ" :?كان يرفع يديه حذو منكبيه حين يكبر ويفتتح الصلاة وحين يركع وحين يسجد۔" (مسند احمد (6128))

صحاح ستہ کی رٹ لگانے والوں کو سنن نسائی کی حدیث نظر نہیں آتی۔ اس حدیث پر عمل کیوں نہیں کرتے۔ کیا اس حدیث پر عمل کرنا عامل بالحدیث کو مانع ہے یا تمہاری نفسانی خواہشات کو مانع ہے۔ اپنی مرضی سے جسے چاہا ضعیف کہہ دیا جسے چاہا صحیح کہہ دیا ہے۔ اسی طرح دوسری روایت مسند احمد کی ہے اور اسی طرح اور بھی کثیر احادیث ہیں جن سے یہ ثابت ہے کہ سجدے میں جاتے ہوئے رفع یدین کیا جائے۔ لیکن غیر مقلدین نہیں کرتے۔ رفع کا حکم منسوخ ہو جانے کے باوجود جو لوگ رفع یدین

نہ کرنے والوں پر فتوؤں کی بارش کرتے ہیں انہیں یادرہے اس بارش سے وہ خود بھی بچنے والے نہیں ہیں۔ یہ کتنے تعجب کی بات ہے۔

قعدہ میں بیٹھنے کی صورت کا بیان:

(وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ الثَّانِيَةِ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ افْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى فَجَلَسَ عَلَيْهَا وَنَصَبَ الْيُمْنَى نَصْبًا وَوَجَّهَ أَصَابِعَهُ نَحْوَ الْقِبْلَةِ) هَكَذَا وَصَفَتْ عَائِشَةُ قُعُودَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصَّلَاةِ (وَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى فَخِذَيْهِ وَبَسَطَ أَصَابِعَهُ وَتَشَهَّدَ) يُرْوَى ذَلِكَ فِي حَدِيثِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، وَلِأَنَّ فِيهِ تَوْجِيهَ أَصَابِعِ يَدَيْهِ إِلَى الْقِبْلَةِ (فَإِنْ كَانَتْ امْرَأَةً جَلَسَتْ عَلَى أَلْيَتِهَا الْيُسْرَى وَأَخْرَجَتْ رِجْلَيْهَا مِنَ الْجَانِبِ الْأَيْمَنِ) لِأَنَّهُ أَسْتَرُ لَهَا ۔

ترجمہ:

اور جب دوسری رکعت میں دوسرے سجدے سے سر اٹھائے تو اپنے بائیں پاؤں کو بچھائے پس اس پر بیٹھے اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھے اور اپنی انگلیوں کو قبلہ کی طرف متوجہ کرے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے رسول اللہ ﷺ کا نماز میں بیٹھنا اسی طرح بیان کیا ہے۔

اور اپنے ہاتھوں کو اپنے رانوں پر رکھے اور اپنی انگلیوں کو پھیلائے اور تشہد پڑھے۔ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت بیان کی گئی ہے۔ کیونکہ اسی طرح ہاتھ کی انگلیاں قبلہ کی طرف ہوں گی۔

اگر عورت بیٹھے تو وہ بائیں (سرین) بیٹھے گی اور دونوں پاؤں دائیں جانب نکالے گی۔ کیونکہ اسی میں اس کیلئے ستر ہے۔

شرح:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو تکبیر سے اور قرأت الحمد اللہ رب العالمین سے شروع کرتے اور آپ جب رکوع کرتے تھے تو اپنا سر مبارک نہ تو (بہت زیادہ) بلند کرتے تھے اور نہ (بہت زیادہ) پست بلکہ درمیان درمیان رکھتے تھے (یعنی پیٹھ اور گردن برابر رکھتے تھے) اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو بغیر سیدھا کھڑے ہوئے سجدے میں نہ جاتے تھے اور جب سجدے سے سر اٹھاتے تو بغیر سیدھا بیٹھے ہوئے (دوسرے) سجدہ میں نہ جاتے تھے اور ہر دو رکعتوں کے بعد التحیات پڑھتے تھے اور (اور بیٹھنے کے لیے) اپنا بایاں پاؤں بچھاتے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھتے تھے اور آپ عقبہ شیطان (یعنی شیطان کی بیٹھک) سے منع فرماتے تھے اور مرد کو دونوں ہاتھ سجدے میں اس طرح بچھانے سے بھی منع کرتے تھے جس طرح درندے بچھا لیتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو سلام پر ختم فرماتے تھے۔

(صحیح مسلم، مشکوۃ المصابیح، ج ا،ص ۷۵، قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ فرمانا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز تو تکبیر سے شروع فرماتے تھے اور قرأت کی ابتداء "الحمد اللہ رب العالمین" سے کرتے تھے۔ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ آہستہ سے پڑھتے تھے جیسا کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک بھی یہی ہے۔

التحیات میں ہاتھوں کو رکھنے کا طریقہ:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تشہد (یعنی التحیات) میں بیٹھتے تو اپنا بایاں ہاتھ اپنے بائیں گھٹنے پر رکھتے اور اپنا داہنا ہاتھ اپنے داہنے گھٹنے پر رکھتے تھے اور اپنا (داہنا) ہاتھ مثل عدد ترپین کے بند کر کے شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے تھے۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ج ا، ص ۸۵، قدیمی کتب خانہ کراچی)

اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز (کے قعدہ) میں بیٹھتے تو دونوں ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھ لیتے تھے اور داہنے ہاتھ کی اس انگلی کو جو انگوٹھے کے قریب ہے۔ (یعنی شہادت کی انگلی کو) اٹھاتے اور اس کے ساتھ دعا مانگتے (یعنی) اس کو اٹھا کر اشارہ وحدانیت کرتے) اور بایاں ہاتھ اپنے زانو پر کھلا ہوا رکھتے۔

(صحیح مسلم مشکوٰۃ المصابیح، ج ا، ص ۸۵، قدیمی کتب خانہ کراچی)

مثل عدد ترپین کا مطلب یہ ہے کہ اہل حساب گنتی کے وقت انگلیوں کو جس طرح بند کرتے جاتے ہیں کہ انہوں نے ہر انگلی کو ایک عدد متعین کے لیے مقرر کیا ہوا ہے کہ انہیں اکائیوں کے لیے یہاں رکھا جائے اور دہائی، سینکڑہ اور ہزار کے لیے فلاں فلاں جگہ۔ لہٰذا زاوی کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت کی انگلی کو اشارے کے لیے اٹھاتے وقت بقیہ انگلیوں کو اس طرح بند کیا جس طرح ترپین کے عدد کے لیے انگلیوں کو بند کرتے ہیں اور صورت اس کی یہ ہوتی ہے کہ چھنگلیا، اس کے قریب والی انگلی اور بیچ کی انگلی کو بند کر لیا جائے۔ شہادت کی انگلی کھلی رکھی جائے اور انگوٹھے کے سرے کو شہادت کی انگلی کی جڑ میں رکھا جائے۔ یہ عدد ترپین (۵۳) کہلاتا ہے۔ چنانچہ حضرت امام شافعی اور ایک روایت کے مطابق حضرت امام احمد نے اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے اسی طریقے کو اختیار کیا ہے۔

احناف کے نزدیک شہادت کی انگلی اٹھانے کا طریقہ:

ابھی آپ نے عدد ترپین کی وضاحت پڑھی اسی طرح ایک عدد تسعین (۹۰) ہوتا ہے اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ چھنگلیا اور اس کے قریب والی انگلی کو بند کر لیا جائے اور شہادت کی انگلی کو کھول دیا جائے اور انگوٹھے کا سرا بیچ کی انگلی کے سرے پر رکھ کر حلقہ کی شکل دے دی جائے۔ حضرت امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ شہادت کی انگلی اٹھانے کے لیے یہی طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔ اور حضرت امام احمد کا ایک قول بھی یہی ہے نیز حضرت امام شافعی کا قول قدیم بھی یہی ہے اور یہی طریقہ آگے آنے والی صحیح مسلم کی روایت سے بھی ثابت ہے جو حضرت عبداللہ ابن زبیر سے مروی ہے، اسی طرح احمد، وابوداؤد نے بھی حضرت وائل ابن حجر سے

نقل کیا ہے۔

فقہاءِ مالکیہ ودیگر ائمہ کے نزدیک تشہد کی حالت میں انگلیوں کو بند کرنے کا حکم:

حضرت امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ داہنے ہاتھ کی تمام انگلیاں بند کرلی جائیں اور شہادت کی انگلی کھلی رکھی جائے۔

بعض احادیث میں انگلیوں کو بند کئے بغیر شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا بھی ثابت ہے چنانچہ بعض حنفی علماء کا کا مختار مسلک یہی ہے اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی مختلف رہا ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تو اشارہ بغیر عقد کے کرتے ہوں گے اور کبھی عقد کے ساتھ کرتے ہوں گے۔ اسی بنا پر ان مختلف احادیث کی توجیہ کہ جن سے یہ دونوں طریقے ثابت ہوتے ہیں یہی کی جاتی ہے۔

ماوراء النھر (یعنی بخارا و سمرقند وغیرہ) اور ہندوستان (ممکن ہے کہ صاحب مظاہر حق علامہ نواب قطب الدین کے زمانے میں عمل عقد واشارت کے ترک کے قائل ہوں مگر اب تو سب حنفی اس کے قائل ہیں۔) کے حنفیہ نے اس عمل عقد و اشارت (یعنی داہنے ہاتھ کی انگلیوں کو بند کر کے شہادت کی انگلی کو اٹھانے) کو ترک کیا ہے، گو متقدمین کے ہاں یہ عمل جاری تھا مگر متأخرین نے اس میں اختلاف کیا ہے لیکن حرمین اور عرب کے دوسرے شہروں کے علماء کے نزدیک مختار مسلک عمل عقد و اشارت کرنا ہی ہے۔

علامہ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جن کا شمار محققین حنفیہ میں ہوتا ہے فرمایا ہے کہ اول تشہد (التحیات) میں شہادتین تک تو ہاتھ کھلا رکھنا چاہئے اور تہلیل کے وقت انگلیوں کو بند کر لینا چاہئے نیز (شہادت کی انگلی سے) اشارہ کرنا چاہئے۔ موصوف لکھتے ہیں کہ اشارہ کرنے کو منع کرنا روایت اور درایت کے خلاف ہے۔

محیط میں مذکور ہے کہ دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی کو اٹھانا حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما کے نزدیک سنت ہے اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بھی اسی طرح ثابت ہے۔ علامہ نجم الدین زاہدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء کا متفقہ طور پر یہ قول ہے کہ عمل اشارت سنت ہے۔

لہٰذا جب صحابہ کرام تابعین، ائمہ دین، محدثین عظام، فقہائے امت اور علمائے کوفہ و مدینہ سب ہی کا مذہب و مسلک یہ ہے کہ التحیات میں شہادتین کے وقت دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی کو اٹھانا یعنی اشارہ وحدانیت کرنا چاہئے اور یہ کہ اس کے ثبوت میں بہت زیادہ احادیث اور اقوال صحابہ وارد ہیں تو پھر اس پر عمل کرنا ہی اولیٰ وارجح ہوگا۔

اشارہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب کلمہ شہادت پر پہنچے تو شافعیہ کے نزدیک الا اللہ کہتے وقت شہادت کی انگلی اٹھائی جائے اور حنفیہ کے نزدیک جس وقت لا الہ کہے تو انگلی اٹھائے اور جب الا اللہ کہے تو انگلی رکھ دے۔ اس سلسلہ میں اتنی بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ انگلی سے اوپر کی جانب اشارہ نہ کیا جائے تا کہ جہت کا وہم پیدا نہ ہوجائے۔

حدیث کے الفاظ یدعو بھا) (اس کے ساتھ دعا مانگتے) کا مطلب یہی ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہادت کی انگلی اٹھا کر اشارہ وحدانیت کرتے جس کی طرف ترجمہ میں یہ بھی اشارہ کر دیا گیا ہے یا پھر دعا سے مراد ذکر ہے کو دعا بھی کہتے ہیں کیونکہ ذکر کرنے والا بھی مستحق انعام واکرام ہوتا ہے۔

حدیث کے آخری جملے بایاں ہاتھ اپنے زانو پر کھلا ہوا رکھتے تھے کا مطلب یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کو زانو کے قریب یعنی ران پر کھلا ہوا قبلہ رخ رکھتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جب (نماز میں التحیات پڑھنے کے لیے) بیٹھتے تو اپنے دائیں ہاتھ کو اپنی دائیں ران پر اور اپنے بائیں ہاتھ کو اپنی بائیں ران پر رکھتے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے تھے اور اپنے انگوٹھے کو اپنی بیچ کی انگلی پر رکھتے (یعنی اس طرح حلقہ بنا لیتے تھے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم (کبھی) اپنے بائیں ہاتھ سے بایاں گھٹنا پکڑ لیتے۔ (صحیح مسلم، مشکوٰۃ المصابیح، ج۱،ص ۸۵، قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ التحیات میں کلمہ شہادت پڑھتے وقت دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی اٹھاتے وقت یہی طریقہ اختیار کرنا چاہئے کہ چھنگلیاں اور اس کے قریب والی انگلی کو بند کر لیا جائے اور انگوٹھے کے سرے کو بیچ کی انگلی کے سرے پر رکھ کے حلقہ بنا لیا جائے اور شہادت کی انگلی اٹھا لی جائے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک التحیات پڑھنے کے لیے بیٹھتے وقت ہی اس طرح حلقہ بنا لینا چاہئے لیکن حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک یہ حلقہ انگلی اٹھاتے وقت ہی بنانا چاہئے۔

قعدے میں بیٹھنے کا طریقہ اور اس میں ائمہ کا اختلاف:

وکان یفرش رجله الیسرٰی وینصب رجله الیمنٰی (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھنے کے لیے اپنا بایاں پاؤں بچھاتے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھتے تھے) اس عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں قعدوں میں اسی طرح بیٹھتے تھے چنانچہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہی مسلک ہے کہ دونوں قعدوں میں اسی طرح بیٹھنا چاہئے۔

آئندہ آنے والی حدیث جو حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے قعدے میں افتراش (یعنی پاؤں بچھانا ہی اختیار کرتے تھے مگر دوسرے قعدے میں تورک یعنی (کولہوں پر بیٹھنا) اختیار فرماتے تھے چنانچہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک یہی ہے کہ پہلے قعدے میں تو افتراش ہونا چاہئے اور دوسرے قعدے میں تورک۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک دونوں قعدوں میں تورک ہی ہے اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ جس نماز میں دو تشہد ہوں اس کے آخری تشہد میں تورک ہونا چاہئے اور جس نماز میں ایک ہی تشہد

ہے اس میں افتراش ہونا چاہیے۔

امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک تشہد میں بیٹھنے کی دلیل کا بیان:

بنیادی طور پر حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مسلک کی دلیل یہی حدیث ہے نہ صرف یہی حدیث بلکہ اور بہت سی احادیث وارد ہیں جن میں مطلقاً پاؤں کے بچھانے کا ذکر ہے۔ نیز یہ بھی وارد ہے کہ تشہد میں سنت یہی ہے اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر پہلے اور دوسرے قعدے کی قید کے تشہد میں اسی طرح بیٹھا کرتے تھے۔ پھر دوسری چیز یہ بھی ہے کہ تشہد میں بیٹھنے کا جو طریقہ امام اعظم نے اختیار کیا ہے وہ دوسرے طریقوں کے مقابلے میں زیادہ با مشقت اور مشکل ہے اور احادیث میں صراحت کے ساتھ یہ بات کہی گئی ہے کہ اعمال میں زیادہ افضل واعلیٰ عمل وہی ہے جس کے کرنے میں مشقت اور مشکل ہے۔

جن احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں یہ منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے قعدے میں کولہوں پر بیٹھتے تھے۔ جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک ہے وہ اس بات پر محمول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حالت ضعف اور کبرسنی میں اس طرح بیٹھتے تھے کیونکہ دوسرے قعدے میں زیادہ دیر تک بیٹھنا ہوتا ہے اور کولہوں پر بیٹھنا زیادہ آسان ہے۔

عقبہ شیطان کا مطلب

عقبہ شیطان دراصل ایک خاص طریقے سے بیٹھنے کا نام ہے جس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ دونوں کولہے زمین پر ٹیک کر دونوں پنڈلیاں کھڑی کرلی جائیں پھر دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک کر بیٹھا جائے جس طرح کے کتے بیٹھا کرتے ہیں۔ قعدے میں بیٹھنے کا یہ طریقہ اختیار کرنا متفقہ طور پر تمام علماء کے نزدیک مکروہ ہے۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ عقبہ شیطان کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کولہے دونوں ایڑیوں پر رکھے جائیں۔ یہ معنی لفظ عقبہ کی رعایت سے زیادہ مناسب ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کو اس بات سے منع فرمایا ہے کہ وہ سجدہ کی حالت میں زمین پر اپنے دونوں ہاتھ اس طرح بچھائے جس طرح درندے یعنی کتے وغیرہ بچھاتے ہیں اس سلسلے میں مرد کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ سجدہ کے وقت عورتوں کو اس طرح ہی دونوں ہاتھ بچھانے چاہیں کیونکہ اس طرح عورت کے جسم کی نمائش نہیں ہوتی۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب بالکل صاف ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کا اختتام سلام پر فرماتے تھے۔ مگر اتنی بات سن لیجئے کہ نماز میں سلام پھیرنا حنفیہ کے نزدیک تو واجب ہے مگر حضرت شوافع کے نزدیک فرض ہے۔

نماز میں تشہد پڑھنے کا بیان:

(وَالتَّشَهُّدُ التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ ، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ إلَخْ) وَهَذَا تَشَهُّدُ عَبْدِ

اللّٰہِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فَإِنَّہُ قَالَ "(أَخَذَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِیَدِیْ وَعَلَّمَنِی التَّشَہُّدَ کَمَا کَانَ یُعَلِّمُنِی سُورَۃً مِنَ الْقُرْآنِ وَقَالَ :قُلْ التَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ) إلَخْ ، وَالْأَخْذُ بِہَذَا أَوْلَی مِنَ الْأَخْذِ بِتَشَہُّدِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا وَہُوَ قَوْلُہُ "التَّحِیَّاتُ الْمُبَارَکَاتُ الصَّلَوَاتُ الطَّیِّبَاتُ لِلّٰہِ ، سَلَامٌ عَلَیْکَ أَیُّہَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہُ ، سَلَامٌ عَلَیْنَا "إلَخْ ، لِأَنَّ فِیہِ الْأَمْرَ ، وَأَقَلُّہُ الِاسْتِحْبَابُ ، وَالْأَلِفُ وَاللَّامُ وَہُمَا لِلِاسْتِغْرَاقِ ، وَزِیَادَۃُ الْوَاوِ وَہِیَ لِتَجْدِیدِ الْکَلَامِ کَمَا فِی الْقَسَمِ وَتَأْکِیدِ التَّعْلِیمِ ۔

ترجمہ:

''اور تمام قولی اور مالی و بدنی عبادتیں اللہ ہی کے لیے ہیں، اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! تم پر سلام اور اللہ کی برکت ورحمتیں ہم پر بھی سلام اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول (ﷺ) ہیں۔''

یہی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والا تشہد ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اس طرح تشہد سکھایا جس طرح قرآنی سورۃ سکھایا کرتے تھے۔اور فرمایا: تم کہو''التحیات'' اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما والے تشہد سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والا تشہد افضل ہے۔ا لتَّحِیَّاتُ الْمُبَارَکَاتُ الصَّلَوَاتُ الطَّیِّبَاتُ لِلّٰہِ ، سَلَامٌ عَلَیْکَ أَیُّہَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہُ ، سَلَامٌ عَلَیْنَا "إلَخْ" اس کی دلیل یہ ہے اس تشہد میں امر کا صیغہ بیان ہوا ہے اور امر کا کم از کم درجہ بھی استحباب ہے۔اور الف ولام یہ دونوں استغراق کیلئے ہیں۔اور واؤ کی زیادتی اس لئے کہ وہ تجدد کلام پر دلالت کرے۔جس طرح قسم اور تعلیم کی تاکید ہوتی ہے۔

شرح:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں قرآن کی سورت کی طرح احتیاط اور اہتمام سے تشہد سکھایا کرتے تھے (سنن ابن ماجہ)

اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبَاتُ ، السَّلَامُ عَلَیْکَ أَیُّہَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہُ ، السَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلَی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِینَ ، أَشْہَدُ أَنْ لَا إِلَہَ إِلَّا اللّٰہُ ، وَأَشْہَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہُ وَرَسُولُہُ ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز میں بیٹھتے تو ہم کہتے السَّلَامُ عَلَی اللّٰہِ قَبْلَ عِبَادِہِ السَّلَامُ عَلَی فُلَانٍ وَفُلَانٍ (یعنی سلام ہو اللہ پر اس کے بندوں کی طرف سے اور سلام ہو فلاں پر اور فلاں پر) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ نہ کہو کہ سلام ہو اللہ پر کیونکہ سلام تو اللہ ہی ہے، جب تم میں سے

کوئی نماز میں بیٹھے تو یہ کہے التَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ والصَّلَوٰاتُ وَالطَّیِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ السَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ جب تم یہ کہو گے تو اس کا ثواب ہر نیک بندہ کو ملے گا خواہ وہ آسمان میں ہو یا زمین میں ہو یا اس کے درمیان میں ہو پھر یہ کہو اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ پھر جو دعا تمہیں سب سے زیادہ پسند ہو وہ اللہ سے کرو۔ (سنن ابوداؤد)

تشہد میں سبابہ اٹھانے کا بیان:

حضرت ابوحمید ساعدی کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے دس صحابہ کی جماعت سے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز (کے طریقے) کو تم سے زیادہ اچھی طرح جانتا ہوں صحابہ کی جماعت نے کہا کہ اچھا بیان کیجئے۔ "انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر کندھوں کے برابر لے جاتے اور تکبیر کہتے پھر قرات کرتے۔ اس کے بعد تکبیر کہہ کر اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے اور رکوع میں جا کر دونوں ہتھیلیاں اپنے گھٹنے پر رکھتے اور کمر سیدھی کر لیتے اور سر کو نہ نیچا کرتے تھے اور نہ بلند کرتے تھے (یعنی پیٹھ اور سر برابر رکھتے تھے) پھر سر اٹھاتے وقت سمع اللہ لمن حمدہ کہتے اور دونوں ہاتھ اپنے دونوں پہلوؤں سے الگ رکھتے تھے اور اپنے پاؤں کی انگلیوں کو موڑ کر (ان کا رخ قبلے کی طرف) رکھتے تھے پھر سجدے سے سر اٹھاتے اور بایاں پاؤں موڑ کر (یعنی بچھا کر) اس پر سیدھے بیٹھ جاتے تھے یہاں تک کہ ہر عضو اپنی جگہ پر برابر آ جاتا تھا۔ پھر تکبیر کہتے ہوئے (دوسرے) سجدے میں چلے جاتے اور پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے (سجدے سے) اٹھتے اور بایاں پاؤں موڑ کر اس اطمینان سے بیٹھتے (یعنی جلسہ استراحت کرتے) یہاں تک کہ بدن کا ہر عضو اپنی جگہ پر آ جاتا تھا پھر دوسری رکعت میں بھی (سوائے ابتدائے رکعت میں سبحانك اللھم اوراعوذباللہ) پڑھنے کے اسی طرح کرتے تھے اور جب وہ دو رکعت پڑھنے (یعنی تشہد) کے بعد کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاتے جیسے کہ نماز کو شروع کرنے کے وقت تکبیر کہتے تھے پھر باقی نماز اسی طرح پڑھتے تھے اور جب وہ سجدہ (یعنی آخری رکعت کا دوسرا سجدہ) کر چکتے جس کے بعد سلام پھیرا جاتا ہے تو اپنا بایاں پاؤں باہر نکالتے اور بائیں طرف کولھے پر بیٹھ جاتے اور پھر (تشہد وغیرہ پڑھنے کے بعد) سلام پھیرتے تھے۔ (یہ سن کر) وہ سب صحابہ بولے کہ "بے شک تم نے سچ کہا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح نماز پڑھتے تھے (ابوداؤد ودارمی) ترمذی اور ابن ماجہ نے اس روایت کو بالمعنی نقل کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ابوداؤد کی ایک روایت میں جو ابوحمید سے مروی ہے۔ یہ الفاظ ہیں "پھر رکوع میں جا کر دونوں ہاتھ زانو پر اس طرح رکھے جیسے انہیں مضبوطی سے پکڑا ہوا اور اپنے ہاتھوں کو (کمان کے) چلے کی طرح رکھا اور کہنیوں کو اپنے دونوں پہلوؤں سے دور رکھا (گویا) کہ کہنیاں چلے کے مشابہ تھیں اور پہلو کمان کے مشابہ" اور راوی فرماتے ہیں کہ "پھر سجدے میں گئے تو اپنی

ناک اور پیشانی کو زمین پر رکھا اور ہاتھوں کو پہلوؤں سے جدا رکھا اور دونوں ہاتھوں کو کندھوں کی سیدھ میں اور دونوں رانوں کو کشادہ رکھا اور اپنے پیٹ کو دونوں بازوؤں سے الگ رکھا یہاں تک کہ سجدے سے فارغ ہوئے اور پھر اس طرح بیٹھے کہ بایاں پیر تو بچھالیا اور داہنے پاؤں کی پشت قبلے کی طرف کی اور داہنا ہاتھ دائیں گھٹنے پر اور بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر رکھ لیا اور (اشھد ان لا الہ الا اللہ کہنے کے وقت) اپنی انگلی یعنی سبابہ سے اشارہ کیا۔ (اور ابوداؤد ہی کی ایک اور دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "جب دو رکعتیں پڑھ کر بیٹھتے تو بائیں پاؤں کے تلوے پر بیٹھتے اور دائیں پاؤں کو کھڑا کر لیتے تھے اور جب چوتھی رکعت پڑھ کے بیٹھتے تو بائیں کولھے کو زمین سے ملاتے اور دونوں پاؤں کو ایک طرف نکال دیتے تھے۔

(مشکوۃ المصابیح، ج ا، ص ٧٦، قدیمی کتب خانہ کراچی

"فائدہ :

انا اعلمکم بصلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے طریقہ کو تم سے زیادہ اچھی طرح جانتا ہوں) ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی کسی خاص مصلحت وضرورت کی بناء پر بغیر کسی غرور وتکبر اور نفسانیت کے اظہار حقیقت کے طور پر اپنے علم کی زیادتی کا دعوی کرے تو جائز ہے۔

اور حضرت نافع رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ جب نماز یعنی قعدے میں بیٹھتے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھتے اور (شہادت کی) انگلی سے اشارہ (وحدانیت) فرماتے اور نظر انگلی پر رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ شہادت کی انگلی شیطان پر لوہے سے زیادہ سخت ہے یعنی شہادت کی انگلی سے اشارہ وحدانیت کرنا شیطان پر نیزہ وغیرہ پھینکنے سے زیادہ سخت ہے۔ (مسند احمد بن حنبل)

مطلب یہ ہے کہ شیطان کی آرزو اور تمنا تو یہ ہے کہ ہر آدمی ضلالت وگمراہی اور کفر وشرک میں مبتلا ہو جائے لیکن جب وہ ایک نمازی کو دیکھتا ہے کہ وہ اس کی تمنا وآرزو کے برخلاف کفر وشرک سے اظہار بیزاری کرتے ہوئے شہادت کی انگلی سے اشارہ کر کے اللہ کی وحدانیت کا اظہار کر رہا ہے تو اس کی امیدوں پر اوس پڑ جاتی ہے اور اس وقت اسے اتنی ہی شدید تکلیف پہنچتی ہے جتنی کہ اس کو نیزہ وغیرہ مارنے سے پہنچ سکتی ہے۔

سبابہ کی تحقیق :

سبابہ شہادت کی انگلی کو کہتے ہیں۔ "سب" کے لغوی معنی گالی کے ہیں ایام جاہلیت میں اہل عرب جب کسی کو گالی دیتے تھے اس انگلی کو اٹھاتے تھے اسی مناسبت سے اس انگلی کا نام اسی وقت سے سبابہ رائج ہو گیا پھر بعد میں اس انگلی کا اسلامی نام مسبحہ اور سباحہ ہو گیا کیونکہ تسبیح وتوحید کے وقت اس انگلی کو اٹھاتے ہیں۔ بہر حال۔ حدیث کے الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے التحیات میں کلمہ شہادت پڑھتے وقت اس انگلی سے اس طرح اشارہ کیا کہ نفی یعنی اشھد ان لا

اله کہتے وقت انگلی اٹھائی اوراثبات یعنی الا اللہ کہتے وقت انگلی رکھی دی۔

سبابہ کے متعلق فقہاء احناف کی فقہی تصریحات:

علامہ علاؤ الدین کاسانی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔اس مسئلہ میں ہمارے تینوں ائمہ کرام سے روایتیں وارد ہیں۔جس نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اُس میں عدم روایت یاروایت عدم کازعم کیامحض ناواقفی یا خطائے بشری پرمبنی تھاامام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی کتاب المشیخۃ میں اشارے کے بارے میں ایک حدیث رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرکے فرماتے ہیں:

فنفعل مافعل النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ونصنع ماصنعه وهو قول ابی حنیفة وقولنا ۔ذکره العلامة الحلبی فی الحلیة عن البدائع ۔

یعنی پس ہم کرتے ہیں جورسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کیااورعمل کرتے ہیں اس پرجوحضور کافعل تھااوروہ مذہب ہےامام ابوحنیفہ کااورہمارا۔اس کوعلاّمہ حلبی نے حلیہ میں بدائع سے نقل فرمایاہے۔

(بدائع الصنائع ،فصل فی سنن الصلوٰۃ مطبوعه ایچ ایم سعید کمپنی)

ویروی عنه رحمة اللّٰہ تعالٰی ثم قال هذا قولی وقول ابی حنیفة ۔اثره العلامة عن الذخیرة وشرح الزاهدی صاحب القنیة

اورانہی سے مروی ہےپھرامام محمد نے فرمایااشارہ کرنامیراقول ہےاورقول ابی حنیفہ رحمہ اللہ کا۔علامہ حلبی نے ذخیرہ اورشرح الزاہدی صاحب قنیہ سے اسے نقل کیا(حلیة المحلی شرح منیه المصلی)

وہ مذکورہ اورکبیری اورردالمحتار میں اسے امام ابویوسف رحمہ اللہ سے روایت کیایہاں تک کہ شامی نے اس حاشیہ میں تصریح کی:هو منقول عن ائمتنا الثلثة۔(یہ ہمارے تینوں ائمہ سے منقول ہے۔

(ردالمحتار ، باب صفة الصلوٰة ، مطبوعه مجتبائی دهلی)

اوراسی میں ہے:

هذا ما اعتمده المتأخرون لثبوته عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم بالاحادیث الصحیحة والصحة نقله عن ائمتنا الثلثة فلذا قال فی الفتح ان الاول (یعنی عدم الاشارہ) خلاف الدرایة والروایة ، وفیه عن القهستانی وعن اصحابنا جمیعا انه سنة فیحلق ابهام الیمنی وَوسطاهاملصقاراسهابراسها ویشیر بالسبابة۔

اسی پرمتاخرین نے اعتماد کیاکیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے احادیث صحیحہ کے ساتھ ثابت ہےاورہمارے تینوں ائمہ سے اس کامنقول ہوناصحیح ہےاسی لئے فتح میں کہاپہلا(یعنی اشارہ نہ کرنا) ودروایت سے ہے کہ ہمارے تمام احناف

کے نزدیک یہ سنّت ہے لہٰذا دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور درمیان انگلی کے سروں کو ملا کے حلقہ بنا کر سبابہ سے اشارہ کرے۔

(ردالمختار باب صفة الصلوٰة مطبوعه مجتبائی دهلی)

کبیری میں ہے:

قبض الاصابع عند الاشارة المروی عن محمد فی کیفیة الاشارة وعن کثیر من المشائخ (انه) لایشیر اصلا وهو خلاف الدریة والروایة فعن محمد ان ما ذکره فی کیفیة الاشارة هو قوله وقوله ابی حنیفة رحمة الله تعالٰی ملخصاً۔

اشارہ کے وقت انگلیاں بند کر لے، طریقہ اشارہ میں امام محمد سے یہی مروی ہے اور متعدد مشائخ کا قول ہے کہ اشارہ اصلاً نہ کیا جائے یہ درایت وروایت کے خلاف ہے۔ امام محمد سے منقول ہے کہ کیفیتِ اشارہ میں کچھ ذکر کیا ہے یہ ان کا اور امام ابو حنیفہ رحمہا اللہ تعالٰی کا قول ہے۔ (غنیة المستملی شرح منیة المصلی، صفة الصلوٰة، مطبوعه سهیل اکیڈیمی لاهور)

اور اسی طرح محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا۔ بالجملہ اشارہ مذکورہ کی خوبی میں کچھ شک نہیں، احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور اقوال ہمارے مجتہدین کرام کے اسی کو مفید، بعد اس کے اگر کتبِ متاخرین مثل تنویر الابصار و ولوالجیه وتجنیس وخلاصه وبزازیه و واقعات و عمدة المفتی ومنیتی المفتی وتبیین کبرٰی ومضمرات و هندیه وغیرها عامه فتاوٰی میں عدم اشارہ کی ترجیح وتصحیح منقول ہو تو قابلِ اعتماد نہیں ہو سکتی علماء نے ان اقوال پر التفات نہ فرمایا اور خلافِ عقل ونقل ٹھہرایا۔

تشہد میں انگشت شہادت سے اشارہ کرنے کے بارے میں احادیث:

عن عبد الله بن عمر رضی الله تعالٰی عنه قال :وضع رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم کفه الیمنٰی علی فخذه الیمنٰی و قبض اصابعه کلها و اشار باصبعه التی تلی الابهام۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنا داہنا ہاتھ اپنی داہنی ران اقدس پر رکھا اور سب انگلیاں بند کر کے انگوٹھے کے پاس کی انگلی سے اشارہ فرمایا۔ الصحیح لمسلم، الصلوۃ،ر

عن وائل بن حجر رضی الله تعالٰی عنه ان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم عقد فی جلوس التشهد الخنصر والبنصر ثم حلق الوسطٰی بالابهام واشار بالسبابة۔

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے جلسۂ تشہد میں اپنی چھوٹی انگلی اور اس کے برابر والی کو بند کیا پھر بیچ کی انگلی کو انگوٹھے کے ساتھ ملا کر حلقہ بنایا، اور انگشت شہادت سے اشارہ

فرمایا۔ السنن لابی داؤد، الصلوۃ، ، السنن الکبری للبیہقی ، ،

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما قال :قال رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم :اِلْاِشَارَۃُ بِالْاِصْبَعِ اَشَدُّ عَلَی الشَّیْطَانِ مِنَ الْحَدِیْدِ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :انگلی سے اشارہ کرنا شیطان پر دھار دار ہتھیار سے زیادہ سخت ہے۔

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن النبی صلی للہ تعالی علیہ وسلم قال :ھِیَ مُذْعِرَۃٌ لِلشَّیْطَانِ ۔

حضرت عبداللہ بن رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اشاد فرمایا :وہ شیطان کے دل میں خوف ڈالنے والا ہے۔

امام احمد رضا محدث بریلی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

اس باب میں احادیث وآثار بکثرت وارد، ہمارے محققین کا بھی یہی مذہب صحیح ومعتمد علیہ ہے۔صغیری میں ملتقط وشرح ہدایہ سے اسکی تصحیح نقل کی۔اور اسی پر علامہ فہامہ محقق علی الاطلاق مولانا کمال الدین محمد بن الہمام، علامہ ابن امیر الحاج حلبی، فاضل بہنسی ، باقانی ، ملاخسرو، علامہ شرنبلالی، اور فاضل ابراہیم طرابلسی وغیرہم اکابر نے اعتماد فرمایا۔اور انہیں کا صاحب در مختار فاضل مدقق علاء الدین حصکفی ، فاضل اجل سید احمد طحطاوی اور فاضل ابن عابد بن شامی وغیرہم اجلہ نے اتباع کیا۔علامہ بدر الدین عینی نے تحفہ سے اس کا استحباب نقل فرمایا ہے۔

صاحب محیط اور ملاقہستانی نے سنت کہا اس مسئلہ میں ہمارے تینوں ائمہ کرام سے روایتیں وارد جس نے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ سے اس میں عدم روایت یا روایت عدم کا زعم کیا محض ناواقفی یا خطائے بشری پر مبنی۔

امام محمد رحمۃ اللہ تعالی علیہ کتاب المشیخہ میں اشارے کے بارے میں ایک حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے روایت کر کے فرماتے ہیں۔

پس ہم کرتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے کیا اور عمل کرتے ہیں اس پر جو حضور کا فعل تھا، اور یہ مذہب ہے ہمارا اور امام اعظم ابو حنیفہ کا۔رضی اللہ تعالی عنہم ۔(فتاوی رضویہ، کتاب الصلوۃ)

تشہد آہستہ پڑھنا چاہیے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سنت یہ ہے کہ تشہد آہستہ پڑھنا چاہیے۔(سنن ابوداؤد)

قعدہ کے وسط نماز میں ہونے کا بیان:

(وَلَا یَزِیدُ عَلَی ھَذَا فِی الْقَعْدَۃِ الْاُولَی) (لِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ عَلَّمَنِی رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ التَّشَهُّدَ فِي وَسَطِ الصَّلَاةِ وَآخِرِهَا ، فَإِذَا كَانَ وَسَطُ الصَّلَاةِ نَهَضَ إِذَا فَرَغَ مِنَ التَّشَهُّدِ وَإِذَا كَانَ آخِرَ الصَّلَاةِ دَعَا لِنَفْسِهِ بِمَا شَاءَ). "

ترجمہ: اور وہ قعدہ اولی میں اس تشہد پر زیادتی نہ کرے کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے نماز کے درمیان اور آخر میں یہی تشہد سکھایا۔لہذا جب نماز درمیان میں ہوتی تو آپ تشہد پڑھتے ہی کھڑے ہو جاتے اور جب نماز آخر میں ہوتی تو آپ ﷺ اپنے لئے دعا مانگتے جو چاہتے۔

قعدہ اولی میں جلدی اٹھنے سے صرف تشہد پڑھنے کا استدلال:

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پہلی دو رکعتوں میں (یعنی پہلے قعدے میں) تشہد کے لیے اس قدر بیٹھتے تھے گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم گرم پتھر پر بیٹھے ہیں اور (جلد ہی) کھڑے ہو جاتے تھے۔(جامع ترمذی،سنن نسائی،مشکوۃ المصابیح،ج ا،ص ۸۵،قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس کا معنی یہ ہے کہ جس طرح کوئی آدمی گرم پتھر پر زیادہ دیر تک نہیں بیٹھ سکتا بلکہ جلد ہی اٹھ کھڑا ہوتا ہے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے قعدے میں چونکہ صرف التحیات پڑھتے تھے دیگر دعا و درود وغیرہ نہیں پڑھتے تھے اس لیے التحیات پڑھتے ہی کھڑے ہو جاتے تھے اس کے برعکس آخری قعدہ میں چونکہ التحیات کے ساتھ درود اور دوسری دعائیں بھی پڑھی جاتی ہیں اس لیے اس میں بیٹھنے کی مقدار پہلے قعدے میں بیٹھنے کی مقدار سے زیادہ ہوتی تھی۔

فرض کی آخری دو رکعتوں میں صرف فاتحہ پڑھنے کا حکم:

(وَيَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُخْرَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَحْدَهَا) لِحَدِيثِ أَبِي قَتَادَةَ "(أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ فِي الْأُخْرَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ) " وَهَذَا بَيَانُ الْأَفْضَلِ هُوَ الصَّحِيحُ ، لِأَنَّ الْقِرَاءَةَ فَرْضٌ فِي الرَّكْعَتَيْنِ عَلَى مَا يَأْتِيك مِنْ بَعْدُ إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى .

ترجمہ

اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھے کیونکہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے آخری دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ پڑھی۔اور صحیح روایت کے مطابق یہی اس کی فضیلت کا بیان ہے۔اس لئے کہ قرأت کرنا دو ہی رکعتوں میں فرض ہے۔ان شاء اللہ اس کا بیان بعد میں آئے گا۔

شرح:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ راوی ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم جب دوسری رکعت پڑھنے کے بعد اٹھتے تو الحمد الله رب العالمین شروع کر دیتے تھے اور خاموش نہ رہتے تھے (صحیح مسلم) اس روایت کو حمیدی نے اپنی کتاب افراد

میں ذکر کیا ہے۔ نیز صاحب جامع الاصول نے بھی اس روایت کو مسلم سے نقل کیا ہے۔

چونکہ یہ وہم ہوسکتا تھا کہ دوسری رکعت کے بعد دوسرا شفعہ شروع ہونے کے وقت شاید سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ پڑھنے کے لیے خاموشی اختیار کرتے ہوں اس لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی وضاحت کردی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری رکعت کے بعد دوسرے شفعہ کے لیے اٹھتے تھے تو سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ نہیں پڑھتے تھے بلکہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ شروع کردیتے تھے۔ یہ بھی محتمل ہے کہ اس کے معنی یہ ہوں کہ جب آپ دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوتے تھے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ پڑھ دیتے تھے۔

قعدہ آخیرہ میں قعدہ اولی کی طرح بیٹھنے کا بیان:

(وَجَلَسَ فِي الْآخِيرَةِ كَمَا جَلَسَ فِي الْأُولَى) لِمَا رَوَيْنَا مِنْ حَدِيثِ وَائِلٍ وَعَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ، وَلِأَنَّهَا أَشَقُّ عَلَى الْبَدَنِ ، فَكَانَ أَوْلَى مِنَ التَّوَرُّكِ الَّذِي يَمِيلُ إِلَيْهِ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ ، وَالَّذِي يَرْوِيهِ (أَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَعَدَ مُتَوَرِّكًا) ضَعَّفَهُ الطَّحَاوِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ ، أَوْ يُحْمَلُ عَلَى حَالَةِ الْكِبَرِ .

ترجمہ:

اور وہ آخری قعدہ میں اسی طرح بیٹھے جس طرح وہ پہلے قعدہ میں بیٹھا تھا۔ اسی حدیث کی دلیل کے ساتھ جو ہم نے حضرت وائل اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرچکے ہیں۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ اس میں بدن پر مشقت زیادہ ہے لہذا یہ تورک سے اولیٰ ہے۔ جسے امام مالک علیہ الرحمہ نے اختیار کیا ہے۔ اور امام طحاوی علیہ الرحمہ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے جس میں یہ روایت کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے قعدے میں تورک کیا۔ یا اس کو بڑھاپے پر محمول کیا جائے گا۔

شرح:

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم (سجدے سے سر اٹھا کر اس طرح) بیٹھے (کہ) اپنا بایاں پاؤں تو بچھا لیا اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھا اور دائیں ران پر دائیں کہنی الگ رکھی (یعنی کہنی کو ران پر رکھتے وقت اسے پہلو سے نہیں ملایا) اور دونوں انگلیاں (یعنی چھنگلیا اور اس کے قریب والی انگلی) بند کر کے (فقہاء احناف کے مسلک کے مطابق درمیان والی انگلی اور انگوٹھے کا) حلقہ بنایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت کی انگلی اٹھائی اور میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس انگلی کو حرکت دیتے تھے اور اس سے اشارہ (توحید) کرتے تھے۔ (سنن ابوداؤد، دارمی)

تشہد کے وجوب کا بیان:

(وَتَشَهَّدَ وَهُوَ وَاجِبٌ عِنْدَنَا وَصَلَّى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) وَهُوَ لَيْسَ بِفَرِيضَةٍ عِنْدَنَا

خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِيهِمَا لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " (إِذَا قُلْتَ هَذَا أَوْ فَعَلْتَ فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُكَ ، إِنْ شِئْتَ أَنْ تَقُومَ فَقُمْ ، وَإِنْ شِئْتَ أَنْ تَقْعُدَ فَاقْعُدْ) "

ترجمہ:

اور وہ تشہد پڑھے اور وہ ہمارے نزدیک واجب ہے اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجے۔ اور وہ ہمارے نزدیک فرض نہیں۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے ان دونوں میں اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے جب تو یہ کہے یا کرے تو تیری نماز مکمل ہوگئی۔ اگر تو کھڑا ہونا چاہے تو کھڑا ہو جا اور اگر تو بیٹھنا چاہے تو بیٹھ جا۔

تشہد و درود پڑھنے کی فرضیت میں فقہ شافعی کا مؤقف و احناف کے دلائل:

علامہ ابن محمود البابرتی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک تشہد اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا فرض ہے۔ تشہد کی فرضیت کی دلیل ان کے نزدیک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے کہ تشہد ہم پر فرض ہے ''عَنْهُ كُنَّا نَقُولُ قَبْلَ أَنْ يُفْرَضَ عَلَيْنَا التَّشَهُّدُ السَّلَامُ عَلَى اللَّهِ السَّلَامُ عَلَى جِبْرِيلَ وَمِيكَائِيلَ ، فَقَالَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ :قُولُوا التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ ، إلَى أَنْ قَالَ فِي آخِرِهِ '' اور اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ''قل'' کے صیغہ سے خطاب ہے جس کا تقاضہ یہ ہے کہ امر وجوب کیلئے آتا ہے۔ اور اس کو اتمام نماز کے ساتھ معلق کیا گیا ہے لہٰذا تشہد پڑھنا فرض ہے۔

درود شریف کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''صلوا علیہ'' یہ بھی امر کا صیغہ ہے جبکہ خارج نماز میں درود شریف پڑھنا فرض نہیں ہے۔ لہٰذا نماز میں اس کو پڑھنا فرض ہوگیا۔

ہمارے نزدیک حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ''إذَا قُلْتَ هَذَا أَوْ فَعَلْتَ فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُكَ '' بے شک اس کو اتمام نماز کے ساتھ معلق کیا گیا ہے۔ لیکن اس میں دو چیزوں کو جمع کیا گیا ہے۔ یعنی یا تو اس کو پڑھ لو یا قعدہ کرلو تمہاری نماز مکمل ہوگئی۔ لہٰذا ہم نے ان دونوں کو ملا کر اس طرح جمع کردیا کہ اگر ان میں سے کسی ایک کو بھی چھوڑا تو جائز نہیں۔ کیونکہ اختیار کے ثبوت کی وجہ سے دوسرا غیر معلق ہوا لہٰذا جب دو چیزوں میں اختیار ثابت ہوا تو ان میں سے کسی ایک لانا واجب ہوا۔ اور ایسے ہی درود پاک کے عدم فرضیت کی دلیل بھی ہے۔

اس پر اشکال یہ ہے کہ آپ کی اس تقریر کے مطابق جو درود پاک کے بارے میں نص وارد ہے اس کی مخالفت لازم آئے گی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ نماز کے باہر درود پاک کے بارے میں یہ نص وارد نہیں بلکہ نص کا حکم جس میں آپ نے صیغہ امر سے استدلال کیا ہے وہ نماز اور خارج نماز دونوں کو شامل ہے۔ لہٰذا خارج نماز میں واجب ہے۔ اور امام کرخی علیہ الرحمہ نے کہا ہے زندگی میں ایک مرتبہ واجب ہے اور امام طحاوی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جب بھی نبی کریم ﷺ کا

ذکرآئے تو درود شریف پڑھنا واجب ہے۔لہذا ہم نے امر کا لحاظ کیا کیونکہ امر وجوب کا تقاضہ کرتا ہے۔اور وہ حاصل ہو چکا ہے۔لہذا اس آیت کی دلالت نماز میں درود شریف کے وجوب پر نہیں کرتی۔

امام شافعی علیہ الرحمہ کا حدیث استدلال کرنا کہ امر تقاضہ وجوب کرتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں امر بطور تعلیم وارد ہوا ہےاور جہاں امر تعلیم کے طریقے پر ہو وہ مفید فرضیت نہیں ہوتا۔(عنایہ شرح الہدایہ بتصرف، ج ۲،ص ۱۶، بیروت)

نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے کا بیان:

وَالصَّلَاةُ عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ خَارِجَ الصَّلَاةِ وَاجِبَةٌ ، إمَّا مَرَّةً وَاحِدَةً كَمَا قَالَهُ الْكَرْخِيُّ ، أَوْ كُلَّمَا ذُكِرَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا اخْتَارَهُ الطَّحَاوِيُّ فَكُفِينَا مُؤْنَةَ الْأَمْرِ ، وَالْفَرْضُ الْمَرْوِيُّ فِي التَّشَهُّدِ هُوَ التَّقْدِيرُ .

ترجمہ

اور نماز سے باہر نبی کریم ﷺ پر ایک مرتبہ درود بھیجنا واجب ہے۔جس طرح امام کرخی علیہ الرحمہ نے کہا ہے یا جس وقت بھی آپ ﷺ کا ذکر کیا جائے۔جس طرح امام طحاوی علیہ الرحمہ نے اختیار کیا ہے۔پس ہم پر امر عظیم لازم کیا گیا ہے۔اور فرض جو تشہد کے بارے میں روایت کیا گیا ہے وہ معنی تقدیری ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے اور اس کی فضیلت کا بیان

لغوی طور پر صلوۃ کے معنی دعا، رحمت اور استغفار کے ہیں اور درود کا مطلب ہے بندوں کی جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ جل شانہ کی ایسی رحمت کو طلب کرنا جو دنیا وآخرت کی بھلائی کو شامل ہو۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام یعنی درود بھیجنے کا حکم دیا ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

آیت (یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ و سلموا تَسْلِیْماً)33 ۔ الاحزاب(56:)

اے ایمان والو تم آپ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) پر سلام اور رحمت بھیجو۔

علمائے امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم وجوب کے لیے ہے چنانچہ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جتنی مرتبہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سنا جائے ہر ہر بار درود بھیجا جائے۔بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جس طرح پوری زندگی میں صرف ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی گواہی دینی فرض ہے اسی طرح پوری عمر میں صرف ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا فرض ہے۔اس کے بعد زیادہ سے زیادہ درود بھیجنا مستحب ومسنون اور شعار اسلام میں ہے جس پر بیحد وحساب اجر وثواب کا وعدہ ہے۔

حضرت قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تو فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین پر فرض کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

پر درود وسلام بھیجا جائے اور چونکہ اس سلسلے میں کوئی خاص وقت متعین نہیں کیا اس لیے واجب ہے کہ درود وسلام زیادہ سے زیادہ بھیجا جائے اور اس میں غفلت نہ برتی جائے لیکن بعض حضرات نے حضرت قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس قول کے مقابلے میں پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔

التحیات میں درود پڑھنا فرض ہے یا سنت:

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے التحیات میں درود پڑھنے کو فرض کہا ہے لیکن علماء نے صراحت کی ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ قول شاذ ہے اس مسئلے میں امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے موافق کوئی عالم نہیں ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا معتمد ومفتی بہ قول یہ ہے کہ کوئی آدمی اگر ایک ہی مجلس میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک کئی مرتبہ سنے تو اس پر صرف ایک مرتبہ درود بھیجنا واجب ہے اور ہر مرتبہ بھیجنا مستحب ہے اور التحیات میں درود پڑھنا سنت ہے۔

صلوٰۃ وسلام کے الفاظ کا استعمال غیر انبیاء کے لیے جائز ہے یا نہیں؟ علماء کے ہاں اس بات پر اختلاف ہے کہ انبیاء کے علاوہ دوسرے لوگوں کے ناموں سے ساتھ صلوٰۃ وسلام کے الفاظ استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم یا دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے اسماء کے ساتھ علیہ السلام کے الفاظ بولے اور لکھے جاتے ہیں تو اس طرح انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ کسی دوسری آدمی کے نام کے ساتھ ان الفاظ کا استعمال جائز ہوگا یا نہیں؟ چنانچہ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ ان الفاظ کا استعمال صرف انبیاء کے لیے مخصوص ہے۔ ان کے علاوہ کسی دوسرے آدمی کے لیے ان الفاظ کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے البتہ دوسرے لوگوں کے اسماء کے ساتھ غفر اللہ رحمۃ اللہ اور رضی اللہ وغیرہ کے الفاظ استعمال کیے جائیں۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نقل کیا ہے کہ انبیاء کے علاوہ دوسرے لوگوں پر درود بھیجنا خلاف اولیٰ ہے۔ بعض حضرات نے حرام اور مکروہ بھی کہا ہے اس مسئلہ میں صحیح بات یہ ہے کہ غیر انبیاء اور ملائکہ پر صلوٰۃ وسلام بھیجنا ابتدا اور مستقلاً مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ یہ اہل بدعت کا شعار ہے البتہ انبیائے کرام علیہم السلام کے ناموں کے ساتھ ان پر بھیجنا جائز ہے مثلاً اس طرح کہا جاسکتا ہے صلی اللہ علی محمد وعلی الہ واصحابہ وسلم یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل اولاد پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر اللہ کی رحمت وبرکت ہو۔

التحیات کے بعد درود پڑھنے کا طریقہ:

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (تابعی) فرماتے ہیں کہ حضرت کعب ابن عجرہ (صحابی) سے میری ملاقات ہوئی تو انھوں نے فرمایا کہ میں تمہیں وہ چیز بطور ہدیہ پیش نہ کروں جس کو میں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا

ہے؟میں نے عرض کیا جی ہاں ! مجھے وہ ہدیہ ضرور عنایت فرمایئے انہوں نے فرمایا کہ ہم چند صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ! آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اہل بیت نبوت پر ہم درود کس طرح بھیجیں؟ اللہ نے ہمیں یہ تو بتادیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کس طرح بھیجا جائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس طرح کہو !اللھم صل علی علی محمد وعلی ال محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی ال ابراھیم انك حمید مجید اللھم بارك علی محمد وعلی ال محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلی ال ابراھیم انك حمید مجید۔
اے اللہ ! محمد پر آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت نازل کرجیسا کہ تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر رحمت نازل فرمائی بیشک تو بزرگ و برتر ہے۔اے اللہ ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر برکت نازل کرجیسا کہ تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر برکت نازل کی بیشک تو بزرگ و برتر ہے۔
(صحیح البخاری وصحیح مسلم ،مشکوٰۃ المصابیح ،ج ا،ص ۸٦،قدیمی کتب خانہ کراچی)
صحابہ کے سوال کا حاصل یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جوحکم دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور سلام بھیجیں تو سلام بھیجنے کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہوگیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھایا۔کہ التحیات میں ہم السلام علیك ایھا النبی کہا کریں۔اب یہ بھی بتادیجئے کہ درود کس طرح بھیجیں؟
صحابہ کے قول کے مطابق یعنی اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتادیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کس طرح بھجیں کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لسان اقدس کے ذریعے ہمیں سلام بھیجنے کی تعلیم دی۔اسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے تعلیم اس لیے کہا گیا ہے کہ حقیقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے جوبھی احکام بیان فرمائے ہیں وہ از خود اور اپنے ذہن وفکر سے نہیں بیان فرمائے ہیں بلکہ وہ احکام بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے گئے اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لسان اقدس کے ذریعہ نافذ فرمایا۔

آل کی تعریف وتحقیق:

اہل وعیال کو کہتے ہیں اس کے معنی تابعدار بھی مراد لیے جاتے ہیں چنانچہ وعلی آل محمد میں آل کے تعین کے سلسلہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ال محمد سے مراد صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل وعیال ہیں۔کچھ حضرات نے کہا ہے کہ آل سے مراد تابعدار مراد ہیں بعض علماء کی رائے ہے کہ ہر مومن آل محمد میں سے ہے کسی نے کہا کہ ہر متقی مومن آل محمد میں شامل ہے یہ سب علماء کے اقوال ہیں لیکن بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں آل سے مراد تابعدار ہیں۔گو بعض علماء نے آل کی تفسیر اہل بیت سے کی ہے یعنی ان حضرات کے نزدیک آل محمد سے اہل بیت یعنی وہ لوگ مراد ہیں جن پر صدقہ حرام ہے اور جنہیں بنی ہاشم کہا جاتا ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے کہ اہل بیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور اولاد شامل ہیں اور چونکہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہ کا ربط بھی ان سب سے حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وجہ سے بہت زیادہ تھا اس لیے وہ بھی اہل بیت میں داخل ہیں۔

کما صلیت علی ابراہیم میں صرف حضرت ابراہیم کی تخصیص کی گئی ہے اور کسی نبی کا ذکر نہیں کیا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اول تو حضرت ابراہیم علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد ہیں، نیز یہ کہ اصول دین میں شریعت محمدی ان کے تابع ہے۔

اے اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر برکت نازل کر کا مطلب یہ ہے کہ رب قدوس! تو نے ہمارے سرکار و سردار رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو شرف وفضیلت عطا فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بزرگی و بڑائی دی ہے اس کو ہمیشہ اور باقی رکھ!

روایت کے آخری الفاظ الا ان مسلما لم یذکر الخ کا مطلب یہ ہے کہ مسلم نے جو روایت نقل کی ہے اس کے پہلے اور دوسرے دونوں ہی درود میں علی ابراہیم کے الفاظ نہیں ہیں یعنی اس کے الفاظ اس طرح ہیں کما صیلت علی آل ابراھیم اور کما بارکت علیٰ آل ابراھیم۔

فرشتے امتیوں کے سلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں:

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے بہت سے فرشتے جو زمین پر سیاحت کرنے والے ہیں میری امت کا سلام میرے پاس پہنچاتے ہیں۔

(سنن نسائی، دارمی، مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱، ص ۸۶، قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس حدیث کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو روضہ اقدس سے دور رہتے ہیں اور انہیں روضہ مقدس پر حاضری کا شرف حاصل نہیں ہوتا، چنانچہ ایسے لوگ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قلیل یا کثیر تعداد میں سلام بھیجتے ہیں تو فرشتے ان کا سلام بارگاہ نبوت میں بصد عقیدت واحترام پیش کرتے ہیں۔

البتہ وہ حضرات جنہیں اللہ نے اپنے محبوب کے روضہ اقدس پر حاضری کی سعادت سے نواز رکھا ہے۔ جب وہ بارگاہ نبوت میں سلام پیش کرتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچانے کے لیے فرشتوں کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ روضہ اقدس پر حاضر ہونے والوں کے سلام آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں۔

اس حدیث سے چند باتوں پر روشنی پڑتی ہے۔ اول یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حیات جسمانی حاصل ہے کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں زندگی حاصل تھی اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں بھی زندگی حاصل ہے۔

دوم یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لوگ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوتے ہیں جو سلام بھیجنے والے کے حق میں انتہائی سعادت وخوش بختی کی بات ہے۔

سوم یہ کہ جب فرشتے کسی امتی کا سلام بارگاہ نبوت میں پیش کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سلام قبولیت کے درجہ کو پہنچ گیا ہے۔اور اگلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلام بھیجنے والے کے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں نیز ایک روایت میں مذکور ہے کہ جب فرشتے سلام لے کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوتے ہیں تو سلام بھیجنے والے کا نام بھی لیتے ہیں

در مجلس آں ناز نیں حرفے کہ از امامی رود　　جاں می دہم در آرزو اے قاصد آخر باز گو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام بھیجنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔

درود کے بعد مانگی جانے والی دعا قبول ہوتی ہے:

حضرت فضالہ ابن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) جبکہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوتے تھے اچانک ایک آدمی آیا اس نے نماز پڑھی اور پھر یہ دعا مانگی۔ اللھم اغفرلی وارحمنی اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما!(یہ سن کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے نماز پڑھنے والے تم نے (دعا کی ترکیب ترک کر کے) جلدی کی اور پھر فرمایا کہ جب تم نماز پڑھو تو (نماز کے بعد دعا کے لیے) بیٹھو اور اللہ کی تعریف کہ جس تعریف کے وہ لائق ہے بیان کرو اور مجھ پر درود بھیجو، پھر (تم جو چاہو اللہ سے مانگو (گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دعا کے یہ آداب و طریقے سکھائے) حضرت فضالہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ایک دوسرے آدمی نے نماز پڑھی (آخر میں) اس نے اللہ تعالیٰ کی تعریف بھی بیان کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا (مگر اس نے دعا نہیں مانگی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ اے نماز پڑھنے والے، دعا بھی مانگو قبول کی جائے گی۔

(جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱، ص ۸۶، قدیمی کتب خانہ کراچی)

نماز میں دعا مانگنے کا بیان:

قَالَ (وَدَعَا بِمَا شَاءَ مِمَّا يُشْبِهُ أَلْفَاظَ الْقُرْآنِ وَالْأَدْعِيَةِ الْمَأْثُورَةِ) لِمَا رَوَيْنَا مِنْ حَدِيثِ (ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ لَهُ النَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ثُمَّ اخْتَرْ مِنْ الدُّعَاءِ أَطْيَبَهُ وَأَعْجَبَهُ إلَيْك) " وَيَبْدَأُ بِالصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَكُونَ أَقْرَبَ إلَى الْإِجَابَةِ

(وَلَا يَدْعُو بِمَا يُشْبِهُ كَلَامَ النَّاسِ) تَحَرُّزًا عَنْ الْفَسَادِ ، وَلِهَذَا يَأْتِي بِالْمَأْثُورِ الْمَحْفُوظِ ، وَمَا لَا يَسْتَحِيلُ سُؤَالُهُ مِنْ الْعِبَادِ كَقَوْلِهِ اللَّهُمَّ زَوِّجْنِي فُلَانَةَ يُشْبِهُ كَلَامَهُمْ وَمَا يَسْتَحِيلُ كَقَوْلِهِ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي لَيْسَ مِنْ كَلَامِهِمْ ، وَقَوْلُهُ اللَّهُمَّ ارْزُقْنِي مِنْ قَبِيلِ الْأَوَّلِ هُوَ الصَّحِيحُ لِاسْتِعْمَالِهَا فِيمَا بَيْنَ الْعِبَادِ ، يُقَالُ رَزَقَ الْأَمِيرُ الْجَيْشَ .

ترجمہ

فرمایا: اور وہ دعا مانگے جو الفاظ قرآن اور ماثورہ دعاؤں کے مشابہ ہو۔ اسی حدیث کی وجہ سے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کر چکے ہیں۔ کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: پھر تم دعا کو اختیار کرو جو تمہیں زیادہ پاکیزہ و پسندیدہ ہو اور وہ نبی کریم ﷺ پر درود کے ساتھ شروع کرے تا کہ وہ مقام قبولیت کے قریب ہو۔

اور وہ ایسی دعا نہ کرے جو لوگوں کے کلام کے مشابہ ہو۔ تا کہ فساد سے بچے۔ لہذا وہ محفوظ ماثورہ دعائیں پڑھے۔ اور اسی طرح ہر وہ چیز جس کا بندوں سے مانگنا محال نہ ہو۔ جیسے اس کا قول ''اللّٰھُمَّ زَوِّجْنِی فُلَانَۃَ '' لوگوں کے کلام کے مشابہ ہے اور جس چیز کا مانگنا محال ہو جیسے ''اللّٰھُمَّ اغْفِرْلِی '' یہ لوگوں کے کلام کے مشابہ نہیں۔ اور نماز کا یہ قول ''قَوْلُہُ اللّٰھُمَّ اُرْزُقْنِی '' پہلی قسم سے ہے۔ کیونکہ اس کا استعمال لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ جس طرح کہا جاتا ہے'''' امیر نے لشکر کو رزق دیا ہے۔

شرح:

آخری قعدے میں التحیات اور درود کے بعد دعا مانگنا سنت ہے، فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ نمازی التحیات اور درود پڑھنے کے بعد اپنی خواہش و پسند کے مطابق دعا مانگے لیکن دعا عام لوگوں کے کلام کے مشابہ نہ ہو جیسے کہ کوئی دعا مانگنے لگے یا اللہ ! مجھے روٹی دے مجھے کپڑا دے وغیرہ وغیرہ اس قسم کی دعا مانگنی ذرا مناسب نہیں ہے۔

ابھی باب التشہد میں بھی آپ نے وہ حدیث پڑھی ! جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اس میں بھی یہ الفاظ منقول ہیں انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے التحیات کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ پھر ان دعاؤں کو اختیار کرو جو تمہیں پسند ہوں۔ اور چونکہ تشہد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص دعائیں منقول ہیں کہ آپ تشہد میں وہ دعائیں پڑھا کرتے تھے۔ لہٰذا پسندیدہ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہی منقول دعائیں ہو سکتی ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ تشہد میں انہیں دعاؤں کو پڑھنا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں زیادہ اولیٰ اور افضل ہے کیونکہ وہ دعائیں دنیا اور آخرت دونوں کے مقاصد کو جامع ہیں۔

نماز میں سلام پھیرنے اور اس میں نیت کا بیان:

(ثُمَّ یُسَلِّمُ عَنْ یَمِینِہِ فَیَقُولُ :السَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللَّہِ وَعَنْ یَسَارِہِ مِثْلَ ذَلِکَ) لِمَا رَوَی ابْنُ مَسْعُودٍ "(أَنَّ النَّبِیَّ عَلَیْہِ الصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ کَانَ یُسَلِّمُ عَنْ یَمِینِہِ حَتَّی یُرَی بَیَاضُ خَدِّہِ الْأَیْمَنِ وَعَنْ یَسَارِہِ حَتَّی یُرَی بَیَاضُ خَدِّہِ الْأَیْسَرِ)

"(وَیَنْوِی بِالتَّسْلِیمَۃِ الْأُولَی مَنْ عَنْ یَمِینِہِ مِنْ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْحَفَظَۃِ وَکَذَلِکَ فِی الثَّانِیَۃِ) لِأَنَّ الْأَعْمَالَ بِالنِّیَّاتِ ، وَلَا یَنْوِی النِّسَاءَ فِی زَمَانِنَا وَلَا مَنْ لَا شَرِکَۃَ لَہُ فِی صَلَاتِہِ ، ھُوَ الصَّحِیحُ لِأَنَّ الْخِطَابَ حَظُّ الْحَاضِرِینَ .

ترجمہ:

پھر وہ اپنی دائیں طرف سلام پھیرے۔ پس وہ کہے "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ" اور اسی طرح اپنی بائیں جانب کرے۔ اسی روایت کی وجہ سے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کی ہے۔ کہ نبی کریم ﷺ دائیں طرف سلام پھیرتے حتیٰ کہ آپ ﷺ کے دائیں رخسار کی سفیدی دیکھی جاتی اور بائیں جانب بائیں رخسار کی سفیدی دیکھی جاتی تھی اور وہ پہلے سلام میں اپنی دائیں طرف والے مردوں، عورتوں اور فرشتوں کی نیت کرے۔ اور ایسے ہی دوسرے سلام میں کرے۔ کیونکہ اعمال کے ثواب کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے۔ اور ہمارے زمانے میں وہ عورتوں کی نیت نہ کرے اور نہ ہی اس شخص کی نیت جو نماز میں شریک نہیں ہے۔ یہی صحیح روایت ہے۔ کیونکہ خطاب حاضر ہونے والوں کا حصہ ہے۔

سلام پھیرنے میں سنت کا بیان:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دائیں اور بائیں سلام پھیرتے حتیٰ کہ گالوں کی سفیدی دکھائی دیتی (فرماتے)۔ (سنن ابن ماجہ) اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ۔

(مشکوۃ المصابیح، ج ا،ص ۸۸، قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بائیں اور دائیں طرف سلام پھیرتے تھے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخسار کی سفیدی نظر آتی تھی (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان الفاظ کے ساتھ سلام پھیرتے تھے) اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ، ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ الفاظ سفیان کی بیان کردہ حدیث کے ہیں اور اسرائیل نے اپنی حدیث میں اس کی تصریح نہیں کی ہے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس کو زہیر نے ابو اسحاق سے اور یحییٰ بن آدم نے بواسطہ اسرائیل ابواسحاق سے یوں روایت کیا ہے عن عبدالرحمٰن بن الاسود عن ابیہ وعلقمۃ عن عبد اللہ، ابوداؤد کہتے ہیں کہ شعبہ ابواسحاق کی اس حدیث کے مرفوع ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ (سنن ابوداؤد)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم داہنی طرف سلام پھیرتے تو کہتے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اور بائیں طرف سلام پھیرتے تو کہتے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ۔ (سنن ابوداؤد)

حضرت عامر ابن سعد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (تابعی) اپنے والد مکرم (حضرت سعد ابن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے (یعنی حضرت سعد نے) فرمایا کہ میں دیکھتا تھا کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دائیں اور بائیں (اس طرح) سلام پھیرتے تھے کہ میں آپ کے رخساروں کی سفیدی دیکھ لیتا تھا۔ (صحیح مسلم)

مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے وقت اپنا چہرہ مبارک اتنا پھیرتے تھے کہ آپ صلی اللہ

علیہ وسلم کا منور رخسار نظر آنے لگتا تھا۔

قربان جایئے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس سعادت پر کہ ان کو نماز میں رحمت عالم سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلوئے مبارک نصیب ہوتا تھا۔

کاش کے اندر نماز م جاشود پہلوئے تو تابہ تقریب سلام افتد نظر بر روئے تو

نماز کے بعد امام مقتدیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھے:

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھ کر فارغ ہو جاتے تھے تو ہماری طرف اپنا مبارک منہ متوجہ کر کے بیٹھے تھے۔ (صحیح البخاری، ج ا ص ۱۱۷، قدیمی کتب خانہ کراچی)

مطلب یہ ہے کہ جب جماعت ختم ہو جاتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو لیتے تھے تو اپنا روئے اقدس مقتدیوں کی طرف متوجہ کر کے بیٹھ جاتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہونے کے بعد (کبھی) اپنی دائیں طرف پھر کر بیٹھے تھے۔ (صحیح مسلم)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی آدمی اپنی نماز میں شیطان کا حصہ مقرر نہ کرے (یعنی) اس چیز کو لازم جانے کہ (نماز کے بعد) دائیں جانب ہی سے پھرے، کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر بائیں جانب سے پھرا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

ان احادیث کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد کبھی تو دائیں جانب سے پھرتے تھے اور بائیں طرف بیٹھتے تھے، اور بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیر کر دعا مانگتے اور اپنے حجرہ شریف کی جانب (جو بائیں طرف تھا) تشریف لے جاتے تو کبھی اس کے برعکس کرتے تھے بائیں طرف سے پھر کر دائیں طرف بیٹھ جاتے تھے۔

پہلے طریقے کو عزیمت یعنی اولیت پر محمول کیا گیا ہے کیونکہ اس میں دائیں طرف سے ابتداء ہوتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل اکثر اسی طرح ہوتا ہے، لیکن حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ دوسری صورت یعنی بائیں طرف سے پھرنا اگرچہ رخصت یعنی جائز ہے اور اس صورت کو کم ہی اختیار بھی کیا جاتا تھا لیکن سنت کو واجب کا درجہ دینا چونکہ ٹھیک نہیں ہے اس لیے صرف پہلی صورت یعنی دائیں طرف سے پھرنے کو لازم و واجب قرار نہ دیا جائے اور شارع کی جانب سے دی گئی رخصت (یعنی اجازت) کو کہ وہ دوسری صورت سے ناقابل اختیار نہ جانا جائے اس لیے کہ حدیث شریف میں وارد ہے حق تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کی جانب سے عنایت کی گئی رخصتوں پر عمل کیا جائے جیسا کہ وہ عزیمتوں پر

عمل کرنے کو پسند کرتا ہے۔

یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ چیز پسندیدہ اور محبوب ہے کہ اس عمل کو اختیار کیا جائے جس میں عزیمت یعنی اولیت ہے، اسی طرح اس کے نزدیک یہ چیز بھی قابل قبول اور پسندیدہ ہے کہ ان اعمال کو بھی اختیار کیا جائے جن کو حق تعالیٰ نے اولیٰ وافضل نہ سہی بہر حال جائز مقرر کر رکھا ہے۔

حضرات شوافع نے ان احادیث سے مصلی کے لیے یہ درمیانی طریقہ اختیار کیا ہے کہ وہ اپنی ضرورت وسہولت جس طرف دیکھے، اسی طرف پھرے یعنی اگر اس کا مکان وغیرہ اس کے دائیں جانب ہے تو اسے دائیں طرف پھرنا چاہیے اور اگر بائیں طرف ہو تو اسے بائیں طرف پھرنا ہے چاہیے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی منقول ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی مقتدیوں کی طرف بھی منہ کر کے اور پشت قبلے کی طرف کر کے بیٹھتے تھے جیسا کہ اوپر والی حدیث میں گذرا۔

نماز میں شیطان کا حصہ اس لیے کہا گیا ہے کہ جب کوئی آدمی ایک غیر لازم چیز کو اپنے اوپر واجب ولازم ہونے کا اعتقاد کرے گا تو گویا وہ شیطان کا تابع ہوا لہٰذا اس کی نماز کا کمال جاتا رہے گا۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ جس آدمی نے کسی امر مستحب کو مستقل طریقہ سے اختیار کئے رکھا اور اسے لازم کا درجہ دے دیا اور رخصت (یعنی جواز) پر عمل نہ کیا تو سمجھو کہ شیطان اسے گمراہ کرنے کے لیے اس کے پاس پہنچ گیا ہے۔

نماز کے سلام میں مقتدی ومنفرد کی نیت کا بیان:

(وَلَا بُدَّ لِلْمُقْتَدِي مِنْ نِيَّةِ إمَامِهِ ، فَإِنْ كَانَ الْإِمَامُ مِنْ الْجَانِبِ الْأَيْمَنِ أَوْ الْأَيْسَرِ نَوَاهُ فِيهِمْ) وَإِنْ كَانَ بِحِذَائِهِ نَوَاهُ فِي الْأُولَى عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَرْجِيحًا لِلْجَانِبِ الْأَيْمَنِ ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ نَوَاهُ فِيهِمَا لِأَنَّهُ ذُو حَظٍّ مِنْ الْجَانِبَيْنِ

(وَالْمُنْفَرِدُ يَنْوِي الْحَفَظَةَ لَا غَيْرُ) لِأَنَّهُ لَيْسَ مَعَهُ سِوَاهُمْ (وَالْإِمَامُ يَنْوِي بِالتَّسْلِيمَتَيْنِ) هُوَ الصَّحِيحُ ، وَلَا يَنْوِي فِي الْمَلَائِكَةِ عَدَدًا مَحْصُورًا لِأَنَّ الْأَخْبَارَ فِي عَدَدِهِمْ قَدْ اخْتَلَفَتْ فَأَشْبَهَ الْإِيمَانَ بِالْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمْ السَّلَامُ ، ثُمَّ إصَابَةُ لَفْظِ السَّلَامِ وَاجِبَةٌ عِنْدَنَا وَلَيْسَتْ بِفَرْضٍ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ . هُوَ يَتَمَسَّكُ بِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "(تَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ). "

وَلَنَا مَا رَوَيْنَا مِنْ حَدِيثِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، وَالتَّخْيِيرُ يُنَافِي الْفَرْضِيَّةَ وَالْوُجُوبَ ، إلَّا أَنَّا أَثْبَتْنَا الْوُجُوبَ بِمَا رَوَاهُ احْتِيَاطًا ، وَبِمِثْلِهِ لَا تَثْبُتُ الْفَرْضِيَّةُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ .

ترجمه

اور مقتدی کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے امام کی نیت کرے۔لہذا اگر وہ امام کی دائیں یا بائیں طرف ہوتو وہ انہیں میں نیت کرے۔اور امام مقتدی کے سامنے ہوتو امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک دائیں جانب کو ترجیح دیتے ہوئے وہ پہلے سلام میں نیت کرے۔جبکہ طرفین کے نزدیک وہ دونوں سلاموں میں امام کی نیت کرے۔کیونکہ امام دونوں اطراف سے حصہ لینے والا ہے۔

اور منفرد صرف فرشتوں کی نیت کرے گا کیونکہ ان کے سوا اس کے ساتھ کوئی نہیں ہے۔اور صحیح روایت کے مطابق امام دونوں سلاموں میں نیت کرے گا۔اور فرشتوں کی نیت کرنے میں عدد کا حصر نہ کرے۔کیونکہ فرشتوں کی تعداد میں اخبار واحادیث مختلف ہیں۔لہذا یہ انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لانے کے مشابہ ہوگیا۔ہمارے نزدیک لفظ "السلام" ادا کرنا واجب ہے۔فرض نہیں ہے۔جبکہ اس میں امام شافعی علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے وہ اس حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی حدیث " تَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ) " "

جبکہ ہماری دلیل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے۔کیونکہ اختیار دینا یہ فرضیت وجوب کے منافی ہے لیکن امام شافعی علیہ الرحمہ کی روایت کردہ حدیث کی بناء پر بطور احتیاط وجوب ثابت کیا ہے۔لہذا اس طرح کی حدیث سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔اللہ سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

نماز میں سلام ،نیت اور بھلائی کے احکام:

حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ سلام پھیرتے وقت امام کے سلام کے جواب کی نیت کریں، ہم آپس میں محبت رکھیں اور ایک دوسرے کو سلام کریں۔(ابوداؤد)

پہلے حکم کا مطلب یہ ہے کہ مقتدی جب سلام پھیریں تو اس وقت وہ یہ نیت کریں کہ ہم امام کے سلام کا جواب دے رہے ہیں، اس کی شکل یہ ہوگی جو مقتدی امام کے دائیں جانب ہوں وہ تو دوسرے سلام میں، جو مقتدی بائیں جانب ہوں وہ پہلے سلام میں اور جو مقتدی امام کے مقابل ہوں وہ دونوں سلام میں امام کے سلام کے جواب کی نیت کریں اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جب امام سلام پھیرے تو وہ بھی اس وقت یہ نیت کرے کہ میں مقتدیوں کو سلام کر رہا ہوں۔

دوسرے حکم کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان آپس میں یعنی نمازیوں اور اللہ کے تمام بندوں سے محبت کریں، ان کے ساتھ خوش خلقی، مروت اور اچھے اخلاق سے پیش آئیں۔

تیسرے حکم کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح امام سلام پھیرتے وقت مقتدیوں پر سلام کی اور مقتدی سلام پھیرتے وقت امام کے سلام کے جواب کی نیت کرتے ہیں اسی طرح تمام مقتدی نماز میں سلام پھیرتے وقت آپس میں ایک دوسرے کے سلام کی نیت کریں۔ اس طرح کہ دائیں طرف سلام پھیرتے وقت دائیں جانب کے مقتدیوں کی نیت کریں اور بائیں طرف سلام پھیرتے وقت بائیں جانب کے مقتدیوں کی نیت کرنی چاہیے۔ اور ہر نمازی کو چاہئے کہ وہ دونوں سلام میں ملائکہ کی بھی نیت کرے کیونکہ احادیث میں اس کا حکم بھی دیا گیا ہے اور علمائے احناف نے تو کہا ہے کہ یہ سنت ہے گو دوسرے حضرات نے اسے ترک کیا ہے۔

نماز کے اختتام پر بلند آواز سے ذکر کرنا:

امام بخاری و مسلم اپنی اسناد کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے ختم ہونے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ اکبر کہنے سے پہچان لیتا تھا۔

(صحیح البخاری، ج۱، ص ۱۱۶، قدیمی کتب خانہ کراچی و صحیح مسلم)

نماز کے اختتام پر اللہ اکبر کہنے کی مراد کے تعین میں شارحین کے مختلف اقوال ہیں، چنانچہ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنے سے مراد ذکر ہے جیسا کہ صحیحین میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں فرض نماز سے فراغت کے وقت لوگوں کے لیے بآواز بلند ذکر مقرر تھا۔ پھر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، کہ میں نماز کے اختتام کو اسی کے ذریعہ پہچانتا تھا (یعنی جب لوگ بلند آواز سے ذکر کرتے تھے تو میں جان لیتا تھا کہ نماز ہو چکی ہے)۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد محمد بن اسماعیل البخاری نے پھر عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت کو نقل کیا ہے جو یہاں ذکر کی گئی ہے لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ تکبیر سے مراد مطلق ذکر ہے۔

لیکن اتنی بات بھی سمجھتے چلئے کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ذکر بالجہر کو تعلیم امت پر محمول کیا ہے چنانچہ بیہقی وغیرہ نے آہستہ آواز سے ذکر کرنے پر صحیحین کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو اس بات کا حکم دیا کرتے تھے کہ وہ تہلیل و تکبیر بلند آواز سے نہ کریں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو، وہ (یعنی خدا) تو تمہارے ساتھ ہے اور قریب ہے۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہاں تکبیر سے مراد وہ تکبیر ہے جو نماز کے بعد تسبیح وتحمید کے ساتھ دس مرتبہ یا تیس مرتبہ پڑھتے ہیں۔کچھ محققین کی رائے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نماز کے بعد ایک بار یا تین بار تکبیر کہی جاتی تھی۔

بعض علماء کا قول ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کا تعلق ایام منیٰ سے ہے کہ وہاں تشریق کی تکبیرات کہتے تھے، بہر حال۔ان تمام اقوال کو سامنے رکھتے ہوئے بھی سب سے بڑا اشکال حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول پر یہ وارد ہوتا ہے کہ یہ کیا وجہ ہے کہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سلام سے تو نماز کے اختتام کو نہ جانتے تھے اور تکبیر سے جانتے تھے کہ نماز ہو چکی ہے۔؟

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت صغیر السن تھے اس لیے ممکن ہے کہ وہ ہمیشہ جماعت میں شریک نہ ہوتے ہوں گے، یا پھر یہ احتمال ہے کہ وہ جماعت میں شریک تو ہوتے ہوں گے لیکن پچھلی صف میں کھڑے ہوتے ہوں گے اس لیے وہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز نہ پہنچنے کے سبب وہ سلام پر نماز کے اختتام کو نہ پہچانتے ہوں گے بلکہ جب مقتدی با آواز بلند تکبیر کہتے ہوں گے تو وہ یہ جان لیتے ہوں گے کہ نماز ختم ہوگئی ہے۔

اس حدیث میں فرض نماز کے بعد ذکر کرنے کا بیان ہوا ہے ہم نے صحیح بخاری کی اس روایت کو اس لئے پیش کیا ہے کہ نام نہاد اسلام کی تبلیغ کرنے والے اور بخاری کا صرف نام استعمال کر کے لوگوں کو اپنی ذاتی خواہشات کی طرف ورغلانے والوں کو یہ پتہ چل جائے کہ وہ اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں۔اور بغیر علم کے فرض نمازوں کے بعد والے ذکر کو بدعت کہہ دیتے ہیں۔

فصل فی القرأت

﴿یہ فصل نماز میں قرأت کے بیان میں ہے﴾

فصل قرأت کی ماقبل فصل سے مطابقت:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ یہ فصل نماز میں قرأت کے احکام کے بیان میں ہے۔ بے شک احکام قرأت کو علیحدہ اس لئے بیان کیا ہے تا کہ احکام نماز میں زیادہ اضافہ نہ ہو۔ اور یہ بھی وجہ ہے کہ قرأت کے احکام اتنے زیادہ ہیں جو اس کے سوا میں نہیں ہیں۔ اور اسکے احکام میں جہر وسری حکم ہے۔ حکم جہری صفات کی طرف لوٹنے والا ہے جبکہ حکم سری ذات کی طرف لوٹنے والا ہے۔ لہذا مناسب تھا کہ ذات کو صفات پر مقدم کیا جاتا جبکہ یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ جہر ادائے کامل کے ساتھ متعلق ہے اور سری قرأت کامل وناقص دونوں پر مشتمل ہے۔ اور ادائے کامل کا تعلق چونکہ اصل ہے لہذا اس کو مقدم کردیا۔ (البنایہ شرح الہدایہ، ج ۲، ص ۳۲۸، حقانیہ ملتان)

نماز میں قرأت کے بارے میں فقہی مذاہب کا بیان:

نماز میں قرأت یعنی قرآن کریم پڑھنا تمام علماء کے نزدیک متفقہ طور پر فرض ہے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ کتنی رکعتوں میں پڑھنا فرض ہے؟ چنانچہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک پوری نماز میں قرأت فرض ہے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاں للاکثر حکم الکل (اکثر کل کے حکم میں ہے) کے کلیہ کے مطابق تین رکعت میں فرض ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مسلک کے مطابق دو رکعتوں میں قرأت فرض ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک قول مشہور ہے کے مطابق امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مسلک کے موافق ہے۔ حضرت حسن بصری اور حضرت زفر رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما کے نزدیک صرف ایک رکعت میں قرأت فرض ہے۔

جہری نمازوں میں قرأت کے حکم کا بیان:

قَالَ (وَيَجْهَرُ بِالْقِرَاءَةِ فِي الْفَجْرِ وَفِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ مِنْ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ إنْ كَانَ إمَامًا) وَيُخْفِي فِي الْأُخْرَيَيْنِ هَذَا هُوَ الْمَأْثُورُ الْمُتَوَارَثُ (وَإِنْ كَانَ مُنْفَرِدًا فَهُوَ مُخَيَّرٌ إنْ شَاءَ جَهَرَ وَأَسْمَعَ نَفْسَهُ) لِأَنَّهُ إمَامٌ فِي حَقِّ نَفْسِهِ (وَإِنْ شَاءَ خَافَتَ) لِأَنَّهُ لَيْسَ خَلْفَهُ مَنْ يَسْمَعُهُ ، وَالْأَفْضَلُ هُوَ الْجَهْرُ لِيَكُونَ الْأَدَاءُ عَلَى هَيْئَةِ الْجَمَاعَةِ .(وَيُخْفِيهَا الْإِمَامُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَإِنْ كَانَ بِعَرَفَةَ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "(صَلَاةُ النَّهَارِ عَجْمَاءُ) " أَيْ لَيْسَتْ فِيهَا قِرَاءَةٌ مَسْمُوعَةٌ ، وَفِي عَرَفَةَ خِلَافُ مَالِكٍ رَحِمَهُ اللَّهُ ، وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا رَوَيْنَاهُ .

ترجمہ:

اور اگر وہ امام ہے تو فجر کی نماز میں اور مغرب وعشاء کی پہلی دو رکعتوں میں جہری قرأت کرے۔ اور دوسری نمازوں میں اخفاء کرے۔ یہی وراثتاً ماثور ہے۔ اور نماز پڑھنے والا اکیلا ہو تو اسے اختیار خواہ وہ جہر پڑھے اور اپنے آپ کو سنائے کیونکہ وہ اپنے حق میں امام بھی ہے۔ اور اگر وہ چاہے تو آہستہ پڑھے کیونکہ اس کے پیچھے کوئی نہیں جس کو وہ سنائے۔ جبکہ افضل یہی ہے کہ وہ جہر کرے تاکہ جماعت کی صورت پر نماز ادا ہو۔

اور وہ ظہر وعصر میں آہستہ قرأت کرے۔ خواہ وہ عرفہ میں ہو۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دن کی نماز گونگی ہے۔ یعنی وہ ایسی نماز ہے جس میں قرأت نہیں سنی جاتی۔ اور مقام عرفہ میں امام مالک علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے اور امام مالک علیہ الرحمہ کے خلاف وہی دلیل ہے جسے ہم ذکر کر چکے ہیں۔

جہری وسری نمازوں میں جہر واخفاء کی وجہ:

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ یہ احکام ہیں بندے کو حکم ماننا چاہیئے حکمت کی تلاش ضرور نہیں۔ اس کے دو سبب بتائے جاتے ہیں ایک ظاہری کہ کفار قرآن عظیم سُن کر بیہودہ بکا کرتے تھے ظہر وعصر دونوں ان کی بیداری کے تھے اس لئے ان میں قرأت خفی کوئی کہ وہ سُن کر کچھ بکیں نہیں، فجر وعشا کے وقت وہ سوئے ہوتے تھے اور مغرب کے وقت کھانے میں مشغول ،لہذا ان میں قرأت بالجہر ہوئی، مگر یہ سبب چنداں قوی نہیں۔ دوسرا سبب صحیح وقوی باطنی وہ ہے جو ہم نے اپنے رسالہ انھار الانوار میں ذکر کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۶، مسئلہ نمبر ۵۲۵، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

قرات کے متعلق اہم مسائل:

مسئلہ: سورۂ فاتحہ پوری پڑھنا یعنی اس کے ساتوں آیتیں مستقل پڑھنا واجب ہے۔ سورۂ فاتحہ میں سے ایک آیت بلکہ ایک لفظ کا ترک کرنا ترکِ واجب ہے۔ (بہار شریعت)

مسئلہ: سورۂ فاتحہ پڑھنے میں اگر ایک لفظ بھی بھولے سے رہ جائے تو سجدۂ سہو کرے۔ (درمختار)

مسئلہ: الحمد للہ (سورۂ فاتحہ) کے ساتھ سورت ملانا واجب ہے۔ یعنی ایک چھوٹی سورت یا تین چھوٹی آیت یا ایک بڑی آیت تین چھوٹی آیت کے برابر (بہار شریعت، فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: الحمد للہ شریف تمام وکمال پڑھنا واجب ہے اور اس کے ساتھ کسی دوسری سورت سے ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتیں پڑھنا بھی واجب ہے۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: فرض نماز کی پہلی دو رکعتوں میں الحمد کے ساتھ سورت ملانا واجب ہے۔ (بہار شریعت)

مسئلہ: وتر، سنت اور نفل نماز کی ہر رکعت میں الحمد کے ساتھ سورت ملانا واجب ہے۔ (بہار شریعت)

مسئلہ: اگر کوئی شخص سورۂ فاتحہ کے بعد سورت ملانا بھول گیا یا سورۂ فاتحہ پڑھنا بھول گیا اور بغیر سورۂ فاتحہ سورت پڑھی تو سجدۂ سہو کرنے سے نماز ہوجائے گی۔ (فتاوی رضویہ)

مسئلہ: الحمدللہ (سورۂ فاتحہ) کو سورت سے پہلے پڑھنا واجب ہے۔ (بہار شریعت)

مسئلہ: الحمد شریف صرف ایک ہی مرتبہ پڑھنا واجب ہے۔ زیادہ مرتبہ پڑھنا ترک واجب ہے (بہار شریعت)

مسئلہ: الحمد اور سورت کے درمیان فصل (وقفہ) نہ ہو یعنی الحمد کے بعد فوراً سورت کا پڑھنا اور دونوں کے درمیانی کسی اجنبی کا فاصل نہ ہونا واجب ہے۔ آمین سورۂ فاتحہ کے تابع ہے اور بسم اللہ سورت کے تابع ہونے کی وجہ سے فاصل نہیں۔ (بہار شریعت)

مسئلہ: سورت پہلے پڑھی اور الحمدللہ بعد میں پڑھی یا الحمد شریف اور سورت کے درمیان دیر کی یعنی تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کی قدر چپ رہا تو سجدۂ سہو واجب ہے۔ (درمختار)

مسئلہ: سورتوں کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم ایک پوری آیت ہے مگر صرف اس کے پڑھنے سے فرض ادا نہ ہوگا۔ (درمختار)

مسئلہ: جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والے نمازی یعنی مقتدی کو نماز میں قرات پڑھنا جائز نہیں۔ نہ سورۂ فاتحہ پڑھے نہ ہی کوئی دوسری آیت پڑھے۔ یہاں تک کہ ظہر وعصر میں اور مغرب وعشاء کی تیسری اور چوتھی رکعت میں کہ جب امام آہستہ قرات پڑھتا ہے ان تمام رکعتوں میں اور جہر یعنی بلند آواز سے پڑھی جانے والی رکعتوں میں بھی مقتدی کو قرات پڑھنا جائز نہیں۔ امام کی قرات مقتدی کے لئے کافی ہے۔ (فتاوی رضویہ)

مسئلہ: نماز میں تعوذ وتسمیہ قرات کے تابع ہیں اور مقتدی پر قرات نہیں لہٰذا تعوذ وتسمیہ بھی مقتدی کے لئے مسنون نہیں۔ لیکن جس مقتدی کی کوئی رکعت جاتی رہی ہو تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد جب وہ اپنی باقی رکعت پڑھے اس وقت ان دونوں کو پڑھے۔ (درمختار)

مسئلہ: امام نے جہری نماز میں قرات شروع کردی ہو تو مقتدی ثنا نہ پڑھے بلکہ خاموش رہ کر قرات سنے کیوں کہ قرات کا سننا فرض ہے۔ (فتاوی رضویہ)

مسئلہ: قرات خواہ سری ہو خواہ جہری ہو، بسم اللہ ہر حال میں آہستہ پڑھی جائے گی۔ (درمختار، فتاوی رضویہ)

مسئلہ: اگر سورۂ فاتحہ کے بعد کسی سورت کو اول سے شروع کرے تو سورۂ فاتحہ کے بعد بھی سورت پڑھتے وقت بسم اللہ پڑھنا مستحسن ہے۔ (درمختار)

مسئلہ: تعوذ پہلی رکعت میں ہے اور تسمیہ ہر رکعت کے شروع میں مسنون ہے (ردالمحتار)

مسئلہ: مغرب وعشاء کی پہلی دو رکعتوں یں اور فجر، جمعہ، عیدین، تراویح اور رمضان کی وتر کی سب رکعتوں میں امام پر جہر یعنی بلند آواز سے قرات پڑھنا واجب ہے۔ (درمختار)

مسئلہ: مغرب کی تیسری رکعت، عشاء کی آخری دو رکعت اور ظہر وعصر کی تمام رکعتوں میں امام کو آہستہ قرات پڑھنا واجب ہے۔ (درمختار، فتاوٰی رضویہ)

مسئلہ: جہر کے یہ معنی ہیں کہ دوسرے لوگ یعنی کم از کم وہ لوگ جو پہلی صف میں ہیں وہ سن سکیں یہ ادنٰی درجہ قرات کرنے کا ہے۔ اور اعلیٰ درجہ کے لئے کوئی حد مقرر نہیں اور آہستہ قرات کرنے کے معنی یہ ہیں کہ خود سن سکے۔ (عامہ کتب)

مسئلہ: اس طرح پڑھنا کہ فقط ایک دو آدمی جو امام کے قریب ہیں وہی سن سکیں تو اس طرح پڑھنا جہر نہیں بلکہ آہستہ ہے۔ (درمختار)

مسئلہ: ضرورت سے زیادہ اس قدر بلند آواز سے پڑھنا کہ اپنے یا دوسروں کے لئے باعث تکلیف ہو مکروہ ہے۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: نماز میں آمین بلند آواز سے کہنا مکروہ اور خلاف سنت ہے۔ (فتاوٰی رضویہ)

مسئلہ: رات میں جماعت سے نفل پڑھنے میں امام پر جہر سے قرات پڑھنا واجب ہے۔ (درمختار)

مسئلہ: دن میں نوافل پڑھنے میں آہستہ پڑھنا واجب ہے اور رات کے نوافل اگر تنہا پڑھتا ہے تو اختیار ہے۔ چاہے آہستہ پڑھے یا بلند آواز سے (جہر) پڑھے۔ (درمختار)

مسئلہ: منفرد یعنی اکیلے نماز پڑھنے والے کو جہری نماز (فجر، مغرب، عشاء) میں اختیار ہے۔ چاہے تو آہستہ قرات پڑھے اور چاہے تو بلند آواز سے پڑھے لیکن افضل یہ ہے کہ بلند آواز (جہر) سے پڑھے جبکہ ادا پڑھتا ہو اور اگر قضا پڑھتا ہو تو آہستہ قرات پڑھنا واجب ہے۔ (درمختار)

مسئلہ: بہتر یہ ہے کہ پہلی رکعت کی قرات دوسری رکعت کی قرات سے قدرے زیادہ ہو۔ یہی حکم جمعہ وعیدین کی نماز میں بھی ہے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: دوسری رکعت کی قرات پہلی رکعت کی قرات سے طویل کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ جب کہ فرق صاف طور پر ظاہر اور معلوم ہو۔ (درمختار، ردالمحتار، فتاوٰی رضویہ)

مسئلہ: امام کے لئے ضروری ہے کہ بیمار، ضعیف بوڑھے اور کام پر جانے والے ضرورت مند مقتدیوں کا لحاظ کرتے ہوئے طویل قرات نہ کرے کہ ان کو تکلیف پہنچے بلکہ قرات میں اختصار کرے۔ (فتاوٰی رضویہ)

مسئلہ: بہتر یہ ہے کہ سنن اور نوافل کی دونوں رکعتوں میں برابر کی سورتیں پڑھے۔ (منیۃ المصلی)

مسئلہ: فرض نماز میں ٹھہر ٹھہر کر قرات کرنا چاہئے اور تراویح میں متوسط (درمیانی) انداز میں اور نوافل میں جلد پڑھنے کی

اجازت ہے مگر جلدی میں بھی اس طرح پڑھنا چاہئے کہ سمجھ میں آ سکے یعنی کم از کم مد کا جو درجہ قاریوں نے رکھا ہے اسکو ادا کرے ورنہ حرام ہے کیونکہ قرآن مجید کو ترتیل سے پڑھنے کا حکم ہے۔ (درمختار، ردالمحتار)

مسئلہ: آج کل رمضان میں اکثر حفاظ تراویح میں قرآن مجید اس طرح جلدی جلدی پڑھتے ہیں کہ مد کا ادا ہونا تو بڑی بات ہے یعلمون، تعلمون کے سوا کسی لفظ کی شناخت نہیں ہوتی۔ حروف کی تصحیح نہیں ہوتی بلکہ جلدی جلدی میں لفظ کا لفظ کھا جاتے ہیں (غائب کر دیتے ہیں) اور اس طرح غلط پڑھنے پر فخر کیا جاتا ہے کہ فلاں حافظ اس قدر جلد پڑھتا ہے۔ حالانکہ اس طرح قرآن مجید پڑھنا حرام اور سخت حرام ہے۔ (بہار شریعت)

مسئلہ: قرآن مجید الٹا پڑھنا یعنی پہلی رکعت میں بعد والی سورت پڑھنا اور دوسری رکعت میں اس کے اوپر والی سورت پڑھنا سخت گناہ ہے۔ مثلاً پہلی رکعت یں سورہ الکافرون (قل یا ایھا الکافرون) اور دوسری میں سورۂ فیل (الم تر کیف) پڑھنا۔ (درمختار)

مسئلہ: الٹا قرآن شریف پڑھنے کے لئے سخت وعید آئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جو قرآن الٹ کر پڑھتا ہے وہ کیا خوف نہیں کرتا کہ اللہ اس کا دل الٹ دے۔ (بہار شریعت)

مسئلہ: اگر بھول کر خلاف ترتیب (الٹا) پڑھا تو نہ گناہ ہے اور نہ سجدۂ سہو ہے۔ (بہار شریعت)

مسئلہ: اگر امام نے بھول کر پہلی رکعت میں سورۃ الناس اور دوسری میں سورۃ الفلق پڑھی تو بھول کر ایسا کرنے سے نماز میں حرج نہیں اور سجدۂ سہو کی بھی ضرورت نہیں اور اگر قصداً ایسا کیا تو گنہگار ہوگا لیکن نماز ہو جائے گی۔ سجدۂ سہو اب بھی نہیں چاہیئے۔ توبہ کرے اور آئندہ ایسا کرنے سے اجتناب کرے۔ (فتاوٰی رضویہ)

مسئلہ: پہلی رکعت میں بڑی سورت پڑھنا اور دوسری رکعت میں پہلی رکعت والی سورت کے بعد والی چھوٹی سورت کو چھوڑ کر، اس چھوٹی سورت کے بعد والی بڑی سورت پڑھنا مکروہ ہے۔ مثلاً پہلی رکعت میں قل یا ایھا الکافرون پڑھنا اور دوسری رکعت میں تبت یدا ابی لھب پڑھنا اور اذا جاء نصر اللہ کو چھوڑنا (درمختار، فتاوٰی رضویہ)

مسئلہ: دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورت کی تکرار کرنا مکروہ تنزیہی ہے جبکہ کوئی مجبوری نہ ہو اور اگر مجبوری ہو تو بالکل کراہت نہیں۔ مثلاً پہلی رکعت میں پوری سورہ الناس (قل اعوذ برب الناس) پڑھی تو اب دوسری میں بھی یہی پڑھے یا دوسری رکعت میں بھی بلا قصد پہلی رکعت والی سورت پڑھنا شروع کر دی یا اس کو صرف ایک ہی سورت یاد ہے، تو ان تمام سورتوں میں ایک ہی سورت کی دونوں رکعتوں میں تکرار جائز ہے۔ (ردالمحتار، فتاوٰی رضویہ)

مسئلہ: نوافل کی دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورت کو مکرر پڑھنا یا ایک رکعت میں اسی سورت کو بار بار پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔ (غنیۃ، فتاوٰی رضویہ)

مسئلہ: قرات میں آیت سجدہ پڑھے تو چاہے تراویح کی نماز ہو، چاہے فرض یا اور کوئی نماز ہو۔ اکیلا پڑھتا ہو یا جماعت سے پڑھتا ہو، اگر نماز میں آیت سجدہ پڑھے تو فوراً سجدہ کرے۔ تین آیت پڑھنے کی مقدار کے وقت سے زیادہ دیر لگانا گناہ ہے۔ (فتاوٰی رضویہ)

مسئلہ: سورۂ فاتحہ کے بعد سورت سوچنے میں اتنی دیر لگائی کہ تین مرتبہ سبحان اللہ کہہ لیا جائے تو قرات میں تاخیر ہونے کی وجہ سے ترک واجب ہوا لہٰذا سجدہ سہو کرنا واجب ہے۔ (فتاوٰی رضویہ)

مسئلہ: نماز میں قرآن شریف سے دیکھ کر قرات پڑھنے سے نماز فاسد ہو جائیگی۔ یونہی اگر محراب وغیرہ میں لکھا ہوا ہے، تو اسے دیکھ کر پڑھنے سے بھی نماز فاسد یعنی ٹوٹ جائے گی۔ (درمختار، ردالمحتار)

مسئلہ: اگر ثنا، تعوذ اور تسمیہ پڑھنا بھول گیا اور قرات شروع کر دی تو اعادہ نہ کرے کہ ان کا محل ہی فوت ہو گیا یونہی اگر ثنا پڑھنا بھول گیا اور تعوذ شروع کر دیا تو ثنا کا اعادہ نہ کرے۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: امام نے جہر (بلند آواز) سے قرات شروع کر دی تو مقتدی ثنا نہ پڑھے اگر چہ دور والی صف میں ہونے یا بہرہ ہونے کی وجہ سے امام کی آواز نہ سنتا ہو، جیسے جمعہ وعیدین میں پچھلی صف کے مقتدی کہ بوجہ دور ہونے کے قرات نہیں سن پاتے اور اگر امام قرات بالسر یعنی آہستہ پڑھتا ہو مثلاً ظہر یا عصر میں تو مقتدی ثنا پڑھ سکتا ہے۔ (عالمگیری، ردالمحتار)

مسئلہ: قرآت ختم ہوتے ہی متصلاً رکوع کرنا واجب ہے۔ (بہار شریعت)

مسئلہ: رکوع کے لئے تکبیر کہی مگر ابھی رکوع میں نہ گیا تھا یعنی گھٹنوں تک ہاتھ پہنچنے کے قابل نہیں جھکا تھا کہ اور زیادہ پڑھنے کا ارادہ ہوا تو پڑھ سکتا ہے، کچھ حرج نہیں۔ (عالمگیری)

مسئلہ: نماز میں الحمد شریف کے بعد سہواً سورت ملانا بھول گیا تو اگر رکوع میں یاد آ جائے تو فوراً کھڑا ہو کر سورت پڑھے پھر دوبارہ رکوع کرے، پھر نماز تمام کر کے آخر میں سجدۂ سہو کرے اور اگر سجدہ میں یاد آئے تو صرف اخیر میں سجدۂ سہو کر لے۔ نماز ہو جائے گی اور نماز دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ (فتاوٰی رضویہ)

مسئلہ: نماز میں آیت سجدہ پڑھی اور سجدہ میں سہواً تین آیت پڑھنے کے وقت جتنی یا زیادہ کی دیر ہو گئی تو سجدۂ سہو کرے۔ (غنیۃ)

مسئلہ: اگر سرّی نماز میں امام نے بھول کر ایک آیت بلند آواز سے پڑھ دی تو سجدۂ سہو واجب ہوگا اور اگر سجدہ سہو نہ کیا یا قصداً بلند آواز سے پڑھا، تو نماز کا اعادہ (پھیرنا) واجب ہے۔ (فتاوٰی رضویہ)

مسئلہ: قرآن کی ہر آیت پر وقف مطلقاً بلا کراہت جائز بلکہ سنت سے مروی ہے۔ بلکہ جس آیت پر لا کی علامت ہو اور اس پر وقف کر کے رکوع کر دیا تو بھی نماز ہو جائے گی۔ (فتاوٰی رضویہ)

مسئلہ: سورۂ فاتحہ کی ابتدا میں تسمیہ پڑھنا سنت ہے اور سورۂ فاتحہ کے بعد اگر کوئی سورت یا کسی سورت کی شروع کی آیتیں پڑھے تو ان سے پہلے تسمیہ پڑھنا مستحب ہے پڑھے تو اچھا، نہ پڑھے تو حرج نہیں۔ (فتاوٰی رضویہ)

مسئلہ: نماز کی ہر رکعت میں امام ومنفرد (اکیلا نماز پڑھنے والا) کو سورۂ فاتحہ میں ولا الضالین کے بعد آمین کہنا سنت ہے۔ (فتاوٰی رضویہ)

مسئلہ: امام کی آواز کسی مقتدی تک نہ پہنچی مگر اس کے برابر والے مقتدی نے آمین کہی اور اس نے آمین کی آواز سن لی، اگرچہ اس مقتدی نے آہستہ کہی ہے، تو یہ بھی امین کہے۔ غرض یہ کہ امام کا ولا الضالین کہنا معلوم ہوا تو آمین کہنا سنت ہو جائے گا۔ پھر چاہے امام کی آواز سننے سے معلوم ہو یا کسی مقتدی کے آمین کہنے سے معلوم ہو۔ (درمختار)

مسئلہ: سرّی نماز میں امام نے آمین کہی اور مقتدی اس کے قریب تھا اور مقتدی نے امام کی آمین کہنے کی آواز سن لی تو مقتدی بھی آمین کہے۔ (درمختار)

مسئلہ: اگر کسی نے فرض نماز کی پچھلی دو رکعت میں سہواً (بھول کر) یا قصداً (جان بوجھ کر) الحمد شریف کے بعد کوئی ایک سورت ملائی تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اس کی نماز میں کچھ خلل نہ آیا اور اس کو سجدۂ سہو کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔ (فتاوٰی رضویہ)

مسئلہ: تعوذ صرف پہلی رکعت میں ہے۔ ہر رکعت کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا مسنون ہے۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: قیام کے سوا رکوع وسجود وقعود میں کسی جگہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا جائز نہیں کہ وہ قرآن کی آیت ہے اور نماز میں قیام کے سوا اور جگہ قرآن کی کوئی آیت پڑھنی ممنوع ہے۔ (فتاوٰی رضویہ)

مسئلہ: زبان سے جس سورت کا ایک لفظ نکل جائے اسی کا پڑھنا لازم ہے خواہ وہ قبل کی ہو یا بعد کی خواہ مکرر پڑھ رہا ہو۔ ہر حال میں اسی سورت کو پڑھنا لازم ہے۔ (فتاوٰی رضویہ)

مسئلہ: نماز میں بسم اللہ شریف بلند آواز سے پڑھنا منع ہے۔ صرف تراویح میں جب کلام مجید ختم کیا جائے تو سورۂ بقرہ سے سورۂ ناس تک کسی ایک سورۃ پر آواز سے پڑھ لی جائے کہ ختم پورا ہو۔ اور ہر سورہ پر آواز سے پڑھنا ممنوع اور مذہب حنفی کے خلاف ہے۔ (فتاوٰی رضویہ)

مسئلہ: مستحب طریقہ یہ ہے کہ سورت کے آخر میں اگر نام الٰہی ہے مثلاً سورۂ نصر یعنی اذا جاء نصر اللہ کے آخر میں انہ کان توابا پر نہ ٹھہرے بلکہ رکوع کی تکبیر اللہ اکبر سے وصل کرے یعنی توابا ن اللہ اکبر پڑھے۔ اسی طرح سورہ والتین میں احکم الحاکمین کے ن کو زبر دے کر اللہ اکبر کے لام میں ملا دے۔ اور جس سورۃ کے آخر میں نام الٰہی نہ ہو اور کوئی لفظ نامِ الٰہی کے مناسب نہ ہو وہاں اختیار یہ ہے کہ وصل کرے یعنی ملائے یا وقف کرے یعنی نہ ملائے۔ مثلاً سورۂ الم نشرح میں فارغب پر ٹھہر بھی سکتا ہے اور فارغب کو اللہ اکبر سے ملا بھی سکتا ہے۔ اور جس سورۃ میں کوئی لفظ اسم الٰہی کے نامناسب ہو وہاں ہرگز

وصل نہ کرے بلکہ فصل کرے مثلاً سورہ الکوثر میں ہوالا بتر میں فصل کرے، وصل نہ کرے یعنی ٹھہرے اور نہ ملائے۔

(فتاویٰ رضویہ، باب القرأۃ)

جمعہ وعیدین میں جہری قرأت کا بیان:

(وَيَجْهَرُ فِي الْجُمُعَةِ وَالْعِيدَيْنِ) لِوُرُودِ النَّقْلِ الْمُسْتَفِيضِ بِالْجَهْرِ ، وَفِي التَّطَوُّعِ بِالنَّهَارِ يُخَافِتُ وَفِي اللَّيْلِ يَتَخَيَّرُ اعْتِبَارًا بِالْفَرْضِ فِي حَقِّ الْمُنْفَرِدِ ، وَهَذَا لِأَنَّهُ مُكَمِّلٌ لَهُ فَيَكُونُ تَبَعًا

(مَنْ فَاتَتْهُ الْعِشَاءُ فَصَلَّاهَا بَعْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ إنْ أَمَّ فِيهَا جَهَرَ) كَمَا فَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ قَضَى الْفَجْرَ غَدَاةَ لَيْلَةِ التَّعْرِيسِ بِجَمَاعَةٍ (وَإِنْ كَانَ وَحْدَهُ خَافَتَ حَتْمًا وَلَا يَتَخَيَّرُ هُوَ الصَّحِيحُ) لِأَنَّ الْجَهْرَ يَخْتَصُّ إمَّا بِالْجَمَاعَةِ حَتْمًا أَوْ بِالْوَقْتِ فِي حَقِّ الْمُنْفَرِدِ عَلَى وَجْهِ التَّخْيِيرِ وَلَمْ يُوجَدْ أَحَدُهُمَا .

ترجمہ:

اور جمعہ وعیدین میں جہر کرے۔ کیونکہ نقل مشہور جہر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔اور وہ دن کے نوافل میں اخفاء کرے جبکہ رات کے نوافل میں اس کو اختیار ہے۔اسی قیاس کے مطابق جو منفرد کے حق میں تھا۔اور یہ بھی دلیل ہے کہ نفل فرض کو پورا کرنے کیلئے ہوتا ہے لہذا وہ فرض کے تابع ہوگا۔

اور جس شخص کی نماز عشاء فوت ہوگئی پس اس نے طلوع آفتاب کے بعد قضاء کی اور اگر وہ قضاء میں امامت کرے تو وہ جہر کرے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے تعریس کی رات قضاء ہونے والی نماز کو فجر کے وقت اسی طرح جماعت کے ساتھ قضاء کیا تھا

جمعہ وعیدین میں قرأت کرنے کے بیان میں:

حضرت عبید اللہ بن رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مروان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ میں خلیفہ (یعنی اپنا قائم مقام گورنر) مقرر کیا اور خود مکہ چلا گیا چنانچہ (اس کی عدم موجودگی میں) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیں جمعہ کی نماز پڑھائی اور انھوں نے پہلی رکعت میں سورہ جمعہ اور دوسری رکعت میں سورہ اذا جائک المنافقون پڑھی اور فرمایا کہ میں نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو جمعہ کے روز (یعنی نماز جمعہ) ان دونوں سورتوں کو پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ (صحیح مسلم) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم عیدین و جمعہ کی نماز میں سبح اسم ربک الاعلی اور ھل اتاک حدیث الغاشیۃ (یہ سورتیں) پڑھا کرتے تھے۔اور حضرت نعمان فرماتے ہیں کہ جب عید اور جمعہ ایک دن جمع ہو جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم (عید و جمعہ میں) کی دونوں نمازوں میں یہی دونوں سورتیں پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم)

جس نے اولین میں فاتحہ نہ پڑھی:

(وَمَنْ قَرَأَ فِي الْعِشَاءِ فِي الْأُولَيَيْنِ السُّورَةَ وَلَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ لَمْ يُعِدْ فِي الْأُخْرَيَيْنِ ، وَإِنْ قَرَأَ الْفَاتِحَةَ وَلَمْ يَزِدْ عَلَيْهَا قَرَأَ فِي الْأُخْرَيَيْنِ الْفَاتِحَةَ وَالسُّورَةَ وَجَهَرَ) وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ .

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَقْضِي وَاحِدَةً مِنْهُمَا لِأَنَّ الْوَاجِبَ إذَا فَاتَ عَنْ وَقْتِهِ لَا يُقْضَى إلَّا بِدَلِيلٍ .

وَلَهُمَا وَهُوَ الْفَرْقُ بَيْنَ الْوَجْهَيْنِ أَنَّ قِرَاءَةَ الْفَاتِحَةِ شُرِعَتْ عَلَى وَجْهٍ يَتَرَتَّبُ عَلَيْهَا السُّورَةُ ، فَلَوْ قَضَاهَا فِي الْأُخْرَيَيْنِ تَتَرَتَّبُ الْفَاتِحَةُ عَلَى السُّورَةِ ، وَهَذَا خِلَافُ الْمَوْضُوعِ ، بِخِلَافِ مَا إذَا تَرَكَ السُّورَةَ لِأَنَّهُ أَمْكَنَ قَضَاؤُهَا عَلَى الْوَجْهِ الْمَشْرُوعِ ، ثُمَّ ذَكَرَ هَاهُنَا مَا يَدُلُّ عَلَى الْوُجُوبِ ، وَفِي الْأَصْلِ بِلَفْظَةِ الِاسْتِحْبَابِ لِأَنَّهَا إنْ كَانَتْ مُؤَخَّرَةً فَغَيْرُ مَوْصُولَةٍ بِالْفَاتِحَةِ فَلَمْ يُمْكِنْ مُرَاعَاةُ مَوْضُوعِهَا مِنْ كُلِّ وَجْهٍ (وَيَجْهَرُ بِهِمَا) هُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّ الْجَمْعَ بَيْنَ الْجَهْرِ وَالْمُخَافَتَةِ فِي رَكْعَةٍ وَاحِدَةٍ شَنِيعٌ ، وَتَغْيِيرُ النَّفْلِ وَهُوَ الْفَاتِحَةُ أَوْلَى .

ترجمہ:

اور جس نے عشاء کی پہلی دو رکعات میں سورۃ پڑھی لیکن سورۃ فاتحہ نہ پڑھی۔ تو وہ بعد والی دو رکعتوں میں ان کا اعادہ نہ کرے اور اگر اس نے فاتحہ پڑھی لیکن سورۃ نہ پڑھی تو بعد والی دو رکعتوں میں فاتحہ اور سورۃ دونوں پڑھے گا۔ اور جہر کرے گا یہ طرفین کا قول ہے۔

جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ دونوں میں سے کسی کی قضاء نہ کرے۔ کیونکہ واجب جب اپنے وقت سے فوت ہو جائے تو دلیل کے بغیر اس کی قضاء نہیں ہوتی۔ لیکن طرفین کی دلیل یہ ہے کہ دونوں وجہوں میں فرق ہے۔ وہ یہ ہے کہ فاتحہ پڑھنا اس طرح مشروع ہوا ہے کہ اس پر سورۃ مرتب ہو۔ لہذا اگر اس نے بعد والی دو رکعتوں میں فاتحہ قضاء کی تو وہ سورۃ پر مرتب ہو جائے گی۔ اگر چہ یہ خلاف موضوع ہے۔ بخلاف اس کے جب اس نے پہلی دو میں سورۃ کو چھوڑا ہو۔ کیونکہ سورۃ کی قضاء کرنا شرعی طریقہ کار کے مطابق ممکن ہے۔ پس یہاں وہ لفظ ذکر کیا ہے جس کی وجوب پر دلالت ہے۔ جبکہ مبسوط میں استحباب کے ساتھ آیا ہے۔ کیونکہ سورۃ اگر موخر ہوئی تو وہ فاتحہ کے ساتھ ملنے والی نہ ہوئی۔ لہذا اس کے موضوع کی رعایت کلی طور ممکن نہیں۔

اور وہ سورۃ اور فاتحہ دونوں میں جہر کرے۔ یہی صحیح ہے۔ کیونکہ ایک ہی رکعت میں جہر و اخفاء کو جمع کرنا برا ہے۔ اور نفل کو

بدلنا ہے اور وہ فاتحہ ہے۔ افضل یہی ہے۔

ترک واجب کی قضاء میں طرفین اور امام ابو یوسف کے اختلاف کا بیان:

علامہ ابن محمود البابرتی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ دونوں میں سے کسی کی قضاء نہ کرے کیونکہ واجب جب اپنے وقت سے فوت ہو جائے تو دلیل کے بغیر اس کی قضاء نہیں ہوتی۔ اور یہاں کوئی ایسی دلیل نہیں ہے کیونکہ دلیل اس چیز کو شروع کرتی ہے حالانکہ آخری دو رکعتوں میں سورۃ کی قرأت مشروع ہی نہیں ہے۔

طرفین فرماتے ہیں۔ اگر اس نے بعد والی دو رکعتوں میں فاتحہ قضاء کی تو وہ سورۃ پر مرتب ہو جائے گی۔ لہذا اس میں کوئی حرج ہی نہیں ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۲، ص ۳۵، بیروت)

جہری اور خفی قرأت کی تعریف کا بیان:

ثُمَّ الْمُخَافَتَةُ أَنْ يُسْمِعَ نَفْسَهُ وَالْجَهْرُ أَنْ يُسْمِعَ غَيْرَهُ ، وَهَذَا عِنْدَ الْفَقِيهِ أَبِي جَعْفَرٍ الْهِنْدُوَانِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّ مُجَرَّدَ حَرَكَةِ اللِّسَانِ لَا يُسَمَّى قِرَاءَةً بِدُونِ الصَّوْتِ .

وَقَالَ الْكَرْخِيُّ :أَدْنَى الْجَهْرِ أَنْ يُسْمِعَ نَفْسَهُ ، وَأَدْنَى الْمُخَافَتَةِ تَصْحِيحُ الْحُرُوفِ لِأَنَّ الْقِرَاءَةَ فِعْلُ اللِّسَانِ دُونَ الصِّمَاخِ .وَفِي لَفْظِ الْكِتَابِ إشَارَةٌ إلَى هَذَا .وَعَلَى هَذَا الْأَصْلِ كُلُّ مَا يَتَعَلَّقُ بِالنُّطْقِ كَالطَّلَاقِ وَالْعَتَاقِ وَالِاسْتِثْنَاءِ وَغَيْرِ ذَلِكَ

ترجمہ:

فقیہ ابو جعفر ہندوانی علیہ الرحمہ کے نزدیک اخفاء اس کو کہتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو سنائے۔ اور جہر یہ ہے کہ وہ دوسروں کو سنائے۔ کیونکہ خالی زبان کو حرکت میں لانا بغیر کسی آواز کے قرأت نہیں کہلاتا۔

اور امام کرخی علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ جہر کا کم از کم معنی یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو سنائے جبکہ اخفاء کا کم از کم معنی یہ ہے کہ حروف کی صحیح ادائیگی ہو۔ کیونکہ قرأت زبان کے فعل کا نام ہے نہ کہ کان کا فعل ہے۔ اور لفظ کتاب میں بھی اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ ہر وہ لفظ جس کا تعلق نطق سے ہو وہ اسی اصل پر ہے۔ جیسا کہ طلاق، عتاق، استثناء اور دوسری ایسی چیزوں کے احکام ہیں۔

شرح:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر نماز میں قرات کرتے تھے پس جس نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو قرات سنائی (یعنی بلند آواز سے قرات کی) ہم نے بھی تم کو سنادی اور جس نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم پر قرات کو مخفی رکھا (یعنی آہستہ پڑھی) ہم نے بھی تم پر مخفی رکھا۔ (ابوداؤد)

حضرت ابومعمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہر وعصر کی نماز میں قرات کرتے تھے؟ انہوں نے کہاہاں ہم نے پوچھا یہ تم کس چیز سے سمجھتے تھے؟ کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ریش مبارک کی حرکت کرنے سے۔ (ابوداؤد)

قرأت کی کم ازکم مقدار کا بیان:

(وَأَدْنَى مَا يُجْزِءُ مِنْ الْقِرَاءَةِ فِي الصَّلَاةِ آيَةٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ ، وَقَالَا :ثَلَاثُ آيَاتٍ قِصَارٍ أَوْ آيَةٌ طَوِيلَةٌ) لِأَنَّهُ لَا يُسَمَّى قَارِئًا بِدُونِهِ فَأَشْبَهَ قِرَاءَةَ مَا دُونَ الْآيَةِ .

وَلَهُ قَوْله تَعَالَى (فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْ الْقُرْآنِ) مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ إلَّا أَنَّ مَا دُونَ الْآيَةِ خَارِجٌ وَالْآيَةُ لَيْسَتْ فِي مَعْنَاهُ .

ترجمہ:

سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک قرأت کی کم ازکم مقدار جونماز میں کفایت کرنے والی ہووہ ایک آیت ہے۔جبکہ صاحبین کے نزدیک تین چھوٹی آیات یا ایک بڑی آیت ہے۔کیونکہ اس سے کم پڑھنے والا قاری نہیں کہلائے گا۔لہذا یہ ایک آیت سے کم پڑھنے والے کے مشابہ ہوگیا۔جبکہ امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے۔'' (فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْ الْقُرْآنِ ''اس میں کوئی تفصیل نہیں ہے۔لیکن ایک آیت سے کم اس کے حکم سے خارج ہوگا۔جبکہ پوری آیت اس کے معنی (یعنی خارج ہونے والے) میں نہیں ہے۔

شرح:

قرأت ایک آیت فرض ہے اور الحمد اور اس کے بعد اُس کے متصل ایک بڑی آیت یا تین آیتیں چھوٹی پڑھنا واجب، اور فجر وظہر میں حجرات سے بروج تک دونوں رکعتوں میں دوسورتیں، اور عصر وعشاء میں بروج سے لم یکن تک، اور مغرب میں لم یکن سے ناس تک سنّت، یا ان کی مقدار دوسرے مقام سے، اور جماعت میں کوئی مریض یا ضعیف وغیرہ ایسا ہو کہ طویل سے مشقت ہوگی تو اسکے حالت کی رعایت واجب اور نوافل میں جس قدر تطویل اپنے اوپر شاق نہ ہو مستحب ہے۔

نماز میں قرآت کی مقدار پڑھنے کا فقہی مفہوم:

۱ . نماز میں قیام کی حالت میں کم ازکم ایک آیت پڑھنا فرض ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ایک پوری آیت ہے مگر صرف اس کے پڑھنے سے فرض ادا نہ ہوگا۔

۲ . فرض نماز کی دو رکعتوں میں خواہ وہ کوئی سے ہو اور نماز وتر اور سنت ونفل کی تمام رکعتوں میں قرآت فرض ہے۔

۳ . قرائت فرضِ عملی ہے اور اُس شخص پر ہے جو اس فرض پر قادر ہے پس جس شخص کو ایک آیت بھی یاد نہ ہو وہ قرائت کی جگہ

سبحان اللہ یا الحمد اللہ پڑھ لے اور اس شخص پر جلد از جلد قرآن مجید سیکھنا اور قرآت فرض کی مقدار یاد کرنا فرض اور قرآت واجب کی مقدار یاد کرنا واجب ہے نہ سیکھنے کی صورت میں وہ سخت گناہگار ہوگا۔

۴ . قرآت کا مطلب یہ ہے کہ قدرت ہوتے ہوئے تمام حروف مخارج سے ادا کیے جائیں تا کہ ہر حرف دوسرے سے صحیح طور پر ممتاز ہو جائے اور آہستہ پڑھنے کی صورت میں خود سن لے جو شخص صرف خیال سے پڑھے گا زبان سے الفاظ ادا نہیں کرے گا یا مخارج سے صحیح ادا نہیں کرے گا یا آہستہ قرآت والی نماز میں ایسا نہیں پڑھے گا کہ خود سن سکے تو اس کی نماز درست نہیں ہوگی۔

۵ . قرآت جاگنے کی حالت میں کرے، نیند کی حالت میں قرآت کی تو جائز نہیں اسے پھر پڑھے اسی طرح رکوع یا سجدہ یا جو رکن بھی نیند کی حالت میں ادا کیا اس کو جاگنے پر دوبارہ ادا کرے (لیکن اگر کوئی رکن فرض وواجب کی مقدار بیداری کی حالت میں ادا ہوا اور باقی حصہ نیند میں تو اس رکن کے لوٹانے کی ضرورت نہیں)

۶ . اصل عربی قرآن پاک کی قرآت کرے ترجمہ فارسی یا اردو وغیرہ میں قرآت کرنا بلا عذر جائز نہیں۔

۷ . قرآت شاذہ نہ ہو۔

سفر کی حالت میں حکم قرأت کا بیان:

(وَفِي السَّفَرِ يَقْرَأُ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ) وَأَيِّ سُورَةٍ شَاءَ لِمَا رُوِيَ "(أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ قَرَأَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ فِي سَفَرِهِ بِالْمُعَوِّذَتَيْنِ) " وَلِأَنَّ السَّفَرَ أَثَّرَ فِي إسْقَاطِ شَطْرِ الصَّلَاةِ فَلَأَنْ يُؤَثِّرَ فِي تَخْفِيفِ الْقِرَاءَةِ أَوْلَى ، وَهَذَا إذَا كَانَ عَلَى عَجَلَةٍ مِنْ السَّيْرِ ، وَإِنْ كَانَ فِي أَمَنَةٍ وَقَرَارٍ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ نَحْوَ سُورَةِ الْبُرُوجِ وَانْشَقَّتْ لِأَنَّهُ يُمْكِنُهُ مُرَاعَاةُ السُّنَّةِ مَعَ التَّخْفِيفِ

ترجمہ:

سفر میں سورۃ فاتحہ اور جو سورۃ چاہے پڑھے۔ اسی روایت کی بناء پر کہ نبی کریم ﷺ نے سفر میں فجر کی نماز میں معوذتین پڑھا۔ اور اس دلیل کی بنیاد کہ سفر کا اثر نصف نماز کو ساقط کرنے والا ہے لہذا وہ قرأت کی تخفیف میں زیادہ موثر ہوگا۔ اور یہ حکم اسی وقت ہوگا جب جانے میں جلدی ہو اور اگر امن وسکون کی حالت ہو تو فجر میں سورۃ بروج اور وانشقت کی طرح پڑھے۔ اس لئے کہ اس طرح اسے تخفیف کے ساتھ سنت کی رعایت بھی ممکن ہے۔

علت سفر کی وجہ سے تخفیف قرأت کا حکم:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک سفر میں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی مہار پکڑے چل رہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا عقبہ ! کیا میں تمہیں دو بہترین سورتیں جو پڑھی گئی ہیں (یعنی مجھ پر نازل کی گئی ہیں) نہ بتلا دوں؟ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے (معوذتین یعنی) قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ

برب الناس سکھائیں۔عقبہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ان دونوں سورتوں سے زیادہ خوش نہیں دیکھا۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھنے کے لیے اترے تو لوگوں کو نماز میں یہی دونوں سورتیں پڑھائیں۔جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے تو میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا عقبہ !تم نے (ان کی فضیلت کو) دیکھا؟۔

(مسند احمد بن حنبل، سنن ابوداؤد، سنن نسائی)

.بہترین سورتوں کا مطلب یہ ہے کہ شیطان مردود کے مکروفریب اور نفس کی گمراہی سے اللہ کی پناہ مانگنے کے سلسلہ میں معوذتین بہترین سورتیں ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ سورتیں سکھانے کے بعد جب دیکھا کہ وہ ان سورتوں کو دیکھ کر کچھ زیادہ خوش نہیں ہوئے کیونکہ دوسری سورتوں کی طرح ان سورتوں میں اللہ کی وحدانیت اور پاکیزگی کا بیان نہیں ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز میں انہیں سورتوں کو پڑھ کر فرمایا کہ عقبہ !تم نے اس سورتوں کی فضیلت دیکھی کہ میں نے ان کو فجر کی نماز میں جو تمام نمازوں سے افضل نماز ہے اور جس میں طویل قرأت کرنا مستحب ہے پڑھا۔

نماز فجر میں قرأت کا بیان:

(وَيَقْرَأُ فِي الْحَضَرِ فِي الْفَجْرِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ بِأَرْبَعِينَ آيَةً أَوْ خَمْسِينَ آيَةً سِوَى فَاتِحَةِ الْكِتَابِ) وَيُرْوَى مِنْ أَرْبَعِينَ إلَى سِتِّينَ وَمِنْ سِتِّينَ إلَى مِائَةٍ ، وَبِكُلٍّ ذَلِكَ وَرَدَ الْأَثَرُ .

وَوَجْهُ التَّوْفِيقِ أَنَّهُ يَقْرَأُ بِالرَّاغِبِينَ مِائَةً وَبِالْكُسَالَى أَرْبَعِينَ وَبِالْأَوْسَاطِ مَا بَيْنَ خَمْسِينَ إلَى سِتِّينَ ، وَقِيلَ يَنْظُرُ إلَى طُولِ اللَّيَالِي وَقِصَرِهَا وَإِلَى كَثْرَةِ الْأَشْغَالِ وَقِلَّتِهَا .

ترجمہ

اور وہ فجر کی دونوں رکعتوں میں چالیس یا پچاس آیات پڑھے۔جبکہ وہ حالت حضر میں ہو۔جو سورۃ فاتحہ کے سوا ہوں۔اور یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ وہ چالیس سے ساٹھ اور ساٹھ سے سو تک آیات پڑھے۔اور ہر ایک کے بارے میں اثر بیان ہوا ہے۔

اور ان میں موافقت اس طرح ہے کہ رغبت رکھنے والے مقتدیوں کو سو آیات جبکہ سستی کرنے والی نمازیوں کو چالیس اور درمیانے درجے والوں کا پچاس آیات تک پڑھائے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ راتوں کے لمبا ہونے اور کم ہونے کو دیکھے اور مصروفیت کی قلت وکثرت کو بھی دیکھے۔

حالت حضر میں فجر کی نماز میں طویل قرأت کرنے کا حکم:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں سورہ ق والقران

المجید یا ایسی ہی (طویل) کوئی دوسری سورۃ پڑھتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز کے بعد کی دوسری نماز ہلکی پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم)

حدیث کے آخری جملے کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز کے علاوہ اوقات کی نمازیں زیادہ لمبی نہیں پڑھتے تھے اور فجر کی نماز میں طویل قرأت کیا کرتے تھے کیونکہ ہنگام صبح گاہی بارگاہ الوہیت میں دعاؤں کے قبول ہونے اور برکت وسعادت حاصل ہونے کا وقت ہوتا ہے۔

حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انھوں نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو فجر کی نماز میں واللیل اذا عسعس (یعنی سورہء اذا الشمس کورت) پڑھتے سنا ہے۔ (صحیح مسلم)

حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ (فتح مکہ کے بعد ایک مرتبہ) آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مکہ میں فجر کی نماز پڑھائی اور سورہ مومن یعنی قدافلح المومنون شروع کی جب آپ موسیٰ وہارون یا عیسیٰ کے ذکر پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانسی اٹھی (جس کی وجہ سے سورۃ پوری کئے بغیر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں چلے گئے۔ (صحیح مسلم)

مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرأت میں سورۃ قدافلح المومنون شروع کی اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت (ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ) 23 ۔المومنون 45:) پر کہ جس میں حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کا ذکر ہے یا اس آیت (وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ) 23 ۔المومنون 50:) پر کہ جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے پہنچے تو ان جلیل القدر پیغمبروں کے ذکر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بھر آیا اور رونے لگے جس کی وجہ سے کھانسی کا غلبہ ہو گیا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس گریہ وکھانسی کی وجہ سے سورۃ پوری نہ کر سکے اور اس آیت پر قرأت ختم کر کے رکوع میں چلے گئے۔

ظہر، عصر مغرب وعشاء میں قرأت کرنے کا بیان:

قَالَ (وَفِي الظُّهْرِ مِثْلَ ذٰلِكَ) لِاسْتِوَائِهِمَا فِي سَعَةِ الْوَقْتِ ، وَقَالَ فِي الْأَصْلِ أَوْ دُونَهُ لِأَنَّهُ وَقْتُ الِاشْتِغَالِ فَيَنْقُصُ عَنْهُ تَحَرُّزًا عَنْ الْمَلَالِ .

(وَالْعَصْرُ وَالْعِشَاءُ سَوَاءٌ يَقْرَأُ فِيهِمَا بِأَوْسَاطِ الْمُفَصَّلِ ، وَفِي الْمَغْرِبِ دُونَ ذٰلِكَ يَقْرَأُ فِيهَا بِقِصَارِ الْمُفَصَّلِ) وَالْأَصْلُ فِيهِ كِتَابُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ إِلَى أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ أَنْ اقْرَأْ فِي الْفَجْرِ وَالظُّهْرِ بِطِوَالِ الْمُفَصَّلِ وَفِي الْعَصْرِ وَالْعِشَاءِ بِأَوْسَاطِ الْمُفَصَّلِ وَفِي الْمَغْرِبِ بِقِصَارِ الْمُفَصَّلِ وَلِأَنَّ مَبْنَى الْمَغْرِبِ عَلَى الْعَجَلَةِ وَالتَّخْفِيفُ أَلْيَقُ بِهَا .

وَالْعَصْرُ وَالْعِشَاءُ يُسْتَحَبُّ فِيهِمَا التَّأْخِيرُ ، وَقَدْ يَقَعَانِ بِالتَّطْوِيلِ فِي وَقْتٍ غَيْرِ مُسْتَحَبٍّ فَيُوَقَّتُ

فِيهِمَا بِالْأَوْسَاطِ .

ترجمہ

اور وہ ظہر میں بھی اسی طرح پڑھے۔ کیونکہ ان دونوں میں وقت کی وسعت ہوتی ہے۔ اور امام محمد علیہ الرحمہ نے اصل میں فرمایا ہے کہ ظہر میں فجر سے کم پڑھے کیونکہ یہ لوگوں کی کاموں میں مصروفیت کا وقت ہے۔ تا کہ ان کو پریشانی سے بچایا جائے۔

عصر اور عشاء یہ دونوں برابر ہیں لہذا ان میں اوساط مفصل سے پڑھے۔ جبکہ مغرب میں اس کے کم قرأت کرے۔ اس میں قصار مفصل سے سے پڑھے۔ اس میں دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا تھا۔ کہ آپ ظہر اور فجر میں طوال مفصل اور عصر وعشاء میں اوساط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل سے پڑھو کیونکہ مغرب میں عجلت کی دلیل بھی ہے۔ لہذا جلدی کے مناسب تخفیف ہے۔ جبکہ عصر وعشاء میں تاخیر مستحب ہے۔ اور طوالت کی وجہ سے یہ دونوں غیر مستحب وقت میں ہوسکتی ہیں۔ لہذا ان دونوں کو اوساط مفصل کے ساتھ موقت کیا جائے گا۔

شرح؛

حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو عشاء کی نماز میں سورہ والتین و الزیتون پڑھتے ہوئے سنا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے اچھی کوئی آواز نہیں سنی۔
(صحیح البخاری وصحیح مسلم)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح باطنی طور پر دنیا کے سب سے مکمل واکمل انسان تھے اسی طرح مبداء فیاض نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہری جسمانی حسن وخوبصورتی کے بھی سب سے اعلیٰ وارفع مرتبے پر فائز کیا تھا پھر یہ کہ جس طرح اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حسن صورت کا سب سے اعلیٰ نمونہ بنایا تھا اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حسن آواز میں بھی سب سے امتیازی درجہ عنایت فرمایا تھا۔ چنانچہ حضرت براء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ شہادت کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے زیادہ کوئی اچھی آواز نہیں سنی محض ایک جذباتی عقیدت کا تاثر یا مبالغہ آرائی نہیں ہے بلکہ ایک ایسی حقیقت کی شہادت ہے جس کی صداقت کو اپنے تو الگ رہے کبھی بیگانوں نے بھی چیلنج کرنے کی جرات نہیں کی۔

یہاں بھی اس حدیث جس کی یہی وضاحت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز میں سورہ والتین و الزیتون ایک رکعت میں پڑھتے تھے اور دوسری رکعت میں کسی دوسری سورۃ کی قرأت فرماتے تھے۔

اور حضرت جبیر ابن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز میں سورہ طور پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم)

فقہاء کی جانب سے نمازوں میں تعین قرأت کی دلیل:

حضرت ام فضل بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز میں سورہ والمرسلات عرفا پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ (صحیح البخاری، صحیح مسلم)

یہ احادیث اور وہ حدیث جس میں منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز میں سورہ اعراف، سورہ انفال اور سورہ دخان پڑھتے تھے یا اسی قسم کی دوسری احادیث سب اسی بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نمازوں میں کسی خاص اور متعین سورۃ کا پڑھنا ضروری نہیں ہے بلکہ نمازی کی آسانی وسہولت پر موقوف ہے کہ وہ جس نماز میں جو بھی سورۃ چاہے پڑھ سکتا ہے۔ فقہا جو یہ لکھتے ہیں کہ فجر وظہر میں طوال مفصل، عصر وعشاء میں اوساط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل پڑھنا چاہئے تو ان کے تعین قرأت کی اصلی دلیل یہ ہے

حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو اس زمانہ میں کوفہ کے گورنر تھے ایک خط لکھا تھا اس میں یہ مذکورہ تفصیل لکھی تھی اس کے مطابق نمازوں میں قرأت کا اس طرح تعین قرار پایا۔ اس مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں طول وقصر کے سلسلے میں قرأت کا مسئلہ اختلاف احوال و اوقات اور مصلحت جواز کے ساتھ مختلف تھا پھر بعد میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس مکتوب گرامی کی روشنی میں قرأت کا ایک نہج اور اصول مقرر کیا گیا جس کو فقہاء کی اصطلاح میں طوال مفصل (طوال مفصل سورہ حجرات سے سورۃ والسماء ذات البروج تک اور اوساط مفصل سورہ والسماء ذات البروج سے سورہ لم یکن (البینۃ) تک اور قصار مفصل سورہ لم یکن کے بعد سے سورہ الناس تک کی سورتوں کو کہا جاتا ہے ۱۲۔) اور اوساط مفصل اور قصار مفصل کا نام دیا گیا اور ہوسکتا ہے کہ اس سلسلے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوئی دلیل براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول وفعل سے ہاتھ لگی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طریقہ کے مطابق کبھی کبھی قرأت کرتے ہوں جس کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مکتوب گرامی میں تحریر فرمایا ہے اور کبھی کبھی اس کے برعکس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہی معمول رہتا ہو جو ان احادیث میں مذکور ہے۔ بہر حال ہم تو سمجھتے ہیں کہ فقہاء کے مقرر کردہ اس اصول کے لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول ہی دلیل کے لیے کافی ہے؟

حضرت جابر ابن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز میں سورہ واللیل اذا یغشی پڑھا کرتے تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ سورۃ سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھا کرتے تھے اور عصر کی نماز میں بھی اسی قدر (کوئی آیت یا سورۃ) پڑھتے تھے اور صبح کی نماز میں اس سے لمبی قرأت کرتے تھے۔ (صحیح مسلم)

جس طرح دیگر احادیث میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلاں نماز میں فلاں سورۃ پڑھتے تھے اور اس کی کوئی وضاحت نہیں کی گئی ہے کہ وہ سورۃ پہلی رکعت میں پڑھتے تھے یا دوسری میں۔ یا ایک رکعت میں بغیر پہلی دوسری کے تعین کے

پڑھتے تھے۔اس طرح اس حدیث میں بھی کوئی وضاحت نہیں کی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز میں سورہ واللیل اذا یغشی کس رکعت میں پڑھتے تھے آیا پہلی رکعت میں یا دوسری میں؟

اس سلسلہ میں دو ہی احتمال ہو سکتے ہیں یا تو یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی سورۃ کو دونوں رکعتوں میں پڑھتے تھے یا یہ کہ ایک سورۃ کا کچھ حصہ تو پہلی رکعت میں پڑھتے تھے اور کچھ حصہ دوسری رکعت میں (پہلے احتمال میں تکرار لازم آئے گا اور دوسرے میں تبعیض (یعنی کسی ایک سورۃ کا کچھ حصہ پہلی رکعت میں اور کچھ حصہ دوسری رکعت میں پڑھنا لازم آئے گا، اور یہ دونوں یعنی تکرار و تبعیض غیر اولی ہیں اگر چہ جائز ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تکرار و تبعیض ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ ایک رکعت میں پوری سورۃ پڑھنا اگر چہ وہ چھوٹی ہو افضل ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ ایک رکعت میں کسی سورۃ کا کچھ حصہ پڑھا جائے اگر چہ وہ سورت طویل ہو۔ ہاں اس مسئلے میں تراویح مستثنیٰ ہے کیونکہ اس میں تو پورا قرآن سارے مہینہ میں ختم کرنا افضل ہے لہٰذا ان سے دونوں احتمالات اور ان میں پیدا شدہ اشکالات کو دیکھتے ہوئے کوئی ایسا تیسرا احتمال پیدا کیا جائے گا جو حدیث کی منشاء کے مطابق اور اس سے مناسب ہو اور وہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مذکورہ سورۃ کے علاوہ کوئی دوسری سورۃ بھی پڑھتے تھے خواہ پہلی رکعت میں پڑھتے ہوں یا دوسری میں۔

نماز فجر کی پہلی رکعت میں قرأت کو لمبا کرنے کا بیان:

(وَيُطِيلُ الرَّكْعَةَ الْأُولَى مِنْ الْفَجْرِ عَلَى الثَّانِيَةِ) إعَانَةً لِلنَّاسِ عَلَى إدْرَاكِ الْجَمَاعَةِ قَالَ (وَرَكْعَتَا الظُّهْرِ سَوَاءٌ) وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ .

وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ أَحَبُّ إلَيَّ أَنْ يُطِيلَ الرَّكْعَةَ الْأُولَى عَلَى غَيْرِهَا فِي الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا لِمَا رُوِيَ " (أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُطِيلُ الرَّكْعَةَ الْأُولَى عَلَى غَيْرِهَا فِي الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا) " وَلَهُمَا أَنَّ الرَّكْعَتَيْنِ اسْتَوَيَا فِي اسْتِحْقَاقِ الْقِرَاءَةِ فَيَسْتَوِيَانِ فِي الْمِقْدَارِ ، بِخِلَافِ الْفَجْرِ لِأَنَّهُ وَقْتُ نَوْمٍ وَغَفْلَةٍ ، وَالْحَدِيثُ مَحْمُولٌ عَلَى الْإِطَالَةِ مِنْ حَيْثُ الثَّنَاءُ وَالتَّعَوُّذُ وَالتَّسْمِيَةُ ، وَلَا مُعْتَبَرَ بِالزِّيَادَةِ وَالنُّقْصَانِ بِمَا دُونَ ثَلَاثِ آيَاتٍ لِعَدَمِ إمْكَانِ الِاحْتِرَازِ عَنْهُ مِنْ غَيْرِ حَرَجٍ .

ترجمہ

اور وہ فجر کی پہلی رکعت کو دوسری رکعت سے لمبا کرے تاکہ لوگ جماعت کے ساتھ مل سکیں۔ جبکہ شیخین کے نزدیک ظہر کی دونوں رکعتیں برابر ہیں۔ جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ مجھے یہ بات پسند ہے کہ میں تمام نمازوں میں پہلی رکعت کو دوسری رکعت پر لمبا کروں۔ کیونکہ یہ روایت بیان ہوئی ہے۔ کہ نبی کریم ﷺ پہلی رکعت کو دوسری رکعت پر لمبا کیا کرتے تھے جبکہ شیخین کی دلیل یہ ہے کہ دونوں رکعتیں قرأت کے حق میں برابر ہیں۔ لہذا مقدار میں بھی برابر ہوں گی۔ بخلاف فجر کے کیونکہ

وہ سونے اور غفلت کا وقت ہوتا ہے۔ لہذا حدیث کا محمل ثناء، تعوذ، تسمیہ کی وجہ سے طول دینے پر ہوگا۔ اور تین آیات سے کم مقدار میں زیادتی یا کمی کا کچھ بھی اعتبار نہ ہوگا۔ کیونکہ بغیر کسی حرج کے ان سے بچنا ناممکن ہے۔

شرح:

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور دو سورتیں (یعنی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور ایک سورۃ) پڑھتے تھے اور بعد کی دونوں رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھتے تھے اور کبھی کبھی ہمیں (بھی) آیت سنا دیا کرتے تھے اور دوسری رکعت کی بہ نسبت پہلی رکعت کو زیادہ طویل کرتے تھے اسی طرح عصر اور فجر کی نماز میں بھی کرتے تھے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

ظہر کی نماز میں یوں تو قرأت سری (یعنی آہستہ آواز سے) سے ہوتی ہے اور اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی پڑھتے تھے مگر معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات ظہر کی نماز میں کوئی آیت یا سورۃ با آواز بھی پڑھ دیا کرتے تھے اور اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ لوگ جان لیں کہ سورہ فاتحہ کے بعد کوئی سورۃ یا کوئی آیت بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ یا لوگوں کو اس بات کا علم ہو جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فلاں سورت کی قرأت کر رہے ہیں۔ اتنی بات اور سمجھ لیجئے کہ یہاں ظہر کی تخصیص تقیدی نہیں ہے بلکہ اتفاقی ہے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز میں ایسا ہی کرتے تھے۔

پہلی رکعت کو طویل کرنے میں فقہی مذاہب کا بیان:

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی رکعت کو دوسری رکعتوں سے زیادہ طویل کرنا چاہئے چنانچہ حضرت امام شافعی حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم کا مسلک یہی ہے کہ تمام نمازوں میں پہلی رکعت کو دوسری رکعت کی بہ نسبت زیادہ طویل کرنا چاہئے۔ حنفیہ میں سے حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بھی مسلک یہی ہے، ان حضرات نے ظہر، عصر اور صبح کی نمازوں میں پہلی رکعت کو طویل کرنے کے مسئلے کو احادیث سے ثابت کیا ہے اور مغرب وعشاء کو ان تینوں پر قیاس کیا ہے۔

عبدالرزاق نے اس حدیث کے آخر میں معمر سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ ہمارا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رکعت کو اس لیے طویل کرتے تھے کہ لوگ پہلی رکعت پالیں، امام ابوداؤد اور ابن خزیمہ رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما نے بھی یہی لکھا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما کے نزدیک پہلی رکعت کو طویل کرنا صرف فجر کی نماز کے ساتھ خاص ہے کیونکہ وہ وقت نیند وغفلت کا ہوتا ہے۔ ورنہ تو دونوں رکعتیں چونکہ استحقاق قرأت میں برابر ہیں۔ اس لیے مقدار قرأت میں بھی برابر ہونی چاہئیں چنانچہ ایک حدیث میں اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رکعت میں تیس آیتوں کی مقدار قرأت کیا کرتے تھے جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے کہ جس سے پہلی رکعت کو طویل کرنے کا اثبات ہوتا ہے تو یہ اس بات پر محمول ہے کہ چونکہ پہلی رکعت میں دعا کے استفتاح (یعنی سبحانك اللهم اور اعوذ بالله و بسم

اللہ پڑھی جاتی ہے اس لیے پہلی رکعت طویل معلوم ہوتی تھی نیز یہ کہ طوالت تین آیتوں سے بھی کم کی مقدار میں ہوتی تھی۔

خلاصہ میں لکھا ہے کہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک احب یعنی اچھا ہے۔

قرأت کیلئے سورتوں کو معین کرنے کا بیان:

(وَلَيْسَ فِي شَيْءٍ مِنْ الصَّلَوَاتِ قِرَاءَةُ سُورَةٍ بِعَيْنِهَا) بِحَيْثُ لَا تَجُوزُ بِغَيْرِهَا لِإِطْلَاقِ مَا تَلَوْنَا (وَيُكْرَهُ أَنْ يُوَقِّتَ بِشَيْءٍ مِنْ الْقُرْآنِ لِشَيْءٍ مِنْ الصَّلَوَاتِ) لِمَا فِيهِ مِنْ هَجْرِ الْبَاقِي وَإِيهَامِ التَّفْضِيلِ .

ترجمہ:

کسی بھی نماز میں سورۃ معینہ کا پڑھنا اس طرح فرض نہیں کہ اس کے سوا جائز نہ ہو۔ اسی آیت کے مطلق ہونے کی وجہ سے جسے ہم تلاوت کر چکے ہیں۔ اور کسی نماز کیلئے قرآن سے معین کر لینا مکروہ ہے اس لئے کہ اس میں باقی قرآن کا ترک لازم آتا ہے۔ اور فضیلت کا وہم بھی ہوتا ہے۔

نمازوں میں تعین قرأت میں فقہاء شوافع واحناف کے اختلاف کا بیان:

حضرت ام فضل بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز میں سورہ والمرسلات عرفا پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم)

یہ احادیث اور وہ حدیث جس میں منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز میں سورہ اعراف، سورہ انفال اور سورہ دخان پڑھتے تھے یا اسی قسم کی دوسری احادیث سب اسی بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نمازوں میں کسی خاص اور متعین سورۃ کا پڑھنا ضروری نہیں ہے۔

بلکہ نمازی کی آسانی وسہولت پر موقوف ہے کہ وہ جس نماز میں جو بھی سورۃ چاہے پڑھ سکتا ہے۔ فقہا جو یہ لکھتے ہیں کہ فجر و ظہر میں طوال مفصل، عصر وعشاء میں اوساط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل پڑھنا چاہیے تو ان کے تعین قرأت کی اصلی دلیل یہ ہے کہ حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو اس زمانہ میں کوفہ کے گورنر تھے ایک خط لکھا تھا اس میں یہ مذکورہ تفصیل لکھی تھی ان کے مطابق نمازوں میں قرأت کا اس طرح تعین قرار پایا۔ اس مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں طول وقصر کے سلسلے میں قرأت کا مسئلہ اختلاف احوال و اوقات اور مصلحت جواز کے ساتھ مختلف تھا پھر بعد میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس مکتوب گرامی کی روشنی میں قرأت کا ایک نہج اور اصول مقرر کیا گیا جس کو فقہاء کی اصطلاح میں طوال مفصل (طوال مفصل سورہ حجرات سے سورۃ والسماء ذات البروج تک اور اوساط مفصل سورہ و السماء ذات البروج سے سورہ لم یکن (البینۃ) تک اور قصار مفصل سورہ لم یکن کے بعد سے سورہ الناس تک کی سورتوں کو کہا جاتا ہے ۱۲۔) اور اوساط مفصل اور قصار مفصل کا نام دیا گیا اور ہوسکتا ہے کہ

اس سلسلے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوئی دلیل براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول وفعل سے ہاتھ لگی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طریقہ کے مطابق کبھی کبھی قرأت کرتے ہوں جس کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مکتوب گرامی میں تحریر فرمایا ہے اور کبھی کبھی اس کے برعکس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہی معمول رہتا ہو جو ان احادیث میں مذکور ہے۔ بہر حال ہم تو سمجھتے ہیں کہ فقہاء کے مقرر کردہ اس اصول کے لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول ہی دلیل کے لیے کافی ہے؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز نماز فجر کی پہلی رکعت میں الم تنزیل اور دوسری رکعت میں ھل اتی علی الانسان پڑھتے تھے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

حضرات شوافع اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جمعہ کے روز نماز فجر میں حدیث میں مذکورہ سورتیں ہی پڑھنی چاہئیں مگر حنفیہ چونکہ تعین سورۃ سے منع کرتے ہیں اس لیے فرماتے ہیں کہ یہ اولیٰ نہیں ہے کہ کسی خاص سورۃ کو کسی روز خاص نماز کے ساتھ اس طرح متعین کر لیا جائے کہ اس کے علاوہ کوئی دوسری سورت پڑھی ہی نہ جائے۔ ان حضرات کے نزدیک تعین قرأت وسورۃ کی ممانعت کی وجہ صرف یہ ہے کہ اگر کسی خاص نماز کے ساتھ کسی خاص سورۃ کو متعین کر دیا جائے گا تو لوگ اسی ایک سورۃ کو لازم وواجب سمجھ کر پڑھیں گے اور اس کے علاوہ دوسری سورتوں کو پڑھنا مکروہ سمجھیں گے۔

ہاں اگر کوئی آدمی مثلاً اس حدیث کے مطابق جمعہ کے روز نماز فجر کی پہلی رکعت میں الم تنزیل سورۃ السجدہ) اور دوسری رکعت میں ھل اتی علی الانسان (سورۃ دہر) حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کی برکت حاصل کرنے اور اتباع سنت کے جذبے سے پڑھا کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ ان سورتوں کے علاوہ کبھی کبھی کوئی دوسری سورت بھی پڑھ لیا کرے تاکہ کم علم اور عوام یہ نہ سمجھیں کہ ان سورتوں کے علاوہ کوئی دوسری سورت پڑھنی جائز نہیں ہے۔

اس کے علاوہ حنفیہ کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس عمل پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوام ثابت نہیں ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی یہ سورتیں پڑھا کرتے تھے لہٰذا کبھی کبھی پڑھنا تو ہر آدمی کے لیے افضل ہے۔

اس موقعہ پر یہ مسئلہ بھی سن لیجئے کہ اگر کوئی آدمی صبح کی نماز میں سورۃ سجدہ پڑھے تو اسے سجدۂ تلاوت بھی کرنا چاہئے اگرچہ شوافع کے کچھ علماء نے بعض ایام میں امام کے لیے اس کو ترک کرنا ہی اولیٰ قرار دیا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سجدہ تلاوت کرنا ہی ثابت ہے۔

نفس قرأت میں تمام قرآن کی سورتوں کا برابر ہونا:

قرآن مجید نماز میں قرأت کرنا جس طرح حکم شرعی کے مطابق علی الاطلاق ہے وہ حکم اسی طرح مطلق ہی رہے گا۔ جس طرح ''فاقرؤا ما تیسر من القرآن'' میں ہے کہ تمہیں جو قرآن آسان ہو پڑھو لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ سورتوں کے فضائل

اپنی جگہ پر ہیں جبکہ مطلق طور پر تمام سورتیں نفس قرأت میں برابر ہیں۔

مقتدی کے امام کے پیچھے قرأت نہ کرے:

(وَلَا يَقْرَأُ الْمُؤْتَمُّ خَلْفَ الْإِمَامِ) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي الْفَاتِحَةِ .لَهُ أَنَّ الْقِرَاءَةَ رُكْنٌ مِنَ الْأَرْكَانِ فَيَشْتَرِكَانِ فِيهِ .

وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "(مَنْ كَانَ لَهُ إمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ) " وَعَلَيْهِ إجْمَاعُ الصَّحَابَةِ وَهُوَ رُكْنٌ مُشْتَرَكٌ بَيْنَهُمَا ، لَكِنَّ حَظَّ الْمُقْتَدِي الْإِنْصَاتُ وَالِاسْتِمَاعُ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "(وَإِذَا قَرَأَ الْإِمَامُ فَأَنْصِتُوا) " وَيُسْتَحْسَنُ عَلَى سَبِيلِ الِاحْتِيَاطِ فِيمَا يُرْوَى عَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ ، وَيُكْرَهُ عِنْدَهُمَا لِمَا فِيهِ مِنْ الْوَعِيدِ .

(وَيَسْتَمِعُ وَيُنْصِتُ وَإِنْ قَرَأَ الْإِمَامُ آيَةَ التَّرْغِيبِ وَالتَّرْهِيبِ) لِأَنَّ الِاسْتِمَاعَ وَالْإِنْصَاتَ فَرْضٌ بِالنَّصِّ ، وَالْقِرَاءَةُ وَسُؤَالُ الْجَنَّةِ وَالتَّعَوُّذُ مِنَ النَّارِ كُلُّ ذَلِكَ مُخِلٌّ بِهِ وَكَذَلِكَ فِي الْخُطْبَةِ ، (وَكَذَلِكَ إنْ صَلَّى عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ) لِفَرْضِيَّةِ الِاسْتِمَاعِ إلَّا أَنْ يَقْرَأَ الْخَطِيبُ قَوْله تَعَالَى (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ) الْآيَةَ ، فَيُصَلِّي السَّامِعُ فِي نَفْسِهِ . وَاخْتَلَفُوا فِي النَّائِي عَنْ الْمِنْبَرِ ، وَالْأَحْوَطُ هُوَ السُّكُوتُ إقَامَةً لِفَرْضِ الْإِنْصَاتِ ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ .

ترجمہ

اور مقتدی امام کے پیچھے قرأت نہ کرے۔جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے فاتحہ میں اختلاف کیا ہے۔کیونکہ ان کے نزدیک فاتحہ قرأت کے ارکان میں سے ایک رکن ہے لہذا اس میں امام ومقتدی دونوں شامل ہوں گے۔

جبکہ ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس کا امام ہو پس امام کی قرأت ہی اس کی قرأت ہے۔اسی پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔اور قرأت ایسا رکن ہے جو امام ومقتدی کے درمیان مشترک ہے۔لیکن مقتدی کے حصے میں خاموشی ہے۔اور توجہ سے سننا ہے۔کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب امام پڑھے تو تم خاموش رہو۔اور اس کا پڑھنا بطور احتیاط مستحسن ہے۔اسی قول کی وجہ سے جو امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت کیا گیا ہے۔جبکہ شیخین کے نزدیک مکروہ ہے۔کیونکہ مقتدی کے پڑھنے پر وعید وارد ہوئی ہے۔

مقتدی توجہ سے سنے اور خاموش رہے۔خواہ امام ترغیب کی آیت پڑھے یا ترہیب کی آیت پڑھے۔کیونکہ توجہ سے سننا اور خاموش رہنا نص قرآنی کے مطابق فرض ہے۔اور قرأت کرنا، جنت کا سوال اور جہنم سے پناہ مانگنا یہ سب مداخلت ہے۔اور اسی طرح خطبہ میں اور جب امام نبی کریم ﷺ پر درود بھیجے۔اس لئے خطبہ سننا فرض ہے۔لیکن جس وقت خطیب اللہ تعالیٰ کا

فرمان "یَا اَیُّھَا الَّذِینَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَیہِ" پڑھے تو سننے والا اپنے دل میں درود پڑھے۔اور جو شخص منبر سے دور ہو اس کے بارے میں اختلاف ہے۔لہذا خاموشی ہی زیادہ اچھا ہے۔تاکہ فرض انصات قائم رہے۔اللہ ہی سب سے زیادہ صواب کو جاننے والا ہے۔

جب امام نماز میں قرآن پڑھے تم چپ کر جاؤ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام اس لیے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے ،لہذا جب امام اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو اور جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔
(سنن ابوداؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

فاذا اکبر فکبروا کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ مقتدی تکبیر، امام کے تکبیر کہنے کے بعد کہیں۔نہ تو اس کے ساتھ ساتھ کہیں اور نہ اس سے پہلے کہیں اور یہ حکم تکبیر تحریمہ میں تو واجب ہے البتہ دوسری تکبیرات میں مستحب ہے۔

حدیث کے دوسرے جزء فاذا قرا سے مراد مطلق ہے یعنی خواہ امام بلند قرأت کرے یا آہستہ سے پڑھے۔دونوں صورتوں میں مقتدیوں کو خاموشی سے اس کی قرأت سننا چاہئے اس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فانصتوا یعنی چپ رہو فرمایا۔ فاستمعوا یعنی سنو۔فرمایا ارشاد ربانی ہے۔

آیت (وَاِذَا قُرِیَٔ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ) 7 ۔ الاعراف (204:

یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو (بلند آواز سے پڑھنے کی صورت میں) اسے سنو اور آہستہ آواز سے پڑھنے کی صورت میں) خاموش رہو۔

اس آیت کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔

حضرت زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس انصاری نوجوان کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس کی عادت تھی کہ جب کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن سے کچھ پڑھتے یہ بھی اسے پڑھتا پس یہ آیت اتری۔ مسند احمد اور سنن میں حضرت ابو ھیریہ سے مروی ھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اس نماز سے فارغ ھو کر پلٹے جس میں آپ نے با آواز بلند قرات پڑھی تھی پھر پوچھا کہ کیا تم میں سے کسی نے میرے ساتھ پڑھا تھا؟ ایک شخص نے کہا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔آپ نے فرمایا میں کہہ رہا تھا کہ یہ کیا بات ہے کہ مجھ سے قرآن کی چھینا جھپٹی ہو رہی ہے؟ راوی کا کہنا ہے کہ اس کے بعد لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان نمازوں میں جن میں آپ اونچی آواز سے قرات پڑھا کرتے تھے قرات سے رک گئے جبکہ انہوں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا۔امام ترمذی اسے حسن کہتے ہیں اور ابو حاتم

رازی اس کی تصحیح کرتے ہیں۔

صحابی قرأت خلف الامام کرنا چھوڑ گئے وہابی نہیں چھوڑتے:

غیر مقلدین کے مولوی رحمت اللہ نے مناظر اسلام علامہ سعید احمد اسعد صاحب سے جب قرأت خلف الامام کے موضوع پر مناظرہ کیا تو دلائل کی رو سے انتہائی شکست سے دوچار ہوئے۔ تب علامہ سعید اسعد صاحب نے سنن ابوداؤد کی حدیث بیان کرتے ہوں یوں کہا کہ "نبی کریم ﷺ کے حکم کے بعد صحابی امام کے پیچھے قرأت کرنا چھوڑ گئے لیکن وہابی نہیں چھوڑتے" لہذا ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتباع کرنے والے ہیں۔ اس لئے ہم امام کے پیچھے قرأت نہیں کریں گے۔

(مطلب اس حدیث کا بھی یہی ہے کہ امام جب پکار کر قرات پڑھے اس وقت مقتدی سوائے الحمد کے کچھ نہ پڑھے کیونکہ ایسی ہی روایت ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، موطا امام مالک، مسند احمد وغیرہ میں ہے جس میں ہے کہ جب آپ کے سوال کے جواب میں یہ کہا گیا ہے کہ ہم پڑھتے ہیں تو آپ نے فرمایا لا تفعلو الا بفا تهته الكتاب فانه لا صلوة لمن لم يقراء بها یعنی ایسا نہ کیا کرو صرف سورہ فاتحہ پڑھو کیونکہ جو اسے نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔ پس لوگ اونچی آواز والی قرات کی نماز میں جس قرات سے رک گئے وہ الحمد کے علاوہ تھی کیونکہ اسی سے روکا تھا اسی وجہ سے صحابہ رک گئے۔

زہری کا قول ہے کہ امام جب اونچی آواز سے قرات پڑھے تو انہیں امام کی قرات کافی ہے امام کے پیچھے والے نہ پڑھیں گو انہیں امام کی آواز سنائی بھی نہ دے۔ ہاں البتہ جب امام آہستہ آواز سے پڑھ رہا ہو اس وقت مقتدی بھی آہستہ پڑھ لیا کریں اور کسی کو لائق نہیں کہ اس کے ساتھ ساتھ پڑھے خواہ جہری نماز ہو خواہ سری۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو تم اسے سنو اور چپ رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ علماء کے ایک گروہ کا مذہب ہے کہ جب امام اونچی آواز سے قرات کرے تو مقتدی پر نہ سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے نہ کچھ اور۔ امام شافعی کے اس بارے میں دو قول ہیں جن میں سے ایک قول یہ بھی ہے لیکن یہ قول پہلے کا ہے۔

جیسے کہ امام مالک کا مذہب، ایک اور روایت میں امام احمد کا بہ سبب ان دلائل کے جن کا ذکر گزر چکا۔ لیکن اس کے بعد کا آپ کا یہ فرمان ہے کہ مقتدی صرف سورہ فاتحہ امام کے سکتوں کے درمیان پڑھ لے۔ صحابہ تابعین اور ان کے بعد والے گروہ کا یہی فرمان ہے۔

امام ابوحنیفہ اور امام احمد فرماتے ہیں مقتدی پر مطلقاً قرات واجب نہیں نہ اس نماز میں جس میں امام آہستہ قرات پڑھے نہ اس میں جس میں بلند آواز سے قرات پڑھے اس لئے کہ حدیث میں ہے امام کی قرات مقتدیوں کی بھی قرات ہے۔ اسے امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت جابر سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ یہی حدیث موطا امام مالک میں موقوفاً مروی ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے یعنی یہ قول حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا ہونا زیادہ صحیح ہے نہ کہ فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا (لیکن یہ بھی یاد

رہے کہ خود حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ابن ماجہ میں مروی ہے کہ کنا نقرافی الظهر و العصر خلف الا مام فی الرکعتین الالیین بفا تحة الکتاب و سورة وفی الا خریین بفاتحه الکتاب یعنی ہم ظہر اور عصر کی نماز میں امام کے پیچھے پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ بھی پڑھتے تھے اور کوئی اور سورت بھی اور پچھلی دو رکعتوں میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھا کرتے تھے پس معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جو فرمایا کہ امام کی قرات اسے کافی ہے اس سے مراد الحمد کے علاوہ قرات ہے۔

یہ مسئلہ اور جگہ نہایت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اسی خاص مسئلے پر حضرت امام ابو عبداللہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور اس میں ثابت کیا ہے کہ ہر نماز میں خواہ اس میں قرات اونچی پڑھی جاتی ہو یا آہستہ مقتدیوں پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے۔

ابن عباس فرماتے ہیں یہ آیت فرض نماز کے بارے میں ہے۔ طلحہ کا بیان ہے کہ عبید بن عمر اور عطا بن ابی رباح کو میں نے دیکھا کہ واعظ وعظ کہہ رہا تھا اور وہ آپس میں باتیں کر رہے تھے تو میں نے کہا تم اس وعظ کو نہیں سنتے اور وعید کے قابل ہو رہے ہو؟ انہوں نے میری طرف دیکھا پھر باتوں میں مشغول ہو گئے۔ میں نے پھر یہی کہا انہوں نے پھر میری طرف دیکھا اور پھر باتوں میں مشغول ہو گئے۔ میں نے پھر یہی کہا انہوں نے پھر میری طرف دیکھ اور پھر اپنی باتوں میں لگ گئے، میں نے پھر تیسری مرتبہ ان سے یہی کہا۔ تیسری بار انہوں نے میری طرف دیکھ کر فرمایا یہ نماز کے بارے میں ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں نماز میں ہے۔ حضرت مجادہ سے مروی ہے کہ یہ آیت نماز اور جمعہ کے خطبے کے بارے میں ہے۔

حضرت عطاء سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ حسن فرماتے ہیں نماز میں اور ذکر کے وقت، سعید بن جبیر فرماتے ہیں بقرہ عید اور میٹھی عید اور جمعہ کے دن اور جن نمازوں میں امام اونچی قرات پڑھے۔ ابن جریر کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ مراد اس سے نماز میں اور خطبے میں چپ رہنا ہے جیسے کہ حکم ہوا ہے امام کے پیچھے خطبے کی حالت میں چپ رہو۔ مجاہد نے اسے مکروہ سمجھا کہ جب امام خوف کی آیت یا رحمت کی آیت تلاوت کرے تو اس کے پیچھے سے کوئی شخص کچھ کہے بلکہ خاموشی کے لئے کہا (حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی کسی خوف کی آیت سے گزرتے تو پناہ مانگتے اور جب کبھی کسی رحمت کے بیان والی آیت سے گزرتے تو اللہ سے سوال کرتے)۔

حضرت حسن فرماتے ہیں جب تو قرآن سننے بیٹھے تو اس کے احترام میں خاموش رہا کر۔ مسند احمد میں فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ جو شخص کان لگا کر کتاب اللہ کی کسی آیت کو سنے تو اس کے لئے کثرت سے بڑھنے والی نیکی لکھی جاتی ہے اور اگر اسے پڑھے تو اس کے لئے قیامت کے دن نور ہو گا۔ (ابن کثیر، اعراف، ۲۰۴)

لہٰذا معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے مقتدیوں کے لیے کچھ پڑھنا مطلقاً ممنوع ہے خواہ نماز جہری (بآواز بلند ہو یا سری بآواز آہستہ)

سورہ فاتحہ کی قراءت میں ائمہ کے مسالک کا بیان:

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنا خواہ نماز جہری ہو یا سری واجب ہے اور سورہ فاتحہ کے علاوہ کوئی سورۃ وغیرہ پڑھنا جائز ہے۔

حضرت امام احمد، حضرت امام مالک اور ایک قول کے مطابق خود حضرت امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم کا بھی مسلک یہ ہے کہ مقتدی کے لیے سورہ فاتحہ کا پڑھنا صرف سری نماز میں واجب ہے جہری نماز میں محض امام کی قرأت سننا کافی ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاں خواہ نماز سری ہو یا جہری دونوں صورتوں میں مطلقاً قرأت مقتدی کے لیے ممنوع ہے نیز صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد کے رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما کے نزدیک بھی مقتدی کو پڑھنا مکروہ ہے۔

حضرت امام محمد جو حضرت امام اعظم کے جلیل القدر شاگرد اور فقہ حنفیہ کے امام ہیں فرماتے ہیں کہ صحابہ کی ایک جماعت کے قول کے مطابق امام کے پیچھے مقتدی اگر سورہ فاتحہ کی قرأت کرے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ لہٰذا احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ عمل اس دلیل پر کیا جائے جو زیادہ قوی اور مضبوط ہو، چنانچہ حنفیہ کی دلیل یہ حدیث ہے۔

الحدیث (مَنْ كَانَ لَهٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَۃُ الْاِمَامِ قِرَاءَۃٌ لَّهٗ.

یعنی (نماز میں) جس آدمی کا امام ہو تو امام کی قرأت ہی اس (مقتدی) کی قرأت ہوگی۔

یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ البخاری ؤمسلم کے علاوہ سب ہی نے اسے نقل کیا ہے اور ہدایہ میں تو یہاں تک مذکورہ ہے علیہ اجماع الصحابۃ یعنی اسی پر صحابہ کا اتفاق تھا۔

سورۃ فاتحہ کے بارے میں ائمہ کی ابحاث کا بیان:

سورہ فاتحہ کے سلسلے میں ائمہ کے ہاں دو بحثیں چلتی ہیں اول تو یہ کہ مطلقاً سورہ فاتحہ پڑھا فرض ہے یا نہیں؟ چنانچہ اس بحث کی توضیح پہلے کی جا چکی ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے اور امام اعظم کے نزدیک واجب ہے۔ دوسری بحث یہ ہے کہ سورہ فاتحہ مقتدی کو پڑھنی چاہیے یا نہیں؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول سے تو یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنی چاہیے چنانچہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے صحیح روایت میں منقول ہے کہ مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے خواہ بلند آواز کی نماز ہو یا آہستہ آواز کی۔ اور یہی حضرت امام احمد کا بھی مسلک ہے، امام مالک کے نزدیک فرض نہیں مگر آہستہ آواز کی نماز میں مستحب ہے ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ اور صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف و امام محمد کا مذہب یہ ہے کہ آہستہ آواز اور بلند آواز دونوں قسم کی نمازوں میں سورہ فاتحہ پڑھنا مقتدی پر فرض نہیں ہے بلکہ حنفی فقہاء تو اس کو مکروہ تحریمی لکھتے ہیں۔

امام محمد کے مذہب کی تحقیق؛

ابھی ہم نے اوپر لکھا ہے کہ حضرت امام اعظم اور صاحبین کا متفقہ طور پر یہ مسلک ہے کہ مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں ہے مگر اس سلسلے میں کچھ غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے جس کی بنیاد پر بعض لوگوں کا خیال ہے کہ امام محمد کا مسلک امام اعظم اور امام ابو یوسف سے کچھ مختلف ہے چنانچہ ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اور کچھ دوسرے علماء نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ امام محمد اس کے قائل ہیں کہ آہستہ آواز کی نماز میں مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے ہم سمجھتے ہیں کہ امام محمد کی طرف اس قول کی نسبت کسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے کیونکہ امام محمد کی کتابوں سے بالکل صاف طریقہ یہ پر ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس مسئلہ میں شیخین یعنی امام اعظم اور امام ابو یوسف سے بالکل متفق ہیں۔ چنانچہ امام محمد اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ

لا قـرأةَ خلف الا مام فيما جهر فيه و لا فيما لم يجهر بذلك جاء ت عامة الاثار وهو قول ابي حنيفه رحمة الله تعالى۔

نماز خواہ بلند آواز کی ہو یا آہستہ آواز کی کسی حال میں بھی امام کے پیچھے قرأت نہیں ہے اسی کے مطابق ہمیں بہت سے احادیث پہنچی ہیں اور یہی قول امام ابو حنیفہ کا ہے۔

نیز امام موصوف نے اپنی دوسری تصنیف کتاب الاثار میں قرأت خلف الامام کے عدم اثبات میں احادیث وآثار کو نقل کرتے ہوئے تحریر فرمایا

وبه ناخذلانرى القراءة خلف الامام شىء من الصلوٰة يجهر فيه او لا يجهر فيه۔

اور یہی (یعنی عدم قرأت خلف الامام) ہمارا بھی مسلک ہے ہم قرأت خلف الامام کو کسی بھی نماز میں خواہ وہ بلند آواز کی نماز ہو یا آہستہ آواز کی نماز روا نہیں رکھتے۔

بہر حال مذکورہ بالا مذہب کو دیکھتے ہوئے یہ بات ظاہر ہوئی کہ سورہ فاتحہ کے سلسلہ میں حنفیہ دو چیزوں کے قائل ہیں۔ اول تو یہ مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا کسی بھی حال میں فرض نہیں خواہ وہ نماز بلند آواز کی ہو یا آہستہ آواز کی اور دوسری یہ کہ اگر کوئی مقتدی سورہ فاتحہ پڑھتا ہے تو گویا وہ مکروہ تحریمی کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس موقعہ پر ہم صرف اتنی بات صاف کریں گے کہ مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض کیوں نہیں ہے اور اس کے دلائل کیا ہیں۔

تو جاننا ہے کہ جو حضرات یہ فرماتے ہیں کہ مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے اس کی سب سے بڑی دلیل اس باب کی پہلی حدیث ہے یعنی لا صلوة الا بفاتحة الكتاب ان حضرات کے نزدیک امام کا پڑھنا مقتدی کے حق میں کافی نہیں بلکہ ہر ایک آدمی کو بطور خود پڑھنا ضروری ہے۔

امام اعظم فرماتے ہیں کہ امام کا پڑھنا مقتدی کے لیے کافی ہے۔ جب امام نے پڑھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پوری

جماعت نے پڑھا، چنانچہ وہ اپنے اس قول کی تائید میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں من کان له امام فقراء ة الا مام قراء ة له (یعنی جو آدمی کسی امام کے پیچھے نماز پڑھے۔ تو اس امام کی قرأت اس (مقتدی)۔ کی بھی قرأت سمجھی جائے گی) گو بعض علماء نے اگر چہ اس حدیث کی صحت میں کلام کیا ہے۔ مگر حقیقت میں ان کا کلام صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث بہت سی اسناد سے ثابت ہے جن میں سے بعض اسناد تو اس درجے کی صحیح وسالم ہیں کہ اس میں کسی کلام کی گنجائش ہی نہیں۔

بہر حال اس حدیث سے یہ بات بصراحت ثابت ہوتی ہے۔ کہ مقتدی کو قرأت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ تو سورہ فاتحہ کی اور نہ کسی اور سورۃ کی۔ اس موقع پر یہ احتمال بھی پیدا نہیں کیا جاسکتا کہ شاید اس حدیث کا تعلق بلند آواز کی نماز سے ہو کیونکہ یہ بات بھی صحیح طور پر ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد عصر کی نماز کے وقت تھا۔ جو آہستہ آواز کی نماز ہے اور جب آہستہ آواز کی نماز میں یہ حکم ہے تو بلند آواز کی نماز میں تو بدرجہ اولیٰ یہی حکم ہوگا۔

امام کے پیچھے قرأت نہ کرنے کے دلائل احادیث کی روشنی میں:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضی الله عنهما قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه و آله وسلم :مَنْ صَلّٰی خَلْفَ الْإِمَامِ فَإِنَّ قِرَاءَةَ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ.رَوَاهُ أَبُوْ حَنِيْفَةَ.

(الخوارزمی فی جامع المسانید، 331/1 ، والإمام محمد فی الموطأ، باب :القراء ة فی الصلاة خلف الإمام، 96/1 ، وعبد بن حميد فی المسند، 320/1 ، الرقم 1050 :، والطبرانی فی المعجم الأوسط، 8 /43 ، الرقم 7903 :، والبيهقی فی السنن الکبری، 160./2)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کا پڑھنا ہی اس کا پڑھنا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو نماز پڑھائی، تو ایک شخص نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے قراءت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز سے فارغ ہو کر فرمایا: تم میں سے کس نے میرے پیچھے قراءت کی تھی؟ (لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی کے ڈر سے خاموش رہے، یہاں تک کہ) تین بار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتکرار یہی استفسار فرمایا۔ آخر ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو امام کے پیچھے ہو تو امام کی قراءت ہی اس کی قراءت ہے۔

(مسند الإمام الأعظم .61 :)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو۔ جب رکوع کرے تو تم رکوع کرو، جب (سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ

حَمِدَہٗ) کہے تو تم (رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ) کہو، جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بھی بیٹھ کر پڑھو (البخاری فی الصحیح، کتاب :صفة الصلاة، باب :إیجاب التکبیر وافتتاح الصلاة، 257/1 ، الرقم 701 :)

حضرت عطاء بن یسار روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے امام کے ساتھ قراءت کے متعلق سوال کیا تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جواب دیا :امام کے ساتھ کسی چیز میں قراءت نہیں ۔(مسلم فی الصحیح، کتاب :المساجد و مواضع الصلاة، باب :سجود التلاوة، 406/1 ، الرقم 577 :)

حضرت حطّان بن عبداللہ رقاشی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی، جب وہ قعدہ کے قریب تھے تو ایک شخص نے کہا :یہ نماز نیکی اور پاکیزگی کے ساتھ پڑھی گئی ہے؛ جب وہ نماز سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے مڑ کر دیکھا اور پوچھا تم میں سے کس نے یہ بات کی تھی؟ سب خاموش رہے، انھوں نے پھر دوبارہ پوچھا کہ تم میں سے کس نے یہ بات کہی تھی؟ سب خاموش رہے، کہ آپ میری پٹائی کریں گے (یا ناراض ہوں گے) اس موقع پر حضرت موسیٰ نے مجھ سے کہا :اے حطّان !شاید تم نے یہ کلمہ کہا ہے؟ میں نے کہا :میں نے نہیں کہا، مجھے تو آپ کا ڈر تھا، پھر لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا :میں نے یہ کلمہ کہا تھا اور میری نیت سوائے بھلائی کے اور کچھ نہ تھی، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا : کیا تم نہیں جانتے نماز میں کیا کہنا چاہیے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا اور ہمیں نماز کا مکمل طریقہ بتلا دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :جب تم نماز پڑھنے لگو تو سب سے پہلے اپنی صفیں درست کرو پھر تم میں سے کوئی شخص امامت کرے جب امام تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو۔ جب وہ (غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ) کہے تو تم آمین کہو، اللہ تعالیٰ تمہاری اس دعا کو قبول فرمائے گا، پھر جب وہ تکبیر کہہ کر رکوع کرے تو تم بھی تکبیر کہہ کر رکوع کرو، امام تم سے پہلے رکوع کرے گا اور تم سے پہلے رکوع سے سر اٹھائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :اس طرح تمہارا عمل اس کے مقابلے میں ہو جائے گا اور جب امام (سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ) کہے تو تم (اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ) کہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارا قول سنتا ہے اور تمہارے نبی کی زبان پر اللہ تعالیٰ نے (سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ) جاری کر دیا، پھر جب امام تکبیر کہہ کر سجدہ کرے تو تم بھی تکبیر کہہ کر سجدہ کرو، امام تم سے پہلے سجدہ کرے گا اور تم سے پہلے سجدہ سے سر اٹھائے گا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : تمہارا یہ عمل امام کے مقابلہ میں ہوگا اور جب امام قعدہ میں بیٹھ جائے تو تم سب سے پہلے یہ کلمات :(اَلتَّحِيَّاتُ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ لِلّٰهِ .اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ .اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ .أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ) پڑھو ۔

(مسلم فی الصحیح، کتاب :الصلاة، باب :التشهد فی الصلاة، 303/1 ، 304، الرقم 404 :، وابن

حبان فی الصحیح، 541/5، الرقم 2167 :، والدارمی فی السنن، 363/1، الرقم 1358. :)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں :جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں بھی یہ الفاظ ہیں :اور جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔

(مسلم فی الصحیح، کتاب :الصلاۃ، باب :التشھد فی الصلاۃ، 304/1، الرقم 404 :، والبیھقی فی السنن الکبری، 155/2، الرقم 2709. :امام مسلم نے فرمایا کہ یہ روایت میرے نزدیك صحیح ھے۔)

حضرت ابونعیم وہب بن کیسان سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنھما کو یہ فرماتے ہوئے سنا :جس نے کوئی رکعت پڑھی اوراس میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھی تو گویا اس نے نماز ہی نہیں پڑھی ،سوائے اس کے کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔(الترمذی فی السنن، کتاب :الصلاۃ عن رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم، باب :ما جاء فی ترك القراء ۃ خلف الإمام إذا جھر الإمام بالقراء ۃ، 346/1 ، 347، الرقم 312 :، 313)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھائی۔ ایک شخص آیا اوراس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے سورت :(سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَی) پڑھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا :تم میں سے قراءت کس نے کی؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے عرض کیا :ایک آدمی نے۔ فرمایا :میں جان گیا تھا کہ تم میں سے کوئی مجھ سے جھگڑ رہا ہے۔(أبو داود فی السنن، کتاب :الصلاۃ، باب : من رأی القداءۃ إذا لم یجھر، 219/1 ، الرقم 828. :)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں نماز پڑھائی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا :تم میں سے سورہ :(سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَی) کس نے پڑھی؟ ایک آدمی نے عرض کیا :میں نے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :میں جان گیا تھا کہ تم میں سے کوئی مجھ سے جھگڑ رہا ہے۔

(أبو داود فی السنن، کتاب :الصلاۃ، باب :من رأی القراءۃ إذا لم یجھر، 219/1 ، الرقم 829. :)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جہری نماز سے فارغ ہوکر فرمایا : کیا تم میں سے کسی نے اب میرے ساتھ قراءت کی تھی؟ ایک شخص نے عرض کیا :جی ہاں !یا رسول اللہ !آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :میں بھی کہہ رہا تھا کہ کیا ہوگیا ہے کہ مجھ سے قرآن میں جھگڑا کیا جا رہا ہے راوی بیان کرتے ہیں کہ یہ سننے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنھم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جہری نمازوں میں قراءت سے رک گئے تھے۔(وَقَالَ أَبُوعِیْسَی :ھَذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ. الترمذی فی السنن، کتاب :الصلاۃ عن رسول اللہ صلی اللہ

علیه و آله وسلم، باب :ما جاء فی ترک القراء ة خلف الإمام إذا جهر الإمام بالقراء ة، 344/1 ، 345، الرقم : 312)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنه، قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه و آله وسلم :إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَ إِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوْا .رَوَاهُ ابْنُ مَاجه وَأَبُوْدَاوُدَ وَأَحْمَدُ .هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ . ابن ماجه فی السنن، کتاب :إقامة الصلاة والسنة فيها، باب :إذا قرأ الإمام فأنصتوا، 458/1 ، الرقم 846 :، وأبوداود فی السنن، کتاب :الصلاة، باب :الإمام يصلی من قعود، 237/1 ، الرقم 604 :،

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :امام اسی لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے، جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم لوگ بھی اللہ اکبر کہو، اور جب قراءت کرے تو چپ رہو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :امام اسی لئے بنایا جاتا ہے کہ اُس کی پیروی کی جائے۔ جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب وہ قراءت کرے تو تم خاموش رہو اور جب وہ (سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ) کہے تو تم (اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ) کہو۔ النسائی فی السنن، کتاب :الافتتاح، باب :تأويل قوله :وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون، 141/2 ، الرقم .921 :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایسی نماز سے فارغ ہوئے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلند آواز سے قرات فرمائی تھی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا : کیا تم میں سے اب کسی شخص نے میرے ساتھ قرآن پڑھا؟ ایک شخص نے کہا :جی ہاں !یارسول اللہ !میں نے پڑھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :اسی لیے تو میں بھی کہہ رہا تھا کیا ہوگیا ہے کہ کوئی شخص مجھ سے قرآن میں جھگڑ رہا ہے۔ جب سے لوگوں نے یہ سنا تو جس نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بآواز بلند قراءت فرماتے تھے کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے قراءت نہ کرتا۔(النسائی فی السنن، کتاب :الافتتاح، باب :قراءة أم القرآن خلف الإمام فيما جهر به الإمام، 140/2 ، الرقم .919 :)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نمازِ ظہر ادا فرمائی ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے (سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى) پڑھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز ادا فرما چکے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا :اس سورۃ کو کس شخص نے پڑھا، ایک شخص نے عرض کیا : میں نے !آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : مجھے ایسا معلوم ہوا گویا کوئی شخص مجھ سے قرآن میں جھگڑ رہا ہے۔(النسائی فی السنن، کتاب :الافتتاح، باب :ترك القراءة خلف الإمام فيما لم جهر به، 141/2 ، الرقم 917 :، والطحاوی فی

شرح معاني الآثار، 1/ 207.)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: امام اس لیے ہوتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے۔ جب وہ (اللہ اکبر) کہے تو تم (اللہ اکبر) کہو جب وہ قراءت کرے تو خاموش رہو جب وہ (ولا الضالین) کہے تو تم (آمین) کہو جب وہ رکوع کرے تم رکوع کرو جب وہ (سمع اللہ لمن حمدہ) کہے تو تم (اللهم ربنا ولك الحمد) کہو جب وہ سجدہ کرے تو تم سجدہ کرو، اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم سب بیٹھ کر نماز پڑھو۔ (ابن ماجه في السنن، كتاب: إقامة الصلاة و السنة فيها، باب: إذا قرأ الإمام فأنصتوا، 1/276، الرقم 846.)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو، اور جب وہ قعدہ میں ہو تو تم پہلے التحیات پڑھا کرو۔ (ابن ماجه في السنن، كتاب: إقامة الصلاة و السنة فيها، باب: إذا قرأ الإمام فأنصتوا، 1/276، الرقم 847.)

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جب مقتدی کی قرات کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کیا مقتدی بھی امام کے پیچھے قراءت کرے گا؟ تو انہوں نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اسے امام کی قراءت کافی ہے اور جب اکیلا پڑھے تو خود قراءت کرے۔ نافع فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خود بھی امام کے پیچھے قراءت نہیں کرتے تھے۔ (أخرجه مالك في الموطأ، كتاب: النداء بالصلاة، باب: القراءة خلف الإمام فيما لا يجهر فيه بالقراءة، 1/86، الرقم 192؛ والطحاوي في شرح معاني الآثار، 1/284، الرقم 1283.)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں تعلیم دیتے ہوئے فرمایا: جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو کوئی ایک تمہارا امام بن جائے اور جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہا کرو۔ (أحمد بن حنبل في المسند، 4/ 415.)

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام کی اقتداء میں قراءت کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے، اور ہمارے مشائخ نے مجھے بتایا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اُس شخص کی نماز ہی نہیں جو امام کی اقتداء میں قراءت کرے اور حضرت موسیٰ بن عقبہ رضی اللہ عنہ نے مجھے بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنھم امام کے پیچھے قراءت کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔

(عبد الرزاق في المصنف، 2/139، الرقم 2810؛ والإمام محمد في الموطأ، باب: القراءة في الصلوة خلف الإمام، 1/ 98.)

حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے امام کی اقتداء میں قراءت کرنے کے بارے میں پوچھا گیا، تو انہوں نے فرمایا: خاموش رہو کہ نماز میں مصروفیت ہے تجھے امام اس (قراءت) کی کفایت کردے گا۔ (الإمام محمد فی الموطأ، باب :القراءة فی الصلاة خلف الإمام 96 :، والطحاوی فی شرح معانی الآثار، 284/1، الرقم .1273 :)

حضرت علقمہ بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جہری (جن میں آواز سے قراءۃ ہوتی ہے) اور سری (جن میں قراءۃ آہستہ ہوتی ہے) دونوں طرح کی نمازوں میں امام کے پیچھے قراءت نہیں کرتے تھے۔ (الإمام محمد فی الموطأ، باب :القراءة فی الصلاة خلف الإمام .96 :)

داود بن قیس فراء مدنی کہتے ہیں کہ مجھے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے کسی نے بتایا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: میں یہ پسند کرتا ہوں کہ جو شخص امام کے پیچھے قراءت کرے اس کے منہ میں انگارہ ہو۔ (الإمام محمد فی الموطأ، باب :القراءة فی الصلاة خلف الإمام .98 :)

عبداللہ بن ابی لیلیٰ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ امام کی اقتداء میں قراءت کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ (عبد الرزاق فی المصنف، 138/2 ، الرقم .2805 :)

امام محمد بن عجلان سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میری یہ خواہش ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے قراءت کرے اس کے منہ میں پتھر ہو۔ (عبد الرزاق فی المصنف، 138/2 ، الرقم .2806 :)

حضرت ابوحمزہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا: کیا میں قراءت کروں جبکہ امام میرے سامنے ہو؟ تو انہوں نے فرمایا: نہیں۔

(الطحاوی فی شرح معانی الآثار، 284/1 ، الرقم .1282 :)

قاعدہ فقہیہ سے قرأت خلف الامام کی ممانعت کا بیان:

النهي لايكون الا بعد الاباحة .

حکم نہی اباحت شئی کے بعد آتا ہے۔ (شرح معانی الاثار ج اص ۲۲۰، مکتبہ حقانیہ ملتان)

اس کا ثبوت یہ ہے۔

حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ جو حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے غلام تھے فرماتے ہیں میں مسجد میں آیا تو دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیٹھے ہیں اور لوگ نماز پڑھ رہے ہیں میں نے کہا کیا آپ لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھیں گے تو انہوں نے کہا کہ میں نے سفر میں اپنی نماز پڑھ لی ہے بے شک رسول اللہ ﷺ نے ایک ہی دن میں فرض نماز کو دو مرتبہ

پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

ابتدائے اسلام میں مسلمان اسی طرح کرتے تھے کہ وہ نماز اپنے گھروں میں پڑھ لیتے تھے پھر مسجد میں آتے اور دوبارہ اسی نماز کو پاتے تو پڑھ لیتے تھے حتی کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمادیا ہے۔(شرح معانی الآثار ج اص ۲۲۰، مکتبہ حقانیہ ملتان)

ا۔تین دن کے بعد قربانی کے گوشت کا حکم:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے پہلے تم کو زیارت قبور سے منع کیا تھا لیکن اب تم زیارت کیا کرو، اور میں نے پہلے تم کو تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت کھانے سے منع کیا تھا اب تمہارا جب تک جی چاہے قربانی کا گوشت رکھ لیا کرو، اور میں نے تم کو مشک کے علاوہ تمام برتنوں میں نبیذ کے استعمال سے منع کیا تھا اب تم تمام برتنوں میں نبیذ کو استعمال کرو، البتہ نشہ آور چیز کو نہ پینا۔(مسلم ج ۲ ص ۱۵۷، قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس حدیث میں قبروں کی زیارت اور قربانی کا گوشت کھانا تین دن سے زائد کی اجازت ہے جو کہ ابتدائے اسلام میں منع تھی۔

امام کے پیچھے قرأت کرنے کا حکم اگر بقول غیر مقلدین مباح تھا اور اس کی اباحت پر وہ کمزور دلائل بیان کرنے کی جسارت کر لیتے ہیں تو ان سے ہماری گذارش یہی ہے کہ حکم اباحت کے بعد ہی نہی وارد ہوتی ہے۔کبھی بھی ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی شخص کھانا نہ کھار ہا ہو اور اسے کہیں کہ تم کھانا مت کھاؤ۔ بلکہ کھانا کھانے سے ممانعت اسی کو کی جائے گی جو کھانا کھار ہا تھا۔امام کے پیچھے قرأت کرنے سے اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ امام کے پیچھے قرأت ہوئی تھی۔لہذا اس اصول کی روشنی میں مسئلہ سمجھنے کی کوشش کریں۔لوگوں پر اپنی نفسانی خواہشات مت مسلط کریں۔

امام کے پیچھے قرأت کرنے والوں کے حق میں وعید کا بیان:

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: انـمـا جعل الامام لیؤتم به فاذا کبر فکبروا اذا قرأفانصتوا۔امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اتباع کی جائے جب تکبیر تحریمہ کہے تم تکبیر کہو جب قرأت کرے خاموش رہو۔

(مصنّف ابن ابی شیبه في الامام يصلی حالساطبوعه ادارة القرآن والعلوم الاسلاميه كراچی)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: مجھے تمنا ہے کہ جو امام کے پیچھے پڑھے اس کے منہ میں آگ ہو"۔عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: قدرت پاتا تو اسکی (امام کے پیچھے پڑھنے والے کی) زبان کاٹ دیتا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں دوست رکھتا ہوں کہ جو امام کے پیچھے قرات کرے اس کے منہ میں انگارا ہو۔

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے قرات کرتا ہے، کاش اس کے منہ میں پتھر ہو۔

حضرت عبداللہ بن زید بن ثابت اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سوال ہوا۔ انہوں نے فرمایا کہ امام کے پیچھے کسی نماز میں قرات نہ کرے۔

امیر المؤمنین سیدنا مولیٰ علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ فرمایا جس نے امام کے پیچھے قرات کی اس نے فطرت سے خطا کی۔ (فتویٰ رضویہ، باب القرأة)

قرأت خلف الامام اور منازعت کا بیان:

عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ الکبر ردائی والعظمة ازاری من نازعنی واحدامنهما القیته فی النار ۔ (سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث، ۴۱۶۴، سنن ابوداؤد، ۳۵۶۷، مسند احمد، ۲۵۸۵۹، مسلم، ۴۷۵۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے کبر میری چادر ہے اور عظمت میرا ازار ہے جس نے ان میں سے کسی ایک میں بھی میرے ساتھ منازعت یعنی جھگڑا کیا میں اسے جہنم میں ڈالوں گا۔

جو لوگ امام کے پیچھے قرأت کرتے ہیں وہ منازعت کرتے ہیں لہٰذا انہیں منازعت کے اس عمل سے باز رہنا چاہیے۔

جماعت کی شرعی حیثیت:

(اَلْجَمَاعَةُ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (اَلْجَمَاعَةُ سُنَّةٌ مِنْ سُنَنِ الْهُدَى لَا يَتَخَلَّفُ عَنْهَا إِلَّا مُنَافِقٌ)☆

ترجمہ:

جماعت سنت مؤکدہ ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جماعت سنن ہدیٰ میں سے سنت ہے اس سے صرف منافق پیچھے رہتا ہے۔

شرح:

☆ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی مسجد میں ہو اور اذان ہو جائے پھر وہ بغیر کسی ضرورت کے مسجد سے چلا جائے اور (جماعت میں شریک ہونے کے لیے) واپس آنے کا ارادہ بھی نہ رکھتا ہو تو وہ منافق ہے۔ (ابن ماجہ)

اگر کوئی آدمی مسجد میں موجود ہو اور اذان ہو جائے اور پھر وہ جماعت کی سعادت سے منہ موڑ کر مسجد سے چلا جائے تو یہ بڑی بدبختی کی بات ہے۔ چنانچہ فرمایا جا رہا ہے کہ ایسا آدمی ترک جماعت کا گناہ گار ہونے کی وجہ سے منافق کی طرح ہوتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں نے ارادہ کیا کہ لوگوں کو نماز کا کہوں تو جماعت قائم ہو جائے (یعنی تکبیر ہو) پھر میں کسی مرد کو حکم دوں وہ لوگوں کو نماز پڑھائے پھر میں کچھ مردوں کو ساتھ لے کر چلوں جن کے پاس لکڑی کے گٹھے ہوں ان لوگوں کے پاس جو جماعت میں شریک نہیں ہوتے پھر انکے گھروں کو ان سمیت جلا ڈالوں۔ (سنن ابن ماجہ)

جماعت فرض وواجب ہے یا نہیں؟ :

اس بارے میں علماء کے ہاں اختلاف ہے کہ آیا جماعت سنت ہے یا واجب اور یا فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟ چنانچہ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ جماعت فرض عین ہے الا کسی عذر کی وجہ سے، یہ قول امام احمد بن حنبل، داؤد، عطاء اور ابوثور رحمہم اللہ تعالی علیہم کا ہے بعض علماء کا قول یہ ہے کہ جو کوئی نماز کے لیے اذان سنے اور مسجد میں حاضر نہ ہو تو اس کی نماز درست نہیں، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے نزدیک جماعت فرض کفایہ ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اوران کے متبعین رحمہم اللہ تعالی علیہم کا مسلک یہ ہے کہ جماعت سنت موکدہ واجب کے قریب ہے لیکن فقہ کی کتابوں کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ جماعت کے بارے میں حنفی فقہاء کے دو قول ہیں بعض کتابوں میں جماعت کو واجب لکھا گیا ہے اور بعض میں سنت موکدہ اور وجوب ہی کا قول راجح اور اکثر محققین حنفیہ کا مسلک بیان کیا گیا ہے۔

چنانچہ مشہور محقق حضرت ابن ہمام لکھتے ہیں کہ ہمارے اکثر مشائخ کا مسلک یہی ہے کہ جماعت واجب ہے لیکن اس کو سنت اس لیے کہا جاتا ہے کہ جماعت کا ثبوت سنت یعنی حدیث سے ہے نہ یہ کہ خود جماعت سنت ہے جیسا کہ نماز عیدین، وہ واجب ہے مگر اسے سنت اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کا ثبوت حدیث سے ہے۔

جماعت کے احکام ومسائل :

کتاب بدائع میں لکھا ہے کہ جماعت کے لیے مسجد میں حاضر ہونا ہر عاقل، بالغ غیر معذور پر واجب اور اگر ایک مسجد میں جماعت نہ ملے تو دوسری مسجدوں میں پھرنا واجب نہیں ہے البتہ جماعت کی سعادت حاصل کرنے کی خاطر اگر دوسری مسجدوں میں جائے تو یہ اچھی ہی بات ہوگی، قدوری نے لکھا ہے کہ اس صورت میں کہ اگر مسجد میں جماعت نہ ملے، تو چاہیے کہ اہل و عیال کو جمع کر کے گھر ہی میں جماعت سے نماز پڑھ لی جائے۔

اس مسئلے میں علماء کے ہاں اختلاف ہے کہ محلے کی مسجد میں جماعت افضل ہے یا جامع مسجد میں، اگر ایک محلے میں دو

مسجدیں ہوں تو ان میں سے قدیم مسجد کو اختیار کرنا چاہیے اور اگر دونوں برابر ہوں تو پھر جو مسجد قریب ہو اسے اختیار کیا جائے، جماعت نماز تراویح میں اگر چہ ایک قرآن مجید جماعت کے ساتھ ہو چکا ہو اور نماز کسوف کے لیے سنت موکدہ ہے، رمضان کے وتر میں جماعت مستحب ہے رمضان کے علاوہ اور کسی زمانہ کے وتر میں جماعت مکروہ تنزیہی ہے مگر اس کے مکروہ ہونے میں یہ شرط ہے کہ مواظبت کی جائے اگر مواظبت نہ کی جائے بلکہ کبھی کبھی دو تین آدمی جماعت سے پڑھ لیں تو مکروہ نہیں۔

نماز خسوف میں اور تمام نوافل میں جماعت مکروہ تحریمی ہے بشرطیکہ نوافل اس اہتمام سے ادا کیے جائیں جس اہتمام سے فرائض کی جماعت ہوتی ہے یعنی اذان واقامت کے ساتھ یا کسی اور طریقے سے لوگوں کو جمع کر کے ہاں اگر بغیر اذان و اقامت کے اور بغیر بلائے ہوئے دو تین آدمی جمع ہو کر کسی نفل کو جماعت سے پڑھ لیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔

جماعت کی حکمتیں اور فائدے :

جماعت کی حکمتیں کیا ہیں؟ اور اس کے کیا فائدے مرتب ہوتے ہیں، اس موضوع پر علماء نے بہت کچھ لکھا ہے لیکن اس سلسلے میں امام الکبیر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو لطیف و جامع بات کہی ہے وہ کہیں نظر نہیں آتی چنانچہ اس موقع پر انہیں کی تقریر نقل کی جاتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ

(۱) کوئی چیز اس سے زیادہ سودمند نہیں کہ کوئی عبادت اس طرح رسم عام کر دی جائے کہ وہ عبادت ایک ضروری عادت ہو جائے کہ اس کو چھوڑنا کسی عادت کو ترک کرنے کی طرح ناممکن ہو جائے اور تمام عبادتوں میں نماز سے زیادہ عظیم وشاندار کوئی عبادت نہیں کہ اس کے ساتھ یہ خاص اہتمام کیا جائے

(۲) مذہب میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں جاہل بھی عالم بھی، لہذا یہ بڑی مصلحت کی بات ہے کہ سب لوگ جمع ہو کر ایک دوسرے کے سامنے اس عبادت کو ادا کریں تاکہ کہ اگر کسی سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو دوسرا اسے بتادے گویا اللہ کی عبادت ایک زیور ہوئی کہ تمام پرکھنے والے اسے دیکھتے ہیں جو خرابی اس میں ہوتی ہے بتلا دیتے ہیں اور جو عمدگی ہوتی ہے اسے پسند کرتے ہیں پس نماز کی تکمیل کا یہ ایک ذریعہ ہوگا۔

(۳) جو لوگ بے نمازی ہوں گے ان کا بھی اس سے حال کھل جائے گا اور ان کے لئے وعظ ونصیحت کا موقع ملے گا۔

(۴) چند مسلمانوں کا مل کر اللہ کی عبادت کرنا اور اس سے دعا مانگنا حق تعالیٰ کی رحمت کے نزول اور قبولیت کے لیے ایک عجیب خاصیت رکھتا ہے۔

(۵) اس امت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا یہ مقصود ہے کہ اس کے نام کا کلمہ بلند ہو اور کلمہ کفر پست ہو اور روئے زمین پر کوئی اسلام سے غالب نہ رہے اور یہ بات جب ہی ہو سکتی ہے کہ یہ طریقہ مقرر کیا جائے کہ تمام مسلمان خواہ وہ کسی درجے اور کسی طبقے کے ہوں، عام وخاص مسافر اور مقیم، چھوٹے اور بڑے سب ہی اپنی کسی بڑی اور مشہور عبادت کے لیے جمع ہوں اور اسلام کی شان و شوکت اور اس کی ترغیب دی گئی اور اس کے چھوڑنے کی ممانعت کی گئی۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

(۶) جماعت میں یہ فائدہ بھی ہے کہ تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کے حال پر اطلاع ہوتی رہے گی، اور وہ ہر ایک کے درد و مصیبت میں شریک ہو سکیں گے جس سے دینی اخوت اور ایمانی محبت کا پورا اظہار واستحکام ہوگا جو اس شریعت کا ایک بڑا مقصود ہے اور جس کی تاکید وفضیلت جا بجا قرآن عظیم اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بیان فرمائی گئی ہے۔ (علم الفقہ)

موجودہ زمانے کی نظریاتی دوڑ کے مطابق دیکھا جائے تو جماعت اسلام کے نظریہ مساوات کا سب سے اعلیٰ مظہر ہے دن میں پانچ مرتبہ اللہ کے تمام بندے جو دنیاوی اعتبار سے کسی بھی منصب ومرتبے کے ہوتے ہیں اپنی تمام برتری وفوقیت اور اپنے دنیاوی جاہ وجلال کو بالائے طاق رکھ کر اللہ کے حضور میں تمام عام مسلمانوں کے ساتھ مل کر سربسجود ہو جاتے ہیں اور زبان حال سے اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ (حجۃ اللہ البالغہ از شاہ ولی اللہ دہلوی)

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود وایاز نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

ترک جماعت کے عذر :

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے ہر عاقل بالغ غیر معذور پر جماعت واجب ہے لیکن اگر ایسا کوئی آدمی ہو یعنی اسے ایسا عذر لاحق ہو جس کی وجہ سے وہ مسجد میں جا کر جماعت میں شریک نہیں ہو سکتا ہو تو اس کے لیے جماعت واجب نہیں رہتی، چنانچہ فقہاء نے ترک جماعت کے پندرہ عذر (ماخوذ از علم الفقہ) بیان کیے ہیں۔

(۱) نماز کے صحیح ہونے کی شرط مثلاً طہارت یا ستر عورت وغیرہ کا نہ پایا جانا۔

(۲) پانی کا بہت زوروں کے ساتھ برسنا، اس سلسلے میں حضرت امام محمد نے اپنی کتاب موطا میں لکھا ہے کہ اگرچہ شدید بارش کی صورت میں جماعت کے لیے نہ جانا جائز ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ جا کر جماعت سے نماز پڑھی جائے۔

(۳) مسجد کے راستے میں سخت کیچڑ کا ہونا۔

(۴) سردی اتنی سخت ہو کہ باہر نکلنے میں یا مسجد تک جانے میں کسی بیماری کے پیدا ہو جانے یا بڑھ جانے کا خوف ہو۔

(۵) مسجد تک جانے میں مال واسباب کے چوری ہو جانے کا خوف ہو۔

(۶) مسجد جانے میں کسی دشمن کے مل جانے کا خوف ہو۔

(۷) مسجد جانے میں کسی قرض خواہ کے ملنے اوراس سے تکلیف پہنچنے کا خوف ہو بشرطیکہ اس کے قرضے کے ادا کرنے پر قادر نہ ہو اگر قادر ہو تو وہ ظالم سمجھا جائے گا اوراس کو ترک جماعت کی اجازت نہ ہوگی۔

(۸) رات اس قدر اندھیری ہو کہ راستہ نہ دکھائی دیتا ہو ایسی حالت میں یہ ضروری نہیں کہ لالٹین وغیرہ ساتھ لے کر جائے۔

(۹) رات کا وقت ہو اور آندھی بہت سخت چلتی ہو۔

(۱۰) کسی مریض کی تیمارداری کرنا ہو کہ اس کے جماعت میں چلے جانے سے اس مریض کی تکلیف یا وحشت کا خوف ہو۔

(۱۱) پیشاب یا پاخانہ معلوم ہوتا ہو۔

(۱۲) سفر کا ارادہ رکھتا ہو اور خوف ہو کہ جماعت سے نماز پڑھنے میں دیر ہو جائے گی اور قافلہ نکل جائے گا، ریل کا مسئلہ بھی اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے مگر فرق اس قدر کہ وہاں ایک قافلے کے بعد دوسرا قافلہ بہت دنوں کے بعد ملتا ہے اور یہاں ریل ایک دن کئی بار جاتی ہے اگر ایک وقت کی ریل نہ ملی تو دوسرے وقت جا سکتا ہے ہاں اگر ایسا ہی سخت حرج ہوا ہو تو جماعت چھوڑ دینے میں مضائقہ نہیں۔

(۱۳) فقہ وغیرہ پڑھنے یا پڑھانے میں ایسا مشغول رہتا ہو کہ بالکل فرصت نہ ملتی ہو۔

(۱۴) کوئی ایسی بیماری مثلاً فالج وغیرہ ہو یا اتنا ضعیف ہو کہ چلنے پر قادر نہ ہو یا نابینا ہو اگرچہ اس کو مسجد تک پہنچا دینے والا کوئی مل سکے یا لنگڑا ہو یا دونوں طرف سے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہوں۔

(۱۵) کھانا تیار یا تیاری کے قریب ہو اور ایسی بھوک لگی ہو کہ نماز میں جی نہ لگنے کا خوف ہو۔

(نورالایضاح وقدوری، بتصرف)

باب الامامه

﴿یہ باب امامت کے بیان میں ہے﴾

باب الامامت کی مطابقت کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ یہ باب امامت کے احکام کے بیان میں ہے۔ اور اس کی ماقبل فصل سے مناسبت کی وجہ یہ ہے۔ کہ یہاں امامت کے وہ افعال ذکر کیے جائیں گے جن میں جہر واخفاء کا وجوب ہے۔ اور امام کی قرأت کا سنت ہونا بیان ہوگا۔ اور امامت کی مشروعیت کی صفت کا بیان ہوگا۔ پس اگر تو کہے کہ ماقبل فصل تھی اور یہاں باب ذکر کیا گیا ہے۔ تو میں کہوں گا کہ باب میں فصول جمع ہوتی ہیں۔ اور اس میں امامت کے کثیر احکام ہیں اور مقتدی کے کثیر احوال ہیں۔ لہذا اسی وجہ سے باب الامامت ذکر کیا ہے۔ (البنایہ شرح الہدایہ، ج ۲، ص ۳۷۸، حقانیہ ملتان)

امام کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے:

(وَأَوْلَى النَّاسِ بِالْإِمَامَةِ أَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ) وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَقْرَؤُهُمْ لِأَنَّ الْقِرَاءَةَ لَا بُدَّ مِنْهَا ، وَالْحَاجَةُ إِلَى الْعِلْمِ إِذَا نَابَتْ نَائِبَةٌ ، وَنَحْنُ نَقُولُ الْقِرَاءَةُ مُفْتَقَرٌ إِلَيْهَا لِرُكْنٍ وَاحِدٍ وَالْعِلْمُ لِسَائِرِ الْأَرْكَانِ (فَإِنْ تَسَاوَوْا فَأَقْرَؤُهُمْ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللَّهِ تَعَالَى. فَإِنْ كَانُوا سَوَاءً فَأَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ) وَأَقْرَؤُهُمْ كَانَ أَعْلَمَهُمْ لِأَنَّهُمْ كَانُوا يَتَلَقَّوْنَهُ بِأَحْكَامِهِ فَقُدِّمَ فِي الْحَدِيثِ ، وَلَا كَذَلِكَ فِي زَمَانِنَا فَقَدَّمْنَا الْأَعْلَمَ .

(فَإِنْ تَسَاوَوْا فَأَوْرَعُهُمْ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ صَلَّى خَلْفَ عَالِمٍ تَقِيٍّ فَكَأَنَّمَا صَلَّى خَلْفَ نَبِيٍّ) فَإِنْ تَسَاوَوْا فَأَسَنُّهُمْ " لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِابْنَيْ أَبِي مُلَيْكَةَ (وَلْيَؤُمَّكُمَا أَكْبَرُكُمَا سِنًّا) وَلِأَنَّ فِي تَقْدِيمِهِ تَكْثِيرَ الْجَمَاعَةِ .

ترجمہ

اور لوگوں میں سے کو سنت کا زیادہ عالم ہو امامت کا حقدار ہے۔ جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک ان میں سے جو زیادہ قاری ہو کیونکہ قرأت نماز کیلئے ضروری ہے۔ جبکہ علم کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب کوئی واقعہ پیش آئے۔ اور ہم کہتے ہیں کہ قرأت کی محتاجگی ایک رکن کیلئے ہے۔ جبکہ علم کی محتاجگی تمام ارکانوں کیلئے ہے۔

اگر وہ علم میں سب برابر ہوں تو ان میں سے جو سب سے زیادہ قاری ہو وہ حقدار ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قوم کی امامت کو امامت وہ کرائے جو کتاب اللہ کا اچھا قاری ہو۔ اگر وہ سب اس میں بھی برابر ہوں تو ان میں سنت کا زیادہ جاننے والا

امامت کرے۔جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جو سب سے بڑا قاری ہووہ عالم بھی ہوتا تھا۔کیونکہ انہوں نے قرآن کواس کے احکام کے ساتھ سیکھا تھا۔اسی وجہ سے حدیث میں قاری کومقدم کیا گیا ہے۔جبکہ ہمارے زمانے میں اس طرح نہیں ہے لہٰذا ہم نے سنت کے عالم کومقدم کیا ہے۔

اگر وہ علم وقرأت دونوں میں برابر ہوں توان میں متقی افضل ہے۔کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے عالم متقی کے پیچھے نماز پڑھی گواس نے میرے پیچھے نماز پڑھی۔

اگر وہ سب اس میں بھی برابر ہوں تو جوان میں زیادہ عمر والا ہووہ افضل ہے۔کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ابوملیکہ کے دونوں صاحبزادوں سے فرمایا: تم دونوں میں سے بڑا امامت کرائے۔کیونکہ بزرگ کومقدم کرنے کی وجہ سے جماعت میں کثرت ہوتی ہے۔

شرف علم کی بنیاد پرامامت کاحقدار ہونا

سیدنا ابومسعود انصاریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قوم کی امامت وہ شخص کرے جوقرآن زیادہ جانتا ہو۔اگر قرآن میں برابر ہوں تو جوسنت زیادہ جانتا ہواگر سنت میں سب برابر ہوں تو جس نے پہلے ہجرت کی ہو۔اگر ہجرت میں بھی سب برابر ہوں تو جواسلام پہلے لایا ہواور کسی کی حکومت کی جگہ میں جاکراس کی امامت نہ کرے (یعنی مقرر شدہ امام کے ہوتے ہوئے اس کی اجازت کے بغیر امامت نہ کرائے) اورنہ اس کے گھر میں اس کی مسند پر بیٹھے مگراس کی اجازت سے۔

شرف قرأت کی وجہ سے امامت کاحقدار ہونا

سیدنا ابومسعود انصاریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قوم کی امامت وہ شخص کرے جوقرآن زیادہ جانتا ہو۔اگر قرآن میں برابر ہوں تو جوسنت زیادہ جانتا ہواگر سنت میں سب برابر ہوں تو جس نے پہلے ہجرت کی ہو۔اگر ہجرت میں بھی سب برابر ہوں تو جواسلام پہلے لایا ہواور کسی کی حکومت کی جگہ میں جاکراس کی امامت نہ کرے (یعنی مقرر شدہ امام کے ہوتے ہوئے اس کی اجازت کے بغیر امامت نہ کرائے) اورنہ اس کے گھر میں اس کی مسند پر بیٹھے مگراس کی اجازت سے۔

شرف تقویٰ کی وجہ سے امامت کاحقدار ہونا۔

شرف عمر کی وجہ سے امامت کاحقدار ہونا۔

عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ ، قَالَ :أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ أَنَا وَصَاحِبٌ لِي ، فَلَمَّا أَرَدْنَا الِانْصِرَافَ ، قَالَ لَنَا :إِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَأَذِّنَا وَأَقِيمَا ، وَلْيَؤُمَّكُمَا أَكْبَرُكُمَا.(سنن ابن ماجه ،رقم الحديث ٩٧٩)

حضرت مالک ابن حویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور میرے چچا کے صاحبزادے (ہم دونوں) سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ، جب تم سفر میں جاؤتو (نماز

کے لیے) اذان وتکبیر کہا کرواورتم میں سے جو بڑا ہووہ امامت کرائے۔(صحیح البخاری)(ابن ماجہ رقم الحدیث،۹۷۹)

غالبًا یہ دونوں حضرات علم وورع میں ہم پلہ ہوں گے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام بننے کا حقدار اسے قرار دیا جو عمر میں بڑا ہو، یا پھر اکبر(یعنی بڑے) سے مراد افضل ہے کہ دونوں میں سے جو افضل ہو وہ امامت کرے۔اس سے معلوم ہوا کہ افضلیت کی شرط اذان میں نہیں ہے، تاہم چاہیے یہی کہ اذان وہ آدمی دے جو اقامت نماز کا علم رکھتا ہو، نیک اور دیندار ہو، بلند آواز اور خوش گلو ہو اور اذان کے کلمات صحیح صحیح ادا کرسکتا ہو۔ (صحیح مسلم،۳۱۶)

امامت کا مستحق کون ہے؟

حضرت ابومسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قوم کی امامت وہ آدمی کرے جو نماز کے احکام ومسائل جاننے کے ساتھ قرآن مجید سب سے اچھا پڑھتا ہو(یعنی تجوید سے واقف ہو۔اور حاضرین میں سب سے اچھا قاری ہو) اگر قرآن مجید اچھا پڑھنے میں سب برابر ہوں۔تو وہ آدمی امامت کرے جو (قرأت مسنونہ اچھی طرح پڑھنے کے ساتھ) سنت کا علم سب سے زیادہ رکھتا ہو۔اگر(قرآن مجید اچھی طرح پڑھنے اور) سنت کا علم جاننے میں سب برابر ہوں تو وہ آدمی امامت کرے جو (مدینہ میں) سب سے پہلے ہجرت کرکے آیا ہو اگر(علم قرأت اور) ہجرت میں سب برابر ہوں تو وہ آدمی امامت کرے جو عمر میں سب سے بڑا ہو !اور کوئی دوسرے کے علاقے میں امامت نہ کرے (یعنی دوسرے مقررہ امام کی جگہ امامت نہ کرے) اور کسی کے گھر میں اس کی مسند پر اس کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھے۔(صحیح مسلم) اور مسلم کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) کہ کوئی آدمی دوسرے کے گھر میں (اس کی اجازت کے بغیر اگرچہ وہ صاحب خانہ سے افضل ہی کیوں نہ ہو) امامت نہ کرے۔

فقہاء کے نزدیک امامت کا زیادہ کون حقدار ہے:

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ فَاَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ میں سنت سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہیں عہد صحابہ میں جو آدمی احادیث زیادہ جانتا تھا وہ بڑا فقیہ مانا جاتا تھا حضرت امام احمد اور امام ابو یوسف کا عمل اسی حدیث پر ہے، یعنی ان حضرات کے نزدیک امامت کے سلسلہ میں قاری عالم پر مقدم ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ حضرت امام محمد حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم کا مسلک یہ ہے کہ زیادہ علم جاننے والا اور فقیہ امامت کے سلسلے میں بڑے قاری پر مقدم ہے کیونکہ علم قرأت کی ضرورت تو نماز کے صرف ایک ہی رکن میں (یعنی قرأت کے وقت ہوتی ہے، برخلاف اس کے کہ علم کی ضرورت نماز کے تمام ارکان میں پڑتی ہے۔

جن احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عالم پر سب سے اچھا قرآن پڑھنے والا مقدم ہے اس کا جواب ان حضرات کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو لوگ قاری ہوتے تھے وہی سب سے زیادہ علم والے

بھی ہوتے تھے کیونکہ وہ لوگ قرآن کریم مع احکام کے سیکھتے تھے اسی وجہ سے احادیث میں قاری کو عالم پر مقدم رکھا گیا ہے اور اب ہمارے زمانے میں چونکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اکثر قاری مسائل سے ناواقف ہوتے ہیں، اس لیے ہم عالم کو قاری پر مقدم رکھتے ہیں۔

اس کے علاوہ ان حضرات کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں حضرت ابوبکر صدیق سے لوگوں کو نماز پڑھوائی باوجود اس کے وہ قاری نہ تھے بلکہ سب سے زیادہ علم والے تھے حالانکہ اس وقت ان سے زیادہ بڑے بڑے موجود قاری تھے۔ فاقدمھم ہجرۃ کے بارے میں ابن مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ آج کل ہجرت چونکہ متروک ہے اس لیے اب یہاں حقیقی ہجرت کے بجائے معنوی ہجرت (یعنی گناہوں اور برائیوں سے ترک) کا اعتبار ہو گا یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے علم اور قرأت میں برابری کے بعد پرہیزگاری کو مقدم رکھا ہے یعنی اگر وہ آدمی ایسے جمع ہوں جو عالم بھی ہوں اور قاری بھی ہوں تو ان دونوں میں سے امامت کا مستحق وہ آدمی ہوگا جو دوسرے کی بہ نسبت زیادہ پرہیزگاری کے وصف کا حامل ہوگا۔

اس حدیث میں امامت کے صرف اتنے ہی مراتب ذکر کیے گئے ہیں لیکن علماء نے کچھ اور مراتب ذکر کیے ہیں چنانچہ اگر عمر میں بھی سب برابر ہوں تو وہ آدمی امامت کرے جو سب سے زیادہ اچھے اخلاق والا ہو اگر اخلاق میں بھی سب برابر ہوں تو وہ آدمی امامت کرے جو اچھے چہرے والا ہو یعنی خوبصورت ہو اگر خوبصورتی میں سب برابر ہوں تو وہ آدمی امامت کرے جو سب سے عمدہ لباس پہنے ہوئے ہو یا سب سے زیادہ شریف النسب ہو اگر تمام اوصاف میں سب برابر ہوں تو اس صورت میں بہتر شکل یہ ہے کہ قرعہ ڈالا جائے جس کا نام نکل آئے وہ امامت کرے یا پھر قوم جسے چاہیے اپنا امام مقرر کرے اور اس کے پیچھے نماز پڑھے۔

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کی سلطنت وعلاقے میں امامت نہ کرے اسی طرح ایسی جگہ بھی امامت نہ کرے جس کا مالک کوئی دوسرا آدمی ہو جیسا کہ دوسری روایت کے الفاظ فی اھلہ سے ثابت ہوا۔

لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی مقام پر حاکم وقت امامت کرتا ہے یا حاکم وقت کی جانب سے مقرر شدہ اسی کا نائب جو امیر اور خلیفہ کے ہی حکم میں ہوتا ہے امامت کے فرائض انجام دیتا ہے تو کسی دوسرے آدمی کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ سبقت کرکے امامت کرے خاص طور پر عیدین اور جمعہ کی نماز میں تو یہ بالکل ہی مناسب نہیں ہے۔

اسی طرح جس مسجد میں امام مقرر ہو یا کسی مکان میں صاحب خانہ کی موجودگی میں مقررہ امام اور صاحب خانہ کی اجازت کے بغیر امامت کی طرف سبقت کرنا کسی دوسرے آدمی کا حق نہیں ہے کیونکہ اس طرح امور سلطنت میں انحطاط آپس میں بعض وعناد ترک ملاقات، افتراق واختلاف اور فتنہ وفساد کا دروازہ کھلتا ہے اور جب کہ جماعت کی مشروعیت ہی انہیں غیر اخلاقی

چیزوں کے سدباب کے لیے ہوئی ہے چنانچہ اس سلسلے میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ رویہ قابل تقلید ہے کہ وہ اپنے فضل وشرف اور علم وتقویٰ کے باد جود حجاج بن یوسف جیسے ظالم وفاسق کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔

فضیلت علم پر امامت کے بارے میں صاحب ہدایہ کی بیان کردہ حدیث پر غیر مقلدین کا تبصرہ وجواب:

غیر مقلدین اس حدیث پر بڑا شور کیا ہے کہ ''جس نے عالم متقی کے پیچھے نماز پڑھی گو اس نے میرے پیچھے نماز پڑھی ۔'' کہ علامہ بدرالدین عینی حنفی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔لہذا ضعیف احادیث کو صاحب ہدایہ نقل کرتے ہیں۔

جہاں تک صاحب ہدایہ کے استدلال کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں صحیح بخاری ومسلم ودیگر محدثین کی احادیث موجود ہیں اور رہی بات علم کی فضیلت اور انہی صحیح احادیث کی تائید میں اس حدیث کو بیان کرنا تو یہ بات فضائل میں پائی جاتی ہے۔اس کے دلائل ہم حسب ذیل بیان کرر ہے ہیں۔

ضعیف حدیث پر عمل کیلئے شرائط کا بیان:

ہاں یہ ضرور ہے کہ ضعیف حدیث کا ثبوت محتمل ہوتا ہے اس لئے اس سے استدلال کے وقت کچھ امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے حافظ شمس الدین سخاوی نے القول البدیع میں ابن حجر سے نقل کیا ہے۔

ضعیف حدیث پر عمل کے لئے تین شرطیں ہیں:

(۱) یہ کہ ضعف غیر شدید ہو چنانچہ وہ حدیث جس کی روایت تنہا کسی ایسے شخص کے طریق سے ہو جو کذاب یا متہم بالکذب یا فاحش الغلط ہو خارج ہوگی۔

(۲) اس کا مضمون قواعد شرعیہ میں سے کسی قاعدہ کے تحت آتا ہو چنانچہ وہ مضمون خارج از عمل ہوگا جو محض اختراعی ہو۔ اصول شرعیہ میں سے کسی اصل سے میل نہ کھاتا ہو (ظاہر ہے اس کا فیصلہ دیدہ در بالغ نظر فقہاء ہی کر سکتے ہیں جو ہر کہہ دمہ کے بس کی بات نہیں)

(۳) س پر عمل کرتے وقت اس کے ثبوت کا عقیدہ نہ رکھا جائے بلکہ صرف اس کے ثواب کے حصول کی امید کے ساتھ کیا جائے مبادا آں حضرت اکی جانب ایک بات جو واقع میں آپ نے نہ فرمائی ہو اس کا آپ کی طرف منسوب کرنا لازم آجائے۔

مولانا عبدالحیٔ لکھنوی نے ایک چوتھی شرط بھی ذکر کی ہے وہ یہ کہ اس مسئلہ کے متعلق اس سے قوی دلیل معارض موجود نہ ہو۔ پس اگر کوئی قوی دلیل کسی عمل کی حرمت یا کراہت پر موجود ہو اور یہ ضعیف اس کے جواز یا استحباب کی متقاضی ہو تو قوی کے مقتضی پر عمل کیا جائے گا۔

فضائل اعمال اور ترغیب وترہیب کا فرق

واضح رہے کہ اہل علم ضعیف حدیث کے قابل قبول ہونے کے مواقع کو بیان کرتے ہوئے اپنی عبارتوں میں فضائل اعمال اور ترغیب وترہیب دولفظوں کا استعمال کرتے ہیں فضائل اعمال کا اطلاق ایسے موقعوں پر کرتے ہیں جہاں کوئی مخصوص عمل پہلے سے کسی نص صحیح یا حسن سے ثابت ہونے کی بجائے کسی ضعیف حدیث میں اس عمل کا ذکر اور اس کی فضیلت آئی ہو اور علماء امت اور فقہاء کرام اس ضعیف حدیث ہی کی بنیاد پر اس عمل کو مستحب قرار دیتے ہیں مذکورہ بالا شرطوں کے ساتھ مثلاً مغرب کے بعد چھ رکعات کا پڑھنا قبر میں مٹی ڈالتے وقت مخصوص دعاء کا پڑھنا مستحب قرار دیا گیا ہے (جیسا کہ گذرا) اور جیسے اذان میں ترسل (ٹھہر ٹھہر کر کلمات اذان ادا کرنا) اور اقامت میں حدر (روانی سے ادا کرنا) مستحب ہے ترمذی کی حدیث ضعیف کی وجہ سے جو عبدالمنعم بن نعیم کے طریق سے روایت کر کے کہتے ہیں ہذا اسناد مجہول اور عبدالمنعم کو دار قطنی وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔ان مثالوں میں مذکورہ بالا شرطیں پائی جارہی ہیں۔

اور ترغیب وترہیب کا اطلاق ایسے مواقع میں کرتے ہیں جہاں کہ وہ مخصوص عمل کسی نص قرآنی حدیث صحیح یا حسن سے ثابت ہو اور کسی حدیث ضعیف میں ان اعمال کے کرنے پر مخصوص ثواب کا وعدہ اور نہ کرنے یا کوتاہی کرنے پر مخصوص وعید وارد ہوئی ہو۔چنانچہ اس مخصوص وعدہ اور وعید کو بیان کرنے کے لئے ضعیف سے ضعیف حدیث کو مذکورہ بالا شرطوں کے بغیر بھی بیان کرنا جائز قرار دیتے ہیں اس لئے کہ اس میں اس حدیث سے کسی طرح کا کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا اور فضائل میں جو استحباب ثابت ہوتا ہے وہ بربنائے احتیاط ہے اور بعض شوافع کے نزدیک تو استحباب حقیقۃً حکم اصطلاحی ہی نہیں ہے اس لئے کوئی اشکال نہیں۔

امام بیہقی رحمہ اللہ دلائل النبوۃ میں فرماتے ہیں۔

واما النوع الثاني من الاخبار فهي احاديث اتفق اهل العلم بالحديث على ضعف مخرجها وهذا النوع على ضربين ضرب رواه من كان معروفاً بوضع الحديث والكذب فيه فهذا الضرب لايكون مستعملاً فى شيء من امور الدين الا على وجه التليين۔وضرب لايكون راويه متهماً بالوضع غير انه عرف بسوء الحفظ وكثرة الغلط فى رواياته او يكون مجهولاً لم يثبت من عدالته وشرائط قبول خبره ما يوجب القبول فهذا الضرب من الاحاديث لايكون مستعملاً فى الاحكام وقد يستعمل فى الدعوات والترغيب والترهيب والتفسير والمغازى فيما لايتعلق به حكم انتهى۔

اور ترغیب وترہیب کے لئے مذکورہ نرمی محدثین کے طرز عمل سے ظاہر ہے،جیسا کہ اگلے عنوان میں واضح ہوگا۔

ضعیف حدیثوں کی پذیرائی کس کس نے کی ہے:

اس لئے کہ ہم نے بڑے بڑے ائمہ جرح وتعدیل اور نقاد حدیث کو دیکھا کہ جب وہ رجال کی جرح وتعدیل اور حدیثوں میں ثابت وغیر ثابت صحیح وغیر صحیح کی تحقیق کرنے کے موڈ میں ہوتے ہیں تو ان کا انداز تحقیق اور لب ولہجہ اور ہوتا ہے اور جب اخلاق آداب فضائل یا ترغیب وترہیب کے موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں تو اتنا نرم پہلو اختیار کرتے ہیں کہ موضوع تک بطور استدلال پیش کر ڈالتے ہیں اور معلوم نہیں ہوتا کہ یہ وہی ابن جوزی منذری نووی ذہبی ابن حجر ابن تیمیہ اور ابن قیم ہیں جن پر فن نقد ودرایت کو بجا طور پر ناز ہے اور مجموعی طور پر ان اساطین علم حدیث کا طرز عمل صاف غمازی کرتا ہے کہ ترغیب وترہیب وغیرہ کے باب میں چشم پوشی زیادہ ہے جس کو آج کے مدعیان علم وتحقیق نہ جانے کس مصلحت سے نظر انداز کر رہے ہیں۔امام بخاری سمیت جمہور محدثین وفقہاء کا ضعیف حدیث کے ساتھ نرم پہلو اختیار کرنے کا معاملہ تو معلوم ہو ہی چکا ہے اس کے علاوہ کچھ ناموں سے ناقدین حدیث اور مشہور مصنفین کا ان کی کتابوں میں طرز عمل ملاحظہ فرمائیں۔

حافظ ابن جوزی اور ضعیف احادیث پر عمل کرنے کا بیان:

حافظ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن الجوزی نے ایک طرف موضوعات کی تحقیق میں بے مثال کتاب تصنیف فرمائی تا کہ واعظین اور عام مسلمین ان موضوع حدیثوں کی آفت سے محفوظ رہیں نیز وہ حدیث پر وضع کا حکم لگانے میں متشدد بھی مانے جاتے ہیں دوسری طرف اپنی پند وموعظت اور اخلاق وآداب کے موضوع پر تصنیف کردہ کتابوں میں آپ نے بہت سی ایسی حدیثیں نقل کر ڈالی ہیں جو ضعیف کے علاوہ موضوع بھی ہیں۔مثلاً دیکھئے ان کی یہ کتابیں۔ذم الہویٰ تلبیس ابلیس رؤوس القواریر اور التبصرۃ جس کی تلخیص شیخ ابوبکر احسائی نے قرۃ العیون المبصرۃ بتلخیص کتاب التبصرۃ میں کی ہے۔

یہ بات حافظ ابن تیمیہ نے الرد علی البکری (ص:) میں ابونعیم خطیب ابن جوزی ابن عساکر اور ابن ناصر سب کے متعلق مشترکہ طور پر کہی ہے حافظ سخاوی نے شرح الالفیہ میں لکھا۔

وقد اكثر ابن الجوزى فى تصانيفه الوعظية فما اشبهها من ايراد الموضوع وشبهه

حافظ منذری اور ضعیف احادیث پر عمل کرنے کا بیان:

حافظ منذری کی الترغیب والترہیب کے نہج اور اس کے متعلق حافظ سیوطی رائے گذر چکی اور ضمناً یہ بات بھی آئی کہ وہ ایسی حدیثیں بھی لاتے ہیں جس کی سند میں کوئی کذاب یا متہم راوی ہوتا ہے اور اس کو صیغہ تمریض روی سے شروع کرتے ہیں (شیخ رحمہ اللہ بھی ترغیب منذری کی ایسی کوئی روایت نقل کرتے ہیں) تو صیغہ تمریض ہی سے کرتے ہیں) حافظ منذری اپنے مقدمہ میں کتاب کی شرطوں اور مصادر وماآخذ کے ذکر سے فارغ ہو کر لکھتے ہیں:

استوعبت جميع ما فى كتاب ابى القاسم الاصفهانى مما لم يكن فى الكتب المذكورة و اضربت عن

ذكر ماقيل فيه من الاحاديث المتحققة الوضع۔

یعنی مذکورہ اہم مصادر حدیث کے علاوہ میں نے ابوالقاسم اصفہانی کی ترغیب وترہیب (جس میں انہوں نے اپنی سند سے حدیثیں تخریج کی ہیں) کی وہ ساری حدیثیں لی ہیں جو مذکورہ کتب میں نہیں آسکیں اوران کی تعداد تھوڑی ہے اوران حدیثوں کو نظرانداز کردیا ہے جن کا موضوع ہونا قطعی ہے۔

معلوم ہوا کہ کسی حدیث کی سند میں کذاب یا متہم راوی کا ہونا اس کے واقعی موضوع ہونے کو مستلزم نہیں ہے جب ہی تو منذری نے ایسی روایات کو منتخب کرلیا جوان کے نزدیک قطعی طور پر موضوع نہیں ہیں اوران کی سند میں ایسے رجال ہیں جو کذاب اور متہم کہے گئے ہیں۔

امام نووی اور ضعیف احادیث پر عمل کرنے کا بیان:

علامہ نووی شارح صحیح مسلم کے متعلق بھی علامہ کتانی نے (الرحمۃ المرسلۃ ص:) میں حافظ سیوطی کا یہ جملہ نقل کیا ہے۔

اذا علمتم بالحديث انه فی تصانيف الشيخ محی الدين النووی فاروو ه مطمئنين

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ موضوع حدیث اپنی کتابوں میں ذکرنہیں کرتے رہیں ضعیف حدیثیں معذرت کے طور پر مقدمہ میں انہیں یہ حقیقت واشگاف کرنی پڑی کہ ضعیف حدیث اگر موضوع نہ ہوتو فضائل اور ترغیب وترہیب میں معتبر ہوتی ہے جیسا کہ گذرا۔ بلکہ ریاض الصالحین جو باب فضائل میں صحیح حدیثوں کا مجموعہ ہے اور جس کے متعلق انہوں نے صراحت کی ہے کہ وہ صحیح حدیث ہی ذکر کریں گے اس میں چند ایک ضعیف حدیثیں موجود ہیں۔ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے بطور مثال تین حدیثیں پیش کی ہیں مثلاً الكيس من دان نفسه الخ اسکی سند میں ابوبکر بن عبداللہ بن ابی مریم ہے جو بہت ہی ضعیف ہے (فیض القدیر)

مااکرم شاب شيخاً الا قيض الله له من يكرمه عند كبر سنه

اس کے ضعیف ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں کیونکہ اس کی سند میں یزید بن بیان عقیل اوراس کا شیخ ابوالرحال خالد بن محمد الانصاری دونوں ضعیف ہیں۔ (فیض القدیر، تہذیب التہذیب وغیرہ۔

لاتشربوا واحداً كشرب البعير

اس کی سند میں یزید بن سنان ابوفروہ الرہاوی ضعیف ہیں ترمذی کے نسخوں میں اس حدیث پر حکم مختلف ہے بعض نسخوں میں حسن ہے اور بعض میں غریب واضح رہے کہ امام ترمذی تنہا لفظ غریب اس جگہ لاتے ہیں جہاں سند میں کوئی ضعیف راوی منفرد ہوتا ہے حافظ نے فتح (۰ر) میں فرمایا سندہ ضعیف۔

حافظ ذہبی اور ضعیف احادیث پر عمل کرنے کا بیان:

حافظ ذہبی جن کی فن جرح وتعدیل میں شان امامت مسلم ہے ہزاروں راویان حدیث میں سے ہر ایک کی ذمہ دارانہ شناخت کے سلسلہ میں اپنی نظیر نہیں رکھتے چنانچہ تلخیص المستدرک میزان الاعتدال وغیرہ میں حدیثوں پر ان کی جانب سے صادر شدہ احکام مستند قرار دیئے گئے ہیں بلکہ بعض مواقع میں تو ان پر تشدد کا بھی الزام ہے انہوں نے بھی اپنی کتاب الکبائر میں ضعیف واہی بلکہ موضوع تک بطور استشہاد پیش کیا ہے شاید ان کا بھی مذہب اس سلسلہ میں ان کے پیش رو حافظ ابن الجوزی کا سا ہے مثلاً

کبیرہ گناہ ترک صلاۃ کے تحت کئی ضعیف حدیثیں ذکر کی ہیں ان میں وہ طویل حدیث بھی ہے جو شیخ کی کتاب فضائل نماز ص: تا میں درج ہے۔ جس کے بموجب نماز کا اہتمام کرنے والے کا اللہ تعالیٰ پانچ طرح سے اکرام کرتے ہیں اور اس میں سستی کرنے والے کو پندرہ طریقے سے عذاب دیتے ہیں پانچ طرح دنیا میں تین طرح موت کے وقت تین طرح قبر میں اور تین طرح قبر سے نکلنے کے بعد شیخ نے تو یہ حدیث ابن حجر مکی ہیتمی کی الزواجر کے حوالہ سے نقل کی ہے جس کے ابتداء وقال بعضھم :ورد فی الحدیث سے کی ہے مزید اس کے چند ایک حوالے اور مؤیدات ذکر کرتے ہوئے حافظ سیوطی کی ذیل اللآ لی سے نقل کیا کہ ابن النجار نے ذیل تاریخ بغدادی میں اپنی سند سے ابو ہریرہ کے طریق سے اس کو روایت کیا ہے میزان الاعتدال میں ہے ہذا حدیث باطل رکبہ علی بن عباس علی ابی بکر بن زیاد النیسابوری پھر امام غزالی اور صاحب منبہات کے حوالہ سے بھی اس مضمون کو مؤید کیا الغرض شیخ نے تو مذکورہ بالا تمام حضرات کے طرز عمل سے یہ نتیجہ نکالا کہ حدیث بے اصل نہیں ہے اور ترغیب وترہیب کے لئے پیش کی جاسکتی ہے۔ لیکن تعجب حافظ ذہبی ؟ پر ہے کہ خود میزان میں اس کے ر باطل ہونے کی تصریح فرماتے ہیں اور کتاب الکبائر میں قد ورد فی الحدیث کے صیغہ جزم سے اس طرح ذکر کرتے ہیں جیسے کتنی مضبوط درجہ کی حدیث ہو۔

اسی کتاب کے ص: پر کبیرہ گناہ عقوق الوالدین کے تحت یہ حدیث نقل کرتے ہیں:

لو علم الله شيئاً ادنیٰ من الاف لنهى عنه فليعمل العاق ما شاء ان يعمل فلن يدخل الجنة وليعمل البار ماشاء ان يعمل فلن يدخل النار۔

اس حدیث کو دیلمی نے اصرم بن حوشب کے طریق سے حضرت حسین بن علی ؟ کی حدیث سے مرفوعاً روایت کیا ہے اس اصرم کے متعلق خود حافظ ذہبی میزان میں فرماتے ہیں : قال يحيى فيه :كذاب خبيث وقال ابن حبان :كان يضع الحديث على الثقات اس میں شبہ نہیں کہ حدیث میں معنوی نکارت کے علاوہ ایک کذاب اس کی روایت میں منفرد ہے جو کسی طرح ترغیب وترہیب میں قابل ذکر نہیں ہے اور ذہبی نے اس سے استشہاد کیا۔

- کبیرہ گناہ شرب خمر کے تحت دوایسی حدیثیں نقل کی ہیں جن پر محدثین نے وضع کا حکم لگایا ہے ایک ص: پر حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے جس کے بموجب شرابی کی توبہ قبول نہیں ہوتی دوسری ص: پر حضرت ابن عمر ؟ کی روایت سے جس کے بموجب شرابی کوسلام کرنا اس کے جنازہ میں شرکت وغیرہ رسول اللہ نے منع فرمایا ہے۔

حافظ ذہبی کی ہی دوسری کتاب العلو للعلی الغفار اس میں بھی کافی حد تک تساہل پایا جاتا ہے لیکن اس کا معاملہ ہلکا یوں ہے کہ اس میں ذہبی نے حدیثیں اپنی سند سے ذکر کی ہیں اب یہ لینے والے کی ذمہ داری ہے کہ تحقیق کر کے لے۔

حافظ ابن حجر اور ضعیف احادیث پر عمل کرنے کا بیان:

حافظ ابن حجر عسقلانی جو حدیثوں کے طرق والفاظ پر وسیع نظر رکھنے کے سلسلہ میں اپنا ثانی نہیں رکھتے اور احادیث ورواۃ کے مراتب کی شناخت وتعیین میں سند ہیں یہ اپنی کتابوں میں موضوع اور بے اصل روایات ہرگز پیش نہیں کرتے البتہ کسی حدیث پر موضوع کا حکم لگانے میں بہت ہی محتاط ہیں محدث مغرب علامہ احمد بن الصدیق الغماری رحمہ اللہ اپنی کتاب المغیر علی الاحادیث الموضوعۃ فی الجامع الصغیر کے ص: میں حدیث آفۃ الدین ثلاثۃ فقیہ فاجر وامام جائر ومجتہد جاہل (جو مسند فردوس کے حوالہ سے ابن عباس کے مسند کے طور پر جامع صغیر میں ہے) کو نقل کر کے فرماتے ہیں:

قال الحافظ فی زھر الفردوس :فیہ ضعف وانقطاع قلت (المغازی) : بل فیہ کذاب وضاع وھو نھشل بن سعید فالحدیث موضوع والحافظ وشیخہ العراقی متساھلان فی الحکم للحدیث ولایکادان یصرحان بوضع حدیث الا اذا کان کالشمس فی رابعۃ النھار (کما فی التعلیقات علی الاجوبۃ الفاضلۃ)

یعنی محدث احمد الصدیق الغماری کے بقول حافظ ابن حجر اور ان کے شیخ حافظ عراقی دونوں حدیث پر وضع کا حکم اس وقت تک نہیں لگاتے جب تک علامات وضع روز روشن کی طرح نہیں دیکھ لیتے اگر یہی مسلک شیخ زکریا رحمہ اللہ نے مجموعہ فضائل اعمال میں اختیار کر لیا تو اسقدر واویلا مچانے کی کیا ضرورت ہے۔

حافظ سیوطی اور ضعیف احادیث پر عمل کرنے کا بیان:

حافظ ابوبکر سیوطی تو اس میدان کے مرد اور ضعاف وموضوعات کی پذیرائی میں ضرب المثل ہیں انہوں نے اپنی کتاب الجامع الصغیر کے مقدمہ میں اپنی شرط کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا: وصنتہ عما تفرد بہ وضاع او کذاب

اس کی شرح میں حافظ عبدالرؤف المناوی لکھتے ہیں۔

ان ما ذکرہ من صونہ عن ذلك اغلبی او ادعائی والا فکثیراً ما وقع لہ انہ لم یصرف الی النقد الاھتمام فسقط فیما التزم الصوم الصون عنہ فی ھذا المقام کما ستراہ موضحا فی مواضعہ لکن العصمۃ لغیر الانبیاء متعذرۃ والغفلۃ علی البشر شاملۃ منتشرۃ والکتاب مع ذلك من اشرف الکتب مرتبۃ واسماھا منقبۃ۔

(فیض القدیر)

یعنی حافظ سیوطی کا یہ کہنا کہ میں نے ایسی حدیث سے اس کتاب کو محفوظ رکھا ہے جس کی روایت میں کوئی کذاب یا وضاع منفرد ہو یہ دعویٰ یا تو اکثری ہے یا دعویٰ محض ہے کیونکہ بہت سے مواقع ایسے ہیں جہاں آپ نے صحیح طور پر کھانہیں چنانچہ جس سے محفوظ رکھنے کا التزام کیا تھا وہ نادانستہ طور سے کتاب میں در آیا جیسا کہ موقع پر وضاحت سے آپ کو معلوم ہوگا بہر حال معصوم نبی کے علاوہ کوئی نہیں بھول چوک انسانی خاصہ ہے اس کے باوجود کتاب مرتبہ وحیثیت کے اعتبار سے عظیم ترین ہے اور بلند پایہ خصوصیات کی حامل ہے۔

محدث احمد بن الصدیق الغماری اپنی کتاب المغیر علی الاحادیث الموضوعۃ فی الجامع الصغیر میں لکھتے ہیں:

بلکہ اس میں جو حدیثیں سیوطی نے ذکر کی ہیں ان میں وہ حدیثیں بھی ہیں جن کے موضوع ہونے کا حکم خود انہوں نے لگایا ہے یا تو اپنی لالی میں ابن جوزی کی موافقت کر کے یا خود ذیل اللآ لی میں بطور استدراک ذکر کر کے۔

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ نے الجامع الصغیر کی سات ایسی حدیثوں کی تعیین کی ہے جن کے وضع پر مؤلف نے ابن جوزی کی موافقت کی ہے اور پندرہ ایسی حدیثوں کی جن پر مؤلف نے اپنی طرف سے ذیل اللآ لی میں وضع کا حکم لگایا ہے۔ فاحظ سیوطی کے تساہل پر بصیرت افروز کلام کے لئے دیکھئے۔ (تعلیقات علی الاجوبۃ الفاضلۃ للشیخ ابوغدۃ)

جیسا کہ معلوم ہو چکا کہ جن حدیثوں کے متعلق موضوع ہونے کا شیخ کو شبہ بھی ہوتا ہے تو مؤیدات وشواہد جمع کرنے کا پورا اہتمام فرماتے ہیں تو کیا اس بناء پر مجموعہ فضائل اعمال حافظ سیوطی کی کتاب سے۔ اگر فائق نہیں تو اس کے برابر بھی قرار نہیں دیا جاسکتا؟ ہمارے نزدیک اس پر بھی وہ تبصرہ منطبق ہوتا ہے جو مناوی نے جامع صغیر پر کیا۔

ابن قیم الجوزیہ اور ضعیف احادیث پر عمل کرنے کا بیان:

حدیثوں پر وضع کا حکم لگانے میں جو محدثین متشدد مانے جاتے ہیں ان میں ایک نام حافظ ابن قیم کا ہے اس دعویٰ کا ثبوت ان کی کتاب المنار المنیف فی الصحیح والضعیف جس میں انہوں نے چند ایک ابواب پر یہ کلی حکم لگایا ہے کہ اس باب میں جو کچھ مروی ہے باطل ہے تاہم اس میں شک نہیں کہ نقد حدیث میں ان کی حیثیت مرجع وسند ہے۔

لیکن ان کا بھی حال یہ ہے کہ اپنی بعض تصنیفات مثلاً مدارج السالکین زاد المعاد وغیرہ میں کتنی ہی ضعیف اور منکر حدیثیں کوئی تبصرہ کے بغیر بطور استدلال پیش کر ڈالتے ہیں خاص طور سے اگر حدیث ان کے نظریہ کی تائید میں ہوئی ہے تو اس کی تقویت میں بات مبالغہ کی حد تک پہنچ جاتی ہے مثلاً زاد المعاد میں وفد بنی المنتفق پر کلام کے ذیل میں ایک بہت لمبی حدیث ذکر کی ہے جس میں یہ الفاظ بھی ہیں۔

ثم تلبثون ما لبثتم ثم تبعث الصائحة فلعمرو الهك ما تدع في ظهرها شيئاً الامات تلبثون ما لبثتم ثم يوفي

نبیکم والملائکۃ الذین مع ربک فاصبع ربک عز وجل یطوف فی الارض وخلت علیہ البلاد

اس حدیث کو ثابت وصحیح قرار دینے میں ابن قیم نے پورازور صرف کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

ھذا حدیث جلیل تنادی جلالتہ وفخامتہ وعظمتہ علی انہ قد خارج من مشکاۃ النبوۃ لا یعرف الا من حدیث عبد الرحمن بن المغیرۃ المدنی۔

پھر عبدالرحمٰن بن مغیرۃ کی توثیق اوران کتابوں کے حوالوں کے ذریعہ جن میں یہ حدیث تخریج کی گئی ہے لمبا کلام کیا حالانکہ خودان کے شاگرد حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں لکھا کہ: ھذا حدیث غریب جداً والفاظہ فی بعضھا نکارۃ

یعنی یہ حدیث انتہائی اوپری ہے اس کے بعض الفاظ میں نکارت ہے حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں عاصم بن لقیط بن عامر بن المنتفق العقیلی کے ترجمہ میں لکھا کہ: وھو حدیث غریب جداً جبکہ علامہ ابن قیم نے اس کی تائید میں کسی کہنے والے کے اس قول تک کو نقل کرڈالا۔

ولاینکر ھذا القول الاجاحد او جاھل او مخالف للکتاب والسنۃ اہ

ضعیف حدیث باب احکام میں:

جہاں تک احکامِ شرعیہ میں ضعیف حدیث کے استعمال کا تعلق ہے تو جمہور محدثین وفقہاء کے طرز عمل سے صاف ظاہر ہے کہ ضعیف سے حکم شرعی پر استدلال کیا جاسکتا ہے، جبکہ ضعف شدید نہ ہو یعنی سند میں کوئی متہم یا کذاب راوی نہ ہو ضعیف حدیث سے استدلال کی چند صورتیں ہیں۔

پہلی صورت

مسئلہ میں اس کے علاوہ کوئی مضبوط دلیل نہ ہو مختلف مکاتب فکر کے تعلق سے اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

احناف کے نزدیک ضعیف السند حدیث کی اہمیت:

امام ابوحنیفہ کا ارشاد ہے:

الخبر الضعیف عن رسول اللہ ا اولیٰ من القیاس ولایحل القیاس مع وجودہ۔(المحلی لابن حزم) یعنی باب میں اگر ضعیف حدیث بھی موجود ہو تو قیاس نہ کرکے اس سے استدلال کیا جائے گا۔ چنانچہ: نماز میں قہقہہ سے نقض وضو والی حدیث باالتفاق محدثین ضعیف ہے۔ آپ نے اس کو قیاس پر مقدم کیا۔ اکثر الحیض عشرۃ ایام یہ حدیث باالتفاق محدثین ضعیف ہے حنفیہ نے اس کو قیاس پر مقدم کیا۔

-لامھر اقل من عشرۃ دراھم اس کے ضعف پر محدثین متفق ہیں اور حنفیہ نے قیاس نہ کرکے اس کو معمول بہ بنایا۔

(اعلام الموقعین)

محقق ابن الہمام فرماتے ہیں :الاستحباب یثبت بالضعیف غیر الموضوع ضعیف جو موضوع کی حد تک نہ پہنچی ہوئی ہو،اس سے استحباب ثابت ہوتا ہے۔(فتح القدیر باب النوفل)

مثلاً حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی وغیرہ میں مغرب کے بعد چھ رکعات (جنہیں صلاۃ الاوابین کہتے ہیں) کو مستحب لکھا ہے،دلیل حضرت ابو ہریرہ کی حدیث:

من صلی بعد المغرب ست رکعات لم یتکلم فیما بینھن بسوء عدلن له بعبادة ثنتی عشرة سنة

امام ترمذی نے اس حدیث کو عمر بن ابی خثعم کے طریق سے روایت کرکے فرمایا:

حدیث ابی ھریرة حدیث غریب لانعرفه الا من حدیث زید بن الحباب عن عمر بن ابی خثعم۔

امام بخاری نے عمر کو منکر الحدیث کہا اور بہت ضعیف قرار دیا حافظ ذہبی نے میزان میں فرمایا:

له حدیث منکر ان من صلی بعد المغرب ست رکعات ووھاہ ابو زرعه۔

مردہ کو دفن کرتے وقت تین لپ مٹی ڈالنا پہلی بار منھا خلقناکم دوسری بار فیھا نعیدکم اور تیسری بار ومنھا نخرجکم تارة اخری پڑھنے کو (طحطاوی) میں مستحب لکھا ہے دلیل حاکم واحمد کی حدیث بروایت ابوامامہ کہ جب حضرت ام کلثوم بنت النبی ﷺ کو قبر میں رکھا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے پڑھا: منھا خلقناکم الخ آخر میں بسم اللہ وفی سبیل اللہ وعلی ملة رسول اللہ کی زیادتی ہے اس حدیث کی سند بہت ہی ضعیف ہے ذہبی نے تلخیص میں کہا ہے وھو خبر واہ لان علی بن زید متروک۔

فقہاء مالکیہ کے نزدیک ضعیف السند حدیث کی اہمیت:

امام مالک ﷺ کے نزدیک مرسل بمعنی عام منقطع حجت ہے جو جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے، مالکیہ کی معتمد ترین کتاب نشر البنود علی مراقی السعود میں ہے:

علم من احتجاج مالك بالمرسل ان كلاً من المنقطع والمعضل حجة عندهم لصدق المرسل بالمعنی الاصولی علی کل منھا (کما فی التعریف باوھام من قسم السنن الی صحیح وضعیف للدکتور محمود سعید مملوح۔

شافعیہ کے نزدیک ضعیف السند حدیث کی اہمیت:

مرسل حدیث امام شافعی کے نزدیک ضعیف ہے،لیکن اگر باب میں صرف مرسل ہی ہو تو وہ اس سے احتجاج کرتے ہیں حافظ سخاوی نے ماوردی کے حوالہ سے یہ بات فتح المغیث میں نقل کی ہے۔

حافظ ابن قیم نے نقل کیا ہے کہ امام شافعی کے نزدیک ضعیف حدیث قیاس پر مقدم ہے۔ چنانچہ انہوں نے صیدؔ ج (طائفہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے شوافع کے نزدیک وہاں شکار کرنا منع ہے)۔ کی حدیث کوضعیف کے باوجود قیاس پر مقدم کیا۔حرم مکی کے اندراوقات مکروہہ میں نماز پڑھنے کے جواز والی حدیث کوضعیف کے باوجود قیاس پر مقدم کیا۔

من قاء اورعف :فليتوضا وليبن على صلاته

کواپنے ایک قول کے مطابق باوجود ضعف کے قیاس پر ترجیح دی۔(اعلام الموقعین)

حنابلہ کے نزدیک ضعیف السند حدیث کی اہمیت:

ابن النجار حنبلی نے شرح الکوکب المنیر رمیں امام احمد کا یہ قول نقل کیا ہے:

لست اخالف ما ضعف من الحديث اذا لم يكن في الباب ما يدفعه یعنی باب میں ضعیف حدیث،ہواوراس کے معارض کوئی دلیل نہ ہوتو میں اس کو چھوڑتا نہیں ہوں۔

حافظ ہروی نے ذم الکلام میں امام عبداللہ بن احمد سے نقل کیا ہے کہ: میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ ایک شخص کومسئلہ درپیش ہےاورشہر میں ایک محدث ہے جوضعیف ہے(ایک روایت میں جوصحیح وسقیم میں تمیزنہیں کرپاتا) اورایک فقیہ ہے جواہل رائے وقیاس میں سے ہے وہ کس سے مسئلہ پوچھے؟ فرمایا :اہل رائے سے تو پوچھے نہیں، کیونکہ ضعیف الحدیث،قوی الرأے سے بہتر ہے۔ (ذم الکلام)

فقہ حنبلی کی مستند ترین کتاب المغنی میں ابن قدامہ ؟ نے لکھا کہ :النوافل الفضائل لايشترط صحة الحديث فيها

تیز امام کے خطبہ کے دوران حاضرین کے احتباء(اس طرح بیٹھنا کہ سرین زمین پر ہودونوں گھٹنے کھڑے ہوں اور دونوں بازؤں یا کسی کپڑے وغیرہ سے انہیں باندھ لیا جائے) کی بابت لکھا کہ کوئی حرج نہیں، کیونکہ چندایک صحابہ سے مروی ہے، لیکن بہتر نہ کرنا ہے کیونکہ حضورا سے مروی ہے کہ آپ نے امام کے خطبہ کے دوران حبوۃ سے منع فرمایا ہے اس لئے اگرچہ حدیث ضعیف ہے،افضل حبوۃ کا ترک ہی ہے۔(المغنی)

فقہاء محدثین کے نزدیک ضعیف السند حدیث کی اہمیت:

حافظ ذہبی نے امام اوزاعی کے متعلق لکھا کہ :وہ مقطوعات اوراہل شام کے مراسیل سے استدلال کرتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء)

امام ابوداود کے متعلق حافظ ابن مندہ نے کہا۔

ويخرج الاسناد الضعيف اذا لم يجد في الباب غيره لانه اقوى عنده من رأى الرجال

یعنی امام ابوداود کا مذہب ہے کہ جب کسی باب میں انہیں ضعیف حدیث کے علاوہ کوئی حدیث نہیں ملتی تو اسی کا اخراج کر

لیتے ہیں کیونکہ ضعیف حدیث ان کے نزدیک قیاس سے قوی تر ہے۔

ظاہریہ کے نزدیک ضعیف السند حدیث کی اہمیت:

ابو محمد ابن حزم ظاہری جن کا تشدد مشہور ہے، محلیٰ میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھنے سے متعلق حدیث بروایت حسن بن علی لائے اوراس کے متعلق لکھتے ہیں کہ : یہ حدیث اگر چہ اس لائق نہیں کہ اس سے استدلال کیا جائے لیکن چونکہ رسول اللہ سے اس سلسلہ میں اورکوئی حدیث ہمیں نہیں ملی، اس لئے ہم اسے اختیار کرتے ہیں۔

دوسری صورت

اگر ضعیف حدیث پرعمل کرنے میں احتیاط ہوتو اس کو تمام حضرات اختیار کرتے ہیں چنانچہ امام نووی ? نے اذکار میں عمل بالضعیف کی استثنائی صورتوں کوذکر کرتے ہوئے فرمایا:

الا ان یکون فی احتیاط فی شیء من ذلك کما اذا ورد حدیث ضعیف بکراھة بعض البیوع والانکحة فالمستحب ان یستزہ عنه

اس کی شرح میں ابن علان نے مثال دی کہ جیسے فقہاء کرام نے دھوپ سے گرم کئے ہوئے پانی کے استعمال کو مکروہ لکھا ہے، حدیث حضرت عائشہ کی بناء پر جوضعیف ہے۔(شرح الاذکار کمافی التعریف باوہام)

تیسری صورت

اگرکسی آیت یا صحیح حدیث میں دو یا دو سے زائد معنوں کا احتمال ہواورکوئی ضعیف حدیث ان معانی میں سے کسی ایک معنی کو راجح قرار دیتی ہو، یا دو یا چند حدیثیں متعارض ہوں اورکوئی حدیث ضعیف ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دیتی ہوتو علماء امت اس موقع پرضعیف حدیث کی مدد سے ترجیح کا کام انجام دیتے ہیں۔

کچھ اور صورتیں

اس کے علاوہ کسی ثابت شدہ حکم کی مصلحت وفائدہ معلوم کرنے کے سلسلہ میں بھی ضعیف کا سہارالیا جاتا ہے نیز حدیث ضعیف اگر متلقی بالقبول ہوجائے اوراس کے مطابق فقہاء یاعام امت کاعمل ہوجائے تو ضعیف، ضعیف ہی نہیں رہتی اوراس کے ذریعہ وجوب اورسنیت تک کا ثبوت ہوتا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے :اثر الحدیث الشریف فی اختلاف الائمۃ الفقہاء للشیخ محمد عوامۃ اورالاجوبۃ الفاضلۃ کے آخر میں شیخ حسین بن محسن کا مقالہ۔

سید احمد بن الصدیق الغماری المالکی رحمہ اللہ کی اس چشم کشا عبارت کے ترجمہ پراس کڑی کو یہیں ختم کیا جارہا ہے فرماتے ہیں:

احکام شرعیہ میں ضعیف سے استدلال کوئی مالکیہ ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ تمام ائمہ استدلال کرتے ہیں اس لئے یہ

جو مشہور ہے کہ احکام کے باب میں ضعیف پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ اپنے عموم واطلاق پر نہیں ہے، جیسا کہ اکثر لوگ سمجھتے ہیں کیونکہ ہر مسلک کی ان احادیث احکام کا آپ جائزہ لیں، جن سے سب نے یا بعض نے استدلال کیا ہے تو آپ کو مجموعی طور سے ضعیف حدیثوں کی مقدار نصف یا اس سے بھی زائد ملے گی ان میں ایک تعداد منکر ساقط اور قریب بموضوع کی بھی ملے گی البتہ بعض کے متعلق وہ کہتے ہیں اس کو تلقی بالقبول حاصل ہے بعض کے متعلق اس کے مضمون پر اجماع منعقد ہے بعض کے متعلق یہ قیاس کے موافق ہے مگر ان سب کے علاوہ ایسی بہت سی حدیثیں بچیں گی جن سے ان کی تمام تر علتوں کے باوجود استدلال کیا گیا ہے اور یہ قاعدہ کہ احکام میں ضعیف حدیث پر عمل نہیں کیا جائے گا یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے کیونکہ شارع علیہ السلام سے جو کچھ منقول ہے، اگر چہ اس کی سند ضعیف ہو، اسے چھوڑ کر دوسری دلیل اختیار نہیں کی جاسکتی اور ضعیف کے متعلق یہ قطعی نہیں کہا جاسکتا کہ یہ آں حضرت اسے ثابت نہیں ہے، جبکہ وہ موضوع نہ ہو یا اس سے قوی اصل شرعی سے معارض نہ لہذا اقوی دلیل کی عدم موجودگی میں ضعیف سے استدلال کو ہمیں برا سمجھنے کی بجائے اولیٰ بلکہ واجب کہنا چاہئے ہاں یہ بات ضرور بری ہے کہ اس کے تئیں یہ رویہ اپنائیں کہ پسندیدگی اور اپنے مذہب کے موافق ہونے کے وقت تو اس پر عمل کریں اور ناپسندیدگی یا اپنے مذہب کے خلاف ہونے پر ضعیف کہہ کر رد کر دیں انتہی۔ (المشوقی والتیار)

خلاصہ کلام یہ کہ جب باب احکام میں ضعیف حدیث مقبول تو دیگر ابواب میں بدرجہ اولیٰ مقبول ہوگی۔

ضعیف حدیث باب احکام کے علاوہ میں:

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ ضعیف غیر موضوع عقائد واحکام کے علاوہ جمہور کے نزدیک قابل عمل ہے، عقائد واحکام کے باب میں تشدد اور فضائل ترغیب وترہیب اور مناقب وغیرہ میں تساہل کی بات حافظ سخاوی ؟ نے امام احمد ؟ ابن معین ؟ ابن المبارک، سفیان ثوری اور ابن عینیہ سے نقل کی ہے۔

حافظ نووینے تو اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے، اپنی کتاب حزء اباحة القیام لاهل الفضل میں فرماتے ہیں۔

اجمع اهل الحديث وغيرهم على العمل في الفضائل ونحوها مما ليس فيه حكم ولا شيء من العقائد وصفات الله تعالىٰ بالحديث الضعيف۔ (نقلاً عن التعريف باوهام)

امام نووی کی الاربعین اور اس کی شرح فتح المبین لابن حجر المکی الهیثمی کے الفاظ میں ہے۔

قد اتفق العلماء على جواز العمل بالحديث في فضائل الاعمال، لانه ان كان صحيحاً في نفس الامر فقد اعطى حقه، والا لم يترتب على العمل به مفسدة تحليل ولا تحريم ولا ضياع حق الغير۔ (الاجوبة الفاضلة)

یعنی فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کے بارے میں علماء کا اتفاق ہے کیونکہ اگر وہ واقعتاً صحیح تھی تو اس کا حق اس کو مل گیا ورنہ اس پر عمل کرنے سے نہ تو حرام کو حلال کرنا لازم آیا اور نہ اس کے برعکس اور نہ ہی کسی غیر کا حق پامال کرنا۔

معلوم ہوا کہ مسئلہ اجماعی ہے اور کوئی بھی حدیث ضعیف کو شجرہ ممنوعہ قرار نہیں دیتا لیکن چند بڑے محدثین و اساطین علم کے نام ذکر کیے جاتے ہیں جن کے متعلق یہ نقل کیا جاتا ہے کہ وہ فضائل میں بھی ضعیف حدیث پر عمل کرنے کے قائل نہیں ہے۔

(قواعد التحدیث للشیخ جمال الدین القاسمی)

ان اساطین میں امام بخاری، مسلم، یحیٰ بن معین اور ابوبکر بن العربی ہیں، بعض حضرات نے ابوشامہ مقدسی کا نام بھی لیا ہے۔

ضعیف حدیث کے بارے میں امام بخاری کا موقف:

علامہ جمال الدین قاسمی صاحب قواعد التحدیث کے بقول بظاہر امام بخاری کا مذہب مطلقاً منع ہے اور یہ نتیجہ انہوں نے صحیح بخاری کی شرائط اور اس میں کسی ضعیف حدیث کو داخل کتاب نہ کرنے سے نکالا ہے علامہ شیخ زاہد الکوثری نے بھی اپنے مقالات میں یہی بات کہی ہے، لیکن یہ بات درست نہیں بلکہ اس مسئلہ میں امام بخاری کا موقف بالکل جمہور کے موافق ہے۔

جہاں تک صحیح بخاری کا تعلق ہے تو اولاً: اس میں امام نے صرف صحیح حدیثوں کا التزام کیا ہے لہذا اس میں کسی ضعیف حدیث کا نہ ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ امام کے نزدیک ضعیف سرے سے ناقابل عمل ہے، جیسا کہ کسی حدیث کا اس میں نہ ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ وہ غیر صحیح ہے چنانچہ خود آپ نے احادیث آداب واخلاق کا ایک گراں قدر مجموعہ الادب المفرد مرتب فرمایا جس کی شرط یقیناً ان کی جامع صحیح سے بہت فروتر ہے، حتی کہ عصر حاضر کے بعض علم برداران حفاظت سنت کو صحیح الادب المفرد اور ضعیف الادب المفرد کے جراحی عمل کی مشقت اٹھانی پڑی۔

اس کتاب میں امام بخاری نے ضعیف احادیث وآثار کی ایک بڑی مقدار تخریج کی ہے بلکہ بعض ابواب تو آبادہی ضعیف سے ہیں، اور آپ نے ان سے استدلال کیا ہے چنانچہ اس کے رجال میں ضعیف مجہول منکر الحدیث اور متروک ہر طرح کے پائے جاتے ہیں مثال کے طور علامہ شیخ عبد الفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ نے الادب المفرد کی شرح فضل اللہ الصمد سے بائیس احادیث وآثار اور ان کے رجال کے احوال نقل کئے، ان میں سے بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

۱۔اثر نمبر میں: علی بن الحسین بن واقد المروزی ضعیف الحدیث۔

۲۔حدیث نمبر: میں محمد بن فلان بن طلحہ مجہول اوضعیف متروک۔

۳۔اثر نمبر: میں عبید اللہ بن موہب قال احمد: لایعرف۔

۴۔اثر نمبر: ابوسعد سعید بن البرزبان البقال الاعور ضعیف۔

۵۔حدیث نمبر: میں سلیمان ابوادام یعنی سلیمان بن زید۔ضعیف لیس بثقۃ کذاب متروک الحدیث۔

۶۔حدیث نمبر: میں لیث بن ابی سلیم القرشی ابوبکر: ضعیف۔

۔۷حدیث نمبر: میں عبداللہ بن المساور : مجہول۔

۔۸حدیث نمبر : میں یحی بن ابی سلیمان : قال البخاری : منکر الحدیث۔

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ نے تقریب التہذیب سے الادب المفرد کے رجال کو کھنگالا تو مستورین کی تعداد : دو۔ ضعفاء کی تعداد : بائیس۔ اور مجہولین کی تعداد: اٹھائیس نکلی مجموعہ باون رواۃ۔ اس جائزہ سے بخوبی واضح ہوگیا کہ فضائل کی حدیثوں کے تئیں امام بخاری کا مسلک وہی ہے جو جمہور کا ہے۔

صحیح بخاری میں متکلم فیہ رجال کی احادیث:

ثانیا خود الجامع الصحیح میں ایسی مثالیں موجود ہیں جن کی روایت میں کوئی متکلم فیہ راوی موجود ہے، جس کی حدیثیں، محدثین کے اصول پر کسی طرح حسن سے اوپر نہیں اٹھ سکتی بلکہ بعض حدیثوں میں ضعیف راوی منفرد ہے اور اس کو داخل صحیح کرنے کی اس کے علاوہ کوئی تاویل نہیں ہوسکتی کہ اس کا مضمون غیر احکام سے متعلق ہے اور شارحین نے یہی تاویل کی بھی ہے۔ ملاحظہ ہوں چند مثالیں -: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مقدمہ فتح الباری میں محمد بن عبدالرحمن الطفاوی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:

قال ابو زرعة منكر الحديث واورد له ابن عدى عدة احاديث قلت :له فى البخارى ثلاثة احاديث ليس فيها شىء مما استكره ابن عدى ثالثها فى الرقاق كن فى الدنيا كأنك غريب وهذا تفرد به الطفاوى وهو من غرائب الصحيح وكان البخارى لم يشدد فيه، لكونه من احاديث الترغيب والترهيب۔

یہ حدیث صحیح بخاری کی غریب حدیثوں میں سے ہے۔

یعنی کن فی الدنیا کأ نک غریب (بخاری کتاب الرقاق) حدیث کی روایت میں محمد بن عبدالرحمن الطفاوی منفرد ہے حافظ فرماتے ہیں : شاید کہ امام بخاری نے اس کے ساتھ تساہل کا معاملہ صرف اس وجہ سے کیا ہے کہ یہ ترغیب وترہیب کی حدیثوں میں سے ہے۔

عن ابى بن عباس بن سهل بن سعد عن ابيه عن جده قال :كان للنبى ا فى حائطنا فرس يقال له اللحيف (کتاب الجہاد باب اسم الفرس والحمار)

حافظ نے تہذیب التہذیب میں ابی بن عباس بن سہل کی بابت امام احمد، نسائی، ابن معین اور امام بخاری سے تضعیف کے جملے نقل کیے عقیلی نے کہا: اس کی کئی حدیثیں ہیں اور کسی پر اس کی متابعت نہیں کی گئی ہے۔ پھر حافظ نے فرمایا کہ : مذکورہ حدیث پر اس کے بھائی عبدالمہیمن بن عباس نے متابعت کی ہے لیکن وہ بھی ضعیف ہے، ملاحظہ ہوں یہ الفاظ:

وعبد المهيمن يضاً فيه ضعف فاعتضد وانضاف الى ذلك انه ليس من احاديث الاحكام فلهذه الصورة المجموعة حكم البخارى بصحته انتهى۔

ابی بن عباس کے ضعف کی تلافی اس کے بھائی سے اس قدر نہیں ہوسکی کہ حدیث کوصحیح کا درجہ دیا جائے تو اس خلل کو اس پہلو سے پر کیا گیا کہ حدیث احکام سے متعلق نہیں ہے اس لئے چل جائے گی۔

محمد بن طلحہ بن مصرف الکوفی ان کا سماع اپنے والد سے کم سنی میں ہوا تھا، امام نسائی ؟، ابن معین ؟، ابن سعد ؟ وغیرہ نے ان کوضعیف کہا ہے، تقریب میں ہے :صدوق لہ اوہام وانکر وا سماعہ من ابیہ لصغرہ۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مقدمہ (ص:) میں فرماتے ہیں۔

صحیح بخاری میں ان کی تین حدیثیں ہیں دو تو متابعت کی وجہ سے درجہ صحت کو پہنچ جاتی ہے تیسری (مذکورہ بالا حدیث) ہے اس کی روایت میں محمد بن طلحہ منفرد ہیں مگر یہ فضائل اعمال سے متعلق ہے یعنی فضائل اعمال کی حدیث ہونے کی وجہ سے چشم پوشی کی گئی۔

ضعیف حدیث کے بارے میں امام مسلم کا موقف

علامہ جمال الدین رحمہ اللہ نے امام مسلم کے متعلق دلیل یہ دی کہ انہوں نے مقدمہ میں ضعیف ومنکر احادیث کے روایت کرنے والوں کی سخت مذمت کی ہے اور اپنی صحیح میں ضعیف حدیث کا اخراج نہیں کیا ہے لیکن امام مسلم کی اس تشنیع سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ ضعفاء سے روایت کرنا مطلقاً ناجائز ہے انہوں نے تو صحیح حدیثوں کو جمع کرنے والے پر یہ بات ضروری قرار دی ہے کہ وہ مشہور ثقہ راویوں کی حدیثوں کو تلاش کر کے جمع کرے ضعیف حدیث کے علی الاطلاق مردود ہونے پر ان سے کوئی صراحت منقول نہیں ہے۔ تاہم امام مسلم نے بعض ضعفاء کی حدیثیں صحیح میں متابعات وشواہد کے طور پر اخراج کی ہیں، آپ نے مقدمہ میں حدیثوں کی تین قسمیں قرار دی ہیں۔

وہ حدیثیں جو حفاظ متقنین کی روایت سے ہیں۔ -وہ حدیثیں جو ایسے لوگوں کی روایت سے ہیں جو حفظ واتقان میں متوسط اور بظاہر جرح سے محفوظ ہیں۔ -وہ حدیثیں جو ضعفاء ومتروکین کی روایت سے ہیں۔

امام مسلم کی اس صراحت اور صحیح میں ان کے طرز عمل کے درمیان تطبیق میں شراح نے مختلف باتیں کہی ہیں قاضی عیاض نے جو توجیہ کی علامہ ذہبی اور نووی نے اس کو پسند کیا، اس کا خلاصہ یہ ہے۔

امام مسلم نے جن تین طبقات کا ذکر کیا ہے، ان میں سے آخری طبقہ ان رواۃ کا ہے جن کے متہم ہونے پر تمام یا اکثر علماء کا اتفاق ہے اس سے پہلے ایک طبقہ ہے جس کا ذکر امام نے اپنی عبارت میں نہیں کیا ہے اور وہ وہ لوگ ہیں جن کو بعض تو متہم سمجھتے ہیں اور بعض صحیح الحدیث قرار دیتے ہیں۔ یہ کل چار طبقے ہوئے میں نے امام مسلم کو پایا کہ وہ پہلے دونوں طبقوں کی حدیثیں لاتے ہیں، اس طرح کہ باب میں اولاً طبقہ اولیٰ کی حدیث تخریج کرتے ہیں پھر مزید تقویت کے لئے طبقہ ثانیہ کی حدیثیں ذکر کرتے ہیں اور جب کسی باب میں طبقہ اولیٰ سے کوئی حدیث ان کے پاس نہیں ہوتی تو ثانیہ ہی کی حدیث پر اکتفاء

کرتے ہیں پھر کچھ ایسے لوگوں کی حدیثیں بھی تخریج کرتے ہیں جن کی بعض نے تضعیف اور بعض نے توثیق کی ہوتی ہیر ہے چوتھے طبقہ کے لوگ تو ان کو آپ نے ترک کردیا ہے۔ (مقدمہ شرح نووی)

امام ذہبی فرماتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ طبقہ اولیٰ وثانیہ کی حدیثیں مساویانہ طور پر لیتے ہیں، ثانیہ کی معدودے چند کو چھوڑ کر جس میں وہ کسی قسم کی نکارت سمجھتے ہیں پھر متابعات وشواہد کے طور پر طبقہ ثالثہ کی حدیثیں لیتے ہیں، جن کی تعداد بہت زیادہ نہیں اصول میں تو ان کی حدیثیں شاید و باید ہی لیتے ہیں یہ عطاء بن السائب لیث بن ابی سلیم یزید بن ابی زیاد ابان بن صمعہ محمد بن اسحاق اور محمد بن عمرو بن علقمہ اور ان کی حیثیت کے لوگ ہیں۔ (سیر اعلاء مالنبلاء)

ضعیف حدیث کے بارے میں ایک غلط فہمی کا ازالہ:

اوپر صحیحین کے تعلق سے جو کچھ عرض کیا گیا، اس سے ممکن ہے بعض اہل علم کو شبہ ہو کہ پھر تو صحیحین سے اعتماد اٹھ جائے گا اور نتیجتاً پورا ذخیرہ حدیث مشکوک ہو جائے گا، جب کہ صحیحین کا اصح الکتاب بعد کتاب اللہ ہونا مسلم اور متفق علیہ ہے، کیونکہ جب صحیحین تک ضعیف حدیثوں سے محفوظ نہیں رہیں تو دوسری کتب حدیث تو بدرجہ اولیٰ محفوظ نہیں رہیں گی اور اس طرح پورا ذخیرہ حدیث مشکوک اور ناقابل اعتبار ہو جائے گا اور منکرین حدیث کو انکار حدیث کے لئے بہانہ ملے گا۔

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ ہم نے یہ کہا ہی کب ہے کہ صحیحین میں ضعیف حدیثیں بھی ہیں؟ اصل بات یہ ہے کہ جمہور امت کے نزدیک حدیثوں میں صحت وحسن کا معیار مختلف ہوتا ہے باب احکام (حلال وحرام) میں سخت ہوتا ہے تو فضائل وغیرہ میں نرم۔

چنانچہ ہم نے بخاری شریف سے جو مثالیں پیش کی ہیں، وہ اپنی علتوں کے باوجود فضائل وآداب کے باب کے اعتبار سے یقیناً صحیح ہیں اگر چہ باب احکام میں جس درجہ کی صحت مطلوب ہوتی ہے، وہ ان میں نہیں ہے اسی لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کو داخل صحیح کر لیا۔

اس حقیقت کو نظر انداز کرتے ہوئے بعض حضرات ہر باب میں صحت وحسن کے اسی معیار کو استعمال کرنے لگتے ہیں جو باب احکام کے لئے مخصوص ہے اور وہ بھی صرف اسنادی پہلو سے، اس لئے مناسب خیال کیا گیا کہ ضعیف اور متکلم فیہ رجال کی حدیثوں کی بابت صحیحین کے مصنفین کا اصل موقف واضح کر دیا جائے، تا کہ اس مغالطہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔ ورنہ صحیحین کے متعلق جمہور امت کی جو رائے ہے، وہی ہمارا بھی مسلک ہے کہ یہ دونوں کتابیں صرف صحیح احادیث کا مجموعہ ہیں۔ علامہ شبیر احمد عثمانی نے مقدمہ فتح الملہم میں صحیحین کی حدیثوں کے مفید قطع ویقین ہونے کے نظریہ کی مدلل تردید کرنے کے بعد صحیحین کی عظمت ومقام کی بابت حضرت شاہ ولی اللہ کی عبارت نقل کی ہے اس جگہ ہم بھی انہیں عبارات کو نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں علامہ

عثمانی فرماتے ہیں۔

اس بحث میں جو کچھ ہم نے لکھا، اس سے ہمارا مقصد معاذ اللہ ! صحیحین یا دوسری کتب حدیث کی کسر شان نہیں ہے بلکہ ان کی بابت غلو کی تردید اور ہر چیز کو اس کے اصل مقام پر رکھنے اور اس کو اس کا واجبی حق دینے کی کوشش ہے ورنہ ہم بحمد اللہ ! ان دونوں عظیم الشان کتابوں کے متعلق وہی نظریہ رکھتے ہیں جو ہمارے شیخ الشیوخ اور مقتدا حضرات شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں فرمایا ہے۔

رہیں صحیحین تو محدثین اس پر متفق ہیں کہ ان میں جو کچھ مرفوع متصل کے قبیل سے ہے، وہ بالکل صحیح ہے اور ان کتابوں کا ثبوت ان کے مصنفین سے بطور تواتر ہے بلاشبہ جو شخص بھی ان کی شان گھٹائے گا وہ بدعتی گمراہ اور مسلمانوں کے راستے کے علاوہ راستہ کی پیروی کرنے والا ہوگا۔ (مقدمہ فتح الملہم)

ضعیف حدیث کے بارے میں یحیٰ بن معین کا موقف

ابن سید الناس نے تو عیون الاثر میں یحیٰ بن معین کا مذہب مطلقاً رد ہی نقل کیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ ان کا مذہب جمہور کے موافق ہے شواہد درج ذیل ہیں:

جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، حافظ سخاوی نے فتح المغیث میں جن چند لوگوں سے (عقائد واحکام میں تشدد فضائل وغیرہ میں تساہل) نقل کیا ہے، ان میں ابن معین بھی ہیں۔ (فتح المغیث ر) - شیخ احمد محمد نور سیف نے مقدمہ تاریخ ابن معین میں لکھا کہ : یحیٰ بن معین کی محمد بن اسحاق کے متعلق جو رائیں منقول ہیں، ان سے قطعاً یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اس کی حدیثیں مطلقاً قابل ترک ہیں چنانچہ فرمایا :ثقة ولكن ليس بحجة ابن اسحاق کے شاگرد زیاد بن عبداللہ البکائی کے متعلق فرمایا :ليس بشيء لا بأس به في المغازي واما في غيرها فلا معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک مغازی وغیرہ میں تو ابن اسحاق اور ان کے شاگرد مقبول ہیں احکام وغیرہ میں نہیں۔

الکامل لابن عدی ر میں ہے۔

عن ابن ابي مريم، قال سمعت ابن معين يقول :ادريس بن سنان يكتب من حديثه الرقاق

ابن معین کے نزدیک ادریس بن سنان کی حدیث رقاق (آداب وفضائل) کے باب میں قابل قبول ہے جبکہ یہ ضعیف ہیں۔

ضعیف حدیث کے بارے میں ابوبکر بن العربی کا موقف

یہ مالکی المسلک فقیہ ہیں ان سے ایسی کوئی صراحت تو نہیں ملی جس سے ثابت ہو کہ ان کے نزدیک فضائل اعمال میں ضعیف حدیث قابل عمل نہیں البتہ اس کے برعکس ثابت ہے۔ - مرسل حدیث جو جمہور محدثین وشافعیہ کے نزدیک ضعیف ہے ، مالکیہ کے نزدیک اس سے استدلال درست ہے، وہ خود اس بات کو نقل کرتے ہیں۔

المرسل عند نا حجة فی احکام الدین من التحلیل والتحریم وفی الفضائل وثواب العبادات، وقد بینا ذلك فی اصول الفقه۔ (عارضۃ الاحوذی)

ضعیف کے معمول بہ ہونے کی صراحت خود فرماتے ہیں:

اگر چہ یہ حدیث مجہول کی روایت سے ہے، لیکن اس پر عمل کرنا مستحب ہے، کیونکہ اس میں خیر کی دعاء ہم نشین کی دل بستگی اور اس سے محبت کا اظہار ہے۔

ضعیف حدیث کے بارے میں ابوشامۃ مقدسی کا موقف

محدث ابوشامہ مقدسی کی بات شیخ طاہر الجزائری نے توجیہ النظر میں نقل کی ہے انہوں نے اپنی کتاب الباعث علی انکار البدع والحوادث میں حافظ ابن عساکر دمشقی کی ایک مجلس املاء کے حوالہ سے ماہ رجب کی فضیلت کے متعلق تین حدیثیں ذکر کیں۔اس کے بعد لکھا کہ:

کنت اودّ ان الحافظ لم یذکر ذلك فان فیه تقریراً لما فیه من الاحادیث المنکرۃ فقدرہ کان اجل من ان یحدث عن رسول الله ا بحدیث یری انه کذب ،ولکنه جری علی عادۃ جماعة من اهل الحدیث یتساهلون فی احادیث الفضائل الخ۔

یعنی کاش کہ ابن عساکر ان حدیثوں کو بیان نہ کرتے ، کیونکہ اس سے منکر حدیثوں کو رواج دینا ہے آپ جیسے محدث کی شایان شان نہیں کہ ایک حدیث جس کو غلط سمجھ رہے ہیں، بیان کریں۔لیکن محدثین کی ایک جماعت جو فضائل اعمال میں تساہل برتتی ہے کے طریقہ کو آپ نے اختیار کیا۔

شبیر احمد عثمانی فتح الملہم میں پر تبصرہ یوں فرماتے ہیں:

محدث ابوشامہ نے فضائل وغیرہ میں ضعیف پر عمل کے سلسلہ میں تو کوئی نقد نہیں کیا بلکہ ابن عساکر جیسے ماہر فن کے طرز عمل پر نکتہ چینی کی کہ انہوں نے ایک منکر حدیث بغیر کسی وضاحتی بیان کے عوام میں نقل فرمادی، جس سے عوام یا جس کو اس فن سے مناسبت نہیں ابن عساکر کی نقل سے دھوکہ کھانے اور اس کو ثابت سمجھنے کا اندیشہ ہے جبکہ محدثین کے نزدیک یہ غیر ثابت ہے۔

ضعیف حدیث کے بارے میں ابن تیمیہ کا موقف:

ابن تیمیہ بھی فضائل وغیرہ میں ضعیف پر عمل کے مسئلہ میں جمہور سے الگ نہیں ہوسکے اس دعویٰ کا بین ثبوت ان کی کتاب الکلم الطیب ہے، اس میں ضعیف حدیثوں کی تعداد کتنی ہے، اس کا جواب علامہ ناصر الدین البانی دیں گے ،جنہوں نے صحیح الکلم الطیب اور ضعیف الکلم الطیب میں خط امتیاز قائم کرنے کا کارنامہ انجام دیا ہے۔(التحریف باوہام)

ضعیف حدیث کے بارے میں علامہ شوکانی کا موقف:

اگر چہ علامہ شوکانی کی الفوائد المجموعہ کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے نزدیک ضعیف حدیث مطلقاً نا قابل عمل ہے، لیکن ان کی اہم ترین تصنیف نیل الاوطار کی یہ عبارت اس کی نفی کرتی ہے۔

والایات والاحادیث المذکورۃ فی الباب تدل علی مشروعیۃ الاستکثار من الصلاۃ بین المغرب والعشاء والاحادیث وان کان اکثرھا ضعیفاً فھی منتھضۃ لمجموعھا لاسیما فی فضائل الاعمال۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ مغرب وعشاء کے درمیان نوافل کی کثرت سے متعلق اکثر حدیثیں اگر چہ ضعیف ہیں لیکن مجموعی حیثیت سے مضبوط ہیں، خاص کر فضائل اعمال میں۔ نیز آپ کی کتاب تحفۃ الذاکرین کا مطالعہ کرنے والا شخص تو ہمت ہی نہیں کرسکتا کہ ان کی طرف زیر بحث مسئلہ میں خلاف جمہور رائے کا انتساب کرے، کیونکہ وہ تو ضعاف سے بھری پڑی ہے۔

(ملاحظہ ہو التعریف)

ان معروضات سے یہ حقیقت آشکارا ہوگئی کہ ضعیف حدیث جبکہ موضوع نہ ہو، باب احکام وعقائد کے علاوہ میں اجماعی طور سے پوری امت کے نزدیک قابل عمل ہے اور چونکہ فضائل مناقب ترغیب وترہیب سیر ومغازی کی احادیث کے ذریعہ غفلت سے بیداری اور دین پر عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اس لئے پورے شدومد سے ان کے خلاف ہوا کھڑا کیا گیا ہے، تاکہ مذہبی احکام کی اہمیت کم سے کم تر ہو جائے، پھر زیاں کے بعد زیاں کا احساس تک باقی نہ رہے۔

امامت کی عدم اباحت کے اعذار کا بیان:

(وَيُكْرَهُ تَقْدِيمُ الْعَبْدِ) لِأَنَّهُ لَا يَتَفَرَّغُ لِلتَّعَلُّمِ (وَالْأَعْرَابِيُّ) لِأَنَّ الْغَالِبَ فِيهِمْ الْجَهْلُ (وَالْفَاسِقِ) لِأَنَّهُ لَا يَتَهَمَّمُ لِأَمْرِ دِينِهِ (وَالْأَعْمَى) لِأَنَّهُ لَا يَتَوَقَّى النَّجَاسَةَ (وَوَلَدِ الزِّنَا) لِأَنَّهُ لَيْسَ لَهُ أَبٌ يُثَقِّفُهُ فَيَغْلِبَ عَلَيْهِ الْجَهْلُ ، وَلِأَنَّ فِي تَقْدِيمِ هَؤُلَاءِ تَنْفِيرَ الْجَمَاعَةِ فَيُكْرَهَ (وَإِنْ تَقَدَّمُوا جَازَ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (صَلُّوا خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ).

ترجمہ:

اور غلام کی تقدیم مکروہ ہے کیونکہ اسے حصول علم کے لئے وقت نہیں ملتا، اور اعرابی کی تقدیم بھی مکروہ ہے کیونکہ اکثر طور پر یہ لوگ جاہل ہوتے ہیں اور فاسق اس لئے کہ وہ دینی معاملات کا اہتمام نہیں کرتا اور نابینا اس لئے کہ وہ نجاست سے نہیں بچ سکتا (بطریق کمال) ، ولد زنا کی امامت اس لئے مکروہ ہے کہ اس کا والد شفیق نہیں جو تعلیم کا انتظام کرے، ایسے افراد اکثر طور پر جاہل رہتے ہیں اور ان کی تقدیم سے لوگوں کو جماعت میں شمولیت سے نفرت پیدا ہوگی لہٰذا انکو امام بنانا مکروہ ہے۔ اور ان لوگوں کو مقدم کر دیا تو جائز ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہر نیک وبد کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو۔

نابینا آدمی کی امامت میں جواز و کراہت:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا قائم مقام مقرر کیا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اور وہ نابینا تھے۔ (سنن ابوداؤد، ج۱،ص۸۸، دارالحدیث ملتان)

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نابینے کی امامت بلا کراہت جائز ہے اس سلسلے میں حنفی مسلک میں یہ فقہی روایتیں بھی وارد ہیں کہ اگر نابینا قوم کا سردار ہو تو اس کی امامت جائز ہے بلکہ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اگر نابینا بہت زیادہ علم کا حامل ہو تو امامت کے سلسلے میں وہ اولیٰ ہے۔ (شرح کنز، اشباہ والنظائر)

اندھا اگر تمام موجودین میں سب سے زیادہ مسائل کا جاننے والا نہ ہو اور اس کے سوا دوسرا صحیح القرأت صحیح العقیدہ غیر فاسق معلن حاضر جماعت ہے تو اندھے کی امامت مکروہ تنزیہی ہے اور اگر وہی سب سے زیادہ علم نماز رکھتا ہے تو اسی کی امامت افضل ہے، اگر حاضرین میں دوسرا صحیح خواں بدمذہب یا فاسق معلن ہے اور اندھا ان سب عیبوں سے پاک ہے تو اسی کی امامت ضرور ہے، اور اگر صحیح خواں صرف وہی ہے جب تو اصلاً دوسرا قابلِ امامت ہی نہیں۔

دُرمختار میں ہے: یکرہ تنزیھا امامۃ اعمی الا ان یکون اعلم القوم فھو اولی اھ۔ نابینے شخص کی امامت مکروہ تنزیہی ہے البتہ اس صورت میں اس کی امامت اولیٰ ہوگی جب وہ دوسروں سے زیادہ صاحب علم ہو۔

(درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی)

فاسق اگر امام بنادیا جائے تو امامت جائز ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے اوپر جہاد ہر سردار کے ہمراہ خواہ وہ نیک ہو یا بد واجب ہے اگر چہ وہ (سردار) گناہ کبیرہ کرتا ہو اور تم پر نماز ہر مسلمان کے پیچھے واجب ہے خواہ وہ (نماز پڑھانے والا) نیک ہو یا بد واجب ہے اگر چہ گناہ کبیرہ کرتا ہو اور نماز جنازہ ہر مسلمان پر واجب ہے خواہ نیک ہو یا بد اگر چہ گناہ کبیرہ کرتا ہو۔ (ابوداؤد)

جہاد واجب ہے کا مطلب یہ ہے کہ بعض صورتوں میں تو جہاد فرض عین ہے اور بعض صورتوں میں فرض کفایہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے خواہ وہ فاسق ہی کیوں نہ ہو بشرطیکہ اس کا فسق کفر کی حد تک نہ پہنچ چکا ہو فاسق کے پیچھے نماز ادا تو ہو جاتی ہے لیکن اس کے پیچھے نماز پڑھنا بہر حال مکروہ ہے۔ علماء لکھتے ہیں کہ نیک بخت کی موجودگی میں فاسق کو امامت نہیں کرنی چاہیے۔ نماز جنازہ کے واجب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہر مسلمان پر جنازہ کی نماز پڑھنا فرض کفایہ ہے۔

فاسق کی تعریف وحکم:

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں فاسق وہ ہے جو کسی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا اور وہی فاجر ہے، اور کبھی فاجر خاص زانی کو کہتے ہیں، فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ہے پھر اگر معلن نہ ہو یعنی وہ گناہ چھپ کر کرتا ہو معروف ومشہور نہ ہو تو کراہت تنزیہی ہے یعنی خلاف اولیٰ، اگر فاسق معلن ہے کہ علانیہ کبیرہ کا ارتکاب یا صغیرہ پر اصرار کرتا ہے تو اسے امام بنانا گناہ ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کے پڑھنی گناہ اور پڑھ لی تو پھیرنی واجب۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) ایک آدھ بار پہننا گناہ صغیرہ اور اگر پہنی اور اتار ڈالی تو اس کے پیچھے نماز میں حرج نہیں اور اگر نماز میں پہنے ہو تو اسے امام بنانا ممنوع اور اس کے پیچھے نماز مکروہ، یوں ہی جو پہنا کرتا ہے اُس کا عادی ہے فاسق معلن ہے اور اس کا امام بنانا گناہ اگر اس وقت نماز میں نہ بھی پہنے ہو۔ گناہ اگر چہ صغیرہ ہو اُسے چھوٹی بات کہنا بہت سخت جرم ہے، اس شخص پر توبہ فرض ہے۔ (۳) صورت مذکور میں اس مسافر کو امام کیا جائے کہ فاسق کو امام بنانا گناہ ہے اور غلط خواں کے پیچھے نماز باطل۔

(فتاویٰ رضویہ، کتاب الصلوٰۃ، رضا فاونڈیشن لاہور)

صاحب تبیین الحقائق لکھتے ہیں۔

تبیین الحقائق میں ہے: لان فی تقدیمہ للامامة تعظیمة وقد وجب علیھم اھانته شرعا۔

کیونکہ امامت کے لئے فاسق کی تقدیم میں اس کی تعظیم ہے حالانکہ اس کی اہانت شرعاً واجب ہے۔

(تبیین الحقائق باب الامامة المطبعة الکبری الامیریه بولاق مصر)

امام کمزوروں اور ضرورت مندوں کی رعایت کرے:

(وَلَا يُطَوِّلُ الْإِمَامُ بِهِمْ الصَّلَاةَ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ أَمَّ قَوْمًا فَلْيُصَلِّ بِهِمْ صَلَاةَ أَضْعَفِهِمْ ، فَإِنَّ فِيهِمْ الْمَرِيضَ وَالْكَبِيرَ وَذَا الْحَاجَةِ)

ترجمہ

اور امام ان کو لمبی نماز نہ پڑھائے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب کوئی شخص کسی قوم کو نماز پڑھائے۔ پس وہ ان میں ضعیفوں، مریضوں اور ضرورت والوں کو نماز پڑھائے۔ (یعنی ان کی رعایت کرے)۔

قرأت کرنے میں لوگوں کیلئے آسانیاں پیدا کرنے کا بیان:

حضرت سیدنا ابو مسعود انصاری؄ کہتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میں فلاں شخص کی وجہ سے صبح کی جماعت میں نہیں آتا کیونکہ وہ قرأت لمبی کرتا ہے تو میں نے آپ ﷺ کو نصیحت کرنے میں کبھی اتنے غصے میں نہیں دیکھا جتنا اس دن دیکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے لوگو! تم میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو دین سے متنفر کرتے ہیں۔ جو

کوئی تم میں سے امامت کرائے تو مختصر نماز پڑھائے اس لئے کہ اس کے پیچھے بوڑھا اور کمزور اور کام والا ہوتا ہے۔
(صحیح مسلم، رقم ۳۱۸)

عورتوں کی جماعت کے مکروہ ہونے کا بیان:

(وَيُكْرَهُ لِلنِّسَاءِ وَحْدَهُنَّ الْجَمَاعَةُ) لِأَنَّهَا لَا تَخْلُو عَنْ ارْتِكَابِ مُحَرَّمٍ ، وَهُوَ قِيَامُ الْإِمَامِ وَسَطَ الصَّفِّ فَيُكْرَهُ كَالْعُرَاةِ (فَإِنْ فَعَلْنَ قَامَتْ الْإِمَامُ وَسْطَهُنَّ) لِأَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا فَعَلَتْ كَذَلِكَ ، وَحُمِلَ فِعْلُهَا الْجَمَاعَةَ عَلَى ابْتِدَاءِ الْإِسْلَامِ وَلِأَنَّ فِي التَّقَدُّمِ زِيَادَةَ الْكَشْفِ .

ترجمہ:

عورتوں کیلئے اکیلے میں بھی جماعت سے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ کیونکہ عورتوں کی جماعت حرام کے ارتکاب سے خالی نہیں اور امام کا صف کے درمیان میں کھڑا ہونا ہے۔ لہذا یہ مکروہ ہوگا۔ جیسا ننگے مردوں کی نماز کا حکم ہے۔ اور اگر عورتوں نے جماعت کرائی تو امام ان کے درمیان میں کھڑی ہوگی۔ اس لئے حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے بھی اسی طرح کیا تھا۔ اور آپ کی جماعت کا ابتدائے اسلام پر محمول کردیا گیا ہے۔ اور وہ اس لئے ہے کہ ان کے تقدم میں کشف عورت زیادہ ہے۔

عورتوں کی جماعت کرانے کا حکم:

عورت کی امامت خواہ فرض نماز میں ہو یا نفل نماز میں مکروہ تحریمی ہے اور یہ کراہت عورتوں کی نفل نماز کی جماعت میں اور زیادہ شدید ہے کیونکہ نفل کی جماعت اعلان کے ساتھ مردوں کے لئے جائز نہیں تو عورتوں کے لئے کیسے جائز ہوسکتی ہے؟
چنانچہ حدیث شریف میں ہے: لاخیر فی جماعۃ النساء (اعلاء السنن)
یعنی عورتوں کی جماعت میں کوئی خیر نہیں۔ حضرت علی سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں: لاتؤم المرأۃ۔ (اعلاء السنن)
یعنی عورت امامت نہ کرے۔ درمختار میں ہے۔

(و) یکرہ تحریما (جماعۃ النساء) ولو فی التراویح فی غیر صلاۃ الجنازۃ۔

عورت کے لئے شرعی مسافت سفر ہو تو بغیر محرم کے سفر کرنا شرعاً ناجائز ہے۔ جیسا کہ متعدد احادیث سے یہ بات ثابت ہے:
عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال: لاتسافر المرأۃ ثلاثاً الا معھا ذو محرم۔ (صحیح البخاری)
حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: عورت تین دن کے برابر (مسافت) کا بغیر محرم کے سفر نہ کرے
عن ابی سعید الخدری قال: قال رسول اللہ ﷺ لایحل لأمرأۃ تومن باللہ والیوم الآخر ان تسافر سفرا یکون ثلاثۃ ایام فصاعدا الا ومعھا ابوھا او ابنھا او زوجھا او اخوھا او ذو محرم منھا۔ (صحیح مسلم)

حضرت ابوسعید خدریفرماتے ہیں کہ حضورا کاارشاد ہے کہ :اللہ اوراس کے رسول پرایمان رکھنے والی عورت کے لئے حلال نہیں کہ وہ تین دن یا اس سے زائد کاسفر کرے الا یہ کہ اس کے ساتھ اس کاوالد یا بیٹا یا شوہر یا بھائی یا کوئی دوسرا محرم ہو۔

-عن عبد الله بن عمر عن النبی ا قال :لایحل لأمرأة تومن بالله و الیوم الآخر تسافر مسیرة ثلاث الا و معها ذو محرم۔ (صحیح مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ حضورا نے ارشاد فرمایا :اللہ اوراس کے رسول پرایمان رکھنے والی عورت کے لئے حلال نہیں کہ وہ تین دن کی مسافت کا سفر بغیر محرم کے کرے۔

مذکورہ احادیث مبارکہ اوران جیسی دوسری احادیث سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ عورت کے لئے بغیر محرم کے سفر کرنا جائز نہیں اوران ہی احادیث کی بناء پر جمہور علماء امت کا اس بات پراتفاق ہے کہ عورت کے لئے بغیر محرم کے سفر کرنا جائز نہیں۔چنانچہ امام نووی فرماتے ہیں

وقال المجهور :لایجوز الا مع زوج او محرم وهذا هو الصحیح للاحادیث الصحیحة ۔ (شرح مسلم)

مذکورہ حدیث میرے علم میں نہیں باقی عورت کو دونوں باتوں کا اختیار ہے کہ اس کو دھو کر استعمال کرے یا پھینک دے اس طرح کہ کسی کی نظر اس پر نہ پڑے۔-واضح رہے کہ عورتوں کا طریقہ نماز مردوں کے طریقہء نماز سے مختلف ہے اور یہ فرق احادیث وآثارِ صحابہ سے ثابت ہے جوکہ درج ذیل ہے نماز میں عورت کو حکم ہے کہ وہ ہاتھ چھاتیوں تک اٹھائے :چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔

عن وائل بن حجر قال :قال لی رسول الله ا :یا وائل ابن حجر !اذا صلیت فاجعل یدیك حذاء اذنیك والمرأة تجعل یدیها حذاء ثدییها۔ (مجمع الزوائد)

حضرت وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ مجھے حضورا نے فرمایا :اے وائل بن حجر !جب نماز شروع کروتو اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھاؤ اور عورت اپنے ہاتھ چھاتیوں تک اٹھائے۔

عورت نماز میں سمٹ کر سرین کے بل بیٹھے چنانچہ حدیث شریف میں ہے

عن ابن عمر انه سئل کیف کان النساء یصلین علی عهد رسول الله ﷺ؟ قال :کن یتربعن ثم امرن ان یحتفزن۔ (جامع المسانید)

حضرت ابن عمر سے پوچھا گیا کہ خواتین حضورا کے عہد مبارک میں کس طرح نماز پڑھا کرتی تھیں؟ توانہوں نے فرمایا کہ :پہلے چارزانو ہوکر بیٹھتی تھیں پھر انہیں حکم دیا گیا کہ خوب سمٹ کر نماز ادا کریں۔عورت زمین کے ساتھ چمٹ کر اور پیٹ کو رانوں کے ساتھ ملا کر سجدہ کرے حدیث شریف میں ہے۔

عن عبد الله بن عمر قال قال رسول الله ! :اذا جلست المرأة فی الصلاة وضعت فخذها علی فخذها الاخری واذا سجدت الصقت بطنها علی فخذیها کاستر ما یکون لها وان الله ینظر الیها یقول :یا ملئکتی اشهد کم انی غفرت لها۔ (بیهقی)

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ آنحضرت ا کا ارشاد ہے :نماز کے دوران جب عورت بیٹھے تو اپنی ایک ران کو دوسری ران پر رکھے اور جب سجدہ میں جائے تو اپنے پیٹ کو اپنی دونوں رانوں سے ملالے اس طرح کہ زیادہ سے زیادہ ستر ہو سکے اور اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی طرف دیکھتے ہیں اور فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ :اے فرشتو !تم گواہ رہو میں نے اس عورت کی بخشش کردی۔دوسری حدیث شریف میں ہے۔

عن یزید بن ابی حبیب ان رسول الله ا مر علی امرأتین تصلیان فقال :اذا سجدتما فضما بعض اللحم الی الارض فان المرأة لیست فی ذلک کالرجل ۔ (مراسیل ابی داود)

نبی کریم ﷺ دو عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں آپ ا نے فرمایا :جب تم سجدہ کرو تو تم اپنے جسم کے بعض حصوں کو زمین سے چمٹادو اس لئے کہ اس میں عورت مرد کے مانند نہیں ہے۔

حضرت علی فرماتے ہیں کہ۔

اذا سجدت المرأة فلتحتفز ولتضم فخذیها (بیهقی :) یعنی جب عورت سجدہ کرے تو سرین کے بل بیٹھے اور اپنی رانوں کو ملالے۔حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ انه سئل عن صلاة المرأة فقال تجتمع و تحتفز (مصنف ابن ابی شیبه :)

یعنی ان سے عورت کی نماز کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ سب اعضاء کو ملالے اور سرین کے بل بیٹھے۔اسی بناء پر چاروں ائمہ کرام امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد، اس بات پر متفق ہیں کہ عورت کا طریقہ نماز مرد کے طریقہ نماز سے مختلف ہے اور فقہاء کرام نے اپنی کتابوں میں یہ فرق ذکر کیا ہے۔چنانچہ ہدایہ میں ہے:

والمرأة تنخفض فی سجودها تلزق بطنها بفخذیها لان ذلک استرلها (وفی موضع اخر قال) وان کانت امرأة جلست علی الیتها الیسری واخرجت رجلیها من الجانب الایمن لانه استرلها۔

شرح صغیر میں ہے۔

نَدبَ مجافاة ای :مباعدة رجل فیه ای :سجود (بطنه فخذیه) فلایجعل بطنه علیهما ومجافاة (مرفقیه رکبته) ای :عن رکبتیه ومجافاة ضبعیه ای :ما فوق المرفق الی الابط جنبیه ای :عنهما مجافاة وسطا فی الجمیع واما المرأة فتکون منضمة فی جمیع احوالها۔ (دار المعارف مصر)

شرح مہذب میں ہے۔

قال الشافعی و الأصحاب :یسن ان یجافی مرفقیه عن جنبیه و یرفع بطنه عن فخذیه و تضم المرأة بعضها الی بعض (قال قبل اسطر) روی البراء بن عازب ان النبی ا کان اذا سجد جخ وروی جخی و الجخ الخاوی و ان کانت امرأة ضمت بعضها الی بعض لان ذلك استرلها۔

المغنی میں ہے۔

و ان صلت امرأة بالنساء قامت معهن فی الصف وسطا قال ابن قدامة فی شرحه اذا ثبت هذا فانها اذا صلت بهن قامت فی وسطهن لانعلم فیه خلافا من رأی لها ان تؤمهن و لان المرأة یستحب لها التستر و لذلك یستحب لها التجافی۔

مذکورہ بالا احادیث مبارکہ وآثار صحابہ اور ائمہ اربعہ کے اقوال سے عورت کا طریقہ نماز ثابت ہے وہ مرد کے طریقہ نماز سے جدا ہے اس لئے مرد اور عورت کی نماز کی ادائیگی کو یکساں کہنا غلط ہے۔ دینی تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرنے کا مقصد دینی تعلیمات پر عمل کرنا ہے جہاں دینی تعلیم کے مقصد سے انحراف ہوتا ہو وہاں تعلیم حاصل کرنا صحیح نہیں۔

اکیلے نمازی کے جماعت میں کھڑے ہونے کا بیان:

(وَمَنْ صَلَّى مَعَ وَاحِدٍ أَقَامَهُ عَنْ يَمِينِهِ) لِحَدِيثِ (ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا ، فَإِنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ صَلَّى بِهِ وَأَقَامَهُ عَنْ يَمِينِهِ) وَلَا يَتَأَخَّرُ عَنْ الْإِمَامِ .

وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يَضَعُ أَصَابِعَهُ عِنْدَ عَقِبِ الْإِمَامِ ، وَالْأَوَّلُ هُوَ الظَّاهِرُ ، فَإِنْ صَلَّى خَلْفَهُ أَوْ فِي يَسَارِهِ جَازَ وَهُوَ مُسِيءٌ لِأَنَّهُ خَالَفَ السُّنَّةَ

(وَإِنْ أَمَّ اثْنَيْنِ تَقَدَّمَ عَلَيْهِمَا) وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ يَتَوَسَّطُهُمَا ، وَنَقَلَ ذَلِكَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَلَنَا (أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ تَقَدَّمَ عَلَى أَنَسٍ وَالْيَتِيمِ حِينَ صَلَّى بِهِمَا) فَهَذَا لِلْأَفْضَلِيَّةِ وَالْأَثَرُ دَلِيلُ الْإِبَاحَةِ .

ترجمہ

اور جس نے ایک شخص کے ساتھ نماز پڑھی تو وہ اس کو اپنی دائیں جانب کھڑا کرے۔اس کی دلیل حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے۔اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو نماز پڑھائی اور ان کو دائیں جانب کھڑا کیا۔اور مقتدی امام کے پیچھے نہ رہے۔جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ مقتدی اپنی انگلیوں کو امام کی ایڑیوں کے برابر رکھے۔اور پہلا ہی ظاہر ہے۔اور اگر ایک مقتدی نے امام کے بائیں یا پیچھے نماز پڑھی تب بھی جائز ہے۔لیکن وہ گناہگار ہے۔اس لئے کہ اس

نے خلاف سنت کیا ہے۔

اور اگر اس نے دو بندوں کی امامت کرائی تو امام ان دونوں پر مقدم ہو۔ جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ امام دونوں کے درمیان کھڑا ہو۔ اور یہی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی گئی ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت انس اور یتیم سے آگے کھڑے ہوئے اور ان دونوں نے آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ لہذا یہ دلیل فضیلت ہے اور اثر دلیل اباحت ہے۔

صرف ایک مقتدی یا دو ہوں تو جماعت کا حکم:

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) میں نے اپنی خالہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں رات گزاری چنانچہ (جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) (تہجد) نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں طرف جا کر کھڑے ہو گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے سے میرا ہاتھ پکڑ کر اس طرح پھیرا (کہ) مجھے اپنے پیچھے کی جانب سے لا کر دائیں طرف کھڑا کر لیا۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم)

شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ اس حدیث سے کئی مسائل کا استنباط ہوتا ہے۔

(۱) نفل نماز جماعت سے پڑھنا جائز ہے۔ (۲) اگر جماعت صرف دو آدمیوں کی ہو یعنی ایک امام اور ایک مقتدی۔ تو مقتدی کو امام کی دائیں جانب کھڑا ہونا چاہیے۔ (۳) نماز میں تھوڑا سا عمل جائز ہے۔ (۴) مقتدی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ امام سے آگے ہو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آگے کی جانب سے پھیرنے کی بجائے اپنے پیچھے سے پھیر کر دائیں طرف لا کھڑا کیا۔ (۵) ایسے آدمی کے پیچھے اقتداء جائز ہے جس نے شروع سے امام کی نیت نہ کر رکھی ہو۔

ہدایہ میں لکھا ہے کہ صورت مذکورہ میں اگر تنہا مقتدی امام کے پیچھے یا بائیں طرف نماز پڑھے تو جائز ہے لیکن مناسب نہیں ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے تو میں نے آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں طرف کھڑا ہو گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے پیچھے سے) میرا (داہنا) ہاتھ پکڑا اور (اپنے پیچھے کی جانب سے مجھے لا کر) اپنی دائیں طرف کھڑا کر دیا۔ پھر جبار ابن صخر آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں طرف کھڑے ہو گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم دونوں کے ہاتھ اکٹھے پکڑے (یعنی اپنے دائیں ہاتھ سے ایک کا بایاں ہاتھ پکڑا اور ایک بائیں ہاتھ سے دوسرے کا دایاں ہاتھ پکڑا اور ہمیں اپنی اپنی جگہ سے ہٹا کر اپنے پیچھے کھڑا کر دیا۔ (صحیح مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مقتدی ایک ہو تو وہ امام کے دائیں طرف کھڑا ہو جائے اور اگر ایک سے زیادہ مقتدی ہوں تو پھر سب امام کے پیچھے کھڑے ہوں۔

قاضی نے کہا ہے کہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھوں کو ایک مرتبہ یا بغیر وقفے سے دو مرتبہ حرکت میں لانے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

عورتوں اور بچوں کی اقتداء میں مردوں کی نماز کا حکم:

(وَلَا يَجُوزُ لِلرِّجَالِ أَنْ يَقْتَدُوا بِامْرَأَةٍ وَصَبِيٍّ) أَمَّا الْمَرْأَةُ فَلِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (أَخِّرُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَخَّرَهُنَّ اللَّهُ فَلَا يَجُوزُ تَقْدِيمُهَا) وَأَمَّا الصَّبِيُّ فَلِأَنَّهُ مُتَنَفِّلٌ فَلَا يَجُوزُ اقْتِدَاءُ الْمُفْتَرِضِ بِهِ .

وَفِي التَّرَاوِيحِ وَالسُّنَنِ الْمُطْلَقَةِ جَوَّزَهُ مَشَايِخُ بَلْخٍ ، وَلَمْ يُجَوِّزْهُ مَشَايِخُنَا رَحِمَهُمُ اللَّهُ ، وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّقَ الْخِلَافَ فِي النَّفْلِ الْمُطْلَقِ بَيْنَ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ وَالْمُخْتَارُ أَنَّهُ لَا يَجُوزُ فِي الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا لِأَنَّ نَفْلَ الصَّبِيِّ دُونَ نَفْلِ الْبَالِغِ حَيْثُ لَا يَلْزَمُهُ الْقَضَاءُ بِالْإِفْسَادِ بِالْإِجْمَاعِ ، وَلَا يُبْنَى الْقَوِيُّ عَلَى الضَّعِيفِ ، بِخِلَافِ الْمَظْنُونِ لِأَنَّهُ مُجْتَهَدٌ فِيهِ فَاعْتُبِرَ الْعَارِضُ عَدَمًا وَبِخِلَافِ اقْتِدَاءِ الصَّبِيِّ بِالصَّبِيِّ لِأَنَّ الصَّلَاةَ مُتَّحِدَةٌ .

ترجمہ

اور عورت یا بچے کی اقتداء کرنا مردوں کیلئے جائز نہیں۔ عورت کی اقتداء اس لئے جائز نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم عورتوں کو مؤخر کرو۔ جیسے ان کو اللہ نے مؤخر کیا۔ لہذا عورت کو مقدم کرنا جائز نہیں۔ اور بچے کو مقدم کرنا اس لئے جائز نہیں کہ وہ نفل پڑھنے والا ہے۔ لہذا مفترض کا اس کی اقتداء کرنا جائز نہیں۔ جبکہ نماز تراویح، سنن مطلقہ میں مشائخ بلخ نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ جبکہ ہمارے مشائخ نے اسے بھی ناجائز قرار دیا ہے۔ اور ہمارے مشائخ میں سے بعض نے امام ابو یوسف علیہ الرحمہ اور امام محمد علیہ الرحمہ کے درمیان نفل مطلق کی صورت اختلاف کی تحقیق کی ہے۔ اور اختیار یہ کیا گیا ہے کہ یہ تمام نمازوں میں جائز نہیں۔ کیونکہ بچے کا نفل بالغ کے نفل سے کمتر ہے۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ بچے کے نفل باطل ہونے پر بالا جماع اس پر اس کی قضاء واجب نہیں۔ لہذا قوی کی ضعیف پر بناء جائز نہیں۔ جبکہ مظنون کے مجتہد فیہ ہون کی وجہ سے جائز ہے۔ لہذا معدومی عارض کا اعتبار کیا جائے گا۔ جبکہ بچے کی اقتداء میں ایسا نہیں کیونکہ وہ نماز میں متحد ہے۔

نابالغ کی امامت کے بارے فقہی احکام کا بیان:

حضرت عمرو ابن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم پانی کے کنارے رہتے تھے جو لوگوں کی گزرگاہ تھا قافلے ہمارے پاس سے گزرتے تھے ہم ان سے پوچھتے تھے کہ لوگوں کے واسطے (ایک آدمی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دین

نکالا ہے وہ) کیا ہے؟ اور اس آدمی (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کیا ہیں؟ وہ لوگ ہم سے بیان کرتے کہ وہ (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) دعوی کرتے ہیں کہ اللہ نے انہیں (اپنا نبی برحق بنا) کر بھیجا ہے اور (قافلے کے لوگ قرآن کی آیتیں سنا کر کہا کرتے تھے کہ یہ) ان کے پاس وحی آتی ہے (اس طرح) ان کے پاس وحی آتی ہے چنانچہ میں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کو جو قافلے والے بیان کرتے تھے اور کلام کو) یعنی قافلے والے جو آیتیں پڑھ کر سنایا کرتے ان کو اس طرح یاد کر لیتا تھا گویا وہ میرے سینے میں جم جاتی تھیں (یعنی قرآن کی آیتیں مجھے خود یاد ہو جایا کرتی تھیں) اہل عرب (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کے علاوہ) اسلام لانے کے سلسلے میں مکہ کے فتح ہونے کا انتظار کر رہے تھے (یعنی یہ کہتے تھے کہ اگر مکہ فتح ہو گیا تو ہم اسلام لائیں گے اور یہ) کہا کرتے تھے تھے ان (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان کی قوم پر چھوڑ دو اگر وہ اپنے لوگوں پر غالب آ گئے اور مکہ کو فتح کر لیا) تو سمجھو کہ وہ سچے نبی ہیں (کیونکہ انکی اس ظاہری بے سروسامانی اور مادی کمزوری کے باوجود اہل عرب پر غالب آ جانا اور مکہ کو فتح کر لینا ان کا معجزہ ہوگا اور معجزہ صرف سچے نبی ہی سے صادر ہو سکتا ہے چنانچہ جب اللہ نے اپنے دین کا بول بالا کیا اور مکہ فتح ہو گیا تو لوگ اسلام قبول کرنے کے لیے ٹوٹ پڑے میرے والد نے اپنی قوم پر پہل کی اور سب سے پہلے اسلام لے آئے جب وہ یعنی میرے والد لوٹ کر آئے تو اپنی قوم سے کہنے لگے کہ اللہ کی قسم ! میں سچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فلاں وقت میں ایسی (اور اتنی) نماز پڑھو اور فلاں وقت میں ایسی (اور اتنی) نماز پڑھو (یعنی آپ نے نماز کی کیفیات اور اوقات بیان کئے) اور جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے ایک آدمی اذان دے اور تم میں سے جو آدمی قرآن زیادہ جاننے والا ہو وہ تمہاری امامت کرائے چنانچہ جب نماز کا وقت آیا اور جماعت کی تیاری ہوئی تو لوگوں نے آپس میں دیکھا (کہ امام کسے بنایا جائے!) مجھ سے زیادہ کوئی قرآن کا جاننے والا نہیں تھا کیونکہ میں (پہلے ہی سے) قافلے والوں سے قرآن سیکھ رہا تھا چنانچہ لوگوں نے مجھے آگے کر دیا (اور نماز میں میری اقتداء کی) اس وقت میری عمر چھ یا سات سال کی تھی اور میرے بدن پر فقط ایک چادر تھی چنانچہ جب میں سجدہ کرتا تو وہ چادر میرے بدن سے سرک جاتی تھی (اور کولھے کھل جاتے تھے) قوم میں سے ایک عورت نے (یہ دیکھ کر) کہا کہ ہمارے سامنے سے تم لوگ اپنے امام کی شرم گاہ کیوں نہیں ڈھانکتے؟ تب قوم نے کپڑا خریدا اور میرے لیے کرتہ بنوادیا اس مرتبے کی وجہ سے مجھے جیسی خوشی ہوئی ایسی خوشی کبھی نہیں ہوئی تھی۔ (صحیح البخاری)

عام طور پر سلمہ لام کے زبر کے ساتھ ہے مگر یہ عمرو جو قوم کے امام بنے تھے ان کے والد کے نام سلمہ میں لام زیر کے ساتھ ہے۔ اس کے بارہ میں علماء کے ہاں اختلاف ہے کہ عمرو ابن سلمہ بھی اپنے والد کے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسلام قبول کرنے گئے یا نہیں؟ اسی وجہ سے اس بات میں اختلاف ہے کہ آیا یہ صحابی نہیں یا ہیں؟ بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے والد تنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے تھے یہ ان کے ساتھ نہیں گئے تھے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لڑکے کی امامت کے جواز میں اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نابالغ لڑکے کی امامت جائز ہے البتہ جمعے کی نماز میں نابالغ لڑکے کی امامت کے سلسلے میں امام شافعی کے دو قول ہیں ایک قول سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ جمعے کی نماز میں بھی لڑکے کی امامت کے جواز کے قائل ہیں اور دوسرے قول سے عدم جواز کا اثبات ہوتا ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم فرماتے ہیں کہ نابالغ کی امامت جائز نہیں ہے البتہ نفل نماز کے سلسلہ میں علماء حنفیہ کے ہاں اختلاف ہے چنانچہ بلخ کے مشائخ نماز میں نابالغ لڑکے کی امامت کے جواز کے قائل ہیں اور اسی پر ان کا عمل ہے نیز مصر اور شام میں بھی اس پر عمل کیا جاتا ہے ان کے علاوہ دیگر علماء نے نفل نماز میں بھی نابالغ لڑکے کی امامت کو ناجائز قرار دیا ہے چنانچہ علماء ماوراء النہر کا عمل اسی پر ہے۔

زیلعی نے شرح کنز میں اس مسئلے کے متعلق کہا ہے کہ امام شافعی نے اس مسئلے میں کہ نابالغ لڑکے کی امامت جائز ہے حضرت عمرو ابن سلمہ کے اس قول فقدمونی الخ سے استدلال کیا ہے لیکن ہمارے (یعنی احناف کے) نزدیک حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول کی روشنی میں کہ وہ لڑکا جس پر حدود واجب نہیں ہوئی امامت نہ کرے نابالغ لڑکے کی امامت جائز نہیں ہے اسی طرح حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول بھی یہی ہے کہ لڑکا جب تک محتلم (یعنی بالغ) نہ ہو جائے امامت نہ کرے۔

لہٰذا یہ جائز نہیں ہے کہ فرض نماز پڑھنے والا نابالغ لڑکے کی اقتداء کرے جہاں تک عمرو ابن سلمہ کی امامت کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ ان کی امامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی بنا پر نہیں تھی بلکہ یہ ان کی قوم کے لوگوں کے اپنے اجتہاد تھا کہ عمرو چونکہ قافلے کے لوگوں سے قرآن کریم سیکھ چکے تھے اس لیے ان کو امام بنا دیا۔

بڑے تعجب کی بات ہے کہ حضرات شوافع حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دوسرے بڑے بڑے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال سے تو استدلال نہیں کرتے۔ ایک نابالغ لڑکے (عمرو ابن سلمہ) کے فعل کو مستدل بناتے ہیں۔

نماز میں صفوں کی ترتیب کا بیان:

(وَيَصُفُّ الرِّجَالَ ثُمَّ الصِّبْيَانَ ثُمَّ النِّسَاءَ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لِيَلِيَنِي مِنْكُمْ أُولُو الْأَحْلَامِ وَالنُّهَى) وَلِأَنَّ الْمُحَاذَاةَ مُفْسِدَةٌ فَيُؤَخَّرْنَ (وَإِنْ حَاذَتْهُ امْرَأَةٌ وَهُمَا مُشْتَرِكَانِ فِي صَلَاةٍ وَاحِدَةٍ فَسَدَتْ صَلَاتُهُ إنْ نَوَى الْإِمَامُ إمَامَتَهَا) وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا تَفْسُدَ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ اعْتِبَارًا بِصَلَاتِهَا حَيْثُ لَا تَفْسُدُ .

وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ مَا رَوَيْنَاهُ وَأَنَّهُ مِنَ الْمَشَاهِيرِ وَهُوَ الْمُخَاطَبُ بِهِ دُونَهَا فَيَكُونُ هُوَ التَّارِكُ لِفَرْضِ الْمَقَامِ فَتَفْسُدَ صَلَاتُهُ دُونَ صَلَاتِهَا ، كَالْمَأْمُومِ إِذَا تَقَدَّمَ عَلَى الْإِمَامِ (وَإِنْ لَمْ يَنْوِ إِمَامَتَهَا لَمْ تَضُرَّهُ وَلَا تَجُوزُ صَلَاتُهَا) لِأَنَّ الِاشْتِرَاكَ لَا يَثْبُتُ دُونَهَا عِنْدَنَا خِلَافًا لِزُفَرَ رَحِمَهُ اللَّهُ ، أَلَا تَرَى أَنَّهُ يَلْزَمُهُ التَّرْتِيبُ فِي الْمَقَامِ فَيَتَوَقَّفُ عَلَى الْتِزَامِهِ كَالِاقْتِدَاءِ ، إِنَّمَا يُشْتَرَطُ نِيَّةُ الْإِمَامَةِ إِذَا ائْتَمَّتْ مُحَاذِيَةً . وَإِنْ لَمْ يَكُنْ بِجَنْبِهَا رَجُلٌ فَفِيهِ رِوَايَتَانِ ، وَالْفَرْقُ عَلَى إِحْدَاهُمَا أَنَّ الْفَسَادَ فِي الْأَوَّلِ لَازِمٌ ، وَفِي الثَّانِي مُحْتَمَلٌ .

ترجمہ

مردصف بنائیں پھر بچے اور پھرعورتیں صف بنائیں۔کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:تم میں سے بالغ مردقریب رہیں کیونکہ عورت کا مدمقابل ہونا مفسد نماز ہے۔لہٰذاعورتوں کومؤخرکیاجائے۔اوراگرکوئی عورت مرد کے مدمقابل ہوئی حالانکہ وہ دونوں میں ایک ہی نماز میں شریک ہیں تواس مرد کی نماز فاسد ہوجائے گی۔اس شرط کے ساتھ کہ امام نے اس عورت کی نیت کی ہو جبکہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ مرد کی نماز فاسد نہ ہو۔اورامام شافعی علیہ الرحمہ کا فرمان بھی یہی ہے۔کیونکہ وہ عورت کی نماز پر قیاس کرتے ہیں۔اس لئے اس کی نماز فاسدنہیں ہوتی۔جبکہ استحسان کی دلیل وہ حدیث جو ہم بیان کرچکے ہیں اوروہ احادیث مشہورہ میں سے ہے۔اوراس حکم میں خطاب مردکو ہے نہ کہ عورت کوخطاب ہے۔لہٰذا مرد ہی مقام فرض کا تارک ہوگا اوراسی کی نماز فاسد ہوگی۔اورعورت کی نماز فاسد نہ ہوگی جس طرح مقتدی کے آگے بڑھ جانے کی وجہ سے اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی۔اوراگرامام نے عورت کی امامت کی نیت نہیں کی تو عورت کی محاذات مرد کیلئے نقصان دہ نہیں۔اورعورت کی نماز جائز نہ ہوگی۔کیونکہ ہمارے نزدیک نیت امامت کے بغیر اشتراک ثابت نہیں ہوتا جبکہ اس میں امام زفر علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ امام پر ہرایک کی ترتیب میں کھڑے ہونے کا مقام لازم ہے۔اوریہی بات امام کے لازم کرنے پرموتوف رہے گی۔جس طرح اقتداء کا حال ہے۔اورامامت کی نیت اسی وقت شرط ہے جب عورت محاذی ہوکر اقتداء کرے۔اوراگرعورت کے پہلو میں کوئی مرد نہ ہوتو اس میں دوروایات ہیں۔اوران دونوں روایات میں فرق ہےایک یہ کہ نماز کا فساداول میں لازم ہونے کی وجہ سے ہےاوردوسرایہ کہ فساد نماز میں احتمال ہے۔

شرح:

حضرت عبدالرحمٰن بن غنم سے روایت ہے کہ حضرت ابومالک اشعری نے کہا کہ کیا میں تم کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کا طریقہ نہ بتاؤں؟ پھرفرمایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوئے پہلے مردوں کی صف بنائی، پھران کے پیچھے نابالغ لڑکوں کی تب آپ نے نماز پڑھائی۔ابومالک نے آپ کی نماز کا تذکرہ کرکے کہا کہ آپ نے فرمایا نماز اس طرح ہوتی ہے،عبدالاعلیٰ نے کہا میراخیال ہےآپ نے یہ فرمایا کہ میری امت کی نماز یہی ہے۔

(سنن ابوداؤد، ج ا ص ۹۸، دار الحدیث ملتان)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مردوں کے لیے سب سے بہتر صف پہلی صف ہے اور سب سے بری صف ان کی صف آخری صف ہے) کیونکہ وہ عورتوں کی صف سے متصل ہوتی ہے (اور عورتوں کے لئے بہتر صف ان کی آخری صف ہے اور بری صف ان کی پہلی صف ہے) کیونکہ وہ مردوں کے قریب ہے۔(سنن ابوداؤد ج ا ص ۹۹، دار الحدیث ملتان)

محاذات مفسدہ کی شرائط کا بیان:

(وَمِنْ شَرَائِطِ الْمُحَاذَاةِ أَنْ تَكُونَ الصَّلَاةُ مُشْتَرَكَةً ، وَأَنْ تَكُونَ مُطْلَقَةً ، وَأَنْ تَكُونَ الْمَرْأَةُ مِنْ أَهْلِ الشَّهْوَةِ .

وَأَنْ لَا يَكُونَ بَيْنَهُمَا حَائِلٌ) لِأَنَّهَا عُرِفَتْ مُفْسِدَةً بِالنَّصِّ ، بِخِلَافِ الْقِيَاسِ فَيُرَاعَى جَمِيعُ مَا وَرَدَ بِهِ النَّصُّ .

ترجمہ:

اور نماز کو فاسد کرنے والی محاذات کی شرائط میں سے ہے۔ کہ وہ نماز مشترکہ، مطلقہ اور وہ عورت اہل شہوت میں سے ہو اور اس طرح مرد وعورت کے درمیان کوئی پردہ حائل بھی نہ ہو۔ کیونکہ محاذات کے مفسد نماز ہونے کا حکم نص سے معلوم ہوا ہے جبکہ یہ حکم قیاس کے خلاف ہے۔ لہذا ان تمام احکام میں نص کی رعایت کی جائے گی۔ جو ان کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔

عورت کے محاذات سے مرد کی نماز فاسد ہونے کے شرائط ومسائل:

نماز میں عورت کا مرد کے آگے یا مرد کے برابر میں کھڑا ہونا اس طرح پر کہ عورت کا قدم مرد کے کسی عضو کے مقابل نماز کے دوران میں کسی وقت بھی ہو جائے مرد کی نماز کو فاسد کر دے گا اور قدم کا برابر ہونا پنڈلی یا ٹخنے کے برابر ہونے سے ہے، شرائط محاذات گیارہ ہیں جو یہ ہیں۔

ا . وہ عورت ایسی ہو جو شہوت کی حد کو پہنچ گئی ہو اور جماع کے لائق ہو اگر نابالغ ہو، عمر کا اعتبار نہیں بلکہ جسم کی ساخت کا اعتبار ہیا گر چہ نوسال سے کم عمر کی ہو اور اگر زیادہ عمر کی ہے لیکن ساخت کے اعتبار سے جماع کے قابل نہیں تو نماز فاسد نہ ہوگی، بڑھیا عورت کے محاذات سے بھی نماز فاسد ہو جائے گی خواہ وہ کتنی ہی عمر کی ہو۔

۲ . دونوں رکوع وسجود والی نماز پڑھ رہے ہوں۔

۳ . دونوں تحریمہ کی رو سے نماز میں مشترک ہوں یعنی دونوں ایک ہی امام کے مقتدی ہوں یا عورت نے اپنی محاذی مرد کی تحریمہ پر تحریمہ باندھی ہو اور خواہ عورت ایک یا دو رکعت بعد میں آ کر شامل ہوئی ہو۔

۴ ۔ دونوں ادا کی رُو سے نماز میں مشترک ہوں یعنی وہ مرد اس عورت کا امام ہو یا دہ دونوں کسی دوسرے شخص کے مقتدی ہوں خواہ شرکت حقیقتاً ہو جیسا کہ مدرک اور خواہ حکماً ہو جیسا کہ لاحق جب کہ و ا اپنی لاحقانہ نماز میں ہو۔

۵ ۔ مرد مکلّف ہو یعنی عاقل و بالغ ہو۔

۶ ۔ عورت عاقلہ ہو یعنی ایسی ہو جس کی نماز صحیح ہوتی ہو پس مجنونہ یا حیض یا نفاس والی عورت کے محاذات سے مرد کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

۷ ۔ امام نے اُس عورت کی یا مطلق عورتوں کی امامت کی نیت کی ہو، نیت کے وقت عورتوں کا حاضر ہونا ضروری نہیں نیت شروع نماز کے وقت معتبر ہے نماز شروع کرنے کے بعد اگر عورتوں کی امامت کی نیت کی یا عورتوں کی امامت کی نیت کی ہی نہیں تو محاذات سے مرد کی نماز فاسد نہیں ہوگی کیونکہ عورت کی نماز شروع ہی نہیں ہوگی جمعہ وعیدین میں عورتوں کی امامت کی نیت شرط نہیں ہے یہی صحیح ہے پس ان نمازوں میں ان کی امامت کی نیت کرے یا نہ کرے مرد کی نماز عورت کے محاذات سے فاسد ہو جائے گی۔

۸ ۔ پورے رُکن میں محاذات برابر رہی ہو اس سے کم میں مفسد نہیں۔ ۹ ۔ دونوں کی نماز پڑھنے کی جہت ایک ہی ہو۔

۱۰ ۔ نماز شروع کرنے کے بعد شامل ہونے والی عورت کو پیچھے ہٹنے کا اشارہ نہ کرنا مرد کی نماز کو فاسد کرتا ہے پس اگر اس نے عورت کو پیچھے ہٹنے کا اشارہ کر دیا تو مرد کی نماز فاسد نہیں ہوگی بلکہ عورت کی نماز فاسد ہوگی کیونکہ مرد نے اپنا فرض ادا کر دیا اور عورت نے اپنا فرض ترک کیا۔

۱۱ ۔ ان دونوں کے درمیان میں کچھ حائل نہ ہو پس اگر دونوں کے درمیان میں ستون یا دیوار یا کوئی اور پردہ یا سترہ حائل ہو تو مرد کی نماز فاسد نہ ہوگی سترے کی کم سے کم مقدار ایک گز شرعی (ایک ہاتھ) بلندی اور ایک انگل کی مقدار موٹائی ہے یا دونوں کے درمیاں میں اتنی جگہ خالی ہو جس میں ایک آدمی کھڑا ہو سکے، عورت کی نماز دو صورتوں کے سوا اور کسی صورت میں مرد کی محاذی کھڑے ہونے سے فاسد نہیں ہوتی اور وہ دو صورتیں یہ ہیں اول جب کہ مرد نے اس کو پیچھے ہٹنے کے لئے کہا اور وہ نہ ہٹی، دوم جب کہ وہ مرد خود امام ہو تو جب امام کی نماز فاسد ہو جائے گی تو اس مقتدی عورت کی نماز خود بخود فاسد ہو جائے گی، صف کے درمیان میں کھڑی ہوئی ایک عورت تین آدمیوں کی نماز فاسد کرتی ہے ایک اس کے دائیں طرف کا دوسرا بائیں طرف کا اور ایک اس کی پیچھے والی پہلی متصل صف کا عین پیچھے والا آدمی، دو عورتیں چار آدمیوں کی نماز فاسد کرتی ہیں ایک دائیں طرف کا دوسرا بائیں طرف کا اور دو آدمی پیچھے والی متصل صف کے عین ان کے پیچھے والے، تین عورتیں ایک داہنی طرف کے آدمی کی اور ایک بائیں طرف کے آدمی کی اور پیچھے والی ہر صف کے بلکل ان کے پیچھے والے تین تین آدمیوں کی نماز آخری صف تک فاسد کرتی ہیں اور تین سے زیادہ عورتیں پوری صف کے حکم میں ہو کر دائیں بائیں کے برابر والے ایک ایک آدمی کے علاوہ

پیچھے والی تمام صفوں کے تمام آدمیوں کی نماز فاسد کرتی ہیں۔(زبدۃ الفقہ، کتاب الصلوٰۃ)

عورتوں کیلئے جماعت کرانے کا بیان:

(وَيُكْرَهُ لَهُنَّ حُضُورُ الْجَمَاعَاتِ) يَعْنِي الشَّوَابَّ مِنْهُنَّ لِمَا فِيهِ مِنْ خَوْفِ الْفِتْنَةِ (وَلَا بَأْسَ لِلْعَجُوزِ أَنْ تَخْرُجَ فِي الْفَجْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ) وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ (وَقَالَا يَخْرُجْنَ فِي الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا) لِأَنَّهُ لَا فِتْنَةَ لِقِلَّةِ الرَّغْبَةِ إلَيْهَا فَلَا يُكْرَهُ كَمَا فِي الْعِيدِ .

وَلَهُ أَنَّ فَرْطَ الشَّبَقِ حَامِلٌ فَتَقَعُ الْفِتْنَةُ ، غَيْرَ أَنَّ الْفُسَّاقَ انْتِشَارُهُمْ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَالْجُمُعَةِ ، أَمَّا فِي الْفَجْرِ وَالْعِشَاءِ فَهُمْ نَائِمُونَ ، وَفِي الْمَغْرِبِ بِالطَّعَامِ مَشْغُولُونَ ، وَالْجَبَّانَةُ مُتَّسِعَةٌ فَيُمْكِنُهَا الِاعْتِزَالُ عَنْ الرِّجَالِ فَلَا يُكْرَهُ .

ترجمہ

اور عورتوں کا جماعتوں میں حاضر ہونا مکروہ ہے۔یعنی جوان عورتیں کیونکہ انہی سے فتنے کا خوف ہے۔جبکہ فجر،مغرب اور عشاء کی نماز میں بوڑھی عورتوں کے نکلنے میں کوئی حرج نہیں۔یہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہے جبکہ صاحبین نے نزدیک وہ تمام نمازوں کیلئے نکل سکتی ہیں۔کیونکہ ان کی طرف قلت رغبت کی وجہ سے کوئی فتنہ نہیں۔لہذا نماز عید کی طرح ان کیلئے کوئی کراہت نہیں۔

اور امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک شدت شہوت جماع کا سبب ہے۔لہذا فتنہ واقع ہوگا۔لیکن ظہر،عصر اور جمعہ میں فساق منتشر ہوتے ہیں۔اور فجر وعشاء میں وہ سوئے ہوتے ہیں۔اور مغرب میں کھانے میں مصروف ہوتے ہیں۔اور جنگل وسیع ہے لہذا عورتوں کا مردوں سے الگ رہنا ممکن ہے۔لہذا (عید کی نماز کیلئے) ان کا نکلنا مکروہ نہیں۔

عورت کی جماعت کی شرعی حیثیت:

آکسفورڈ میں امریکہ سے درآمدہ ایک صاحبہ امینہ ودود نامی عورت نے دس بارہ مردوزن کی مخلوط جماعت کی امامت کی اور جس فتنے کا آغاز اس عورت نے امریکہ میں کیا تھا۔اُسے وہاں پنپتا نہ دیکھ کر اب برطانیہ کا قصد کیا ہے جہاں اس کی پذیرائی درجن سے بھی کم افراد نے کی۔ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ "الا ان الفتنة نائمة "لعن الله من ايقظها : خبردار فتنہ خوابیدہ ہے،اور جو اسے جگائے وہ لعنت کا مستحق ہو۔

شرعی اعتبار سے ہم ان تین مسائل پر گفتگو کریں گے۔۔خواتین کا مسجد میں نماز پڑھنا۔ ۔ایک عورت کا عورتوں کی جماعت کی امامت کرنا۔۔ایک عورت کا مخلوط جماعت کی امامت کرنا۔

پہلے مسئلہ کی حد تک اب کسی ابہام کی گنجائش نہیں ہے،قرن اول میں خواتین مسجد نبوی میں نماز پڑھا کرتی تھیں،حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہ امامت کرتی ہیں، نبی کریم ﷺ صبح کی نماز پڑھتے تھے اور عورتیں اپنی چادروں میں لپٹی اس حالت میں نماز سے واپس جاتی تھیں کہ اندھیرے کی بنا پر پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ یہ حدیث سنن ابی داؤد کے علاوہ دوسری کتب حدیث میں بھی موجود ہے لیکن ہم اس مضمون میں باقی احادیث بھی سنن ابی داؤد کے حوالہ سے پیش کررہے ہیں۔ اور چونکہ نماز خواتین پر باجماعت واجب نہیں ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے انہیں گھر پر نماز پڑھنے کی تلقین کی اور اُسے زیادہ بہتر قرار دیا۔ جیسا کہ ان دو روایتوں سے معلوم ہوتا ہے۔

امام احمد اپنی سند کیساتھ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن سوید الانصاری اپنی پھوپھی اُم حمید (جو کہ ابی حمید الساعدی کی بیوی تھیں) کے بارے میں ذکر کرتے ہیں کہ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئیں اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں آپ کیساتھ نماز پڑھنا چاہتی ہوں۔ آپ نے فرمایا: میں جانتا ہوں کہ تم میرے ساتھ نماز پڑھنا پسند کرتی ہو لیکن تمہارے لئے اپنے گھر (بیت) میں نماز پڑھنا، اپنے گھر کی چاردیواری (حجرۃ) میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے، اور تمہارے لئے اپنے گھر کی چاردیواری میں نماز پڑھنا، اپنے آنگن (دار) میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ اور تمہارے لئے اپنے آنگن میں نماز پڑھنا، اپنی قوم کی مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے، اور تمہارے لئے اپنی قوم کی مسجد میں نماز پڑھنا، میری مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

یہاں جہاں لفظ "دار" استعمال ہوا ہے اُسے میں نے آنگن لیا ہے، لیکن آس سے محلہ بھی مراد لیا جا سکتا ہے حضرت عائشہ رضہ اللہ عنہ کی اس حدیث کی بنا پر کہ رسول اللہ ﷺ نے گھروں (دور، جمع دار) میں مساجد بنانے کا حکم دیا اور کہا کہ اُنہیں صاف رکھا جائے اور خوشبو سے بھرپور رکھا جائے۔ (ابوداؤد)

شارح لکھتے ہیں کہ یہاں دور سے مواد محلّہ ہے کہ جس میں گھر پائے جاتے ہیں دوسری حدیث عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عورت کی نماز اپنے حجرہ یعنی چاردیواری سے زیادہ اپنے گھر میں افضل ہے۔ اور اس کی نماز اپنے سونے کے کمرے میں گھر سے زیادہ افضل ہے۔ (ابوداؤد)

یہاں چاردیواری کے مقابلہ میں گھر (بیت) کا لفظ اندرون خانہ کی طرف اشارہ کررہا ہے۔ گویا افضلیت کے اعتبار سے ترتیب یوں ہوگی۔

سونے کا کمرہ (بیڈروم) پھر اندرون خانہ (بیت)، پھر چاردیواری (حجرہ) پھر آنگن یا محلّہ کی مسجد (دار)، پھر محلّہ کی جامع مسجد اُم حمید کی مذکورہ بالا حدیث کا نتیجہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی نصیحت سننے کے بعد اُنہوں نے اپنے گھر کے آخری گوشے میں مسجد (یعنی نماز کی جگہ) بنائی اور اللہ کی قسم وہ اپنے اللہ سے ملنے تک وہاں نماز پڑھتی رہیں۔

نبی کریم ﷺ نے جہاں خواتین کو مسجد میں نماز پڑھنے کی اجازت دی وہاں چند مزید ہدایات بھی دیں۔

بروایت عبداللہ بن عمر اُنہوں نے ارشاد فرمایا: اپنی عورتوں کو مساجد سے نہ روکو، لیکن وہ اس طرح نکلیں کہ خوشبو سے

عاری ہوں (ابوداؤد :) پھر بتایا کہ ان کی صفیں مردوں کی صفوں کے پیچھے ہوں۔حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : مردوں کی بہترین صفیں پہلی صفیں ہیں اور بدترین آخری۔(سنن ابوداؤد، ج ا،ص ۹۹، دار الحدیث ملتان)

عورتوں کی بہترین صفیں آخری ہیں اور بدترین پہلی۔(ابوداؤد :) یہاں بہترین اور بدترین اس لحاظ سے ہے کہ مردوں اور عورتوں میں جتنا بعد ہوگا وہ بہتر ہوگا۔مردوں کی آخری صف اور عورتوں کی پہلی صف چونکہ قریب قریب ہوں گی جہاں ایک دوسرے کو دیکھنے اور نماز میں خلل واقع ہونے کا امکان ہوگا، انہیں بدترین قرار دیا۔

اس کا مداوا مسجد میں مردوں اور عورتوں کے درمیان پردہ لٹکانے یا عورتوں کے لئے علیحدہ باپردہ جگہ بنانے سے ہوسکتا ہے جیسا کہ آج کل مساجد میں کیا جاتا ہے جن میں مسجد نبوی بھی شامل ہے۔احادیث کی کتب سے ایک بات اور معلوم ہوتی ہے کہ خود صحابہ کے دور میں یہ احساس اجاگر ہونا شروع ہوگیا تھا کہ مساجد میں عورتوں کے آنے سے فتنہ کو ہوا مل سکتی ہے اس لئے بعض لوگ مساجد میں عورتوں کے آنے پر خوش نہیں تھے لیکن نبی کریم ﷺ کی عطا کردہ اجازت کی مخالفت بھی نہیں کرسکتے تھے اس ضمن میں یہ تین احادیث ملاحظہ ہوں۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کہتی ہیں :اگر نبی کریم ﷺ اس زمانے تک موجود رہتے اور دیکھتے کہ عورتوں نے کیا گل کھلائے ہیں تو انہیں وہ مسجدوں میں آنے سے ایسے ہی روک دیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتوں کو روکا گیا تھا۔(ابوداؤد:)

ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا : عورتوں کو رات کے وقت مسجد جانے کی اجازت دیدو، اُن کا ایک بیٹا (بلال یا واقد) کہتا ہے کہ اللہ کی قسم :ہم اجازت نہیں دیں گے، اللہ کی قسم !ہم اجازت نہیں دیں گے۔

اس پر عبداللہ بن عمر انہیں خفا ہوئے اور اپنے غصہ کا اظہار کیا اور کہا :میں کہہ رہا ہوں کہ اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں :انہیں اجازت دو اور تم کہتے ہو کہ ہم اجازت نہیں دیں گے؟ (ابوداؤد :) یہاں ہم عاتکہ بنت زید کا قصہ بھی درج کرتے ہیں۔عاتکہ، سعید بن زید کی بہن ہیں جو عشرہ مبشرہ بالجنہ میں سے ہیں، ان کی پہلی شادی ابوبکر صدیق کے بیٹے عبداللہ سے ہوئی جو طائف کے محاصرے میں شہید ہوئے، دوسری شادی زید بن الخطاب سے ہوئی جو یمامہ کی جنگ میں شہید ہوئے، تیسری شادی حضرت عمر سے ہوئی اور شادی کے وقت انہوں نے شرط رکھی کہ وہ نہ انہیں ماریں گے، نہ حق بات سے روکیں گے اور نہ مسجد نبوی میں نماز پڑھنے سے منع کریں گے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد زبیر بن العوام نے بھی مذکورہ شرطوں پر اُن سے شادی کی لیکن وہ اُن کا مسجد میں نماز پڑھنا پسند نہیں کرتے تھے، اس لیے انہوں نے یہ حیلہ کیا کہ رات کے وقت اُن کے راستہ میں چھپ کر کھڑے ہوگئے اور جب وہ گذر رہی تھیں تو اُن کے کولہے پر زور سے ہاتھ مارا۔وہ فوراً لوٹ آئیں اور کہنے لگیں :واللہ، زمانہ خراب ہوگیا ہے۔اس کے بعد پھر وہ نہیں نکلیں (ابن حجر :الاصابہ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی میں عورتوں کے لئے علیحدہ دروازہ مخصوص کردیا تھا۔وہ لوگوں کو اس دروازے سے

داخل ہونے سے منع کیا کرتے تھے اور بقول نافع اپنی وفات تک اس دروازے سے خود داخل نہیں ہوئے (ابوداؤد)

اب رہا دوسرا مسئلہ کہ عورت، عورتوں کی جماعت کی امامت کرسکتی ہے یا نہیں، تو اس بارے میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ ایسا کرنا جائز ہے۔عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ : عورت عورتوں کی امامت کرائے تو صف کے درمیان کھڑی ہو (مصنف عبدالرزاق) ان مذکورہ احادیث سے یہ باتیں بالکل واضح ہیں :

نماز سے پاکیزگی، اللہ سے قربت اور اجر وثواب مقصود ہے، مسجد میں انسان جائے تو اپنی روحانیت کو بالا کرنے، دنیوی امور اور شیطانی وسوسوں کا شکار نہ ہو، ہر وہ چیز جس سے نماز میں خلل آئے، مسجدوں سے دور رکھی جائے۔

مردوں عورتوں کا اختلاط چونکہ فتنے کا باعث بن سکتا ہے اس لئے اولاً عورتوں پر جماعت کی نماز واجب نہیں کی گئی، انہیں گھروں میں نماز پڑھنے پر اکسایا گیا، اگر وہ مسجد میں آئیں تو ان کے لئے علیحدہ دروازہ مخصوص کیا جاتا ہے، ان کی صفیں مردوں کی صفوں سے پیچھے قرار دی گئیں، اُن کے لئے گھر سے باہر نکلتے وقت خوشبو کا استعمال ناجائز قرار دیا گیا۔اب ان حکمتوں کو ملاحظہ کیجئے اور تیسرے مسئلہ پر غور کیجئے کہ آیا کسی صورت میں بھی ایک عورت کو مردوں کے سامنے لاکر امام کی حیثیت سے کھڑا کیا جاسکتا ہے؟

جب باجماعت نماز اُن پر واجب ہی نہیں تو انہیں ایک واجب امر کے لئے کیسے مجبور کیا جاسکتا ہے، یہ تو ایسے ہی ہے کہ معزور افراد کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہاد کرنے سے رخصت دی گئی ہے لیکن آپ انہیں جہاد کرنے پر مجبور کریں، عورتوں پر بھی جہاد فرض نہیں۔انہوں نے رسول اللہ؟ سے پوچھا کہ ہم کیوں نہ جہاد کریں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا : تمہارا جہاد، حج اور عمرہ ادا کرنا ہے۔عورتیں جن پر اللہ تعالیٰ نے حمل، ولادت، رضاعت اور تربیت اولاد کے ضمن میں اتنا بوجھ ڈالا ہے، کیا انہیں مزید بوجھ کا متحمل بنایا جائے کہ وہ مردوں کی طرح باجماعت نماز مسجد میں ادا کریں، بلکہ امامت بھی کرائیں؟ اگر اللہ نے انہیں ایک رخصت عطا کی ہے تو وہ اس رخصت سے کیوں نہ فائدہ اٹھائیں؟ ایام ماہواری میں ایک عورت کو نماز پڑھنے سے رخصت عطا کی گئی ہے۔آج تک کسی عورت نے یہ سوال نہیں اٹھایا کہ جب مردوں کو کسی بھی حال میں نماز سے رخصت نہیں دی گئی تو ہمیں رخصت کیوں دی گئی ہے؟

سورۃ نور میں جہاں قلب مومن میں اللہ کے نور کے منعکس ہونے کی مثال دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس نور کی آبیاری اللہ کے گھروں میں ہوتی ہے۔وہاں اُن مردوں، کی تعریف کی گئی ہے جو صبح وشام اللہ کے ان گھروں میں اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔فرمایا :رجال ، لا تلهيهم تجارة و لابيع عن ذكرِ الله و اقامِ الصلاة و ايتاءِ الزكاة " "یہ وہ مرد ہیں جنہیں کوئی تجارت یا سودا اللہ کے ذکر، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے نہیں روکتا"

یعنی مسجدوں کا آباد کرنا۔مثلاً مردوں کا کام ہے، عورتوں کو وہاں ہونے اور نماز پڑھنے کی اجازت ہے لیکن یہ ان پر لازم

نہیں ہے۔

اب آیئے اس ایک واقعہ کی طرف جو اس ضمن میں پیش کیا جاتا ہے۔ اور وہ ہے ام ورقہ کا واقعہ جسے ابوداؤد نے اپنی سنن میں بیان کیا ہے۔ پہلے الاصابہ سے ام ورقہ کے مختصر حالات ملاحظہ ہوں۔

جب رسول اللہ ﷺ غزوہ بدر کے لیے تشریف لیجا رہے تھے، ام ورقہ بنت نوفل الانصاریہ نے کہا: اللہ کے رسول! مجھے بھی اجازت دیں کہ آپ کے ساتھ نکلوں اور مریضوں کی دیکھ بھال کروں اور ہوسکتا ہے کہ اللہ مجھے شہادت سے نوازیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے گھر ہی میں رہو، اللہ تمہیں شہادت سے سرفراز کرے گا۔ چنانچہ وہ شہیدۃ کے لقب سے پکاری جاتی تھیں۔ وہ قرآن پڑھا کرتی تھیں۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اجازت چاہی کہ اپنے گھر میں ایک مؤذن ان کے لئے اذان دیا کرے تو نبی کریم ﷺ نے اجازت دی۔ انہوں نے اپنے غلام مرد اور لونڈی کو بتا رکھا تھا کہ ان کی وفات کے بعد وہ آزاد ہوں گے۔ (جسے عربی میں تدبیر، کہا جاتا ہے)۔ ان دونوں نے ایک رات اُن کے سر پر ایک تکیہ رکھ کر انہیں مار دیا۔ اور خود بھاگ گئے۔ حضرت عمر کو صبح کے وقت اس واقعہ کی اطلاع ملی تو انہوں نے کہا: جس کے پاس اس واقعہ کے بارے میں علم ہو یا ان دونوں کو جانتا ہو تو وہ مجھے بتائے اور انہیں میرے پاس لے کر آئے۔ چنانچہ وہ دونوں لائے گئے اور پھانسی پر چڑھائے گئے۔ مدینہ میں یہ دونوں پہلے دو شخص تھے جو مصلوب ہوئے، ابن السکن کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صبح کے وقت کہا کہ آج رات میں نے اپنی خالہ ام ورقہ کی قرأت کی آواز نہیں سنی، تو وہ ان کے گھر داخل ہوئے تو کچھ دکھائی نہیں دیا۔ پھر اندر داخل ہوئے۔ تو گھر کے ایک کونے میں ایک کمبل یا چادر میں اُن کی لاش لپٹی ہوئی پائی۔ انہوں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سچ کہا۔

پھر وہ منبر پر چڑھے۔ اور یہ خبر بیان کی اور کہا کہ ان دونوں کو ڈھونڈ کر لاؤ۔ ان دونوں کو لایا گیا۔ تو ان سے پوچھ گچھ کی، دونوں نے اقرار کیا تو پھر انہیں مصلوب کرنے کا حکم دیا۔ (الاصابہ) ابوداؤد نے ان الفاظ کا اضافہ کیا:

"نبی کریم ﷺ ان کے گھر میں ان کی زیارت کے لئے آیا کرتے تھے، ان کے لئے ایک موذن مقرر کیا جو ان کے لئے اذان دیا کرتا تھا اور انہیں کہا کہ وہ اپنے گھر والوں (اہل دارھا) کی امامت کرائیں۔ راوی عبدالرحمٰن بن خلاد کہتے ہیں: میں نے وہ موذن دیکھا ہے، وہ ایک بڑی عمر کا بوڑھا شخص تھا۔ (ابوداؤد)

اسناد کے اعتبار سے یہ روایت قوی نہیں ہے کہ اس کے دو راوی عبدالرحمٰن بن خلاد اور الولید بن جمیع کے حالات معلوم نہیں۔

الولید کے بارے میں ذہبی لکھتے ہیں کہ بقول ابن حبان: اگر اکیلے روایت کریں تو بہت غلطی کرتے ہیں اور قابل حجت نہیں۔ دوسرے محدثین ابن معین، العجلی، ابوحاتم کے نزدیک وہ ثقہ ہیں۔ اگر اس روایت کو قبول بھی کیا جائے تو اس سے یہ

باتیں معلوم ہوتی ہیں :

ام ورقہ کے لئے یہ ایک خصوصی اجازت تھی کہ وہ موذن رکھیں اوراپنے گھر والوں کی امامت کرائیں۔اور وہ اس لئے کہ آنحضور ﷺ کے زمانہ میں اس طرح کے کسی دوسرے واقعہ کا ذکر نہیں ملتا۔

اپنے گھر والوں کی امامت کرانے کا حکم دیا تھا۔اذنِ عام نہیں تھا۔

جس موذن کے مقرر کرنے کا حکم ہے اُس کے بارے میں دونوں احتمال ہو سکتے ہیں کہ وہ اُن کے پیچھے نماز پڑھتا ہو یا اذان دینے کے بعد نماز باجماعت کے لئے محلے کی مسجد میں چلا جاتا ہو۔

حضرت عمران کے گھر کے قریب سے گذرتے تھے اوران کی قراءت کی آواز سنتے تھے۔لیکن وہ خودان کی جماعت میں شامل نہیں ہوئے۔

یہ جماعت اُن کے اپنے آنگن (دار) میں ہوتی تھی۔محلہ کی مسجد نہ تھی۔اس لئے کہ اس روایت میں ذکر ہے کہ اس واقعہ (یعنی اُن کی شہادت کے واقعے) کے بعد وہ اُن کے "دار" میں داخل ہوئے تو کچھ نظر نہ آیا۔پھر بیت میں داخل ہوئے تو چادر میں لپٹی ہوئی ان کی لاش کو پایا۔

بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے گھر میں سوائے اس غلام مرد اور لونڈی کے اور کوئی نہ تھا کہ جن کی وہ امامت کراتی ہوں گی کوئی اور ہوتا تو پھر یہ قتل آسانی سے کیسے ہو جاتا۔اس لئے اس روایت میں عورت کی اپنے گھر کے علاوہ عام مساجد میں امامت کرانا کیسے ثابت کیا جاسکتا ہے؟

اگر یہ بات بڑے اجر وثواب کی تھی تو قرن اول کی وہ خواتین اس عظیم خدمت سے کیسے محروم رہ گئیں جن میں حضرت عائشہؓ اور تمام امہات المومنین شامل ہیں؟ حضرت عائشہ کے علم وفضل سے کون واقف نہیں۔وہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد سینتالیس سال زندہ رہیں۔۵۸ء میں ان کی وفات ہوئی۔اُنہیں امامت کے لئے کیوں نہیں چنا گیا۔اور پھر انہوں نے اس کارِعظیم کے لئے اپنے آپ کو پیش کیوں نہ کیا؟

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کوئی بھی عمل اس وقت تک قابل قبول نہیں جب تک اس میں اخلاص نہ ہو اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق نہ ہو۔

"امینہ ودود" کا عمل کہاں تک سنت کے مطابق ہے وہ تو آپ نے ملاحظہ کرلیا۔اخلاص کا حال یوں جانچا جاسکتا ہے کہ اس دس بارہ آدمیوں کی جماعت کے لئے کیمرے اور تصویر کا اہتمام کیا گیا تا کہ ریاکاری کے سارے ریکارڈ توڑے جاسکیں۔

"الا إن الفتنة نائمة ، ولعن الله من ايقظها"

تراویح میں خواتین کی امامت :

کچھ عرصہ سے شہر میں خواتین کیلئے علیحدہ مقام پر نماز تراویح کا انتظام کیا جارہا ہے۔ بعض مقامات پر مرد حفاظ قرآن کریم سناتے ہیں لیکن بعض جگہ حافظہ خواتین امامت کے فرائض انجام دینے لگی ہیں اور قرآن شریف سنارہی ہیں، کیا شرعاً عورتوں کی امامت درست ہے؟

اہل سنت و جماعت کے پاس عورت کی امامت درست نہیں شریعت کا یہ حکم عورت کی حاجات وضروریات کی مناسبت سے دیا گیا ہے (اس میں عورت کی تنقیص کا کوئی پہلو نہیں) عورت کے لئے پنجگانہ فرض نمازیں گھر میں پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے، جب فرض نماز کے لئے ان کی جماعت نہیں رکھی گئی تو سنت ونفل کے لئے ان کی جماعت کیسے درست ہوگی؟۔ عورتوں کے لئے جماعت کا مقرر نہ کیا جانا ان کے لئے اللہ کی ایک رحمت ہے اور اس میں بے شمار فوائد ومصالح ہیں۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، اس نے معاشرے کے ہر فرد کیلئے حدود اور علیحدہ دائرہ کار متعین کردیا ہے، خواتین کیلئے تدبیر منزل، امور خانہ داری اور تربیت اولاد کی ذمہ داری سونپی گئی ہے اور مرد کو من جملہ اسکی ذمہ داریوں کے ایک منصب امامت بھی دیا گیا ہے۔ جہاں تک خواتین کی امامت کا مسئلہ ہے تو چونکہ عورتوں کیلئے امامت اصلاً نہیں ہے اسی لئے خواتین کی امامت مرد حضرات کیلئے درست نہیں اور خواتین کیلئے کسی خاتون کی امامت خواہ فرائض میں ہو یا نوافل میں مکروہ تحریمی ہے۔ فتاوی عالمگیری ج 1 ص 75 میں ہے۔

:ویکرہ امامۃ المرأۃ للنساء فی الصلوۃ کلھا من الفرائض والنوافل اور فتاوی عالمگیری ج 1 ص 75 میں ہے :وصلوتھن فرادی افضل ترجمہ: عورتوں کیلئے نماز با جماعت ادا کرنے سے بہتر وافضل ہے کہ وہ تنہا بغیر جماعت ادا کریں۔

ادنی کی اقوی کے پیچھے نماز پڑھنے کا بیان:

قَالَ (وَلَا يُصَلِّي الطَّاهِرُ خَلْفَ مَنْ هُوَ فِي مَعْنَى الْمُسْتَحَاضَةِ ، وَلَا الطَّاهِرَةُ خَلْفَ الْمُسْتَحَاضَةِ) لِأَنَّ الصَّحِيحَ أَقْوَى حَالًا مِنْ الْمَعْذُورِ ، وَالشَّيْءُ لَا يَتَضَمَّنُ مَا هُوَ فَوْقَهُ ، وَالْإِمَامُ ضَامِنٌ بِمَعْنَى أَنَّهُ تَضَمَّنَ صَلَاتُهُ صَلَاةَ الْمُقْتَدِي (وَلَا) يُصَلِّي (الْقَارِءُ خَلْفَ الْأُمِّيِّ وَلَا الْمُكْتَسِي خَلْفَ الْعَارِي) لِقُوَّةِ حَالِهِمَا .

ترجمہ:

اور طاہر اس شخص کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔ جو مستحاضہ کے حکم میں ہے۔ اور اسی طرح طاہرہ مستحاضہ کے پیچھے نماز نہ پڑھے کیونکہ صحیح کا حال معذور سے قوی ہے۔ اور کوئی چیز اپنے سے مافوق کو متضمن نہیں ہوتی حالانکہ امام ضامن ہے۔ اور وہ اس طرح ہے کہ امام کی نماز مقتدی کی نماز کو متضمن ہے۔ اور قاری ان پڑھ کے پیچھے نہ پڑھے۔ اور کپڑا پہننے والا ننگے کے پیچھے نہ پڑھے۔ کیونکہ قاری اور کپڑے پہننے والے کی حالت ان پڑھ اور ننگے سے قوی ہے۔

شرح:

امام کیلئے اعلیٰ ہونا ضروری ہے اس کی تفصیل ہم آئندہ مسائل میں قاعدہ فقہیہ کے ساتھ بیان کررہے ہیں مذکورہ مسئلہ کی دلیل وہاں آجائے گی۔

تیمم کرنے والا وضو کرنے والے کا امام بن سکتا ہے:

(وَيَجُوزُ أَنْ يَؤُمَّ الْمُتَيَمِّمُ الْمُتَوَضِّئِينَ) وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ :لَا يَجُوزُ لِأَنَّهُ طَهَارَةٌ ضَرُورِيَّةٌ وَالطَّهَارَةُ بِالْمَاءِ أَصْلِيَّةٌ .وَلَهُمَا أَنَّهُ طَهَارَةٌ مُطْلَقَةٌ وَلِهَذَا لَا يَتَقَدَّرُ بِقَدْرِ الْحَاجَةِ .

ترجمہ:

اور تیمم کرنے والے کی وضو کرنے والوں کی امامت کرانا جائز ہے۔یہ شیخین کے نزدیک ہے جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: جائز نہیں ہے۔کیونکہ تیمم طہارت ضروریہ ہے اور پانی کے ساتھ طہارت حاصل کرنا طہارت اصلیہ ہے۔اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ تیمم طہارت مطلقہ ہے۔لہذا اسے ضرورت تک مقدر نہ کیا جائے گا۔

تیمم والے کی اقتداء میں وضو والے کی نماز:

اگر کسی وضو کرنے والے شخص نے ایسے امام کی اقتداء اختیار کی جو تیمم کرنے والا ہے تو اسکی نماز جائز ہوگی اسکی دلیل بھی طہارت کا عموی فائدہ ہے۔یہاں پر استثناء بطور دلیل کے بیان کیا گیا ہے۔اور وہ طہارت میں عموم ہے اور اس عموم کا ثبوت چونکہ نص سے ثابت ہے۔یعنی جس طرح وضو والے کی نماز ہے اسی طرح بحکم نص تیمم والے کی بھی نماز ہے۔

مسح کی اقتداء میں وضو کرنے والوں کی نماز کا حکم:

(وَيَؤُمُّ الْمَاسِحُ الْغَاسِلِينَ) لِأَنَّ الْخُفَّ مَانِعٌ سِرَايَةَ الْحَدَثِ إلَى الْقَدَمِ ، وَمَا حَلَّ بِالْخُفِّ يُزِيلُهُ الْمَسْحُ ، بِخِلَافِ الْمُسْتَحَاضَةِ لِأَنَّ الْحَدَثَ لَمْ يُعْتَبَرْ شَرْعًا مَعَ قِيَامِهِ حَقِيقَةً

ترجمہ:

اور مسح کرنے والا (پاؤں) دھونے والوں کی امامت کراسکتا ہے۔کیونکہ حدث کو قدم تک سرایت کرنے سے موزہ بھی روکنے والا ہے۔اور جو کچھ موزے میں حلول کر جائے موزہ ہی اسے دور کرنے والا ہے۔بخلاف مستحاضہ کے کیونکہ اس کا حدث ایسی چیز ہے جس کا زوال شرعی طور پر معتبر ہے۔جبکہ حدث حقیقی موجود ہے۔

قاعدہ فقہیہ:

حالت اقوی کے تابع حالت ادنی ہوتی ہے جبکہ حالت اقوی حالت ادنی کے تابع نہیں ہوتی۔ (ماخوذ من الحسامی)

اس کی وضاحت یہ ہے کہ وہ شرعی احکام جن میں اتباع معتبر ہوتی ہے تو وہاں اس امر کا خاص اہتمام ہے کہ جو مضبوط حالت اور اعلیٰ حالت والا ہے اسکی اتباع کی جائے گی اور جو شرعی احکام کے مطابق معذور اور کمزور حالت والا ہے اس کی اتباع نہیں کی جائے گی۔

اس کا ثبوت یہ ہے۔

اس قاعدے سے امام اور مقتدی کے متعلق بہت سے مسائل اخذ ہوتے ہیں کہ امام کا حال مقتدی کے حال سے اقوی ہونا چاہیے۔ کیونکہ مقتدی کیلئے امام کی اتباع ضروری ہے اور اتباع اسی کی ہوسکتی ہے جو اقوی ہے۔ کیونکہ نماز میں اتباع کا جو حکم ہے اس کا مفاد یہی ہے۔

ماسح کی اقتداء میں غاسلین کی نماز:

اگر موزوں پر مسح کرنے والا ہوتو اسکی اقتداء میں پاؤں کو دھو کر وضو کرنے والے کی نماز جائز ہے (ہدایہ) اگر چہ پاؤں دھونے والوں کی حالت ماسح سے اقوی ہے تاہم یہاں دوسرے قاعدے کا اطلاق کیا جارہا ہے کہ جس طرح پاؤں دھونے والے کیلئے افادہ طہارت حاصل ہے اسی طرح موزوں پر مسح کیلئے افادہ طہارت عام ہے اور طہارت کی عمومیت کا اعتبار کرتے ہوئے اسکی اقتداء میں نماز کے جواز کی اجازت دی گئی ہے۔

قاعد کے پیچھے قائم کی نماز کا حکم:

(وَيُصَلِّي الْقَائِمُ خَلْفَ الْقَاعِدِ) وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ : لَا يَجُوزُ ، وَهُوَ الْقِيَاسُ لِقُوَّةِ حَالِ الْقَائِمِ وَنَحْنُ تَرَكْنَاهُ بِالنَّصِّ ، وَهُوَ مَا رُوِيَ (أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ صَلَّى آخِرَ صَلَاتِهِ قَاعِدًا وَالْقَوْمُ خَلْفَهُ قِيَامٌ)

(وَيُصَلِّي الْمُومِئُ خَلْفَ مِثْلِهِ) لِاسْتِوَائِهِمَا فِي الْحَالِ إلَّا أَنْ يُومِئَ الْمُؤْتَمُّ قَاعِدًا وَالْإِمَامُ مُضْطَجِعًا ، لِأَنَّ الْقُعُودَ مُعْتَبَرٌ فَتَثْبُتُ بِهِ الْقُوَّةُ (وَلَا يُصَلِّي الَّذِي يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ خَلْفَ الْمُومِئِ) لِأَنَّ حَالَ الْمُقْتَدِي أَقْوَى ، وَفِيهِ خِلَافُ زُفَرَ رَحِمَهُ اللَّهُ .

ترجمہ

اور کھڑے ہوکر نماز پڑھنے والا بیٹھ کر نماز پڑھانے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔ اور امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: جائز نہیں کیونکہ قائم کی حالت قوی ہے۔ اور ہم نے نص کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا ہے۔ اور اس میں نص وہ حدیث ہے کہ نبی کریم

ﷺ نے آخری نماز بیٹھ کر پڑھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کی اقتداء میں کھڑے ہوکر نماز ادا کی۔

اور اشارے سے نماز پڑھنے والا اپنی مثل اشارہ کرنے والے کے پیچھے نماز پڑھے۔اس لئے کہ یہ دونوں حالت میں برابر ہیں لیکن مقتدی بیٹھ کر اشارہ کرے اور امام لیٹ کر اشارہ کرے۔کیونکہ بیٹھنا معتبر تھا جو لیٹنے کی وجہ سے ثابت ہوگیا۔

اور رکوع وسجدہ کرنے والا اشارہ کرنے والے کی اقتداء نہ کرے۔کیونکہ مقتدی کی حالت قوی ہے۔اور اس میں امام زفر علیہ الرحمہ کا اختلاف ہے۔

امام اگر بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی بھی بیٹھ کر پڑھیں:

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ نبی بیمار ہوئے تو کچھ صحابہ عیادت کیلئے حاضر ہوئے تو نبی نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور ان صحابہ نے کھڑے ہوکر آپکی اقتداء میں نماز ادا کی تو نبی کریم ﷺ نے ان کو اشارہ سے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ اور سلام پھیرنے کے بعد فرمایا امام اسی لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔لہذا جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور جب وہ سر اٹھائے تو تم بھی سر اٹھاؤ اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔(سنن ابن ماجہ)

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ گھوڑے سے گر پڑے تو آپ کی دائیں جانب چھل گئی۔ہم آپ کی عیادت کے لئے حاضر ہوئے جب نماز کا وقت ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور ہم نے آپ کے پیچھے کھڑے ہوکر نماز پڑھی جب نماز پوری کرلی تو فرمایا امام کو اسی لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور جب وہ (سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ) کہے تو تم (رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ) کہو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو بیٹھ کر نماز پڑھو۔(سنن ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا امان اسی لئے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب رکوع کرے تو تم رکوع کرو اور جب (سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ) کہے تو (رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ) کہو اور اگر کھڑے ہوکر نماز پڑھے تو تم کھڑے ہوکر نماز پڑھو اور اگر بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بیٹھ کر نماز پڑھو۔(سنن ابن ماجہ)

حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے اور ابو بکر تکبیر کہہ کر لوگوں کو آپکی تکبیر سنا رہے تھے۔آپ نے ہماری طرف التفات فرمایا تو ہمیں کھڑے دیکھ کر اشارہ فرمایا۔ہم بیٹھ گئے اور آپ کی اقتداء میں بیٹھ کر نماز ادا کی اور جب سلام پھیرا تو فرمایا قریب تھا کہ تم فارس وروم والوں کا سا عمل کرتے وہ اپنے بادشاہوں کے سامنے کھڑے رہتے ہیں جبکہ بادشاہ بیٹھے ہوتے ہیں آئندہ ایسا نہ کرنا اپنے اماموں کی اقتداء کرو اگر امام کھڑے ہوکر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہوکر پڑھو اور اگر بیٹھ کر پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو۔(سنن ابن ماجہ)

نفل پڑھنے والے کی اقتداء میں فرض پڑھنے کی ممانعت:

(وَلَا يُصَلِّي الْمُفْتَرِضُ خَلْفَ الْمُتَنَفِّلِ) لِأَنَّ الِاقْتِدَاءَ بِنَاءٌ ، وَوَصْفُ الْفَرْضِيَّةِ مَعْدُومٌ فِي حَقِّ الْإِمَامِ فَلَا يَتَحَقَّقُ الْبِنَاءُ عَلَى الْمَعْدُومِ .

قَالَ (وَلَا مَنْ يُصَلِّي فَرْضًا خَلْفَ مَنْ يُصَلِّي فَرْضًا آخَرَ) لِأَنَّ الِاقْتِدَاءَ شَرِكَةٌ وَمُوَافَقَةٌ فَلَا بُدَّ مِنْ الِاتِّحَادِ .

وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ يَصِحُّ فِي جَمِيعِ ذَلِكَ لِأَنَّ الِاقْتِدَاءَ عِنْدَهُ أَدَاءٌ عَلَى سَبِيلِ الْمُوَافَقَةِ ، وَعِنْدَنَا مَعْنَى التَّضَمُّنِ مُرَاعًى (وَيُصَلِّي الْمُتَنَفِّلُ خَلْفَ الْمُفْتَرِضِ) لِأَنَّ الْحَاجَةَ فِي حَقِّهِ إلَى أَصْلِ الصَّلَاةِ وَهُوَ مَوْجُودٌ فِي حَقِّ الْإِمَامِ فَيَتَحَقَّقُ الْبِنَاءُ .

ترجمہ

اور فرض نماز پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔ کیونکہ اقتداء کرنا بناء ہے جو کہ امام کے حق میں وصف فرضیت میں معدوم ہے۔لہذا معدوم پر بناء ثابت نہ ہوگی۔

اور فرض نہ پڑھے وہ شخص کسی ایسے شخص کے پیچھے جو کوئی دوسرا فرض پڑھ رہا ہے۔کیونکہ اقتداء شرکت وموافقت کا نام ہے جس میں اتحاد ضروری ہے۔جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک ان تمام صورتوں میں اقتداء جائز ہے۔اس دلیل کی وجہ سے موافقت کے مطابق ادائیگی ہو جاتی ہے۔اور ہمارے نزدیک معنی تضمنی کی رعایت کی جائے گی۔

اور نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والے کی اقتداء کر سکتا ہے۔کیونکہ نفل پڑھنے والے کو اصل میں نماز کی ضرورت ہے جو امام کے حق میں موجود ہے۔لہذا اس کی بناء ثابت ہو جائے گی۔

نفل پڑھنے والا فرض والے امام کی اقتداء کر سکتا ہے:

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ کر آتے اور پھر اپنی قوم کو نماز پڑھایا کرتے تھے چنانچہ (ایک دن) انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ عشاء کی نماز پڑھی اور پھر آ کر اپنی قوم کی امامت کی اور (نماز میں) سورہ بقرہ شروع کر دی (جب قرأت طویل ہوئی تو) ایک آدمی سلام پھیر کر جماعت سے نکل آیا اور تنہا نماز پڑھ کر چلا گیا لوگوں نے (جب یہ دیکھا تو اس سے کہا کہ فلانے ! کیا تو منافق ہو گیا ہے (کیونکہ جماعت سے جان بچا کر نکل بھاگنا تو منافقوں ہی کا کام ہے) اس نے کہا نہیں اللہ کی قسم (میں منافق نہیں ہوا ہوں) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر حقیقت حال بیان کروں گا چنانچہ وہ آدمی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ! ہم اونٹوں والے ہیں، دن کو کام کرتے ہیں (یعنی) اونٹوں

کے ذریعے پانی کھینچ کر درختوں کی آبپاشی کرتے ہیں اور دن بھر محنت ومشقت میں لگے رہتے ہیں) معاذ رات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ کر آئے اور ہمیں نماز پڑھائی اور سورہ بقرہ شروع کر دی (لمبی قرأت ہونے اور اپنے تھکے ہوئے ہونے کی وجہ سے میں بددل ہوگیا) یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا معاذ ! کیا تم فتنے پیدا کرنے والے ہو؟ (یعنی کیا تم لوگوں سے جماعت ترک کرا کرانہیں دین سے بیزار اور فتنہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہو؟ بہتر یہ ہے کہ) تم سورہ والشمس وضحٰھا سورہ والضحٰی سورہ واللیل اذا یغشٰی اور سورہ سبح اسم ربک الاعلی پڑھا کرو۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

یہ آدمی نعوذ باللہ جماعت یا نماز سے متنفر نہیں ہوا تھا بلکہ چونکہ دن بھر کی محنت ومشقت کی وجہ سے تھکا ماندہ تھا اس لیے جب قرأت لمبی ہوئی اور نماز نے طوالت اختیار کی تو یہ مجبور ہو کر جماعت سے نکل آیا اور اپنی نماز تنہا پڑھ لی۔ اسی وجہ سے جماعت سے نکلتے ہوئے باوجود اس کے کہ سلام پھیرنے کا کوئی موقعہ ومحل نہ تھا اس نے سلام پھیرا کیونکہ اس نے سوچا کہ نماز سے سلام پھیر کر نکلے تاکہ کم سے کم نماز پوری ہونے کی مشابہت تو ہو ہی جائے۔

ایک دوسری روایت میں سبح اسم ربك الاعلى کے بعد کچھ اور سورتیں بھی ذکر کی گئی ہیں مثلاً اذا السماء انفطرت اذا السماء انشقت اور سورہ بروج و سورۃ طارق۔

حضرات شوافع نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ فرض نماز پڑھنے والے کو نفل نماز پڑھنے والے کی اقتدا کرنا جائز ہے اس لئے کہ حضرت معاذ ابن جبل جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز پڑھتے تھے تو ان کی فرض نماز ادا ہو جاتی تھی اور اپنی جماعت کے ساتھ جو نماز پڑھتے تھے نفل رہتی تھی اور ان کے مقتدیوں کی نماز فرض ہوتی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس عمل کو جائز رکھا انہیں اس عمل سے منع نہیں کیا۔

علماء احناف کے نزدیک چونکہ فرض نماز پڑھنے والے کے لئے نفل نماز پڑھنے والے کی امامت میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے اس لیے حضرات شوافع کو جواب دیا جاتا ہے کہ نیت ایک ایسی شے ہے جس پر کوئی دوسرا آدمی مطلع نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ خود نیت کرنے والا یہ نہ بتائے کہ اس نے کیا نیت کی تھی۔ لہٰذا یہ غالب ہے کہ حضرت معاذ ابن جبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ بہ نیت فرض نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے طریقہ نماز سیکھنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی برکت وفضیلت حاصل کرنے نیز تہمت نفاق سے بچنے کی خاطر بہ نیت نفل نماز پڑھتے ہوں پھر اپنی قوم کے پاس آ کر انہیں فرض نماز پڑھاتے ہوں گے تاکہ دونوں فضیلتیں حاصل ہو جائیں لہذا حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس عمل کو اس صورت پر محلول کرنا اولیٰ ہے کیونکہ یہ شکل تو بالاتفاق سب علماء کے نزدیک جائز ہے بخلاف پہلی شکل کے کہ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

حضرت معاذ کے دو مرتبہ نماز پڑھنے کی حقیقت:

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ (پہلے تو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے ہمراہ نماز پڑھتے تھے اور پھر اپنی قوم کے پاس آ کر انہیں نماز پڑھاتے تھے۔ (صحیح البخاری و صحیح مسلم)

حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ معمول تھا کہ وہ عشاء کی سنتیں یا نفل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ پڑھتے تھے تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی فضیلت وسعادت حاصل ہو جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز پڑھنے کا طریقہ بھی معلوم ہو جائے پھر وہاں سے اپنی قوم میں آ کر لوگوں کو فرض نماز پڑھایا کرتے تھے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ عشاء کی نماز (پہلے تو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ پڑھتے تھے پھر اپنی قوم میں آتے اور ان کو عشاء کی نماز پڑھاتے اور وہ ان کے لیے نفل ہوتی۔

حضرت معاذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ پہلے تو عشاء کی نماز پڑھتے وقت عشاء کی سنت کی نیت کرتے ہوں گے یا نفل نماز کی نیت کر لیتے ہوں گے پھر اپنی قوم کے پاس آ کر ان کی امامت کرتے اور اس وقت فرض نماز پڑھتے تھے۔

حدیث کے آخری الفاظ وھی لہ نافلۃ کا مطلب سمجھنے سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ دو مرتبہ نماز پڑھنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک تو یہ کہ ایک آدمی نے اپنے مکان میں تنہا یا جماعت کے ساتھ نماز پڑھی اس کے بعد مسجد آیا تو دیکھا کہ وہاں اسی نماز کی جماعت ہو رہی ہے تو جو پہلے پڑھ چکا ہے۔ وہ مسجد میں جماعت کی فضیلت حاصل کرنے کی غرض سے جماعت میں شریک ہو کر دوبارہ نماز پڑھ لیتا ہے اس صورت میں فرض نماز کی ادائیگی چونکہ پہلے ہو چکی ہے اس لیے یہ جماعت کی نماز اس کے لیے نفل ہو جائے گی۔ دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک آدمی کسی مسجد کا امام ہے وہ اپنی مسجد میں نماز پڑھانے سے پہلے کسی خاص موقعہ پر یا کسی خاص آدمی کے ساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت حاصل کرنے کی غرض سے بہ نیت نفل نماز پڑھ لیتا ہے پھر اس کے بعد اپنی مسجد میں آ کر لوگوں کو نماز پڑھاتا ہے ایسی صورت میں بعد کی نماز فرض ادا ہو گی اور پہلی نماز نفل ہو جائے گی۔

اس تفصیل کو سمجھنے کے بعد اس جملے کا مطلب آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے اور وہ یہ کہ دوسری نماز جو جماعت کے ساتھ فرض یا نفل ادا ہوتی ہے یا پہلی نماز دو مرتبہ پڑھنے والے کے حق میں نافلہ یعنی خیر و بھلائی کی زیادتی اور ثواب کی کثرت کا باعث ہوتی ہے۔

جن لوگوں نے اس جملے کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ وہ دوسری نماز جو حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قوم کے ہمراہ پڑھتے تھے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نفل نماز اور ان کی قوم کی عشاء کی فرض نماز ہوتی تھے۔ حقیقت سے دور ہے کیونکہ یہ بات تو اسی وقت صحیح ہو سکتی ہے جب کہ اس مطلب کو بیان کرنے والے حضرت معاذ کا کوئی ایسا قول بھی پیش کریں جس میں حضرت معاذ خود یہ بتائیں کہ ان کی نیت دونوں مرتبہ کیا ہوتی تھی کیونکہ نیت کی حقیقت تو اس وقت تک معلوم نہیں ہوتی جب تک کہ نیت

کرنے والا اپنی نیت کے بارے میں خود نہ بتائے کہ اس کی نیت کیا ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت معاذ نماز پڑھتے وقت نیت دل میں کرتے ہوئے گے زبان سے اظہار نہیں کرتے ہوں گے جیسا کہ ابن ہمام نے نقل کیا ہے کہ زبان سے نیت کرنا بدعت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے بارے میں یہ ثابت نہیں ہے کہ وہ زبان سے نیت کرتے تھے پھر یہ بات ملحوظ رہے کہ یہ جملہ وہی نافلہ حدیث کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ اضافہ ہے جو صحیح روایتوں میں موجود نہیں ہے چنانچہ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ حضرت امام شافعی نے اپنے اجتہاد و مسلک کے مطابق اس کا اضافہ کیا ہے پھر یہ مشکوۃ کے اصل نسخے میں یہ جگہ خالی ہے۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف مشکوۃ نے سنن کے کسی بھی طریق سے یہ جملہ نہیں پایا۔

محدث امام کے پیچھے مقتدی کی نماز کا حکم:

(وَمَنْ اقْتَدَى بِإِمَامٍ ثُمَّ عَلِمَ أَنَّ إِمَامَهُ مُحْدِثٌ أَعَادَ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ أَمَّ قَوْمًا ثُمَّ ظَهَرَ أَنَّهُ كَانَ مُحْدِثًا أَوْ جُنُبًا أَعَادَ صَلَاتَهُ وَأَعَادُوا) وَفِيهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ بِنَاءً عَلَى مَا تَقَدَّمَ ، وَنَحْنُ نَعْتَبِرُ مَعْنَى التَّضَمُّنِ وَذَلِكَ فِي الْجَوَازِ وَالْفَسَادِ .

ترجمہ:

اور جس شخص نے ایسے امام کی اقتداء کی بعد میں پتہ چلا کہ اس کا امام محدث ہے تو وہ نماز کا اعادہ کرے۔کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے قوم کی امامت کرائی پھر اسے پتہ چلا کہ وہ محدث تھا یا جنبی تھا تو اپنی نماز اور قوم بھی اپنی نماز کا اعادہ کریں۔اور اس میں سابقہ بناء پر امام شافعی علیہ الرحمہ کا اختلاف ہے۔جبکہ ہم تضمنی معنی کا اعتبار کرتے ہیں۔اور تضمنی معنی جواز وفساد میں ہے۔

مسئلہ خلیفہ فی الصلوۃ میں دشواری کا بیان:

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔یہ صورت استخلاف کی ہے کہ امام قبل اس کے کہ وضو کرنے کو مسجد سے باہر نکلے مقتدیوں میں سے کسی صالح امامت کو اپنا خلیفہ کردے اور وہ خلیفہ نہ کرے تو مقتدی اپنے میں سے ایک کو امام کردیں یا ان میں سے کوئی خود ہی آگے بڑھ جائے بشرطیکہ امام ابھی مسجد سے خارج نہ ہوا ہو کہ خلیفہ اس کی جگہ جا کھڑا ہوا ان صورتوں میں بعد لحاظ شرائط کثیرہ نماز قائم رہے گی اور اگر پانی مسجد ہی میں مل سکے کہ وضو کے لئے باہر جانا نہ پڑے تو ان باتوں کی حاجت نہیں بلکہ مقتدی اپنی حالت پر باقی رہیں اور امام وضو کرکے آجائے اور نماز جہاں سے چھوڑی تھی شروع کردے مگر یہ مسئلہ استخلاف ایک سخت دشوار و کثیر الشقوق مسئلہ ہے جس میں بہت سے شرائط اور بکثرت اختلاف صور سے اختلاف احکام ہے جن کی پوری مراعات عام لوگوں سے کم متوقع ، لہٰذا وہ ان امور کے خیال میں نہ پڑیں بلکہ جو بات احسن و افضل و اعلیٰ و اکمل ہے اسی پر کاربند رہیں یعنی اس نیت کو توڑ کر از سرنو نماز پڑھنا کہ جو لوگ علم کافی رکھتے اور مراعات جمیع احکام پر قادر ہیں ان کے لئے بھی

افضل یہی ہے تو عام لوگ ایک خلاف افضل بات کے حاصل کرنے کو ایسے راہ دشوار گزار میں کیوں پڑیں۔

(فتاویٰ رضویہ، کتاب الصلوٰۃ، ج ۷)

ان پڑھ امام کی اقتداء میں نماز پڑھنے کی ممانعت کا بیان:

(وَإِذَا صَلَّى أُمِّيٌّ بِقَوْمٍ يَقْرَءُونَ وَبِقَوْمٍ أُمِّيِّينَ فَصَلَاتُهُمْ فَاسِدَةٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ) وَقَالَا : صَلَاةُ الْإِمَامِ وَمَنْ لَا يَقْرَأُ تَامَّةٌ لِأَنَّهُ مَعْذُورٌ أَمَّ قَوْمًا مَعْذُورِينَ وَغَيْرَ مَعْذُورِينَ فَصَارَ كَمَا إذَا أَمَّ الْعَارِي عُرَاةً وَلَابِسِينَ .

وَلَهُ أَنَّ الْإِمَامَ تَرَكَ فَرْضَ الْقِرَاءَةِ مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَيْهَا فَتَفْسُدُ صَلَاتُهُ ، وَهَذَا لِأَنَّهُ لَوْ اقْتَدَى بِالْقَارِئِ تَكُونُ قِرَاءَتُهُ قِرَاءَةً لَهُ بِخِلَافِ تِلْكَ الْمَسْأَلَةِ وَأَمْثَالِهَا لِأَنَّ الْمَوْجُودَ فِي حَقِّ الْإِمَامِ لَا يَكُونُ مَوْجُودًا فِي حَقِّ الْمُقْتَدِي (وَلَوْ كَانَ يُصَلِّي الْأُمِّيُّ وَحْدَهُ وَالْقَارِئُ وَحْدَهُ جَازَ) هُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّهُ لَمْ تَظْهَرْ مِنْهُمَا رَغْبَةٌ فِي الْجَمَاعَةِ .

ترجمہ:

اگر کسی ان پڑھ نے ان پڑھوں اور قراء کی ایک قوم کو نماز پڑھائی تو امام اعظم کے نزدیک سب کی نماز فاسد ہو جائے گی جبکہ صاحبین نے کہا کہ امام کی نماز اور جو قاری نہیں ہے اس کی نماز مکمل ہو گئی۔ کیونکہ ایک عذر والے شخص نے دوسرے عذر والے کی امامت کرائی ہے جس طرح ننگے نے ننگوں اور ستر والوں کی امامت کرائی۔ اور امام اعظم کی دلیل یہ ہے کہ امام نے قرأت پر قادر ہونے کے باوجود اسے چھوڑ دیا ہے۔ لہذا امام کی نماز فاسد ہو گئی۔ اور اسی دلیل کی وجہ سے کہ اگر وہ کسی قاری کی اقتداء کرتا تو قاری کی قرأت اس کی قرأت ہو جاتی۔ بخلاف اس مسئلہ کے اور اسی جیسے مسائل کہ جو چیز امام کے حق میں موجود ہے وہ مقتدی کے حق میں موجود نہیں۔

اور اگر ان پڑھ تنہا اپنی نماز پڑھتا ہے اور قاری تنہا اپنی نماز پڑھتا ہے تو جائز ہے کیونکہ ان دونوں میں جماعت کرانے کی رغبت نہیں ہوتی۔

امام کی نماز کا فساد مقتدیوں کی نماز کے فساد کو مستلزم ہوا کرتا ہے:

مقتدی نماز میں اپنے امام کے تابع ہوتا ہے۔ اور تابعیت درجہ وجوب کی ہے اسی لئے یہ مسئلہ ہے کہ اگر امام کی نماز فاسد ہوئی تو اس کی نماز کے فساد کی وجہ سے مقتدی کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔

پہلی دو رکعات میں قرأت کے بعد امی کا امام ہونا:

(فَإِنْ قَرَأَ الْإِمَامُ فِي الْأُولَيَيْنِ ثُمَّ قَدَّمَ فِي الْأُخْرَيَيْنِ أُمِّيًّا فَسَدَتْ صَلَاتُهُمْ) وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ : لَا

تَفْسُدُ لِتَأَدِّی فَرْضِ الْقِرَاءَةِ .

وَلَنَا أَنَّ كُلَّ رَكْعَةٍ صَلَاةٌ فَلَا تَخْلُو عَنِ الْقِرَاءَةِ إِمَّا تَحْقِيقًا أَوْ تَقْدِيرًا وَلَا تَقْدِيرَ فِي حَقِّ الْأُمِّيِّ لِانْعِدَامِ الْأَهْلِيَّةِ ، وَكَذَا عَلَى هَذَا لَوْ قَدَّمَهُ فِي التَّشَهُّدِ .

ترجمہ:

اور اگر امام نے پہلی دو رکعات میں قرأت کی اور آخری دو رکعات میں امی کو خلیفہ بنا دیا۔تو مقتدیوں کی نماز فاسد ہو جائے گی جبکہ امام زفر علیہ الرحمہ نے فرمایا: فاسد نہیں ہوگی۔اس لئے فرض قرأت ادا ہوگئی ہے۔اور ہماری دلیل یہ ہے ہر رکعت حقیقت میں نماز ہے۔لہذا وہ قرأت سے خالی نہ ہوگی۔خواہ وہ قرأت حقیقت کے طور پر ہو یا مجازا ہو اور امی کے حق میں قرأت مقدر نہیں کی جاسکتی۔اس لئے کہ اس میں اہلیت ہی نہیں ہے۔اور اگر امام نے امی کو تشہد میں خلیفہ بنایا تو وہ مسئلہ بھی اسی طرح ہے۔

شرح:

جو امام نے اسے تشہد میں یا اس سے پہلے خلیفہ کیا اور اس نے امام کی جگہ پر پہنچنے کے بعد دوسرے شخص کو خلیفہ کیا تو نماز فاسد ہوئی اب اصلاح اس کے دوسرے کو خلیفہ کرنے سے متصور نہیں،فی الدرالمختار واستخلف الامام امیا فی الاخریین ولوفی التشهد اما بعده فتصح لخروجه بصنعه تفسد صلاتهم۔

درمختار میں ہے اگر امی کو آخری دو رکعات حتی کہ تشہد میں خلیفہ بنایا (تو امام کی نماز فاسد ہوگی) لیکن اس کے بعد صحیح ہے کیونکہ اس کا خروج بالارادہ ہے،لوگوں کی نماز فاسد ہو جائے گی۔(درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی)

اسی طرح دوسرا شخص امام کی جگہ پر بعد اس کے کہ امام مسجد سے خارج ہو پہنچا تو نماز فاسد ہوگئی اور جو خلیفہ اول کو ایک آیت قرآن کی یاد ہے تو وہ صالح خلافت تھا ایسی صورت میں دوسرے کو خلیفہ کرنے سے نماز اس کی فاسد ہوگئی کہ استخلاف بدون ضرورت کے نماز کو فاسد کرتا ہے

اگر یہ خلیفہ واقعی امی ہے کہ ایک آیت بھی قرآن کی اسے یاد نہیں اور اس نے قبل اس کے کہ امام مسجد سے باہر جائے اور آپ امام کی جگہ پہنچے دوسرے شخص صالح امامت کو خلیفہ کر دیا اور وہ امام کے نکلنے سے پہلے اس کی جگہ پر پہنچ گیا تو نماز صحیح ہوگئی کہ ہر چند امی صلاحیت خلافت نہیں رکھتا لیکن اس حالت میں خلیفہ دوسرا شخص ہے یہ نہیں ہوسکتا۔

بَابُ الْحَدَثِ فِي الصَّلٰوةِ

﴿یہ باب نماز میں حدث لاحق ہو جانے کے بیان میں ہے﴾

باب الحدث کی مطابقت کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ یہ باب نماز میں واقع ہونے والے حدث کے احکام کے بیان میں ہے ان دونوں ابواب میں مناسبت کی وجہ یہ ہے کہ پہلے باب میں امام اور امامت کے بارے میں بیان ہوا ہے۔ پس یہ تمام احکام حدث کے متعلق ہیں۔ لہذا اس کے بعد حدث کا باب بیان کیا ہے۔ اور فصول کے درمیان مطابقت کی وجہ یہ ہے کہ سابقہ فصول میں امام، مقتدی اور منفرد کے بیان میں تھیں اور اب ان کے عوارض کا بیان کیا جاتا ہے۔ اور یہ عوارض ان کی نماز کو مانع ہیں۔ (عوارض ہمیشہ موخر ہوتے ہیں)۔ (البنایہ شرح الہدایہ، ج ، ص ۴۳۶، حقانیہ ملتان)

جب امام کو نماز میں حدث لاحق ہو جائے:

(وَمَنْ سَبَقَهُ الْحَدَثُ فِي الصَّلَاةِ انْصَرَفَ فَإِنْ كَانَ إمَامًا اسْتَخْلَفَ وَتَوَضَّأَ وَبَنَى) وَالْقِيَاسُ أَنْ يَسْتَقْبِلَ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّ الْحَدَثَ يُنَافِيهَا وَالْمَشْيَ وَالِانْحِرَافَ يُفْسِدَانِهَا فَأَشْبَهَ الْحَدَثُ الْعَمْدَ .

وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ قَاءَ أَوْ رَعَفَ أَوْ أَمْذَى فِي صَلَاتِهِ فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَتَوَضَّأْ وَلْيَبْنِ عَلَى صَلَاتِهِ مَا لَمْ يَتَكَلَّمْ) وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (إذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَقَاءَ أَوْ رَعَفَ فَلْيَضَعْ يَدَهُ عَلَى فَمِهِ وَلْيُقَدِّمْ مَنْ لَمْ يُسْبَقْ بِشَيْءٍ) وَالْبَلْوَى فِيمَا يُسْبَقُ دُونَ مَا يَتَعَمَّدُ فَلَا يَلْحَقُ بِهِ

ترجمہ:

اور جس کو نماز میں حدث لاحق ہوا تو وہ پھر جائے۔ پس اگر وہ امام ہے تو اپنا خلیفہ بنائے اور خود وضو کرے اور اسی پر بناء کرے۔ جبکہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ نئے سرے سے نماز پڑھے۔ اور امام شافعی علیہ الرحمہ کا بھی یہی قول ہے۔ اس لئے کہ یہ حدث نماز کے منافی ہے۔ چلنے اور قبلے سے پھرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے لہذا یہ حدث، حدث عمد کے مشابہ ہو گیا۔ جبکہ ہماری دلیل نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث مبارکہ ہے۔ جس کو نماز میں قئے آئی یا نکسیر پھوٹی یا مذی خارج ہوئی تو وہ نماز سے پھر جائے اور وضو کرکے اپنی نماز کی بناء کرے۔ جب تک اس نے کلام نہ کیا ہو۔ اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی شخص کو نماز میں قئے آئے یا نکسیر پھوٹے تو اپنے منہ پر ہاتھ رکھے اور غیر مسبوق کو خلیفہ بنائے۔ اور اس کا ایسے حدث میں مبتلاء ہونا جو غیر اختیاری ہو نہ کہ حدث اختیاری۔ لہذا حدث عمد کو غیر اختیاری حدث کے ساتھ لاحق نہیں کیا جائے گا۔

نماز میں خلیفہ بنانے کا حکم فقہی:

جن صورتوں میں بنا جائز ہے ان میں امام کو بے وضو ہو جانے پر جائز ہے کہ کسی مقتدی کو خلیفہ کر دے اگر چہ وہ نماز جنازہ ہی ہو پس اگر امام بے وضو ہو گیا تو مقتدیوں میں سے کسی کو خلیفہ کر کے اپنی جگہ پر آگے بڑھا دے پھر وضو کر کے خلیفہ کے پیچھے اپنی نماز پوری کرے جب کہ اس کی نماز ختم نہ ہوئی ہو، اور اگر خلیفہ نماز سے فارغ ہو گیا تو پہلا امام اپنی جگہ پر آ کر یا جہاں وضو کیا ہے وہیں پر اپنی نماز پوری کر لے اگر امام کے ساتھ ایک ہی مقتدی تھا تو امام کو حدث ہوا تو وہ ایک مقتدی ہی اس کا خلیفہ ہو جائے گا اگر چہ امام اس کو خلیفہ نہ بنائے خلیفہ بنانے کے لئے تین شرطیں ہیں۔

اول :بنا کی تمام شرطوں کا پایا جانا پس جن صورتوں میں بنا جائز نہیں خلیفہ بنانا بھی جائز نہیں۔

دوم :امام اپنی جگہ سے بڑھنے کی حدود سے آگے نہ بڑھے اور وہ میدان میں دائیں یا بائیں یا پیچھے کی طرف تمام صفوں سے باہر نکلنا ہے اور آگے کی طرف سترہ کی حد تک اور اگر سترہ نہ ہو تو سجدے کی جگہ حد سے آگے بڑھنا ہے اور مسجد میں جب تک مسجد سے باہر نہیں نکلا خلیفہ کرنا درست ہے۔

سوم :یہ کہ خلیفہ میں امام بننے کی صلاحیت ہو۔

نماز میں حدث (یعنی بے وضو) ہو جانے اور بناء کی شرائط کا بیان:

اگر کوئی شخص نماز میں بے وضو ہو گیا، وہ وضو کر کے جہاں سے نماز چھوڑ کر گیا تھا اگر وہیں سے شروع کر کے نماز کو پوری کر لے تو اس کی نماز چند شرائط کے ساتھ درست ہو جائے گی (شرائط آگے درج ہیں) اس کو بنا کہتے ہیں یہ امام و مقتدی اور منفرد تینوں کے لئے جائز ہے لیکن سرے سے پڑھنا افضل ہے اگر التحیات پڑھنے کے بعد بیوضو ہو گیا تب بھی وضو کر کے نماز ختم کرے۔ بناء کی شرائط تیرہ ہیں۔

۱۔ وہ حدث وضو کا واجب کرنے والا ہو غسل کا واجب کرنے والا نہ ہو۔

۲۔ حدث نادر الوجود نہ ہو یعنی ایسا نہ ہو جو کبھی اتفاقاً ہوتا ہو ورنہ نئے سرے سے نماز پڑھنا لازمی ہے۔

۳۔ حدث سماوی (آسمانی، قدرتی) ہو، اس میں بندے کا کچھ اختیار نہ ہو ورنہ نئے سرے سے پڑھنا لازمی ہے۔

۴۔ وہ حدث نمازی کے بدن سے ہو، خارج سے نجاست وغیرہ بدن پر لگنا بنا کو جائز نہیں کرتا۔

۵۔ اس نمازی نے کوئی رکن حدث کے ساتھ ادا نہ کیا ہو۔

۶۔ بغیر عذر رکن ادا کرنے کی مقدار توقف بھی نہ کیا ہو۔

۷۔ کوئی رکن چلنے کی حالت میں ادا نہ کرے۔

جس رکن میں حدث ہوا وضو کرنے کے بعد اس رکن کو دوبارا ادا کرے مثلاً رکوع یا سجدے میں بیوضو ہو گیا تو وضو کے بعد وہ

رکوع یا سجدہ دوبارا کرے خواہ امام ہو یا مقتدی یا منفرد کیونکہ ان تینوں کو بنا کرنا جائز ہے۔

۸ . حدث کے بعد نماز کو توڑنے والا کوئی فعل نہ کرے مثلاً کھانا پینا وغیرہ۔

۹ . حدث کے بعد وہ فعل جس کی نماز میں اجازت تھی اور وہ نماز کو توڑنے والا نہیں تھا اور اس نمازی کو اس کی ضرورت ہے جیسے وضو کے لئے جانا وغیرہ ضرورت سے زائد نہ کرے ضرورت کی معاون چیز بھی ضرورت میں داخل ہے جیسے کسی برتن سے پانی لینا وغیرہ۔

۱۰ . اس حدث آسمانی کے بعد اس پر اس سے پہلے کا کوئی حدث ظاہر نہ ہو مثلاً کوئی شخص جو موزہ پر مسح کر کے نماز پڑھ رہا تھا حدث کے بعد وضو کرنے گیا وضو کے درمیان میں مسح موزہ کی مدت پوری ہوگئی تو یہ پہلے حدث کا ظاہر ہونا کہلاتا ہے اب اس کو بنا جائز نہیں نئے سرے سے پڑھنا لازمی ہے۔

۱۱ . صاحب ترتیب کو حدثِ سماوی کے بعد اپنی کسی نماز کا فوت ہو جانا یاد نہ آئے۔

۱۲ . مقتدی نے امام کے فارغ ہونے سے پہلے اپنی جگہ کے سوا دوسری جگہ اپنی نماز کے پورا نہ کیا تو جب کہ امام اور اس مقتدی کے درمیان کوئی ایسا حائل ہو جس کی وجہ سے وضو کی جگہ سے اقتدا جائز نہ ہو، منفرد وضو کی جگہ پر ہی بنا کر کے نماز پوری کر سکتا ہے۔

۱۳ . اگر امام کو حدث ہوا ہے تو ایسے شخص کو خلیفہ نہ کرے جو امامت کے لائق نہ ہو مثلاً امّی یا عورت یا نابالغ کو، ورنہ سب کی نماز فاسد ہو کر نئے سرے سے پڑھنی ہوگی۔

اجتناب اختلاف کیلئے نئے سرے نماز پڑھنے کا حکم:

(وَالِاسْتِئْنَافُ أَفْضَلُ) تَحَرُّزًا عَنْ شُبْهَةِ الْخِلَافِ ، وَقِيلَ إنَّ الْمُنْفَرِدَ يَسْتَقْبِلُ وَالْإِمَامَ وَالْمُقْتَدِيَ يَبْنِي صِيَانَةً لِفَضِيلَةِ الْجَمَاعَةِ (وَالْمُنْفَرِدُ إنْ شَاءَ أَتَمَّ فِي مَنْزِلِهِ ، وَإِنْ شَاءَ عَادَ إلَى مَكَانِهِ) ، وَالْمُقْتَدِي يَعُودُ إلَى مَكَانِهِ إلَّا أَنْ يَكُونَ إمَامُهُ قَدْ فَرَغَ أَوْ لَا يَكُونَ بَيْنَهُمَا حَائِلٌ

(وَمَنْ ظَنَّ أَنَّهُ أَحْدَثَ فَخَرَجَ مِنْ الْمَسْجِدِ ثُمَّ عَلِمَ أَنَّهُ لَمْ يُحْدِثْ اسْتَقْبَلَ الصَّلَاةَ ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ خَرَجَ مِنْ الْمَسْجِدِ يُصَلِّي مَا بَقِيَ) وَالْقِيَاسُ فِيهِمَا الِاسْتِقْبَالُ ، وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ لِوُجُودِ الِانْصِرَافِ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ .

وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّهُ انْصَرَفَ عَلَى قَصْدِ الْإِصْلَاحِ ، أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَوْ تَحَقَّقَ مَا تَوَهَّمَهُ بَنَى عَلَى صَلَاتِهِ فَأُلْحِقَ قَصْدُ الْإِصْلَاحِ بِحَقِيقَتِهِ مَا لَمْ يَخْتَلِفْ الْمَكَانُ بِالْخُرُوجِ ،

ترجمہ:

اختلافی شبہ سے بچنے کیلئے نئے سرے سے نماز پڑھنا افضل ہے۔اور بعض فقہاء نے یہ بھی کہا ہے کہ منفرد نئے سرے سے پڑھے جبکہ امام ومقتدی بناء کریں تا کہ جماعت کی فضیلت محفوظ رکھ سکیں۔

اور منفرد اگر چاہے تو اسی جگہ نماز کو پورا کرے اور چاہے تو اپنی جگہ لوٹ آئے اور مقتدی جب لوٹ کر آیا یہاں تک کہ اس کا امام فارغ ہو چکا یا ان دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو۔

اور جو شخص حدث کا گمان کرتے ہوئے مسجد سے نکل گیا پھر اسے علم ہوا کہ وہ محدث نہیں ہوا۔تو وہ نئے سرے سے نماز پڑھے۔اور اگر وہ مسجد سے باہر نہیں نکلا تو وہ بقیہ نماز پڑھے۔ان دونوں صورتوں میں قیاس کا یہی تقاضہ ہے۔کہ وہ نئے سرے سے نماز پڑھے گا اور اسی طرح امام محمد علیہ الرحمہ کا قول بھی ہے کیونکہ وہ قبلے سے بغیر کسی عذر کے پھر چکا ہے۔

استحسان کی دلیل یہ ہے کہ وہ شخص نماز کی اصلاح کی غرض سے پھرا تھا۔کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اگر اس کا وہم ثابت ہو جاتا جو اس نے کیا تھا تو پھر بھی تو نماز پر بناء کرتا۔لہذا قصد اصلاح کو حقیقی اصلاح کے ساتھ لاحق کر دیا جائے گا۔جب تک خروج مسجد کی وجہ سے جگہ نہ بدلے۔

شرح:

آ گاہ رہنا چاہئے کہ جواز بناء کی تیرہ شرائط ہیں، پھر فرمایا :امام کو ایسا حدث لاحق ہو گیا جو بنا سے مانع نہیں تو وہ کسی کو خلیفہ بنائے یعنی اس کے لئے یہ جائز ہے جب تک اس نے صفوں سے تجاوز نہیں کیا بشرطیکہ وہ صحرا میں ہو اور اگر مسجد میں ہو ہو تو جب تک مسجد سے خارج نہیں ہوا خلیفہ بنا سکتا ہے،اور اگر مسجد میں پانی ہو تو خلیفہ بنانے کی ضرورت نہیں البتہ اختلاف سے بچنے کے لئے نئے سرے سے نماز ادا کرنا افضل ہے۔

اسی طرح دوسرا شخص امام کی جگہ پر بعد اس کے کہ امام مسجد سے خارج ہو پہنچا تو نماز فاسد ہوگئی اور جو خلیفہ اول کو ایک آیت قرآن کی یاد ہے تو وہ صالح خلافت تھا ایسی صورت میں دوسرے کو خلیفہ کرنے سے نماز اس کی فاسد ہوگئی کہ استخلاف بدون ضرورت کے نماز کو فاسد کرتا ہے۔

جب محدث امام نے خلیفہ بنایا پھر عدم حدث ظاہر ہوا:

وَإِنْ كَانَ اسْتَخْلَفَ فَسَدَتْ لِأَنَّهُ عَمَلٌ كَثِيرٌ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ ، وَهَذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا ظَنَّ أَنَّهُ افْتَتَحَ الصَّلَاةَ عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ فَانْصَرَفَ ثُمَّ عَلِمَ أَنَّهُ عَلَى وُضُوءٍ حَيْثُ تَفْسُدُ وَإِنْ لَمْ يَخْرُجْ لِأَنَّ الِانْصِرَافَ عَلَى سَبِيلِ الرَّفْضِ ، أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَوْ تَحَقَّقَ مَا تَوَهَّمَهُ يَسْتَقْبِلُهُ فَهَذَا هُوَ الْحَرْفُ ، وَمَكَانُ الصُّفُوفِ فِي الصَّحْرَاءِ لَهُ حُكْمُ الْمَسْجِدِ ، وَلَوْ تَقَدَّمَ قُدَّامَهُ فَالْحَدُّ هُوَ السُّتْرَةُ ، وَإِنْ لَمْ تَكُنْ فَمِقْدَارُ الصُّفُوفِ خَلْفَهُ ، وَإِنْ كَانَ مُنْفَرِدًا فَمَوْضِعُ سُجُودِهِ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ .

ترجمہ:

اور اگر وہم کرنے والے نے خلیفہ بنایا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ اس نے بغیر کسی عذر کے عمل کثیر کیا۔ مگر بخلاف اس صورت کے کہ جب اس نے یہ گمان کیا کہ اس نے نماز شروع ہی بغیر وضو کی تھی۔ پس وہ پھر گیا پھر اسے علم ہوا کہ وہ وضو پر ہے۔ تو اسکی نماز فاسد ہوگئی خواہ وہ مسجد سے نہ نکلا ہو۔ کیونکہ اس کا یہ خروج رفض (زیادتی) ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اگر وہی بات ثابت ہو جاتی جس کا اس نے وہم کیا تھا تو بھی وہ نئے سرے سے نماز پڑھتا۔ لہذا اصل یہی ہے اور صحراء میں مسجد کے حکم میں صفوں والی جگہ ہوگی۔ اور اگر وہ اگلی جانب بڑھا تو حد سترہ ہے اور اگر سترہ نہ ہو تو پیچھے والی صفوں کی مقدار کا اعتبار کریں گے اور اگر وہ اکیلا ہے تو ہر طرف سے اس کے سجدے والی جگہ حد ہوگی۔

شرح:

خلیفہ اور قوم کی نماز کے جواز کے لئے شرط ہے کہ امام کے مسجد سے خارج ہونے سے پہلے پہلے خلیفہ محراب میں پہنچ جائے جیسا کہ بحر الرائق میں ہے اور اگر خلیفہ نے اپنی جگہ اور خلیفہ بنالیا تو فضلی کہتے ہیں کہ اگر اول نہیں نکلا اور خلیفہ نے امام کی جگہ لینے سے پہلے کوئی اور خلیفہ بنالیا تو جائز ہے گویا دوسرا خود بنایا پہلے نے اسے بنایا ورنہ جائز نہ ہوگا۔

جب اسے علم ہوا کہ وہ وضو پر ہے۔ اس صورت میں عمل کثیر کی وجہ سے نماز فاسد ہو جائے گی۔

دوران نماز جنون یا احتلام وغیرہ کے حکم کا بیان:

(وَإِنْ جُنَّ أَوْ نَامَ فَاحْتَلَمَ أَوْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ اسْتَقْبَلَ) لِأَنَّهُ يَنْدُرُ وُجُودُ هَذِهِ الْعَوَارِضِ فَلَمْ يَكُنْ فِي مَعْنَى مَا وَرَدَ بِهِ النَّصُّ ، وَكَذَلِكَ إذَا قَهْقَهَ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْكَلَامِ وَهُوَ قَاطِعٌ .

(وَإِنْ حُصِرَ الْإِمَامُ عَنْ الْقِرَاءَةِ فَقَدَّمَ غَيْرَهُ أَجْزَأَهُمْ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَقَالَا لَا يُجْزِئُهُمْ) لِأَنَّهُ يَنْدُرُ وُجُودُهُ فَأَشْبَهَ الْجَنَابَةَ فِي الصَّلَاةِ .

وَلَهُ أَنَّ الِاسْتِخْلَافَ لِعِلَّةِ الْعَجْزِ وَهُوَ هَاهُنَا أَلْزَمُ ، وَالْعَجْزُ عَنْ الْقِرَاءَةِ غَيْرُ نَادِرٍ فَلَا يَلْحَقُ بِالْجَنَابَةِ .

ترجمہ:

اور اگر نمازی پاگل ہو گیا یا اونگھ کی صورت میں احتلام ہو گیا یا اس پر غشی طاری ہوئی تو وہ نئے سرے سے نماز پڑھے۔ کیونکہ یہ عوارض شاذ و نادر ہوتے ہیں۔ لہذا یہ نص میں وارد معنی کے حکم میں نہ ہوں گے۔ اور اسی طرح قہقہ ہے کیونکہ وہ کلام کے درجے میں ہے اور نماز کو کاٹنے والا ہے۔

اور اگر امام قرأت کرنے سے رک گیا تو اس نے دوسرے شخص کو آگے کر دیا۔ امام اعظم کے نزدیک وہ شخص کافی ہوگا جبکہ صاحبین کے نزدیک وہ شخص کافی نہ ہوگا۔ کیونکہ اس طرح کا واقعہ نادر الوجود ہے لہذا یہ نماز میں جنابت کے مشابہ ہوگا۔

اور امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے۔خلیفہ بنانا علت عجز کی وجہ سے تھا۔اور وہ یہاں لازمی تھی۔جبکہ قرأت سے عاجز ہونا یہ غیر نادر ہے لہذا اس کو جنابت کے ساتھ لاحق نہیں کیا جائے گا۔

حالت نماز میں انزال سالم نہ ہوا تو حکم:

فتح القدیر کی اس فرع کا کیا ہوگا کہ اگر کسی شخص کو نماز میں احتلام ہوا مگر انزال نہ ہوا یہاں تک کہ اس نے نماز پوری کر لی تو انزال ہوا وہ نماز کا تو اعادہ نہ کرے گا مگر غسل کرے گا ہاں اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس کی توجیہ یہ ہے کہ حرکت تدریجی ہے اس کیلئے زمانہ کا ہونا ضروری ہے، تو غالباً اس کی صورت یہ ہوگی کہ اگر وہ قعدۂ اخیرہ میں ہو اور احتلام ہو جائے اور پیٹھ سے منی اُچھل کر نکلے، تو ذکر تک آنے میں اور نکلنے سے پہلے اس نے سلام پھیر دیا تو نماز کے اندر انزال سے سالم رہا۔

(فتح القدیر، موجبات الغسل نوریہ رضویہ سکھر، ۱/۵۸)

اگر عجز قرأت کفایہ کے بعد واقع ہوا:

وَلَوْ قَرَأَ مِقْدَارَ مَا تَجُوزُ بِهِ الصَّلَاةُ لَا يَجُوزُ الِاسْتِخْلَافُ بِالْإِجْمَاعِ لِعَدَمِ الْحَاجَةِ إلَيْهِ (وَإِنْ سَبَقَهُ الْحَدَثُ بَعْدَ التَّشَهُّدِ تَوَضَّأَ وَسَلَّمَ) لِأَنَّ التَّسْلِيمَ وَاجِبٌ فَلَا بُدَّ مِنْ التَّوَضُّؤِ لِيَأْتِيَ بِهِ (وَإِنْ تَعَمَّدَ الْحَدَثَ فِي هَذِهِ الْحَالَةِ أَوْ تَكَلَّمَ أَوْ عَمِلَ عَمَلًا يُنَافِي الصَّلَاةَ تَمَّتْ صَلَاتُهُ) لِأَنَّهُ يَتَعَذَّرُ الْبِنَاءُ لِوُجُودِ الْقَاطِعِ ، لَكِنْ لَا إعَادَةَ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ لَمْ يَبْقَ عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْ الْأَرْكَانِ .

ترجمہ:

اور اگر اس نے اتنی مقدار میں قرأت کر لی جس سے نماز جائز ہو جائے تو اجماع کے مطابق اس کیلئے خلیفہ بنانا جائز نہیں۔ کیونکہ اس کی طرف ضرورت نہیں۔اور اگر نمازی کو تشہد کے بعد حدث لاحق ہوا تو وہ وضو کرے اور سلام پھیرے۔کیونکہ سلام واجب ہے۔لہذا سلام پھیرنے کیلئے وضو کرنا لازم ہوا۔

اور اگر اس نے اسی حالت میں عمداً حدث کیا یا کلام کیا یا ایسا عمل کیا جو نماز کے منافی ہے تو اسکی نماز مکمل ہو گئی۔کیونکہ نماز کو کاٹنے کے وجود کی وجہ سے بناء متعذر ہے۔لیکن اس پر نماز کا اعادہ بھی نہیں۔کیونکہ نماز کے ارکانوں میں سے کوئی چیز باقی ہی نہ رہی (یعنی وہ سارے مکمل ہو چکے ہیں)

شرح:

اس مسئلہ کی دلیل یہ ہے کہ خلیفہ بنانا یہ ضرورت شرعیہ کی وجہ جائز ہوا تھا کہ جب کسی شخص میں عذر پایا گیا اور امام تھا تو اس کیلئے نماز کی حفاظت کیلئے ضروری تھا کہ وہ کسی کو خلیفہ بنائے لیکن جب یہ ضرورت اپنی علت کے انتفاء کی وجہ سے ختم ہو گئی تو اب اس صورت میں خلیفہ بنانا جائز نہیں ہے۔

اسی طرح تشہد کے بعد والا مسئلہ ہے تو مشہور حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی ہے جس میں یہ ہے کہ

جب تک یہ کہہ لے یا کر لے تو تمہاری نماز مکمل ہوگئی۔ اس سے استدلال کرتے ہوئے یہ کہیں گے بعد از تشہد حدث لاحق ہونے کی صورت میں اسے چاہیے کہ وضو کرے اور سلام پھیرے کیونکہ سلام پھیرنا واجب ہے۔ اگرچہ اتمام نماز کا بیان ہے تاہم وجوب سلام کو حکم بھی دلیل شرعی سے ثابت ہے۔ لہذا اتمام صلوٰۃ مع تشہد کی طرح سلام کیلئے وضو کرنے کا حکم بھی دیا جائے گا۔

جب تیمم والے نے نماز میں پانی دیکھا تو حکم نماز:

(فَإِنْ رَأَى الْمُتَيَمِّمُ الْمَاءَ فِي صَلَاتِهِ بَطَلَتْ) وَقَدْ مَرَّ مِنْ قَبْلُ (وَإِنْ رَآهُ بَعْدَمَا قَعَدَ قَدْرَ التَّشَهُّدِ أَوْ كَانَ مَاسِحًا فَانْقَضَتْ مُدَّةُ مَسْحِهِ أَوْ خَلَعَ خُفَّيْهِ بِعَمَلٍ يَسِيرٍ أَوْ كَانَ أُمِّيًّا فَتَعَلَّمَ سُورَةً أَوْ عُرْيَانًا فَوَجَدَ ثَوْبًا، أَوْ مُومِيًا فَقَدَرَ عَلَى الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ، أَوْ تَذَكَّرَ فَائِتَةً عَلَيْهِ قَبْلَ هَذِهِ أَوْ أَحْدَثَ الْإِمَامُ الْقَارِءُ فَاسْتَخْلَفَ أُمِّيًّا أَوْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ فِي الْفَجْرِ أَوْ دَخَلَ وَقْتُ الْعَصْرِ فِي الْجُمُعَةِ، أَوْ كَانَ مَاسِحًا عَلَى الْجَبِيرَةِ فَسَقَطَتْ عَنْ بُرْءٍ، أَوْ كَانَ صَاحِبَ عُذْرٍ فَانْقَطَعَ عُذْرُهُ كَالْمُسْتَحَاضَةِ وَمَنْ بِمَعْنَاهَا بَطَلَتْ صَلَاتُهُ فِي قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَقَالَا تَمَّتْ صَلَاتُهُ) وَقِيلَ الْأَصْلُ فِيهِ أَنَّ الْخُرُوجَ عَنِ الصَّلَاةِ بِصُنْعِ الْمُصَلِّي فَرْضٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَلَيْسَ بِفَرْضٍ عِنْدَهُمَا، فَاعْتِرَاضُ هَذِهِ الْعَوَارِضِ عِنْدَهُ فِي هَذِهِ الْحَالَةِ كَاعْتِرَاضِهَا فِي خِلَالِ الصَّلَاةِ وَعِنْدَهُمَا كَاعْتِرَاضِهَا بَعْدَ التَّسْلِيمِ. لَهُمَا مَا رَوَيْنَا مِنْ حَدِيثِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ. وَلَهُ أَنَّهُ لَا يُمْكِنُهُ أَدَاءُ صَلَاةٍ أُخْرَى إِلَّا بِالْخُرُوجِ مِنْ هَذِهِ وَمَا لَا يُتَوَصَّلُ إِلَى الْفَرْضِ إِلَّا بِهِ يَكُونُ فَرْضًا.

وَمَعْنَى قَوْلِهِ تَمَّتْ قَارَبَتِ التَّمَامَ، وَالِاسْتِخْلَافُ لَيْسَ بِمُفْسِدٍ حَتَّى يَجُوزَ فِي حَقِّ الْقَارِءِ، وَإِنَّمَا الْفَسَادُ ضَرُورَةُ حُكْمٍ شَرْعِيٍّ وَهُوَ عَدَمُ صَلَاحِيَّةِ الْإِمَامَةِ.

ترجمہ:

اگر تیمم والے نے نماز میں پانی دیکھا تو اس کی نماز باطل ہوگئی جس طرح پہلے یہ مسئلہ گزر چکا ہے۔ اور اگر تیمم والے تشہد میں بیٹھنے کی مقدار کے بعد پانی دیکھا یا وہ موزے پر مسح کرنے والا تھا۔ پس اس کے موزوں کی مدت ختم ہوگئی۔ یا معمولی عمل کے ساتھ دونوں موزوں کا نکالا۔ یا ان پڑھ تھا اور اس نے کوئی سورۃ سیکھ لی۔ یا ننگا تھا اس نے کپڑا پایا۔ یا اشارے سے رکوع وسجود کرنے والا تھا کہ رکوع وسجود پر قادر ہوگیا۔ یا اس کو پہلے سے فائتہ یاد آگئی۔ جس کی قضاء واجب تھی۔ یا قاری امام کو حدث لاحق ہوا اور اس نے ان پڑھ کو خلیفہ بنا دیا۔ یا فجر میں سورج طلوع ہوگیا۔ یا جمعہ کی نماز میں وقت عصر داخل ہوگیا۔ یا وہ پٹی پر مسح کرنے والا تھا۔ اور وہ ٹھیک ہوگیا۔ یا وہ معذور ہوگیا حتیٰ کہ اس کا عذر ختم ہوگیا۔ جس طرح استحاضہ والی عورت اور وہ

معذور جو اس کے حکم میں ہے۔

تو امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک اس کی نماز باطل ہوگئی جبکہ صاحبین کے نزدیک اس کی نماز مکمل ہوگئی۔ اور کہا گیا ہے کہ اس مسئلہ میں اصل (قانون) یہ ہے۔ کہ سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک نمازی کا نماز سے باہر جانا اختیاری فعل سے فرض ہے۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک فرض نہیں ہے۔

لہذا امام اعظم کے نزدیک ان حالتوں میں عوارض کا پیش آنا ہے اسی طرح ہے جس طرح نماز کے درمیان عوارض کا پیش آنا ہے۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک ایسا ہے جس طرح سلام کے بعد عوارض کا پیش آنا ہے۔ اور ان کی دلیل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے۔ جبکہ امام اعظم کی دلیل یہ ہے۔ کہ اس صورت میں نمازی کیلئے دوسری نماز کو ادا کرنا ممکن ہی نہیں۔ جب تک اس نماز سے خروج نہ ہوگا۔ ہر وہ چیز جس کے بغیر فرض تک پہنچنا ممکن نہ ہو وہ بھی فرض ہوتی ہے۔

اور نبی کریم ﷺ کے فرمان "تَمَّت" کا معنی قریب تکمیل ہے۔ اور قاری حق میں نماز کا خلیفہ بنانا مفسد نہیں ہے جبکہ نماز کے فساد کا حکم صرف حکم شرعی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس امام میں امامت کی صلاحیت ہی نہیں۔

دوران نماز اگر تیمم والے کو پانی حاصل ہوا تو حکم شرعی:

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں تیمم والوں کی جماعت ہو رہی ہے انہیں پانی کے مالک نے پانی ہبہ کر دیا جس پر وہ قابض بھی ہو گئے تو ان میں سے کسی کا تیمم نہ ٹوٹے گا اس لئے کہ ہر ایک کو اتنا نہ پہنچے گا جو اس کیلئے کافی ہو یہ حکم بر قول صاحبین ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قول پر یہ ہبہ ہی شیوع کی وجہ سے صحیح نہیں، اور اگر ہبہ کرنے والے نے ان میں سے کسی ایک کو معین کر دیا تو اس کا تیمم باطل ہو جائے گا باقی لوگوں کا نہیں یہاں تک کہ وہ شخص معین اگر امام تھا تو سب کی نماز باطل ہوگئی۔ اسی طرح اگر غیر امام ہو۔ مگر یہ کہ جب لوگ نماز سے فارغ ہو گئے تو امام نے اس سے پانی مانگا اس نے دے دیا تو سب کے قول پر نماز فاسد ہوگی اس لئے کہ ظاہر ہو گیا کہ اس نے پانی پر قدرت ہوتے ہوئے نماز ادا کی۔ جاننا چاہئے کہ مشائخ نے یہ تفریع فرمائی ہے کہ اگر کسی نے تیمم سے نماز شروع کی پھر اس کے سامنے ایسا شخص نمودار ہوا جس کے پاس پانی ہے تو اگر اس کا غالب گمان یہ ہو کہ وہ پانی دے دے گا تو مانگنے سے پہلے ہی نماز باطل ہوگئی اور اگر غالب گمان یہ ہو کہ نہ دیگا تو نماز پوری کرے اور اگر اشتباہ کی صورت ہو تو نماز پوری کرے پھر اس سے مانگے اگر دے دے خواہ ثمن مثل کے بدلے بیع وغیرہ سے ہی دے تو نماز کا اعادہ کرے ورنہ نماز کامل ہوگئی۔ اسی طرح اگر انکار کرنے کے بعد دے مگر اس صورت میں وہ یہاں کسی دوسری نماز کیلئے وضو کرے گا۔ تو امام کے مانگنے کی صورت میں فساد نماز کو مطلقاً کہنا یا تو حالت اشتباہ پر محمول ہوگا یا اس پر کہ نہ دینے کا غلبہ ظن ہونے کی صورت میں عدم فساد اس سے مقید ہے کہ ابھی اس کے دینے کا حال ظاہر نہ ہوا ہو۔

(فتح القدیر، ج ۱، ص ۱۲۷، نوریہ رضویہ سکھر)

اثناء عشری مسائل کی وضاحت ودلائل کا بیان:

یہ وہ معروف بارہ مسائل ہیں جن کے بارے میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کا موقف یہ ہے کہ ان تمام صورتوں میں نماز باطل ہو جائے گی۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک نماز باطل نہ ہوگی بلکہ صحیح ہوگی۔ سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ نماز سے باہر جانا نمازی کے فعل اختیاری سے فرض ہے۔لیکن صاحبین کے نزدیک یہ فرض نہیں ہے۔لہذا اسی وجہ سے یہ اختلاف ہوا ہے اور وہ اختلافی مسائل درج ذیل ہیں۔

(۱) اگر تیمم کرنے والا نماز میں تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد پانی دیکھے۔

(۲) اگر اس نے موزوں پر مسح کیا اور وہ مقدار تشہد بیٹھا کہ مدت مسح مکمل ہوگئی۔ (۳) اس نے کسی عمل قلیل کے ساتھ دونوں موزوں کو نکالا یا ان میں سے کسی ایک کو نکالا اور یہ عمل اس نے تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد کیا۔ (۴) اگر نمازی ان پڑھ تھا کہ اس نے تشہد کی مقدار میں بیٹھنے کے بعد کوئی سورۃ سیکھ لی۔ (۵) نمازی بغیر کپڑوں کے نماز پڑھ رہا تھا کہ مقدار تشہد میں بیٹھنے کے بعد اس نے کپڑا پالیا۔ (۶) نمازی اشارے سے رکوع وسجود کرنے والا تھا کہ مقدار تشہد میں بیٹھنے کے بعد وہ رکوع وسجود پر قادر ہوگیا۔ (۷) نمازی کو مقدار تشہد بیٹھنے کے بعد کوئی قضاء نماز یاد آگئی۔ (۸) تشہد کی مقدار میں بیٹھنے کے بعد قاری امام نے کسی امی کو خلیفہ بنادیا۔ (۹) مقدار تشہد میں بیٹھنے کے بعد سورج طلوع ہوگیا۔ (۱۰) نمازی جمعہ کی نماز میں تھا کہ مقدار تشہد میں بیٹھنے کے بعد عصر کا وقت داخل ہوگیا۔ (۱۱) نمازی پٹی پر مسح کرنے والا تھا اور مقدار تشہد میں بیٹھنے کے بعد اس کا زخم ٹھیک ہوگیا اور اس کی پٹی گرگئی۔ (۱۲) نمازی معذور تھا اور مقدار تشہد میں بیٹھنے کے بعد اس کا عذر ختم ہوگیا۔

مسبوق کی بجائے مدرک کی خلافت اولیٰ ہے:

(وَمَنْ اقْتَدَى بِإِمَامٍ بَعْدَ مَا صَلَّى رَكْعَةً فَأَحْدَثَ الْإِمَامُ فَقَدَّمَهُ أَجْزَأَهُ) لِوُجُودِ الْمُشَارَكَةِ فِي التَّحْرِيمَةِ ، وَالْأَوْلَى لِلْإِمَامِ أَنْ يُقَدِّمَ مُدْرِكًا لِأَنَّهُ أَقْدَرُ عَلَى إتْمَامِ صَلَاتِهِ ، وَيَنْبَغِي لِهَذَا الْمَسْبُوقِ أَنْ لَا يَتَقَدَّمَ لِعَجْزِهِ عَنْ التَّسْلِيمِ (فَلَوْ تَقَدَّمَ يَبْتَدِئُ مِنْ حَيْثُ انْتَهَى إلَيْهِ الْإِمَامُ) لِقِيَامِهِ مَقَامَهُ (وَإِذَا انْتَهَى إلَى السَّلَامِ يُقَدِّمُ مُدْرِكًا يُسَلِّمُ بِهِمْ ، فَلَوْ أَنَّهُ حِينَ أَتَمَّ صَلَاةَ الْإِمَامِ قَهْقَهَ أَوْ أَحْدَثَ مُتَعَمِّدًا أَوْ تَكَلَّمَ أَوْ خَرَجَ مِنْ الْمَسْجِدِ فَسَدَتْ صَلَاتُهُ وَصَلَاةُ الْقَوْمِ تَامَّةٌ) لِأَنَّ الْمُفْسِدَ فِي حَقِّهِ وُجِدَ فِي خِلَالِ الصَّلَاةِ وَفِي حَقِّهِمْ بَعْدَ تَمَامِ أَرْكَانِهَا وَالْإِمَامُ الْأَوَّلُ إنْ كَانَ فَرَغَ لَا تَفْسُدُ صَلَاتُهُ ، وَإِنْ لَمْ يَفْرُغْ تَفْسُدُ وَهُوَ الْأَصَحُّ

ترجمہ:

اور جس شخص نے ایسے امام کی اقتداء کی جس نے ایک رکعت پڑھ لی تھی۔ پس اس نے مسبوق کو مقدم کر دیا تو وہ کافی ہوگا کیونکہ تکبیر تحریمہ میں شرکت پائی گئی ہے۔ جبکہ امام کیلئے افضل یہ ہے کہ وہ کسی مدرک کو خلیفہ بنائے۔ اس لئے مدرک امام کی نماز

کو پورا کرنے میں زیادہ طاقت رکھتا ہے۔اور مسبوق کیلئے مناسب نہیں کہ وہ مقدم ہو کیونکہ وہ تو سلام پھیرنے سے بھی عاجز ہے۔

اور اگر وہ مقدم ہوگیا تو وہاں سے ابتداء کرے جہاں تک امام پہنچا ہے۔اس لئے کہ مسبوق امام کے قائم مقام ہے۔اور جب یہ مسبوق سلام تک پہنچ جائے تو مدرک کو مقدم کرے۔جو ان کے ساتھ سلام پھیرے۔

اگر مسبوق نے امام کی نماز پوری ہوتے ہی قہقہہ لگایا یا عمداً حدث کیا یا کلام کیا یا مسجد سے نکل گیا تو اس کی نماز فاسد ہوگئی اور قوم کی نماز مکمل ہوگئی۔کیونکہ درمیان نماز خلال اس کے حق میں مفسد نماز ہے جبکہ نمازیوں کے حق میں تکمیل ارکان کے بعد ہے اور امام اول اگر نماز سے فارغ ہوگیا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوئی اور فارغ نہ ہوا تو اس کی نماز بھی فاسد ہوگئی اور یہی صحیح روایت ہے۔

شرح:

علامہ ابن محمود البابرتی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔کہ مسبوق کو خلیفہ بنانے سے افضل یہ ہے کہ امام مدرک کو خلیفہ بنائے کیونکہ مدرک کلی طور تحریمہ سے لیکر اس ک نماز کو پانے والا ہے۔اور جہاں تک مسبوق کا تعلق ہے وہ اگرچہ تحریمہ میں شمولیت کی وجہ سے حقدار خلافت رکھتا ہے۔تاہم اولی مدرک ہی ہے اور مدرک کے زیادہ حقدار ہونے کی یہ دلیل بھی ہے کہ وہ صفت نماز میں امام کے ساتھ زیادہ واسطہ ہے۔(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۲،ص ۱۲۰،بیروت)

مسبوق اگر خلیفہ بنایا گیا تو اس کا خلیفہ بن کر نماز میں وہی طریقہ ہوگا جس طرح کوئی مسافر حالت اقامت والوں کی امامت کراتا ہے اور انہیں کہتا ہے کہ تم اپنی نماز کو پورا کرلو۔

تشہد میں بیٹھنے کے بعد قہقہہ لگایا تو حکم نماز:

(فَإِنْ لَمْ يُحْدِثْ الْإِمَامُ الْأَوَّلُ وَقَعَدَ قَدْرَ التَّشَهُّدِ ثُمَّ قَهْقَهَ أَوْ أَحْدَثَ مُتَعَمِّدًا فَسَدَتْ صَلَاةُ الَّذِي لَمْ يُدْرِكْ أَوَّلَ صَلَاةِ الْإِمَامِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ .

وَقَالَا :لَا تَفْسُدُ ، وَإِنْ تَكَلَّمَ أَوْ خَرَجَ مِنْ الْمَسْجِدِ لَمْ تَفْسُدْ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا) لَهُمَا أَنَّ صَلَاةَ الْمُقْتَدِي بِنَاءٌ عَلَى صَلَاةِ الْإِمَامِ جَوَازًا وَفَسَادًا وَلَمْ تَفْسُدْ صَلَاةُ الْإِمَامِ فَكَذَا صَلَاتُهُ وَصَارَ كَالسَّلَامِ وَالْكَلَامِ .

وَلَهُ أَنَّ الْقَهْقَهَةَ مُفْسِدَةٌ لِلْجُزْءِ الَّذِي يُلَاقِيهِ مِنْ صَلَاةِ الْإِمَامِ فَيُفْسِدُ مِثْلَهُ مِنْ صَلَاةِ الْمُقْتَدِي ، غَيْرَ أَنَّ الْإِمَامَ لَا يَحْتَاجُ إلَى الْبِنَاءِ وَالْمَسْبُوقَ يَحْتَاجُ إلَيْهِ ، وَالْبِنَاءُ عَلَى الْفَاسِدِ فَاسِدٌ بِخِلَافِ السَّلَامِ لِأَنَّهُ مِنْهُ وَالْكَلَامِ فِي مَعْنَاهُ ، وَيَنْتَقِضُ وُضُوءُ الْإِمَامِ لِوُجُودِ الْقَهْقَهَةِ فِي حُرْمَةِ الصَّلَاةِ .

ترجمہ:

اگر امام اول محدث نہیں ہوا اور وہ تشہد کی مقدار بیٹھا پھر اس نے قہقہ لگایا یا عمداً محدث ہوا تو اس مقتدی کی نماز فاسد ہوگئی جس نے امام کی اول نماز نہ پائی۔ یہ امام اعظم کے نزدیک ہے۔

اور صاحبین نے کہا کہ اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اگر اس نے کلام یا مسجد سے نکلا تو تمام کے قول کے مطابق اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ جواز وفساد میں مقتدی کی نماز امام کی نماز پر مبنی ہوتی ہے اور جب امام کی نماز فاسد نہ ہوئی تو اسی طرح اس کی نماز بھی فاسد نہ ہوئی۔ لہذا یہ سلام وکلام کی طرح ہوگیا۔

اور امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ قہقہ اس جز کو فاسد کرنے والا ہے جو امام کی نماز کے ساتھ ملا ہوا ہے پس اسی طرح مقتدی کی نماز بھی فاسد ہوگی۔ کیونکہ امام بناء کا محتاج ہی نہیں رہا۔ اور مسبوق محتاج بناء ہے۔ اور جز فاسد پر بناء کرنا فاسد ہے بخلاف سلام کے کیونکہ وہ نماز کو پورا کرنے والا ہے اور کلام بھی اسی کے حکم میں ہے۔ قہقہ کی وجہ سے امام کا وضو ٹوٹ جائے گا۔ کیونکہ وہ حرمت نماز میں پایا گیا ہے۔

شرح:

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اس عبارت میں لفظ "**الْإِمَامُ الْأَوَّل**" کا تساہل ہے کیونکہ یہاں امام ثانی نہیں ہے۔ اور نہ ہی یہاں خلیفہ بنانے کا کوئی مسئلہ ہے۔ بلکہ صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب کسی امام نے مسبوقین اور مدرکین کو نماز پڑھائی۔ جب محل سلام کی طرف پہنچنے لگا تو اس نے قہقہ لگایا یا اس نے عمداً حدث کیا تو سب کے نزدیک مسبوقین کی نماز باطل ہو جائے گی۔ البتہ ان کی نماز اس قید کے ساتھ مقید ہے کہ جب تک وہ اپنی ایک رکعت قضاء امام کے حادث ہونے سے پہلے نہیں کر لیتے۔ کیونکہ اگر مسبوق کھڑا ہوا تو اس سے ترک واجب لازم آئے گا کیونکہ اس کیلئے حکم یہ ہے کہ امام کے سلام کے بعد کھڑا ہو۔ لیکن اس کے باوجود وہ کھڑا ہو گیا تو اس پر سجدہ سہو لازم آئے گا۔ اب اس لئے اس کی نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ امام نے جو حدث کیا وہ اس کے کھڑے ہونے کے بعد کیا ہے اور یہ شخص ترک واجب کی وجہ سے اپنی نماز میں سجدے سہو کا لزوم اور امام کی طرف سے آنے والے فساد کی حفاظت کرنے والا ہے۔ (فتح القدیر، ج ۲، ص ۳۶۱، بیروت)

رکوع وسجود میں حدث لاحق ہونے کا حکم:

(وَمَنْ أَحْدَثَ فِي رُكُوعِهِ أَوْ سُجُودِهِ تَوَضَّأَ وَبَنَى ، وَلَا يَعْتَدُّ بِالَّتِي أَحْدَثَ فِيهَا) ، لِأَنَّ إتْمَامَ الرُّكْنِ بِالِانْتِقَالِ وَمَعَ الْحَدَثِ لَا يَتَحَقَّقُ فَلَا بُدَّ مِنَ الْإِعَادَةِ ، وَلَوْ كَانَ إمَامًا فَقَدَّمَ غَيْرَهُ دَامَ الْمُقَدَّمُ عَلَى الرُّكُوعِ لِأَنَّهُ يُمْكِنُهُ الْإِتْمَامُ بِالِاسْتِدَامَةِ .

(وَلَوْ تَذَكَّرَ وَهُوَ رَاكِعٌ أَوْ سَاجِدٌ أَنَّ عَلَيْهِ سَجْدَةً فَانْحَطَّ مِنْ رُكُوعِهِ أَوْ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنْ سُجُودِهِ

فَسَجَدَهَا يُعِيدُ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ) وَهَذَا بَيَانُ الْأَوْلَى لِتَقَعَ أَفْعَالُ الصَّلَاةِ مُرَتَّبَةً بِالْقَدْرِ الْمُمْكِنِ ، وَإِنْ لَمْ يُعِدْ أَجْزَأَهُ(لان الترتيب فى افعال الصلوٰة ليس بشرط) لِأَنَّ الِانْتِقَالَ مَعَ الطَّهَارَةِ شَرْطٌ وَقَدْ وُجِدَ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ تَلْزَمُهُ إِعَادَةُ الرُّكُوعِ لِأَنَّ الْقَوْمَةَ فَرْضٌ عِنْدَهُ.

ترجمہ:

اور جس شخص کو رکوع یا سجدے میں حدث لاحق ہوا تو وہ وضو کرے اور بناء کرے اور اس رکن کو شمار نہ کرے جس میں اس کو حدث لاحق ہوا ہے۔ کیونکہ رکن اس وقت پورا ہوتا ہے جب اس رکن سے دوسرے رکن کی طرف انتقال ہو جائے۔ اور حدث کے ساتھ وہ ثابت نہیں ہوا لہذا اس کا اعادہ کرنا ضروری ہے۔ اور اگر محدث امام ہو تو وہ دوسرے کو خلیفہ بنائے جو رکوع میں برابر رہے۔ کیونکہ تکمیل رکوع میں اس کیلئے دوام ممکن ہے۔

اگر نمازی کو رکوع و سجود کرنے کی حالت میں یاد آیا کہ اس پر سجدہ باقی ہے پس وہ رکوع سے اس کی طرف جھکا یا سجدے سے اس نے سر اٹھایا پس اس نے سجدہ کیا تو وہ رکوع سجود کا اعادہ کرے گا۔ اور یہ بیان اولیت ہے۔ تا کہ افعال میں ترتیب بقدر امکان مکمل ہو۔ اور اگر اس نے رکوع و سجود کا اعادہ نہ کیا تو بھی کافی ہوگا۔ کیونکہ نماز کے افعال میں ترتیب شرط نہیں۔ جبکہ طہارت کے ساتھ انتقال شرط ہے جو پائی جا رہی ہے۔ اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک رکوع کا اعادہ لازم ہے کیونکہ ان کے نزدیک قومہ فرض ہے۔

شرح:

علامہ ابن محمود البابرتی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ہدایہ کے بعض نسخوں میں ''لا یعتد'' کی بہ جائے ''یعید'' لکھا ہوا ہے۔ اور یہ دونوں مضمون معنی کیلئے قریب المعنی ہیں۔ کیونکہ عدم اعتداد اعادہ کو مستلزم ہے۔ کیونکہ رکن انتقال کے ساتھ مکمل ہوتا ہے۔ اور انتقال حدث کے ساتھ متحقق نہیں ہوتا۔ کیونکہ منتقل ہونا بھی نماز کا جز ہے اور جز میں فساد مفسد نماز ہے۔

(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۲، ص ۱۲۲، بیروت)

امام اول محدث کا دوسرے امام کی اقتداء کرنا:

قَالَ (وَمَنْ أَمَّ رَجُلًا وَاحِدًا فَأَحْدَثَ وَخَرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَالْمَأْمُومُ إِمَامٌ نَوَى أَوْ لَمْ يَنْوِ) لِمَا فِيهِ مِنْ

صِيَانَةَ الصَّلَاةِ ، وَتَعْيِينُ الْأَوَّلِ لِقَطْعِ الْمُزَاحَمَةِ وَلَا مُزَاحَمَةَ هَاهُنَا ، وَيُتِمُّ الْأَوَّلُ صَلَاتَهُ مُقْتَدِيًا بِالثَّانِي كَمَا إِذَا اسْتَخْلَفَهُ حَقِيقَةً (وَلَوْ لَمْ يَكُنْ خَلْفَهُ إِلَّا صَبِيٌّ أَوْ امْرَأَةٌ قِيلَ تَفْسُدُ صَلَاتُهُ) لِاسْتِخْلَافِ مَنْ لَا يَصْلُحُ لِلْإِمَامَةِ ، وَقِيلَ لَا تَفْسُدُ لِأَنَّهُ لَمْ يُوجَدْ الِاسْتِخْلَافُ قَصْدًا وَهُوَ لَا يَصْلُحُ لِلْإِمَامَةِ ، وَاَللَّهُ أَعْلَمُ .

ترجمہ:

اور جس شخص نے ایک ہی مرد کی امامت کرائی پھر امام محدث ہو گیا اور مسجد سے نکل گیا تو اب مقتدی ہی امام ہے۔ چاہے امام اول نے اس کی نیت کی یا نہ کی ہو۔ کیونکہ اسی میں نماز کی حفاظت ہے۔ امام اول کا معین کرنا اس لئے تھا تا کہ جھگڑا دور کیا جائے۔ اور یہاں ایک ہی مقتدی ہونے کی وجہ سے مزاحمت ہی نہیں ہے۔ اور امام اول اپنی نماز کو دوسرے کی اقتداء کرتے ہوئے مکمل کرے۔ جس طرح حقیقی خلیفہ کرتا ہے۔ اور امام محدث کے پیچھے بچے یا عورت کے سوا مقتدی ہی نہ ہو تو کہا گیا ہے کہ اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ اس کا خلیفہ وہ بنا جو خلافت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ کیونکہ بطور قصد خلیفہ پایا ہی نہیں گیا۔ اس لئے کہ وہ امامت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

شرح:

اس شخص کیلئے کوئی خلافت کی تعین کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ خود ہی خلیفہ ہے اور خود ہی تابع ومتبوع ہونے کا حقدار بن گیا کیونکہ جب اس کا امام گیا تو اس کے بعد یہ اکیلا رہا ہے خواہ یہ خلیفہ بنے یا نہ بنے۔

بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّلَاةَ وَمَا يُكْرَهُ فِيهَا

﴿یہ باب ان چیزوں کے بیان میں ہے جن سے نماز فاسد ہوتی ہے اور جو نماز میں مکروہ ہیں﴾

فساد صلوٰۃ باب کی مطابقت کا بیان:

اس باب میں مصنف ان امور کا بیان کریں گے جن سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور جن سے نماز مکروہ ہو جاتی ہے۔ یہ نماز کے وہ عوارض ہیں جن سے نماز کے انقطاع کا یا کراہت کا حکم ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ ہم فصل فی الوضو میں بیان کر چکے ہیں کہ عوارض ہمیشہ موخر ہوا کرتے ہیں۔

نماز میں حدث ہو جائے تو کس طرح واپس جائے؟

حضرت سیدہ عائشہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو نماز کے دوران حدث ہو جائے تو ناک تھامے واپس ہو جائے۔ دوسری سند سے یہی مروی ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

نماز میں کلام کرنے کا بیان:

(وَمَنْ تَكَلَّمَ فِي صَلَاتِهِ عَامِدًا أَوْ سَاهِيًا بَطَلَتْ صَلَاتُهُ) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي الْخَطَإِ وَالنِّسْيَانِ ، وَمَفْزَعُهُ الْحَدِيثُ الْمَعْرُوفُ .

وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (إنَّ صَلَاتَنَا هَذِهِ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ ، وَإِنَّمَا هِيَ التَّسْبِيحُ وَالتَّهْلِيلُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ) وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى رَفْعِ الْإِثْمِ .

بِخِلَافِ السَّلَامِ سَاهِيًا لِأَنَّهُ مِنْ الْأَذْكَارِ فَيُعْتَبَرُ ذِكْرًا فِي حَالَةِ النِّسْيَانِ وَكَلَامًا فِي حَالَةِ التَّعَمُّدِ لِمَا فِيهِ مِنْ كَافِ الْخِطَابِ

ترجمہ

اور جس نے نماز میں جان بوجھ کر یا بھول کر کلام کیا اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ جبکہ اس میں امام شافعی علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ خطا اور نسیان سے نماز باطل نہیں ہوتی اور ان کا استدلال وہ حدیث معروف ہے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک ہماری نماز لوگوں کے کلام کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ اور بے شک یہ تو تسبیح تہلیل اور قرأت قرآن ہے۔ اور ان کی روایت کردہ حدیث کو گناہ دور کرنے پر محمول کیا جائے گا۔

ہاں البتہ بھول کر سلام کرنے کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ وہ بھی اذکار میں سے ہے لہذا اس کو حالت نماز میں ذکر اعتبار کر لیا جائے گا۔ اور حالت عمد میں کلام بھی کیونکہ اس میں کاف خطاب کا ہے۔

کلام کے مفسد نماز ہونے میں اصل کا بیان:

ملاعلی قاری علی بن سلطان حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ جب کسی شخص نے نماز میں جواب دیا ہے تو اس کی اصل یہ ہے کہ کلام کی تین اقسام ہیں۔

(۱) جس کا عین اور معنی کلام تام نہ ہو بلکہ وہ ذکر ہو۔

(۲) جس کا عین کلام ہو اور اسی طرح اس کا معنی بھی کلام ہو۔

(۳) جس کا عین ذکر ہو اور معنی کلام ہو۔

جس کا عین اور معنی ذکر ہو وہ نماز کو فاسد کرنے والا نہیں ہے۔ اگر چہ اس کا وقوع غیر محل میں ہوا ہے۔ جس طرح وہ شخص جس نے رکوع وسجود میں قرأت کی یا جس نے تشہد میں قرأت کی تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی بلکہ اس پر سجدہ سہو واجب ہوگا۔ جبکہ اس نے ایسا بھول کر کیا ہو اور اگر کسی نے تورات وانجیل کی قرأت کی تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اسی طرح بحر الرائق میں ہے۔

جس کا عین اور معنی دونوں کلام ہوں اس سے نماز فاسد ہو جائے گی خواہ یہ کلام قلیل ہو یا کثیر ہو اور اگر اس نے صرف ایک حرف پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اسی طرح سراجیہ میں ہے۔

جس عین ذکر ہو اور معنی کلام ہو تو طرفین کے نزدیک وہ بھی نماز کو فاسد کرنے والا ہے جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے اور فرمایا ہے کہ مصیبت کے وقت استرجاع یا سوال توحید کے جواب میں ''لا الہ الا اللہ یا خبر سنتے ہی ''الحمد للہ'' کہا اور اگر اس نے بطور اعلام ان کا قصد کیا تو وہ نماز میں ہے تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اگر اس نے جواب کا ارادہ کیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اسی بناء پر طرفین کے نزدیک بھی نماز فاسد ہو جائے گی۔

(شرح الوقایہ فی مسائل الہدایہ ج ۱، ص ۲۲۰، مکتبہ مشکاۃ الاسلامیہ)

قاعدہ فقہیہ:

ہر وہ کلام جو جواب میں واقع ہو وہ مفسد صلوٰۃ ہوگا۔

نماز میں سلام کا جواب دینا منع ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہوتے اور ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سلام کا جواب دیتے تھے پھر کچھ دنوں کے بعد جب ہم نجاشی کے ہاں سے واپس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے (حسب معمول) ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سلام کا جواب نہیں دیا جب آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے تو) ہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نماز میں سلام کرتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جواب دیتے تھے آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب کیوں نہیں دیا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز خود ایک بڑا شغل ہے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت ملک حبشہ کا بادشاہ ایک عیسائی تھا جس کا لقب نجاشی تھا چونکہ یہ ایک عالم تھا اس لیے جب توریت وانجیل کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی برحق ہونا معلوم ہوا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لاکر اللہ کے اطاعت گزار بندوں میں شامل ہو گئے، جب ۹ ھ میں ان کا انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت افسوس ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے ہمراہ کھڑے ہو کر ان کے جنازے کی غائبانہ نماز پڑھی۔

چونکہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ عقیدت تھی اس لیے جب مسلمان مکہ میں کفار کے ہاتھوں بڑی اذیت ناک تکالیف میں مبتلا ہو گئے اور ان کی جانوں کے لالے پڑ گئے تو اکثر صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایماء پر ان کے ملک کو ہجرت کر گئے انہوں نے اپنے ملک میں صحابہ کی آمد کو اپنے لیے دین ودنیا کی بہت بڑی سعادت سمجھ کر صحابہ کی بہت زیادہ خدمت کی اور ان کے ساتھ بہت زیادہ حسن سلوک کے ساتھ پیش آئے بعد میں جب صحابہ کو علم ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے جا چکے ہیں تو وہ بھی مدینہ چلے آئے۔

چنانچہ اسی وقت کا واقعہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرمارہے ہیں کہ حبشہ سے واپس آنے والے قافلے میں میں بھی شریک تھا جب ہم لوگ مدینے پہنچ کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نماز پڑھ رہے تھے ہم نے حسب معمول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سلام کا جواب نہ دیا پھر نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے استفسار پر فرمایا کہ نماز خود ایک بہت بڑا شغل ہے یعنی نماز میں قرآن وتسبیحات اور دعا مناجات پڑھنے کا شغل ہی اتنی اہمیت وعظمت کا حامل ہے کہ ایسی صورت میں کسی دوسرے آدمی سے سلام وکلام کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے یا یہ کہ نمازی کا فرض ہے کہ نماز میں پورے انہماک کے ساتھ مشغول رہے اور جو کچھ نماز میں پڑھے اس پر غور کرے اور نماز کے سوا کسی دوسری جانب خیال کو متوجہ نہ ہونے دے اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں کسی کے سلام کا جواب دینا یا کسی سے گفتگو کرنا حرام ہے کیونکہ اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

سر یا ہاتھ کے اشارے سے سلام کا جواب دینا مفسد نماز نہیں: شرح منیہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی نمازی کسی کے سلام کا جواب ہاتھ یا سر کے اشارے سے دے یا اسی طرح کوئی آدمی نمازی سے کسی چیز کو طلب کرے اور وہ سر یا ہاتھوں سے ہاں یا نہیں کا اشارہ کرے تو اس کی نماز فاسد تو نہیں البتہ مکروہ ہو جائے گی۔ (شرح منیة المصلی)

نماز میں رونے کا بیان:

(فَإِنْ أَنَّ فِيهَا أَوْ تَأَوَّهَ أَوْ بَكَى فَارْتَفَعَ بُكَاؤُهُ ، فَإِنْ كَانَ مِنْ ذِكْرِ الْجَنَّةِ أَوْ النَّارِ لَمْ يَقْطَعْهَا) لِأَنَّهُ يَدُلُّ عَلَى زِيَادَةِ الْخُشُوعِ (وَإِنْ كَانَ مِنْ وَجَعٍ أَوْ مُصِيبَةٍ قَطَعَهَا) لِأَنَّ فِيهِ إظْهَارَ الْجَزَعِ وَالتَّأَسُّفِ فَكَانَ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ .وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ قَوْلَهُ آهِ لَا يُفْسِدُ فِي الْحَالَيْنِ وَأُوهِ يُفْسِدُ .وَقِيلَ الْأَصْلُ عِنْدَهُ أَنَّ الْكَلِمَةَ إذَا اشْتَمَلَتْ عَلَى حَرْفَيْنِ وَهُمَا زَائِدَتَانِ أَوْ إحْدَاهُمَا لَا تَفْسُدُ ، وَإِنْ كَانَتَا أَصْلِيَّتَيْنِ تَفْسُدُ .

وَحُرُوفُ الزَّوَائِدِ جَمَعُوهَا فِي قَوْلِهِمْ الْيَوْمَ تَنْسَاهُ وَهَذَا لَا يَقْوَى لِأَنَّ كَلَامَ النَّاسِ فِي مُتَفَاهَمِ الْعُرْفِ يَتْبَعُ وُجُودَ حُرُوفِ الْهِجَاءِ وَإِفْهَامَ الْمَعْنَى ، وَيَتَحَقَّقُ ذَلِكَ فِي حُرُوفٍ كُلُّهَا زَوَائِدُ .

ترجمہ

اور اگر اس نے نماز میں آہ و بکاہ کی حتیٰ کہ اس کا رونا بلند ہوا اگر تو وہ جنت یا دوزخ کی یاد میں رویا تو وہ اس کی نماز کو کاٹنے والا نہیں ۔کیونکہ یہ اس کے خشوع کی زیادتی پر دلیل ہے۔اور اگر وہ درد یا مصیبت کی وجہ سے رویا تو اسکی نماز ٹوٹ جائے گی کیونکہ یہ جزع وافسوس کا اظہار ہے۔لہذا یہ لوگوں کے کلام سے ہوگیا۔اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک ''آہ'' دونوں حالتوں میں مفسد نماز نہیں جبکہ ''اوہ'' مفسد نماز ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ ان کے نزدیک اس میں اصل یہ ہے کہ کلمہ جب دو حرفوں پر مشتمل ہو خواہ وہ دونوں زائد ہوں یا ان میں سے ایک زائد ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی۔اور اگر دونوں اصلی ہوں تو نماز فاسد ہو جائے گی۔اور اہل لغت نے حروف زوائد کو ''الْيَوْمَ تَنْسَاهُ'' میں جمع کیا ہے۔اور یہ دلیل اس لئے قوی نہیں ہے کہ کلام الناس کا ہونا یہ اہل عرف کی اصطلاح کے تابع ہے۔لہذا حروف ہجاء کے پائے جانے اور معنی سمجھنے سے یہ ثابت ہو جاتا ہے۔اور حالانکہ وہ سارے حروف زوائد ہوتے ہیں۔

شرح:

حضرت مطرف کے والد (عبداللہ بن الشخیر) سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حالت میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے کہ رونے کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ سے ایسی آواز نکل رہی تھی جیسے چکی چلنے کی آواز ہوتی ہے۔(سنن ابوداؤد)

نماز میں کھانسنے سے حکم نماز:

(وَإِنْ تَنَحْنَحَ بِغَيْرِ عُذْرٍ) بِأَنْ لَمْ يَكُنْ مَدْفُوعًا إلَيْهِ (وَحَصَلَ بِهِ الْحُرُوفُ يَنْبَغِي أَنْ يُفْسِدَ عِنْدَهُمَا ، وَإِنْ كَانَ بِعُذْرٍ فَهُوَ عَفْوٌ كَالْعُطَاسِ) وَالْجُشَاءُ إذَا حَصَلَ بِهِ حُرُوفٌ .

(وَمَنْ عَطَسَ فَقَالَ لَهُ آخَرُ يَرْحَمُكَ اللَّهُ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ فَسَدَتْ صَلَاتُهُ) لِأَنَّهُ يَجْرِي فِي

مُخَاطَبَاتِ النَّاسِ فَكَانَ مِنْ كَلَامِهِمْ ، بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ الْعَاطِسُ أَوْ السَّامِعُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلَى مَا قَالُوا لِأَنَّهُ لَمْ يُتَعَارَفْ جَوَابًا .

ترجمہ

اور اگر اس نے بغیر عذر کے کھانسا اس طرح کہ وہ اس کو دفع نہ کرسکتا ہو۔ اور اس کے کھانسے سے ایسے حرف پیدا ہو جائیں تو مناسب یہ ہے کہ طرفین کے نزدیک اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر عذر کے ساتھ ہے تو چھینک اور ڈکار کی طرح معاف ہے۔ جبکہ اس سے حروف پیدا ہو جائیں۔

اور جس کو چھینک آئی تو دوسرے نمازی نے ''یَرْحَمُكَ اللّٰه'' کہا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ اس کا اجراء لوگوں کے خطابات میں جاری ہوتا ہے۔ بخلاف اس کے کہ جب چھینکنے والے نمازی یا سننے والے نمازی نے کہا'' اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' اس دلیل کی وجہ سے کہ یہ بطور جواب متعارف نہیں ہے۔

شرح:

حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی نماز کے درمیان مجھے چھینک آ گئی میں نے یہ کلمات حمد کہے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْداً كَثِيْراً طَيِّباً مُبَارَكاً فِيْهِ مُبَارَكاً عَلَيْهِ كَمَا يُحِبُّ رَبُّنَا وَ يَرْضٰى ''تمام تعریف اللہ کے لیے ہے، بہت زیادہ تعریف بہت پاکیزہ یعنی خالص بابرکت) اور برکت کی گئی جیسی (تعریف) کہ دوست رکھتا ہے ہمارا رب اور پسند کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھ چکے تو (ہماری طرف) متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ نماز میں باتیں کرنے والا کون ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کے خوف) سے کوئی نہیں بولا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری مرتبہ یہی فرمایا جب بھی کوئی نہیں بولا جب تیسری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا تو رفاعہ نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے (میں نے دیکھا ہے) کہ تیس سے زیادہ فرشتے ان کلمات کو لے جانے میں جلدی کر رہے تھے کہ ان میں سے کون پہلے اس کو لے جائے۔ (جامع ترمذی، ابوداؤد، سنن نسائی)

ابن مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نماز میں چھینکنے والے کے لئے حمد بیان کرنا جائز ہے لیکن اولیٰ یہ ہے کہ حمد دل میں کہے یا خلاف اولیٰ سے بچنے کی خاطر چھینک کے بعد سکوت اختیار کرے جیسا کہ شرح منیہ میں مذکور ہے۔

غیر امام کو جب لقمہ دیا تو حکم نماز:

(وَإِنْ اسْتَفْتَحَ فَفَتَحَ عَلَيْهِ فِي صَلَاتِهِ تَفْسُدُ) وَمَعْنَاهُ أَنْ يَفْتَحَ الْمُصَلِّي عَلَى غَيْرِ إِمَامِهِ لِأَنَّهُ تَعْلِيمٌ

وَتَعَلُّمٌ فَكَانَ مِنْ جِنْسِ كَلَامِ النَّاسِ ، ثُمَّ شَرَطَ التَّكْرَارَ فِي الْأَصْلِ لِأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَعْمَالِ الصَّلَاةِ فَيُعْفَى الْقَلِيلُ مِنْهُ ، وَلَمْ يُشْرَطْ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ لِأَنَّ الْكَلَامَ بِنَفْسِهِ قَاطِعٌ وَإِنْ قَلَّ .

ترجمہ:

اور اگر کسی نے لقمہ لینا چاہا اور نمازی نے اس کو لقمہ دیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ مصنف کی اس عبارت کا معنی یہ ہے کہ نمازی نے اپنے امام کے علاوہ کسی دوسرے امام کو لقمہ دیا ہو۔ کیونکہ سیکھنے سکھانے کے حکم میں ہوگا۔ لہذا یہ کلام الناس سے شمار ہوگا۔ جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ نے مبسوط میں کلام کے تکرار کی شرط لازم کی ہے۔ کیونکہ یہ کام نماز کے کاموں میں سے نہیں ہے۔ لہذا اس کا قلیل معاف ہے اور جامع صغیر میں اس شرط کو بیان نہیں کیا۔ کیونکہ کلام خود ہی ذاتی طور پر مفسد نماز ہے۔ اگرچہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔

شرح:

مذکورہ مسئلہ میں یہ واضح کہ غیر امام کو لقمہ دینا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ نماز کے افعال میں سے نہیں ہے۔ حالانکہ اگر کسی شخص نے اپنے امام کو بھی جواز نماز کی مقدار قرأت کے بعد لقمہ دیا تو جائز نہیں ہے۔ جس طرح اپنے امام کو جواز نماز کی مقدار کے بعد لقمہ دینے کی ممانعت عدم ضرورت ہے یعنی فرض قرأت کر لینے کی وجہ سے اس کی نماز محفوظ ہے اسی طرح غیر امام کو لقمہ دینا بھی عدم ضرورت کی وجہ سے منع ہے کیونکہ اس کو لقمہ دینے میں نہ تو اس شخص کو نماز کی حفاظت ہے اور نہ ہی امام کی نماز کی حفاظت ہے۔ کیونکہ امام و مقتدی کے درمیان لقمہ دینے مشروعیت کی علت ہے کہ اس میں دونوں کی نمازوں کی حفاظت ہے۔ اور یہ علت یہاں پر مفقود ہے لہذا غیر امام کو لقمہ دینا ہرگز جائز نہیں۔ اگر لقمہ دیا اور اس نے لقمہ وصول کر لیا تو دونوں اقسام کے لوگوں کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

مقتدی کا اپنے امام کو لقمہ دینے کا بیان:

(وَإِنْ فَتَحَ عَلَى إِمَامِهِ لَمْ يَكُنْ كَلَامًا مُفْسِدًا) اسْتِحْسَانًا لِأَنَّهُ مُضْطَرٌّ إِلَى إِصْلَاحِ صَلَاتِهِ فَكَانَ هَذَا مِنْ أَعْمَالِ صَلَاتِهِ مَعْنًى (وَيَنْوِي الْفَتْحَ عَلَى إِمَامِهِ دُونَ الْقِرَاءَةِ) هُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّهُ مُرَخَّصٌ فِيهِ ، وَقِرَاءَتُهُ مَمْنُوعٌ عَنْهَا

(وَلَوْ كَانَ الْإِمَامُ انْتَقَلَ إِلَى آيَةٍ أُخْرَى تَفْسُدُ صَلَاةُ الْفَاتِحِ وَتَفْسُدُ صَلَاةُ الْإِمَامِ) لَوْ أَخَذَ بِقَوْلِهِ لِوُجُودِ التَّلْقِينِ وَالتَّلَقُّنِ مِنْ غَيْرِ ضَرُورَةٍ وَيَنْبَغِي لِلْمُقْتَدِي أَنْ لَا يُعَجِّلَ بِالْفَتْحِ ، وَلِلْإِمَامِ أَنْ لَا يُلْجِئَهُمْ إِلَيْهِ بَلْ يَرْكَعَ إِذَا جَاءَ أَوَانُهُ أَوْ يَنْتَقِلَ إِلَى آيَةٍ أُخْرَى .

ترجمه

اور اگر مقتدی نے اپنے امام کولقمہ دیا تو کلام مفسد نماز نہ ہوگا۔اور یہ دلیل استحسان کی وجہ سے ہے۔اس لئے مقتدی تو اپنی نماز کوصحیح کرنے کی طرف مجبور ہو گیا ہے۔لہذا یہ لقمہ دینا معنی کے اعتبار سے نماز کے افعال میں سے ہوگیا۔اور مقتدی اپنے امام کولقمہ دینے کی نیت کرے گا قرآن کی قرأت کی نیت نہ کرے۔یہی صحیح روایت کے مطابق ہے۔کیونکہ لقمہ دینا ایک ایسا حکم ہے۔جس کی اجازت خاص کی گئی ہے جبکہ قرأت قرآن سے منع کیا گیا ہے۔

اور اگر امام دوسری آیت کی طرف منتقل ہوگیا تو اس صورت میں لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی۔اور امام نے اس کا لقمہ لیا تو اس کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔کیونکہ مقتدی کی تلقین اور امام کا اس کو وصول کرنا بغیر کسی ضرورت کے ہے۔اور مقتدی کیلئے طریقہ یہ ہے کہ وہ لقمہ دینے میں جلدی نہ کرے۔اور امام کو بھی چاہیے کہ وہ لقمہ دینے پر مقتدیوں کو مجبور نہ کرے بلکہ وقت کے آجانے پر رکوع میں چلا جائے یا کسی دوسری آیت کی طرف منتقل ہو جائے۔

مفاسد نماز کے بیان میں احکام شرعیہ:

حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ (درمیان نماز) اچانک جماعت میں سے ایک آدمی کو چھینک آ گئی میں نے (جواب میں) یرحمک اللہ کہا (یہ سن کر) لوگوں نے مجھ کو گھورنا شروع کیا (کہ نماز میں چھینک کا جواب دیتے ہو) میں نے کہا کہ تمہاری ماں تمہیں گم کردے تم لوگ مجھے کیوں گھور رہے ہو لوگوں نے (میری گفتگو سن کر مجھے چپ کرانے اور اظہار تعجب کے لیے) اپنی رانوں پر اپنے ہاتھ مارنے شروع کئے (جب) میں نے دیکھا کہ لوگ مجھے خاموش کرانا چاہتے ہیں (تو مجھے بہت غصہ آیا کیونکہ مجھے اس فعل کی برائی کا علم نہ تھا) لیکن میں خاموش رہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا چکے (تو کیا کہوں) میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان میں نے تو ایسا اچھا تعلیم دینے والا نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دیکھا تھا اور نہ بعد میں دیکھا اللہ کی قسم ! نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ڈانٹا، نہ مارا، اور نہ برا بھلا کہا، (ہاں اتنا) فرمایا کہ نماز میں انسان کی بات مناسب نہیں ہے، نماز تو تسبیح وتکبیر اور قرآن پڑھنے کا نام ہے یا آپ نے اس کی مانند کچھ اور فرمایا (یعنی راوی کو شک ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی الفاظ فرمائے تھے یا اس کے مانند دوسرے الفاظ تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ایک نومسلم ہوں (ابھی تک دین کے تمام احکام مجھے معلوم نہیں تھے ہاں (اب) اللہ نے ہمیں اسلام کی دولت سے مشرف فرمایا ہے، (تو دین کے تمام احکام سیکھ لوں گا پھر میں نے عرض کیا کہ) ہم میں سے بہت لوگ کاہنوں کے پاس جاتے ہیں (اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟) فرمایا تم ان کے پاس ہرگز نہ جایا کرو میں نے عرض کیا ہم میں سے بہت لوگ بدفالی (بھی) لیتے ہیں۔فرمایا یہ ایک ایسی چیز ہے جسے وہ اپنے دلوں میں پاتے ہیں (یعنی یہ ان کا محض وہم اور ذہن کی اختراع ہے جو کاموں کے نفع ونقصان میں کوئی اثر نہیں رکھتا) انہیں اپنے کام سے رکنا نہیں چاہئے معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

فرماتے ہیں میں نے پھر عرض کیا ہم میں سے بعض لوگ خط کھینچتے ہیں اوراس کے ذریعے وہ غیب کی کچھ باتیں بتاتے ہیں) فرمایا انبیاء میں سے ایک نبی تھے جو خط کھینچتے تھے لہٰذا جس آدمی کا خط کھینچنا اس نبی کے خط کھینچنے کے موافق ہو وہ اس بات کو حاصل کرلیتا ہے۔ (صحیح مسلم)

مؤلف مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ لکِنّیِ سَکَتُّ کو صحیح مسلم اور کتاب حمیدی میں اسی طرح دیکھا ہے (البتہ) صاحب جامع الاصول نے لفظ لکنی کے اوپر لفظ کذا) لکھ کر اس کی صحت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

و اثکل امیاہ (یعنی تمہاری ماں تمہیں گم کرے) ان الفاظ کی تشریح پہلے بھی کسی موقع پر کی جا چکی ہے چنانچہ وہاں بتایا جا چکا ہے کہ اہل عرب کے ہاں یہ الفاظ ایسے موقع پر استعمال کیے جاتے تھے کہ مخاطب کی کوئی بات یا اس کا کوئی فعل قابل تعجب ہوتا تھا۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں چھینکنے والے نے الحمد اللہ کہا ہوگا اس کے جواب میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یرحمک اللہ کہا۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں چھینک کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا حرام ہے جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اب اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مفسد نماز فعل کا ارتکاب کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نماز لوٹانے کا حکم کیوں نہیں دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ وہ نو مسلم تھے اسلام قبول کیے ہوئے انہیں زیادہ دن نہیں گذرے تھے اس لیے انہیں معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ نماز میں گفتگو کرنا منسوخ ہو چکا ہے اب گفتگو کرنے سے نماز باطل ہو جاتا ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ناواقفیت کی بناء پر انہیں نماز دوبارہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔

حضرت امام نووی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی نماز میں یرحمک اللہ کہے تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے کیونکہ اس میں دوسرے آدمی کو خطاب کرنا پایا جاتا ہے اور اگر کوئی یرحمۃ اللہ کہے تو نماز اس کی باطل نہیں ہوتی

حضرت ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے کہ اگر کوئی اپنے نفس کے لیے یرحمك الله کہے تو نماز فاسد نہیں ہوتی جیسا کہ یرحمنی اللہ کہنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ (فتح القدیر، باب الصلوٰہ)

ارشاد نبوت اِنَّ هٰذِهِ الصَّلٰوةَ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ (نماز میں انسان کی بات مناسب نہیں ہے) میں کلام الناس اس لیے فرمایا گیا ہے تاکہ اس حکم سے وہ تسبیحات واذکار نکل جائیں جو نماز میں پڑھے جاتے ہیں جو اگرچہ انسان کا کلام ہی ہیں لیکن ان سے انسانوں کو خطاب کرنے یا ان کو سمجھانے کا ارادہ نہیں ہوتا لہٰذا یہاں کلام الناس (انسان کی بات) سے مراد وہ کلام ہے جس میں لوگوں کو خطاب کیا گیا ہو یا خود مخاطب بننے کا ارادہ ہو۔

فقہاء لکھتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی کسی نمازی سے حالت نماز میں پوچھے کہ تمہارے پاس کیا اور کس قسم کا مال ہے؟ اور وہ نمازی جواب میں یہ آیت پڑھے (وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ) 16 ۔ النحل 8:) (گھوڑے، خچر اور گدھے) یا کسی نماز

پڑھنے والے کے آگے کوئی کتاب رکھی ہواور ایک آدمی یحیٰی نامی سامنے کھڑا ہوا ہواور اس آدمی کو خطاب کرنے کی نیت سے یہ آیت پڑھے (یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّةٍ ﴾19۔مریم12:) (اے یحیٰی یہ کتاب لےلو) توان صورتوں میں نمازی نے اگرچہ قرآن کی آیتیں پڑھی ہیں لیکن یہ پڑھنا چونکہ ایک دوسرے آدمی کو خطاب کرنے کے ارادے سے ہےاس لیے نماز فاسد ہوجائے گی۔ہاں اگر خطاب کاارادے نہ کرے بلکہ قرأت کے ارادہ سے پڑھے گا تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

کاہن کی تعریف :

عرب میں کاہن ان لوگوں کو کہتے ہیں جو جنات شیاطین اور ارواح خبیثہ کے ساتھ تعلق رکھتے تھے اور شیاطین جھوٹی سچی خبریں ان کو بتاتے تھے،اس طرح وہ لوگ علم غیب کا دعوی کرکے شیاطین وجنات کی پہنچائی ہوئی انہی باتوں کو غیب کی بات کہہ کر دوسرے لوگوں تک پہنچاتے تھے۔ایسے لوگوں کے پاس جانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا ہے چنانچہ ایک دوسری روایت میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی کسی عراف یا کاہن کے پاس جائے اوران کی بتائی ہوئی باتوں کو سچ جانے تو اس نے بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری گئی چیز (یعنی قرآن) سے کفر کیا۔ اس روایت کو امام احمد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔

عراف کسے کہتے ہیں :

کاہن کی تعریف تو معلوم ہوگئی،اب یہ بھی جان لیجئے عراف کسے کہتے ہیں۔عراف اس آدمی کو کہتے ہیں جو کسی عمل یا جادو و منتر کے ذریعے کسی چیز کی حقیقت بیان کرتا ہے،چوری کی چیزوں کا پتہ بتاتا ہےاور مکان کی کسی گم شدہ چیز کا حال بتاتا ہےان کے پاس بھی جانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

عمل رمل :

جس طرح جنات وشیاطین کے ذریعے یاعلم نجوم کے ذریعہ غیب کی باتوں کا پتہ لگانے کی کچھ لوگ کوشش کرتے ہیں۔اسی طرح رمل کے ذریعے بھی کچھ لوگ غیب کی باتوں تک پہنچنا چاہتے ہیں۔

چنانچہ رمل اس علم کا نام ہے جس میں خطوط کھینچ کر اوران کے ذریعے حساب لگا کر پوشیدہ باتوں کو جاننے کی کوشش کی جاتی ہے۔حدیث کے الفاظ سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمل کے بارے میں ایک ایسا کلمہ بیان فرما دیا ہے جس سے کسی نہ کسی حد تک علم رمل کا جواز نکلتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

پہلے تو سمجھ لیجئے کہ وہ نبی جو علم رمل جانتے تھے اور خط کھینچتے تھے حضرت ادریس یا حضرت دانیال علیہما السلام تھے اس کے بعد حدیث کی طرف آیئے،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے علم رمل کا جواز نہیں ہوتا کیونکہ بقول خطابی یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیق بالمحال کی ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فَمَنْ وَّافَقَ خُطَّہٗ ازراہ زجر فرمایا ہے جس کا

مطلب یہ ہے کہ کسی دوسرے کا خط کھینچنا اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کھینچنے کے موافق نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ ان نبی کا معجزہ تھا اور معجزہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تک محدود رہتا ہے اور پھر یہ کہ اگر کوئی آدمی خط کھینچے اور کہے کہ یہ اس نبی کے خط کھینچنے اور کہے کہ یہ اس نبی کے خط کھینچنے کے موافق ہے تو یہ غلط ہوگا۔اس لیے کہ خط کی موافقت صحیح طور پر تواتر یا نص سے ثابت ہوسکتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو۔جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ منقول نہیں۔لہٰذا ارشاد نبوت سے حاصل یہ نکلا کہ جب کسی رمال (علم رمل جاننے والا) اور اس نبی کے خط میں موافقت نہیں ہوسکتی تو بھی عمل رمل کو اختیار کرنا بھی درست نہیں۔

اسی طرح کہ دو اور سلسلے ہیں ان کا مدار حساب پر ہے جنہیں اصطلاحی طور پر عمل تکسیر اور عمل تخریج سے موسوم کیا جاتا ہے ان کے بارے میں بھی محققین علماء اور مشائخ کا فیصلہ یہ ہے کہ یہ اعمال بھی شرعاً جائز نہیں ہیں اور ان کا بھی وہی حکم ہے جو اوپر مذکور ہو چکا ہے۔آخر عبارت کا مطلب یہ ہے کہ لفظ کذا علامت صحت ہے یعنی اگر یہ ضرورت محسوس ہو کہ عبارت میں کسی ایسے لفظ پر کہ جس کے بارے میں عدم صحت کا گمان ہوگیا ہے کوئی ایسی علامت لگادی جائے جس کے ذریعہ سے اس لفظ کا صحیح ہونا ثابت ہو جائے تو اس موقع پر اس لفظ پر کذا لکھ دیتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ لفظ اس طرح صحیح ہے، چونکہ اس حدیث کا لفظ لکنی اصول میں ہے، مگر مصابیح میں نہیں ہے، اس صورت میں یہ ممکن تھا کہ اس لفظ کے عدم صحت کا گمان ہو جاتا۔اس لیے صاحب جامع الاصول نے اس لفظ پر کذا لکھ کر اس بات کی تصحیح کر دی ہے کہ یہ لفظ اصول میں یوں ہی ہے اور یہ صحیح ہے۔

اگر نماز میں "لا إلٰہ إلّا اللّٰہ" کے ساتھ جواب دیا تو حکم نماز:

(وَلَوْ أَجَابَ رَجُلًا فِي الصَّلَاةِ بِلَا إلَهَ إلَّا اللَّهُ فَهَذَا كَلَامٌ مُفْسِدٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ ، وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ : لَا يَكُونُ مُفْسِدًا) وَهَذَا الْخِلَافُ فِيمَا إذَا أَرَادَ بِهِ جَوَابَهُ . لَهُ أَنَّهُ ثَنَاءٌ بِصِيغَتِهِ فَلَا يَتَغَيَّرُ بِعَزِيمَتِهِ ، وَلَهُمَا أَنَّهُ أَخْرَجَ الْكَلَامَ مَخْرَجَ الْجَوَابِ وَهُوَ يَحْتَمِلُهُ فَيُجْعَلُ جَوَابًا كَالتَّشْمِيتِ وَالِاسْتِرْجَاعِ عَلَى الْخِلَافِ فِي الصَّحِيحِ (وَإِنْ أَرَادَ إعْلَامَهُ أَنَّهُ فِي الصَّلَاةِ لَمْ تَفْسُدْ بِالْإِجْمَاعِ) لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (إذَا نَابَتْ أَحَدَكُمْ نَائِبَةٌ فِي الصَّلَاةِ فَلْيُسَبِّحْ)

ترجمہ

اور اگر نمازی نے نماز میں کسی کو "لَا إلَهَ إلَّا اللَّهُ" کے ساتھ جواب دیا تو طرفین کے نزدیک یہ کلام مفسد نماز ہوگا۔جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے فرمایا: یہ کلام مفسد نماز نہ ہوگا۔اور یہ اختلاف اس وقت ہے جب نمازی نے جواب کا ارادہ کیا ہو۔

اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ ثناء ہے لہذا اس سے نماز کا ارادہ تبدیل نہ ہوگا۔اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ اس نے اسے جواب کے طور پر نکالا ہے۔اور اس میں جواب کا احتمال بھی ہے لہذا اسے جواب ہی قرار دیں گے

جس طرح چھینک اور استرجاع کا جواب ہوتا ہے۔اور صحیح روایت کے مطابق ان کا بھی یہی اختلافی سبب ہے۔

اور اگر اس نے اس سے یہ ارادہ کیا کہ وہ نماز میں ہے تو بہ اتفاق نماز فاسد نہ ہوگی۔کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تمہیں نماز میں کوئی واقعہ پیش آئے تو وہ تسبیح پڑھے۔

شرح:

یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے گھر میں داخل ہونے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: '' (اُدْخُلُوھَا بِسَلَامٍ آمِنِیْنَ) ''اور اس سے آپ ﷺ نے جواب کا ارادہ فرمایا ہے حالانکہ نماز فاسد نہیں ہوئی۔

شمس لائمہ امام سرخسی علیہ الرحمہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہاں قرأت مکمل ہو رہی تھی۔لہٰذا اس کا حمل انتہائے قرأت ہے۔اور قیاس کا بھی یہی تقاضہ ہے جس چیز سے اعلام کا ارادہ ہو اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

(عنایہ شرح الہدایہ ج ۲،ص ۱۴۱،بیروت)

ایک رکعت کے بعد دوسری نماز کو شروع کرنے کا حکم:

(وَمَنْ صَلَّى رَكْعَةً مِنْ الظُّهْرِ ثُمَّ افْتَتَحَ الْعَصْرَ أَوْ التَّطَوُّعَ فَقَدْ نَقَضَ الظُّهْرَ) لِأَنَّهُ صَحَّ شُرُوعُهُ فِي غَيْرِهِ فَيَخْرُجُ عَنْهُ (وَلَوْ افْتَتَحَ الظُّهْرَ بَعْدَمَا صَلَّى مِنْهَا رَكْعَةً فَهِيَ هِيَ وَيَجْتَزِئُ بِتِلْكَ الرَّكْعَةِ) لِأَنَّهُ نَوَى الشُّرُوعَ فِي عَيْنِ مَا هُوَ فِيهِ فَلَغَتْ نِيَّتُهُ وَبَقِيَ الْمَنْوِيُّ عَلَى حَالِهِ

(وَإِذَا قَرَأَ الْإِمَامُ مِنْ الْمُصْحَفِ فَسَدَتْ صَلَاتُهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَقَالَا هِيَ تَامَّةٌ) لِأَنَّهَا عِبَادَةٌ انْضَافَتْ إلَى عِبَادَةٍ أُخْرَى (إلَّا أَنَّهُ يُكْرَهُ) لِأَنَّهُ تَشَبُّهٌ بِصَنِيعِ أَهْلِ الْكِتَابِ .

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ حَمْلَ الْمُصْحَفِ وَالنَّظَرَ فِيهِ وَتَقْلِيبَ الْأَوْرَاقِ عَمَلٌ كَثِيرٌ ، وَلِأَنَّهُ تَلَقُّنٌ مِنْ الْمُصْحَفِ فَصَارَ كَمَا إذَا تَلَقَّنَ مِنْ غَيْرِهِ ، وَعَلَى هَذَا لَا فَرْقَ بَيْنَ الْمَوْضُوعِ وَالْمَحْمُولِ ، وَعَلَى الْأَوَّلِ يَفْتَرِقَانِ ،

ترجمہ:

اور جس نے ظہر کی ایک رکعت پڑھی پھر اس نے نماز عصر شروع کی یا اس نے نفل شروع کیے تو اس کی ظہر کی نماز ٹوٹ گئی۔ اس لئے کہ جب اس نے ظہر کے غیر کو شروع کیا تو وہ ظہر سے خارج ہو گیا۔اور اگر اس نے ظہر کی ایک رکعت کے بعد اسی ظہر کی نماز شروع کی تو اس کی وہی نماز ہوگی۔کیونکہ اس نے ایسی نماز کے شروع کرنے کی نیت کی ہے جس میں وہ خود موجود ہے۔لہٰذا اس کی نیت لغو چلی جائے گی۔اور نیت کردہ نماز باقی رہے گی۔

اور جب امام مصحف سے پڑھے تو امام اعظم کے نزدیک اس کی نماز فاسد ہو جائے گی جبکہ صاحبین کے نزدیک اس کی نماز مکمل ہوگئی۔ کیونکہ یہ ایک عبادت کا دوسری عبادت کے ساتھ مل جانا ہے۔ لیکن یہ مکروہ ہے۔ کیونکہ اس میں اہل کتاب کے ساتھ تشبیہ ہے۔ اور امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ مصحف کا اٹھانا اور اس میں دیکھنا اور اس کے اوراق کو پلٹنا یہ عمل کثیر ہے اور یہی وجہ ہے کہ مصحف سے سیکھنا ایسا ہی ہے جس طرح کسی دوسرے شخص سے سیکھتا ہے۔ اور اسی دلیل کی بنیاد پر رحل پر رکھے ہونے اور اٹھائے ہونے میں کوئی فرق نہیں۔ جبکہ پہلی صورت کے مطابق دونوں میں فرق ہے۔

حالت نماز میں قرآن ہاتھ میں پکڑ کر قرأت کرنے کا حکم:

ابوعبدالرحمن رفیق طاہر لکھتے ہیں۔ نماز کے دوران حالت قیام میں مصحف کو ہاتھ میں اٹھا کر نماز پڑھنے کا مسئلہ آجکل بہت معرکۃ الآراء ہے۔ بہت سے اہل علم بعض موقوف روایات سے استدلال کر کے اس عمل کو جائز قرار دیتے ہیں ۔ اور اس کے جواز میں ایک طویل مضمون اسکے جواز میں لکھا ہے جس میں انہوں نے موقوفات ومقطوعات کا سہارا لیا ہے اور موصوف کا خیال ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تک اسکے جواز پر اجماع ہے ۔ جبکہ اصل صورت حال یہ ہے کہ مصحف کو دوران نماز ہاتھ میں تھامنا کسی موقوف روایت سے بھی ثابت نہیں ہے بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی موجودگی میں کسی تابعی نے دوران نماز مصحف سے دیکھا ہے ۔ لیکن حالت نماز میں مصحف اٹھانا وہاں بھی ثابت نہیں ہوتا ہے ۔ اور عین ممکن ہے کہ انہوں نے مصحف اپنے پہلو کے پاس قریب ہی رکھا ہو اور بوقت ضرورت اس سے دیکھ لیا ہو اور اجماع کا دعوی بھی باطل ہے کیونکہ اس دور میں بھی اس امر کی مخالفت کرنے والوں کی ایک جماعت موجود تھی۔

یعنی یہ دو مختلف موضوعات ہیں حالت نماز میں مصحف اٹھانا اور حالت نماز میں مصحف سے دیکھنا

اور دونوں ہی عمل صحیح نہیں ہیں ۔ اس مضمون میں پہلے ہم عدم جواز کے دلائل ذکر کریں گے اور اسکے بعد موصوف نے جو دلائل پیش کیے ہیں ان پر تبصرہ ورد کیا جائے گا اور پھر اسکے علاوہ چند معروف دلائل کا رد کرکے آخر میں بحث کا خلاصہ ونتیجہ پیش کیا جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ کے عمل کو سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى (صحیح مسلم کتاب الصلاۃ باب وضع یدہ الیمنی علی الیسری بعد تکبیرۃ (401

پھر آپ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر رکھا۔

اور حکم کو نقل کرتے ہوئے سیدنا سہل بن سعد بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: كان الناس يؤمرون أن يضع الرجل اليد اليمنى على ذراعه اليسرى في الصلوة"

لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ آدمی اپنا دایاں ہاتھ اپنی بائیں ذراع پر رکھے۔ (صحیح بخاری کتاب الاذان باب وضع الیمنی علی

الیسری فی الصلاۃ (740)

درج بالا دلائل سے ثابت ہوا کہ : مصحف کو دوران نماز ہاتھ میں پکڑ کر قراءت کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور عمل کے مخالف ہونے کی بناء پر ناجائز ہے۔

حالت نماز میں مصحف سے دیکھ کر قراءت کرنا بھی ممنوع ہے:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ الِالْتِفَاتِ فِي الصَّلَاةِ فَقَالَ هُوَ اخْتِلَاسٌ يَخْتَلِسُهُ الشَّيْطَانُ مِنْ صَلَاةِ الْعَبْدِ (صحیح بخاری کتاب الاذان باب الالتفات فی الصلاۃ (751)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے دوران جھانکنے کے بارہ میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ اچکنا ہے شیطان بندے کی نماز سے اسے اچکتا ہے۔ حدیث مذکورہ میں نمازی کو وقتاً فوقتاً ادھر ادھر جھانکنے سے منع کیا گیا ہے جبکہ مصحف سے دیکھ کر قراءت کرنیوالا تو مسلسل مصحف کی جانب دیکھ رہا ہوتا ہے۔

قائلین کے دلائل اور انکا جائزہ:

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارہ میں روایت ہے کہ "کانت عائشة یؤمها عندها ذکوان من المصحف"۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے غلام ذکوان رحمہ اللہ انکی امامت قرآن مجید سے دیکھ کر کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ 2/338 , کتاب المصاحف , 797 سنن الکبری للبیہقی (2/253)

ا۔ اس روایت میں مصحف کو ہاتھ میں تھامنے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

۲۔ نہ ہی اس دور میں مصحف اتنا چھوٹا تھا کہ اسے ہاتھ میں تھاما جا سکے۔ کیونکہ وہ چھ مصاحف جنکو سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے لکھوا کر لوگوں کو ایک ہی قراءت پر جمع کیا تھا جن میں سے چار مصاحف مختلف علاقوں میں بھیج دیے گئے اور اور دو مصاحف مدینہ میں باقی رہے اور ایک مصحف قاضی اُبوالنصر قصوہ (ملوکی حکومت کا آخری بادشاہ) کے مدرسہ میں اس قبہ کے پاس محفوظ تھا جسے اس نے مدرسہ کیسامنے زویلہ نامی دروازے کے پاس بنوایا تھا اور وہیں اس نے آثار نبویہ کو جمع کیا تھا اور اس مصحف کی اس نے جلد بندی بھی کی اور اس پر لکھ دیا کہ یہ جلد مصحف عثمانی کی کتابت کے 874 سال بعد کی گئی ہے یعنی یہ 909ھ میں جلد ہوا ہے اور پھر یہ وہیں پر تین صدیاں محفوظ رہا اور پھر اسکو 1305ھ میں وہاں سے نکالا گیا اور اسکے بعد 1427ھ المکتبۃ المرکزیۃ للمخطوطات الاسلامیۃ (مصر) نے اسکو سافٹ ویر کی شکل دے دی یہ مصحف 1087 اوراق پر مشتمل ہے سائز 67*75 سم ہے ہر صفحہ میں 12 سطریں ہیں بلندی 40 سم اور وزن 80 کلوگرام ہے۔ اور اتنے وزنی اور اتنے بڑے حجم کے مصحف کو ہاتھ میں تھام کر قیام کرنا ناممکنات میں سے ہے۔ (سافٹ ویر کی صورت میں یہ مصحف دین خالص ویب سائٹ پر موجود ہے

۳۔اس دور میں مصحف سے دوران نماز قراءت کرنےکا طریقہ یہ تھا کہ مصحف کو سامنے یا پہلو میں رکھ لیا جاتا اور بوقت ضرورت اس سے دیکھ لیا جاتا جیسا کہ آگے آئے گا۔

۴۔دنوں صورتوں یعنی مصحف سے دیکھ کر یا مصحف کو ہاتھ میں تھام کر دوران نماز قراءت کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم عدم التفات اور وضع الیدین کے خلاف ہونے کی بناء پر نا قابل اعتبار ہے۔

۵۔یہ موقوف روایت ہے جو کہ وحی نہیں ہے۔جبکہ اللہ تعالی نے ہمیں صرف اور صرف وحی کی اتباع کرنے اور غیر وحی کی اتباع نہ کرنے کا حکم دیا ہے۔(سورۃ الاعراف 3 :) لہذا یہ دین میں حجت نہیں ہے۔

امام ایوب سختیانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

كان محمد لا يرى بأسا أن يؤم الرجل القوم يقرأ في المصحف امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ آدمی قوم کو امامت کروائے اور قراءت قرآن مجید سے دیکھ کر کرے۔(مصنف ابن ابی شیبہ (2/337)

امام شعبہ رحمہ اللہ ، امام حکم بن عتیبہ رحمہ اللہ سے اس بارہ میں روایت کرتے ہیں جو رمضان المبارک میں قرآن مجید کو ہاتھ میں پکڑ کر قراءت کرتا ہے آپ رحمہ اللہ اس میں رخصت دیتے تھے۔(مصنف ابن ابی شیبہ (2/338)

ا۔اس روایت کو پیش کرتے ہوئے "ادراج "سے کام لیا گیا ہے کیونکہ اس میں مصحف کو ہاتھ میں پکڑنے کا ذکر نہیں ہے بلکہ اسکے الفاظ یوں ہیں

۲۔عَنْ شُعْبَةَ عَنِ الْحَكَمِ فِي الرَّجُلِ يَؤُمُّ فِي رَمَضَانَ يَقْرَأُ فِي الْمُصْحَفِ رَخَّصَ فِيهِ .(مصنف ابن ابی شیبہ 2/338 ح(7296)

یعنی امام شعبہ رحمہ اللہ ، امام حکم بن عتیبہ رحمہ اللہ سے اس بارہ میں روایت کرتے ہیں جو رمضان المبارک میں قرآن مجید سے دیکھ کر قراءت کرتا ہے آپ رحمہ اللہ اس میں رخصت دیتے تھے۔

۳۔باقی باتوں کا جواب پہلی دلیل کے جواب میں گزر چکا ہے۔

امام حسن بصری رحمہ اللہ اور امام ابن سیرین فرماتے ہیں کہ نماز میں قرآن مجید پکڑ کر قراءت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ (2/338:)

ا۔حسب سابق اس میں بھی "ادراج " کیا گیا ہے اصل روایت کے الفاظ یوں ہیں:

عَنِ الْحَسَنِ وَمُحَمَّدٍ قَالَا لَا بَأْسَ بِهِ .(مصنف ابن ابی شیبہ 338 /2 : ح(7297)

حسن بصری اور محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

۲۔یہ حرج کی نفی کس بات سے کی جارہی ہے اسکا اس روایت میں ذکر نہیں اور اسکا اندازہ سابقہ روایت سے لگایا جاسکتا ہے

جس میں مصحف سے دیکھ کر قراءت کا بیان ہے یا اس سے اگلی روایت سے مزید وضاحت ہو جاتی ہے کہ مصحف سے دیکھنا بھی وہ کب حرج نہیں سمجھتے۔ ملاحظہ ہو:

۳۔عَنِ الْحَسَنِ قَالَ :لَا بَأْسَ أَنْ يَؤُمَّ فِي الْمُصْحَفِ إِذَا لَمْ يَجِدْ يَعْنِي مَنْ يَقْرَأُ ظَاهِرًا۔(مصنف ابن ابی شیبہ: 2/338ح7299)

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی زبانی قرآن پڑھنے والا نہ ملے تو مصحف سے دیکھ کر امامت کروانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

یعنی جب تک ایسا شخص موجود ہو جسکو قرآن یا قرآن کا کچھ حصہ زبانی یاد ہے اسوقت تک مصحف سے دیکھ کر امامت کروانے کی رخصت یہ صاحب بھی نہیں دیتے۔ خوب سمجھ لیں۔

۴۔امام حسن بصری اور سعید بن المسیب سے اکیلے میں مصحف سے دیکھ کر قراءت کرنے کے بارہ میں مروی ہے:

عن سعيد والحسن أنهما قالا :في الصلاة في رمضان :تردد ما معك من القرآن ولا تقرأ في المصحف إذا كان معك ما تقرأ به في ليلته المصاحف , 776 , 775ابن أبي شيبة 2/339 اسکی سند صحیح ہے۔

سعید بن المسیب اور حسن بصری رحمہما اللہ دونوں قیام رمضان کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ جو قرآن آپکو یاد ہے اسے بار بار دھراتے رہو ,اور مصحف سے دیکھ کر نہ پڑھو جب تک تمہیں اسقدر یاد ہو کہ تم ایک رات کا قیام کر سکو۔

۵۔باقی تمام تر باتوں کا جواب پہلی دلیل کے جواب میں ہو چکا ہے۔

امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حالت نماز میں قرآن مجید سے دیکھ کر قراءت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ (2/338)

ا۔کیا کمال ہے کہ الفاظ سابقہ روایت اور اس روایت کے ایک ہی ہیں ملاحظہ فرمائیں :عَنْ عَطَاءٍ قَالَ :لَا بَأْسَ بِهِ . لیکن سابقہ روایت کا ترجمہ ذکر کرتے ہوئے "ہاتھ میں تھامنے " کا تذکرہ شاید معہود ذہنی تھا۔

۲۔ان باتوں کا جواب بھی پہلی دلیل کے جواب میں گزر چکا ہے۔

امام یحیی بن سعید الانصاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں :لا أرى بالقراءة من المصحف في رمضان بأسا میں رمضان المبارک میں قرآن مجید سے دیکھ کر قراءت کرنے میں کوئی حرج نہیں خیال کرتا (کتاب المصاحف ح(805)

محمد بن عبداللہ بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام زہری رحمہ اللہ سے قرآن مجید سے قراءت کر کے امامت کرانے کے بارہ میں پوچھا تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا :لم يزل الناس منذ كان الإسلام يفعلون ذلك (کتاب المصاحف ح (806)

اسلام کے شروع سے لے کر ہر دور میں مسلمان ایسا کرتے آئے ہیں۔

۱۔یہ امام زہری علیہ الرحمہ کا زعم ہے جو کہ باطل ہے کیونکہ اس پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

۲۔باقی جواب وہی ہے جو پہلی دلیل میں گزر چکا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ سے ایسے انسان کے بارہ میں پوچھا گیا جو رمضان میں قرآن مجید ہاتھ میں تھام کر امامت کراتا ہے تو آپ نے فرمایا لا بأس بذلك وإذا اضطروا إلى ذلك (کتاب المصاحف ح(808)

مجبوری ہو تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

ا۔اس روایت میں بھی حسب سابق "قرآن مجید ہاتھ میں تھام کر "کے الفاظ اپنی طرف سے اضافہ کیے گئے ہیں کیونکہ اس روایت کی اصل عبارت یوں ہے :ابن وہب قال :سمعت مالكا وسئل عمن يؤم الناس في رمضان في المصحف ؟ فقال :لا بأس بذلك إذا اضطروا إلى ذلك(المصاحف ح 808دوسرا نسخہ (688

ابن وہب فرماتے ہیں کہ امام مالک سے اس شخص کے بارہ میں سوال کیا گیا جو رمضان میں مصحف سے دیکھ کر امامت کرواتا تو میں نے سنا وہ فرماتے تھے اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور جب وہ اس کام پر مجبور ہو جائیں تو (بطریق اولی حرج نہیں۔

امام ایوب سختیانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :كان ابن سيرين يصلي والمصحف إلى جنبه فإذا تردد نظر فيه (المصاحف ح 813 مصنف عبد الرزاق ح(3931)

امام ابن سیرین رحمہ اللہ جب نماز پڑھتے تو قرآن مجید انکے پہلو میں پڑا ہوتا ,جب بھولتے تو اس سے دیکھ لیے۔

ا۔اس میں تو واضح ہوا کہ مصحف انکے ہاتھ میں نہ ہوتا تھا۔

۲۔مصحف سے مسلسل دیکھنے کی دلیل اس میں بھی موجود نہیں ہے،

۳۔مزید وضاحت ہو جاتی اگر کتاب المصاحف سے اسے قبل والی دو چار روایات نقل کر دی جاتیں تا کہ انکی نماز کی کیفیت مزید واضح ہو جاتی وہ روایات درج ذیل ہیں:

رأيت ابن سيرين يصلي متربعا والمصحف إلى جنبه فإذا تعايا في شيء أخذه فنظر فيه(المصاحف :ح 809 ,دوسرا نسخہ (689)

میں نے ابن سیرن کو آلتی پالتی (چوکڑی) مار کر نماز پڑھتے دیکھا اور مصحف انکے پہلو میں تھا تو جب وہ بھولتے تو اس میں سے دیکھ لیتے۔

كان محمد ينشر المصحف فيضعه إلى جانبه فإذا شك نظر فيه وهو في صلاة التطوع (المصاحف ح 811 ,دوسرا نسخہ 691) واسناد صحیح۔

محمد بن سیرین رحمہ اللہ مصحف کو کھول کر اپنے پہلو میں رکھ لیتے تو جب انکو شک ہوتا تو اس میں سے دیکھ لیتے اور یہ نفلی نماز کی بات ہے۔

یونس بن عبید بن دینار العبدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :دخلت علی ابن سیرین وھو یصلی قاعدا یقرأ فی مصحف وفی یدہ مروحۃ یتروح بھا (المصاحف ح 812 دوسرا نسخہ ح 692)

میں ابن سیرین کے پاس گیا اور وہ بیٹھ کر مصحف سے دیکھ کر نماز پڑھ رہے تھے اور انکے ہاتھ میں پنکھا تھا جس سے وہ ہوا لے رہے تھے۔

یعنی ابن سیرین بیٹھ کر نفلی نماز ادا فرماتے اور جس مقام سے تلاوت کرنا مقصود ہوتی مصحف کو اسی مقام سے کھول کر اپنے پہلو میں رکھ لیتے اور زبانی قراءت فرماتے اور جب کسی آیت کے بارہ میں شک پڑتا تو پھر مصحف سے دیکھ لیتے۔

امام ثابت البنانی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں :کان أنس یصلی وغلامہ یمسك المصحف خلفہ فإذا تعایا فی آیۃ فتح علیہ(مصنف ابن ابی شیبہ 2/338 , السنن الکبری للبیھقی 3/212)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نماز پڑھتے تھے۔انکا غلام انکے پیچھے قرآن مجید پکڑ کر کھڑا ہو جاتا تھا۔جب آپ کسی آیت پر رک جاتے تو وہ لقمہ دے دیتا تھا۔

ا۔اس روایت کے ترجمہ میں بھی " کھڑا ہو جاتا تھا " کے الفاظ مدرج ہیں کیونکہ اسکی عبارت میں ایسے کوئی الفاظ نہیں ہیں جن سے غلام کا پیچھے کھڑا ہونا ثابت ہو۔

۲۔اسی طرح اس روایت میں غلام کا مصروف صلاۃ ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا ہے۔کیونکہ عین ممکن ہے کہ غلام مصحف کو تھام کر پیچھے بیٹھا ہو اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ کو بوقت ضرورت لقمہ دے۔اور ایسا تو آج کل بھی بعض مساجد میں ہوتا ہے۔لہذا اس روایت سے استدلال باطل ہے کیونکہ اصول ہے کہ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

۳۔اگر یہ سب کچھ ثابت ہو بھی جائے تو بھی مردود ہے ان وجوہات کی بناء پر جو پہلی دلیل کے رد میں ذکر کی گئی ہیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وتابعین رحمہم اللہ کا موقف:

گو کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وتابعین عظام رحمہم اللہ کے اقوال وافعال دین باامر الہی وباتفاق امت حجت نہیں ہیں لیکن صرف دعوی اجماع کی قلعی کھولنے کے لیے چند ایک پیش خدمت ہیں کیونکہ موصوف کا یہ زعم باطل ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کے زمانے تک مصحف ہاتھ میں تھامنے یا مصحف سے دیکھ کر دوران نماز قراءت کرنے پر اجماع رہا ہے اور اختلاف بعد میں شروع ہوا۔

جس طرح کچھ صحابہ وتابعین سے دوران نماز مصحف سے دیکھ کر قراءت کرنے کی رخصت منقول ہے اسی طرح انہی ہی طبقہ

سے اس کی کراہت وممانعت بھی ماثور ہے۔

مثلا ا۔عن سويد بن حنظلة رضي الله عنه أنه مر بقوم يؤمهم رجل في المصحف فكره ذلك في رمضان ونحا المصحف أخرجه ابن أبي شيبة في المصنف - 7301) ط .عوامة 7224 = ط .الرشد)، وابن أبي داود في المصاحف 786)، 787ط .البشائر الإسلامية (وسنده صحيح)

سیدنا سوید بن حنظلہ رضی اللہ عنہ ایک قوم کے پاس سے گزرے جنکو ایک شخص مصحف سے دیکھ کر امامت کروا رہا تھا تو آپ نے اسے ناپسند فرمایا اور مصحف کو دور کر دیا ، یہ رمضان کا واقعہ ہے۔

۲۔عن مجاهد أنه كان يكره أن يتشبهوا بأهل الكتاب يعني أن يؤمهم في المصحف المصاحف 778, ابن أبي شيبه , 2/124 مصنف عبدالرزاق (2/419)

مجاہد رحمہ اللہ مصحف سے امامت کروانے کو اہل کتاب سے مشابہت کی بناء پر ناپسند فرماتے تھے۔

یہ حدیث حسن ہے اسکی ابن ابی شیبہ اور المصاحف والی سند میں لیث بن ابی سلیم متکلم فیہ ہے لیکن مصنف والی سند میں منصور بن المعتمر نے اسکی متابعت کر رکھی ہے جو کہ ثقہ ہے۔

اسی طرح کے اقوال حسن بصری ، ابراہیم نخعی ، حماد بن سلمہ ، قتادہ بن دعامہ اور سعید بن المسیب رحمہم اللہ وغیرہ سے بھی منقول ہیں۔(المصاحف , 789 ابن أبي شيبة , 2/124 دوسرانسخہ , 2/338 وسندہ حسن , مصنف ابن ابی شیبہ 3/339 المصاحف , 781 وسندہ صحیح , المصاحف 782 وسندہ صحیح)

اگر نمازی نے لکھا ہوا سمجھ لیا تو حکم نماز:

وَلَوْ نَظَرَ إِلَى مَكْتُوبٍ وَفَهِمَهُ فَالصَّحِيحُ أَنَّهُ لَا تَفْسُدُ صَلَاتُهُ بِالْإِجْمَاعِ بِخِلَافِ مَا إِذَا حَلَفَ لَا يَقْرَأُ كِتَابَ فُلَانٍ حَيْثُ يَحْنَثُ بِالْفَهْمِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ هُنَالِكَ الْفَهْمُ ، أَمَّا فَسَادُ الصَّلَاةِ فَبِالْعَمَلِ الْكَثِيرِ وَلَمْ يُوجَدْ .

ترجمہ:

اور اگر نمازی نے مکتوب کو دیکھا اور اس کو سمجھ لیا تو صحیح قول کے مطابق بہ اجماع اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ بخلاف اس کے کہ جب اس نے یہ قسم کھائی کہ وہ کتاب نہ پڑھے گا تو امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک وہ صرف سمجھنے سے ہی حانث ہو جائے گا۔ اس لئے کہ یہاں مقصود تو سمجھنا ہے اور جہاں تک فساد نماز کی بات ہے تو وہ عمل کثیر کی وجہ سے ہوتا ہے جو یہاں نہیں پایا گیا۔

نماز میں مصحف کو پڑھنے کے بارے میں فقہی احکام:

علامہ ملا علی قاری علی بن سلطان حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ نمازی کا مصحف پڑھنا مکروہ ہے۔ لیکن

اس کی نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ قرأت بھی عبادت ہے۔اور اس نے ایک عبادت کو دوسری عبادت کے ساتھ ملایا ہے۔ اور اس کی قرأت کی دلیل یہ ہے کہ یہ اہل کتاب کا عمل ہے۔اور اس کو اٹھانا اور اس کے اوراق کو پلٹنا اور اس میں دیکھنا یہ عمل کثیر ہے۔ لہذا اگر اس نے اٹھایا نہیں تو مفسد نہیں ہے۔(اگر عمل کثیر بن گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی ہمارے ہاں عرف اہل شرع کا یہی ہے کہ نماز میں قرأت زبانی کی جاتی ہے۔لہذا اگر کسی شخص نے دیکھ کر پڑھا یا ہاتھ میں اٹھا کر پڑھا تو اسے نمازی نہ سمجھا جائے گا اور اس سے اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔(ھذا ما عندی واللہ ورسولہ اعلم)۔

(شرح الوقایہ فی مسائل الہدایہ، ج ا،ص ۲۱۸، مکتبہ مشکاۃ الاسلامیہ)

اگر نمازی کے سامنے سے عورت گزرے تو حکم نماز:

(وَإِنْ مَرَّتْ امْرَأَةٌ بَيْنَ يَدَيْ الْمُصَلِّي لَمْ تَقْطَعْ صَلَاتَهُ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ مُرُورُ شَيْءٍ إلَّا أَنَّ الْمَارَّ آثِمٌ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ .

(لَوْ عَلِمَ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيْ الْمُصَلِّي مَاذَا عَلَيْهِ مِنْ الْوِزْرِ لَوَقَفَ أَرْبَعِينَ) وَإِنَّمَا يَأْثَمُ إذَا مَرَّ فِي مَوْضِعِ سُجُودِهِ عَلَى مَا قِيلَ وَلَا يَكُونُ بَيْنَهُمَا حَائِلٌ وَتُحَاذِي أَعْضَاءُ الْمَارِّ أَعْضَاءَهُ لَوْ كَانَ يُصَلِّي عَلَى الدُّكَّانِ .

ترجمہ

اور اگر کسی نمازی کے سامنے سے عورت گزری تو اس کا یہ گزرنا نماز کو کاٹنے والا نہیں ہے۔کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی چیز کا گذرنا نماز کو نہیں کاٹتا البتہ گذرنے والا گناہگار ہوگا۔کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نمازی کے آگے سے گزرنے والا اگر یہ جان لے کہ اس کی کیا سزا ہے تو وہ نمازی کے آگے سے گزرنے کے بجائے چالیس تک کھڑے رہنے کو بہتر خیال کرے۔اور گناہگار اس وقت ہوگا جب وہ سجدے والی جگہ سے گذرے اسی لئے کہا گیا ہے کہ ان دونوں کے درمیان کوئی پردہ جب نہ ہو اور گذرنے والے کے اعضاء نمازی کے اعضاء کے مقابل ہو جائیں۔اگر چہ وہ چبوترے پر بھی نماز پڑھتا ہو۔

نمازی کے سامنے سے گذرنے والے کیلئے وعید کا بیان:

حضرت ابوجہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔نمازی کے آگے سے گزرنے والا اگر یہ جان لے کہ اس کی کیا سزا ہے تو وہ نمازی کے آگے سے گزرنے کے بجائے چالیس تک کھڑے رہنے کو بہتر خیال کرے۔(اس حدیث کے ایک راوی) حضرت ابونضر فرماتے ہیں کہ چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس سال کہا گیا ہے۔

(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

حضرت امام طحاوی نے مشکل الآثار میں فرمایا ہے کہ، یہاں چالیس سال مراد ہے نہ کہ چالیس مہینے یا چالیس دن۔اور

انہوں نے یہ بات حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث سے ثابت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ آدمی جو اپنے بھائی کے آگے سے اس حال میں گزرتا ہے کہ وہ اپنے رب سے مناجات کرتا ہے (یعنی نماز پڑھتا ہے) اور وہ (اس کا گناہ) جان لے تو اس کے لیے اپنی جگہ پر ایک سو برس تک کھڑے رہنا زیادہ بہتر سمجھے گا بہ نسبت اس کے کہ وہ نمازی کے آگے سے گزرے۔ (مشکل آثار، از امام طحاوی علیہ الرحمہ)

بہرحال ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نمازی کے آگے سے گزرنا بہت بڑا گناہ ہے جس کی اہمیت کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اگر کسی آدمی کو یہ معلوم ہو جائے کہ نمازی کے آگے سے گزرنا کتنا بڑا گناہ ہے اور اس کی سزا کتنی سخت ہے تو وہ چالیس برس یا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق ایک سو برس تک اپنی جگہ پر مستقلاً کھڑے رہنا زیادہ بہتر سمجھے گا بہ نسبت اس کے کہ وہ نمازی کے آگے سے گزرے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز پڑھتے رہتے تھے اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور قبلے کے درمیان (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے) اس طرح پڑی رہتی تھی۔ جیسے جنازہ نمازیوں کے آگے رکھا ہوتا ہے۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم)

جنازے کی مثال دے کر اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول ہوتے تھے میں اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی گوشے وغیرہ میں نہیں پڑی رہتی تھی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پوری طرح لیٹی رہتی تھی اور اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے رہتے تھے۔ لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں نمازی کے آگے عورت کے آجانے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

نمازی کے آگے سے گدھی وغیرہ کا گزرنا نماز کو باطل نہیں کرتا:

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن جب کہ میں بالغ ہونے کے قریب تھا گدھی پر بیٹھا ہوا آیا اور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں لوگوں کے ہمراہ نماز پڑھ رہے تھے اور (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے) آگے کوئی دیوار نہیں تھی (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی سترہ نہیں کھڑا کر رکھا تھا)، میں بعض صفوں کے سامنے سے گزرا، پھر گدھی سے اتر کر اسے چھوڑ دیا وہ چرنے لگی اور میں صف میں داخل ہو گیا اور مجھے کسی نے کچھ نہیں کہا۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم)

اس واقعہ کو بیان کرنے سے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ بتانا مقصود ہے کہ نمازیوں کے آگے سے گدھی کے گزر جانے سے نماز باطل نہیں ہوئی۔ اس وقت حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ بالغ نہیں تھے اس لیے جب وہ نمازیوں آگے سے گزرے تو انہیں کسی نے روکا نہیں۔

میدان میں سترہ قائم کرنے کا بیان:

(وَيَنْبَغِي لِمَنْ يُصَلِّي فِي الصَّحْرَاءِ أَنْ يَتَّخِذَ أَمَامَهُ سُتْرَةً) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (إذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فِي الصَّحْرَاءِ فَلْيَجْعَلْ بَيْنَ يَدَيْهِ سُتْرَةً) (وَمِقْدَارُهَا ذِرَاعٌ فَصَاعِدًا) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (أَيَعْجِزُ أَحَدُكُمْ إذَا صَلَّى فِي الصَّحْرَاءِ أَنْ يَكُونَ أَمَامَهُ مِثْلُ مُؤْخِرَةِ الرَّحْلِ ،)

(وَقِيلَ يَنْبَغِي أَنْ تَكُونَ فِي غِلَظِ الْأُصْبُعِ) لِأَنَّ مَا دُونَهُ لَا يَبْدُو لِلنَّاظِرِ مِنْ بَعِيدٍ فَلَا يَحْصُلُ الْمَقْصُودُ (وَيَقْرُبُ مِنْ السُّتْرَةِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ صَلَّى إلَى سُتْرَةٍ فَلْيَدْنُ مِنْهَا) (وَيَجْعَلُ السُّتْرَةَ عَلَى حَاجِبِهِ الْأَيْمَنِ أَوْ عَلَى الْأَيْسَرِ) بِهِ وَرَدَ الْأَثَرُ وَلَا بَأْسَ بِتَرْكِ السُّتْرَةِ إذَا أَمِنَ الْمُرُورَ وَلَمْ يُوَاجِهْ الطَّرِيقَ .

ترجمہ:

اور جو آدمی صحراء میں نماز پڑھے اس کیلئے مناسب یہ ہے کہ وہ اپنے سامنے سترہ قائم کرے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا :جب تم میں سے کوئی شخص صحراء میں نماز پڑھے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے سامنے سترہ بنائے۔ اور سترہ کی مقدار ایک گز یا اس سے زیادہ ہو۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی نمازی جب صحراء میں عاجز آئے تو وہ اپنے سامنے موخرہ کی مثل کجاوے کو (سترہ بنائے)۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کی موٹائی انگلی کی مقدار کے برابر ہو۔ کیونکہ اس سے کم موٹائی تو دیکھنے والے کو نظر ہی نہ آئے گی۔ جس کی وجہ سے مقصود حاصل نہ ہوگا۔ اور نماز سترے کے قریب نماز پڑھے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص سترے کے ساتھ نماز پڑھے تو وہ سترے کے قریب رہے۔ اور وہ سترے کو اپنے دائیں یا بائیں حاجب کے سامنے بنائے۔ کیونکہ اثر اسی طرح وارد ہوا ہے۔ اور جب کسی کے گذرنے سے امن ہو تو سترہ کو ترک کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ جبکہ وہ راستے کے سامنے نہ ہو۔

احکام سترہ سے متعلق صاحب ہدایہ کی بیان کردہ احادیث کا بیان:

حضرت سیدنا ابوذرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :جب تم میں سے کوئی نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہو اور اس کے سامنے پالان کی پچھلی لکڑی کے برابر کوئی شے ہو، تو وہ آڑ کے لئے کافی ہے۔ اگر اتنی بڑی (یا اس سے اونچی) کوئی شے اس کے سامنے نہ ہو اور گدھا یا عورت یا سیاہ کتا سامنے سے گزر جائے تو اس کی نماز ٹوٹ جائے گی۔ میں نے کہا کہ اے ابوذرؓ! یہ سیاہ کتے کی کیا خصوصیت ہے اگر لال کتا ہو یا زرد ہو؟ انہوں نے کہا کہ اے میرے بھتیجے! میں نے بھی رسول اللہ ﷺ سے ایسے ہی پوچھا جیسے تو نے مجھ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا :سیاہ کتا شیطان ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم :258)

سترے کو قریب کھڑا کرنا چاہئے

حضرت سہل ابن حثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی آدمی سترے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے تو اسے چاہئے کہ وہ سترے کے قریب رہے تا کہ شیطان اس کی نماز نہ توڑے۔ (سنن ابوداؤد)

سترے کے قریب رہنے کا مطلب یہ ہے کہ سترا اتنا نزدیک کھڑا کیا جائے کہ سجدہ اس کے پاس ہو سکے تا کہ شیطان اس کی نماز میں کوئی خلل نہ ڈال سکے کیونکہ نمازی اگر سترے سے دور کھڑا ہوگا تو اس کے سامنے سے کسی کے گزرنے کا احتمال ہو گا۔ چنانچہ شیطان ایسی صورت میں اس کے دل میں وسواس وشبہات کے بیج بوئے گا جس سے حضوری قلب میں فرق آ جائے گا۔ اور نماز میں حضوری قلب کی دولت میسر نہیں رہی تو گویا اس کی نماز ٹوٹ گئی اس لیے کہ نماز کا کمال اور ثواب بغیر حضوری قلب کے حاصل نہیں ہوتا لہٰذا سترے کے قریب کھڑا ہونے کی وجہ سے اس آفت سے حفاظت حاصل ہوگی۔

سترہ پیشانی کے عین سامنے کھڑا نہیں کرنا چاہئے:

حضرت مقداد ابن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لکڑی، ستون یا درخت کی طرف (منہ کر کے) نماز پڑھتے ہوں اور یہ چیزیں ٹھیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑی ہوں بلکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داہنی یا بائیں بھووں (ابروں کے سامنے ہوتی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی سیدھ کا قصد نہ کرتے تھے۔ (سنن ابوداؤد)

مطلب یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سترہ کھڑا کرتے تھے تو اس بات کا بطور خاص خیال رکھتے تھے کہ سترہ پیشانی کے عین سامنے نہ ہو بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سترے کو دائیں یا بائیں بھووں کے سامنے کھڑا کرتے تھے اور اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ بت پرستی کی مشابہت نہ ہو۔

امام ومقتدی کیلئے احکام سترہ:

(وَسُتْرَةُ الْإِمَامِ سُتْرَةٌ لِلْقَوْمِ) لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ صَلَّى بِبَطْحَاءِ مَكَّةَ إلَى عَنَزَةٍ وَلَمْ يَكُنْ لِلْقَوْمِ سُتْرَةٌ (وَيُعْتَبَرُ الْغَرْزُ دُونَ الْإِلْقَاءِ وَالْخَطِّ) لِأَنَّ الْمَقْصُودَ لَا يَحْصُلُ بِهِ (وَيَدْرَأُ الْمَارَّ إذَا لَمْ يَكُنْ بَيْنَ يَدَيْهِ سُتْرَةٌ أَوْ مَرَّ بَيْنَهُ وَبَيْنَ السُّتْرَةِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (ادْرَءُوا مَا اسْتَطَعْتُمْ) (وَيَدْرَأُ بِالْإِشَارَةِ) كَمَا فَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَلَدَيْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا (أَوْ يَدْفَعُ بِالتَّسْبِيحِ) لِمَا رَوَيْنَا مِنْ قَبْلُ (وَيُكْرَهُ الْجَمْعُ بَيْنَهُمَا) لِأَنَّ بِأَحَدِهِمَا كِفَايَةً .

ترجمہ

اور امام کا سترہ ہی قوم کا سترہ ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے بطحاء مکہ میں دار عصا کی طرف نماز پڑھی اور قوم کیلئے کوئی سترہ نہ تھا اور سترے میں گاڑ دینا معتبر ہے۔ ڈال دینا یا خط کھینچنا معتبر نہیں۔ کیونکہ اس کے ساتھ مقصود ہی حاصل نہیں ہوتا۔ اور سترہ نہ ہونے کی صورت میں نماز اس کو دور کرے۔ یا جب گذرنے والا نمازی اور سترے کے درمیان سے گذرے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس قدر تم طاقت رکھتے ہوا سے دور کرو۔ اور وہ اشارے سے دور کرے جس طرح نبی کریم ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بیٹوں کو دور کیا تھا۔ یا اس کو تسبیح کے ساتھ دور کرے۔ اسی روایت کی وجہ سے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور ان دونوں کو جمع کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ ان دونوں میں سے ایک کافی ہے۔

سترے اور نمازی کے درمیان سے گزرنے والے کو روکنے کا حکم:

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی آدمی کسی ایسی چیز (یعنی سترے) کی طرف نماز پڑھے جو اس کے اور لوگوں درمیان حائل رہے اور کوئی آدمی اس کے آگے سے (یعنی نمازی اور سترے کے درمیان) سے گزرنے کا ارادہ کرے تو اسے روک دینا چاہئے اگر وہ نہ مانے تو اسے قتل کر دینا چاہئے کیونکہ وہ (ایسی صورت میں) شیطان ہے۔ (حدیث کے الفاظ صحیح البخاری کے ہیں اور مسلم نے اس روایت کو بالمعنی نقل کیا ہے)۔

قتل کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حقیقۃً ایسے آدمی کو موت کے گھاٹ اتار دینا چاہئے بلکہ قتل سے مراد یہ ہے کہ چونکہ نمازی کے آگے سے گزرنا بہت برا ہے اس لیے اگر کوئی آدمی نمازی کے آگے سے گزرنا چاہے تو اسے پوری طاقت وقوت کے ساتھ گزرنے سے روک کر اسے اتنی بڑی غلطی کے ارتکاب سے بچایا جائے۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ ایسے آدمی کو کسی ایسی چیز کے ذریعے روکا جائے جس کا استعمال اس روکنے کے سلسلے میں جائز ہو اور اس روک تھام میں اگر گزرنے ولا آدمی مر جائے تو علماء کے نزدیک متفقہ طور پر اس کا قصاص نہیں ہوگا۔ ہاں دیت کے واجب ہونے میں علماء کے ہاں اختلاف ہے، چنانچہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ ایسی شکل میں دیت واجب ہوگی اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ واجب نہیں ہوگی۔

حدیث میں ایسے آدمی کو شیطان کہا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان نے چونکہ اس آدمی کو بہکا کر اس غلط کام کو کرنے پر مجبور کیا لہٰذا وہ آدمی اس شیطانی کام کرنے کی بناء پر بمنزلہ شیطان کے ہوا۔

یا اس سے مراد یہ ہے کہ ایسا غلط کام کرنے والا آدمی انسانوں کا شیطان ہے اس لیے کہ شیطان کے معنی سرکش کے ہیں خواہ انسانوں میں سے ہو یا جنات میں سے ہو اسی لیے شریر النفس آدمی کو شیطان انس کہا جاتا ہے۔

سترہ نمازی کی محافظت کرتا ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عورت، گدھا اور کتا (نمازی کے آگے سے گزرنے کی صورت میں) نماز کو باطل کر دیتے ہیں اور کجاوہ کی پچھلی لکڑی کی مانند کسی چیز کو (نمازی کے آگے سترہ بنا کر) رکھ لینا (نماز کے) اس باطل کر دینے کو بچا لیتا ہے۔ (صحیح مسلم)

نمازی کے آگے سے گزرنا نماز کو باطل نہیں کرتا :

جمہور علمائے صحابہ وغیرہم کا یہ مذہب ہے کہ کوئی چیز یا کوئی آدمی اگر نمازی کے آگے سے گزر جائے تو نماز باطل نہیں ہوتی خواہ مذکورہ بالا تینوں چیزیں ہوں یا ان کے علاوہ کچھ اور ہوں۔ جہاں تک اس حدیث یا اسی طرح کی دوسری احادیث کا تعلق ہے سب دراصل نمازی کے سامنے سترہ کھڑا کرنے کی اہمیت اور تاکید بیان کرنے میں مبالغے کے طریقے پر ہیں۔ یا اس حدیث کی مراد یہ ہے کہ یہ تین چیزیں ایسی ہیں جو اگر نمازی کے آگے سے گزریں تو نماز میں خشوع وخضوع اور حضوری قلب کو کھو دیتی ہیں جو درحقیقت نماز کی اصل اور روح ہیں۔ یا پھر اس سے یہ مراد بھی لی جا سکتی ہے کہ نمازی کے آگے سے ان چیزوں کے گزرنے سے چونکہ نمازی کا دل ان کی طرف ہٹ جاتا ہے اور اس کا دل ان چیزوں کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اس لیے نماز بھی بطلان کے قریب پہنچ جاتی ہے۔

عورت، گدھے اور کتے کی تخصیص کی وجہ : حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نمازی کے آگے سے صرف ان تین چیزوں کے گزر جانے سے نماز پر اثر پڑ سکتا ہے۔ ان کے علاوہ دیگر چیزوں کے گزرنے سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ ان مذکورہ تین چیزوں کی تخصیص اسی لیے کی گئی ہے کہ ان کی طرف دل بہت زیادہ متوجہ ہو جاتا ہے چنانچہ عورت کی حیثیت تو ظاہری ہے گدھے کا معاملہ بھی یہ ہے کہ گدھے کے ساتھ چونکہ اکثر وبیشتر شیاطین رہتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اس کے چیخنے کے وقت اعوذ پڑھنا مستحب ہے اس لیے جب گدھا نمازی کے آگے سے گزرے گا تو نمازی کا دل اس احساس کی بناء پر کہ اس کے ہمراہ شیاطین ہوں گے گدھے کی طرف متوجہ ہو جائے گا۔ یا ایسے ہی کتا نہ صرف یہ کہ نجس عین ہوتا ہے بلکہ اس سے تکلیف پہنچنے کا بھی خطرہ رہتا ہے اس لیے اس کے گزرنے کی صورت میں بھی ذہن پوری تیزی کے ساتھ اس کی طرف بھٹک جاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی آدمی نماز پڑھنا چاہے تو اپنے منہ کے سامنے کچھ (مثلاً دیوار وستون وغیرہ) کر لے اور اگر کچھ نہ ملے تو اپنا عصا (ہی) کھڑا کر لیا کرے اور اگر اس کے پاس عصا بھی نہ ہو تو ایک لکیر ہی کھینچ لیا کرے پھر اس کے آگے سے کوئی گزر جائے تو کچھ نقصان نہ ہوگا (یعنی خشوع وخضوع میں خلل نہیں پڑے گا۔ (سنن ابوداؤد، سنن ابن ماجہ)

یہ حدیث اس بات کی اجازت دے رہی ہے کہ اگر کسی نمازی کو کوئی ایسی چیز دستیاب نہ ہو جو سترے کے طور پر کام دے

سکے تو وہ اپنے عصا کو اپنے سامنے سترہ بنا کر کھڑا کر لے۔ اب اس سلسلہ میں اتنی اور سہولت دی گئی ہے کہ اگر زمین نرم ہو تو عصا کو زمین میں گاڑ دیا جائے اور اگر زمین سخت ہو کہ عصا کو گاڑنا مشکل ہو تو پھر اس شکل میں عصا کو گاڑنے کی بجائے اپنے سامنے طولاً رکھ لیا جائے تا کہ گاڑنے کی مشابہت حاصل ہو جائے۔

فقہ کی کتاب شرح منیہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی نمازی اپنے عصا کو سترے کے طور پر بجائے زمین میں گاڑنے کے اپنے سامنے رکھ لے تو بعض علماء کے نزدیک تو اس کے لیے یہ سترے کے طور پر کافی ہو جائے گا۔ یعنی سترے کا حکم پورا ہو جائے گا مگر بعض علماء کے نزدیک یہ سترے کے طور پر کافی نہیں ہوگا۔

کفایہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی نمازی سترے کے طور پر عصا کو بجائے گاڑنے کے سامنے رکھنا چاہئے تو اسے عصا کو طولاً رکھنا چاہئے نہ کہ عرضاً۔

سترے کے لیے کوئی بھی چیز موجود نہ ہونے کی شکل میں سامنے صرف لکیر کھینچ لینے میں علماء کا اختلاف:

اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہو رہی ہے کہ اگر کسی نمازی کو سترہ بنانے کے لیے کوئی چیز نہ ملے یہاں تک کہ اس کے پاس عصا بھی نہ ہو تو وہ اپنے سامنے صرف لکیر کھینچ کر نماز پڑھ لے اس کے لیے یہی لکیر سترہ بن جائے گی۔ چنانچہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول قدیم اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک یہی ہے بلکہ حنفیہ میں بھی بعد کے بعض علماء نے اس قول کو اختیار کیا ہے۔

حنفیہ کے اکثر علماء اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کے قائل نہیں ہیں کیونکہ ان کے نزدیک لکیر کھینچ لینا معتبر نہیں ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی قول جدید میں اپنے پہلے مسلک کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ اس سلسلہ میں جو حدیث وارد ہے وہ ضعیف اور مضطرب ہے۔ نیز یہ کہ نمازی اور سامنے سے گزرنے والے کے درمیان سترے کے طور پر صرف لکیر کا حائل ہونا نہ صرف یہ کہ کوئی اعتبار نہیں رکھتا بلکہ دور سے معلوم و ممیز بھی نہیں ہوتا۔ صاحب ہدایہ (رحمۃ اللہ) علیہ نے بھی اسی مسلک کو اختیار کیا ہے۔ حضرت شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کا مفہوم بھی یہی ہے کہ لکیر کھینچنے کے بجائے سترہ کھڑا کرنا ہی اتباع سنت کی بناء پر اولیٰ اور بہتر ہے کیونکہ سامنے کھڑا ہوا سترہ پوری طرح ظاہر ہونے کی وجہ سے امتیاز بھی رکھتا ہے اور نمازی کے دل کو شک و شبہات سے نکال کر سکون خاطر اور اطمینان قلب کا باعث ہوتا ہے۔

اس کے بعد علماء نے وصف خط میں بھی اختلاف کیا ہے کہ لکیر کس طرح کھینچی جائے چنانچہ بعض علماء کے نزدیک لکیر بشکل ہلال کھینچی چاہئے اور بعض حضرات نے جانب قبلہ طولاً کھینچنے کو لکھا ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ لکیر عرضاً دائیں طرف سے بائیں طرف کو کھینچی جائے اور مختار طولاً ہی کھینچنا ہے۔

فَصْلٌ فِی الْمَکْرُوهَاتِ الصَّلٰوۃ

﴿یہ فصل نماز سے باہر والے مکروہات کے بیان میں ہے﴾

مکروہات نماز والی فصل کی مطابقت کا بیان:

اس فصل سے پہلے مصنف نے حدث فی الصلوٰۃ والی فصل کو ذکر کیا ہے۔اور یہ احداث ثقیل ہیں۔جبکہ نماز کے مکروہات ان کے مقابلے میں خفیف ہیں۔حدث ثقیل کو مقدم ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ قاطع نماز ہے۔جبکہ حدث خفیف میں نماز مع الکراہت ہو جاتی ہے۔لہذا نماز کے مفسدین کو پہلے ذکر کیا ہے تاکہ فساد نماز سے احتراز کیا جائے۔جبکہ مکروہات کو بعد میں ذکر کیا کیونکہ ان پر وعید قلیل ہے۔اور ان کو بعد میں ذکر کرنے کی یہ وجہ بھی ہے کہ جو نماز مفسد سے بچے اس میں کراہت پائی جاسکتی ہے۔کیونکہ اگر اس میں مفسد پایا گیا تو کراہت کی طرف جانے کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ نماز تو فاسد ہو چکی حکم کراہیت کی طرف جانے کا موقع ہی نہیں رہتا۔

نماز میں عبث کاموں کی کراہت کا بیان:

(وَيُكْرَهُ لِلْمُصَلِّي أَنْ يَعْبَثَ بِثَوْبِهِ أَوْ بِجَسَدِهِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (إنَّ اللَّهَ تَعَالَى كَرِهَ لَكُمْ ثَلَاثًا ، وَذَكَرَ مِنْهَا الْعَبَثَ فِي الصَّلَاةِ) وَلِأَنَّ الْعَبَثَ خَارِجَ الصَّلَاةِ حَرَامٌ فَمَا ظَنُّكَ فِي الصَّلَاةِ

(وَلَا يُقَلِّبُ الْحَصَى) لِأَنَّهُ نَوْعُ عَبَثٍ (إلَّا أَنْ لَا يُمَكِّنَهُ مِنْ السُّجُودِ فَيُسَوِّيَهُ مَرَّةً وَاحِدَةً) (لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مَرَّةً يَا أَبَا ذَرٍّ وَإِلَّا فَذَرْ) وَلِأَنَّ فِيهِ إصْلَاحَ صَلَاتِهِ

(وَلَا يُفَرْقِعُ أَصَابِعَهُ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا تُفَرْقِعْ أَصَابِعَكَ وَأَنْتَ تُصَلِّي) (وَلَا يَتَخَصَّرُ) وَهُوَ وَضْعُ الْيَدِ عَلَى الْخَاصِرَةِ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَى عَنْ الِاخْتِصَارِ فِي الصَّلَاةِ ، وَلِأَنَّ فِيهِ تَرْكَ الْوَضْعِ الْمَسْنُونِ .

ترجمہ

اور نمازی کیلئے اپنے کپڑے یا بدن سے کھیلنا مکروہ ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی نے تمہارے لئے تین چیزوں کو ناپسند کیا ہے۔اور ان میں آپ ﷺ نے نماز میں عبث کو بھی ذکر کیا ہے۔کیونکہ عبث نماز سے باہر حرام ہے تو تیرا نماز میں کیا خیال ہے۔

اور وہ کنکریوں کو نہ پلٹے کیونکہ یہ بھی ایک عبث کام کی قسم ہے۔لیکن جب اس کو سجدہ کرنا ممکن نہ ہو تو وہ ایک مرتبہ اسے برابر کردے۔کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے ابوذر! ایک بار دور کرو ورنہ اسے بھی چھوڑ دو۔کیونکہ اسی میں نماز کی اصلاح ہے۔

اور وہ اپنی انگلیوں کو نہ چٹخائے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم انگلیوں کو نہ چٹخاؤ جب تم حالت نماز میں ہو۔اور تخصر بھی نہ کرے اور تخصر یہ ہے کہ ہاتھوں کو کوکھ پر رکھنا ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے تخصر کرنے سے منع کیا ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے ترک سنت ہوتا ہے۔

نماز میں کھیلنے کی ممانعت وکراہت کا بیان:

عن یحی بن کثیر رضی اللہ تعالی عنہ مرسلا عن النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم :اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی کَرِہَ لَکُمْ سِتًّا، اَلْعَبَثُ فِی الصَّلَاۃِ وَالْمَنُّ فِی الصَّدَقَۃِ وَالرَّفَثُ فِی الصِّیَامِ ، وَالضِّحْکُ عِنْدَالْقُبُوْرِ ، وَدُخُوْلُ الْمَسَاجِدِ وَاَنْتُمْ جُنُبٌ وَاِدْخَالُ الْعُیُوْنِ فِی الْبُیُوْتِ بِغَیْرِ اِذْنٍ ۔

(حاشیة الاتقان فی علوم القرآن الجامع الصغیر للسیوطی، / السنن لسعید بن منصور)

حضرت یحیی بن کثیر رضی اللہ تعالی عنہ سے مرسلا روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالی تمہارے لئے چھ چیزیں ناپسند فرماتا ہے۔ نماز میں کھیلنا ،صدقہ کر کے احسان جتانا ،روزہ میں فحش گوئی کرنا، قبرستان میں ہنسنا، مسجدوں میں حالت جنابت میں داخل ہونا، بغیر اجازت کسی کے گھر میں نظر ڈالنا۔

نماز میں تشبیک کی کراہت کا بیان:

حضرت کعب ابن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی وضو کرے تو اچھی طرح وضو کرے پھر نماز کا ارادہ کر کے مسجد کی طرف چلے (تو اسے چاہیے کہ راستے میں انگلیوں کے درمیان تشبیک نہ کرے کیونکہ وہ اس وقت سے گویا نماز میں ہے۔ (مسند احمد بن حنبل، جامع ترمذی، ابوداؤد، سنن نسائی، دارمی)

حدیث کے پہلے جزء کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی آدمی وضو کرے تو اسے چاہئے کہ وہ وضو کی تمام شرائط وآداب کو ملحوظ رکھے اور حضور قلب کے ساتھ وضو کرے تا کہ وضو پورے کمال اور حسن کے ساتھ ادا ہو۔ چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ جس قدر توجہ اور حضور قلب وضو میں حاصل ہوگا اسی قدر نماز میں خشوع وخضوع اور توجہ پیدا ہوگی۔

تشبیک کیا ہے؟ حدیث کے دوسرے جزء کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی وضو کے بعد نماز کے ارادے سے مسجد کی طرف چلے تو راستے میں انگلیوں کے درمیان تشبیک نہ کرے یعنی ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر کھیلتا ہوا نہ چلے کیونکہ جب وہ نماز کی نیت سے گھر سے نکلا ہے تو گویا وہ نماز ہی میں ہے اور خشوع وخضوع کے منافی ہونے کی وجہ سے تشبیک چونکہ نماز میں ممنوع ہے اس لیے نماز کے راستے میں بھی یہ ممنوع ہے اسی پر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ جو چیز نماز میں ممنوع ہے وہ نماز کے لیے مسجد آتے ہوئے راستے میں بھی ممنوع ہوگی۔

اس حدیث سے اس بات پر تنبیہ مقصود ہے کہ بندے کو چاہئے کہ وہ نماز کے راستے میں حضور اور خشوع وادب اور وقار کے

ساتھ چلے محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب صحیح البخاری میں ایک باب مسجد میں تشبیک کے موضوع پر قائم کیا ہے جس کے تحت انہوں نے دو حدیثیں نقل کی ہیں دونوں حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مسجد میں انگلیوں کے درمیان تشبیک جائز ہے لہذا علماء کرام نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے ثابت شدہ ممانعت کا تعلق اس صورت میں ہے کہ جب کوئی آدمی انگلیوں کے درمیان تشبیک محض کھیل اور تفریح طبع کی خاطر کرے اور کوئی آدمی بطریق تمثیل کرے تو جائز ہے یا پھر صحیح البخاری کی روایت کردہ احادیث کی یہ توجیہ بھی کی جاسکتی ہے کہ ان احادیث کا تعلق اس وقت سے ہے جب کہ انگلیوں کے درمیان تشبیک کی ممانعت کا حکم نہیں ہوا تھا۔ واللہ اعلم۔

نماز میں کلام کرنا منع ہے:

حضرت سیدنا زید بن ارقمؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ نماز میں باتیں کیا کرتے تھے، ہر شخص اپنے پاس والے سے نماز پڑھتے پڑھتے بات کرتا تھا۔ یہاں تک کہ یہ آیت اللہ کے سامنے چپ چاپ (فرمانبردار ہوکر) کھڑے ہو نازل ہوئی تب سے ہمیں خاموش رہنے کا حکم ہوا اور بات کرنا منع ہوگیا۔ (صحیح مسلم، رقم ۳۴۴)

نماز میں اختصار کرنا منع ہے:

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز میں اختصار (یعنی کوکھ پر ہاتھ رکھنا) دوزخیوں کے آرام لینے کی صورت ہے۔ (ابوداؤد)

سعید بن زیاد بن صبیح سے روایت ہے کہ میں نے ایک مرتبہ ابن عمر کے پہلو میں نماز پڑھی تو میں نے اپنا ہاتھ کمر پر رکھ لیا۔ جب نماز ہو چکی تو فرمایا یہ تو نماز میں صلب ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے منع فرمایا کرتے تھے۔ (ابوداؤد)

وہاں یہ بھی بتایا جاچکا ہے کہ میدان حشر میں جب دوزخی کھڑے کھڑے بہت زیادہ تکلیف محسوس کریں گے تو وہ اپنے کوکھ پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو جائیں گے اور اس طرح وہ کچھ دیر کے لیے آرام اور سکون کی خواہش کریں گے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہونے کو منع فرمایا ہے کہ دوزخیوں کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔

دائیں بائیں گردن موڑنے کی کراہت کا بیان:

(وَلَا يَلْتَفِتُ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "لَوْ عَلِمَ الْمُصَلِّي مَنْ يُنَاجِي مَا الْتَفَتَ " (وَلَوْ نَظَرَ بِمُؤْخِرِ عَيْنِهِ يَمْنَةً وَيَسْرَةً مِنْ غَيْرِ أَنْ يَلْوِيَ عُنُقَهُ لَا يُكْرَهُ) لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ يُلَاحِظُ أَصْحَابَهُ فِي صَلَاتِهِ بِمُوقِ عَيْنَيْهِ .

ترجمہ:

اور وہ نماز میں التفات نہ کرے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کاش! نمازی یہ جان لیتا کہ وہ کس سے مناجات کر رہا ہے تو

وہ کبھی توجہ نہ ہٹاتا۔ اور اگر نمازی نے گردن پھیرے بغیر دائیں بائیں نظر کی تو مکروہ نہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ اپنی آنکھوں کے گوشے سے صحابہ کرام کا ملاحظہ فرمایا کرتے تھے۔

نماز میں نظر پھیرنے والی روایت کی سند کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ یہ حدیث: "**لَوْ عَلِمَ الْمُصَلِّي مَنْ يُنَاجِي مَا الْتَفَتَ**" اسی طرح روایت نہیں کی گئی۔ بلکہ اس کا معنی ابن ماجہ میں امام ابن ماجہ نے اس طرح بیان کیا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب کوئی بندہ نماز میں ہوتا ہے تو اللہ عزوجل اس بندے کی طرف اس وقت تک متوجہ رہتا ہے جب تک وہ ادھر ادھر (گردن پھیر کر) نہیں دیکھتا چنانچہ جب بندہ ادھر ادھر دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے منہ پھیر لیتا ہے۔ (مسند احمد بن حنبل، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، دارمی)

ابن ملک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے منہ پھیرنے سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی نمازی حالت نماز میں گردن پھیر کر ادھر ادھر دیکھتا ہے تو اس کے ثواب میں کمی ہو جاتی ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک صحیح روایت نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ جب بندہ نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو پروردگار اپنی بزرگ و برتر ذات کے ساتھ اس طرف متوجہ ہوتا ہے (مگر) جب وہ بندہ (نماز میں) ادھر ادھر دیکھتا ہے اور اپنی نظر کو غیر کی طرف متوجہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم تو کس کی طرف دیکھ رہا ہے؟ کیا تیرے لیے مجھ سے بھی کوئی بہتر ہے کہ جس کی طرف تیری نظر متوجہ ہو رہی ہے؟ میری طرف اپنا منہ پھیر جب بندہ دوبارہ ادھر ادھر دیکھتا ہے تو پروردگار پھر یہی فرماتا ہے اور جب تیسری مرتبہ ادھر ادھر دیکھتا ہے تو اللہ جل شانہ اپنے روئے مبارک جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے اس بندے کی طرف سے پھیر لیتا ہے۔

نماز میں ادھر ادھر دیکھنا کیسا ہے؟

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ نماز میں ادھر ادھر دیکھنا کیسا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ شیطان کی جھپٹ ہے وہ آدمی کی نماز پر ایک جھپٹ مارتا ہے۔ (بخاری، ۷۳۰)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کے بارے میں پوچھا کہ آیا یہ مفسد نماز ہے یا نہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اچک لینا ہے کہ شیطان بندے کی نماز میں سے اچک لیتا ہے۔ (صحیح البخاری و صحیح مسلم)

مطلب یہ ہے کہ جب کوئی آدمی نماز میں پوری توجہ اور پورے آداب کے ساتھ نہیں کھڑا رہتا بلکہ ادھر ادھر دیکھتا ہے تو شیطان مردود ایسے نمازی کی نماز کے کمال کو اچک لیتا ہے یعنی اس طرح نماز کا کمال باقی نہیں رہتا یہاں ادھر ادھر دیکھنے سے

مراد یہ ہے کہ نماز میں کوئی آدمی گردن گھما کر ادھرادھر اس طرح دیکھے کہ منہ قبلے کی طرف سے پھر جائے تو اس کا مسئلہ یہ ہے کہ ایسے آدمی کی نماز مکروہ ہو جاتی ہے۔

اور اگر کوئی آدمی نماز میں ادھرادھر اس طرح دیکھے کہ منہ کے ساتھ ساتھ سینہ بھی قبلے کی طرف بالکل پھر جائے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کن انکھیوں سے ادھرادھر دیکھنے سے نہ تو نماز فاسد ہوتی ہے اور نہ مکروہ ہوتی ہے البتہ یہ بھی خلاف اولیٰ ہے۔

نماز میں کتے کی طرح بیٹھنے کی کراہت کا بیان:

(وَلَا يُقْعِي وَلَا يَفْتَرِشُ ذِرَاعَيْهِ) (لِقَوْلِ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ :نَهَانِي خَلِيلِي عَنْ ثَلَاثٍ :أَنْ أَنْقُرَ نَقْرَ الدِّيكِ ، وَأَنْ أُقْعِيَ إقْعَاءَ الْكَلْبِ ، وَأَنْ أَفْتَرِشَ افْتِرَاشَ الثَّعْلَبِ) .وَالْإِقْعَاءُ :أَنْ يَضَعَ أَلْيَتَيْهِ عَلَى الْأَرْضِ وَيَنْصِبَ رُكْبَتَيْهِ نَصْبًا هُوَ الصَّحِيحُ .

ترجمہ

اور وہ اقعاء نہ کرے اور اپنے بازوؤں کو نہ بچھائے۔ کیونکہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ میرے محبوب نے مجھے تین چیزوں سے منع کیا۔(۱) یہ میں مرغ کی طرح چونچ ماروں (۲) کتے کی طرح بیٹھوں (۳) لومڑی کی طرح ہاتھ بچھاؤں۔ اور اقعاء یہ ہے کہ وہ اپنے دونوں الیتین (پٹ) کو زمین پر رکھے اور دونوں گھٹنوں کو کھڑا کرلے۔ یہی صحیح ہے۔

نماز میں اقعاء کرنے کی ممانعت:

حضرت طاؤس کہتے ہیں کہ ہم نے سیدنا ابن عباسؓ سے کہا کہ اقعاء کی بیٹھک کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ یہ سنت ہے۔ ہم نے کہا کہ ہم تو اس بیٹھک کو آدمی پر (یا پاؤں پر) ستم سمجھتے ہیں۔ انہوں نے کہا (نہیں) بلکہ وہ تو تمہارے نبی ﷺ کی سنت ہے۔ (اقعاء یہ ہے کہ دونوں پاؤں کھڑے کرکے ایڑیوں پر بیٹھنا)۔ (صحیح مسلم :303)

نماز میں سلام کے جواب دینے کا بیان:

(وَلَا يَرُدُّ السَّلَامَ بِلِسَانِهِ) لِأَنَّهُ كَلَامٌ (وَلَا بِيَدِهِ) لِأَنَّهُ سَلَامٌ مَعْنًى حَتَّى لَوْ صَافَحَ بِنِيَّةِ التَّسْلِيمِ تَفْسُدُ صَلَاتُهُ

(وَلَا يَتَرَبَّعُ إلَّا مِنْ عُذْرٍ) لِأَنَّ فِيهِ تَرْكَ سُنَّةِ الْقُعُودِ (وَلَا يَعْقِصُ شَعْرَهُ) وَهُوَ أَنْ يَجْمَعَ شَعْرَهُ عَلَى هَامَتِهِ وَيَشُدَّهُ بِخَيْطٍ أَوْ بِصَمْغٍ لِيَتَلَبَّدَ ، فَقَدْ رُوِيَ أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَى أَنْ يُصَلِّيَ الرَّجُلُ وَهُوَ مَعْقُوصٌ .

ترجمہ:

اور وہ اپنی زبان کے ساتھ سلام کا جواب نہ دے۔ کیونکہ یہ کلام ہے اور نہ ہی اپنے ہاتھ سے سلام کا جواب دے کیونکہ یہ کلام کے حکم میں ہے حتیٰ کہ اگر اس نے سلام کی نیت سے مصافحہ کرلیا تو اس کی نماز فاسد ہوجائے گی۔

اور وہ بغیر عذر کے چارزانو ہوکر نہ بیٹھے۔ کیونکہ اس میں سنت قعود کا ترک کرنا آتا ہے۔ اور بالوں کا عقص نہ کرے۔ اور عقص یہ ہے کہ وہ اپنے بالوں کو پیشانی پر جمع کرتے ہوئے دھاگے کے ساتھ باندھے یا ان کو گوند سے جوڑا کرے۔ تاکہ وہ چپک جائیں۔ کیونکہ یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے معقوص کی حالت میں نماز پڑھنے سے منع کیا ہے۔

نماز میں سلام وکلام کا ممنوع ہونا ثابت ہے:

امام بخاری علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کو سلام کرتے تھے حالانکہ آپ ﷺ نماز میں ہوتے تھے اور آپ ﷺ ہمیں جواب بھی دے دیا کرتے تھے۔ پھر جب ہم نجاشی (بادشاہ حبش) کے پاس سے لوٹ کر آئے تو ہم نے آپ ﷺ کو نماز میں سلام کیا، تو آپ ﷺ نے ہمیں جواب نہ دیا اور نماز مکمل کرنے کے بعد فرمایا: نماز میں (اللہ کے ساتھ) مشغولیت ہوتی ہے۔ اس لیے نماز میں اور کسی طرف مشغول نہ ہونا چاہیے۔ (بخاری، رقم، ۶۲۴)

امام ابوداؤد علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ابتداء میں) ہم میں سے ایک آدمی اپنے برابر والے سے نماز میں (ضرورت کی) بات کرلیتا پس یہ آیت نازل ہوئی وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ یعنی اللہ کے آگے خاموش کھڑے رہو پس اس طرح ہمیں سکوت کا حکم ہوا اور گفتگو کی ممانعت ہوئی۔ (سنن ابوداؤد)

حضرت سیدنا جابر بن سمرہؓ کہتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تو نماز کے اختتام پر دائیں بائیں السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہوئے ہاتھ سے اشارہ بھی کرتے تھے۔ تو (یہ دیکھ کر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ اپنے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کرتے ہو جیسے شریر گھوڑوں کی دُمیں ہلتی ہیں، تمہیں یہی کافی ہے کہ تم قعدہ میں اپنی رانوں پر ہاتھ رکھے ہوئے دائیں اور بائیں منہ موڑ کر السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا کرو۔ (صحیح مسلم، رقم ۳۱۱)

نماز میں سلام پھیرتے وقت جس طرح ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے سلام کرنا منع ہوا تو داخل نماز میں زبان سے یا اشارے سلام کرنا بدرجہ اولیٰ منع ہے۔

نماز کے مکروہات کا بیان:

امام ابوداؤد علیہ الرحمہ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ظلم یا جہالت اور گنوار پن کی بات ہے کہ مرد نماز سے فارغ ہونے سے پہلے بار بار پیشانی کو پونچھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا نماز میں اپنی انگلیاں مت چٹخاؤ۔ (کہ دیکھنے والے کو ایسا محسوس ہو جیسے تم زبردستی قیام کر رہے ہو)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں منہ ڈھانپنے سے منع فرمایا۔

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صاحب کو نماز میں ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالے ہوئے دیکھا تو آپ نے اس کے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں کھول (کر الگ الگ کر) دیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی جمائی لے تو اپنا ہاتھ منہ پر رکھ لے اور آواز نہ نکالے اس لئے کہ اس پر شیطان (خوش ہو کر) ہنستا ہے۔

حضرت عدی بن ثابت اپنے والد سے وہ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نماز میں تھوکنا، رینٹ نکالنا، حیض اور نفاس شیطان کی طرف سے ہیں۔ (سنن ابوداؤد)

کف ثوب اور سدل ثوب کی ممانعت کا بیان:

(وَلَا يَكُفُّ ثَوْبَهُ) لِأَنَّهُ نَوْعُ تَجَبُّرٍ (وَلَا يُسْدِلُ ثَوْبَهُ) لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَى عَنْ السَّدْلِ ، وَهُوَ أَنْ يَجْعَلَ ثَوْبَهُ عَلَى رَأْسِهِ وَكَتِفَيْهِ ثُمَّ يُرْسِلَ أَطْرَافَهُ مِنْ جَوَانِبِهِ

ترجمہ

اور وہ اپنے کپڑے کو فولڈ نہ کرے۔ کیونکہ یہ بھی تکبر کی قسم ہے اور نہ ہی اپنے کپڑے کو لٹکائے۔ کیونکہ سدل کرنے سے نبی کریم ﷺ نے منع کیا ہے اور سدل یہ ہے کہ اپنے کپڑے کو سر اور کندھوں پر ڈال کر اس کے کناروں کا اپنے اطراف میں لٹکا ہوا چھوڑ دے۔

کف شعر کے بارے میں دلائل شرعیہ کا بیان:

یعنی نماز اس طرح پڑھنا کہ بالوں کا جوڑا بنایا ہو، اس سے بھی سرکار ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ یہ متعدد روایات میں ہے۔ کہ کف شعر نہ کیا جائے۔ ابوداؤد میں سند جید سے مروی ہے کہ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ آپ نماز اس حال میں پڑھ رہے ہیں کہ آپ نے اپنی زلفوں کا اپنی گردن پر جوڑا بنایا ہوا ہے، تو آپ نے جوڑا کھول دیا اور آپ (حضرت ابو رافع) نے فرمایا: میں نے سید دو عالم ﷺ سے سنا ہے کہ وہ کفل الشیطان ہے۔ یعنی شیطان کا حصہ، یا فرمایا، مقعد الشیطان ہے یعنی شیطان کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا اس طرح پڑھنا نہایت ناپسندیدہ عمل اور

مکروہ ہے۔اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے عبداللہ بن حارث کو اس حال میں نماز پڑھتے دیکھا کہ ان کے بال معقوص ہیں، (جوڑا بنایا ہوا) تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ان کے پیچھے کھڑے ہو گئے اور ان کو کھولنا شروع فرمایا اور ساتھ ہی ایک روایت سرکار ابد قرار ﷺ سے نقل فرمائی۔

جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایسے حال میں نماز پڑھنا آپ کو ناپسند ہے۔اس کے علاوہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حدیث نے دلالت کی اس بات پر کہ اگر کسی نے بالوں کا جوڑا بنا کر نماز ادا کی، تو اس کی نماز مکروہ ہوگی۔آگے فرماتے ہیں: جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اس طرح نماز پڑھنا منع ہے۔چاہے نماز کے لئے ہی قصداً ایسا کیا ہو یا نماز سے پہلے کسی اور غرض کے لئے ایسا کیا گیا ہو۔ہر حال میں اسطرح نماز ادا کرنا منع ہے۔اور فرماتے ہیں: عقص کا معنی یہ ہے کہ سر کے وسط میں بالوں کو اکٹھا کر لیا جائے اور دھاگہ سے باندھا یا گوند سے چپکا لیا جائے۔

ان روایات سے معلوم ہوا کف شعر یعنی بالوں کو لپیٹ کر جوڑا بنا کر نماز پڑھنا واجب الاعادہ ہے۔تاہم علماء سے مکروہ تنزیہی کا بھی قول مروی ہے۔بہر حال مطلقاً کراہت پر اتفاق ہے۔آگے اختلاف کراہت تحریمی یا کراہت تنزیہی میں ہے۔حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اس حال میں سجدہ کر رہا ہے کہ اس کے بالوں کا جوڑا بنایا ہوا ہے۔تو آپ نے فرمایا: جوڑا کھول دے تا کہ بال بھی سجدہ کریں۔(یہ تمام مضمون عینی جلد نمبر 6 ص 91 پر درج ہے)۔

فتح الباری والے فرماتے ہیں کہ حضرت ابو رافع اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے عمل سے یہ مفہوم ملتا ہے کہ عین نماز کی حالت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جائز ہے کہ انہوں نے عملاً نماز کا جوڑا کھول دیا اور جوڑا بنانے سے منع فرمایا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ انہوں نے بھی نماز کی حالت میں تبلیغ فرمائی۔آجکل فیشن کا دور ہے طرح طرح سے فیشنی بال بنائے جاتے ہیں اور خلاف سنت انگریزی طرز پر بال رکھے جاتے ہیں۔اس طرح کے بال بنانا سخت منع ہے اور تقلید نصاریٰ ہے اور ایسی حالت میں نماز کا مکروہ ہونا واضح ہے۔اس پر مستزاد یہ ہے کہ اکثر حضرات داڑھی منڈواتے یا کتراتے ہیں یہ بھی حرام ہے۔ایک مشت یعنی چار انگل کی مقدار داڑھی رکھنا واجب ہے۔لیکن بعض حضرات کو ایسا کرتے بھی دیکھا ہے کہ داڑھی کٹواتے تو نہیں ہیں، لیکن داڑھی کے بال کرتے ہیں اور موڑ موڑ کر اس طرح بنا لیتے ہیں کہ داڑھی چھوٹی معلوم ہو، یہ بھی سخت منع ہے اور کٹانے کے حکم میں داخل ہے اور اس طرح نماز پڑھانا مکروہ ہے۔

ہمارے بعض آئمہ بھی بہت کوتاہی کرتے ہیں، کچھ داڑھی کٹاتے ہیں اور کچھ داڑھی کو کرتے ہیں۔مولیٰ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے۔بالخصوص آئمہ حضرات کو اس کی طرف خصوصی توجہ دینی چاہیئے۔کف ثوب: لغوی معنیٰ ہے کپڑا کا موڑنا اور سجدہ میں جاتے وقت اپنے کپڑے کو اوپر کی طرف کھینچنا ہے۔اس حدیث میں مذکور ہے۔جس طرح کف شعر کی ممانعت ہے ایسے ہی

کف ثوب کی بھی ممانعت ہے۔کف ثوب میں تعمیم ہے۔خواہ نیفے کی جانب کپڑا اُگھر سا ہو یا پائچے کی جانب سے کپڑا لپٹا ہو یا کلائیوں پر کپڑا سمیٹا ہوا ہو۔مطلق کف ثوب ان سب صورتوں کو شامل ہے اوران جیسی سب صورتیں منع اور مکروہ ہیں۔بعض حضرات کا پاجامہ یا شلوار اتنی لمبی ہوتی ہے کہ ٹخنے کے نیچے تک جاتی ہے اورنماز پڑھتے وقت ٹخنوں کے اوپر کرنے کیلئے شلوار یا پاجامہ کو نیفے سے گھرس لیتے ہیں یا پائچے کی جانب سے لپیٹ لیتے ہیں۔یہ شدید مکروہ ہے۔ٹھیک ہے ٹخنے کے نیچے تک کپڑا ہونا مکروہ ہے۔لیکن یہ اس سے بھی زیادہ کراہت ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ اتنی لمبی شلوار وغیرہ سلوانی ہی نہ چاہیے کہ ٹخنے سے نیچے رہے کیونکہ یہ صرف نماز کی حالت میں ہی خرابی نہیں، بلکہ عام حالت میں بھی یہ ایسی ہی خرابی ہے۔جتنی نماز کی حالت میں، کیونکہ جس حدیث میں آپ ? نے منع فرمایا ہے وہ ہر حالت کو شامل ہے۔خواہ نماز میں یا غیر نماز میں، پھر شلوار وغیرہ لمبی ہوتی ہے تو پھر یہ تکلفات کرنے پڑتے ہیں کبھی پائچے کی جانب سے کپڑا لپیٹنا یا نیفے کی جانب سے کپڑا اگھرسنا اور کف ثوب کرنا۔جس سے سرکار دوعالم ? نے منع فرمایا ہے ۔اس مذکورہ حدیث کے علاوہ بھی امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی اکرم ? فرماتے ہیں: مجھے کف ثوب اور کف شعر سے منع فرمایا گیا اور ترمذی شریف میں بھی اس حدیث کی تخریج امام ترمذی نے فرمائی ہے اور یہ فرمایا: ھذا حدیث حسن صحیح۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ان احادیث سے ثابت ہوا کہ نماز میں کف ثوب چاہے نیفے کی جانب، چاہے ٹخنے کی جانب، چاہے کہنیوں پر کپڑا لپیٹنا سب صورتیں منع اور مکروہ ہیں اور فقہاء کرام کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے یہ کراہت تحریمی اور گناہ ہے۔

کف شعر کے متعلق اقوال فقہاء کرام:

درمختار میں ہے: کف ثوب مکروہ ہے، یعنی کپڑے کا اٹھانا، اگرچہ کپڑا مٹی سے بچانے کیلئے کیا ہو جیسے آستین اور دامن کو موڑنا۔اگر ایسی حالت میں نماز میں داخل ہوا کہ اس کی آستین یا اس کا دامن موڑا ہوا تھا اور اس قول سے اس کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ یہ موڑنا حالت نماز کے ساتھ ہی مخصوص نہیں، خواہ نماز شروع کرنے سے پہلے یا دوران نماز ہو، سب صورتوں میں مکروہ ہے۔(جلد 1 صفحہ 598) جوہرہ نیرہ میں ہے: ولا یکف ثوبہ الخ۔اپنے کپڑے کو نہ موڑے اور کف ثوب یہ ہے کہ سجدہ کرتے وقت اپنے سامنے سے یا پیچھے سے اپنا کپڑا اٹھانا اکثر نمازیوں کی عادت ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت اپنا کپڑا دونوں ہاتھوں سے اوپر اُٹھاتے ہیں یہ بھی کف ثوب ہے اور یہ بھی شدید مکروہ ہے۔عالمگیری میں ہے۔نمازی کیلئے کف ثوب مکروہ ہے۔(عموماً مطلقاً مکروہ بول کر فقہاء مکروہ تحریمی مراد لیتے ہیں)۔

علامہ شامی نے آستین پر کپڑا موڑنے کی تفصیل اس طرح بیان فرمائی ہے کہ نصف کلائی سے کم ہو تو نماز مکروہ تنزیہی ہوگی اور نصف کلائی یا اس سے اوپر تک آستین مڑی ہو، تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کف ثوب تو دونوں

صورتوں میں ہے، پھر حکم میں اختلاف کیوں؟ تو اس کی وجہ انہوں نے یہ بیان فرمائی ہے کہ عام طور پر وضو کرنے کے بعد بے توجہی اور بے پرواہی کی وجہ سے آستین تھوڑی سی مڑی رہ جاتی ہے۔ لہٰذا ابتلاء عام کی وجہ سے کراہت میں تخفیف ہے۔

علامہ مولانا غلام رسول سعیدی صاحب شرح مسلم جلد اول ص 683 پر فرماتے ہیں: احناف کی کتب میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے فقہائے حنفیہ کا کپڑا لپیٹنے میں (کلائیوں پر) اختلاف ہے بعض کے نزدیک اگر نمازی کہنیوں تک آستین چڑھائے تو مکروہ نہیں اور بعض کے نزدیک مطلقاً مکروہ ہے۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن فقہاء نے نمازی کے کپڑا لپیٹنے یا سمیٹنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اس سے مراد مکروہ تحریمی ہے اور جن فقہاء نے کراہت کی نفی کی ہے اس نفی سے مراد مکروہ تحریمی کی نفی ہے، مکروہ تنزیہی ان کے نزدیک بھی ثابت ہے۔ علامہ ابن عابدین نے اس مضمون کی تصریح فرمائی ہے۔ کپڑا لپیٹنے میں آستینوں کو چڑھانا، پائنچوں کو لپیٹنا اور نیفے کے قریب شلوار یا پاجامہ کو اڑس لینا یہ سب شامل ہیں اور یہ مکروہ تحریمی ہے۔ (شرح مسلم جلد 1 صفحہ 684 فرید بک سٹال لاہور)

نماز میں کھانے پینے کی ممانعت کا بیان

(وَلَا يَأْكُلُ وَلَا يَشْرَبُ) لِأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَفْعَالِ الصَّلَاةِ (فَإِنْ أَكَلَ أَوْ شَرِبَ عَامِدًا أَوْ نَاسِيًا فَسَدَتْ صَلَاتُهُ) لِأَنَّهُ عَمَلٌ كَثِيرٌ وَحَالَةُ الصَّلَاةِ مُذَكِّرَةٌ . فَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ : إذَا كَانَ مَا دُونَ مِلْءِ الْفَمِ لَا تَفْسُدُ ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ إنْ كَانَ قَلِيلًا فَمَا دُونَ الْحِمِّصَةِ لَا تَفْسُدُ كَمَا فِي الصَّوْمِ . وَإِنْ كَانَ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَسَدَتْ .

ترجمہ

اور نمازی نہ کھائے اور نہ پیئے کیونکہ یہ نماز کے افعال میں سے نہیں ہے۔ اگر اس نے عمداً یا بھول کر کھایا پیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ عمل کثیر ہے۔ اور نماز کی حالت یاد دلانے والی ہے۔ پس ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ جب وہ منہ بھر سے کم ہو تو مفسد نہیں۔ اور ان میں سے بعض کہتے ہیں اگر وہ چنے کی مقدار سے کم ہے تو مفسد نماز نہیں۔ جس طرح روزے کا مسئلہ ہے۔ اور اگر اس سے زیادہ ہے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

نماز میں کھانے پینے کی ممانعت کی علت عمل کثیر ہے

نمازی کا ہر وہ عمل عمل کثیر ہوتا ہے جس سے اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ لہٰذا نمازی حالت میں کھانے پینے سے عمل کثیر ثابت ہوتا ہے اسی وجہ سے نماز فاسد ہو جائے گی۔

عمل کثیر کی تعریف و حکم:

عمل کثیر جو کہ مفسد صلوٰۃ ہوتا ہے اس کی تعریف میں فقہاء فرماتے ہیں کہ اسے عرف پر محمول کیا جائے گا یعنی جس عمل کو دیکھنے

والے یہ گمان کریں کہ یہ شخص نماز سے خارج ہے تو اس کو عمل کثیر کہیں گے اور اس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

جب امام کا سجدہ محراب میں ہو:

(وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَكُونَ مَقَامُ الْإِمَامِ فِي الْمَسْجِدِ وَسُجُودُهُ فِي الطَّاقِ ، وَيُكْرَهُ أَنْ يَقُومَ فِي الطَّاقِ) لِأَنَّهُ يُشْبِهُ صَنِيعَ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ حَيْثُ تَخْصِيصِ الْإِمَامِ بِالْمَكَانِ ، بِخِلَافِ مَا إذَا كَانَ سُجُودُهُ فِي الطَّاقِ (وَيُكْرَهُ أَنْ يَكُونَ الْإِمَامُ وَحْدَهُ عَلَى الدُّكَّانِ) لِمَا قُلْنَا (وَكَذَا عَلَى الْقَلْبِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ) لِأَنَّهُ ازْدِرَاءٌ بِالْإِمَامِ (وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يُصَلِّيَ إلَى ظَهْرِ رَجُلٍ قَاعِدٍ يَتَحَدَّثُ) لِأَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا رُبَّمَا كَانَ يَسْتَتِرُ بِنَافِعٍ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ (وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يُصَلِّيَ وَبَيْنَ يَدَيْهِ مُصْحَفٌ مُعَلَّقٌ أَوْ سَيْفٌ مُعَلَّقٌ) لِأَنَّهُمَا لَا يُعْبَدَانِ ، وَبِاعْتِبَارِهِ تَثْبُتُ الْكَرَاهَةُ .

ترجمہ:

اور جب امام مسجد میں ہو لیکن اس کا سجدہ محراب میں ہو تو کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ امام کا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے کیونکہ یہ اہل کتاب کے عمل کے ساتھ تشبیہ ہے اس طرح کہ امام کا مکان خاص کیا جائے۔ بخلاف اس کے کہ جب اس کا سجدہ محراب میں ہو۔ اور امام کا اکیلے چبوترے پر کھڑا ہونا بھی مکروہ ہے۔ جو ہم کہہ چکے ہیں۔ اور ظاہر الروایہ کے مطابق اس کا عکس بھی مکروہ ہے۔ کیونکہ اس طرح امام کی تحقیر ہے۔

اور جو شخص باتیں کر رہا ہو اس کی پیٹھ کی طرف نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے سفروں میں حضرت نافع رضی اللہ عنہ کا سترہ بنا لیتے تھے۔

اور اگر آدمی کے سامنے مصحف یا تلوار لٹکی ہوئی تو نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ ان دونوں کی عبادت نہیں کی جاتی لہذا اسی وجہ سے کراہت ثابت ہو جائے گی۔

شرح:

علامہ شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ امام صاحب سے جو کچھ مروی ہے اس میں اصح یہ ہے کہ امام کا دو ستونوں کے درمیان یا مسجد کے کسی گوشے میں یا مسجد کی کسی ایک جانب یا کسی ستون کی طرف کھڑا ہونا مکروہ ہے کیونکہ یہ امت کے عمل کے خلاف ہے۔ اھ اور اس میں یہ بھی ہے کہ امام کا وسط صف میں کھڑا ہونا سنت ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ محراب مساجد کے درمیان میں ہوتے ہیں اور یہ امام کے کھڑے ہونے کیلئے متعین ہوتے ہیں اھ اور تاتارخانیہ میں ہے امام کا ضرورت کے بغیر محراب کے علاوہ کسی جگہ کھڑا ہونا مکروہ ہے اھ اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر امام محراب چھوڑ کر کسی دوسری جگہ کھڑا ہو گیا اگرچہ اس کا قیام وسط صف میں ہو تب بھی وہ مکروہ ہوگا کیونکہ یہ عمل امت کے خلاف ہے، اور یہ بات مقرر امام کے بارے میں ہے، اگر امام

مقرر نہیں یا تنہا نمازی ہے (تو پھر یہ پابندی نہیں) پس اس فائدہ کو قیمتی جان۔

(ردالمحتار، باب مایفسد الصلوۃ ،مطبوعہ مصطفی البابی مصر)

سنت یہ ہے کہ امام مسجد کے وسط میں کھڑا ہو، اگر مثلاً اندر کی مسجد چھوٹی ہو اور باہر کی مسجد جنوب یا شمال کی طرف زیادہ وسیع ہو تو جب اندر پڑھائیں اُس حصہ کے وسط میں امام کھڑا ہو اور جب باہر پڑھائیں تو اس حصہ کے وسط میں خواہ وہ کسی در کے مقابل ہو یا سب دروں سے باہر ہو جائے۔

تصویر والے بچھونے پر نماز پڑھنے کا بیان:

(وَلَا بَأْسَ أَنْ يُصَلِّيَ عَلَى بِسَاطٍ فِيهِ تَصَاوِيرُ) لِأَنَّ فِيهِ اسْتِهَانَةً بِالصُّوَرِ (وَلَا يَسْجُدُ عَلَى التَّصَاوِيرِ) لِأَنَّهُ يُشْبِهُ عِبَادَةَ الصُّورَةِ ، وَأَطْلَقَ الْكَرَاهَةَ فِي الْأَصْلِ لِأَنَّ الْمُصَلَّى مُعَظَّمٌ .

(وَيُكْرَهُ أَنْ يَكُونَ فَوْقَ رَأْسِهِ فِي السَّقْفِ أَوْ بَيْنَ يَدَيْهِ أَوْ بِحِذَائِهِ تَصَاوِيرُ أَوْ صُورَةٌ مُعَلَّقَةٌ) (لِحَدِيثِ جِبْرِيلَ : إنَّا لَا نَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ أَوْ صُورَةٌ) ، وَلَوْ كَانَتْ الصُّورَةُ صَغِيرَةً بِحَيْثُ لَا تَبْدُو لِلنَّاظِرِ لَا يُكْرَهُ لِأَنَّ الصِّغَارَ جِدًّا لَا تُعْبَدُ .

(وَإِذَا كَانَ التِّمْثَالُ مَقْطُوعَ الرَّأْسِ) أَيْ مَمْحُوَّ الرَّأْسِ (فَلَيْسَ بِتِمْثَالٍ) لِأَنَّهُ لَا يُعْبَدُ بِدُونِ الرَّأْسِ وَصَارَ كَمَا إذَا صَلَّى إلَى شَمْعٍ أَوْ سِرَاجٍ عَلَى مَا قَالُوا .

(وَلَوْ كَانَتْ الصُّورَةُ عَلَى وِسَادَةٍ مُلْقَاةٍ أَوْ عَلَى بِسَاطٍ مَفْرُوشٍ لَا يُكْرَهُ) لِأَنَّهَا تُدَاسُ وَتُوطَأُ ، بِخِلَافِ مَا إذَا كَانَتْ الْوِسَادَةُ مَنْصُوبَةً أَوْ كَانَتْ عَلَى السُّتْرَةِ لِأَنَّهُ تَعْظِيمٌ لَهَا ، وَأَشَدُّهَا كَرَاهَةً أَنْ تَكُونَ أَمَامَ الْمُصَلِّي ثُمَّ مِنْ فَوْقِ رَأْسِهِ ثُمَّ عَلَى يَمِينِهِ ثُمَّ عَلَى شِمَالِهِ ثُمَّ خَلْفَهُ .

(وَلَوْ لَبِسَ ثَوْبًا فِيهِ تَصَاوِيرُ يُكْرَهُ) لِأَنَّهُ يُشْبِهُ حَامِلَ الصَّنَمِ ، وَالصَّلَاةُ جَائِزَةٌ فِي جَمِيعِ ذَلِكَ لِاسْتِجْمَاعِ شَرَائِطِهَا ، وَتُعَادُ عَلَى وَجْهٍ غَيْرِ مَكْرُوهٍ ، وَهَذَا الْحُكْمُ فِي كُلِّ صَلَاةٍ أُدِّيَتْ مَعَ الْكَرَاهَةِ (وَلَا يُكْرَهُ تِمْثَالُ غَيْرِ ذِي الرُّوحِ) لِأَنَّهُ لَا يُعْبَدُ

ترجمہ:

اور جس بچھونے پر تصویریں بنی ہوئی ہوں اس پر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اس طرح کرنے سے تصویروں کی ذلت وحقارت ہے۔ اور وہ تصویر پر سجدہ نہ کرے کیونکہ یہ تصویر کی عبادت کے مشابہ ہوگا۔ جبکہ مبسوط میں مطلقاً مکروہ لکھا ہے اس لئے جائے نماز تعظیم والی چیز ہے۔

اور نماز کے سر کے اوپر چھت میں یا اس کے سامنے یا اس کے دائیں بائیں یا محض تصویر کا لٹکانا مکروہ ہے۔ اس وجہ کی بناء پر

کہ حدیث جبرائیل ہے کہ ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو یا تصویر ہو۔اور اگر تصویر اتنی چھوٹی ہے کہ دیکھنے والے کو دیکھائی نہ دے تو مکروہ نہیں۔ کیونکہ بہت ہی چھوٹی چیزوں کی عبادت نہیں کی جاتی۔

اور ایسی تصاویر جن کا سر کٹا ہوا یعنی مٹا ہوا ہو تو وہ تصاویر ہی نہیں ہیں۔اور وہ اس طرح ہو جائیں گیں جس طرح کسی نے موم بتی یا چراغ کی طرف نماز پڑھی۔اسی دلیل کی وجہ سے جو مشائخ نے کہا ہے۔

اور اگر تصویر کسی رکھے ہوئے تکیے یا بچھونے پر ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ تکیہ اور بچھونا بچھائے جاتے ہیں بخلاف اس کے کہ جب تکیہ لٹکا ہو یا تصویر پردے پر ہو۔ کیونکہ اس میں تصویر کی تعظیم ہے اور سب سے زیادہ کراہت اس صورت میں ہے کہ جب کوئی تصویر نمازی کے سامنے ہو۔اس کے بعد نمازی کے سر کے اوپر ہو اس کے بعد نمازی کے دائیں پھر بائیں ہو اور پھر اس کے پیچھے ہو۔

اور ایسے کپڑے پہنے جس پر تصاویر ہوں تو مکروہ ہے اس لئے کہ یہ بُت اٹھانے والے کے مشابہ ہے۔البتہ حکم صلوٰۃ ان تمام مکروہ صورتوں میں جائز ہے۔ کیونکہ اس میں تمام شرائط جمع ہیں۔اور غیر مکروہ طریقہ پر نماز کا اعادہ کیا جائے گا۔اور اسی طرح کا حکم ہر اس نماز کا ہے جو کراہت کے ساتھ ادا کی گئی ہو۔ جبکہ غیر ذی روح چیز کی تصویر مکروہ نہیں کیونکہ اس کی عبادت نہیں کی جاتی۔

شرح:

حضرت سیدنا انسؓ کہتے ہیں کہ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کے پاس ایک پردہ تھا کہ انھوں نے اس سے اپنے گھر کے ایک گوشے کو ڈھانپا تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ہمارے پاس سے اپنا یہ پردہ ہٹادو اس لیے کہ نماز میں اس کی تصویریں برابر میرے سامنے آتی ہیں۔(بخاری)

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

وَجْهُ مَا فِي الْأَصْلِ أَنَّ الْمُصَلَّى :أَيْ السَّجَّادَةَ الَّتِي يُصَلَّى عَلَيْهَا مُعَظَّمٌ فَوَضْعُ الصُّورَةِ فِيهِ تَعْظِيمٌ لَهَا حَيْثُمَا كَانَتْ مِنْهُ ، بِخِلَافِ وَضْعِهَا عَلَى الْبِسَاطِ الَّذِي لَمْ يُعَدَّ لِلصَّلَاةِ (قَوْلُهُ وَيُكْرَهُ أَنْ تَكُونَ فَوْقَ رَأْسِهِ) أَيْ تُكْرَهُ الصَّلَاةُ وَفَوْقَ رَأْسِهِ إلَخْ ؛ فَلَوْ كَانَتْ الصُّورَةُ خَلْفَهُ أَوْ تَحْتَ رِجْلَيْهِ فَفِي شَرْحِ عَتَّابٍ لَا تُكْرَهُ الصَّلَاةُ .

وَلَكِنْ تُكْرَهُ كَرَاهَةَ جَعْلِ الصُّورَةِ فِي الْبَيْتِ لِلْحَدِيثِ (إنَّ الْمَلَائِكَةَ لَا تَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ أَوْ صُورَةٌ) وَإِلَّا أَنَّ هَذَا يَقْتَضِي كَرَاهَةَ كَوْنِهَا فِي بِسَاطٍ مَفْرُوشٍ ، وَعَدَمُ الْكَرَاهَةِ إذَا كَانَتْ خَلْفَهُ وَصَرِيحُ كَلَامِهِمْ فِي الْأَوَّلِ خِلَافُهُ .

وَقَوْلُهُ وَأَشَدُّهَا كَرَاهَةً أَنْ تَكُونَ أَمَامَ الْمُصَلِّي إلَى أَنْ قَالَ :ثُمَّ خَلْفَهُ يَقْتَضِي خِلَافَ الثَّانِي أَيْضًا ، لَكِنْ قَدْ

يُقَالُ كَرَاهَةُ الصَّلَاةِ تَثْبُتُ بِاعْتِبَارِ التَّشَبُّهِ بِعِبَادَةِ الْوَثَنِ وَلَيْسُوا يَسْتَدْبِرُونَهُ وَلَا يَطَئُونَهُ فِيهَا فَفِيمَا يُفْهَمُ مِمَّا ذَكَرْنَا مِنَ الْهِدَايَةِ نَظَرٌ .

وَقَدْ يُجَابُ بِأَنَّهُ لَا بُعْدَ فِي ثُبُوتِهَا فِي الصَّلَاةِ بِاعْتِبَارِ الْمَكَانِ كَمَا كُرِهَتِ الصَّلَاةُ فِي الْحَمَّامِ عَلَى أَحَدِ التَّعْلِيلَيْنِ ، وَهُوَ كَوْنُهَا مَأْوَى الشَّيَاطِينِ ، وَهُوَ مُتَحَقِّقٌ هُنَا لِأَنَّ امْتِنَاعَ الملائكة ـ

(فتح القدير، ج۲،ص ۲۳۲،بیروت)

نماز کے دوران میں سانپ اور بچھو کو مارنے کا حکم:

(وَلَا بَأْسَ بِقَتْلِ الْحَيَّةِ وَالْعَقْرَبِ فِي الصَّلَاةِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (اُقْتُلُوا الْأَسْوَدَيْنِ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي الصَّلَاةِ) وَلِأَنَّ فِيهِ إِزَالَةَ الشُّغْلِ فَأَشْبَهَ دَرْءَ الْمَارِّ وَيَسْتَوِي جَمِيعُ أَنْوَاعِ الْحَيَّاتِ هُوَ الصَّحِيحُ لِإِطْلَاقِ مَا رَوَيْنَا .

ترجمہ

اور نماز میں سانپ اور بچھو کو قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دو کالوں کا قتل کرو خواہ تم نماز میں ہو کیونکہ اس میں اشتغالیت کا ازالہ ہے۔ لہذا یہ گزرنے والے کو دفع کرنے کے مشابہ ہو گیا۔ اور سانپ کی تمام اقسام اسی حکم میں داخل ہیں۔ ہماری روایت کردہ حدیث کے مطلق ہونے کی وجہ سے یہی صحیح ہے۔

دو کالوں کو مارنے کا حکم اور اس کا فقہی مفہوم:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نماز میں دو کالوں یعنی سانپ اور بچھو کو مار ڈالو۔ احمد، ترمذی اور نسائی)

ابن مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسی حالت میں نماز پڑھتے ہوئے سانپ یا بچھو سامنے آ جائے تو ان کو ایک چوٹ یا دو چوٹ کے ساتھ مارنا چاہیے اس سے زیادہ چوٹ نہ مارنی چاہیے کیونکہ یہ عمل کثیر ہو جائے گا جس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ شرح منیہ میں بعض مشائخ کا قول مذکور ہے کہ یہ (یعنی نماز میں سانپ بچھو مارنے کا حکم) اس صورت میں ہے جب کہ نمازی کو بہت زیادہ یعنی تین قدم پے در پے چلنا نہ پڑے اور نہ زیادہ مشغولیت ہو یعنی تین چوٹ پے در پے مارنے کی ضرورت پیش نہ آئے اور اگر کوئی نمازی سانپ یا بچھو مارنے کی غرض سے پے در پے تین قدم چلے گا یا پے در پے چوٹیں مارے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ اتنا زیادہ چلنا یا اتنی مقدار مشغولیت اختیار کرنا عمل کثیر ہے۔ سرخسی نے اسے مبسوط میں ذکر کیا ہے اور پھر کہا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ اس سلسلے میں یہ فرق نہ کیا جائے کہ تین قدم چلنے سے یا تین چوٹیں مارنے سے نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ جس طرح حدیث پیش آ جانے (یعنی وضو ٹوٹ جانے کی شکل میں زیادہ چلنے کی سہولت دی گئی ہے اسی طرح اس مسئلے میں بھی سہولت دی گئی ہے۔ لیکن تحقیقی طور پر صحیح بات یہی ہے کہ تین قدم چلنے یا تین چوٹ مارنے سے نماز فاسد

ہوجاتی ہے۔

البتہ اتنی سہولت ہے کہ ایسے موقع پر جب کہ سانپ یا بچھونماز میں سامنے آجائے اوراس کا مارنا ضروری ہوتو ایسی صورت میں ان کو مارنے کے لیے نماز توڑ دینا مباح ہے جیسا کہ کسی مظلوم کی فریادرسی یا کسی کوڈوبنے اور ہلاکت سے بچانے کی خاطر نماز توڑ دینا مباح ہے یعنی اگر کسی کے چھت سے گر جانے یا آگ میں جل جانے یا کنویں وغیرہ میں ڈوب جانے کا قوی خطرہ ہواور قریب ہی ایک آدمی نماز میں ہوتو اس نمازی کو چاہئے کہ نماز کو توڑ دے اور انہیں بچانے کی کوشش کرے یا اسی طرح کسی نمازی کو حالت نماز میں اپنی یا غیر کی کسی چیز کے ضائع ہو جانے کا خوف ہواوراس کی قیمت ایک درہم تک ہوتو اسے اس چیز کو بچانے کے لیے نماز توڑ دینا جائز ہے۔اس حدیث سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف کالے سانپ ہی کو مارا جا سکتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ حدیث میں کالے سانپ کی تخصیص محض تغلیباً کی گئی ہے چنانچہ ہدایہ میں لکھا ہے کہ ہرقسم کے سانپوں کو مارنا جائز ہے کالے سانپوں ہی کی تخصیص نہیں ہے۔

نماز میں تسبیحات کوشمار کرنے کا بیان:

(وَيُكْرَهُ عَدُّ الْآيِ وَالتَّسْبِيحَاتِ بِالْيَدِ فِي الصَّلَاةِ) وَكَذَلِكَ عَدُّ السُّوَرِ لِأَنَّ ذَلِكَ لَيْسَ مِنْ أَعْمَالِ الصَّلَاةِ .

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِذَلِكَ فِي الْفَرَائِضِ وَالنَّوَافِلِ جَمِيعًا مُرَاعَاةً لِسُنَّةِ الْقِرَاءَةِ وَالْعَمَلِ بِمَا جَاءَتْ بِهِ السُّنَّةُ قُلْنَا يُمْكِنُهُ أَنْ يَعُدَّ ذَلِكَ قَبْلَ الشُّرُوعِ فَيَسْتَغْنِيَ عَنْ الْعَدِّ بَعْدَهُ ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ .

ترجمہ:

اورنماز میں آیات اور تسبیحات کو ہاتھ کے ساتھ شمار کرنا مکروہ ہے۔اوراسی طرح سورتوں کا شمار کرنا بھی مکروہ ہے۔کیونکہ یہ نماز کے کاموں میں سے نہیں ہے۔جبکہ صاحبین کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں۔کیونکہ اس کی وجہ سے فرائض ونوافل میں قرأت مسنونہ کی رعایت اوراس حکم پرعمل ہوتا ہے جوسنت میں آیا ہے۔ہم کہتے ہیں کہ نمازی کیلئے مناسب یہ ہے کہ وہ نماز کوشروع کرنے سے پہلے شمار کرے لہذا بعد میں شمار کرنے کی اسے کوئی ضرورت نہیں۔اوراللہ ہی سب سے بہتر جاننے والا ہے۔

شرح:

نماز کے اندر ہاتھ کے ذریعے تسبیحات کوشمار کرنا یا آیات کوشمار کرنا مکروہ ہے۔کیونکہ یہ شمار کرنا نماز کے کاموں میں سے نہیں ہے۔اور جوفعل نماز کے افعال میں سے نہ ہوا گروہ حد فساد تک پہنچنے نہ ہوتو وہ مکروہ ضرور ہوگا۔لہذا اسی دلیل کے پیش نظر حکم کراہت ہی ثابت کیا جائے گا۔جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔کیونکہ ایسا کرنے کے باوجود نماز اپنی ہیئت مسنونہ پر جاری ہے۔اورشمار کرنے میں نمازی کوتعداد میں تسلی بھی رہتی ہے لہذا اس میں کسی قسم کا کوئی حرج نہیں۔

فصل في المكروهات خارج الصلوٰة

﴿یہ فصل نماز کے باہر والے مکروہات کے بیان میں ہے﴾

نماز سے باہر والے مکروہات کی مطابقت کا بیان:

اس سے پہلے جس فصل کو مصنف نے بیان کیا ہے وہ نماز کے مکروہات کے بیان میں ہے اور اس کے بعد اس فصل میں مصنف ان مکروہات کو بیان کریں گے جو نماز سے باہر ہیں لیکن نماز سے ان کا تعلق ہے۔ لہذا اس لئے یہ بھی مکروہات ہیں۔ یعنی فی الصلوۃ مکروہات اصل ہیں اور یہ اس کے متعلق ہونے کی وجہ سے ان سے مؤخر ہیں۔

قضائے حاجت کی حالت میں استقبال قبلہ اور استدبار کی کراہیت کا بیان:

" وَيُكْرَهُ اسْتِقْبَالُ الْقِبْلَةِ بِالْفَرْجِ فِي الْخَلَاءِ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَى عَنْ ذَلِكَ . وَالِاسْتِدْبَارُ يُكْرَهُ فِي رِوَايَةٍ لِمَا فِيهِ مِنْ تَرْكِ التَّعْظِيمِ ، وَلَا يُكْرَهُ فِي رِوَايَةٍ لِأَنَّ الْمُسْتَدْبِرَ فَرْجُهُ غَيْرُ مُوَازٍ لِلْقِبْلَةِ . وَمَا يَنْحَطُّ مِنْهُ يَنْحَطُّ إلَى الْأَرْضِ ، بِخِلَافِ الْمُسْتَقْبِلِ لِأَنَّ فَرْجَهُ مُوَازٍ لَهَا وَمَا يَنْحَطُّ مِنْهُ يَنْحَطُّ إلَيْهَا

ترجمہ

اور بیت الخلاء میں شرمگاہ کو قبلہ کی طرف کرنا مکروہ ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس سے منع کیا ہے اور ایک روایت کے مطابق قبلہ کی طرف پیٹھ کرنا بھی مکروہ ہے اس لئے کہ اس کی وجہ سے ترک تعظیم لازم آتا ہے۔ جبکہ ایک دوسری روایت کے مطابق مکروہ نہیں ہے۔ کیونکہ پشت کرنے والے کی شرمگاہ قبلہ کے سامنے نہیں ہوتی۔ اور جو کچھ شرمگاہ سے گرتا ہے وہ زمین کی طرف گرتا ہے بخلاف استقبال میں قبلہ کی طرف منہ کرنے والے کے اور جو کچھ گرتا ہے وہ قبلہ کی جانب گرتا ہے۔

شرح

امام ابوداؤد علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق روایت ہے کہ کسی (کافر نے بطور مذاق) ان سے کہا تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تم کو ہر چیز سکھائی ہے یہاں تک کہ پیشاب اور پاخانہ کرنے کا طریقہ بھی تو انہوں نے جواب دیا ہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں پیشاب پاخانہ کرتے وقت قبلہ کی طرف رخ کرنے سے منع فرمایا ہے اور داہنے ہاتھ سے استنجا کرنے سے منع فرمایا ہے اور اس بات سے منع فرمایا ہے کہ ہم میں سے کوئی شخص تین سے کم پتھروں (ڈھیلوں) سے استنجا کرے اور اس بات سے بھی منع فرمایا ہے کہ گوبر یا ہڈی سے استنجا کیا جائے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہارے حق میں باپ

کی طرح ہوں اسی بناء پر میں تم کو دین وادب کی تعلیم دیتا ہوں پس جب تم بیت الخلاء میں جاؤ تو وہاں جا کر نہ تو قبلہ کی طرف رخ کرو اور نہ پشت، اور نہ داہنے ہاتھ سے استنجاء کرو۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں تین ڈھیلوں سے استنجاء کا حکم فرماتے تھے اور گوبر یا ہڈی سے استنجاء کرنے کو منع فرماتے تھے۔ (سنن ابوداؤد)

حضرت سیدنا ابوایوبؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم پاخانے کو جاؤ تو پیشاب یا پاخانہ کرنے میں قبلہ کی طرف منہ نہ کرو نہ پیٹھ کرو، بلکہ مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرو۔ (اس سے مراد ان علاقوں کے لوگ ہیں جن کا قبلہ شمال یا جنوب کی سمت ہو۔ جن کی سمت قبلہ مشرق یا مغرب میں ہے، وہ مشرق یا مغرب کی بجائے شمال یا جنوب کی منہ کرینگے) سیدنا ابوایوبؓ نے کہا کہ پھر ہم شام کے ملک میں آئے اور دیکھا تو لیٹرینیں (بیت الخلاء) قبلہ کی طرف بنی ہوئی ہیں، ہم ان پر سے منہ پھیر لیتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے تھے۔ (صحیح مسلم، رقم ۱۰۹)

مسجد کی چھت پر وطی وغیرہ کی ممانعت کا بیان:

(وَتُكْرَهُ الْمُجَامَعَةُ فَوْقَ الْمَسْجِدِ وَالْبَوْلُ وَالتَّخَلِّي) لِأَنَّ سَطْحَ الْمَسْجِدِ لَهُ حُكْمُ الْمَسْجِدِ حَتَّى يَصِحَّ الِاقْتِدَاءُ مِنْهُ بِمَنْ تَحْتَهُ ، وَلَا يَبْطُلُ الِاعْتِكَافُ بِالصُّعُودِ إلَيْهِ ، وَلَا يَحِلُّ لِلْجُنُبِ الْوُقُوفُ عَلَيْهِ (وَلَا بَأْسَ بِالْبَوْلِ فَوْقَ بَيْتٍ فِيهِ مَسْجِدٌ) وَالْمُرَادُ مَا أُعِدَّ لِلصَّلَاةِ فِي الْبَيْتِ لِأَنَّهُ لَمْ يَأْخُذْ حُكْمَ الْمَسْجِدِ وَإِنْ نُدِبْنَا إلَيْهِ .

ترجمہ

مسجد کی چھت پر جماع کرنا اور پیشاب و پاخانہ کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ مسجد کی چھت بھی مسجد کا حکم رکھتی ہے اور مسجد کی چھت پر ہونے والے شخص کی مسجد کے نیچے والے شخص کی اقتداء کرنا صحیح ہے۔ اور چھت پر چڑھنے کی وجہ سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا۔ اور جنبی کیلئے مسجد کی چھت پر کھڑا ہونا جائز نہیں۔

ایسے گھر کی چھت پر پیشاب کرنے میں کوئی حرج نہیں جس میں مسجد ہو اور یہاں مسجد سے مراد وہ جگہ ہے جو اس نے گھر میں نماز کیلئے مقرر کر رکھی ہے۔ کیونکہ اس جگہ نے مسجد کا حکم نہیں لیا ہے اگر چہ ہمیں گھروں میں مسجدیں بنانے کی ترغیب دی گئی ہے

شرح:

وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ ۔(البقرہ، ۱۸۷)

اور تم عورتوں سے جماع نہ کرو اور جب تم مساجد میں حالت اعتکاف میں ہو ۔

اعتکاف کی حالت میں عورتوں سے مباشرت نہ کرو ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے جو شخص مسجد میں اعتکاف میں بیٹھا ہو خواہ رمضان میں خواہ اور مہینوں میں اس پر دن کے وقت یا رات کے وقت اپنی بیوی سے جماع کرنا حرام ہے جب تک

اعتکاف پورا نہ ہو جائے حضرت ضحاک فرماتے ہیں پہلے لوگ اعتکاف کی حالت میں بھی جماع کرلیا کرتے تھے جس پر یہ آیت اتری اور مسجد میں اعتکاف کئے ہوئے پر جماع حرام کیا گیا مجاہد اور قتادہ بھی یہی کہتے ہیں پس علمائے کرام کا متفقہ فتویٰ ہے کہ اعتکاف والا اگر کسی ضروری حاجت کے لئے گھر میں جائے مثلاً پیشاب پاخانہ کے لئے یا کھانا کھانے کے لئے تو اس کام سے فارغ ہوتے ہی مسجد میں چلا آئے وہاں ٹھہرنا جائز نہیں نہ اپنی بیوی سے بوس وکنار وغیرہ جائز ہے نہ کسی اور کام میں سوائے اعتکاف کے مشغول ہونا اس کے لئے جائز ہے بلکہ بیمار کی بیمار پرسی کے لئے بھی جانا جائز نہیں۔

مساجد کے دروازوں کو بند کرنے کے حکم وُجودعلت ومعدوم علت کا بیان:

(وَيُكْرَهُ أَنْ يُغْلَقَ بَابُ الْمَسْجِدِ) : لِأَنَّهُ يُشْبِهُ الْمَنْعَ مِنَ الصَّلَاةِ ، وَقِيلَ لَا بَأْسَ بِهِ إذَا خِيفَ عَلَى مَتَاعِ الْمَسْجِدِ فِي غَيْرِ أَوَانِ الصَّلَاةِ (وَلَا بَأْسَ أَنْ يُنْقَشَ الْمَسْجِدُ بِالْجِصِّ وَالسَّاجِ وَمَاءِ الذَّهَبِ) وَقَوْلُهُ لَا بَأْسَ يُشِيرُ إلَى أَنَّهُ لَا يُؤْجَرُ عَلَيْهِ لَكِنَّهُ لَا يَأْثَمُ بِهِ ، وَقِيلَ هُوَ قُرْبَةٌ وَهَذَا إذَا فَعَلَ مِنْ مَالِ نَفْسِهِ ، أَمَّا الْمُتَوَلِّي فَيَفْعَلُ مِنْ مَالِ الْوَقْفِ مَا يَرْجِعُ إلَى إحْكَامِ الْبِنَاءِ دُونَ مَا يَرْجِعُ إلَى النَّقْشِ حَتَّى لَوْ فَعَلَ يَضْمَنُ ، وَاَللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ .

ترجمہ:

اور مسجد کے دروازے کو بند کرنا مکروہ ہے کیونکہ نماز سے روکنے کے ساتھ مشتبہ ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب مسجد کے سامان کے چوری ہونے کا خوف ہو تو سوائے نمازوں کے اوقات کے بند کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ مسجد کے نقوش گچ، سال کی لکڑی اور سونے کے پانی کے ساتھ سجانے میں کوئی حرج نہیں۔ اور صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ ''لاباس'' سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نقش ونگار بنانے والے کو کوئی اجرت نہیں دی جائے گی۔ مگر وہ اس کی وجہ سے گناہگار بھی نہیں ہوگا۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ عبادت اس وقت ہے جب اس نے اپنے ذاتی مال سے ایسا کیا ہو۔ جبکہ متولی کے پاس وقف کا مال ہوتا ہے اور وہ صرف مسجد کی عمارت کی مضبوطی کیلئے کام کرائے گا اور اس کے نقش ونگار کیلئے کام نہیں کرا سکتا۔ اگر اس نے ایسا کیا تو وہ ضامن ہوگا۔ اللہ ہی سب سے زیادہ صحیح کو جاننے والا ہے۔

دور حاضر میں مساجد کے دروازوں کو بند کرنے کا حکم:

مساجد میں موجود سامان کی حفاظت کیلئے مساجد کے دروازوں کو بند کرنا جائز ہے۔ جبکہ بعض مساجد سے چیزیں چوری ہو جاتی ہیں۔ جس کے بارے میں بتاتے ہیں کہ بعض لوگ عقل سے عاری ہوتے ہیں اور انہیں چیزیں اٹھانے کی عادت ہوتی ہے جس طرح پاگل، نشئی وغیرہ ہوتے ہیں۔ لہذا مساجد کے سامان کی حفاظت کرنا ضروری ہے۔ اس لئے نمازوں کے اوقات کے علاوہ رات کو دن کے کچھ حصوں میں اگر دروازوں کو بند رکھا جائے تو جائز ہے۔

دور حاضر میں امت مسلمہ کو خارجی فتنے کا بھی سامنا ہے جو مساجد میں خودکش دھماکے کر دیتے ہیں۔ اس لئے ان کے فتنے سے بچنے کیلئے بھی مساجد کے دروازوں کو بند کرنا جائز ہے۔

مسجد حرام کے دروازے کو تالا لگانے اور کھولنے کا بیان:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ تشریف لائے (اور مکہ فتح ہوا) تو آپ نے عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو بلوایا۔ (جو کعبہ کے متولی، چابی بردار تھے) انھوں نے دروازہ کھولا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، بلال، اسامہ بن زید اور عثمان بن طلحہ چاروں اندر تشریف لے گئے۔ پھر دروازہ بند کر دیا گیا اور وہاں تھوڑی دیر تک ٹھہر کر باہر آئے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر بلال سے پوچھا کہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے اندر کیا کیا) انھوں نے بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر نماز پڑھی تھی۔ میں نے پوچھا کس جگہ؟ کہا کہ دونوں ستونوں کے درمیان۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ پوچھنا مجھے یاد نہ رہا کہ آپ نے کتنی رکعتیں پڑھی تھیں۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث ۴۶۸)

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ اس سے مراد نصاریٰ ہیں دوسرا یہ کہ اس سے مراد مشرکین ہیں نصرانی بھی بیت المقدس کی مسجد میں پلیدی ڈال دیتے تھے اور لوگوں کو اس میں نماز ادا کرنے سے روکتے تھے، بخت نصر نے جب بیت المقدس کی بربادی کے لئے چڑھائی کی تھی تو ان نصرانیوں نے اس کا ساتھ دیا تھا اور مدد کی تھی، بخت نصر بابل کا رہنے والا مجوسی تھا اور یہودیوں کی دشمنی پر نصرانیوں نے بھی اس کا ساتھ دیا تھا اور اس لئے بھی کہ بنی اسرائیل نے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کو قتل کر ڈالا تھا اور مشرکین نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ والے سال کعبۃ اللہ سے روکا تھا یہاں تک کہ ذی طوی میں آپ کو قربانیاں دینا پڑیں اور مشرکین سے صلح کرنے کے بعد آپ وہیں سے واپس آ گئے حالانکہ یہ امن کی جگہ تھی باپ اور بھائی کے قاتل کو بھی یہاں کوئی نہیں چھیڑتا تھا اور ان کی کوشش یہی تھی کہ ذکر اللہ اور حج وعمرہ کرنے والی مسلم جماعت کو روک دیں حضرت ابن عباس کا یہی قول ہے ابن جریر نے پہلے قول کو پسند فرمایا ہے اور کہا ہے کہ مشرکین کعبۃ اللہ کو برباد کرنے کی سعی نہیں کرتے تھے یہ سعی نصاریٰ کی تھی کہ وہ بیت المقدس کی ویرانی کے درپے ہو گئے تھے۔ لیکن حقیقت میں دوسرا قول زیادہ صحیح ہے، ابن زید اور حضرت عباس کا قول بھی یہی ہے اور اس بات کو بھی نہ بھولنا چاہئے کہ جب نصرانیوں نے یہودیوں کو بیت المقدس سے روکا تھا اس وقت یہودی بھی محض بے دین ہو چکے تھے ان پر تو حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ بن مریم کی زبانی لعنتیں نازل ہو چکی تھیں وہ نافرمان اور حد سے متجاوز ہو چکے تھے اور نصرانی حضرت مسیح کے دین پر تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت سے مراد مشرکین مکہ ہیں اور یہ بھی ایک وجہ ہے کہ اوپر یہود ونصاریٰ کی مذمت بیان ہوئی تھی۔

جوروایت امام اعظم سے سنت ہونے کی بیان کی گئی ہے اس کا بھی یہی معنی ہے۔اور وتر عشاء کے وقت میں ادا کیا جاتا ہے لہذا اسی کی اذان واقامت اس کیلئے کافی ہے۔

وتر کے واجب ہونے میں دلائل کا بیان:

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ وتر حق (یعنی واجب ہے) لہذا جوآدمی وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے (یعنی ہمارے تابعداروں میں سے) نہیں ہے، وتر حق ہے لہذا جوآدمی وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔(سنن ابوداؤد)

وتر کی اہمیت اور اس کی حقیقت کو اس انداز سے بار بار بیان کرنا اور پھر اس کے نہ پڑھنے والے کے بارے میں یہ کہنا کہ جوآدمی وتر نہ پڑھے وہ ہمارے تابعداروں میں سے نہیں ہے اس بات پر صریح دلیل ہے کہ وتر کی نماز واجب ہے جیسا کہ احناف کا مسلک ہے۔

اگر وتر رہ جائے تو اسکی قضاء کا حکم:

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جوآدمی وتر پڑھے بغیر سو جائے یا اسے پڑھنا بھول جائے تو اسے چاہیے کہ جب بھی اسے یاد آئے یا نیند سے بیدار ہو تو (اس کی قضاء) پڑھ لے۔
(جامع ترمذی،ابوداؤد،سنن ابن ماجہ)

اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ نماز وتر واجب ہے کیونکہ اس کی قضاء کا حکم دیا گیا ہے۔

نماز وتر واجب ہے یا سنت کے بیان میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا جواب:

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہیں یہ بات پہنچی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ وتر کی نماز واجب ہے (یا سنت ہے) حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (کوئی صریح جواب دینے کی بجائے) فرمایا کہ وتر کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پڑھی ہے اور دوسرے مسلمانوں نے بھی !وہ آدمی بار بار یہی سوال کرتا تھا اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہی کہے جاتے تھے کہ وتر کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پڑھی ہے اور دوسرے مسلمانوں نے بھی پڑھی ہے۔(مؤطا)

کسی سوال کے جواب دینے کا ایک بلیغ طریقہ یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی خاص مصلحت کی بنا پر مدلول (اصل جواب) کا ذکر نہ کیا جائے اور صرف دلیل بیان کر دی جائے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب ایک آدمی نے وتر کی نماز کے وجوب یا سنت کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے مدلول کے بجائے صرف دلیل پر اکتفاء کیا گویا ان کا مطلب یہ تھا کہ وتر کی نماز واجب ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مستقل طور پر بطریق مواظبت وتر کی نماز پڑھنا اور اہل اسلام کا اس

وتر کی رکعتیں تین ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے تھے اور پہلی رکعت میں ''**سبح اسم ربک الاعلیٰ**'' دوسری رکعت میں ''**قل یا ایھا الکافرون**'' اور تیسری رکعت میں ''**قل ھو اللہ احد**'' پڑھتے تھے۔ (سنن نسائی، ج۱ص۲۴۹، مکتبہ امدادیہ ملتان)

ایک رکعت وتر پڑھنے کی ممانعت:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دم کٹی نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے کہ ایک شخص ایک رکعت نماز پڑھ کر اس سے (نمازوں کو) وتر کرے۔ (تمہید ابن عبدالبر، ج۵ص۲۵۷، بیروت)

ان احادیث کے باوجود اگر کچھ لوگ پندرھویں صدی کے علماء سوء کی پیروی کرتے ہوئے ایک بدعت کو مسلک بنالیں اور ان احادیث کا انکار کردیں تو پھر سوائے افسوس! کے اور کیا کہا جاسکتا ہے۔

وتر کا معنیٰ:

وتر (لفظ وتر میں واؤ کو زیر اور زبر دونوں کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں مگر زیر کے ساتھ پڑھنا زیادہ مشہور ہے۔ (ہر اس نماز کو کہہ سکتے ہیں جس میں طاق رکعتیں ہوں مگر فقہا کے ہاں وتر اسی خاص نماز کو کہتے ہیں جس کا وقت عشاء کی نماز کے بعد ہے جو عام طور پر عشاء کے فوراً بعد ہی پڑھی جاتی ہے اور اس باب میں اسی نماز وتر کا بیان ہوگا۔

نماز وتر کے وجوب وسنت میں ائمہ فقہ کا مذہب:

نماز وتر کے سلسلہ میں ائمہ کے ہاں دو چیزوں میں اختلاف پایا جاتا ہے پہلی چیز تو یہ کہ آیا نماز وتر واجب ہے یا سنت؟ چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ وتر کی نماز واجب ہے حضرت امام شافعی اور حضرت قاضی ابو یوسف فرماتے ہیں کہ سنت ہے۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وتر کی نماز ہر مسلمان پر حق یعنی لازم ہے لہٰذا جو آدمی وتر پانچ رکعتیں پڑھنا چاہے وہ پانچ رکعتیں پڑھ لے، جو آدمی تین رکعتیں پڑھنا چاہیے وہ تین رکعتیں پڑھ لے اور جو آدمی ایک ہی رکعت پڑھنا چاہے وہ ایک ہی رکعت پڑھ لے۔ (ابوداؤد، سنن نسائی، ابن ماجہ)

حق کے معنی ہیں واجب اور ثابت، لہٰذا حضرت امام ابوحنیفہ تو حق کے معنی واجب مراد لیتے ہیں، اس لیے وہ فرماتے ہیں کہ وتر کی نماز واجب ہے، حضرت امام شافعی حق کے معنی ثابت مراد لیتے ہیں یعنی وتر کی نماز سنت سے ثابت ہے لہٰذا وہ فرماتے ہیں کہ وتر کی نماز سنت ہے چونکہ اس حدیث میں وتر کی رکعتوں کی تعداد پانچ بھی ثابت ہے اور تین اور ایک بھی، اس لیے حضرت سفیان ثوری اور دیگر ائمہ نے تو پانچ کے عدد کو اختیار کیا ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نے تین کے عدد کو قبول کیا ہے

اور حضرت امام شافعی نے ایک کے عدد کو اختیار کرتے ہوئے کہا ہے کہ وتر کی ایک ہی رکعت ہے۔

نماز وتر کی ایک رکعت ہے یا تین رکعتیں:

علماء کے نزدیک دوسرا اختلاف یہ ہے کہ نماز وتر کی ایک رکعت ہے یا تین؟ حنفیہ کے ہاں وتر کی تین رکعتیں ہیں جب کہ اکثر ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ نماز وتر صرف ایک ہی رکعت ہے تاہم ان حضرات کے نزدیک بھی وتر کے لیے صرف ایک رکعت پڑھنا مکروہ ہے بلکہ ان حضرات کا کہنا ہے کہ پہلے دو رکعت پڑھ کر سلام پھیرا جائے اس کے بعد ایک وتر پڑھی جائے۔

نماز وتر کا طریقہ:

وتر کی نماز مغرب کی نماز کی طرح (حنفیہ کے مسلک کے مطابق) تین رکعت پڑھی جاتی ہے، اس کے پڑھنے کا وہی طریقہ ہے جو فرض نمازوں کا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ محض دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد دوسری سورت ملائی جاتی ہے جب کہ وتر کی نماز میں تینوں رکعتوں میں دوسری سورت پڑھنے کا حکم ہے اور تیسری رکعت میں دوسری سورت کے بعد دونوں ہاتھ تکبیر کے ساتھ کانوں تک اٹھا کر (جس طرح کہ تکبیر تحریمہ کے وقت اٹھاتے ہیں) پھر باندھے جائیں اور بآواز آہستہ دعا قنوت پڑھی جائے، دعا قنوت یہ ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ وَنَسْتَھْدِیْکَ وَنَسْتَغْفِرُکَ وَنَتُوْبُ اِلَیْکَ وَنُؤْمِنُ بِکَ وَنُثْنِی عَلَیْکَ الْخَیْرَ وَ نَشْکُرُکَ وَلَا نَکْفُرُکَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُکُ مَنْ یَّفْجُرُکَ اَللّٰھُمَّ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَلَکَ نُصَلِّی وَنَسْجُدُ وَاِلَیْکَ نَسْعٰی وَنَحْفِدُ وَنَرْجُوْا رَحْمَتَکَ وَنَخْشٰی عَذَابَکَ اِنَّ عَذَابَکَ بِالْکُفَّارِ مُلْحِقٌ ۔

اے اللہ! تجھی سے مدد مانگتے ہیں تجھی سے ہدایت کے طالب ہیں، تجھی سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں ہم تیرے ہی سامنے توبہ کرتے ہیں، تیرے ہی اوپر ایمان لاتے ہیں تیری ہی اچھی تعریفیں بیان کرتے ہیں، ہم تیرا ہی شکر ادا کرتے ہیں ناشکری نہیں کرتے اور جو آدمی تیری ناشکری نافرمانی کرے ہم اس کو چھوڑتے ہیں۔ اے پروردگار! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں تیری ہی نماز پڑھتے ہیں تجھی کو سجدہ کرتے ہیں، تیری ہی طرف دوڑتے آتے ہیں، تیری ہی عبادت میں جلد مستغرق ہو جاتے ہیں، تیری رحمت کے امیدوار ہیں ہم تیرے ہی عذاب سے ڈرتے ہیں بے شک تیرا عذاب کافروں پر نازل ہونے ولا ہے۔

اگر اس کے بعد یہ دعا بھی پڑھ لی جائے تو بہتر ہے۔

اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ وَعَافِنِیْ فِیْ مَنْ عَافَیْتَ وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ وَبَارِکْ لِیْ فِیْمَا اَعْطَیْتَ وَقِنِیْ شَرَّ مَا قَضَیْتَ فَاِنَّکَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْکَ اِنَّہٗ لَا یُذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ وَلَا یَعِزُّ مَنْ عَادَیْتَ تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ ۔

اے اللہ !ان لوگوں کے ساتھ مجھ کو ہدایت دے جنہیں تو نے ہدایت بخشی، مجھے ان لوگوں کے ساتھ مصیبتوں اور آفتوں سے بچا جنہیں تو نے بچایا ہے، ان لوگوں کے ساتھ مجھ سے محبت کر جن سے تو نے محبت کی اور جو کچھ تو نے مجھے دیا ہے اس میں برکت عطا فرما اور مجھے ان برائیوں سے بچا جو مقدر ہوں بے شک تو حاکم ہے محکوم نہیں اور جس سے تو محبت کرے وہ ذلیل نہیں ہو سکتا اور جس سے تجھ کو عداوت ہو وہ عزت نہیں پا سکتا، اے اللہ تیری ذات بزرگ و برتر ہے۔

اگر کسی کو دعاء قنوت یاد نہ ہو تو وہ بجائے دعا قنوت کے یہ پڑھ لے۔ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۔ اے ہمارے پروردگار ! ہمیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی آرام دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔

اور اگر کوئی اس کے پڑھنے پر بھی قادر نہ ہو تو پھر اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ یا یَا رَبِّ تین مرتبہ کہہ لے۔

نماز وتر کی رکعتوں میں اختلاف فقہی کا بیان:

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات کی نماز دو دو رکعت ہے اور جب کسی کو صبح ہونے کا اندیشہ ہونے لگے تو ایک رکعت پڑھ لے، یہ (ایک رکعت) پہلی پڑھی ہوئی نماز کو طاق کر دے گی۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم)

حدیث کے پہلے جزو کا مطلب یہ ہے کہ رات کو پڑھی جانے والی نفل نمازیں دو دو رکعت کر کے پڑھی جائیں چنانچہ حضرت امام شافعی، حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد نے اس حدیث کے پیش نظر کہا ہے کہ افضل یہی ہے کہ رات میں نفل نمازیں اس طرح پڑھی جائیں کہ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرا جائے یعنی دو دو رکعت کر کے پڑھی جائیں۔ حدیث کے دوسرے جزء کا مطلب یہ ہے کہ رات کو نماز میں مشغول رہنے والا آدمی جب یہ دیکھے کہ رات ختم ہو رہی ہے اور صبح نمودار ہونے والی ہے تو وہ ان نمازوں کے بعد ایک رکعت پڑھ لے تاکہ یہ ایک رکعت پہلی پڑھی ہوئی نمازوں کو طاق کر دے، اس طرح یہ حدیث امام شافعی کی دلیل ہے کیونکہ ان کے نزدیک وتر کی ایک ہی رکعت ہے۔

امام طحاوی حنفی نے صلی رکعۃ واحدۃ الخ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ایک رکعت اس طرح پڑھے کہ اس سے پہلے دو رکعتیں پڑھ لے تاکہ یہ رکعت شفع یعنی اس ایک رکعت سے پہلے پڑھی گئی دونوں رکعتوں کو طاق کر دے۔ گویا ایک رکعت علیحدہ نہ پڑھی جائے بلکہ دو رکعتوں کے ساتھ ملا کر پڑھی جائے۔ علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے تو یہ کہیں ثابت ہی نہیں ہوتا کہ وتر کی ایک رکعت علیحدہ تکبیر تحریمہ کے ساتھ پڑھی جائے لہٰذا اس کے ذریعے وتر کی ایک رکعت ہونے پر استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

پھر وتر کی تین ہی رکعتیں ہونے کے سلسلہ میں حنفیہ کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوۃ بتیرا

یعنی تنہا ایک رکعت نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

جہاں تک صحابہ اور سلف کے عمل کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اکثر فقہا صحابہ اور سلف کا معمول وتر کی تین رکعتیں ہی پڑھنا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے ان کو تو اس سلسلے میں بہت زیادہ اہتمام تھا۔ انہوں نے ایک مرتبہ حضرت سعید بن مسیّب کو وتر ایک رکعت پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ کیسی ناقص نماز پڑھتے ہو؟ دو رکعت اور پڑھو ورنہ تمہیں سزا دوں گا۔ (نہایہ)

جامع ترمذی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے وتر کی تین رکعتیں نقل کی ہیں اور اسی کو عمران بن حصین، حضرت عائشہ، عبداللہ ابن عباس اور ابوایوب کی طرف منسوب کیا ہے اور آخر میں انہوں نے صراحت کر دی ہے کہ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت اسی طرف ہے۔

حضرت عمر فاروق اور حضرت عبداللہ ابن مسعود کے بارے میں مؤطا امام محمد میں مذکور ہے کہ ان کے نزدیک بھی وتر کی تین ہی رکعتیں ہیں۔ حضرت امام حسن بصری فرماتے ہیں کہ سلف کا اسی پر معمول تھا۔ (ہدایہ)

تین رکعت کی وتر صحابہ میں مشہور تھی، ایک رکعت کی وتر تو عام طور پر لوگ جانتے بھی نہ تھے چنانچہ حضرت معاویہ کو عبداللہ ابن عباس کے مولیٰ نے ایک رکعت وتر پڑھتے ہوئے دیکھا تو ان کو بہت تعجب ہوا انہوں نے حضرت عباس کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کو بڑے اہتمام کے ساتھ بیان کیا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس نے ان کی وحشت وحیرت یہ کہہ کر ختم کر دی کہ معاویہ فقیہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مشرف ہو چکے ہیں ان پر اعتراض نہ کرو (صحیح البخاری)

یا یہ کہ ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی حالتوں کا ذکر ہے آخر فعل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی تین ہی رکعت پڑھنا جو صحابہ میں مشہور ہوا اور ظاہر ہے کہ امت کے لیے آپ کا وہی فعل حجت اور دلیل بن سکتا ہے جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر میں عمل اختیار فرمایا ہو۔

دعائے قنوت رکوع سے پہلے پڑھی جائے:

حضرت ابی بن کعب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر پڑھتے تو قنوت رکوع سے پہلے پڑھتے۔ (سنن ابن ماجہ)

دعائے قنوت پورا سال پڑھی جائے گی:

وَيَقْنُتُ فِي جَمِيعِ السَّنَةِ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي غَيْرِ النِّصْفِ الْأَخِيرِ مِنْ رَمَضَانَ (لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِلْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حِينَ عَلَّمَهُ دُعَاءَ الْقُنُوتِ اجْعَلْ هَذَا فِي وِتْرِكَ) مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ .

(وَيَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ) مِنْ الْوِتْرِ (فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُورَةً) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْ الْقُرْآنِ) (وَإِنْ أَرَادَ أَنْ يَقْنُتَ كَبَّرَ) لِأَنَّ الْحَالَةَ قَدْ اخْتَلَفَتْ (وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَقَنَتَ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا تُرْفَعُ الْأَيْدِي إلَّا فِي سَبْعِ مَوَاطِنَ) وَذَكَرَ مِنْهَا الْقُنُوتَ (وَلَا يَقْنُتُ فِي صَلَاةٍ غَيْرِهَا) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي الْفَجْرِ لِمَا رَوَى ابْنُ مَسْعُودٍ (رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ قَنَتَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ شَهْرًا) ثُمَّ تَرَكَهُ

ترجمہ:

اور وہ پورا سال دعائے قنوت پڑھے جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے رمضان المبارک نصف آخیر کے سوا میں اختلاف کیا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے جب امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو دعائے قنوت سکھائی تو فرمایا: اس کو اپنے وتر میں پڑھو۔ اس میں کوئی تفصیل نہیں بیان کی گئی۔

اور وہ وتر کی ہر رکعت میں فاتحہ اور کئی سورت پڑھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''' اور اگر وہ قنوت پڑھنے کا ارادہ کرے تو قنوت پڑھے۔ کیونکہ حال بدل گیا اور رفع یدین کرے اور قنوت پڑھے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہاتھ صرف ساتھ مقامات پر اٹھائے جائیں اور ان میں آپ نے قنوت کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور وتر کے سوا کسی نماز میں قنوت نہ پڑھی جائے۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے وہ فرماتے ہیں: فجر میں بھی قنوت پڑھی جائے کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ نے ایک ماہ فجر کی نماز میں قنوت پڑھی پھر اسے چھوڑ دیا۔

رمضان کے آخری نصف میں دعائے قنوت پڑھنے میں امام شافعی کی دلیل وجواب:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو رمضان میں نماز تراویح کے لیے) جمع کیا اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امام بنایا، حضرت ابی بن کعب نے ان کو بیس راتوں تک نماز پڑھائی اور انہوں نے لوگوں کے ساتھ دعا قنوت سوائے آخری نصف رمضان کے اور دنوں میں نہیں پڑھی اور جب آخر کے دس روزے رہ گئے تو حضرت ابی بن کعب مسجد میں نہ آئے بلکہ (وتر کی) نماز اپنے گھر میں پڑھنے لگے، لوگ کہتے کہ ابی بھاگ گئے (ابوداؤد) اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے دعا قنوت کے بارے میں پوچھا کہ (رکوع سے پہلے پڑھی جائے یا بعد میں؟) تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا قنوت رکوع کے بعد پڑھی ہے ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا قنوت کبھی رکوع سے پہلے اور کبھی رکوع کے بعد پڑھی ہے۔

حضرت ابی بن کعب ایک جلیل القدر اور بڑی عظمت وشان کے مالک صحابی تھے، جہاں ان کی اور بہت سی امتیازی

خصوصیات تھیں وہیں آپ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی میں پورا قرآن کریم حفظ کرلیا تھا۔

نیز یہ کہ صحابہ میں بڑے اونچے درجے کے قاری مانے جاتے تھے، اسی وجہ سے آپ کو سید القراء کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا، چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی انہیں خصوصیات کی بنا پر انہیں رمضان میں تراویح کی نماز کے لیے امام مقرر فرمایا تاکہ لوگ ان کی اقتدا میں نماز تراویح پڑھیں۔

یہ دونوں حدیثیں جو حضرت حسن بصری سے منقول ہیں حضرات شوافع کی مستدل ہیں۔

پہلی حدیث تو اس بات کی دلیل ہے کہ دعاء قنوت صرف رمضان کے آخری نصف حصے میں پڑھی جائے علماء احناف فرماتے ہیں کہ اول تو مطلقاً وتر میں دعا قنوت کا پڑھنا مشروع ہوا ہے اور چونکہ وتر کی نماز ہمیشہ پڑھی جاتی ہے اس لیے دعاء قنوت بھی ہمیشہ پڑھی جائے گی۔

دوسرے یہ کہ زیادہ ایسی ہی احادیث وارد ہیں جن میں بلا تخصیص رمضان، وتر کی نماز میں دعاء قنوت پڑھنا ثابت ہوتا ہے لہٰذا اس اعتبار سے بھی ہمیشہ وتر کی نماز میں دعاء قنوت کا پڑھنا اولیٰ اور ارجح ہوگا۔

دوسری حدیث شوافع کے لیے اس بات کی دلیل ہے کہ دعاء قنوت رکوع کے بعد پڑھی جائے اس کا جواب حنفی علماء کی جانب سے یہ دیا جاتا ہے کہ رکوع سے پہلے دعاء قنوت پڑھنے کے سلسلے میں احادیث زیادہ تعداد میں منقول ہیں، پھر یہ کہ صحابہ کا عمل بھی انہیں احادیث کے مطابق نقل کیا گیا ہے اس لیے احادیث پر عمل کرنا چاہیے۔

جہاں تک ان احادیث کا تعلق ہے جن سے رکوع کے بعد دعا قنوت پڑھنا ثابت ہوتا ہے تو اس کے بارے میں بتایا جا چکا ہے کہ ان احادیث کا تعلق صرف ایک مہینے سے ہے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کے بعد قنوت پڑھی ہے۔ مستقل طریقے سے رکوع کے بعد عاء قنوت پڑھنے سے اس کا تعلق نہیں ہے۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب رمضان کے آخری نصف حصے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے باغیوں کے لیے بد دعا کرنے کی وجہ سے دعاء قنوت پڑھتے ہوں گے کیونکہ صحیح سند کے ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ :

جب آدھا رمضان گزر جائے تو (رمضان کے آخری نصف حصے میں) وتر میں کفار پر لعنت بھیجنا سنت ہے۔

ابق ابی کے الفاظ کہہ کر لوگوں نے حضرت ابی کو بھاگنے والے غلام کے ساتھ تشبیہ دی، اس کی وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں کی نظر میں حضرت ابی کا یہ عمل کہ آخری دس دنوں میں مسجد میں نہیں آئے مکروہ معلوم ہوا۔ حالانکہ حضرت ابی کسی عذر کی بناء پر ہی رمضان کے آخری عشرے میں مسجد نہیں آئے ہوں گے۔

اور عذر یہی ہوسکتا ہے کہ وہ ان ایام میں خلوت اختیار کرتے تھے تا کہ عبادت کا وہ کمال خلوت میں حاصل ہو جائے جو جلوت میں حاصل نہیں ہوتا۔

حدیث کے الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء قنوت رکوع کے بعد پڑھی ہے سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک مہینے تک (فجر کی نماز میں) رکوع کے بعد دعاء قنوت پڑھی ہے اور اس پر دلیل صحیح البخاری و صحیح مسلم کی وہ روایت ہے جو عاصم احول سے منقول ہے (ملاحظہ فرمایئے اسی باب کی حدیث نمبر۲)

آخری روایت کا مفہوم یہ ہے کہ کبھی (یعنی وتر میں) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعاء قنوت رکوع سے پہلے پڑھتے تھے اور کبھی (یعنی کسی حادثے و وباء کے وقت) رکوع کے بعد پڑھتے تھے۔

اس مفہوم سے ان تمام احادیث میں تطبیق ہو جائے گی جن میں سے بعض روایات تو رکوع کے بعد دعاء قنوت پڑھنے پر دلالت کرتی ہیں اور بعض روایتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے پہلے دعاء قنوت پڑتے تھے۔

فجر میں قنوت کی منسوخیت کا بیان:

(فَإِنْ قَنَتَ الْإِمَامُ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ يَسْكُتُ مَنْ خَلْفَهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ يُتَابِعُهُ) لِأَنَّهُ تَبَعٌ لِإِمَامِهِ ، وَالْقُنُوتُ مُجْتَهَدٌ فِيهِ .

وَلَهُمَا أَنَّهُ مَنْسُوخٌ وَلَا مُتَابَعَةَ فِيهِ ، ثُمَّ قِيلَ يَقِفُ قَائِمًا لِيُتَابِعَهُ فِيمَا تَجِبُ مُتَابَعَتُهُ ، وَقِيلَ يَقْعُدُ تَحْقِيقًا لِلْمُخَالَفَةِ لِأَنَّ السَّاكِتَ شَرِيكُ الدَّاعِي وَالْأَوَّلُ أَظْهَرُ .

وَدَلَّتْ الْمَسْأَلَةُ عَلَى جَوَازِ الِاقْتِدَاءِ بِالشَّفْعَوِيَّةِ وَعَلَى الْمُتَابَعَةِ فِي قِرَاءَةِ الْقُنُوتِ فِي الْوِتْرِ ، وَإِذَا عَلِمَ الْمُقْتَدِي مِنْهُ مَا يَزْعُمُ بِهِ فَسَادَ صَلَاتِهِ كَالْفَصْدِ وَغَيْرِهِ لَا يُجْزِئُهُ الِاقْتِدَاءُ بِهِ ، وَالْمُخْتَارُ فِي الْقُنُوتِ الْإِخْفَاءُ لِأَنَّهُ دُعَاءٌ وَاللَّهُ أَعْلَمُ .

ترجمہ:

اگر امام نے فجر کی نماز میں قنوت پڑھی تو طرفین کے نزدیک پیچھے والے خاموش رہیں گے۔ اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ وہ اس کی اتباع کریں گے۔ کیونکہ وہ اپنے امام کے تابع ہیں۔ اور قنوت خود مجتہد فیہ مسئلہ ہے۔

اور طرفین کی دلیل یہ ہے قنوت منسوخ ہے اور منسوخ مسئلے میں اتباع نہیں کی جاتی۔ پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ مقتدی ٹھہر جائے اور اس کے امام کی اتباع کرے جس کی اتباع واجب نہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مقتدی بیٹھ جائے تا کہ مخالفت ثابت ہو جائے۔ کیونکہ خاموش رہنے داعی شرکت ہوتا ہے۔ اور پہلا قول زیادہ ظاہر ہے۔

فقہ شافعی اپنانے والے امام کے پیچھے اقتداء کے جواز میں اس مسئلہ نے دلالت کی ہے۔ لہذا وتر میں وہ قنوت کی قرأت

میں اس کی اتباع کرے۔اور جب مقتدی (حنفی) کو امام (شافعی) کے بارے میں ایسی بات معلوم ہو جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔جس طرح فصد وغیرہ ہیں۔تو اس کی اقتداء کرنا کافی نہ ہوگا۔اور مختار قنوت میں اخفاء ہے کیونکہ یہ دعا ہے۔اللہ ہی سے زیادہ جاننے والا ہے۔

ایک ماہ تک فجر میں قنوت پڑھی گئی پھر منسوخ ہوگئی:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینہ تک (رکوع کے بعد) دعاء قنوت پڑھی ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مطلقاً فرض نمازوں میں یا یہ کہ رکوع کے بعد قنوت پڑھنے کو ترک کر دیا۔ (ابوداؤد، سنن نسائی)

اکثر اہل علم یہی فرماتے ہیں کہ دعاء قنوت نہ تو فجر کی نماز میں مشروع ہے اور نہ وتر کے علاوہ کسی دوسری نماز میں، چنانچہ یہ حضرات اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ اور بہت سی احادیث بھی ہیں جو فرض نمازوں میں ترک قنوت پر دلالت کرتی ہیں، اہل علم اور محققین اس کی تفصیل مرقاۃ میں ملاحظہ فرماسکتے ہیں۔

حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما فرماتے ہیں کہ فجر کی نماز میں تو دعائے قنوت ہمیشہ پڑھنی چاہیے اور نمازوں میں کسی حادثے اور وبا کے وقت پڑھی جائے۔

حضرت ابو مالک اشجعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد مکرم سے دریافت کیا کہ ابا جان ! آپ نے سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ عنہم کے پیچھے یہیں کوفہ میں تقریباً پانچ سال تک نماز پڑھی ہے کیا یہ حضرات دعاء قنوت پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ میرے بیٹے ! قنوت بدعت ہے۔(جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

حضرت ابو مالک اپنے والد محترم سے یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء اربعہ بھی فجر کی نماز میں اور دیگر نمازوں میں قنوت پڑھتے تھے جیسا کہ اب بھی بعض لوگ ان نمازوں میں قنوت پڑھتے ہیں؟

اس کا جواب ان کے والد نے یہ دیا کہ جو لوگ فجر کی اور دوسری نمازوں میں مستقل طریقے سے یعنی ہمیشہ دعاء قنوت پڑھتے ہیں وہ بدعت میں مبتلا ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو وتر کے علاوہ فجر کی نماز میں صرف ایک مہینہ تک قنوت پڑھی ہے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک کر دیا تھا جیسا کہ ابھی پچھلی حدیث میں ذکر کیا گیا، گویا کہ یہ حدیث حضرت امام ابوحنیفہ کی دلیل ہے۔

حضرات شوافع فرماتے ہیں کہ جن احادیث میں نماز فجر کے اندر قنوت نہ پڑھنا ذکر کیا گیا ہے وہ سب ضعیف ہیں لیکن ملا علی قاری نے اس قول کا جواب بہت معقول اور مدلل طریقے سے دیا ہے نیز انہوں نے خلفاء اربعہ سے بھی اس طرح کی روایتیں نقل کی ہیں۔

باب النوافل

﴿ یہ باب نوافل کے بیان میں ہے ﴾

نوافل کے باب کی مطابقت کا بیان:

اس سے پہلے مصنف نے فرائض نمازیں اور اس کے واجب نماز جیسے وتر ہے اس کو بیان کیا ہے اور ان کے بعد سنن ونوافل کو بیان کرر ہے ہیں۔ تا کہ نمازوں کی شرعی حیثیت کے مطابق ان کے مرتبے کو برقرار رکھا جائے۔

سنن ونوافل نماز کی رکعتوں وتعداد کا بیان:

والسنة ركعتان في الفجر (وَأَرْبَعٌ قَبْلَ الظُّهْرِ ، وَبَعْدَهَا رَكْعَتَانِ ، وَأَرْبَعٌ قَبْلَ الْعَصْرِ ، وَإِنْ شَاءَ رَكْعَتَيْنِ وَرَكْعَتَانِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ ، وَأَرْبَعٌ قَبْلَ الْعِشَاءِ ، وَأَرْبَعٌ بَعْدَهَا ، وَإِنْ شَاءَ رَكْعَتَيْنِ) وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "(مَنْ ثَابَرَ عَلَى ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ بَنَى اللَّهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ) " وَفَسَّرَ عَلَى نَحْوِ مَا ذَكَرَ فِي الْكِتَابِ ، غَيْرَ أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ الْأَرْبَعَ قَبْلَ الْعَصْرِ فَلِهَذَا سَمَّاهُ فِي الْأَصْلِ حَسَنًا وَخَيَّرَ لِاخْتِلَافِ الْآثَارِ ، وَالْأَفْضَلُ هُوَ الْأَرْبَعُ وَلَمْ يَذْكُرْ الْأَرْبَعَ قَبْلَ الْعِشَاءِ فَلِهَذَا كَانَ مُسْتَحَبًّا لِعَدَمِ الْمُوَاظَبَةِ ، وَذَكَرَ فِيهِ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ ، وَفِي غَيْرِهِ ذَكَرَ الْأَرْبَعَ فَلِهَذَا خُيِّرَ ، إلَّا أَنَّ الْأَرْبَعَ أَفْضَلُ خُصُوصًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَى مَا عُرِفَ مِنْ مَذْهَبِهِ ، وَالْأَرْبَعُ قَبْلَ الظُّهْرِ بِتَسْلِيمَةٍ وَاحِدَةٍ عِنْدَنَا ، كَذَا قَالَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَفِيهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ .

ترجمہ

اور فجر سے پہلے دو رکعتیں ،ظہر سے پہلے چار رکعتیں اور اس کے بعد دو رکعتیں اور عصر سے پہلے چار رکعتیں اور اگر چاہے تو دو رکعتیں پڑھے اور مغرب کے بعد دو اور عشاء سے پہلے چار اور چار اس کے بعد اور اگر چاہے تو اس کے بعد دو رکعتیں پڑھے۔ اور اس کی اصل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ جس نے دن رات میں بارہ رکعتوں پر دوام اختیار کیا اللہ اس کیلئے جنت میں گھر بنائے گا۔ اور جو آپ ﷺ نے اس کی تفسیر بیان فرمائی ہے وہی کتاب میں ذکر ہوئی ہے۔ لیکن آپ ﷺ نے عصر کے پہلے والی چار رکعتوں کا ذکر نہیں فرمایا۔ اس لئے امام محمد علیہ الرحمہ نے ان چار رکعتوں کا نام مبسوط میں حسن رکھا ہے۔ اور اختلاف آثار کی وجہ سے اختیار ہے جبکہ افضل یہ ہے کہ وہ چار رکعتیں پڑھے۔ اور عشاء سے پہلے والی بھی چار رکعتوں کا ذکر بھی نہیں ہوا ہے۔ لہذا وہ چار مستحب ہوگئیں۔ کیونکہ چار رکعتوں پر مواظبت نہیں پائی جاتی۔ اور ذکر کردہ حدیث میں عشاء کے بعد دو رکعتوں کا ذکر ہے۔ اور ایک دوسری حدیث میں چار رکعات کا بھی ذکر ہے۔ اس دلیل کے پیش نظر اس میں اختیار دیا گیا ہے

لیکن چار رکعت پڑھنا افضل ہے۔خاص طور پر امام اعظم کا مذہب معروف یہی ہے۔اور ظہر سے پہلے چار ہمارے نزدیک ایک سلام کے ساتھ ہیں جس طرح نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔

نماز مغرب کے بعد دو سنتوں کا بیان:

حضرت عائشہ صدیقہ بیان فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مغرب (مسجد میں) پڑھ کر میرے گھر تشریف لاتے اور دو رکعتیں پڑھتے۔(سنن ابن ماجہ)

حضرت رافع بن خدیج فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس بنو عبد الاشہل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے ہمیں ہماری مسجد میں نماز مغرب پڑھا کر فرمایا وہ دو رکعتیں اپنے اپنے گھروں میں پڑھ لو۔(سنن ابن ماجہ)

فقہ حنفی کے مطابق سنتوں کی تفصیلی تعداد کا بیان:

فجر کے وقت فرض سے پہلے دو رکعت سنت موکدہ ہیں ان کی تاکید تمام مؤکدہ سنتوں سے زیادہ ہے یہاں تک کہ بعض روایات میں امام ابوحنیفہ سے ان کا وجوب منقول ہے اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ ان کے انکار سے کفر کا خوف رہتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ فجر کی سنتیں نہ چھوڑو چاہے تمہیں گھر کچل ڈالیں یعنی جان جانے کا خوف ہو تب بھی نہ چھوڑو، اس سے مقصود صرف تاکید اور ترغیب ہے ورنہ جان کے خوف سے تو فرائض کو چھوڑنا بھی جائز ہے۔

ظہر کے وقت فرض سے پہلے چار رکعت ایک سلام سے اور فرض کے بعد دو رکعت سنت موکدہ ہیں۔

جمعہ کے وقت فرض سے پہلے چار رکعتیں ایک سلام سے سنت مؤکدہ ہیں اور فرض کے بعد بھی ایک ہی سلام سے چار رکعتیں سنت ہیں۔

عصر کے وقت کوئی سنت موکدہ نہیں، ہاں فرض سے پہلے چار رکعتیں ایک سلام سے مستحب ہیں۔

مغرب کے وقت فرض کے بعد دو رکعت سنت مؤکدہ ہیں۔

عشاء کے وقت فرض کے بعد دو رکعت سنت مؤکدہ ہیں اور فرض سے پہلے کی چار رکعتیں ایک سلام سے مستحب ہیں۔

وتر کے بعد بھی دو رکعتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں لہٰذا وتر کے بعد کی دو رکعت مستحب ہیں۔

رات کی نماز یعنی تہجد وغیرہ کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو روایات ان کے پڑھنے کے طریقے وغیرہ کے بارے میں منقول ہیں اس باب کے تحت نقل کی جائیں گی۔

رات کی نماز پڑھنے کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف روایتیں منقول ہیں ان میں سے جس روایت کے مطابق بھی نماز پڑھی جائے گی اتباع نبوی کی فضیلت اور سنت کی ادائیگی کی سعادت حاصل ہوگی ہاں اگر تمام روایات کی اتباع کے پیش نظر یہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ کبھی تو کسی روایت کے مطابق پڑھی جائے اور کبھی کسی روایت کے مطابق، تو یہ طریقہ نہ

صرف یہ کہ انتہائی مناسب اور بہتر بلکہ سنت کے عین مطابق ہوگا۔

رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی رکعتوں کی تعداد کے بارے میں مختلف روایتیں منقول ہیں، چنانچہ تیرہ گیارہ نو اور سات رکعتیں منقول ہیں، بعض علماء نے پانچ رکعتیں بھی روایت کی ہیں، تاہم تیرہ سے زیادہ ثابت نہیں ہے، پھر یہ کہ بعض علماء نے یہ تعداد فجر کی سنت کے ساتھ ذکر کی ہے اور بعض نے فجر کی سنتوں کے علاوہ اور صحیح قول یہی ہے، اسی طرح وتر کی تعداد کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں، بعض روایتوں میں تو وتر ایک رکعت کے ساتھ منقول ہے اور بعض میں تین رکعتوں کے ساتھ، نیز بعض روایات میں وتر کی رکعت کو بھی نماز تہجد کی رکعتوں میں شامل کر کے انہیں شمار کیا گیا ہے اور بعض روایات میں وتر کی رکعتوں کو ان سے الگ شمار کیا گیا ہے اسی طرح بعض روایات میں وتر کا اطلاق ایک رکعت پر کیا گیا ہے۔ اور بعض میں تین پانچ اور سات تک پر کیا گیا ہے بلکہ بعض روایات میں تو رات کی تمام نماز کو وتر کہا گیا ہے۔

شب وروز کے نوافل کا بیان:

قَالَ (وَنَوَافِلُ النَّهَارِ إِنْ شَاءَ صَلَّى بِتَسْلِيمَةٍ رَكْعَتَيْنِ وَإِنْ شَاءَ أَرْبَعًا) وَتُكْرَهُ الزِّيَادَةُ عَلَى ذَلِكَ . وَأَمَّا نَافِلَةُ اللَّيْلِ قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ إِنْ صَلَّى ثَمَانَ رَكَعَاتٍ بِتَسْلِيمَةٍ جَازَ ، وَتُكْرَهُ الزِّيَادَةُ ، وَقَالَا : لَا يَزِيدُ فِي اللَّيْلِ عَلَى رَكْعَتَيْنِ بِتَسْلِيمَةٍ .

وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ لَمْ يَذْكُرْ الثَّمَانِيَ فِي صَلَاةِ اللَّيْلِ ، وَدَلِيلُ الْكَرَاهَةِ أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَمْ يَزِدْ عَلَى ذَلِكَ ، وَلَوْلَا الْكَرَاهَةُ لَزَادَ تَعْلِيمًا لِلْجَوَازِ ، وَالْأَفْضَلُ فِي اللَّيْلِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ مَثْنَى مَثْنَى ، وَفِي النَّهَارِ أَرْبَعٌ أَرْبَعٌ ، وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِيهِمَا مَثْنَى مَثْنَى ، وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ فِيهِمَا أَرْبَعٌ أَرْبَعٌ .

لِلشَّافِعِيِّ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (صَلَاةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنَى مَثْنَى) " وَلَهُمَا الِاعْتِبَارُ بِالتَّرَاوِيحِ ، وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ (أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ يُصَلِّي بَعْدَ الْعِشَاءِ أَرْبَعًا أَرْبَعًا) " رَوَتْهُ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا ، وَكَانَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ يُوَاظِبُ عَلَى الْأَرْبَعِ فِي الضُّحَى ، وَلِأَنَّهُ أَدْوَمُ تَحْرِيمَةً فَيَكُونُ أَكْثَرَ مَشَقَّةً وَأَزْيَدَ فَضِيلَةً لِهَذَا لَوْ نَذَرَ أَنْ يُصَلِّيَ أَرْبَعًا بِتَسْلِيمَةٍ لَا يَخْرُجُ عَنْهُ بِتَسْلِيمَتَيْنِ

، وَعَلَى الْقَلْبِ يَخْرُجُ وَالتَّرَاوِيحُ تُؤَدَّى بِجَمَاعَةٍ فَيُرَاعَى فِيهَا جِهَةُ التَّيْسِيرِ ، وَمَعْنَى مَا رَوَاهُ شَفْعًا لَا وِتْرًا ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ .

ترجمہ:

اوردن کے نوافل خواہ وہ ایک سلام کے ساتھ دو رکعتیں پڑھے۔اوراگر چاہے تو چار پڑھے۔اوراس سے زیادہ مکروہ ہے۔ بہر حال رات کو نوافل امام اعظم کے نزدیک ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعتیں پڑھے تب بھی جائز ہے۔اوراس پر زیادتی کرنا مکروہ ہے اور صاحبین نے فرمایا: کہ رات کے نوافل ایک سلام کے ساتھ دو رکعات سے زیادہ نہ کرے۔جبکہ جامع صغیر میں امام محمد علیہ الرحمہ آٹھ رکعتیں نوافل کا ذکر نہیں کیا۔اوران کی کراہت کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس پر زیادتی نہیں کی۔ اگر کراہت نہ ہوتی تو نبی کریم ﷺ جواز کی تعلیم کے طور زیادہ کرتے ۔لہذا صاحبین کے نزدیک رات کے نوافل دو،دو، رکعتیں پڑھنا افضل ہے۔اورامام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک شب وروز دونوں کے نوافل میں دو،دو رکعتیں ہیں۔اورامام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک دونوں میں چار،چار رکعتیں ہیں۔

امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے۔شب وروز کی نماز دو،دو رکعتیں ہیں۔جبکہ صاحبین نے اس کو تراویح پر قیاس کیا ہے۔اورامام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ عشاء کی نماز کے بعد چار رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔یہ روایت حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمائی ہے۔اور آپ ﷺ نے چاشت میں چار رکعتوں پر دوام فرمایا ہے۔اوراس کی وجہ یہ بھی ہے کہ تحریمہ کے اعتبار سے دوام ہے۔اس لئے کہ مشقت بھی زیادہ ہو اور فضیلت بھی زیادہ ہو۔لہذا اگر کسی نے نذر مانی کہ وہ ایک سلام کے ساتھ چار رکعتیں پڑھے گا۔تو دو سلاموں کے ساتھ چار رکعتیں پڑھ کر اس نذر سے نہیں نکل سکتا۔جبکہ اس کے برعکس وہ نکل جائے گا۔اور تراویح کی جماعت کے ساتھ ادا ہونے کی وجہ سے اس میں سہولت کا لحاظ کیا گیا ہے۔اورامام شافعی علیہ الرحمہ کی روایت کردہ حدیث کا معنی "جوڑا" ہے طاق نہیں ہے۔اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

دن اور رات میں نوافل کی تعدد رکعات میں فقہی تصریحات:

امام ترمذی علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ و سلم قال

صلاة الليل و النهار مثنى مثنى قال أبو عيسى اختلف أصحاب شعبة فى حديث ابن عمر فرفعه بعضهم و أوقفه بعضهم وروى عن عبد الله العمرى عن نافع عن ابن عمر عن النبى صلى الله عليه و سلم نحو هذا و الصحيح ما روى عن ابن عمر أن النبى صلى الله عليه و سلم قال صلاة الليل مثنى مثنى وروى الثقاف عن عبد الله بن عمر عن النبى صلى الله عليه و سلم ولم يذكروا فيه صلاة النهار وقد روى عن عبيد الله عن نافع عن ابن عمر أنه كان يصلى بالليل مثنى مثنى و بالنهار أربعا وقد اختلف أهل العلم فى ذلك فرأى بعضهم أن صلاة الليل والنهار مثنى مثنى وهو قول الشافعى و أحمد وقال بعضهم صلاة الليل مثنى مثنى و (رأوا) صلاة التطوع بالنهار أربعا مثل الأربع قبل الظهر وغيرها من صلاة التطوع وهو قول سفيان الثورى و ابن المبارك وإسحق صحيح ۔(جامع ترمذى ۔ج ١ ،باب ما جاء أن صلاة الليل و النهار مثنى مثنى)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دن اور رات کی نماز دو، دو (رکعتیں) ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اصحاب شعبہ نے حدیث ابن عمر کے بارے میں اختلاف کیا ہے بعض نے کہا ہے یہ مرفوع ہے اور بعض نے اسے موقوف کہا ہے۔ جبکہ عبداللہ عمری نے نافع سے اور انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اسی طرح حدیث بیان کی ہے۔

جبکہ صحیح روایت وہ ہے جو ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے رات کی نماز کو دو، دو (رکعتیں) کہا ہے اور جو ثقاف نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اس میں صلوٰۃ النہار کا ذکر نہیں ہے۔

اور جو روایت عبیداللہ نے نافع سے اور انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اس میں یہ ہے کہ آپ رات کو دو، دو اور دن کو چار رکعات پڑھتے تھے۔

تحقیق اہل علم نے اس میں اختلاف کیا ہے ان میں بعض نے کہا کہ دن رات کی نماز دو، دو رکعتیں ہیں۔ یہی قول امام شافعی اور امام احمد کا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ رات کی نماز دو، دو رکعتیں ہے۔ (جیسا کہ صاحبین کا مؤقف ہے) اور ان کے سوا نے کہا ہے کہ دن کے نوافل ظہر کی چار سنتوں کی طرح چار رکعات ہیں۔ (جیسا کہ امام اعظم علیہ الرحمہ کا مؤقف ہے)۔ اور اس کے علاوہ سفیان ثوری، ابن مبارک اور اسحاق نے کہا ہے نفلی نماز جائز ہے۔ (جامع ترمذی)

فَصلٌ فِی القِرَاءَۃِ

﴿یہ فصل قرأت کے بیان میں ہے﴾

قرأت کے بیان والی فصل کی مطابقت کا بیان:

فرائض، واجبات اور نوافل کو بیان کرنے کے بعد قرأت والی فصل کو لانے کی وجہ یہ ہے کہ قرأت چونکہ ان تینوں قسم کی نمازوں میں مختلف احکام کے ساتھ مشروع ہوئی ہے۔ لہذا اس فصل کو ان تینوں نمازوں سے مؤخر کیا ہے۔ تاکہ احکام قرأت کو ان نمازوں کی شرعی حیثیت کے ساتھ سمجھا جائے۔ فرائض میں قرأت کا حکم واجبات وسنن ونوافل سے مختلف ہے۔

فرض نمازوں میں قرأت کا بیان:

(اَلْقِرَاءَۃُ فِی الْفَرْضِ وَاجِبَۃٌ فِی الرَّکْعَتَیْنِ) وَقَالَ الشَّافِعِیُّ رَحِمَہُ اللّٰہُ فِی الرَّکَعَاتِ کُلِّھَا لِقَوْلِہٖ عَلَیْہِ الصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ "لَا صَلَاۃَ إلَّا بِقِرَاءَۃٍ، وَکُلُّ رَکْعَۃٍ صَلَاۃٌ" وَقَالَ مَالِکٌ رَحِمَہُ اللّٰہُ فِی ثَلَاثِ رَکَعَاتٍ إقَامَۃً لِلْأَکْثَرِ مَقَامَ الْکُلِّ تَیْسِیرًا .

وَلَنَا قَوْلُہ تَعَالَی (فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنْ الْقُرْآنِ) وَالْأَمْرُ بِالْفِعْلِ لَا یَقْتَضِی التَّکْرَارَ ، وَإِنَّمَا أَوْجَبْنَا فِی الثَّانِیَۃِ اسْتِدْلَالًا بِالْأُولَی لِأَنَّھُمَا یَتَشَاکَلَانِ مِنْ کُلِّ وَجْہٍ ، فَأَمَّا الْأُخْرَیَانِ فَیُفَارِقَانِھِمَا فِی حَقِّ السُّقُوطِ بِالسَّفَرِ ، وَصِفَۃِ الْقِرَاءَۃِ وَقَدْرِھَا فَلَا یَلْحَقَانِ بِھِمَا ، وَالصَّلَاۃُ فِیمَا رُوِیَ مَذْکُورَۃٌ تَصْرِیحًا فَتَنْصَرِفُ إلَی الْکَامِلَۃِ وَھِیَ الرَّکْعَتَانِ عُرْفًا کَمَنْ حَلَفَ لَا یُصَلِّی صَلَاۃً بِخِلَافِ مَا إذَا حَلَفَ لَا یُصَلِّی

ترجمہ:

فرض کی دو رکعتوں میں قرأت واجب ہے۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ اس کی تمام رکعتوں میں قرأت فرض ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قرأت کے بغیر نماز ہی نہیں۔ اور ہر رکعت نماز ہے۔ اور امام مالک علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ تین رکعتوں میں فرض ہے۔ کیونکہ آسانی کے پیش نظر اکثر کو کل کے قائم مقام کر دیا جاتا ہے۔

اور ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ کا فرمان" فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْآن" اور امر بالفعل تکرار کا تقاضہ نہیں کرتا۔ لہذا ہم نے پہلی سے استدلال کرتے ہوئے دوسری میں قرأت کو واجب کر لیا۔ کیونکہ یہ دونوں رکعتیں ہر طرح سے ہم شکل ہیں۔ بہر حال آخری دو رکعتیں تو وہ سفر کے ساتھ حق سقوط اور صفت قرأت اور اس کی مقدار میں جدا ہو گئیں۔ لہذا ان دونوں کو پہلی دونوں کے ساتھ لاحق نہ کیا جائے گا۔ اور امام شافعی کی روایت کردہ حدیث میں لفظ" صلوٰۃ" کے صریح ہونے کی وجہ سے اس کو صلوٰۃ کاملہ کی طرف پھیر دیا جائے گا۔ اور عرف میں بھی دو رکعتیں ہیں۔ جس طرح کسی نے قسم کھائی کہ وہ نماز نہیں پڑھے گا

بخلاف اس کے کہ جب اس نے "لایصلی" کہہ کر قسم کھائی۔

احادیث سے حکم قرأت کا بیان:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ظہر اور عصر کی نماز میں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام (کی مقدار) کا اندازہ کرتے، چنانچہ ہم نے اندازہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں الم تنزیل السجدہ پڑھنے کے بقدر قیام کرتے تھے اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ہر رکعت میں تیس آیتیں پڑھنے کے بقدر قیام کرتے تھے اور (ظہر کی) آخری دو رکعتوں میں اس کے نصف کے بقدر قیام کا ہم نے اندازہ کیا۔ (صحیح مسلم)

الم تنزیل السجدہ کے بقدر کا مطلب یا تو یہ ہے کہ دونوں رکعتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجموعی قیام کی مقدار سورہ الم تنزیل السجدہ ہوتی تھی یا اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رکعت میں الم السجدہ پڑھنے کے بقدر قرأت کرتے تھے اس آخری مطلب کی تائید دوسری روایت بھی کرتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہر رکعت میں تیس آیتوں کے بقدر قرأت کرتے تھے اور الم تنزیل السجدہ میں انتیس آیتیں ہیں، اگر پہلے مطلب کو صحیح مانا جائے تو یہ دوسری روایت کے خلاف ہوگا لہٰذا بہتر یہی ہوگا کہ یہ کہا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رکعت میں سورہ الم تنزیل السجدہ کی بقدار قرأت کرتے تھے۔

نماز سفر سے قرأت اولین کا استدلال:

فقہاء احناف کے موقف میں یہ دلیل بھی پیش کی جاتی ہے کہ پہلی دو رکعتوں میں قرأت کا ثبوت حالت سفر والی نماز بھی ہے کیونکہ اس سے آخری دو رکعتیں ہی ساقط ہوجاتی ہیں۔ لہذا آخری دو رکعتوں کا سقوط ہی اس بات کی دلیل ہے کہ شفع ثانی الگ نماز ہے۔ اس کا مقیس علیہ شفع اولیٰ ہے۔ لہذا جب شفع اولیٰ ہوگیا تو ثانی بھی ہوجاتا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ آخری رکعتوں میں قرأت نہ کی جائے گی۔ بلکہ صرف پہلی دو رکعتوں میں قرأت کافی ہوگی۔

فرائض کی آخری دو رکعتوں میں قرأت کا بیان:

(وَهُوَ مُخَيَّرٌ فِي الْأُخْرَيَيْنِ) مَعْنَاهُ إِنْ شَاءَ سَكَتَ وَإِنْ شَاءَ قَرَأَ وَإِنْ شَاءَ سَبَّحَ ، كَذَا رُوِيَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ ، وَهُوَ الْمَأْثُورُ عَنْ عَلِيٍّ وَابْنِ مَسْعُودٍ وَعَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ إِلَّا أَنَّ الْأَفْضَلَ أَنْ يَقْرَأَ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ دَاوَمَ عَلَى ذَلِكَ ، وَلِهَذَا لَا يَجِبُ السَّهْوُ بِتَرْكِهَا فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ .

ترجمہ

اور اسے آخری دو رکعتوں میں اختیار ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ چاہے تو خاموش رہے اور اگر وہ چاہے تو پڑھے۔ اور اگر چاہے تو تسبیح پڑھے اسی طرح حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ اور اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ، حضرت

عبداللہ بن مسعود اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے نقل کیا گیا ہے۔ جبکہ فضیلت قرأت کرنے کو ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس پر مداومت فرمائی ہے۔ لہذا اسی دلیل کی بنیاد پر ظاہر الروایہ کے مطابق ترک قرأت کی وجہ سے سجدہ سہو واجب نہ ہوگا۔

نماز کی رکعات میں قرأت میں فقہی اختلاف کا بیان:

علامہ ابن محمود البابرتی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ نماز میں کتنی رکعات میں قرأت کی جائے یہ مسئلہ خمسہ یعنی اس کے بارے پانچ مؤقف ہیں۔ (۱) احناف کے نزدیک پہلی دو رکعات میں قرأت فرض ہے۔ (۲) امام شافعی کے نزدیک تمام رکعات میں قرأت ہے (۳) امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک تین رکعات میں قرأت ہے (۴) امام حسن بصری کے نزدیک صرف ایک رکعت میں قرأت ہے (۵) امام ابوبکر اصم کے نزدیک تمام اذکار کی طرح ساری نماز میں قرأت سنت ہے۔

ابوبکر اصم کا قول فاسد ہے کیونکہ تمام اذکار سنت طریقے پر مشروع ہیں اور ان میں ہر حال میں اخفاء واجب ہے۔ جبکہ قرأت کی اکثر نمازوں میں جہر واجب ہے۔ کیونکہ اگر یہ سنت ہوتی تو اس میں اخفاء ہوتا۔ جبکہ یہ نص واجماع کے خلاف ہے۔

امام حسن بصری علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان '' فَاقْرَءُ وْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآن '' اور امر تکرار کا تقاضہ نہیں کرتا۔ جس طرح رکوع وسجود میں تکرار نہیں ہوتا۔ لہذا قرأت صرف ایک رکعت میں واجب ہوگی۔

امام مالک علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ قرأت تمام رکعات میں واجب ہے کیونکہ حدیث '' قرأت کے بغیر نماز نہیں '' لہذا اکثر کو کل کے قائم مقام کیا۔ تاکہ آسانی پیش نظر رہے۔

امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل یہ حدیث ہے کہ ہر رکعت نماز ہے۔ اور جس نے ایک رکعت کسی کے پیچھے پڑھی تو وہ حانث ہو جائے گا۔

ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان '' فَاقْرَءُ وْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآن '' بے شک امر بالفعل تکرار تقاضہ نہیں کرتا۔ جسے اصول کی کتب میں سمجھ چکے ہو۔ اور جو تم نے خبر واحد ذکر کی ہے وہ نہ تو نص قرآن کے معارض آسکتی ہے اور نہ اس سے نص پر زیادتی کی جائے گی۔ لہذا ہم نے پہلی سے استدلال کرتے ہوئے دوسری رکعت کی قرأت کو واجب کرلیا۔ کیونکہ اس کی دلالت اسی کے وجہ سے ہے۔ کیونکہ ان دونوں (پہلی، دوسری) کی شکل ایک ہی ہے۔

اگر کسی نے کہا کہ پہلی رکعت تو ثناء، تعوذ اور بسملہ کی وجہ سے دوسری سے الگ ہوگئی تو ہم اسے تسلیم نہیں کرتے کیونکہ یہ (ثناء تعوذ، بسملہ) امر زائد ہے۔ ارکان میں ان کا کوئی اعتبار نہیں۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۲،ص ۲۰۵، بیروت)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور دو سورتیں (یعنی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور ایک سورۃ) پڑھتے تھے اور بعد کی دونوں رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھتے تھے اور کبھی کبھی ہمیں (بھی) آیت سنا دیا کرتے تھے اور دوسری رکعت کی بہ نسبت پہلی رکعت کو زیادہ طویل کرتے تھے

اسی طرح عصر اور فجر کی نماز میں بھی کرتے تھے۔(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

آخری رکعتوں میں قرأت کے بارے میں فقہی مذاہب:

حدیث کے ان الفاظ سے(و حزرنا قیامہ فی الا خرین)(ظہر) کی آخری دو رکعتوں میں اس سے نصف کا ہم نے انداز کیا ہے۔ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی آخری دونوں رکعتوں میں بھی سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی دوسری سورت جو پہلی دونوں رکعتوں کی سورتوں سے مختصر ہوتی تھی پڑھتے تھے چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک قول جدید کے مطابق یہی ہے لیکن ان کے ہاں فتوے ان کے قول قدیم پر ہے جو حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مسلک کے مطابق ہے کہ آخری دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی دوسری سورت پڑھنا ضروری نہیں ہے۔

لہٰذا اس حدیث کی تاویل یہ ہوگی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل سنت پر محمول نہیں بلکہ بیان جواز پر محمول ہے یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کبھی کبھی کوئی اور سورہ بھی ملا کر قرأت کرتے تھے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اس طرح پڑھنا بھی جائز ہے لیکن اتنی بات جان لینی چاہیے کہ تمام ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ آخری دونوں رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھنا ہی سنت ہے بلکہ احناف کا کہنا تو یہ کہ اگر کوئی آدمی سورہ فاتحہ بھی نہ پڑھے بلکہ صرف تسبیح (یعنی سبحان اللہ وغیرہ کہہ لے تو بھی جائز ہے لیکن قرأت افضل ہے، امام نخعی، امام ثوری اور کوفہ کے تمام علماء کرام کا قول بھی یہی ہے۔

محیط میں یہ لکھا کہ اگر کوئی آدمی آخری دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے بجائے قصداً سکوت اختیار کرے تو یہ خلاف سنت ہونے کی وجہ سے ایک غلط فعل ہوگا۔ حسن بن زیاد نے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ آخری دونوں رکعتوں میں قرأت کرنا واجب ہے۔ ابن شیبہ نے حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے کہ پہلی دونوں رکعتوں میں قراءت کرو اور آخری دونوں رکعتوں میں تسبیح پر اکتفاء کرو اور یہ بھی کہا ہے کہ اگر کوئی آدمی آخری دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورۃ بھی پڑھ لے تو سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا اور یہی صحیح بھی ہے کیونکہ آخری دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا سنت ہے اور کسی دوسری سورت کا ترک کرنا واجب نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ سجدہ سہو کسی واجب کو چھوڑ دینے یا واجب پر عمل نہ کرنے ہی کی وجہ سے ضروری ہوتا ہے۔

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاں اولیٰ اور صحیح یہ ہے کہ آخری دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کسی دوسری سورۃ کا پڑھنا مکروہ نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری دونوں رکعتوں میں کبھی کبھی سورہ فاتحہ کے علاوہ اور کوئی سورۃ یا کچھ آیتیں بھی پڑھ لیا کرتے تھے لیکن سورہ فاتحہ کے ساتھ کسی دوسری سورۃ کا نہ پڑھنا ہی مستحب ہے۔

نوافل کی تمام رکعتوں میں وجوب قرأت کا بیان:

(وَالْقِرَاءَةُ وَاجِبَةٌ فِي جَمِيعِ رَكَعَاتِ النَّفْلِ وَفِي جَمِيعِ الْوِتْرِ) أَمَّا النَّفْلُ فَلِأَنَّ كُلَّ شَفْعٍ مِنْهُ صَلَاةٌ عَلَى حِدَةٍ ، وَالْقِيَامُ إلَى الثَّالِثَةِ كَتَحْرِيمَةٍ مُبْتَدَأَةٍ ، وَلِهَذَا لَا يَجِبُ بِالتَّحْرِيمَةِ الْأُولَى إلَّا رَكْعَتَانِ فِي الْمَشْهُورِ عَنْ أَصْحَابِنَا رَحِمَهُمُ اللَّهُ ، وَلِهَذَا قَالُوا يَسْتَفْتِحُ فِي الثَّالِثَةِ ، وَأَمَّا الْوِتْرُ فَلِلِاحْتِيَاطِ .

قَالَ (وَمَنْ شَرَعَ فِي نَافِلَةٍ ثُمَّ أَفْسَدَهَا قَضَاهَا) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ :لَا قَضَاءَ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ مُتَبَرِّعٌ فِيهِ وَلَا لُزُومَ عَلَى الْمُتَبَرِّعِ .وَلَنَا أَنَّ الْمُؤَدَّى وَقَعَ قُرْبَةً فَيَلْزَمُ الْإِتْمَامُ ضَرُورَةَ صِيَانَتِهِ عَنْ الْبُطْلَانِ

ترجمہ:

نفل اور وتر کی تمام رکعتوں میں قرأت واجب ہے۔نفل کی ہر رکعت میں وجوب قرأت اس لئے ہے کہ اس کی ہر رکعت الگ نماز ہے۔اور تیسری رکعت میں کھڑا ہونا نئے سرے تحریمہ کی مثل ہے۔اسی لئے ہمارے اصحاب کے مشہور قول کے مطابق پہلی تحریمہ سے صرف دو رکعتیں واجب ہوتی ہیں۔اور اسی کی بنیاد پر مشائخ نے کہا ہے کہ تیسری رکعت میں ''ثناء'' پڑھے۔اور وتر کا حکم احتیاط کی وجہ سے ہے۔

فرمایا: جس نے نفل شروع کیے پھر ان کو توڑ دیا تو وہ ان کی قضاء کرے۔اور امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا: اس پر کوئی قضاء نہیں۔کیونکہ وہ فضیلت ہے۔اور فضیلت کا اس پر لزوم نہیں۔جبکہ ہماری دلیل یہ ہے کہ اس نے جس قدر نفل کو ادا کیا وہ قربت واقع ہوگیا لہذا بطور ضرورت اس کو بطلان سے محفوظ رکھنا لازمی ہے۔

شرح:

نوافل اور وتر اور اسی طرح سنن کی تمام رکعتوں میں قرأت کے وجوب کی دلیل یہ ہے کہ فرائض کے سوا باقی تمام نمازیں اپنی تعریف وحد میں ہر رکعت کے اعتبار سے مستقل حکم قرأت رکھتی ہیں۔جبکہ اسی مسئلہ بنیاد پر فرائض و نوافل میں ایک واضح فرق بھی ہے۔ جہاں تک نوافل کو شروع کرنے اور پھر اس میں اتنی رکعات کو پورا کرنے یا شروع کرنے کے بعد دو رکعات پڑھ کو چھوڑ دینے کا مسئلہ ہے تو اس میں ائمہ فقہ کا اختلاف ہے۔احناف کے نزدیک ترک کی ہوئی نماز کی قضاء کرے گا کیونکہ اس نے اگرچہ خود واجب کیا ہے تاہم جب کوئی حکم واجب ہو جاتا ہے تو اس کو پورا کرنا لازم ہوتا ہے۔جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے فضیلت جانتے ہوئے حکم قضاء لازم نہ کیا۔

چار نفل پڑھنے والے نے جب دوسری دو کو فاسد کر دیا:

(وَإِنْ صَلَّى أَرْبَعًا وَقَرَأَ فِي الْأُولَيَيْنِ وَقَعَدَ ثُمَّ أَفْسَدَ الْأُخْرَيَيْنِ قَضَى رَكْعَتَيْنِ) لِأَنَّ الشَّفْعَ الْأَوَّلَ قَدْ تَمَّ ، وَالْقِيَامُ إلَى الثَّالِثَةِ بِمَنْزِلَةِ تَحْرِيمَةٍ مُبْتَدَأَةٍ فَيَكُونُ مُلْزِمًا ، هَذَا إذَا أَفْسَدَ الْأُخْرَيَيْنِ بَعْدَ الشُّرُوعِ

فِيهِمَا ، وَلَوْ أَفْسَدَ قَبْلَ الشُّرُوعِ فِي الشَّفْعِ الثَّانِي لَا يَقْضِي الْأُخْرَيَيْنِ :وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يَقْضِي اعْتِبَارًا لِلشُّرُوعِ بِالنَّذْرِ .

وَلَهُمَا أَنَّ الشُّرُوعَ يَلْزَمُ مَا شُرِعَ فِيهِ وَمَا لَا صِحَّةَ لَهُ إلَّا بِهِ ، وَصِحَّةُ الشَّفْعِ الْأَوَّلِ لَا تَتَعَلَّقُ بِالثَّانِي ، بِخِلَافِ الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ ، وَعَلَى هَذَا سُنَّةُ الظُّهْرِ لِأَنَّهَا نَافِلَةٌ وَقِيلَ يَقْضِي أَرْبَعًا احْتِيَاطًا لِأَنَّهَا بِمَنْزِلَةِ صَلَاةٍ وَاحِدَةٍ .

ترجمہ:

اور اگر اس نے چار رکعت نفل شروع کیے اور اس نے دو میں قرأت کی پھر اس نے قعدہ کیا اور پھر اس نے آخری دو کو فاسد کر دیا تو وہ دو رکعتوں کی قضاء کرے۔ کیونکہ پہلا شفع مکمل ہو چکا ہے اور تیسری رکعت کی طرف قیام نئی تحریمہ کے مقام میں ہے لہذا وہی اس کی دو رکعتوں کو لازم کرنے والا ہے۔ اور یہ حکم قضاء اس وقت ہے جب اس نے آخری دو کو شروع کرنے کے بعد فاسد کیا ہو۔ اور اگر اس نے شفع ثانی شروع کرنے سے پہلے فاسد کیا ہے تو آخری دو کی قضاء نہیں ہے۔ جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نذر پر قیاس کرتے ہوئے قضاء کا حکم دیتے ہیں۔

اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ شروع کر لینا یہی لازم کرتا ہے جس میں شروع ہوا ہے۔ اور وہ تو اس کے بغیر صحیح ہی نہیں ہوتا۔ اور شفع اول کی صحت کا شفع ثانی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ بخلاف رکعت ثانیہ کے۔ اسی اختلاف کے مطابق ظہر کی سنت ہے کیونکہ وہ نفل ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بطور احتیاط وہ چار کی قضاء کرے کیونکہ وہ ایک ہی نماز کے درجے میں ہیں۔

دلیل استنباط میں امام ابو یوسف اور طرفین کے اختلاف کا بیان:

مسئلہ مذکورہ میں امام ابو یوسف علیہ الرحمہ قضاء حکم اس کی دلیل کی وجہ سے دیتے ہیں کہ اس شخص کا نوافل شروع کر لینے کے بعد اس کے حق میں ان کو پورا کرنا اس طرح ہو گیا جس طرح کسی شخص نے نذر کو پورا کرنا ہوتا ہے اور نذر میں چونکہ جس وصف کا اس نے نذر میں اقرار کیا ہے اسی وصف کے ساتھ کلی طور پر پورا ضروری ہوتا ہے۔ لہذا وہ نوافل میں دو رکعتوں کی قضاء کرے گا کیونکہ اس کے بعد چار رکعات نوافل مکمل نہیں ہوتے۔

جبکہ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ جب اس نے شروع کیا تو اس پر چار لازم ہو گئے ہیں۔ اور جب اس نے تیسری رکعت شروع کی تو وہ دو بھی لازم ہو گئے کیونکہ اس کے حق میں تیسری رکعت تکبیر تحریمہ کا حکم رکھتی ہے۔

حاصل کلام یہ ہوا کہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک دلیل نذر کا تقاضہ یہ ہے کہ پورا کیا جائے اور طرفین علیہما الرحمہ کے نزدیک جب تیسری رکعت میں کھڑا ہو گیا تو تکبیر بہ منزلے تحریمہ کا تقاضہ یہ ہے کہ اسے پورا کیا جائے۔

چار رکعتوں میں سے کسی میں قرأت نہ کرنے کا بیان وحکم:

(وَإِنْ صَلَّى أَرْبَعًا وَلَمْ يَقْرَأْ فِيهِنَّ شَيْئًا أَعَادَ رَكْعَتَيْنِ) وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ يَقْضِي أَرْبَعًا ،

وَهَذِهِ الْمَسْأَلَةُ عَلَى ثَمَانِيَةِ أَوْجُهٍ :وَالْأَصْلُ فِيهَا أَنَّ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ تَرْكَ الْقِرَاءَةِ فِي الْأُولَيَيْنِ أَوْ فِي إحْدَاهُمَا يُوجِبُ بُطْلَانَ التَّحْرِيمَةِ لِأَنَّهَا تُعْقَدُ لِلْأَفْعَالِ وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَرْكُ الْقِرَاءَةِ فِي الشَّفْعِ الْأَوَّلِ لَا يُوجِبُ بُطْلَانَ التَّحْرِيمَةِ ، وَإِنَّمَا يُوجِبُ فَسَادَ الْأَدَاءِ لِأَنَّ الْقِرَاءَةَ رُكْنٌ زَائِدٌ ، أَلَا تَرَى أَنَّ الصَّلَاةَ وُجُودًا بِدُونِهَا غَيْرَ أَنَّهُ لَا صِحَّةَ لِلْأَدَاءِ إلَّا بِهَا ، وَفَسَادُ الْأَدَاءِ لَا يَزِيدُ عَلَى تَرْكِهِ فَلَا يُبْطِلُ التَّحْرِيمَةَ .

وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَرْكُ الْقِرَاءَةِ فِي الْأُولَيَيْنِ يُوجِبُ بُطْلَانَ التَّحْرِيمَةِ ، وَفِي إحْدَاهُمَا لَا يُوجِبُ لِأَنَّ كُلَّ شَفْعٍ مِنْ التَّطَوُّعِ صَلَاةٌ عَلَى حِدَةٍ وَفَسَادُهَا بِتَرْكِ الْقِرَاءَةِ فِي رَكْعَةٍ وَاحِدَةٍ مُجْتَهَدٌ فِيهِ فَقَضَيْنَا بِالْفَسَادِ فِي حَقِّ وُجُوبِ الْقَضَاءِ وَحَكَمْنَا بِبَقَاءِ التَّحْرِيمَةِ فِي حَقِّ لُزُومِ الشَّفْعِ الثَّانِي احْتِيَاطًا ، إذَا ثَبَتَ هَذَا نَقُولُ :إذَا لَمْ يَقْرَأْ فِي الْكُلِّ قَضَى رَكْعَتَيْنِ عِنْدَهُمَا لِأَنَّ التَّحْرِيمَةَ قَدْ بَطَلَتْ بِتَرْكِ الْقِرَاءَةِ فِي الشَّفْعِ الْأَوَّلِ عِنْدَهُمَا فَلَمْ يَصِحَّ الشُّرُوعُ فِي الشَّفْعِ الثَّانِي وَبَقِيَتْ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ فَصَحَّ الشُّرُوعُ فِي الشَّفْعِ الثَّانِي ثُمَّ إذَا فَسَدَ الْكُلُّ بِتَرْكِ الْقِرَاءَةِ فِيهِ فَعَلَيْهِ قَضَاءُ الْأَرْبَعِ عِنْدَهُ .

ترجمہ:

طرفین کے نزدیک جب کسی شخص نے چار رکعتیں نفل اس طرح پڑھیں کہ ان میں کسی رکعت میں بھی قرأت نہیں کی۔تو وہ دو رکعتوں کا اعادہ کرے۔جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک وہ چار رکعتوں کی قضاء کرے۔

اس مسئلہ کی آٹھ صورتیں ہیں۔اور قانون اس میں یہ ہے کہ امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک پہلی رکعت میں یا ان میں سے کسی ایک میں قرأت کو چھوڑنا تحریمہ کو باطل کرنے کا موجب ہے۔ کیونکہ تحریمہ افعال (نماز) کو باندھنے والی ہے۔جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک پہلے شفع میں ترک قرأت تحریمہ کو باطل کرنے کا موجب نہیں ہے۔بلکہ فساد ادا کا موجب ہے کیونکہ قرأت رکن زائد ہے۔کیا آپ نہیں دیکھتے کہ قرأت کے بغیر بھی وجود صلوٰۃ ہے۔لیکن قرأت کے بغیر اس کی ادائیگی صحیح نہیں۔اور ادا کا فاسد ہونا ترک ادا سے زیادہ نقصان دہ نہیں ہے۔لہذا تحریمہ باطل نہ ہوگی۔

اور امام اعظم کے نزدیک پہلی دونوں میں ترک قرأت تحریمہ کو باطل کرنے کا موجب ہے۔اور ان میں سے کسی ایک میں ترک قرأت تحریمہ کو باطل کرنے والا نہیں ہے۔کیونکہ نفل کا ہر شفع الگ نماز ہے اور ایک رکعت میں ترک قرأت کی وجہ سے فساد

مختلف فیہ ہے۔

لہذا ہم نے حکم فساد وجوب قضاء کے حق میں دے دیا۔اوراحتیاط کے پیش نظر تحریمہ کی بقاء کا حکم شفع ثانی کے لزوم کے حق میں دے دیا۔جب اصول ثابت ہو چکا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ طرفین کے نزدیک تمام رکعتوں کی صورت میں دورکعتوں کی قضاء کرے۔کیونکہ ان کے نزدیک پہلا شفع میں ترک قرأت کی وجہ سے تحریمہ باطل ہوگئی۔لہذا شفع ثانی کوشروع کرنا ہی درست نہیں ہے۔

اورامام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک تحریمہ باقی ہے لہذا شفع ثانی کوشروع کرنا بھی صحیح ہےاور پھر جب اس نے ترک قرأت کی وجہ سے ساری چاروں کوفاسد کیا۔تو چاروں کی قضاء واجب ہوگئی۔

مسائل ثمانیہ والے مسئلہ میں امام ابو یوسف اور طرفین کا موقف:

اگر کسی شخص نے چار رکعت نوافل پڑھے اور کسی میں بھی قرأت نہ کی تو طرفین کے نزدیک دورکعت کی قضاء کرنا واجب ہے جبکہ امام بو یوسف کے نزدیک چار رکعت کی قضاء واجب ہے دلیل وہی ہے کہ امام ابو یوسف نذر پر قیاس کرتے ہیں اور طرفین کے نزدیک جب تیسری رکعت شروع نہ ہوئی تو حکم قضاء آخری دورکعتوں کا کیونکر دیا جائے گا۔بہر حال مسئلہ کی مندرجہ ذیل آٹھ صورتیں ہیں۔

(۱) چاروں میں قرأت نہ کی (۲) چاروں میں قرأت کی (۳) پہلی دو میں قرأت ترک کی (۴) دوسری دو میں قرأت ترک کی (۵) صرف پہلی رکعت میں قرأت ترک کی (۶) فقط دوسری رکعت میں قرأت ترک کی (۷) صرف تیسری رکعت میں قرأت ترک کی (۸) صرف چوتھی رکعت میں قرأت ترک کی۔

اس مسئلہ کی مزید صورتیں بھی فقہاء نے بیان کی ہیں۔تاہم دلائل کے پیش مزید صورتیں انہی کے تابع ہوں یعنی ان کے حکم میں امام ابو یوسف اور طرفین کے اختلاف کا لحاظ کیا جائے گا۔

اگر پہلی دورکعتوں میں قرأت کی تو آخری دو کی قضاء کا بیان:

(وَلَوْ قَرَأَ فِي الْأُولَيَيْنِ لَا غَيْرُ فَعَلَيْهِ قَضَاءُ الْأُخْرَيَيْنِ بِالْإِجْمَاعِ) لِأَنَّ التَّحْرِيمَةَ لَمْ تَبْطُلْ فَصَحَّ الشُّرُوعُ فِي الشَّفْعِ الثَّانِي ثُمَّ فَسَادُهُ بِتَرْكِ الْقِرَاءَةِ لَا يُوجِبُ فَسَادَ الشَّفْعِ الْأَوَّلِ .

(وَلَوْ قَرَأَ فِي الْأُخْرَيَيْنِ لَا غَيْرُ فَعَلَيْهِ قَضَاءُ الْأُولَيَيْنِ بِالْإِجْمَاعِ) لِأَنَّ عِنْدَهُمَا لَمْ يَصِحَّ الشُّرُوعُ فِي الشَّفْعِ الثَّانِي .وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ إنْ صَحَّ فَقَدْ أَدَّاهَا .

ترجمہ:

اوراگر اس نے صرف پہلی دورکعتوں میں قرأت کی تو وہ بہ اجماع آخری دو کی قضاء واجب ہے کیونکہ اس کی تحریمہ باطل

نہیں ہوئی۔لہذا شفع ثانی کوشروع کرنا صحیح ہوا۔پھراس میں ترک قرأت کافساد شفع اول کے فساد کوواجب نہیں۔

اوراگراس نے صرف آخری دورکعتوں میں قرأت کی تو بہ اجماع پہلی دو کی قضاء اس پر واجب ہے۔اس لئے کہ طرفین کے نزدیک شفع ثانی کوشروع کرنا صحیح نہیں۔جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک اگر چہ صحیح ہے۔لیکن اس نے (شفع ثانی) کوادا کیا ہے۔

شرح:

اس مسئلہ میں بھی امام ابو یوسف علیہ الرحمہ اور طرفین کے مؤقف کی دلیل گزر چکی ہے۔

پہلی دورکعتوں میں قرأت کی اورآخری دو میں سے ایک میں قرأت کی تو حکم:

(وَلَوْ قَرَأَ فِي الْأُولَيَانِ وَإِحْدَى الْأُخْرَيَيْنِ فَعَلَيْهِ قَضَاءُ الْأُخْرَيَيْنِ بِالْإِجْمَاعِ ، وَلَوْ قَرَأَ فِي الْأُخْرَيَيْنِ وَإِحْدَى الْأُولَيَيْنِ فَعَلَيْهِ قَضَاءُ الْأُولَيَيْنِ بِالْإِجْمَاعِ ، وَلَوْ قَرَأَ فِي إحْدَى الْأُولَيَيْنِ وَإِحْدَى الْأُخْرَيَيْنِ عَلَى قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ قَضَاءُ الْأَرْبَعِ ، وَكَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ) لِأَنَّ التَّحْرِيمَةَ بَاقِيَةٌ .وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ قَضَاءُ الْأُولَيَيْنِ لِأَنَّ التَّحْرِيمَةَ قَدْ ارْتَفَعَتْ عِنْدَهُ .

وَقَدْ أَنْكَرَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ هَذِهِ الرِّوَايَةَ عَنْهُ وَقَالَ :رَوَيْت لَك عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يَلْزَمُهُ قَضَاءُ رَكْعَتَيْنِ ، وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ لَمْ يَرْجِعْ عَنْ رِوَايَتِهِ عَنْهُ.

ترجمہ:

اوراگراس نے پہلی دورکعتوں اورآخری دورکعتوں میں سے کسی ایک میں قرأت کی تواس پر بہ اجماع آخری دورکعتوں کی قضاء واجب ہے۔اوراسی طرح اگراس نے آخری دورکعتوں میں قرأت کی اور پہلی دو میں سے کسی ایک میں قرأت کی تو تب بھی اس پر بہ اجماع پہلی کی قضاء واجب ہے۔

اوراگر پہلی دورکعتوں میں سے ایک اورآخری دورکعتوں میں سے کسی ایک میں قرأت کی توامام ابو یوسف اورامام اعظم کے نزدیک چاررکعتوں کی قضاء کرے گا۔کیونکہ تحریمہ باقی ہے۔اورامام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک اس پر پہلی دو کی قضاء واجب ہے کیونکہ ان کے نزدیک تحریمہ اٹھ چکی ہے۔

اور بے شک امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے ان کی اس روایت کاانکار کیا ہے اور فرمایا ہے کہ میں نے امام اعظم سے انہیں یہ روایت بتائی کہ اس پر دورکعتوں کی قضاء واجب ہے۔لیکن امام محمد علیہ الرحمہ نے اس روایت میں ان سے رجوع نہیں کیا۔

شرح:

اس مسئلہ کی توضیح میں علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ یوں تحقیق انیق فرماتے ہیں۔

(قَوْلُهُ فَعَلَيْهِ قَضَاءُ الْأُخْرَيَيْنِ) وَهَذَا إذَا كَانَ قَعَدَ وَإِلَّا قَضَى أَرْبَعًا قَوْلُهُ وَمُحَمَّدٌ لَمْ يَرْجِعْ عَنْ رِوَايَتِهِ عَنْهُ) وَاعْتَمَدَتْ الْمَشَايِخُ رِوَايَةَ مُحَمَّدٍ مَعَ تَصْرِيحِهِمْ فِي الْأُصُولِ بِأَنَّ تَكْذِيبَ الْأَصْلِ الْفَرْعَ يُسْقِطُ الرِّوَايَةَ إذَا كَانَ صَرِيحًا ، وَالْعِبَارَةُ الْمَذْكُورَةُ فِي الْكِتَابِ وَغَيْرِهِ عَنْ أَبِي يُوسُفَ مِنْ مِثْلِ الصَّرِيحِ عَلَى مَا يُعْرَفُ فِي ذَلِكَ الْمَوْضِعِ فَلْيَكُنْ لَا بِنَاءً عَلَى أَنَّهُ رِوَايَةٌ بَلْ تَفْرِيعٌ صَحِيحٌ عَلَى أَصْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَإِلَّا فَهُوَ مُشْكِلٌ (قَوْلُهُ قَالَ) أَيْ مُحَمَّدٌ تَفْسِيرُ قَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إلَخْ لَمَّا ذَكَرَ أَنَّ التَّنَفُّلَ أَرْبَعًا أَرْبَعًا أَفْضَلُ مُطْلَقًا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا وَرَدَّ عَلَيْهِ ظَاهِرُ هَذَا الْحَدِيثِ ، وَهُوَ مَا رَوَاهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مُغِيرَةَ عَنْ إبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ قَالَ :قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَا يُصَلَّى بَعْدَ صَلَاةٍ مِثْلُهَا ، وَقَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ إدْرِيسَ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ إبْرَاهِيمَ وَالشَّعْبِيِّ قَالَا :قَالَ عَبْدُ اللَّهِ لَا يُصَلَّى عَلَى إثْرِ صَلَاةٍ مِثْلُهَا ، فَفَسَّرَهُ بِأَنَّ الْمُرَادَ رَكْعَتَيْنِ بِقِرَاءَةٍ وَرَكْعَتَيْنِ بِلَا قِرَاءَةٍ إذْ هُوَ مَتْرُوكُ الظَّاهِرِ اتِّفَاقًا لِأَنَّهُ يُصَلِّي رَكْعَتَيْ الظُّهْرِ عَقِيبَ الظُّهْرِ الْمَقْصُورَةِ .

وَكَذَا الْعِشَاءُ وَالْفَجْرُ عَقِيبَ رَكْعَتَيْهِ ، أَوْ هُوَ مَحْمُولٌ عَلَى تَكْرَارِ الْجَمَاعَةِ فِي الْمَسْجِدِ عَلَى هَيْئَتِهِ الْأُولَى ، أَوْ عَلَى النَّهْيِ عَنْ قَضَاءِ الْفَرَائِضِ مَخَافَةَ الْخَلَلِ فِي الْمُؤَدَّى فَإِنَّهُ مَكْرُوهٌ لِمَا فِي أَبِي دَاوُد وَالنَّسَائِيِّ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ قَالَ :أَتَيْت ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَلَى الْبَلَاطِ وَهُمْ يُصَلُّونَ ، قُلْت :أَلَا تُصَلِّي مَعَهُمْ ؟ قَالَ :قَدْ صَلَّيْت ، إنِّي سَمِعْت رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ (لَا تُصَلُّوا صَلَاةً فِي يَوْمٍ مَرَّتَيْنِ) وَرَوَى مَالِكٌ فِي الْمُوَطَّإِ

:حَدَّثَنَا نَافِعٌ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ ابْنَ عُمَرَ فَقَالَ :إنِّي أُصَلِّي فِي بَيْتِي ثُمَّ أُدْرِكُ الصَّلَاةَ مَعَ الْإِمَامِ أَفَأُصَلِّي مَعَهُ ؟ فَقَالَ :ابْنُ عُمَرَ :نَعَمْ ، قَالَ :أَيَّتَهُمَا أَجْعَلُ صَلَاتِي ، فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ :لَيْسَ ذَلِكَ إلَيْك إنَّمَا ذَلِكَ إلَى اللَّهِ يَجْعَلُ أَيَّتَهُمَا شَاءَ .

وَقَالَ :هَذَا مِنْ ابْنِ عُمَرَ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ الَّذِي رُوِيَ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْهُ إنَّمَا أَرَادَ كِلْتَاهُمَا عَلَى وَجْهِ الْفَرْضِ ، أَوْ إذَا صَلَّى فِي جَمَاعَةٍ فَلَا يُعِيدُ انْتَهَى .

وَفِيهِ نَفْيٌ لِقَوْلِ الشَّافِعِيَّةِ بِإِبَاحَةِ الْإِعَادَةِ مُطْلَقًا وَإِنْ صَلَّاهَا فِي جَمَاعَةٍ .

وَأَمَّا كَوْنُ الْحَدِيثِ الْمَذْكُورِ عَنْهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا هُوَ ظَاهِرُ قَوْلِ مُحَمَّدٍ فَاَللَّهُ أَعْلَمُ بِهِ ، وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ أَعْلَمُ بِذَلِكَ مِنَّا ۔(فتح القدیر ،ج۲،ص ۴۳۰،بیروت)

جامع صغیر کی تصنیف کے بعد امام محمد اور امام ابو یوسف علیہما الرحمہ کا تکرار:

صاحب ہدایہ کے مذکورہ متن میں جس مسئلہ کا ذکر ہے۔اس سے مصنف کا اس واقعہ کی طرف اشارہ بھی ہے کہ جس وقت

امام محمد علیہ الرحمہ جامع صغیر کی تصنیف سے فارغ ہوئے۔ تو انہوں نے اپنی کتاب امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کو سنائی۔ اور یہی مسئلہ بیان ہوا تو امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے امام محمد سے کہا کہ یہ روایت امام صاحب سے تمہارے سامنے بیان نہیں ہوئی بلکہ میں نے امام اعظم کے سامنے تمہیں یہی روایت بیان کی تھی کہ اس شخص پر دو رکعتیں قضاء واجب ہے۔

جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ نے کہا کہ نہیں اس طرح نہیں ہے بلکہ تم نے مجھ سے اس طرح روایت کی تھی کہ امام اعظم کے نزدیک اس شخص پر چار رکعتوں کی قضاء واجب ہے۔

اگر اس نے پہلی دو رکعتوں میں سے ایک میں قرأت کی تو حکم:

(وَلَوْ قَرَأَ فِي إِحْدَى الْأُولَيَيْنِ لَا غَيْرُ قَضَى أَرْبَعًا عِنْدَهُمَا ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ قَضَى رَكْعَتَيْنِ ، وَلَوْ قَرَأَ فِي إِحْدَى الْأُخْرَيَيْنِ لَا غَيْرُ قَضَى أَرْبَعًا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَعِنْدَهُمَا رَكْعَتَيْنِ) قَالَ (وَتَفْسِيرُ قَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "(لَا يُصَلَّى بَعْدَ صَلَاةٍ مِثْلُهَا) " يَعْنِي رَكْعَتَيْنِ بِقِرَاءَةٍ وَرَكْعَتَيْنِ بِغَيْرِ قِرَاءَةٍ فَيَكُونُ بَيَانُ فَرْضِيَّةِ الْقِرَاءَةِ فِي رَكَعَاتِ النَّفْلِ كُلِّهَا .

ترجمہ:

اگر اس نے صرف پہلی دو رکعتوں میں قرأت کی تو شیخین کے نزدیک وہ چار کی قضاء کرے گا۔ اور امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک دو کی قضاء کرے گا۔ اور اگر اس نے آخری دو رکعتوں میں سے صرف کسی ایک میں قرأت کی تو امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک وہ چار کی قضاء کرے اور طرفین کے نزدیک دو کی قضاء کرے گا۔ اور نبی کریم ﷺ کے فرمان '' لَا يُصَلَّى بَعْدَ صَلَاةٍ مِثْلُهَا '' کی تفسیر یہی ہے یعنی وہ دو رکعتیں قرأت کے ساتھ اور دو رکعتیں بغیر قرأت کے نہ پڑھے۔ لہذا اسی نفل کی تمام رکعات میں قرأت کی فرضیت کا بیان ہو گیا ہے۔

شرح:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ حدیث '' (لَا يُصَلَّى بَعْدَ صَلَاةٍ مِثْلُهَا '' جس تفسیر جامع صغیر میں امام محمد علیہ الرحمہ نے کی ہے اور اس حدیث کو مرفوع بیان کیا ہے، جبکہ یہ بھی ثابت ہے کہ یہ حدیث حضرت عمر اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے قول پر موقوف ہے۔ امام ابن ابی شیبہ نے اس کو مصنف میں مغیرہ بن ابراہیم سے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: '' (لَا يُصَلَّى بَعْدَ صَلَاةٍ مِثْلُهَا '' اور ابن ادریس نے حصین سے انہوں نے ابراہیم اور شعبی سے بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: '' لا یصلی علی اثر صلوٰۃ مثلھا '' اور جامع صغیر کی شرح میں فقیہ ابو اللیث نے کہا ہے کہ یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے کہ ''' اور امام طحاوی علیہ الرحمہ نے شرح الآثار میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے

روایت کیا ہے کہ "کان یکرہ ان یصلی بعد صلوٰۃ مثلہا" (البنائیہ شرح الہدایہ، ج ۳، ص ۸۵، حقانیہ ملتان)

قیام پرقدرت کے باوجود نفل کو بیٹھ کر پڑھنے کا بیان:

(وَيُصَلِّي النَّافِلَةَ قَاعِدًا مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَى الْقِيَامِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "(صَلَاةُ الْقَاعِدِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ صَلَاةِ الْقَائِمِ) " وَلِأَنَّ الصَّلَاةَ خَيْرٌ مَوْضُوعٌ وَرُبَّمَا يَشُقُّ عَلَيْهِ الْقِيَامُ فَيَجُوزُ لَهُ تَرْكُهُ كَيْ لَا يَنْقَطِعَ عَنْهُ . وَاخْتَلَفُوا فِي كَيْفِيَّةِ الْقُعُودِ وَالْمُخْتَارُ أَنْ يَقْعُدَ كَمَا يَقْعُدُ فِي حَالَةِ التَّشَهُّدِ لِأَنَّهُ عُهِدَ مَشْرُوعًا فِي الصَّلَاةِ .

ترجمہ

اور قیام پر قدرت ہونے کے باوجود بیٹھ کر نفل پڑھ سکتا ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بیٹھ کر نماز پڑھنے والی کی نماز قائم کی نماز سے نصف (ثواب) رکھتی ہے۔ کیونکہ نماز کو بھلائی بنایا گیا ہے۔ اور اکثر اوقات بندے پر قیام مشکل ہو جاتا ہے۔ لہذا اس کا ترک جائز ہے۔ تاکہ وہ نفل ہی ختم نہ کر بیٹھے۔ اور فقہاء نے بیٹھنے کے طریقے میں اختلاف کیا ہے۔ اور مختار یہ ہے کہ وہ اس طرح بیٹھے جس طرح تشہد میں بیٹھا جاتا ہے۔ کیونکہ نماز میں یہی بیٹھنا مشروع ومتعارف ہے۔

بیٹھ کر نماز پڑھنے میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے آدھا ثواب ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ وہ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریب سے گزرے تو فرمایا بیٹھ کر پڑھتے والے کی نماز (ثواب کے اعتبار سے) آدھی ہے کھڑے ہو کر پڑھنے والے کی نماز سے۔ (سنن ابن ماجہ)

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نکلے تو دیکھا کچھ لوگ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں تو فرمایا بیٹھ کر پڑھنے والے کی نماز آدھی ہے کھڑے ہو کر پڑھنے والے کی نماز سے۔ (سنن ابن ماجہ)

حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ انہوں نے مرد کے بیٹھ کر نماز پڑھنے کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا۔ فرمایا جس نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی تو یہ افضل ہے اور جس نے بیٹھ کر نماز پڑھی تو اس کو کھڑے ہونے والے سے آدھا ثواب ملے گا اور جس نے لیٹ کر نماز پڑھی تو اس کو بیٹھ کر نماز پڑھنے والے سے آدھا ثواب ملے گا۔ (سنن ابن ماجہ)

فرائض کے برعکس نوافل بیٹھ کر بھی پڑھے جاسکتے ہیں چاہے کوئی عذر موجود نہ ہو لیکن بیٹھ کر نفل پڑھنے سے آدھا اجر ملتا ہے۔ ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں۔

مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى فِي سُبْحَتِهِ قَاعِدًا حَتَّى كَانَ قَبْلَ وَفَاتِهِ بِعَامٍ (صحیح مسلم کتاب صلاۃ المسافرین و قصرھا باب جواز النافلۃ قائما و قاعدا۔)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کو وصال سے ایک سال پہلے تک رات کے نوافل بیٹھ کر ادا کرتے ہوئے نہیں

دیکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے عمر مبارک کے آخری سال بیٹھ کر نوافل ادا فرمائے ہیں اس لیے نفل نماز طاقت رکھنے کے باوجود بیٹھ کر بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ امام نوویؒ نے صحیح مسلم کی شرح میں اس کے جواز پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے۔

نوافل میں قیام کے ضروری نہ ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم دورانِ سفر قیام کیے بغیر سواری پر تشریف فرما ہوتے ہوئے نوافل پڑھ لیا کرتے تھے۔

بغیر عذر کے نفل کو بیٹھ کر پڑھنے کا بیان:

(وَإِنْ افْتَتَحَهَا قَائِمًا ثُمَّ قَعَدَ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ جَازَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ) وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ ، وَعِنْدَهُمَا لَا يُجْزِيهِ ، وَهُوَ قِيَاسٌ لِأَنَّ الشُّرُوعَ مُعْتَبَرٌ بِالنَّذْرِ .لَهُ أَنَّهُ لَمْ يُبَاشِرْ الْقِيَامَ فِيمَا بَقِيَ وَلَمَّا بَاشَرَ صَحَّ بِدُونِهِ ، بِخِلَافِ النَّذْرِ لِأَنَّهُ الْتَزَمَهُ نَصًّا حَتَّى لَوْ لَمْ يَنُصَّ عَلَى الْقِيَامِ لَا يَلْزَمُهُ الْقِيَامُ عِنْدَ بَعْضِ الْمَشَايِخِ رَحِمَهُمُ اللَّهُ

ترجمہ:

اور اگر اس نے نفلی نماز کو کھڑے ہو کر شروع کیا پھر بغیر عذر کے بیٹھ گیا تو امام اعظم کے نزدیک جائز ہے۔ اور یہ دلیل استحسان کی وجہ سے ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ اور یہی قیاس ہے کیونکہ شروع کرنے کو نذر پر قیاس کیا جائے گا۔ امام اعظم کے نزدیک اس نے بقیہ میں قیام نہیں کیا ہے جبکہ جس میں اس نے قیام کیا ہے وہ بھی بغیر قیام کے درست ہے۔ بخلاف نذر کیونکہ اس کا التزام نص سے ہے۔ حتیٰ کہ اگر نص میں اس کے قیام کی صراحت نہ ہوتی تو بعض مشائخ کے نزدیک اس کا بھی قیام لازم نہ ہوتا۔

شرح:

علامہ ابن محمود البابرتی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ جب کسی شخص نے بغیر کسی عذر کے نفلی نماز کو بیٹھ کر شروع کیا تو دلیل استحسان کے ساتھ اس کا ایسا کرنا جائز ہے۔ جبکہ صاحبین نے قیاس سے دلیل اخذ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس طرح کرنا جائز نہیں۔

فقیہ ابو جعفر ہندوانی کہتے ہیں کہ جب کسی شخص نے [illegible] میں نماز پڑھنے کا کہا اور اس نے یہ نہیں کہا کہ وہ کھڑے ہو کر پڑھے گا یا بیٹھ کر پڑھے گا تو اس صورت میں اس پر قیام یا قعود واجب نہیں ہے۔

پھر مشائخ نے اس میں اختلاف کیا ہے امام فخر الاسلام نے کہا ہے۔ کہ قیام لازم نہیں ہے کیونکہ نفل میں قیام وصف زائد ہے اور کوئی بھی وصف زائد شرط کے بغیر لازم نہیں ہوتا۔

بعض فقہاء نے کہا ہے کہ قیام لازم ہے کیونکہ جب بندے اپنے اوپر لازم کیا ہے تو یہ ایجاب اسی طرح ہوگا جس طرح اللہ کی طرف ہوتا ہے۔

جبکہ فوائد ظہیریہ میں ہے کہ نفل کی جس طرح اس نے ابتداء کی تھی اسی طرح اس کی انتہاء کرے کیونکہ انتہاء کو پورا کرنا ابتداء کی بہ نسبت آسان ہے۔(عنایہ شرح الہدایہ، ج۲، ص۲۲۵، بیروت)

شہر سے باہر جانوروں پر نفل پڑھنے کا بیان:

(وَمَنْ كَانَ خَارِجَ الْمِصْرِ يَتَنَفَّلُ عَلَى دَابَّتِهِ إلَى أَيِّ جِهَةٍ تَوَجَّهَتْ يُومِءُ إيمَاءً) لِحَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ "(رَأَيْت رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي عَلَى حِمَارٍ وَهُوَ مُتَوَجِّهٌ إلَى خَيْبَرَ يُومِءُ إيمَاءً)" وَلِأَنَّ النَّوَافِلَ غَيْرُ مُخْتَصَّةٍ بِوَقْتٍ فَلَوْ أَلْزَمْنَاهُ النُّزُولَ وَالِاسْتِقْبَالَ تَنْقَطِعُ عَنْهُ النَّافِلَةُ أَوْ يَنْقَطِعُ هُوَ عَنْ الْقَافِلَةِ ، أَمَّا الْفَرَائِضُ فَمُخْتَصَّةٌ بِوَقْتٍ ، وَالسُّنَنُ الرَّوَاتِبُ نَوَافِلُ .

وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يَنْزِلُ لِسُنَّةِ الْفَجْرِ لِأَنَّهَا آكَدُ مِنْ سَائِرِهَا ، وَالتَّقْيِيدُ بِخَارِجِ الْمِصْرِ يَنْفِي اشْتِرَاطَ السَّفَرِ وَالْجَوَازَ فِي الْمِصْرِ . وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يَجُوزُ فِي الْمِصْرِ أَيْضًا .وَوَجْهُ الظَّاهِرِ أَنَّ النَّصَّ وَرَدَ خَارِجَ الْمِصْرِ وَالْحَاجَةُ إلَى الرُّكُوبِ فِيهِ أَغْلَبُ .

ترجمہ:

اور جس آدمی شہر سے باہر ہو وہ اپنی سواری پر نفل پڑھے جس سمت چاہے متوجہ ہو اور اشارہ کرے گا۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو حمار پر نماز پڑھتے دیکھا اور آپ خیبر کی طرف متوجہ تھے اور اشارہ فرماتے تھے۔ کیونکہ نوافل کسی وقت کے ساتھ خاص نہیں ہیں۔ لہذا اگر ہم نے اس پر نزول اور جہت قبلہ کو لازم کر دیا تو اس سے نفل ختم ہو جائیں گے یا پھر وہ قافلے سے ختم ہو جائے گا۔ جبکہ فرائض وقت کے ساتھ خاص ہیں اور سنن نوافل کے مرتبے میں ہیں۔

اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک وہ فجر کی سنن کیلئے اترے گا کیونکہ ان کی تاکید تمام سنن سے زیادہ ہے۔ اور خارج مصر کی شرط لگانا شرط سفر کو ختم کرنا ہے اور شہر میں جواز کی نفی کرنا ہے۔ اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک شہر میں بھی جائز ہے۔ اور اسکی دلیل ظاہر ہے۔ کیونکہ نص بیرون شہر کے حکم میں بیان ہوئی ہے اور بیرون شہر میں سواری کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔

سواری پر نماز پڑھنے کے متعلق احادیث کا بیان:

امام ابوداؤد علیہ الرحمہ اپنی سند سے بیان کرتے ہیں۔ حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھ لیتے تھے۔ (سنن ابوداؤد)

سیدنا جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نفل نماز سوار ہونے کی حالت میں ہی پڑھ لیتے تھے حالانکہ

آپ ﷺ قبلہ کی بجائے کسی اور سمت جاتے ہوتے۔ (بخاری،۵۸۲)

سیدنا انسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے گدھے پر سوار ہو کر نماز پڑھی اور ان کا منہ قبلہ کے بائیں طرف تھا (جب وہ نماز پڑھ چکے) تو پوچھا گیا کہ آپ نے خلاف قبلہ نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں (کبھی) ایسا نہ کرتا۔ (بخاری،۵۸۳)

سواری پر نفل نماز پڑھنے میں فقہاء احناف کا نظریہ:

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں ہوتے تو رات کی نماز علاوہ فرض نماز کے اپنی سواری پر اشارے سے پڑھتے اور سواری کا منہ جس سمت ہوتا اسی سمت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی منہ ہوتا نیز نماز وتر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سواری ہی پر پڑھ لیتے تھے۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم)

حَیْثُ تَوَجَّھَتْ بِہٖ کا مطلب یہ ہے کہ جدھر سواری کا منہ ہوتا (ادھر ہی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی منہ کئے ہوئے نماز پڑھتے رہتے تھے لیکن تکبیر تحریمہ کے وقت اپنا روئے مبارک بہر صورت قبلے ہی کی طرف رکھتے تھے۔ جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے معلوم ہوگا اشارے سے نماز پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ رکوع اور سجدہ اشارہ سے کرتے تھے نیز یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کا جو اشارہ کرتے وہ رکوع کے اشارے سے پست ہوتا تھا۔

اس حدیث سے دو مسئلے مستنبط ہوتے ہیں اول تو یہ کہ سواری پر نفل نماز پڑھنی جائز ہے لیکن فرض نہیں اس حدیث میں اگر چہ رات کی نماز کا ذکر کیا گیا ہے لیکن دوسری روایتوں میں عام نفل نمازوں کا ذکر موجود ہے لہٰذا یہ حکم سنت موکدہ اور اس کے علاوہ دیگر سنن ونوافل نمازوں کو بھی شامل ہے مگر حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ایک روایت میں ثابت ہے کہ فجر کی سنتوں کے لیے سواری سے اتر جانا مستحب ہے بلکہ ایک دوسری روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی سنتوں کو سواری سے اتر کر پڑھنا واجب ہے۔ اسی لیے اس نماز کو بغیر کسی عذر کے بیٹھے بیٹھے پڑھنا جائز نہیں ہے فرض نماز سواری پر پڑھنا جائز نہیں ہے لیکن مندرجہ ذیل اعذار کی صورت میں فرض نماز بھی سواری پر پڑھ لینا جائز ہے۔

(۱) کوئی آدمی جنگل میں ہو اور اپنے مال یا اپنی جان کی ہلاکت کا خوف غالب ہو مثلاً یہ ڈر ہو کہ اگر سواری سے اتر کر نماز پڑھنے لگوں گا تو کوئی چور یا راہزن مال واسباب لے کر چلتا بنے گا یا کوئی درندہ نقصان پہنچائے گا یا قافلے سے بچھڑ جاؤں گا یا راستہ بھول جاؤں (۲) سواری میں کوئی ایسا سرکش جانور ہو یا کوئی ایسی چیز ہو جس پر اترنے کے بعد پھر چڑھنا ممکن نہ ہو۔ (۳) نماز پڑھنے والا اتنا ضعیف اور بوڑھا ہو کہ خود نہ تو سواری سے اتر سکتا ہو اور سواری پر چڑھنے پر قادر ہو اور نہ کوئی ایسا آدمی پاس موجود ہو جو سواری سے اتار سکے اور اس پر چڑھا سکے۔ (۴) زمین پر اتنا کیچڑ ہو کہ اس پر نماز پڑھنا ممکن نہ ہے۔ (۵) یا بارش کا عذر ہو۔

جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل کا تعلق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی نماز بھی سواری پر پڑھ لیتے تھے تو اس کے بارے میں امام طحاوی فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے نماز وتر کے حکم کی تاکید کے پیش نظر اور اس کی اہمیت کا احساس دلانے کے لیے سواری پر وتر کی نماز پڑھ لیتے تھے مگر جب لوگوں کے ذہن میں اس نماز کی تاکید واہمیت بیٹھ گئی اور اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اتنی تاکید فرمادی کہ اس کے چھوڑنے کو روا نہیں رکھا تو بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی نماز بھی سواری سے اتر کر زمین پر پڑھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کرتے تھے۔

حضرت امام محمد نے اپنی کتاب مؤطا میں صحابہ وتابعین کے ایسے بہت آثار نقل کیے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حضرات وتر کی نماز پڑھنے کے لیے اپنی سواریوں سے اتر جاتے تھے۔

علامہ شمنی فرماتے ہیں کہ نماز فرض کی طرح جنازہ کی نماز، منت مانی ہوئی نماز نذر اور وہ سجدہ تلاوت کہ جس کی آیت سجدہ کی تلاوت زمین پر کی گئی سواری پر جائز نہیں ہے۔

حدیث سے دوسرا مسئلہ یہ مستنبط ہوتا ہے کہ سواری پر نماز پڑھنا سفر کے ساتھ مشروط ہے چنانچہ ائمہ جمہور کا یہی مسلک ہے اور حضرت امام ابوحنیفہ وحضرت امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما سے بھی ایک روایت میں یہی منقول ہے لیکن حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا محقق اور صحیح مسلک یہ ہے کہ سواری پر نماز کا جواز نمازی کے شہر سے باہر ہونے کے ساتھ مشروط ہے خواہ مسافر ہو یا نہ ہو، چنانچہ اگر کوئی مسافر بھی شہر کے اندر ہو تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کے لیے سواری پر نفل نماز پڑھنا جائز نہیں ہے لیکن حضرت امام محمد کے نزدیک جائز ہے اگرچہ مکروہ ان کے نزدیک بھی ہے حضرت امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ مسافر شہر کے اندر بھی سواری پر نفل پڑھے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اب اس کے بعد اس میں اختلاف ہے کہ شہر سے کتنے فاصلے پر ہونے کی صورت میں سواری پر نماز پڑھنا جائز ہے۔

چنانچہ بعض حضرات کے نزدیک کم سے کم دو فرسخ (چھ میل) شہر سے باہر ہونا ضروری ہے بعض حضرات نے تین فرسخ اور بعض حضرات نے ایک کوس متعین کیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ شہر وآبادی کے مکانات سے باہر ہوتے ہی سواری پر نماز نفل پڑھنا جائز ہے جیسا کہ قصر نماز کے جواز کے سلسلے میں قاعدہ ہے۔

سواری پر نماز پڑھنے کے مسائل:

1. شہر یا بستی سے باہر گھوڑے وغیرہ جانور پر سوار ہو کر نفل نماز پڑھنا جائز ہے، خواہ کوئی عذر ہو یا نہ ہو، اور جدھر کو جانور جاتا ہو اُدھر ہی کو نماز پڑھے کیونکہ سواری پر نماز میں قبلے کی طرف منہ کرنا شرط نہیں ہے لیکن اگر شروع کرتے وقت ممکن ہو تو استقبال قبلہ مستحب ہے جانور کے رخ کے خلاف سمت کو نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

۲ . شہر (آبادی) کے اندر جانور پر سوار ہوکر نفل نماز پڑھنا امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز نہیں، امام ابو یوسف کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے اور امام محمد کر نزدیک کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

۳ . شہر سے باہر نکلنے کے بعد مسافر اور غیر مسافر اس حکم میں برابر ہیں اس لئے اگر کوئی شخص اپنی کھیتوں وغیرہ کی طرف یا گردو نواح میں جاتا ہو اور سفر شرعی نہ ہوتب بھی سواری پر نفل نماز پڑھنا جائز ہے۔

۴ . سنتِ مؤکدہ وغیر مؤکدہ سب نفل کے حکم میں ہیں لیکن سنتِ فجر امام ابوحنیفہ کے نزدیک بلا عذر سواری پر پڑھنا جائز نہیں۔

۵ . سواری پر نماز پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اشاروں سے نماز پڑھے یعنی جس طرح سواری پر بیٹھا ہو نیت باندہ کر قرآت وغیرہ بدستور پڑھ کر رکوع وسجدہ اشارہ سے کرے اور سجدے کا اشارہ رکوع سے زیادہ جھکا ہوا ہو اور بدستور قعدے میں تشہد وغیرہ پڑھ کر سلام پھیرے اور سجدہ میں کسی چیز پر اپنا سر نہ رکھے خواہ جانور چلتا ہو یا کھڑا ہو اس لئے کہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔

۶ . شہر سے باہر سواری پر نماز پڑھنے میں اگر جانور اپنے آپ چلتا ہو تو ہانکنا جائز نہیں اور اگر اپنے آپ نہ چلتا ہو تو عملِ قلیل سے ہانکنے میں نماز فاسد نہیں ہوگی اور عمل کثیر سے ہانکنے میں نماز فاسد ہو جائے گی۔

۷ . اگر نفل نماز زمین پر شروع کی پھر جانور پر سوار ہوکر اس کو پورا کیا تو جائز نہیں اور اگر سواری پر شروع کی اور زمین پر اتر کر پورا کیا تو جائز ہے اور یہ حکم اس وقت ہے جبکہ عملِ قلیل سے اُترا ہو مثلاً پاؤں ایک طرف کو لٹکا کر پھسل جائے۔

۸ . اگر سواری کے جانور پر نجاست ہو تو وہ مانع نماز نہیں، خواہ قلیل ہو یا کثیر لیکن نمازی کے بدن یا لباس پر ناپاکی ہوگی تو نماز جائز نہ ہوگی۔

۹ . ہر شخص کو اپنی سواری پر اکیلے اکیلے نماز پڑھنے چاہئے اگر وہ جماعت سے پڑھیں گے تو امام کی نماز جائز ہوگی جماعت کی جائز نہ ہوگی اور اگر مقتدی سب ایک ہی جانور پر سوار ہوں تو سب کی نماز جائز ہو جائے گی۔

۱۰ . جانور پر محمل (عماری) میں اور گاڑی میں نفل نماز پڑھنے کا وہی حکم ہے جو جانور پر پڑھنے کا بیان ہوا۔

۱۱ . پیدل چلنے کی حالت میں بالا جماع نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

سواری پر نفل شروع کرنے والے کی بناء کا بیان:

(فَإِنْ افْتَتَحَ التَّطَوُّعَ رَاكِبًا ثُمَّ نَزَلَ بَنَى ، وَإِنْ صَلَّى رَكْعَةً نَازِلًا ثُمَّ رَكِبَ اسْتَقْبَلَ) لِأَنَّ إحْرَامَ الرَّاكِبِ انْعَقَدَ مُجَوِّزًا لِلرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ لِقُدْرَتِهِ عَلَى النُّزُولِ ، فَإِنْ أَتَى بِهِمَا صَحَّ ، وَإِحْرَامُ النَّازِلِ انْعَقَدَ لِوُجُوبِ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ فَلَا يَقْدِرُ عَلَى تَرْكِ مَا لَزِمَهُ مِنْ غَيْرِ عُذْرِهِ .

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يَسْتَقْبِلُ إذَا نَزَلَ أَيْضًا ، وَكَذَا عَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ إذَا نَزَلَ بَعْدَ مَا

صَلّٰی رَكْعَةً ، وَالْاَصَحُّ هُوَ الْاَوَّلُ وَهُوَ الظَّاهِرُ .

ترجمہ:

اگر اس نے نفل نماز سواری پر شروع کی پھر وہ اتر آیا تو اسی پر بناء کرے گا۔ اور اگر اس نے زمین پر ایک رکعت پڑھی اور پھر سوار ہو گیا تو نئے سرے سے پڑھے۔ کیونکہ سوار کی تحریمہ رکوع وسجود کیلئے منعقد ہوئی تھی۔ اس لئے کہ وہ اترنے پر قادر ہے۔ لہذا اگر وہ دونوں (رکوع وسجود) کرے گا تو اس کی نماز صحیح ہوگی۔ اور زمین پر اترنا رکوع وسجود کے وجوب کو منعقد کرنے والا ہے کیونکہ وہ اس کے لزوم کے پیش نظر اس کو بغیر عذر کے ترک نہیں کرسکتا۔

اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک جب وہ اترے تو نئے سرے سے پڑھے۔ اور اسی طرح امام علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ جب وہ ایک رکعت پڑھ کر اترے۔ اور زیادہ صحیح پہلا قول ہے اور وہی ظاہر ہے۔

شرح:

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ یہ مسئلہ ظاہر الروایت سے لیا گیا ہے اور امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ جب کوئی شخص سواری سے اترے گا اور بناء کرتے ہوئے رکوع سجود کے ساتھ نماز پڑھے گا تو اس صورت میں اس نماز کے بعض ارکان رکوع وسجود کے ساتھ ادا ہوئے اور بعض اشارے کے ساتھ ادا ہوئے۔ لہذا اس کیلئے حکم یہ ہے کہ وہ نئے سرے سے نماز پڑھے۔

اور اسی طرح اگر نازل سوار ہوا تو وہ نئے سے نماز پڑھے اور اگر اس نے بناء کی تو اس نے بعض نماز کو رکوع وسجود کے ساتھ پڑھا اور بعض کو اشارے سے پڑھا جبکہ وہی اولیٰ ہے۔

جبکہ امام زفر علیہ الرحمہ اس مسئلہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ مذکورہ دونوں صورتوں میں اس شخص کا بناء کرنا صحیح ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ رکوع وسجود کرنے والے کا اشارے سے پڑھی ہوئی نماز پر بناء کرنا جائز ہے۔

اسی مسئلہ کے بارے میں امام ابو یوسف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں نئے سرے سے نماز پڑھے گا اور اس کی دلیل میں وہ ظاہر الروایت والا اسلوب اپناتے ہیں۔ (فتح القدیر، ج ۲، ص ۴۴۳، بیروت)

فصل فی قیام شهر رمضان

﴿یہ فصل رمضان میں قیام کے بیان میں ہے﴾

قیام رمضان والی فصل کی مطابقت کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ یہ فصل رمضان المبارک کے مہینے میں راتوں کے قیام کے احکام کے بیان ہے۔ مصنف نے حدیث کی اتباع کرتے ہوئے قیام کا لفظ اختیار کیا ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کو قیام رمضان کی ترغیب دلاتے۔ اور فرمایا: جس نے رمضان میں ایمان واحتساب کے ساتھ قیام کیا اس کے گذشتہ گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔ اور اس فصل کی باب النوافل سے مناسبت یہ ہے کہ اس کی تمام رکعات میں قرأت ہے اور تراویح کی بھی تمام رکعات میں قرأت ہے۔ لہذا ان دونوں نمازوں کی قرأت کے اعتبار سے ایک ہی جنس ہوئی۔ اور مبسوط میں ہے کہ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ اہل قبلہ میں سے کسی نے بھی تراویح کا انکار نہیں کیا۔ جبکہ اہل روافض اس کا انکار کرتے ہیں۔

(البنایہ شرح الہدایہ ج ۳، ص ۱۰۰، حقانیہ ملتان)

نماز تراویح باعتبار لغت :

تراویح، ترویحہ کی جمع ہے اور آرام واستراحت کے واسطے ایک مرتبہ بیٹھنے کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ علامہ ابن منظور علم لغت کی عظیم کتاب لسان العرب میں تحریر فرماتے ہیں۔ (التراویح، جمع ترویحة و هی المرة الواحدة من الراحة تفعیلة منها مثل تسلیمة من السلام، والترویحة فی شهر رمضان سمیت بذالك لاستراحة القوم بعد كل اربع ركعات) تراویح، ترویحہ کی جمع ہے اور ایک مرتبہ آرام کرنے کا نام ہے مادہ راحت سے بروزن تفعیلہ جیسے مادہ سلام سے وزن تسلیمہ، اور ماہ رمضان کی نماز تراویح کو بھی اسلیئے تراویح کہتے ہیں کہ لوگ ہر چار رکعت کے بعد آرام کرتے ہیں۔

(لسان العرب، ج 5 مادہ روح، ص 360)

صاحب مجمع البحرین لفظ تراوح کے ذیل میں رقمطراز ہیں۔ (التراوح تفاعل من الراحة لان كلا من المتراوحين يريح صاحبه و صلاة التراويح المخترعة من هذا الباب لان المصلی يستريح بعد كل اربع) تراوح مادہ راحت سے باب تفاعل کا مصدر ہے یعنی دو آدمیوں کا یکے بعد دیگرے صبح سے شام تک کنوئیں سے پانی کھینچنا، اسلئے کہ اسمیں بھی ایک شخص دوسرے کے لئے استراحت و آرام کا باعث ہوتا ہے اور نماز تراویح بھی اسی باب سے ہے چونکہ نماز گذار ہر چار رکعت کے بعد آرام کرتا ہے۔ (مجمع البحرین، ج 2-1 مادہ روح، ص 244)

تراویح باعتبار اصطلاح اور فقہاء کے مطابق تعداد کا بیان :

علم لغت کے دو ماہر اور خریت فن کے بیانات سے معن ءلغوی کے ساتھ ساتھ اصطلاحی معنی بھی واضح وروشن ہوجاتے ہیں اگرچہ نماز تراویح کیا ہے؟ اور نماز تراویح کس کو کہتے ہیں؟ اسکی تلاش میں زیادہ سرگرداں ہونے کی ضرورت نہیں ہے اسلئے کہ ماہ مبارک رمضان میں اہلسنت کی مساجد میں یہ فعل عملا دیکھا جاسکتا ہے یعنی مذہب اہلسنت کے نزدیک ماہ مبارک رمضان میں نماز مغرب وعشاء کے بعد نافلہ نمازوں کو باجماعت انجام دینا تراویح کہلاتا ہے اور اب نماز تراویح پر اسقدر اصرار وتاکید ہے کہ نماز تراویح مذہب اہلسنت کے لئے شعار اور پہچان بن گئی ہے۔

نماز تراویح میں لوگوں کو جمع کرنے کا بیان:

(يُسْتَحَبُّ أَنْ يَجْتَمِعَ النَّاسُ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ بَعْدَ الْعِشَاءِ فَيُصَلِّيَ بِهِمْ إمَامُهُمْ خَمْسَ تَرْوِيحَاتٍ ، كُلُّ تَرْوِيحَةٍ بِتَسْلِيمَتَيْنِ ، وَيَجْلِسَ بَيْنَ كُلِّ تَرْوِيحَتَيْنِ مِقْدَارَ تَرْوِيحَةٍ ، ثُمَّ يُوتِرَ بِهِمْ) ذَكَرَ لَفْظَ الِاسْتِحْبَابِ وَالْأَصَحُّ أَنَّهَا سُنَّةٌ ، كَذَا رَوَى الْحَسَنُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّهُ وَاظَبَ عَلَيْهَا الْخُلَفَاءُ الرَّاشِدُونَ وَالنَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بَيَّنَ الْعُذْرَ فِي تَرْكِهِ الْمُوَاظَبَةَ وَهُوَ خَشْيَةَ أَنْ تُكْتَبَ عَلَيْنَا

ترجمہ:

رمضان المبارک میں عشاء کے بعد لوگوں کا جمع ہونا مستحب ہے۔ پس امام ان کو پانچ ترویحے پڑھائے۔ ہر ترویحہ دو سلاموں کے ساتھ ہو۔ اور ہر دو ترویحوں کے درمیان ایک ترویحہ کی مقدار بیٹھے۔ پھر وہ ان کو وتر پڑھائے۔ اور لفظ استحباب کا ذکر کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ سنت ہے۔ امام حسن نے امام اعظم سے اسی روایت کیا ہے۔ کیونکہ خلفاء راشدین نے اسی پر دوام فرمایا ہے۔ اور نبی کریم ﷺ نے ترک مواظبت کا عذر بیان فرمایا ہے۔ اور وہ ہم پر فرض ہونے کا اندیشہ تھا۔

تعداد تراویح میں فقہی مذاہب کا بیان:

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے امام حسن ابن علی رضی اللہ عنہ کی زبانی بیان کیا ہے کہ تراویح پڑھنا سنت ہے اور اسے کسی حال میں ترک کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایام رمضان میں نماز تراویح پڑھی اور گاہے ترک کرتے ہوئے فرمایا میں اس خوف سے مسلسل نہیں پڑھتا کہ کہیں یہ فرض نہ ہوجائے۔

احادیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر خلفاء راشدین ہمیشہ تراویح پڑھتے تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے لوگو ! میرے اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت پر سختی کے ساتھ عمل کرو۔ فقہ کی بعض کتابوں میں مرقوم ہے اگر شہر کے باشندے تراویح پڑھنا چھوڑ دیں تو حاکم وقت کے لیے لازمی ہے کہ وہ تارکین تراویح کو قتل کردے۔

روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے غلام زکوان کے پیچھے تراویح پڑھتی تھیں اور یہی عمل ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا تھا کہ وہ دیگر خواتین کے ساتھ جماعت کے طور پر اپنے غلام امام حسن بصری کی امامت میں تراویح پڑھتی تھیں، جسے ہم تفصیل کے ساتھ چند عنوانات میں بیان کرتے ہیں۔

ہمارے مسلک شریعت اسلامیہ میں بیس رکعات تراویح پڑھنا ہی سنت ہے۔ بیہقی نے صحیح اسناد کے ساتھ لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں صحابہ (20) رکعات تراویح پڑھتے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وعلی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی (20) رکعات ہی پڑھتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماہ رمضان میں 3)) وتر پڑھتے تھے۔ بعض محدثین کے نزدیک یہ روایت ضعیف ہے لیکن حنفیوں کے نزدیک حدیث مذکورہ بالا مقبول ومعتمد علیہ ہے اس لیے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ تراویح کی (20) رکعات ہی پڑھتے تھے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تراویح کی (36) رکعات ہیں اور دوسری روایت میں (39) رکعات مزکور ہیں جن میں وتر بھی شامل ہیں۔ یہ عمل صرف باشندگان مدینہ منورہ کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ باشندگان مکہ معظمہ کا دستور رہا ہے کہ وہ خانہ کعبہ کے ساتھ چکر لگاتے اور طواف کی دو دو رکعتیں ہر دو رکعات تراویح اور وتر کے درمیان ادا کرتے اور باشندگان مدینہ خانہ کعبہ کے اطراف طواف کرنے کی فضیلت سے دور رہنے کے سبب (20) رکعات تراویح کے بعد چار چار رکعات مزید پڑھتے ہیں اور اپنی ان اضافہ کردہ (16) رکعات کو (ستہ عشریہ) کہتے ہیں اور ان کی یہ عادت آج تک جاری وساری ہے۔ اس طرح (36) رکعات تراویح کے نام سے کہی جاسکتی ہیں۔ نیز اسی طرح (36) رکعات پڑھنے کی روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی منسوب کی جاتی ہے جو مشہور نہیں ہے۔

بحالت موجودہ اگر آج بھی (20) رکعات تراویح پر مزید اضافہ کے ساتھ نماز پڑھی جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور ممانعت نہیں۔ اور اس میں امام ومقتدی کی کوئی خصوصیت نہیں بلکہ سب برابر ہیں۔ ستہ عشریہ کو علیحدہ پڑھنا مناسب ہے کیونکہ سوائے تراویح کے کوئی اور نماز باجماعت پڑھنا ہمارے نزدیک مکروہ ہے۔ اور باشندگان مدینہ جو ستہ عشریہ کو باجماعت ادا کرتے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ ان کے نزدیک نفل باجماعت پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔

متاخرین علماء مصر شیخ قاسم حنفی کا بیان ہے کہ باجماعت نفل ادا کرنا عمل مکروہ ہے کیونکہ نفل پڑھنا اگر مستحب ہوتے تو دوسری نمازوں کی مانندان کا باجماعت پڑھنا افضل ہوتا۔ اور اگر نماز نفل باجماعت پڑھنے کا حکم ہوتا تو شب بیداری نماز تہجد باجماعت ادا کر کے طالب فضیلت پاتے اور اس صورت میں نماز نفل باجماعت ادا کرنا افضل ہوسکتی تھی۔ اور جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنھم کے طرز عمل وعبادت سے نفل باجماعت ادا کرنے کی کوئی روایت نہیں ہے تو اس صورت

میں بھی معلوم ہوا کہ نفل باجماعت ادا کرنے میں کوئی فضیلت و برتری نہیں ہے۔

نماز تراویح کی شرعی حیثیت کا بیان:

(وَالسُّنَّةُ فِيهَا الْجَمَاعَةُ) لَكِنْ عَلَى وَجْهِ الْكِفَايَةِ ، حَتَّى لَوْ امْتَنَعَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ عَنْ إقَامَتِهَا كَانُوا مُسِيئِينَ ، وَلَوْ أَقَامَهَا الْبَعْضُ فَالْمُتَخَلِّفُ عَنْ الْجَمَاعَةِ تَارِكٌ لِلْفَضِيلَةِ لِأَنَّ أَفْرَادَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ رُوِيَ عَنْهُمْ التَّخَلُّفُ

وَالْمُسْتَحَبُّ فِي الْجُلُوسِ بَيْنَ التَّرْوِيحَتَيْنِ مِقْدَارُ التَّرْوِيحَةِ ، وَكَذَا بَيْنَ الْخَامِسَةِ وَبَيْنَ الْوِتْرِ لِعَادَةِ أَهْلِ الْحَرَمَيْنِ ، وَاسْتَحْسَنَ الْبَعْضُ الِاسْتِرَاحَةَ عَلَى خَمْسِ تَسْلِيمَاتٍ وَلَيْسَ بِصَحِيحٍ .

ترجمہ:

تراویح میں سنت جماعت ہے۔البتہ یہ بطور کفایہ ہے۔حتیٰ کہ اگر مسجد والے ان کو قائم کرنے میں رک گئے تو سب گناہگار ہوں گے۔اور اگر بعض نے ان کو قائم کر لیا تو رہ جانے والا فضیلت کو چھوڑنے والا ہوگا۔کیونکہ پیچھے رہ جانے کے بعد اکیلے پڑھنے کا بیان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی روایت کیا گیا ہے۔

اور دو ترویحوں کے درمیان ایک ترویحہ کی مقدار بیٹھنا مستحب ہے۔اور اسی طرح پانچویں اور وتر کے درمیان بیٹھے کیونکہ اہل حرمین کی یہی عادت ہے۔اور بعض نے تراویح کے پانچ سلاموں کے بعد استراحت کو مستحسن کہا ہے جو کہ صحیح نہیں ہے۔

تراویح بیس رکعت ہیں فقہ حنفی کے مطابق دلائل:

نماز تراویح کی تعداد میں غیر مقلدین کے موقف کی کیا حیثیت ہے۔اسے جاننے کیلئے ہم یہاں پر نہایت اختصار کے ساتھ دلائل بیان کر دیتے ہیں۔تاکہ لوگوں کو غیر مقلدین کے جعلی ہتھکنڈوں کا علم ہو جائے۔

عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رضی اللہ عنہا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صَلَّى ذَاتَ لَيْلَةٍ فِي الْمَسْجِدِ، فَصَلَّى بِصَلَاتِهِ نَاسٌ، ثُمَّ صَلَّى مِنَ الْقَابِلَةِ، فَكَثُرَ النَّاسُ، ثُمَّ اجْتَمَعُوا مِنَ اللَّيْلَةِ الثَّالِثَةِ أَوِ الرَّابِعَةِ، فَلَمْ يَخْرُجْ إِلَيْهِمْ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فَلَمَّا أَصْبَحَ، قَالَ :قَدْ رَأَيْتُ الَّذِي صَنَعْتُمْ، وَلَمْ يَمْنَعْنِي مِنَ الْخُرُوجِ إِلَيْكُمْ إِلَّا أَنِّي خَشِيتُ أَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ، وَذَلِكَ فِي رَمَضَانَ .مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَهَذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ.

وزاد ابن خزیمة و ابن حبان :وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يُرَغِّبُهُمْ فِي قِيَامِ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَأْمُرَ بِعَزِيمَةِ أَمْرٍ فَيَقُولُ :مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَلَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ، فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَكَانَ الْأَمْرُ كَذَلِكَ فِي خِلَافَةِ أَبِي بَكْرٍ رضی اللہ عنہ وَصَدْرًا مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ حَتَّى جَمَعَهُمْ عُمَرُ رضی اللہ عنہ عَلَى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ وَصَلَّى بِهِمْ فَكَانَ ذَلِكَ أَوَّلَ مَا اجْتَمَعَ النَّاسُ عَلَى قِيَامِ

رَمَضَانَ. وأخرجه العسقلاني في التلخيص :أَنَّهُ صلى الله عليه وآله وسلم صَلَّى بِالنَّاسِ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً لَيْلَتَيْنِ فَلَمَّا كَانَ فِي اللَّيْلَةِ الثَّالِثَةِ اجْتَمَعَ النَّاسُ فَلَمْ يَخْرُجْ إِلَيْهِمْ ثُمَّ قَالَ مِنَ الْغَدِ :خَشِيْتُ أَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ فَلَا تَطِيْقُوْهَا.(:أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب :التهجد، باب :تحريض النبي صلى الله عليه وآله وسلم على صلاة الليل والنوافل من غير إيجاب، 380/1 ، الرقم 1077 :، وفي كتاب :صلاة التراويح، باب : فضل من قام رمضان، 708/2 ، الرقم 1908 :، شهر رمضان، 202/3 ، الرقم 1604 : و عبد الرزاق في المصنف، 43/3 ، الرقم 4723 :، والبيهقي في السنن الكبرى، 492/2 ، الرقم 4377 :، وفي السنن الصغرى، 480/1 ، الرقم 486 :، والعسقلاني في تلخيص الحبير، 21./2)

حضرت اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد میں (نفل) نماز پڑھی تو لوگوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اگلی رات نماز پڑھی تو اور زیادہ لوگ جمع ہو گئے پھر تیسری یا چوتھی رات بھی اکٹھے ہوئے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی طرف تشریف نہ لائے۔ جب صبح ہوئی تو فرمایا : میں نے دیکھا جو تم نے کیا اور مجھے تمہارے پاس (نماز پڑھانے کے لئے) آنے سے صرف اس اندیشہ نے روکا کہ یہ تم پر فرض کر دی جائے گی اور یہ رمضان المبارک کا واقعہ ہے۔

امام ابن خزیمہ اور امام ابن حبان نے ان الفاظ کا اضافہ کیا : اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں قیام رمضان (تراویح) کی رغبت دلایا کرتے تھے لیکن حکماً نہیں فرماتے تھے چنانچہ (ترغیب کے لئے) فرماتے کہ جو شخص رمضان المبارک میں ایمان اور ثواب کی نیت کے ساتھ قیام کرتا ہے تو اس کے سابقہ تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال مبارک تک قیام رمضان کی یہی صورت برقرار رہی اور یہی صورت خلافت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور خلافت عمر رضی اللہ عنہ کے اوائل دور تک جاری رہی یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں جمع کر دیا اور وہ انہیں نمازِ (تراویح) پڑھایا کرتے تھے لہٰذا یہ وہ ابتدائی زمانہ ہے جب لوگ نمازِ تراویح کے لئے (باجماعت) اکٹھے ہوتے تھے۔

اور امام عسقلانی نے التلخیص میں بیان کیا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو دو راتیں 20 رکعت نماز تراویح پڑھائی جب تیسری رات لوگ پھر جمع ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی طرف (حجرہ مبارک سے باہر) تشریف نہیں لائے۔ پھر صبح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : مجھے اندیشہ ہوا کہ (نمازِ تراویح) تم پر فرض کر دی جائے گی لیکن تم اس کی طاقت نہ رکھو گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا : حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (حجرہ مبارک

سے) باہر تشریف لائے تو (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ) رمضان المبارک میں لوگ مسجد کے ایک گوشہ میں نماز پڑھ رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا : یہ کون ہیں؟ عرض کیا گیا : یہ وہ لوگ ہیں جنہیں قرآن پاک یاد نہیں اور حضرت ابی بن کعب نماز پڑھتے ہیں اور یہ لوگ ان کی اقتداء میں نماز پڑھتے ہیں تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : انہوں نے درست کیا اور کتنا ہی اچھا عمل ہے جو انہوں نے کیا۔

(أبو داود في السنن، كتاب :الصلاة، باب :في قيام شهر رمضان، 50/2 ، الرقم 1377)

اور بیہقی کی ایک روایت میں ہے فرمایا : انہوں نے کتنا احسن اقدام یا کتنا اچھا عمل کیا اور ان کے اس عمل کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناپسند نہیں فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز تراویح پڑھنے کی رغبت دلایا کرتے تھے لیکن حکماً نہیں فرماتے تھے چنانچہ فرماتے کہ جس نے رمضان المبارک میں حصولِ ثواب کی نیت سے اور حالتِ ایمان کے ساتھ قیام کیا تو اس کے سابقہ (تمام) گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصالِ مبارک تک نمازِ تراویح کی یہی صورت برقرار رہی اور خلافتِ ابوبکر رضی اللہ عنہ میں اور پھر خلافتِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے شروع تک یہی صورت برقرار رہی۔ (البخاري في الصحيح، كتاب :صلاة التروايح، باب :فضل من قام رمضان، 707/2)

حضرت عبدالرحمٰن بن عبد القاری روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رمضان کی ایک رات مسجد کی طرف نکلا تو لوگ متفرق تھے کوئی تنہا نماز پڑھ رہا تھا اور کسی کی اقتداء میں ایک گروہ نماز پڑھ رہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا : میرے خیال میں انہیں ایک قاری کے پیچھے جمع کر دوں تو اچھا ہوگا پس انہوں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے سب کو جمع کر دیا، پھر میں ایک اور رات ان کے ساتھ نکلا اور لوگ ایک امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (انہیں دیکھ کر) فرمایا : یہ کتنی اچھی بدعت ہے، اور جو لوگ اس نماز (تراویح) سے سو رہے ہیں وہ نماز ادا کرنے والوں سے زیادہ بہتر ہیں اور اس سے ان کی مراد وہ لوگ تھے (جو رات کو جلدی سو کر) رات کے پچھلے پہر میں نماز ادا کرتے تھے اور تراویح ادا کرنے والے لوگ رات کے پہلے پہر میں نماز ادا کرتے تھے۔

(مالك في الموطأ، كتاب :الصلاة في رمضان، باب :الترغيب في الصلاة في رمضان، 114/1 ، الرقم : 650)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رمضان المبارک کا ذکر فرمایا تو سب مہینوں پر اسے فضیلت دی۔ بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : جو شخص ایمان اور حصولِ ثواب کی نیت کے ساتھ رمضان کی راتوں میں قیام کرتا ہے تو وہ گناہوں سے یوں پاک صاف

ہوجاتا ہے جیسے وہ اس دن تھا جب اسے اس کی ماں نے جنم دیا تھا۔(النسائی فی السنن، کتاب :الصیام، باب :ذکر اختلاف یحیی بن أبی کثیر والنضر بن شیبان فیه، 158/4، الرقم 2208.2210 :،)

اورایک روایت میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :بے شک اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے فرض کیے ہیں اور میں نے تمہارے لئے اس کے قیام (نمازِ تراویح) کو سنت قرار دیا ہے لہٰذا جو شخص ایمان اور حصول ثواب کی نیت کے ساتھ ماہ رمضان کے دنوں میں روزے رکھتا ہے اور راتوں میں قیام کرتا ہے وہ گناہوں سے یوں پاک صاف ہوجاتا ہے جیسے وہ اس دن تھا جب اسے اس کی ماں نے جنم دیا تھا۔

حضرت یزید بن رومان نے بیان کیا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں لوگ (بشمول وتر) 23 رکعت پڑھتے تھے۔(والبیهقی فی السنن الکبری، 496/2، الرقم 4394 :)

حضرت مالک نے داود بن حصین سے روایت کیا، انہوں نے حضرت اعرج کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے لوگوں کو اس حال میں پایا کہ وہ رمضان میں کافروں پر لعنت کیا کرتے تھے انہوں نے فرمایا (نمازِ تراویح میں) قاری سورہ بقرہ کو آٹھ رکعتوں میں پڑھتا اور جب باقی بارہ رکعتیں پڑھی جاتیں تو لوگ دیکھتے کہ امام انہیں ہلکی (مختصر) کر دیتا۔

(مالك فی الموطأ، کتاب :الصلاة فی رمضان، باب :ماجاء فی قیام رمضان، 115/1، الرقم 753 :،)

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے (اس حدیث کی شرح میں) بیان کیا کہ بیس رکعت تراویح اور تین وتر شوافع اور احناف کا مذہب ہے۔اسی طرح محلی نے امام بیہقی سے بیان کیا۔(ولی الله الدهلوی فی المسوی من أحادیث الموطأ، 1/ 175.)

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ماہ رمضان میں تراویح کے لئے اکٹھا کیا۔مردوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور عورتوں کو حضرت سلیمان بن حثمہ رضی اللہ عنہ تراویح پڑھاتے۔

(البیهقی فی السنن الکبری، 493/2، الرقم 4380 :، والعسقلانی فی فتح الباری، 4/253 - 252، الرقم 1905 :،)

امام ابوعیسیٰ ترمذی رضی اللہ عنہ نے اپنی سنن میں فرمایا :اکثر اہلِ علم کا مذہب بیس رکعت تراویح ہے جو کہ حضرت علی، حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیگر اصحاب سے مروی ہے اور یہی (کبار تابعین) سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک اور امام شافعی رحمہ اللہ علیہم کا قول ہے اور امام شافعی نے فرمایا :میں نے اپنے شہر مکہ میں (اہلِ علم کو) بیس رکعت تراویح پڑھتے پایا۔(الترمذی فی السنن، کتاب :الصوم عن رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم، باب :ماجاء فی قیام شهر رمضان، 169/3، الرقم .806 :)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان المبارک میں وتر کے علاوہ بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے (ابن أبي شيبة في المصنف، 164/2، الرقم 7692 :، والطبراني في المعجم الأوسط، 243/1، الرقم 798 :، 324/5 ،)

حضرت سائب بن یزید نے بیان کیا کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فجر کے قریب تراویح سے فارغ ہوتے تھے اور ہم (بشمول وتر) تئیس رکعات پڑھتے تھے .(عبد الرزاق في المصنف، 261/4 ، الرقم 7733 :، وابن حزم في الاحكام، 2/ 230)

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ :كَانُوْا يَقُوْمُوْنَ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی الله عنه فِي شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً، قَالَ :وَكَانُوْا يَقْرَأُوْنَ بِالْمِئِيْنِ وَكَانُوا يَتَوَكَّوْنَ عَلَى عَصِيِّهِمْ فِي عَهْدِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رضی الله عنه مِنْ شِدَّةِ الْقِيَامِ .رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَالْفَرْيَابِيُّ وَابْنُ الْجَعْدِ .إِسْنَادُهُ وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ كَمَا قَالَ الْفَرْيَابِيُّ . (البيهقي في السنن الكبرى، 496/2 ، الرقم 4393 :، وابن الحسن فريابي في كتاب الصيام، 131/1 ، الرقم 176 :، وقال :إسناده ورجاله ثقات، وابن جعد في المسند، 413/1 ، الرقم 2825 :، والمباركفوري في تحفة الأحوذي، 447/3 .)

حضرت سائب بن یزید سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ماہ رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے اور ان میں سو آیات والی سورتیں پڑھتے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں شدتِ قیام کی وجہ سے وہ اپنی لاٹھیوں سے ٹیک لگاتے تھے۔

ابوخصیب نے بیان کیا کہ ہمیں حضرت سوید بن غفلہ ماہ رمضان میں نماز تراویح پانچ ترویحوں (یعنی بیس رکعت میں) پڑھاتے تھے۔(البيهقي في السنن الكبرى، 446/2 ، الرقم 4395 :، والبخاري في الكنى، 28/1 ، الرقم 234 :)

حضرت ابوعبدالرحمن سلمی سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رمضان المبارک میں قاریوں کو بلایا اور ان میں سے ایک شخص کو بیس رکعت تراویح پڑھانے کا حکم دیا اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ انہیں وتر پڑھاتے تھے۔ یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دیگر سند سے بھی مروی ہے (البيهقي في السنن الكبرى، 496/2 ، الرقم 4396 :، والمباركفوري في تحفة الأحوذي، 444/3)

حضرت ابوالحسناء بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو رمضان میں پانچ ترویحوں میں بیس رکعت تراویح پڑھانے کا حکم دیا (وابن قدامة في المغني، 456/1 ، وقال :هذا كالإجماع.)

حضرت عبدالعزیز بن رفیع نے بیان کیا کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں لوگوں کو رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے۔

حضرت حسن (بصری) رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی ابن بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں قیام رمضان کے لئے اکٹھا کیا تو وہ انہیں بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے۔

(ابن تیمیة فی مجموع فتاوی، 2/.401)

حضرت زعفرانی امام شافعی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نے لوگوں کو مدینہ منورہ میں انتالیس (39) اور مکہ مکرمہ میں تیئس (23) رکعت (بیس تراویح اور تین وتر) پڑھتے دیکھا۔

(العسقلانی فی فتح الباری، 253/4، والشوکانی فی نیل الأوطار، 3/.64)

ابن رشد قرطبی نے فرمایا کہ امام مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے دو اقوال میں سے ایک میں اور امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد اور امام داود ظاہری رضی اللہ عنھم نے بیس تراویح کا قیام پسند کیا ہے اور تین وتر اس کے علاوہ ہیں۔۔۔اسی طرح امام مالک رضی اللہ عنہ نے یزید بن رومان سے روایت بیان کی فرمایا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ تیئس (23) رکعت (تراویح بشمول تین وتر) کا قیام کیا کرتے تھے۔ (ابن رشد فی بدایة المجتهد، 1/.152)

ابن تیمیہ نے اپنے فتاوی (مجموعہ فتاویٰ) میں کہا کہ ثابت ہوا کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ رمضان المبارک میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے تو اکثر اہل علم نے اسے سنت مانا ہے۔ اس لئے کہ وہ مہاجرین اور انصار (تمام) صحابہ کرام کے درمیان (ان کی موجودگی میں) قیام کرتے (بیس رکعت پڑھاتے) اور ان صحابہ میں سے کبھی بھی کسی نے انہیں نہیں روکا (ابن تیمیة فی مجموع فتاوی، 1/191، وإسماعیل بن محمد الأنصاری فی تصحیح حدیث صلاة التراویح عشرین رکعة، 1/.35)

مجموعہ الفتاوی النجدیہ میں ہے کہ شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نے تعداد رکعات تراویح سے متعلق سوال کے جواب میں بیان کیا کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز تراویح کے لئے جمع کیا تو وہ انہیں بیس رکعت پڑھاتے تھے (إسماعیل بن محمد الأنصاری فی تصحیح حدیث صلاة التراویح عشرین رکعة، 1/.35 ـ)(المهاج السوی من الحادیث النبوی)

آج کل اسی نجدی کی اولاد لوگوں کو آٹھ رکعات تراویح پڑھاتے ہیں۔ نہ جانے اپنے باپ کی بات مانتے ہوئے بھی انہیں کس چیز نے روک رکھا ہے۔ حالانکہ عقائد میں شیخ نجدی کے سچے پیروکار ہیں۔ اور اعمال میں کیوں اس کی مخالفت کرتے ہیں یا محض اہل سنت، اہل حق سے عناد کا سبب ہے۔ ساڑھے چودہ سال کے قریب عرصہ گزر جانے کے باوجود آج بھی حرمین

شریفین میں بیس رکعات تراویح پڑھائی جاتی ہے۔ ہمارے بعض فتنہ پرور علماء وہاں بیس پڑھتے ہیں اور برصغیر پاک وہند میں آتے آتے وہ بیس آٹھ میں تبدیل کر لیتے ہیں کیونکہ بھیس بدلنا ان کا شعبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو صحابہ کرام واہل بیت رضی اللہ عنہم کا سچا پیروکار بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

نماز تراویح کے وقت کا بیان:

وَقَوْلُهُ ثُمَّ يُوتِرُ بِهِمْ يُشِيرُ إِلَى أَنَّ وَقْتَهَا بَعْدَ الْعِشَاءِ قَبْلَ الْوِتْرِ ، وَبِهِ قَالَ عَامَّةُ الْمَشَايِخِ ، وَالْأَصَحُّ أَنَّ وَقْتَهَا بَعْدَ الْعِشَاءِ إِلَى آخِرِ اللَّيْلِ قَبْلَ الْوِتْرِ وَبَعْدَهُ لِأَنَّهَا نَوَافِلُ سُنَّتْ بَعْدَ الْعِشَاءِ ، وَلَمْ يَذْكُرْ قَدْرَ الْقِرَاءَةِ فِيهَا ، وَأَكْثَرُ الْمَشَايِخِ رَحِمَهُمُ اللَّهُ عَلَى أَنَّ السُّنَّةَ فِيهَا الْخَتْمُ مَرَّةً فَلَا يُتْرَكُ لِكَسَلِ الْقَوْمِ ، بِخِلَافِ مَا بَعْدَ التَّشَهُّدِ مِنْ الدَّعَوَاتِ حَيْثُ يَتْرُكُهَا لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِسُنَّةٍ

(وَلَا يُصَلَّى الْوِتْرُ بِجَمَاعَةٍ فِي غَيْرِ شَهْرِ رَمَضَانَ) عَلَيْهِ إِجْمَاعُ الْمُسْلِمِينَ ، وَاَللَّهُ أَعْلَمُ .

ترجمہ:

اور مصنف کا قول " ثُمَّ يُوتِرُ " اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ نماز تراویح کا وقت عشاء کے بعد اور وتر سے پہلے ہے۔ اور یہی عام مشائخ نے کہا ہے۔ اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ عشاء کے بعد سے رات کے آخر تک ہے خواہ وہ وتر سے پہلے یا اس کے بعد ہو۔ کیونکہ تراویح بھی نفل ہے جو عشاء کے بعد جاری کی گئی ہے۔ اور مصنف نے مقدار قرأت کو ذکر نہیں کیا جبکہ اکثر مشائخ نے کہا ہے ایک مرتبہ قرآن مکمل کرنا سنت ہے۔ لہذا اسے قوم کی سستی کی وجہ سے چھوڑا نہ جائے۔ بخلاف تشہد کی دعاؤں کے کیونکہ ان کے سنت نہ ہونے کی وجہ سے ان کو چھوڑا جا سکتا ہے۔ اور غیر رمضان میں وتر جماعت کے ساتھ نہ پڑھے۔ اسی پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

شرح:

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ سنت تراویح کا وقت عشاء کی نماز کے تابع ہے۔ لہذا صحیح یہ ہے کہ تراویح کا وقت عشاء کی نماز کے بعد اور وتر سے پہلے ہے۔ اور فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ تراویح کا وقت وہی جو نماز عشاء کا وقت ہے لہذا نماز عشاء کا سارا وقت نماز تراویح کا وقت ہے۔

جبکہ ان میں سے صحیح ترین روایت یہ ہے کہ نماز تراویح کا وقت عشاء کی نماز کے بعد جیسا کہ عشاء کی سنتوں کا وقت ہے اور وتر کی نماز سے پہلے ہے۔ (فتح القدیر، ج ۲، ص ۴۵۳، بیروت)

بَابُ إِدْرَاكِ الْفَرِيضَةِ

﴿یہ باب فرض کو پالینے کے بیان میں ہے﴾

باب ادراک فریضہ کی مطابقت کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔اس سے پہلے باب میں نوافل کا بیان ہے کیونکہ ان سے فرائض مکمل ہوتے ہیں اور اس باب میں ادراک فریضہ کا بیان کیا ہے تا کہ فرائض کو ادائے کامل کے طور پر یعنی جماعت کے ساتھ ادا کیا جائے۔اوراس باب کے مسائل جامع صغیر سے ہیں۔(البنائیہ شرح الہدایہ، ج ۳،ص ۱۱۴، حقانیہ ملتان)

دوران نوافل جماعت کے شروع ہونے کا بیان:

(وَمَنْ صَلَّى رَكْعَةً مِنَ الظُّهْرِ ثُمَّ أُقِيمَتْ يُصَلِّي أُخْرَى) صِيَانَةً لِلْمُؤَدَّى عَنْ الْبُطْلَانِ (ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ) إحْرَازًا لِفَضِيلَةِ الْجَمَاعَةِ (وَإِنْ لَمْ يُقَيِّدْ الْأُولَى بِالسَّجْدَةِ يَقْطَعُ وَيَشْرَعُ مَعَ الْإِمَامِ هُوَ الصَّحِيحُ) لِأَنَّهُ بِمَحَلِّ الرَّفْضِ ، وَهَذَا الْقَطْعُ لِلْإِكْمَالِ ، بِخِلَافِ مَا إذَا كَانَ فِي النَّفْلِ لِأَنَّهُ لَيْسَ لِلْإِكْمَالِ ،

وَلَوْ كَانَ فِي السُّنَّةِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَالْجُمُعَةِ فَأُقِيمَ أَوْ خَطَبَ يَقْطَعُ عَلَى رَأْسِ الرَّكْعَتَيْنِ ، يُرْوَى ذَلِكَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ ، وَقَدْ قِيلَ يُتِمُّهَا .

ترجمہ:

اور جس نے ظہر کی ایک رکعت پڑھی کہ جماعت کھڑی ہوگئی تو وہ ایک رکعت کو باطل ہونے سے بچانے کیلئے دوسری رکعت اس کے ساتھ ملائے۔پھر وہ قوم کے ساتھ شامل ہو جائے۔تا کہ جماعت کی فضیلت کو حاصل کرنے والا ہو۔اور اگر اس نے پہلی رکعت کو سجدے کے ساتھ مقید نہیں کیا تو وہ اسے ختم کردے اور صحیح قول کے مطابق امام کے ساتھ نماز شروع کردے۔ کیونکہ یہ ختم کرنے کی جگہ ہے۔اور یہ توڑنا مکمل کرنے کیلئے ہے۔بخلاف اس کے کہ جب وہ نفل میں ہو کیونکہ نفل کو ختم کرنا مکمل کرنے کیلئے نہیں ہے۔

اور اگر کوئی شخص ظہر اور جمعہ سے پہلے والی سنن میں تھا کہ اقامت شروع ہوگئی یا خطبہ شروع ہو گیا تو دو رکعتیں پڑھ کر ختم کرے۔اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے یہی روایت بیان کی گئی ہے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ مکمل کرے۔

شرح:

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔کہ فقیہ سغدی سے حکایت بیان کی گئی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ فتویٰ دیا کہ ظہر کی چار سنتوں کو پورا کرے البتہ نوافل کی چار رکعتیں پوری نہیں کرسکتا۔اس فتویٰ دینے کے بعد میں نے نوادر میں امام

اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد پڑھا اس میں لکھا تھا کہ جب امام جمعہ کیلئے نکلے تو اگر اس نے ایک رکعت پڑھی ہے تو وہ دوسری اضافہ کر کے سلام پھیر دے۔ اسے پڑھنے کے بعد میں نے اس مسئلہ سے رجوع کیا۔ اسی طرح امام سرخسی اور امام بقالی مائل ہوئے ہیں۔ البتہ بعض فقہاء نے کہا ہے کہ وہ نماز پوری کرے۔ لیکن پہلی حکم زیادہ صحیح ہے۔

(فتح القدیر، ج ۲، ص ۲۶۲، بیروت)

نماز کی جماعت کھڑی ہونے سے پہلے وہ تین رکعتیں پڑھ چکا ہے:

(وَإِنْ كَانَ قَدْ صَلَّى ثَلَاثًا مِنَ الظُّهْرِ يُتِمُّهَا) لِأَنَّ لِلْأَكْثَرِ حُكْمَ الْكُلِّ فَلَا يَحْتَمِلُ النَّقْضَ ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ فِي الثَّالِثَةِ بَعْدُ وَلَمْ يُقَيِّدْهَا بِالسَّجْدَةِ حَيْثُ يَقْطَعُهَا لِأَنَّهُ مَحَلُّ الرَّفْضِ وَيَتَخَيَّرُ ، إِنْ شَاءَ عَادَ وَقَعَدَ وَسَلَّمَ ، وَإِنْ شَاءَ كَبَّرَ قَائِمًا يَنْوِي الدُّخُولَ فِي صَلَاةِ الْإِمَامِ (وَإِذَا أَتَمَّهَا يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ وَالَّذِي يُصَلِّي مَعَهُمْ نَافِلَةٌ) لِأَنَّ الْفَرْضَ لَا يَتَكَرَّرُ فِي وَقْتٍ وَاحِدٍ .

ترجمہ

اور اگر اس نے ظہر کی تین رکعتیں پڑھی لی ہیں تو وہ ان کو مکمل کرے کیونکہ اکثر کل کے حکم میں ہوتا ہے۔ لہذا وہ کسی نقص کو اٹھانے والا نہیں ہے۔ بخلاف اس کے کہ جب وہ ابھی تیسری میں گیا ہے اور اس نے اس کو سجدے کے ساتھ مقید بھی نہیں کیا تو اس کو ختم کر دے کیونکہ یہ اسے ختم کرنے کی جگہ ہے۔ اور اسے اختیار ہے۔ اگر وہ چاہے تو لوٹ آئے اور بیٹھ جائے اور سلام پھیرے اور اگر وہ چاہے تو کھڑے کھڑے تکبیر کہے اور امام کی نماز میں داخل ہونے کی نیت کرے۔ اور جب نماز کو مکمل کر لے تو قوم کے ساتھ شامل ہو جائے اور ان کے ساتھ جو بھی نماز پڑھے گا وہ نفل ہوگی۔ کیونکہ فرض ایک وقت میں مکرر نہیں ہوا۔

شرح:

اس مسئلہ کی دلیل واضح ہے کیونکہ تین رکعتوں کو پورا کرنے میں اس کی جماعت فوت ہونے کا کوئی خدشہ نہیں ہے۔ کیونکہ اصل میں مسائل جماعت کی حفاظت سے متعلق ہیں۔ لہذا جماعت کی حفاظت کی جائے۔ کیونکہ اس سے فریضہ بھی ادا ہوتا ہے اور جماعت کا اجر بھی اس میں شامل ہے۔

فجر کی سنتوں کو پڑھنے اور جماعت سے ملنے کا حکم:

(فَإِنْ صَلَّى مِنَ الْفَجْرِ رَكْعَةً ثُمَّ أُقِيمَتْ يَقْطَعُ وَيَدْخُلُ مَعَهُمْ) لِأَنَّهُ لَوْ أَضَافَ إِلَيْهَا أُخْرَى تَفُوتُهُ الْجَمَاعَةُ ، وَكَذَا إِذَا قَامَ إِلَى الثَّانِيَةِ قَبْلَ أَنْ يُقَيِّدَهَا بِالسَّجْدَةِ ، وَبَعْدَ الْإِتْمَامِ لَا يَشْرَعُ فِي صَلَاةِ الْإِمَامِ لِكَرَاهَةِ التَّنَفُّلِ بَعْدَ الْفَجْرِ ، وَكَذَا بَعْدَ الْعَصْرِ لِمَا قُلْنَا ، وَكَذَا بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ لِأَنَّ التَّنَفُّلَ بِالثَّلَاثِ مَكْرُوهٌ ، وَفِي جَعْلِهَا أَرْبَعًا مُخَالَفَةٌ لِإِمَامِهِ .

ترجمہ

اور اگر اس نے فجر کی ایک رکعت پڑھی تھی کہ اقامت کہہ دی گئی تو وہ نماز ختم کرے اور جماعت میں ان کے ساتھ شامل ہو جائے۔ کیونکہ

اگر اس نے دوسری رکعت ملائی تو جماعت فوت ہو جائے گی۔ اور اسی طرح جب وہ دوسری رکعت کی طرف اس کو سجدے کے ساتھ مقید کرنے پہلے کھڑا ہو گیا۔ اور ایسے نماز فجر پڑھ لینے کے بعد امام کے ساتھ نماز شروع نہ کرے کیونکہ فجر کے بعد نفل مکروہ ہے۔ اور اسی طرح عصر کے بعد کا حکم ہے۔ جس کی دلیل ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور ظاہر الروایہ کے مطابق نماز مغرب کے بعد بھی اسی طرح ہے۔ کیونکہ تین رکعت نفل مکروہ ہے اور اس کو چار کرنے میں امام کی مخالفت لازم آئے گی۔

فرض نماز کی تکبیر ہو جائے تو کوئی نماز نہ پڑھی جائے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز کھڑی ہو جائے (یعنی فرض نماز کے لیے تکبیر کہی جائے) تو فرض نماز کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔ (صحیح مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موذن کے تکبیر کہنے کے بعد فجر کی سنتیں بھی نہ پڑھنی چاہئیں بلکہ امام کے ساتھ فرض نماز میں شریک ہو جانا چاہیے چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہی مسلک ہے مگر امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر فجر کی سنتیں پڑھنے میں فرض کی ایک رکعت بھی ہاتھ لگ جانے کا یقین ہو تو سنتیں پڑھ لی جائیں اس کے بعد جماعت میں شریک ہوا جائے تا کہ سنتوں کا ثواب بھی ہاتھ سے نہ جائے اور جماعت کا ثواب بھی مل جائے۔ لیکن اس صورت میں سنتیں صف سے الگ ایک طرف پڑھنی چاہئیں ہاں اگر سنتیں پڑھنے میں فرض نماز کی دونوں رکعتیں فوت ہو جانے کا خوف ہو تو پھر اس صورت میں سنتیں چھوڑ دیں۔

حضرت ابن مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں جو حکم ذکر کیا گیا ہے فجر کی سنتیں اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

صلوھا وان طردتکم الخیل فجر کی سنتیں (ضرور) پڑھو اگرچہ تمہیں لشکر ہانکے۔ لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ فجر کی سنتوں کو پڑھنے کی بڑی تاکید ہے انہیں چھوڑنا نہیں چاہیے۔

حضرت علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ فجر کی سنتیں تمام سنتوں میں سب سے زیادہ اہم اور قوی تر ہیں یہاں تک کہ حسن کی حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے یہ روایت ہے کہ فجر کی سنتوں کو بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں۔

اذان کے بعد مسجد سے نکلنے والے کے بیان میں:

(وَمَنْ دَخَلَ مَسْجِدًا قَدْ أُذِّنَ فِيهِ يُكْرَهُ لَهُ أَنْ يَخْرُجَ حَتَّى يُصَلِّيَ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (لَا يَخْرُجُ مِنَ الْمَسْجِدِ بَعْدَ النِّدَاءِ إِلَّا مُنَافِقٌ أَوْ رَجُلٌ يَخْرُجُ لِحَاجَةٍ يُرِيدُ الرُّجُوعَ)

" قَالَ (إِلَّا إِذَا كَانَ مِمَّنْ يَنْتَظِمُ بِهِ أَمْرُ جَمَاعَةٍ) لِأَنَّهُ تَرْكُ صُورَةٍ تَكْمِيلٌ مَعْنًى (وَإِنْ كَانَ قَدْ صَلَّى وَكَانَتْ الظُّهْرُ أَوْ الْعِشَاءُ فَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَخْرُجَ) لِأَنَّهُ أَجَابَ دَاعِيَ اللَّهِ مَرَّةً (إِلَّا إِذَا أَخَذَ الْمُؤَذِّنُ فِي الْإِقَامَةِ) لِأَنَّهُ يُتَّهَمُ بِمُخَالَفَةِ الْجَمَاعَةِ عِيَانًا (وَإِنْ كَانَتْ الْعَصْرَ أَوْ الْمَغْرِبَ أَوْ الْفَجْرَ خَرَجَ وَإِنْ أَخَذَ الْمُؤَذِّنُ فِيهَا) لِكَرَاهَةِ التَّنَفُّلِ بَعْدَهَا .

ترجمہ

اور مسجد میں اذان ہو جانے کے بعد اگر کوئی اس میں داخل ہوا تو اس کیلئے نکلنا مکروہ ہے حتیٰ کہ وہ نماز پڑھے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اذان کے بعد مسجد سے صرف منافق نکلتا ہے۔ یا وہ شخص جسے کوئی ضرورت ہو جبکہ وہ واپس آنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

فرمایا: البتہ وہ شخص جو جماعت کا انتظام کرنے والا ہے۔ کیونکہ یہ ظاہری طور پر ترک جماعت ہے جبکہ حکمی طور پر تکمیل جماعت ہے۔ اور وہ اس وقت کی نماز پڑھ چکا ہے اور یہ نماز ظہر یا عشاء ہے تو اس کیلئے نکلنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ایک مرتبہ اذان والے کو جواب دے چکا ہے۔ لیکن جب مؤذن نے اقامت کہی تو اس صورت میں اسے سرعام مخالفت کی وجہ سے تہمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور اگر وہ نماز عصر، مغرب اور فجر میں نکل جائے خواہ مؤذن اقامت شروع کر دے کیونکہ ان کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے۔

فقہ حنفی کے مطابق کن نمازوں میں نفلی اقتداء درست نہیں:

حضرت نافع راوی ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جس آدمی نے مغرب یا فجر کی نماز (تنہا) پڑھ لی اور پھر ان نمازوں کو امام کے ساتھ پایا (یعنی جہاں جماعت ہو رہی تھی وہاں پہنچ گیا)۔ تو وہ ان کو دوبارہ نہ پڑھے۔ (مالک)

یہ حدیث حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مسلک کی تائید کرتی ہے کیونکہ ان کے ہاں صرف مغرب اور فجر کی نمازوں کا اعادہ ممنوع ہے مگر حنفیہ کے ہاں عصر کی نماز بھی اس حکم میں ہے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک تمام نمازوں میں اعادہ ہو سکتا ہے اس حدیث میں اس طرف اشارہ کر دیا گیا ہے کہ مذکورہ بالا حکم اس آدمی کے بارے میں ہے جس نے پہلی مرتبہ جماعت سے نہیں بلکہ تنہا نماز پڑھی ہو لہٰذا پہلی مرتبہ جماعت سے نماز پڑھ لینے کی شکل میں تو بطریق اولیٰ دوبارہ

نماز پڑھنی چاہیے۔

جماعت فجر کے دوران سنن پڑھنے کا بیان:

(وَمَنْ انْتَهَى إِلَى الْإِمَامِ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ وَهُوَ لَمْ يُصَلِّ رَكْعَتَيْ الْفَجْرِ : إِنْ خَشِيَ أَنْ تَفُوتَهُ رَكْعَةٌ وَيُدْرِكَ الْأُخْرَى يُصَلِّي رَكْعَتَيْ الْفَجْرِ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَدْخُلُ) لِأَنَّهُ أَمْكَنَهُ الْجَمْعُ بَيْنَ الْفَضِيلَتَيْنِ (وَإِنْ خَشِيَ فَوْتَهُمَا دَخَلَ مَعَ الْإِمَامِ) لِأَنَّ ثَوَابَ الْجَمَاعَةِ أَعْظَمُ ، وَالْوَعِيدَ بِالتَّرْكِ أَلْزَمُ ، بِخِلَافِ سُنَّةِ الظُّهْرِ حَيْثُ يَتْرُكُهَا فِي الْحَالَيْنِ لِأَنَّهُ يُمْكِنُهُ أَدَاؤُهَا فِي الْوَقْتِ بَعْدَ الْفَرْضِ هُوَ الصَّحِيحُ ، وَإِنَّمَا الِاخْتِلَافُ بَيْنَ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ فِي تَقْدِيمِهَا عَلَى الرَّكْعَتَيْنِ وَتَأْخِيرِهَا عَنْهُمَا ، وَلَا كَذَلِكَ سُنَّةُ الْفَجْرِ عَلَى مَا نُبَيِّنُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى .

وَالتَّقْيِيدُ بِالْأَدَاءِ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ يَدُلُّ عَلَى الْكَرَاهَةِ فِي الْمَسْجِدِ إِذَا كَانَ الْإِمَامُ فِي الصَّلَاةِ وَالْأَفْضَلُ فِي عَامَّةِ السُّنَنِ وَالنَّوَافِلِ الْمَنْزِلُ هُوَ الْمَرْوِيُّ عَنْ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ .

ترجمہ:

اور جو آدمی نماز فجر میں امام کی طرف گیا حالانکہ اس نے فجر کی دو سنن نہیں پڑھیں۔ اگر خوف ہو کہ اس کی ایک رکعت فوت ہو جائے گی۔ اور وہ دوسری رکعت کو پالے گا۔ تو وہ فجر کی دو سنن مسجد کے دروازے کے پاس پڑھے پھر وہ داخل ہو جائے کیونکہ اس کیلئے دونوں فضیلتیں جمع کر لینا ممکن ہے۔ اور اگر اسے دوسری رکعت کے فوت ہونے کا خوف ہو تو وہ امام کے ساتھ شامل ہو جائے۔ کیونکہ جماعت کا ثواب عظیم ہے اور اس کو چھوڑنے پر وعید نہایت سخت ہے۔ بخلاف سنن ظہر کے کیونکہ دونوں حالتوں میں ان کا ترک کرنے میں ممکن ہے کہ انہیں فرض کے وقت ہی میں ادا کیا جا سکتا ہے یہی صحیح ہے۔ البتہ امام ابو یوسف اور امام محمد علیہ الرحمہ کے درمیان اختلاف دو رکعتوں کے تقدم و تاخر میں ہے۔ اور فجر کی سنن میں ایسا نہیں ہے۔ جسے ہم ان شاءاللہ بیان کریں گے۔

مسجد کے دروازے کے پاس ادا کرنے کی قید لگانا مسجد میں ادائیگی کراہت پر دلالت کرتی ہے۔ جبکہ امام نماز میں ہو۔ کیونکہ تمام سنن و نوافل میں فضیلت انہیں گھر میں پڑھنے میں ہے۔ اور یہی نبی کریم ﷺ نے روایت کیا گیا ہے۔

شرح:

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اگر جانے کہ سنتیں پڑھ کر جماعت میں شریک ہو جاؤں گا تو سنتیں پڑھ لے اگر چہ التحیات ہی ملتی سمجھے ورنہ فرضوں میں شریک ہو جائے، اور اول سنتوں کو قضا کرنا چاہے تو بعد بلندی آفتاب کے فرضوں کے بعد طلوع سے پہلے جائز نہیں۔ (فتاوی رضویہ، ج ۸، باب ادراک فریضہ)

نماز فجر کی سنتوں کی قضاء کا حکم:

قَالَ (وَإِذَا فَاتَتْهُ رَكْعَتَا الْفَجْرِ لَا يَقْضِيهِمَا قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ) لِأَنَّهُ يَبْقَى نَفْلًا مُطْلَقًا وَهُوَ مَكْرُوهٌ بَعْدَ الصُّبْحِ (وَلَا بَعْدَ ارْتِفَاعِهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ .

وَقَالَ مُحَمَّدٌ :أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يَقْضِيَهُمَا إِلَى وَقْتِ الزَّوَالِ) لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ قَضَاهُمَا بَعْدَ ارْتِفَاعِ الشَّمْسِ غَدَاةَ لَيْلَةِ التَّعْرِيسِ .

وَلَهُمَا أَنَّ الْأَصْلَ فِي السُّنَّةِ أَنْ لَا تُقْضَى لِاخْتِصَاصِ الْقَضَاءِ بِالْوَاجِبِ ، وَالْحَدِيثُ وَرَدَ فِي قَضَائِهَا تَبَعًا لِلْفَرْضِ فَبَقِيَ مَا رَوَاهُ عَلَى الْأَصْلِ ، وَإِنَّمَا تُقْضَى تَبَعًا لَهُ ، وَهُوَ يُصَلِّي بِالْجَمَاعَةِ أَوْ وَحْدَهُ إِلَى وَقْتِ الزَّوَالِ ، وَفِيمَا بَعْدَهُ اخْتِلَافُ الْمَشَايِخِ رَحِمَهُمُ اللَّهُ . وَأَمَّا سَائِرُ السُّنَنِ سِوَاهَا فَلَا تُقْضَى بَعْدَ الْوَقْتِ وَحْدَهُ ، وَاخْتَلَفَ الْمَشَايِخُ فِي قَضَائِهَا تَبَعًا لِلْفَرْضِ .

ترجمه

اور جس آدمی کی فجر کی دو سنتیں قضاء ہوگئیں تو وہ طلوع سورج سے پہلے ان کی قضاء نہ کرے۔ کیونکہ وہ مطلقا نفل باقی رہ گئیں اور نفل پڑھنا صبح کے بعد مکروہ ہے۔ جبکہ شیخین کے نزدیک سورج بلند ہونے کے بعد بھی قضاء نہیں ہے۔

اور امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: مجھے تو یہ پسند ہے کہ میں وقت زوال تک ان کی قضاء کرنے کا حکم دوں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے تعریس کی رات کو سورج کے بلند ہو جانے کے بعد ان کو قضاء کیا تھا۔

اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ سنت میں اصل یہ ہے کہ ان کی قضاء نہ کی جائے کیونکہ قضاء واجب کے ساتھ خاص ہے۔ اور حدیث میں ان کی قضاء کا بیان فرض کے تابع ہونے کی وجہ سے ذکر ہوئی ہے۔ لہذا اس کے سوا اپنی اصل پر باقی ہے۔ اور ان کی قضاء فرض کے تابع ہوگی خواہ وہ جماعت سے پڑھے یا اکیلا پڑھنے والا ہو۔ اور اس کے بعد میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے۔ اور تمام سنتوں کی قضاء وقت کے بعد تنہا نہ ہوگی۔ جبکہ فرض کے تابعیت میں ان کی قضاء پر مشائخ نے اختلاف کیا ہے۔

شرح:

حضرت محمد ابن ابراہیم، قیس ابن عمرو سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا (ایک دن) سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ فجر کی فرض نماز کے بعد دو رکعت نماز پڑھ رہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ صبح کی نماز دو رکعت ہے (پھر فرمایا کہ) دو رکعت ہی پڑھو !اس آدمی نے عرض کیا کہ فجر کی فرض نماز سے پہلے دو رکعتیں (سنت) میں نے نہیں پڑھی تھیں انہیں کو میں نے اس وقت پڑھا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (یہ سن کر) خاموش ہوگئے۔

(سنن ابوداؤد)

امام ترمذی نے بھی اس طرح نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس روایت کی اسناد متصل نہیں ہے کیونکہ محمد بن ابراہیم کا قیس ابن عمرو سے سننا ثابت نہیں ہے، نیز شرح السنہ اور مصابیح کے بعض نسخوں میں قیس ابن فہد سے اسی طرح منقول ہے۔

حدیث کے جملہ صَلٰوۃُ الصُّبحِ رکعتین سے پہلے ایک لفظ مقدر ہے یعنی یہ عبارت پوری طرح یوں ہے اِجعَلُوا صَلٰوۃُ الصُّبحِ رَکعَتَینِ۔ لفظ رکعتین نفی زیادیت کی تاکید کے لیے مکرر فرمایا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ فجر کی فرض دو ہی رکعتیں پڑھواس کے بعد اور کوئی نماز نہ پڑھو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازی کا جواب سن کر خاموش رہے۔ محدثین کی اصطلاح میں اس خاموشی کو تقریر کہا جاتا ہے رسول اللہ کے سامنے کوئی عمل کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سکوت فرمایا گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس عمل سے راضی ہوئے، لہٰذا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر فجر کی فرض نماز سے پہلے کی دو سنتیں نہ پڑھی جاسکیں تو فرض پڑھنے کے بعد ان کی قضا پڑھنی چاہیے، چنانچہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہی مسلک ہے۔

فجر کی سنتوں کی قضاء میں فقہاء احناف کا مسلک ودلائل:

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما کے نزدیک اس سلسلے میں یہ ہے کہ فجر کی سنتوں کی قضا نہ تو طلوع آفتاب سے پہلے ہے اور نہ طلوع کے بعد ہے لیکن سنتیں اگر فرض کے ساتھ فوت ہوں گی تو وہ بھی فرض کے ساتھ زوال آفتاب سے پہلے پہلے قضا پڑھی جائیں گی۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ محض سنتوں کی بھی قضا پڑھی جاسکتی ہے مگر طلوع آفتاب کے بعد سے زوال آفتاب تک۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ سنتوں میں اصل عدم قضا ہے اور قضا واجب کے ساتھ مخصوص ہے اور حدیث جو سنتوں کے قضا کے اثبات میں وارد ہے وہ ان سنتوں کے بارے میں ہے جو فرض کے ساتھ فوت ہوگئی ہوں بقیہ سنتیں اپنی اصل (عدم قضا پر رہیں گی یعنی ان کی قضا نہیں کی جائے گی جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے تو محمد ابن ابراہیم کی یہ حدیث چونکہ ضعیف ہے اس لیے اسے کسی مسلک کی بنیاد اور دلیل بنانا ٹھیک نہیں ہے۔

اسی طرح دوسرے اوقات کی سنتوں کا مسئلہ بھی یہی ہے کہ وقت کے بعد تنہا ان کی قضا نہ کی جائے البتہ وہ سنتیں جو فرض کے ساتھ فوت ہوگئی ہوں فرض کے ساتھ ان کی قضاء کے بارے میں اختلاف ہے۔

سنن ابن ماجہ کی ایک روایت جو سند کے اعتبار سے صحیح ہے اس میں احناف کے مسلک کی دلیل نہایت واضح ہے ہم افادیت کے پیش نظر اسے پیش کررہے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ایک بار نیند کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فجر کی سنتیں رہ گئیں تو آپ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم نے سورج چڑھنے کے بعد قضاء فرمائیں۔(سنن ابن ماجہ)

مدرک ایک رکعت ظہر میں شمار ہوگا یا نہیں:

(وَمَنْ أَدْرَكَ مِنْ الظُّهْرِ رَكْعَةً وَلَمْ يُدْرِكْ الثَّلَاثَ فَإِنَّهُ لَمْ يُصَلِّ الظُّهْرَ بِجَمَاعَةٍ . وَقَالَ مُحَمَّدٌ :قَدْ أَدْرَكَ فَضْلَ الْجَمَاعَةِ) لِأَنَّ مَنْ أَدْرَكَ آخِرَ الشَّيْءِ فَقَدْ أَدْرَكَهُ فَصَارَ مُحْرِزًا ثَوَابَ الْجَمَاعَةِ لَكِنَّهُ لَمْ يُصَلِّهَا بِالْجَمَاعَةِ حَقِيقَةً وَلِهَذَا يَحْنَثُ بِهِ فِي يَمِينِهِ لَا يُدْرِكُ الْجَمَاعَةَ ، وَلَا يَحْنَثُ فِي يَمِينِهِ لَا يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْجَمَاعَةِ .

ترجمه

اور جس نے ظہر کی ایک رکعت پالی اور اس نے تین رکعتوں کو نہیں پایا تو وہ ظہر کو جماعت کے ساتھ پڑھنے والا نہیں ہے اور امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ اس نے جماعت کی فضیلت کو پالیا ہے۔ کیونکہ جس نے آخر شئی کو پایا تو وہ اس چیز کو پالینے والا ہے۔ لہذا وہ جماعت کا ثواب حاصل کرنے والا ہے۔ البتہ اس نے ظہر کی جماعت کو حقیقت کے ساتھ نہیں پڑھا اور اسی طرح اپنی قسم ''لَا يُدْرِكُ الْجَمَاعَةَ ''میں حانث ہو جائے گا۔ اور وہ اپنی قسم ''لَا يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْجَمَاعَةِ ''میں حانث نہ ہو گا۔

ادارک جماعت سے متعلق احکام فقہیہ:

اگر کوئی آدمی نفل نماز شروع کر چکا ہو اور فرض جماعت ہونے لگے تو اس کو چاہیے کہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے اگر چہ چار رکعت نفل کی نیت کی ہو۔ یہی حکم ظہر اور جمعہ کی سنت موکدہ کا ہے کہ اگر شروع کر چکا ہو اور فرض ہونے لگے تو دو ہی رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے اور پھر ان سنتوں کو فرض کے بعد پڑھ لے۔ ظہر کی سنتیں ان سنتوں کے بعد پڑھی جائیں جو فرض کے بعد پڑھی جاتی ہیں۔

اگر فرض نماز ہو رہی ہو تو پھر سنتیں وغیرہ شروع نہ کی جائیں بشرطیکہ کسی رکعت کے چلے جانے کا خوف ہو ہاں اگر یقین یا گمان غالب ہو کہ کوئی رکعت نہ جانے پائے گی تو پڑھ لے۔ مثلاً ظہر کے وقت جب فرض شروع ہو جائے اور خوف ہو کہ سنت پڑھنے سے کوئی رکعت جاتی رہے گی تو پھر موکدہ سنتیں جو فرض سے پہلے پڑھی جاتی ہیں چھوڑ دے اور فرض کے بعد دو رکعت سنت موکدہ پڑھ کر ان سنتوں کو پڑھ لے مگر فجر کی سنتیں چونکہ زیادہ موکدہ ہیں لہذا ان کے لیے حکم ہے کہ اگر فرض شروع ہو چکا ہو تب بھی ادا کر لی جائیں، بشرطیکہ قعدہ اخیرہ مل جانے کی امید ہو اور اگر قعدہ اخیرہ کے بھی نہ ملنے کا خوف ہو تو پھر نہ پڑھے۔ (ماخوذ از علم الفقہ ۱۲)۔

اگر یہ خوف ہو کہ فجر کی سنتیں اگر نماز کے سنن و مستحبات وغیرہ کی پابندی سے ادا کی جائیں تو جماعت نہ ملے گی تو ایسی

حالت میں چاہیے کہ صرف فرائض اور واجبات پر اختصار کرے اور سنن وغیرہ چھوڑ دے۔ فرض شروع ہو جانے کی صورت میں جو سنتیں پڑھی جائیں خواہ فجر کی ہوں یا کسی اور وقت کی تو وہ ایسے مقام پر پڑھی جائیں جو مسجد سے علیحدہ ہو اس لیے کہ جہاں فرض نماز ہوتی ہو تو پھر کوئی دوسری نماز وہاں پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ اور اگر کوئی ایسی جگہ نہ ملے تو صف سے علیحدہ مسجد کے کسی گوشے میں پڑھ لے اور یہ بھی نہ ہو تو نہ پڑھے۔ اگر جماعت کا قعدہ مل جائے اور رکعتیں نہ ملیں تب بھی جماعت کا ثواب مل جائے گا اگر چہ اصطلاح فقہاء میں اس کو جماعت کی نماز نہیں کہتے۔ جماعت سے ادا کرنا جب ہی کہا جائے گا کہ جب کل رکعتیں مل جائیں۔ یا اکثر رکعتیں مل جائیں مثلاً چار رکعت والی نماز کی تین رکعت مل جائیں یا تین رکعت والی نماز کی دو رکعت مل جائیں اگر چہ بعض فقہا کے نزدیک جب تک کل رکعتیں نہ ملیں جماعت میں شمار نہیں ہوتا۔

جس رکعت کا رکوع امام کے ساتھ مل جائے گا تو سمجھا جائے کہ وہ رکعت مل گئی۔ ہاں اگر رکوع نہ ملے تو پھر اس رکعت کا شمار ملنے میں نہ ہوگا۔

فرض نماز کی ادائیگی کے بعد اسی مسجد میں نوافل کا بیان:

(وَمَنْ أَتَى مَسْجِدًا قَدْ صَلَّى فِيهِ فَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَتَطَوَّعَ قَبْلَ الْمَكْتُوبَةِ مَا بَدَا لَهُ مَا دَامَ فِي الْوَقْتِ) وَمُرَادُهُ إِذَا كَانَ فِي الْوَقْتِ سَعَةٌ وَإِنْ كَانَ فِيهِ ضِيقٌ تَرَكَهُ.

قِيلَ هَذَا فِي غَيْرِ سُنَّةِ الظُّهْرِ وَالْفَجْرِ لِأَنَّ لَهُمَا زِيَادَةَ مَزِيَّةٍ ، قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي سُنَّةِ الْفَجْرِ "(صَلُّوهُمَا وَلَوْ طَرَدَتْكُمْ الْخَيْلُ) " وَقَالَ فِي الْأُخْرَى "(مَنْ تَرَكَ الْأَرْبَعَ قَبْلَ الظُّهْرِ لَمْ تَنَلْهُ شَفَاعَتِي) " وَقِيلَ هَذَا فِي الْجَمِيعِ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَاظَبَ عَلَيْهَا عِنْدَ أَدَاءِ الْمَكْتُوبَاتِ بِجَمَاعَةٍ ، وَلَا سُنَّةَ دُونَ الْمُوَاظَبَةِ ، وَالْأَوْلَى أَنْ لَا يَتْرُكَهَا فِي الْأَحْوَالِ كُلِّهَا لِكَوْنِهَا مُكَمِّلَاتٍ لِلْفَرَائِضِ إِلَّا إِذَا خَافَ فَوْتَ الْوَقْتِ .

ترجمہ

اور جو شخص کسی ایسی مسجد میں آیا جس میں نماز ہو چکی ہے تو اس کیلئے کوئی حرج نہیں کہ وہ فرض سے پہلے نوافل پڑھے وقت کی گنجائش کے مطابق جس قدر چاہے پڑھے۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب وقت میں وسعت ہو اور اگر وقت تھوڑا ہو تو (نفل) چھوڑ دے۔

اور کہا گیا ہے کہ حکم نماز ظہر و فجر کی سنتوں کے علاوہ میں ہے۔ کیونکہ ان دونوں کی فضیلت زیادہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فجر کی سنن کے بارے میں فرمایا: ان کو پڑھو اگر چہ تمہیں گھوڑے روند ڈالیں۔ اور دوسری حدیث میں ہے۔ جس نے ظہر سے پہلے چار رکعتیں چھوڑ دیں اس کو میری شفاعت نصیب نہ ہوگی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حکم تمام سنتوں کے بارے میں ہے کیونکہ

نبی کریم ﷺ نے جماعت کے فرائض کو ادا کرنے کے ساتھ ساتھ ان پر دوام فرمایا ہے۔اور سنت ثابت ہی مواظبت سے ہوا کرتی ہے۔افضل یہ ہے کہ ان سنن کو کسی حال میں بھی نہ چھوڑا جائے کیونکہ یہ فرائض کو پورا کرنے والی ہیں۔البتہ جب وقت کے فوت ہونے کا خوف ہو۔(تو جائز ہے واللہ اعلم)۔

ظہر کی سنتوں کی قضاء فرائض والی سنتوں کے بعد ہوگی:

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظہر سے پہلے چار رکعتیں فوت ہو جاتیں تو فرض کے بعد دو سنتیں پڑھ کر ان چار رکعتوں کو پڑھ لیتے۔(سنن ابن ماجہ)

جس نے امام کو رکوع میں نہ پایا تو مدرک رکعت نہ ہو سکا:

(وَمَنْ انْتَهَى إِلَى الْإِمَامِ فِي رُكُوعِهِ فَكَبَّرَ وَوَقَفَ حَتَّى رَفَعَ الْإِمَامُ رَأْسَهُ لَا يَصِيرُ مُدْرِكًا لِتِلْكَ الرَّكْعَةِ خِلَافًا لِزُفَرَ) هُوَ يَقُولُ :أَدْرَكَ الْإِمَامَ فِيمَا لَهُ حُكْمُ الْقِيَامِ فَصَارَ كَمَا لَوْ أَدْرَكَهُ فِي حَقِيقَةِ الْقِيَامِ .وَلَنَا أَنَّ الشَّرْطَ هُوَ الْمُشَارَكَةُ فِي أَفْعَالِ الصَّلَاةِ وَلَمْ يُوجَدْ لَا فِي الْقِيَامِ وَلَا فِي الرُّكُوعِ

ترجمہ

اور جس شخص نے امام کو رکوع میں پایا پس اس نے تکبیر کہی اور کچھ ٹھہرا حتیٰ کہ امام نے رکوع سے سر اٹھالیا تو اس رکعت کو پانے والا نہیں ہے۔جبکہ امام زفر علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ اس نے امام کو ایسے حال میں پایا کہ وہ حکم قیام تھا۔لہذا وہ حقیقت میں قیام کو پانے والا ہے۔جبکہ ہماری دلیل یہ ہے کہ افعال نماز میں مشارکت شرط ہے جو نہ رکوع میں پائی جارہی ہے اور نہ ہی قیام میں پائی جارہی ہے۔

رکوع میں شریک ہوجانے سے پوری رکعت ہوجاتی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم (جماعت میں شریک ہونے کے لیے) نماز میں آؤ اور مجھے سجدے کی حالت میں پاؤ تو تم بھی سجدے میں چلے جاؤ اور اس سجدے کو کسی حساب میں نہ لگاؤ ہاں جس آدمی نے (امام کے ساتھ) رکوع پالیا تو اس نے پوری رکعت پالی۔(ابوداؤد)

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی آدمی جماعت میں آکر اس حال میں شریک ہو کہ امام سجدے میں ہو اور وہ بھی سجدے میں چلا جائے تو اس کی پوری رکعت نہیں ہوتی ہاں اگر کوئی آدمی اس حال میں شریک ہو کہ امام رکوع میں ہو اور اسے رکوع مل جائے تو اس کی پوری رکعت ادا ہو جاتی ہے چنانچہ اس حدیث کے پہلے جزء کا مطلب یہی ہے کہ اگر کوئی آدمی جماعت میں اس وقت شریک ہو جب امام سجدے میں ہو تو وہ سجدے میں چلا جائے۔مگر اس سجدے کی وجہ سے وہ اس رکعت کا ادا کرنا نہ سمجھے کیونکہ جس طرح رکوع میں شریک ہو جانے سے پوری رکعت مل جاتی ہے اسی طرح سجدے میں شریک ہونے پر پوری

رکعت نہیں ملتی۔

دوسرے جزو کے علماء نے دو مطلب بیان کیے ہیں (۱) حدیث میں لفظ رکعۃ سے رکوع مراد ہے اور صلوٰۃ سے رکعت یعنی جس نے امام کو رکوع میں پایا اور وہ رکوع اس نے بھی پالیا تو اس کو پوری رکعت مل گئی (۲) رکعۃ اور صلوٰۃ دونوں اپنے حقیقی معنی میں استعمال کیے گئے ہیں اس طرح حدیث کے اس جزء کا مطلب یہ ہوگا کہ جس آدمی نے جماعت میں ایک رکعت بھی پالی تو اس نے امام کے ساتھ پوری نماز کو پالیا لہٰذا اسے نماز با جماعت کو ثواب بھی ملے گا اور جماعت کی فضیلت بھی حاصل ہوگی۔

امام سے پہلے رکوع کیا تو حکم:

(وَلَوْ رَكَعَ الْمُقْتَدِي قَبْلَ إمَامِهِ فَأَدْرَكَهُ الْإِمَامُ فِيهِ جَازَ) وَقَالَ زُفَرُ : لَا يُجْزِئُهُ لِأَنَّ مَا أَتَى بِهِ قَبْلَ الْإِمَامِ غَيْرُ مُعْتَدٍّ بِهِ هَكَذَا مَا يَبْنِيهِ عَلَيْهِ .وَلَنَا أَنَّ الشَّرْطَ هُوَ الْمُشَارَكَةُ فِي جُزْءٍ وَاحِدٍ كَمَا فِي الطَّرَفِ الْأَوَّلِ .

ترجمہ

اور اگر مقتدی نے امام سے پہلے رکوع کر لیا پھر امام نے اس کو رکوع میں پالیا تو جائز ہے۔ اور امام زفر علیہ الرحمہ نے فرمایا کافی نہ ہوگا۔ کیونکہ مقتدی نے جو رکوع امام سے پہلے کیا وہ معتبر نہیں ہے۔ جو اس پر مبنی ہوگا وہ بھی اسی طرح غیر معتبر ہوگا۔ جبکہ ہماری دلیل یہ ہے کہ شرط ایک پہلی طرف کی طرح ایک جز ہے۔ اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

امام سے پہلے سر اٹھانے پر وعید:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ آدمی جو امام سے پہلے (رکوع و سجود سے) سر اٹھاتا ہے اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ جل شانہ اس کے سر کو بدل کر گدھے جیسا سر کر دے گا۔ (بخاری ومسلم)

جو آدمی نماز کے ارکان امام کے ساتھ ادا نہیں کرتا بلکہ امام سے پہلے ہی ادا کر لیتا ہے مثلاً رکوع و سجود سے امام کے سر اٹھانے سے پہلے اپنا سر اٹھا لیتا ہے تو ایسے آدمی کے بارے میں مذکورہ بالا حدیث سخت ترین وعید ہے۔

گو علماء لکھتے ہیں کہ یہ حدیث اپنے حقیقی معنی پر محمول نہیں ہے یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ جو آدمی ایسا کرے گا اللہ تعالیٰ اسے گدھے کی مانند کم فہم و عقل کر دے گا کیونکہ تمام جانوروں میں گدھا ہی سب سے زیادہ کم فہم ہوتا ہے لہٰذا یہ مسخ حقیقی نہیں ہو گا بلکہ مسخ معنوی ہوگا تاہم علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس حدیث کو اپنے حقیقی معنی پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس امت میں بھی مسخ ممکن ہے جیسا کہ باب اشراط الساعۃ میں مذکور ہے اور اس کے موئید ایک روایت ہے کے یہ الفاظ ہیں کہ ان یحول اللہ صورتہ حمار یعنی اللہ تعالیٰ اس سے نہیں ڈرتا کہ اس کی صورت کو گدھے جیسی صورت کر دے۔ خطابی فرماتے ہیں کہ اس امت میں بھی مسخ جائز ہے لہٰذا اس حدیث کو اس کے حقیقی معنی پر محمول کرنا جائز ہے۔

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ مسخ خاص ہے اور امت کے لیے جو مسخ ممتنع ہے وہ مسخ عام ہے چنانچہ احادیث صحیحہ سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے۔

مسخ صورت کا ایک عبرت ناک واقعہ:

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذکورہ بالا قول کی تائید ایک عبرتناک واقعہ سے بھی ہوتی ہے جو ایک جلیل القدر محدث سے منقول ہے کہ وہ طلب علم اور حصول حدیث کی خاطر دمشق کے ایک عالم کے پاس پہنچے جو اپنے علم وفضل کی بناء پر بہت مشہور تھا انہوں نے اس عالم سے درس لینا شروع کیا مگر حصول علم کے دروان یہ واقعہ طالب علم کے لیے بڑا حیرتناک بنا رہا کہ استاد پوری مدت کبھی بھی ان کے سامنے نہیں آیا درس کے وقت استاد اور شاگرد کے درمیان ایک پردہ حائل رہتا تھا ان کو اس کی بڑی خواہش تھی کہ کم سے کم ایک مرتبہ اپنے استاد کے چہرے کی زیارت تو کریں۔ چنانچہ جب انہیں اس عالم کی خدمت میں رہتے ہوئے بہت کافی عرصہ گذر گیا تو اس نے یہ محسوس کر لیا کہ طالب علم حصول حدیث کے شوق اور تعلق شیخ کے بھرپور جذبات کا پوری طرح حامل ہے تو استاد نے ایک دن درمیان میں حائل پردہ کو اٹھایا ان کی حیرت اور تعجب کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ جو جلیل القدر عالم اور ان کا استاد جس کے علم وفضل کی شہرت چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے اپنے انسانی چہرے سے محروم ہے بلکہ اس کا منہ گدھے جیسا ہے استاد نے شاگرد کی حیرت اور تعجب کو دیکھتے ہوئے جو بات کہی اسے سنئے اور اس سے عبرت حاصل کیجئے۔ اس نے کہا اے میرے بیٹے ! نماز کے ارکان ادا کرنے کے سلسلہ میں امام پر پہل کرنے سے بچنا میں نے جب یہ حدیث سنی کہ کیا جو شخص امام سے پہلے سر اٹھاتا ہے اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے سر کو گدھے جیسا کر دے تو مجھے بہت تعجب ہوا۔ اور میں نے اسے بعید از امکان تصور کیا چنانچہ (یہ میری بدقسمتی کہ میں نے تجربہ کے طور پر) نماز کے ارکان ادا کرنے کے سلسلہ میں امام پر پہل کی جس کا نتیجہ میرے بیٹے اس وقت تمہارے سامنے ہے کہ میرا چہرہ واقعی گدھے کے چہرے جیسا ہو گیا۔

بہر حال ملا علی قاری اس کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد دراصل شدید تہدید اور انتہائی وعید کے طور پر ہے یا یہ کہ ایسے آدمی کو برزخ اور دوزخ میں اس عذاب کے اندر مبتلا کیا جائے گا۔

بَابُ قَضَاءِ الْفَوَائِتِ

﴿یہ باب فوت شدہ نمازوں کی قضاء کے بیان میں ہے﴾

باب قضاء الفوائت کی مطابقت کا بیان:

اس باب کو سابقہ ابواب سے موخر کرنے کی وجوہ حسب ذیل ہیں۔اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ اداء اصل ہے جبکہ قضاء اسی کی فرع ہے۔اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اداء حکم شرعی سے کامل طریقے سے بری الذمہ ہونا ہے جبکہ قضاء طریقہ ناقص ہے۔اس کی تیسری وجہ یہ ہے کہ ادا حکم ادائیگی میں اس طرح ہے کہ جس طرح کسی کو اصلی چیز سپرد کرنا ہے۔جبکہ قضاء اس طرح ہے کہ کسی کو مثلی چیز سپرد کرنا ہے۔اس کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ اداء اجر وثواب کے ساتھ ہے جبکہ قضاء زجر وتوبیخ کے ساتھ ہے۔اس کی پانچویں وجہ یہ ہے کہ اداء سے حکم شرعی علی محلہ رہتا ہے جبکہ قضاء میں حکم شرعی علی غیر محلہ ہو جاتا ہے۔اس کی چھٹی وجہ یہ ہے۔اداء کیلئے اوقات معینہ ہیں جبکہ قضاء میں اوقات کی تعیین ختم ہو جاتی ہے۔بلکہ اوقات مباحہ میں جب چاہیں پڑھ سکتے ہیں۔احکام شرع میں تعیین اوقات سے ادائیگی میں آسانی ہے۔اور فہم میں سہولت ہے۔اس کی ساتویں وجہ یہ ہے کہ وجود قضاء وجود اداء کا محتاج ہوتا ہے۔کیونکہ جب تک اصل نماز یعنی اداء کا حکم نہیں پایا جاتا اور پھر جب اس کی ادائیگی کو ترک نہ کیا جائے تب تک حکم قضاء ثابت نہ ہوگا۔لہذا اسلب جزی کے طور پر بھی قضاء کا وجود حکم اداء پر موقوف ہے۔(ابن صادق رضوی عفی عنہ)

فوت شدہ نمازوں کی قضاء کرنے کا بیان:

(وَمَنْ فَاتَتْهُ صَلَاةٌ قَضَاهَا إذَا ذَكَرَهَا وَقَدَّمَهَا عَلَى فَرْضِ الْوَقْتِ) وَالْأَصْلُ فِيهِ أَنَّ التَّرْتِيبَ بَيْنَ الْفَوَائِتِ وَفَرْضِ الْوَقْتِ عِنْدَنَا مُسْتَحَقٌّ .وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ مُسْتَحَبٌّ ، لِأَنَّ كُلَّ فَرْضٍ أَصْلٌ بِنَفْسِهِ فَلَا يَكُونُ شَرْطًا لِغَيْرِهِ .

وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ نَامَ عَنْ صَلَاةٍ أَوْ نَسِيَهَا فَلَمْ يَذْكُرْهَا إلَّا وَهُوَ مَعَ الْإِمَامِ فَلْيُصَلِّ الَّتِي هُوَ فِيهَا ثُمَّ لِيُصَلِّ الَّتِي ذَكَرَهَا ثُمَّ لِيُعِدْ الَّتِي صَلَّى مَعَ الْإِمَامِ)

" (وَلَوْ خَافَ فَوْتَ الْوَقْتِ يُقَدِّمُ الْوَقْتِيَّةَ ثُمَّ يَقْضِيهَا) لِأَنَّ التَّرْتِيبَ يَسْقُطُ بِضِيقِ الْوَقْتِ ، وَكَذَا بِالنِّسْيَانِ وَكَثْرَةِ الْفَوَائِتِ كَيْ لَا يُؤَدِّيَ إلَى تَفْوِيتِ الْوَقْتِيَّةِ ،

وَلَوْ قَدَّمَ الْفَائِتَةَ جَازَ لِأَنَّ النَّهْيَ عَنْ تَقْدِيمِهَا لِمَعْنًى فِي غَيْرِهَا ، بِخِلَافِ مَا إذَا كَانَ فِي الْوَقْتِ سَعَةٌ وَقَدَّمَ الْوَقْتِيَّةَ حَيْثُ لَا يَجُوزُ لِأَنَّهُ أَدَّاهَا قَبْلَ وَقْتِهَا الثَّابِتِ بِالْحَدِيثِ .

ترجمہ

اور جب کسی شخص کی نماز فوت ہو جائے تو وہ یاد آنے پر اس کی قضاء کرے اور وقتی فرض پر مقدم کرے۔ کیونکہ قانون یہ ہے کہ ہمارے نزدک وقتی نمازوں اور فوت ہونے والی نمازوں کے درمیان ترتیب واجب ہے۔ اور امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک مستحب ہے۔ کیونکہ ہر فرض ذات کے اعتبار سے اصل ہے۔ لہذا وہ دوسرے کیلئے شرط نہ ہوگا۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص نماز بھلا کر سو گیا یا جس نے نماز کو بھلا دیا پس اسے یاد نہ رہا لیکن جب وہ امام کے ساتھ ہے تو وہی نماز پڑھے۔ جس میں وہ موجود ہے۔ پھر وہ پڑھے جو اس کو یاد آئی ہے اور پھر اس کا اعادہ کرے جو اس نے امام کے ساتھ پڑھی ہے۔

اور اگر اس کو وقت کے نکل جانے کا اندیشہ ہو تو وہ وقتیہ کو مقدم کرے اور پھر قضاء نماز پڑھے۔ کیونکہ وقت کی تنگی کی وجہ سے ترتیب ساقط ہو جاتی ہے۔ اور اس طرح بھول جانے اور کثرت فوائت کی وجہ سے ترتیب ساقط ہو جاتی ہے تا کہ وقتیہ کی تفویت لازم نہ آئے۔

اور اگر اس نے تنگی وقت کے باوجود فائتہ کو مقدم کیا تو جائز ہے کیونکہ فائتہ کو مقدم کرنے کی ممانعت ایسے حکم کی وجہ سے ہے جو غیر کے حق میں ہے۔ بخلاف اس کے جب وقت میں وسعت ہو اور اس نے وقتیہ کو مقدم کیا تو جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے نماز کو اس وقت سے پہلے ادا کر لیا ہے جو حدیث سے ثابت ہے۔

نیند کی وجہ سے یا بھولے سے جس کی نماز رہ گئی؟

امام ابن ماجہ لکھتے ہیں۔ حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا اس مرد کے متعلق جس کی نماز بھولے سے یا سوتے رہنے کی وجہ سے چھوٹ جائے؟ فرمایا جب یاد آئے (یا بیدار ہوں) تو پڑھ لے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو نماز بھول جائے تو جب یاد آئے تو پڑھ لے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب غزوہ خیبر سے واپس ہوئے تو رات بھر چلتے رہے، جب آپ کو اونگھ آنے لگی تو اتر پڑے اور بلال سے کہا ہمارے لئے تم رات کا خیال رکھو۔ بلال نے جتنا مقدر میں تھا نفل ادا کیئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھی سو گئے، جب فجر قریب ہوئی تو بلال نے اپنی اونٹنی کے ساتھ ٹیک لگا دی فجر (مشرق) کی طرف منہ کر کے، پس بلال پر اسی اونٹنی پر ٹیک کی حالت میں نیند غالب آ گئی نہ ان کی آنکھ کھلی نہ کسی اور صحابی کی، یہاں تک کہ ان کو دھوپ محسوس ہوئی تو سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جاگے اور گھبرا کر فرمایا ارے بلال! (یہ کیا ہوا؟) بلال نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان اے اللہ کے رسول! میری جان کو اسی نے روکے رکھا جس نے آپ کی جان کو روکے رکھا، آپ نے فرمایا اونٹوں کو چلاؤ لوگوں نے تھوڑی دور تک اپنے اونٹوں کو چلایا

(آپ اس جگہ سے چلے گئے کیونکہ وہاں شیطان تھا جیسے دوسری روایت میں ہے) پھر آپ نے وضو کیا اور صبح کی نماز پڑھائی جب آپ نماز پڑھ چکے تو آپ نے فرمایا جو شخص نماز کو بھول جائے تو جب اس کو یاد آئے پڑھ لے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قائم کر نماز کو میری یاد کی خاطر اور ابن شہاب اس آیت کو یوں پڑھتے۔(وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ 14) 20۔طہ14:)۔

حضرت ابوقتادہ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے نیند میں کوتاہی کا ذکر کیا، کہا سوتے رہے حتیٰ کہ سورج طلوع ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سوتے میں کچھ کوتاہی نہیں کوتاہی تو جاگتے میں ہے، اس لئے جب ہم میں سے کوئی بھی نماز بھول سے چھوڑ دے یا نیند میں چھوڑ جائے تو جب یاد آئے تو اس وقت پڑھ لے اور آئندہ وقت پر نماز پڑھے۔ابوقتادہ کے شاگرد عبداللہ بن رباح کہتے ہیں کہ میں یہ حدیث بیان کر رہا تھا کہ عمران بن حصین نے سنا تو فرمایا اے جوان ! سوچ کر حدیث بیان کرنا کیونکہ اس واقعہ میں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا، فرماتے ہیں کہ انہوں نے اس میں سے کسی بات کی بھی تردید نہ فرمائی۔(سنن ابن ماجہ)

حضرت سیدنا انس بن مالکؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا : جو شخص کسی نماز کو بھول جائے تو اسے چاہیے کہ جب یاد آئے، پڑھ لے، اس کا کفارہ یہی ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ (سورۃ طہ میں) فرماتا ہے :اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔(بخاری،۳۶۶)

فوت شدہ نمازوں میں ترتیب کا بیان:

(وَلَوْ فَاتَتْهُ صَلَوَاتٌ رَتَّبَهَا فِي الْقَضَاءِ كَمَا وَجَبَتْ فِي الْأَصْلِ) " (لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ شُغِلَ عَنْ أَرْبَعِ صَلَوَاتٍ يَوْمَ الْخَنْدَقِ فَقَضَاهُنَّ مُرَتَّبًا ، ثُمَّ قَالَ :صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي) " (إلَّا أَنْ تَزِيدَ الْفَوَائِتُ عَلَى سِتِّ صَلَوَاتٍ) لِأَنَّ الْفَوَائِتَ قَدْ كَثُرَتْ (فَيَسْقُطُ التَّرْتِيبُ فِيمَا بَيْنَ الْفَوَائِتِ) نَفْسِهَا كَمَا سَقَطَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْوَقْتِيَّةِ ، وَحَدُّ الْكَثْرَةِ أَنْ تَصِيرَ الْفَوَائِتُ سِتًّا لِخُرُوجِ وَقْتِ الصَّلَاةِ السَّادِسَةِ وَهُوَ الْمُرَادُ بِالْمَذْكُورِ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ ، وَهُوَ قَوْلُهُ " (وَإِنْ فَاتَتْهُ أَكْثَرُ مِنْ صَلَاةِ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ أَجْزَأَتْهُ الَّتِي بَدَأَ بِهَا) لِأَنَّهُ إذَا زَادَ عَلَى يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ تَصِيرُ سِتًّا .

وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ اعْتَبَرَ دُخُولَ وَقْتِ السَّادِسَةِ ، وَالْأَوَّلُ هُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّ الْكَثْرَةَ بِالدُّخُولِ فِي حَدِّ التَّكْرَارِ وَذَلِكَ فِي الْأَوَّلِ ،

ترجمہ:

اور اگر اسکی چند نمازیں قضاء ہوئی ہیں تو ان کی قضاء میں وہی ترتیب رکھے جس طرح وہ اصل میں واجب ہوئیں تھیں کیونکہ

نبی کریم ﷺ جب یوم خندق نمازوں سے مصروف کیے گئے تو آپ ﷺ نے ترتیب سے قضاء کیا۔ پھر فرمایا: تم اسی طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھو۔ لیکن جب یہ فوائت زیادہ ہو کر چھ ہو گئیں۔ تو یہ کثرت فوائت ہو گئی پس ان کے درمیان ترتیب ساقط ہو گئی۔ اور سقوط اسی طرح ہے جس طرح وقتیہ اور فائتہ کے درمیان ہوتا ہے۔ اور کثرت کی تعریف یہ ہے کہ جب چھٹی نماز کا وقت نکل جائے۔ اور جامع صغیر میں یہی مراد ذکر کی گئی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب ایک دن رات سے زیادہ ہو گئیں تو جائز ہو جائے گی وہ نماز جس سے ابتداء کی تھی۔ کیونکہ جب وہ ایک دن رات زیادہ ہوئیں تو وہ چھ ہو گئیں۔

اور امام محمد علیہ الرحمہ سے بھی روایت بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے چھٹی نماز کے وقت کے داخل ہونے کا اعتبار کیا ہے لیکن قول اول زیادہ صحیح ہے۔ کیونکہ کثرت تکرار کی حد میں داخل ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور یہ پہلے قول کی صورت میں ہوگا۔

قضاء نمازوں کی ترتیب میں فقہی مذاہب کا بیان:

جمہور اہل علم کے مسلک کے مطابق نمازوں کی قضاء میں ترتیب واجب ہے۔

ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالی "المغنی" میں لکھتے ہیں۔ اور بالجملہ یہ کہ قضاء میں ترتیب واجب ہے۔

امام احمد نے کئی ایک جگہ یہی بیان کیا ہے۔ اور نخعی، زھری، ربیعہ، یحی انصاری، امام مالک، لیث، اور امام ابو حنیفہ اور اسحاق رحمہم اللہ جمیعا سے اسی طرح منقول ہے۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: واجب نہیں؛ کیونکہ فرض فوت شدہ ہے چنانچہ اس میں ترتیب واجب نہیں، جس طرح روزے ہیں۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو تو اس میں ترتیب واجب ہے، چاہے کتنی بھی زیادہ ہوں، امام احمد نے یہی بیان کیا ہے۔

اور امام مالک اور ابو حنیفہ رحمہما اللہ کہتے ہیں۔

ایک دن اور رات کی نمازوں سے زیادہ میں ترتیب واجب نہیں؛ کیونکہ اس سے زیادہ میں ترتیب کا معتبر ہونا اس کے لیے مشقت ہے، اور یہ تکرار میں داخل ہونے کا باعث ہے، چنانچہ روزوں کی قضاء میں عدم ترتیب کی طرح ساقط ہو جائیگی۔

(المغنی لابن قدامہ المقدسی (1 / . (352)

چنانچہ اس سے حاصل یہ ہوا کہ احناف، مالکیہ، حنابلہ میں سے جمہور اہل علم کے ہاں ترتیب واجب ہے، لیکن اتنا ہے کہ مالکی اور احناف کے ہاں ایک دن اور رات سے زیادہ ہونے کی صورت میں ترتیب واجب نہیں۔

ترتیب کی صورت یہ ہوگی کہ جس طرح معروف نماز ادا کی جاتی ہے اسی طرح قضاء بھی ادا کی جائیگی، چنانچہ مثلا جس کی ظہر، عصر کی نماز رہ گئی تو وہ پہلے ظہر اور پھر عصر کی نماز ادا کرے گا۔

لیکن بھولنے اور جہالت کی بنا پر ترتیب ساقط ہو جائیگی، اور اسی طرح موجودہ نماز کا وقت نکل جانے اور جماعت رہ جانے کا

خدشہ ہو تو پہلے حاضر نماز ادا ہوگی اور پھر فوت شدہ، راجح یہی ہے۔

اس لیے جس کی دو نمازیں رہ گئی ہو مثلاً ظہر اور عصر اور اس نے بھول کر پہلے عصر کی نماز ادا کر لی یا ترتیب کے وجوب سے جاہل ہونے کی بنا پر تو اس کی نماز صحیح ہوگی۔

اور اگر یہ خدشہ ہو کہ قضاء والی نماز ادا کرنے سے موجودہ عصر کی نماز کا اختیاری وقت نکل جائیگا تو وہ عصر کی نماز پہلے ادا کرے، اور پھر اپنی فوت شدہ کی قضاء کرے۔

اور اسی طرح اگر وہ مسجد میں داخل ہو تو کیا وہ جماعت کے ساتھ موجودہ اور حاضر نماز ادا کرے یا کہ فوت شدہ نماز کی قضاء کرے۔ امام احمد ایک روایت میں کہتے ہیں اور ابن تیمیہ نے بھی اسے اختیار کیا ہے کہ جماعت رہ جانے کے خوف سے ترتیب ساقط ہو جاتی ہے۔ (الشرح الممتع (2 / . (144 - 138)

فوائت قدیمہ وحدیثہ کا بیان:

وَلَوْ اجْتَمَعَتْ الْفَوَائِتُ الْقَدِيمَةُ وَالْحَدِيثَةُ ، قِيلَ تَجُوزُ الْوَقْتِيَّةُ مَعَ تَذَكُّرِ الْحَدِيثَةِ لِكَثْرَةِ الْفَوَائِتِ ، وَقِيلَ لَا تَجُوزُ وَيُجْعَلُ الْمَاضِي كَأَنْ لَمْ يَكُنْ زَجْرًا لَهُ عَنْ التَّهَاوُنِ

وَلَوْ قَضَى بَعْضَ الْفَوَائِتِ حَتَّى قَلَّ مَا بَقِيَ عَادَ التَّرْتِيبُ عِنْدَ الْبَعْضِ وَهُوَ الْأَظْهَرُ ، فَإِنَّهُ رُوِيَ عَنْ مُحَمَّدٍ فِيمَنْ تَرَكَ صَلَاةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ ، وَجَعَلَ يَقْضِي مِنْ الْغَدِ مَعَ كُلِّ وَقْتِيَّةٍ فَائِتَةً فَالْفَوَائِتُ جَائِزَةٌ عَلَى كُلِّ حَالٍ ، وَالْوَقْتِيَّاتُ فَاسِدَةٌ إنْ قَدَّمَهَا لِدُخُولِ الْفَوَائِتِ فِي حَدِّ الْقِلَّةِ ، وَإِنْ أَخَّرَهَا فَكَذَلِكَ إلَّا الْعِشَاءَ الْأَخِيرَةَ لِأَنَّهُ لَا فَائِتَةَ عَلَيْهِ فِي ظَنِّهِ حَالَ أَدَائِهَا .

ترجمہ:

اور اگر قدیمہ وجدیدہ فوت شدہ نمازیں جمع ہوگئیں تو کہا گیا ہے کہ جدیدہ یاد ہونے کے باوجود وقتیہ کو ادا کرنا جائز ہے کیونکہ فوائت کی کثرت ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جائز نہیں ہے۔ اور گزری ہوئی نمازوں کو معدوم قرار دیا جائے تا کہ اسے سستی کا احساس ہو جائے۔

اور اگر اس نے کچھ فوائت قضاء کیں کہ باقی چھ سے کم رہ گئیں تو بعض کے نزدیک اس کی ترتیب لوٹ آئے گی اور زیادہ ظاہر یہی قول ہے۔ امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ جس نے دن رات میں نماز کو چھوڑا اور اگلے دن ہر نماز کے ساتھ فائتہ کی قضاء کی۔ تو جائز ہے کیونکہ فوائت ہر حال میں جائز ہوتی ہیں۔ اور اگر وقتیہ کو مقدم پڑھا تو وہ وقتیہ فاسد ہیں۔ کیونکہ وہ قلت کی مقدار میں داخل ہوگئیں۔ اور عشاء اخیرہ کے سوا اگر وقتیہ کو مؤخر کرے تب فاسد ہے۔ کیونکہ ادائیگی کی حالت میں اس کے گمان کے مطابق اس پر کوئی فائتہ نہیں ہے۔

شرح:۔

قضاء نمازوں میں کثرت بھی ترتیب کو ساقط کرنے والی ہے لیکن جب اس نے کثیر نمازیں جو اس پر قضاء کے طور پر واجب تھیں ان کو پڑھ لیا حتیٰ کہ چھ نمازیں باقی رہ گئیں۔تو بعض فقہاء کے نزدیک علت کثرت کے ختم ہو جانے کی وجہ سے ترتیب لوٹ آئے گی۔

ظہر نہ پڑھنے والے کا نماز عصر پڑھنے کا بیان:

(وَمَنْ صَلَّى الْعَصْرَ وَهُوَ ذَاكِرٌ أَنَّهُ لَمْ يُصَلِّ الظُّهْرَ فَهِيَ فَاسِدَةٌ إِلَّا إِذَا كَانَ فِي آخِرِ الْوَقْتِ) وَهِيَ مَسْأَلَةُ التَّرْتِيبِ (وَإِذَا فَسَدَتْ الْفَرْضِيَّةُ لَا يَبْطُلُ أَصْلُ الصَّلَاةِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ .وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ يَبْطُلُ لِأَنَّ التَّحْرِيمَةَ عُقِدَتْ لِلْفَرْضِ) ، فَإِذَا بَطَلَتْ الْفَرْضِيَّةُ بَطَلَتْ .

وَلَهُمَا أَنَّهَا عُقِدَتْ لِأَصْلِ الصَّلَاةِ بِوَصْفِ الْفَرْضِيَّةِ فَلَمْ يَكُنْ مِنْ ضَرُورَةِ بُطْلَانِ الْوَصْفِ بُطْلَانُ الْأَصْلِ (ثُمَّ الْعَصْرُ يَفْسُدُ فَسَادًا مَوْقُوفًا ، حَتَّى لَوْ صَلَّى سِتَّ صَلَوَاتٍ وَلَمْ يُعِدْ الظُّهْرَ انْقَلَبَ الْكُلُّ جَائِزًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ .وَعِنْدَهُمَا يَفْسُدُ فَسَادًا بَاتًّا لَا جَوَازَ لَهُ بِحَالٍ) وَقَدْ عُرِفَ ذَلِكَ فِي مَوْضِعِهِ .

ترجمہ:

اور جس نے عصر کی نماز پڑھی حالانکہ اس کو یاد ہے کہ اس نے ظہر کی نماز نہیں پڑھی تو یہ عصر فاسد ہوگئی۔مگر جب اس کا آخری وقت ہو جائے۔اور یہ مسئلہ ترتیب ہے۔اور جب فرضیت فاسد ہوگئی تو شیخین کے نزدیک اصل نماز باطل نہ ہوگی۔جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک باطل ہو جائے گی۔کیونکہ فرض کو باندھنے والی تحریمہ ہے اور جب وہ باطل ہوئی تو فرضیت بھی باطل ہوگئی اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ تحریمہ وصف فرضیت کے ساتھ اصل نماز کو باندھنے والی ہے۔لہذا وصف کا باطل ہونا اصل کے باطل ہونے کو لازم نہیں ہے۔

پھر عصر کا فساد موقوف ہو جائے گا۔حتیٰ کہ اگر اس نے چھ نمازیں پڑھیں اور اس نے ظہر کا اعادہ نہ کیا تو امام اعظم کے نزدیک ساری نمازیں جائز ہو کر فاسد ہو جائیں گیں۔اور صاحبین کے نزدیک عصر یقینی طور پر فاسد ہوگئی اور اب کسی طرح بھی جائز نہیں ہو سکتی۔اور اس کا حکم اس کے اپنے موقع پر معلوم ہو چکا ہے۔

شرح:

حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کی عصر کا فساد موقوف ہو جائے گا اس کا معنی یہ ہے کہ نماز اس نے پڑھی جبکہ اس پر ترتیب واجب تھی۔ترک وجوب کی وجہ سے اس کی نماز میں فساد آ گیا البتہ جب وہ شخص چھ نمازیں پڑھ لیتا ہے یعنی ترتیب جیسے ہی اس کے ذمے سے ساقط ہوگئی اسی وقت اس کی موقوف نماز کا اعتبار کر لیا جائے گا۔

جبکہ صاحبین عبادات میں اس طرح کے وقف کے قائل نہیں ہیں۔

فجر پڑھنے والا جبکہ اسے وتروں کی قضاء یاد ہے:

(وَلَوْ صَلَّى الْفَجْرَ وَهُوَ ذَاكِرٌ أَنَّهُ لَمْ يُوتِرْ فَهِيَ فَاسِدَةٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ) خِلَافًا لَهُمَا ، وَهَذَا بِنَاءٌ عَلَى أَنَّ الْوِتْرَ وَاجِبَةٌ عِنْدَهُ سُنَّةٌ عِنْدَهُمَا ، وَلَا تَرْتِيبَ فِيمَا بَيْنَ الْفَرَائِضِ وَالسُّنَنِ ، وَعَلَى هَذَا إذَا صَلَّى الْعِشَاءَ ثُمَّ تَوَضَّأَ وَصَلَّى السُّنَّةَ وَالْوِتْرَ ثُمَّ تَبَيَّنَ أَنَّهُ صَلَّى الْعِشَاءَ بِغَيْرِ طَهَارَةٍ فَعِنْدَهُ يُعِيدُ الْعِشَاءَ وَالسُّنَّةَ دُونَ الْوِتْرِ ، لِأَنَّ الْوِتْرَ فَرْضٌ عَلَى حِدَةٍ عِنْدَهُ وَعِنْدَهُمَا يُعِيدُ الْوِتْرَ أَيْضًا لِكَوْنِهِ تَبَعًا لِلْعِشَاءِ ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ .

ترجمہ:

اور اگر اس نے فجر کی نماز پڑھی اور اسے یہ یاد ہے کہ اس نے وتر نہیں پڑھے تو اس کی یہ نماز فاسد ہے۔ یہ امام اعظم کے نزدیک ہے جبکہ صاحبین نے اختلاف کیا ہے۔ اور اختلاف کی بناء یہ ہے کہ امام اعظم کے نزدیک وتر واجب ہے اور صاحبین کے نزدیک وتر سنت ہے۔ اور فرائض وسنن کے درمیان ترتیب نہیں ہے۔ اور اختلاف کی بناء پر یہ مسئلہ ہے کہ جب کسی نے عشاء کی نماز پڑھی پھر اس نے وضو کیا اور اس نے سنت اور نماز وتر پڑھی پھر اس پر ظاہر ہوا کہ اس نے نماز عشاء بغیر وضو کے پڑھی ہے۔ پس امام اعظم کے نزدیک وہ عشاء وسنن دونوں کا اعادہ کرے سوائے وتر کے کیونکہ ان کے نزدیک وتر ایک الگ فرض ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک وہ اسی طرح وتر کا اعادہ بھی کرے گا۔ کیونکہ وہ عشاء کے تابع ہیں۔ اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

قضاء نمازوں کی ترتیب بھولنے میں فقہی مذاہب کا بیان:

ائمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، اور امام احمد رحمہم اللہ تعالی کا مسلک ہے کہ فوت شدہ نمازیں قضاء کرتے وقت ترتیب واجب ہے، اس کی دلیل خندق والے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ نمازیں رہ گئیں تو آپ نے ترتیب کے ساتھ انہیں قضاء کر کے ادا کیا تھا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خندق والے روز عصر کی نماز غروب آفتاب کے بعد ادا کی اور اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی " صحیح بخاری حدیث نمبر (641)

اور ایک دوسری حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے " : تم نماز اس طرح ادا کرو جس طرح تم نے مجھے نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا ہے " صحیح بخاری حدیث نمبر ((631 (المغنی ابن قدامۃ (2 / . (336)

اگر ترتیب بھول جائے تو کیا ساقط ہو جائیگی؟

اس کا جواب یہ ہے جی ہاں بھول جانے کی صورت میں ترتیب ساقط ہو جائیگی، کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے " : یقیناً اللہ تعالی نے میری امت سے خطا اور بھول، اور جس پر انہیں مجبور کیا گیا ہو معاف کر دیا گیا ہے "

سنن ابن ماجہ حدیث نمبر (2043) نے صحیح ابن ماجہ حدیث نمبر (1662) میں اسے صحیح قرار دیا ہے .

اور امام ابوحنیفہ، اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ دونوں کا مسلک بھی یہی ہے .

فتح القدیر (1 / 424) اور المغنی ابن قدامہ (2 / 340) اور الشرح الممتع (2 /. (139

اور اگر کوئی شخص نماز بھول جائے اور دوسری نماز کا وقت شروع ہو جانے کے بعد اسے یاد آئے تو اس کی تین حالتیں ہیں :

- 1 موجودہ نماز شروع کرنے سے پہلے رہ جانے والی نماز یاد آ جائے تو اس وقت اسے فوت شدہ نماز پہلے ادا کرنا ہوگی اور پھر موجودہ نماز ادا کرے گا .

- 2 موجودہ نماز مکمل کرنے کے بعد فوت شدہ نماز یاد آئے کہ اس نے تو وہ نماز ادا ہی نہیں کی، چنانچہ اس کی موجودہ نماز صحیح ہو گی اور وہ صرف فوت شدہ نماز ہی ادا کرے گا، بھول جانے کی بنا پر ترتیب کے ساتھ ادائیگی میں معذور ہوگا .

- 3 اسے موجودہ نماز ادا کرنے کے دوران یاد آئے کہ اس نے تو اس سے قبل والی نماز ادا نہیں کی، تو اس حالت میں وہ موجودہ نماز مکمل کرے اور یہ اس کے لیے نفل ہونگے، اور پھر وہ فوت شدہ نماز ادا کرنے کے بعد موجودہ نماز ترتیب کے ساتھ ادا کرے گا، امام احمد رحمہ اللہ تعالی کا مسلک یہی ہے . (المغنی ابن قدامہ (2 ، 340 - 336)

اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کا قول یہی ہے، امام مالک رحمہ اللہ تعالی نے موطا میں روایت کیا ہے کہ نافع بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کہا کرتے تھے " : جس کی بھی کوئی نماز رہ گئی ہو اور اسے امام کے ساتھ با جماعت نماز ادا کرتے ہوئے یاد آئے، تو امام کی سلام پھیرنے کے بعد رہ جانے والی فوت شدہ نماز ادا کرے، اور پھر اس کے بعد دوسری نماز ادا کرے " دیکھیں : موطا امام مالک حدیث نمبر (408) .

اور ابن تیمیہ کہتے ہیں۔

(دوران نماز جب بھی فوت شدہ نماز یاد آئے تو یہ ایسے ہی ہوگی جیسے اسے نماز شروع کرنے سے قبل یاد آتی، اور اگر موجودہ نماز کے دوران یاد نہیں آتی بلکہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد یاد آئے تو جمہور علماء کرام مثلا امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد، کے ہاں اس کی موجودہ نماز کفائت کر جائیگی۔ (الفتاوی الکبری (1 /. (112)

جس نماز میں ہے اسے پوری کرنا بطور استحباب ہے، نہ کہ واجب، چنانچہ اگر وہ اس نماز کو توڑ کر فوت شدہ نماز ادا کرے اور پھر موجودہ نماز اس کے بعد ادا کرلے تو جائز ہوگا .

میں نے امام احمد رحمہ اللہ تعالی کو کہا : میں عشاء کی نماز ادا کر رہا تھا، مجھے دوران نماز یاد آیا کہ میں نے تو مغرب کی نماز ادا نہیں کی، چنانچہ میں عشاء کی نماز ادا کر لی، اور پھر مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد عشاء کی نماز لوٹائی ؟

امام احمد رحمہ اللہ تعالی کہنے لگے : آپ نے صحیح میں نے کہا : جب مجھے دوران نماز یاد آیا تھا تو کیا مجھے نماز توڑ نہیں دینی چاہیے تھی ؟ امام احمد رحمہ اللہ کہنے لگے : کیوں نہیں . میں نے کہا : تو پھر میں نے صحیح کیسے کیا ؟ وہ کہنے لگے : یہ سب جائز ہے .

دیکھیں : المغنی ابن قدامہ (2 /. (339)

اور بعض علماء کرام کا کہنا ہے کہ : جو موجودہ نماز ادا کر رہا ہے اسے مکمل کرے، اور پھر بعد میں فوت شدہ نماز ادا کر لے، تو اس پر موجودہ نماز دوبارہ لوٹانی لازم نہیں، امام شافعی رحمہ اللہ تعالی کا مسلک یہی ہے۔ المجموع (3 /. (70)

باب سجود السهو

﴿یہ باب سہو کے سجدوں کے بیان میں ہے﴾

باب سجود سہو کی مطابقت کا بیان:

نماز میں بعض ایسے عوارض لاحق ہوتے ہیں جن سے نماز فاسد ہو جاتی ہے لیکن سجدہ سہو بھی انہی عوارض میں سے بعض عوارض کے بدلے میں کیا جاتا ہے۔اگر چہ یہ بھی عارضہ ہے لیکن اس عارضہ سے حفاظت کیلئے سجدہ سہو لازم کیا گیا ہے تا کہ نماز کی حفاظت رہے۔اسی وجہ سے مصنف نے اس باب کو دیگر عوارض سے موخر ذکر کیا ہے۔اور سجدہ تلاوت سے مقدم ذکر کرنے کی وجہ اس باب میں کثرت وقوع کی علت ہے۔

سجدہ سہو کرنے کا حکم:

نماز کے سنن ومستحبات اگر ترک ہو جائیں تو اس سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی یعنی نماز صحیح ہو جاتی ہے اور نماز کے فرائض میں سے کوئی چیز اگر سہواً یا عمداً چھوٹ جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے جس کا کوئی تدارک نہیں جس کی وجہ سے نماز کا اعادہ ضروری ہوتا ہے۔نماز کے واجبات میں سے اگر کوئی چیز عمداً چھوڑی جائے تو اس کا بھی تدارک نہیں ہو سکتا اور نماز فاسد ہو جاتی ہے اور اگر نماز کے واجبات میں سے کوئی چیز عمداً نہیں بلکہ سہواً چھوڑ دی جائے تو اس کا تدارک ہو سکتا ہے اور وہ تدارک یہ ہے کہ قعدہ اخیر میں التحیات درود شریف اور دعا حسب معمول پڑھ کر سلام پھیرا جائے انہی سجدوں کو سجدہ سہو کہا جاتا ہے۔

سجدہ سہو کے وجوب وادائیگی کا طریقہ:

(يَسْجُدُ لِلسَّهْوِ فِي الزِّيَادَةِ وَالنُّقْصَانِ سَجْدَتَيْنِ بَعْدَ السَّلَامِ ثُمَّ يَتَشَهَّدُ ثُمَّ يُسَلِّمُ) وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ يَسْجُدُ قَبْلَ السَّلَامِ لِمَا رُوِيَ (أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ سَجَدَ لِلسَّهْوِ قَبْلَ السَّلَامِ)

وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لِكُلِّ سَهْوٍ سَجْدَتَانِ بَعْدَ السَّلَامِ) وَرُوِيَ أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (سَجَدَ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ بَعْدَ السَّلَامِ) فَتَعَارَضَتْ رِوَايَتَا فِعْلِهِ فَبَقِيَ التَّمَسُّكُ بِقَوْلِهِ سَالِمًا ، وَلِأَنَّ سُجُودَ السَّهْوِ مِمَّا لَا يَتَكَرَّرُ فَيُؤَخَّرُ عَنْ السَّلَامِ حَتَّى لَوْ سَهَا عَنْ السَّلَامِ يَنْجَبِرُ بِهِ ، وَهَذَا خِلَافٌ فِي الْأَوْلَوِيَّةِ ، وَيَأْتِي بِتَسْلِيمَتَيْنِ هُوَ الصَّحِيحُ صَرْفًا لِلسَّلَامِ الْمَذْكُورِ إلَى مَا هُوَ الْمَعْهُودُ .

ترجمہ

زیادتی ونقصان کی صورت میں وہ سلام کے بعد سہو کے دو سجدے کرے پھر وہ تشہد پڑھے پھر وہ سلام پھیرے۔جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک وہ سلام سے پہلے سہو کے دو سجدے کرے۔اس کی روایت کی وجہ سے کہ نبی کریم ﷺ نے سلام

سے پہلے سجدہ سہو کیا۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہر سہو کیلئے سلام کے بعد دو سجدے ہیں۔اور روایت بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سہو کے دو سجدے سلام کے بعد کیے۔لہذا دونوں روایات کا فعل میں تعارض واقع ہوا۔تو قولی حدیث کو تھام لینا باقی رہ گیا۔اور یہ دلیل بھی ہے کہ سجدہ سہوان امور میں سے ہے۔جن میں تکرار نہیں ہوتا لہذا اسے سلام سے مؤخر کیا جائے گا۔حتی کہ اگر اس سے سلام میں سہو ہو تو وہ بھی پورا ہو جائے۔اور یہ اختلاف اولیت میں ہے اور وہ دو سلاموں کے ساتھ لائے یہی صحیح ہے۔جبکہ احادیث میں ذکر کردہ سلام معود کی طرف لوٹنے والا ہے۔

سجدہ سہو کی شرعی حیثیت کا بیان:

حضرت عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک روز) لوگوں کو نماز پڑھائی (درمیان نماز) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہو ہو گیا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (سلام پھیر کر) دو سجدے کئے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے التحیات پڑھی اور سلام پھیرا۔(سنن ابوداؤد)

امام شافعی کے نزدیک سجدہ سہو سلام سے پہلے کرنے کا حکم:

حضرت عبداللہ ابن بحینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ظہر کی نماز پڑھائی اور پہلی دو رکعتیں پڑھ کر (پہلے قعدے میں بیٹھے بغیر تیسری رکعت کے لیے) کھڑے ہو گئے، دوسرے لوگ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑے ہو گئے، یہاں تک کہ جب نماز پڑھ چکے اور (آخری قعدے میں) لوگ سلام پھیرنے کے منتظر تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھے بیٹھے تکبیر کہی اور سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کئے اور اس کے بعد سلام پھیرا۔(صحیح البخاری وصحیح مسلم)

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مسلک میں اس حدیث کے مطابق سجدہ سہو سلام پھیرنے سے پہلے ہی کیا جاتا ہے لیکن دوسری روایتوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرنے کے بعد ہی سجدہ سہو کیا ہے نیز حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بھی ثابت ہوا ہے کہ وہ سلام پھیرنے کے بعد ہی سجدہ سہو کیا کرتے تھے لہذا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

فقہاء احناف کے نزدیک سجدہ سہو کے بعد تشہد، درود و دعا پڑھنے کا حکم:

حضرت عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک روز) لوگوں کو نماز پڑھائی (درمیان نماز) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہو ہو گیا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (سلام پھیر کر) دو سجدے کئے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے التحیات پڑھی اور سلام پھیرا۔(سنن ابوداؤد) ترمذی نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن

غریب ہے۔

حضرت عمران کا قول فَسَجَدَ سَجْدَتَیْنِ کا مطلب یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیر کر سہو کے دونوں سجدے کیے جیسا کہ تیسری فصل کی پہلی حدیث سے (جوانہیں سے مروی ہے) بصراحت معلوم ہو جائے گی۔

اس حدیث میں نماز کا وہ رکن ذکر نہیں کیا گیا ہے جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہو ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی ادائیگی کو بھول گئے تھے نیز اس حدیث میں سجدے کے بعد تشہد پڑھنے کا ذکر کیا گیا ہے جب کہ دوسری روایتوں میں تشہد کا ذکر نہیں ہے۔

حضرت عمران کی اس روایت کی روشنی میں جو تیسری فصل میں آ رہی ہے یہ حدیث حنفیہ کے مسلک کی دلیل ہے کہ پہلے سلام پھیر کر پھر سجدۂ سہو کرنا چاہیے۔اسی طرح امام احمد کا مسلک بھی یہی ہے بلکہ شوافع و مالکیہ کے بعض حضرات کا بھی یہی مسلک ہے۔اس مسئلے میں علماء کے ہاں اختلاف ہے کہ درود و دعا جو التحیات میں پڑھی جاتی ہیں اسے تشہد میں پڑھنا چاہیے جو سجدہ سہو سے پہلے ہے یا سجدے کے بعد کے تشہد میں پڑھنا چاہیے؟ چنانچہ امام کرخی نے تو یہ اختیار کیا ہے کہ درود و دعا سجدہ سہو کے بعد کے تشہد میں پڑھے جائیں اور ہدایہ میں بھی اسی کو صحیح کہا گیا ہے۔البتہ ہدایہ کی بعض شروح میں یہ کہا گیا ہے کہ سجدہ سہو سے پہلے تشہد میں پڑھنا بہتر ہے۔امام طحاوی کا قول یہ ہے کہ دونوں تشہد میں پڑھنا چاہیے۔شیخ ابن ہمام نے بھی امام طحاوی کے قول کی تائید کرتے ہوئے کہا ہے کہ احتیاط اسی میں ہے۔(فتح القدیر)

سہو کے دو سجدوں کے بارے میں فقہی مذاہب کا بیان:

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ ہر موقع پر سجدہ سہو سلام سے پہلے کرنا چاہیے۔اس طرح وہ ان احادیث کو کہ جن سے سلام سے پہلے سجدہ سہو کرنا ثابت ہوتا ہے ان احادیث پر کہ جن سے سلام کے بعد سجدہ سہو کرنا ثابت ہوتا ہے ترجیح دیتے ہیں۔

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ جس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام سے پہلے سجدہ کیا ہے اس موقع پر سلام سے پہلے ہی سجدہ کرنا چاہیے اور جس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرنے کے بعد سجدہ کیا ہے اس موقع پر سلام پھیر کر ہی سجدہ کیا جائے علماء لکھتے ہیں کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ قول سب سے قوی اور بہتر ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ تمام مواقع پر سلام پھیر کر سجدہ سہو کرنا چاہیے کیونکہ اس کے ثبوت میں بہت زیادہ صحیح احادیث وارد ہیں۔نیز کہ ابوداؤد، ابن ماجہ اور عبدالرزاق نے ثوبان کی یہ روایت نقل کی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر سہو کے لیے سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے ہیں لہٰذا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل متضاد مروی ہے

کہ کبھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ کیا ہے اور کبھی سلام پھیرنے کے بعد۔ تو ایسی صورت میں امام اعظم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو بطور دلیل اختیار کیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک قول فعل سے قوی ہے جیسا کہ اصول فقہ میں مذکور ہے۔

قعدہ سہو میں تشہد ودرود شریف پڑھنے کا بیان:

وَيَأْتِي بِالصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَالدُّعَاءِ فِي قَعْدَةِ السَّهْوِ هُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّ الدُّعَاءَ مَوْضِعُهُ آخِرُ الصَّلَاةِ .

قَالَ (وَيَلْزَمُهُ السَّهْوُ إذَا زَادَ فِي صَلَاتِهِ فِعْلًا مِنْ جِنْسِهَا لَيْسَ مِنْهَا) وَهَذَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّ سَجْدَةَ السَّهْوِ وَاجِبَةٌ هُوَ الصَّحِيحُ ، لِأَنَّهَا تَجِبُ لِجَبْرِ نَقْصٍ تَمَكَّنَ فِي الْعِبَادَةِ فَتَكُونُ وَاجِبَةً كَالدِّمَاءِ فِي الْحَجِّ ، وَإِذَا كَانَ وَاجِبًا لَا يَجِبُ إلَّا بِتَرْكِ وَاجِبٍ أَوْ تَأْخِيرِهِ أَوْ تَأْخِيرِ رُكْنٍ سَاهِيًا هَذَا هُوَ الْأَصْلُ ، وَإِنَّمَا وَجَبَ بِالزِّيَادَةِ لِأَنَّهَا لَا تَعْرَى عَنْ تَأْخِيرِ رُكْنٍ أَوْ تَرْكِ وَاجِبٍ .

قَالَ (وَيَلْزَمُهُ إذَا تَرَكَ فِعْلًا مَسْنُونًا) كَأَنَّهُ أَرَادَ بِهِ فِعْلًا وَاجِبًا إلَّا أَنَّهُ أَرَادَ بِتَسْمِيَتِهِ سُنَّةً أَنَّ وُجُوبَهَا ثَبَتَ بِالسُّنَّةِ .

ترجمہ

اور وہ قعدہ سہو میں درود شریف اور دعا پڑھے۔ یہی صحیح ہے اس لئے کہ دعا کا مقام نماز کے آخر میں ہے۔

فرمایا: جس نے نماز میں ایسے کام کی زیادتی کی جو جنس نماز سے نہ ہو تو سجدہ سہو واجب ہو گیا۔ اس قول کی دلالت یہ ہے کہ سجدہ سہو واجب ہے۔ یہی صحیح ہے۔ کیونکہ اس کا وجوب نماز میں موجود ہونے والے نقصان کو پورا کرنے کی وجہ سے ہے لہذا یہ واجب ہوا۔ جس طرح حج میں قربانی دینے کا حکم ہے۔ اور قاعدہ فقہیہ یہ ہے کہ جب یہ واجب ہے تو اس کا وجوب ترک واجب ، تاخیر واجب یا بھول کر تاخیر رکن کی صورت میں ثابت ہوگا۔ اور بے شک اس کا وجوب زیادتی کی صورت میں اس وجہ سے ہے کہ رکن کی تاخیر یا ترک واجب سے خالی نہیں ہوتا۔

فرمایا: اور جب اس نے سنت کو ترک کیا تو بھی لازم ہے۔ جب اس فعل سے واجب کا ارادہ ہو لیکن اس کا نام سنت اس وجہ سے ہے کہ اس کو وجوب سنت سے ثابت ہے۔

شرح:

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ مصنف کا یہ کہنا کہ '' **وَالسَّلَامُ وَالدُّعَاءِ فِي قَعْدَةِ السَّهْوِ هُوَ الصَّحِيحُ** '' یہ امام طحاوی علیہ الرحمہ کے قول سے احتراز کی وجہ سے ہے کیونکہ امام طحاوی علیہ الرحمہ کے نزدیک دونوں قعدوں

میں درود شریف ودعا پڑھی جائے گی۔(فتح القدیر، ج ۳، ص ۳۱، بیروت)

ترک فاتحہ وقنوت وغیرہ کی صورت میں سجدہ سہو کا بیان:

قَالَ (أَوْ تَرَكَ قِرَاءَةَ الْفَاتِحَةِ) لِأَنَّهَا وَاجِبَةٌ (أَوْ الْقُنُوتَ أَوْ التَّشَهُّدَ أَوْ تَكْبِيرَاتِ الْعِيدَيْنِ) لِأَنَّهَا وَاجِبَاتٌ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَاظَبَ عَلَيْهَا مِنْ غَيْرِ تَرْكِهَا مَرَّةً وَهِيَ أَمَارَةُ الْوُجُوبِ وَلِأَنَّهَا تُضَافُ إلَى جَمِيعِ الصَّلَاةِ فَدَلَّ عَلَى أَنَّهَا مِنْ خَصَائِصِهَا وَذَلِكَ بِالْوُجُوبِ ثُمَّ ذِكْرُ التَّشَهُّدِ يَحْتَمِلُ الْقَعْدَةَ الْأُولَى وَالثَّانِيَةَ وَالْقِرَاءَةَ فِيهِمَا وَكُلُّ ذَلِكَ وَاجِبٌ ، وَفِيهَا سَجْدَةٌ هُوَ الصَّحِيحُ .

ترجمہ:

فرمایا: ایسے ہی اگر اس نے سورۃ فاتحہ پڑھنی چھوڑ دی تو بھی یہ واجب ہوگیا۔ یا اس نے قنوت، تشہد اور تکبیرات عیدین ترک کیں تو بھی واجب ہوگیا کیونکہ یہ نماز کے واجبات میں سے ہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ان پر ایک مرتبہ بھی ترک نہ کیا بلکہ ان کو دوام اختیار فرمایا ہے۔ اور یہی اس کے وجوب کی علامت ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں مکمل نماز کی طرف منسوب ہوتی ہیں لہذا ان کی دلالت اس بات پر ہے کہ یہ نماز کے خصائص میں سے ہے اور یہی اختصاص (ثبوت) وجوب ہے۔ بہر حال تشہد اولیٰ ہو یا دوسرا دونوں قعدہ کو اٹھانے والے ہیں۔ اور ان دونوں میں پڑھنا ہے لہذا ان سب میں سجدہ سہو واجب ہوگا۔ یہی صحیح ہے۔

شرح:

کسی واجب کے چھوٹ جانے سے یا واجب یا فرض میں دیر ہو جانے سے۔ 2 کسی فرض میں تاخیر ہو جانے سے یا کسی فرض کو مقدم کر دینے سے 3۔ فرض نماز کی پہلی رکعت یا دوسری رکعت یا پہلی دونوں رکعتوں میں سورت فاتحہ چھوٹ جانے سے۔ 4۔ نماز واجب یا سنت یا نفل کی کسی بھی رکعت میں سور فاتحہ چھوٹ جانے سے۔ 5۔ فرض نماز کی تیسری اور چوتھی رکعت کے سوا ہر نماز کی کسی بھی رکعت میں سورت چھوٹ جانے سے۔ 6۔ سورۃ فاتحہ سے پہلے سورۃ پڑھ جانے سے۔ 7۔ کسی رکعت میں دو رکوع یا تین سجدے کر لینے سے۔ 8۔ قعدہ اولی بیٹھنے یا قعدہ اخیرہ میں التحیات چھوٹ جانے سے۔ 9۔ قعدہ اولی چھوٹ کر تیسری رکعت کے کھڑے ہو جانے سے۔ 10۔ امام کو جن رکعتوں میں بلند آواز سے قرات پڑھنا ہے، ان میں آہستہ پڑھ جانے سے یا جن رکعتوں میں امام آہستہ پڑھتا ہے ان میں بلند آواز سے قرات کر دینے سے۔ 11۔ وتروں میں دعائے قنوت بھول جانے سے۔

سر میں جہر اور جہر میں سر کی وجہ سے وجوب سجدے کا بیان:

(وَلَوْ جَهَرَ الْإِمَامُ فِيمَا يُخَافِتُ أَوْ خَافَتَ فِيمَا يَجْهَرُ تَلْزَمُهُ سَجْدَتَا السَّهْوِ) لِأَنَّ الْجَهْرَ فِي مَوْضِعِهِ

وَالْمُخَافَتَةَ فِي مَوْضِعِهَا مِنَ الْوَاجِبَاتِ .

وَاخْتَلَفَتِ الرِّوَايَةُ فِي الْمِقْدَارِ ، وَالْأَصَحُّ قَدْرُ مَا تَجُوزُ بِهِ الصَّلَاةُ فِي الْفَصْلَيْنِ لِأَنَّ الْيَسِيرَ مِنَ الْجَهْرِ وَالْإِخْفَاءِ لَا يُمْكِنُ الِاحْتِرَازُ عَنْهُ ، وَعَنْ كَثِيرٍ مُمْكِنٌ ، وَمَا يَصِحُّ بِهِ الصَّلَاةُ كَثِيرٌ غَيْرَ أَنَّ ذَلِكَ عِنْدَهُ آيَةٌ وَاحِدَةٌ وَعِنْدَهُمَا ثَلَاثُ آيَاتٍ ، وَهَذَا فِي حَقِّ الْإِمَامِ دُونَ الْمُنْفَرِدِ لِأَنَّ الْجَهْرَ وَالْمُخَافَتَةَ مِنْ خَصَائِصِ الْجَمَاعَةِ .

ترجمہ:

اوراگرامام نے سری نماز میں جہر کیایا جہری میں آہستہ پڑھاتواس پرسہو کے دوسجدے لازم ہوگئے ۔کیونکہ جہرکواپنی جگہ میں رکھنااوراخفاءکواپنی جگہ میں رکھنایہ واجبات میں سے ہے۔

جبکہ مقدار میں روایات کااختلاف ہےاورزیادہ صحیح یہ ہے کہ ان دونوں میں اتنی مقدار جس سے نماز جائز ہوجاتی ہے۔کیونکہ تھوڑے بہتے جہرواخفاء سے بچناممکن نہیں ہے۔جبکہ کثیر سے بچناممکن ہے۔اورکثیروہ ہوگا جس سے نماز جائز ہوجاتی ہواورامام اعظم کے نزدیک ایک آیت ہےاورصاحبین کے نزدیک تین آیات ہیں۔کیونکہ یہ امام کے حق میں ہے نہ کہ منفرد کے حق میں ہے۔اورجہرومخافت یہ جماعت کے خصائص میں سے ہے۔

شرح:

اگرامام اُن رکعتوں میں جن میں آہستہ پڑھناواجب ہے جیسے ظہروعصرکی سب رکعات اورعشاء کی پچھلی دواورمغرب کی تیسری اتناقرآن عظیم جس سے فرض قرأت اداہوسکے(اوروہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں ایک آیت ہے) بھول کرآوازپڑھ جائیگاتوبلاشبہ سجدہ سہوواجب ہوگا،اگربلاعذرِشرعی سجدہ نہ کیایااس قدرقصداًآوازپڑھاتونماز کاپھیرناواجب ہے،اوراگراس مقدار سے کم مثلاً ایک آدھ کلمہ بآوازِبلندنکل جائے تومذاہب راجح میں کچھ حرج نہیں۔

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

الاسرار یجب علی الامام والمنفرد فیما یسرفیه وهو صلوۃ الظهر والعصر و الثالثة من المغرب والاخریان من العشاء و صلاۃ الکسوف والاستسقاء کمافی البحر۔الخسری نمازوں میں امام منفرددونوں پراسرار(سراً قرأت) واجب ہےاورنمازظہر،عصر،مغرب کی تیسری رکعت،عشاء کی آخری دورکعت،نمازکسوف اورنمازاستسقاء ہیں۔

(ردالمحتار،باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر)

تجب سجدتان بترك واجب سهوا کالجهر فیما یخافت فیه وعکسه والاصح تقدیره بقدرما تجوز به الصلوۃ فی الفصلین۔

سہواترکِ واجب سے دوسجدے لازم آتے ہیں مثلاً سری نماز میں جہراً قرأت کرلے یااسکاعکس،اوراصح یہی ہے کہ دونوں صورتوں میں اتنی قرأت سے سجدہ لازم ہوجائے گا جس سے نماز ادا ہوجاتی ہو۔(دُرمختار باب سجود السہو مطبوعہ مجتبائی دہلی)

سہوِامام کی وجہ سے مقتدی پرلزوم سہو کا بیان:

قَالَ (وَسَهْوُ الْإِمَامِ يُوجِبُ عَلَى الْمُؤْتَمِّ السُّجُودَ) لِتَقَرُّرِ السَّبَبِ الْمُوجِبِ فِي حَقِّ الْأَصْلِ وَلِهَذَا يَلْزَمُهُ حُكْمُ الْإِقَامَةِ بِنِيَّةِ الْإِمَامِ (فَإِنْ لَمْ يَسْجُدْ الْإِمَامُ لَمْ يَسْجُدْ الْمُؤْتَمُّ) لِأَنَّهُ يَصِيرُ مُخَالِفًا لِإِمَامِهِ ، وَمَا الْتَزَمَ الْأَدَاءَ إلَّا مُتَابِعًا .

ترجمہ:

فرمایا:اوراگرامام بھول گیاتو مقتدی پربھی سجدہ سہوواجب ہوجائے گا۔کیونکہ امام کے حق میں وجوب سجدہ کاسبب مقرر ہوچکا ہے۔اوراسی دلیل کی بنیاد پرحکم اقامت نیت امام کی وجہ سے مقتدی پرلازم ہوتا ہے۔پس اگرامام سجدہ سہونہ کرے تو مقتدی بھی نہ کرے۔کیونکہ اس طرح وہ امام کامخالف بن جائے گا۔اورادائیگی توصرف اسی کی اتباع سے ہوگی۔

شرح:

علامہ شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔مسبوق اپنے امام کے ساتھ سجدہ کرے،سجدہ کی قیداس لئے کہ سلام میں امام کی اتباع نہ کرے بلکہ اس کے ساتھ سجدہ کرے اورتشہد پڑھے اور جب امام سلام پھیرے تو وہ بقیہ رکعتوں کی ادائیگی کے لئے کھڑا ہوجائے،اگراس نے سلام پھیرا اوراس کاسلام پھیرنا دانستہ تھاتو نماز فاسد ہوجائے گی ورنہ نہیں،اگراس نے بھول کر سلام پھیراتو اس صورت میں سجدہ سہونہ ہوگا جب امام سے پہلے یامعاً امام کے ساتھ ساتھ بغیر تاخیر سلام پھیرا ہو،اوراگر سلام امام کے بعد سلام پھیراتو اب سجدہ لازم ہے کیونکہ اب وہ تنہا ومنفرد ہے بحر،اور یہاں معیت سے مراد مقارنت ہے اوراس کا وقوع بہت کم ہے،اسی طرح شرح المنیۃ میں ہے کہ اگراس نے یہ گمان کرتے ہوئے سلام پھیردیا کہ اس پرسلام لازم تھاتو یہ عمداً سلام ہوگا جوکہ بنائے نماز سے مانع ہے۔(ردالمحتار ،باب سجود السهو ،مطبوعه مصطفى البابى مصر)

سہومقتدی سے امام کے بری الذمہ ہونے کابیان:

(فَإِنْ سَهَا الْمُؤْتَمُّ لَمْ يَلْزَمْ الْإِمَامَ وَلَا الْمُؤْتَمَّ السُّجُودُ) لِأَنَّهُ لَوْ سَجَدَ وَحْدَهُ كَانَ مُخَالِفًا لِإِمَامِهِ ، وَلَوْ تَابَعَهُ الْإِمَامُ يَنْقَلِبُ الْأَصْلُ تَبَعًا .

(وَمَنْ سَهَا عَنْ الْقَعْدَةِ الْأُولَى ثُمَّ تَذَكَّرَ وَهُوَ إلَى حَالَةِ الْقُعُودِ أَقْرَبُ عَادَ وَقَعَدَ وَتَشَهَّدَ) لِأَنَّ مَا يَقْرُبُ مِنْ الشَّيْءِ يَأْخُذُ حُكْمَهُ ، ثُمَّ قِيلَ يَسْجُدُ لِلسَّهْوِ لِلتَّأْخِيرِ .

وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ لَا يَسْجُدُ كَمَا إذَا لَمْ يَقُمْ (وَلَوْ كَانَ إلَى الْقِيَامِ أَقْرَبَ لَمْ يَعُدْ) لِأَنَّهُ كَالْقَائِمِ مَعْنًى (

يَسْجُدُ لِلسَّهْوِ) لِاَنَّهٗ تَرَكَ الْوَاجِبَ .

ترجمہ

اگر مقتدی بھول گیا تو امام ومقتدی پر سجدہ سہو لازم نہ آئے گا۔ کیونکہ اگر وہ اکیلا سجدہ سہو کرے تو وہ اپنے امام کا مخالف بنتا ہے اور امام کی اس کی اتباع کرے تو اصل تابع میں منتقل ہوتا ہے۔

اور جو شخص پہلے قعدہ کو بھول گیا پھر اسے یاد آیا جبکہ وہ حالت قعود کے قریب تھا تو لوٹ جائے اور بیٹھے اور تشہد پڑھے۔ کیونکہ شئی اپنے قریب والے کا حکم پکڑتی ہے۔ پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ تاخیر کی وجہ سے وہ سجدہ سہو کرے۔

اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ سجدہ سہو نہ کرے کیونکہ وہ تو کھڑا ہی نہیں ہوا۔ اور اگر وہ قیام کے قریب تھا تو نہ لوٹے کیونکہ وہ قائم کے حکم میں ہے۔ اور وہ سجدہ سہو کرے کیونکہ یہ ترک واجب ہے۔

شرح:

حضرت مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ تعالی عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام دو رکعت پڑھ کر (پہلے قعدہ میں بیٹھے بغیر تیسری رکعت کے لیے) کھڑا ہو جائے تو اگر سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے اسے یاد آ جائے تو اسے چاہیے کہ وہ (قعدہ کے لیے) بیٹھ جائے اور اگر وہ سیدھا کھڑا ہو چکا ہو (اس کے بعد اسے یاد آئے) تو وہ (اب) نہ بیٹھے اور (آخری قعدہ میں) سہو کے دو سجدے کرلے۔ (سنن ابوداؤد، وسنن ابن ماجہ)

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ صورت مذکورہ میں معتبر پوری طرح کھڑا ہونا یا پوری طرح کھڑا نہ ہونا ہے۔ اس سلسلہ میں حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ ایسا آدمی اگر بیٹھنے کے قریب تر ہو جائے تو التحیات پڑھے اور اگر کھڑے ہونے کے قریب تر ہو تو نہ بیٹھے بلکہ اپنی بقیہ دونوں رکعتیں پوری کرلے۔

قریب تر بیٹھنے کا مطلب یہ ہے کہ اٹھتے وقت اس کے نیچے کا بدن (مثلاً ٹانگیں وغیرہ) سیدھا نہ ہو جائے اور اگر نیچے کا بدن سیدھا ہو جائے تو کھڑے ہونے کے قریب تر ہوگا۔

شیخ ابن الہمام نے کہا ہے کہ اقربیت کے سلسلہ میں امام ابو یوسف کی بھی ایک روایت ہے، جس کو صحیح البخاری کے مشائخ نے اختیار کیا ہے مگر جیسا کہ اوپر بتایا گیا صحیح مسلک یہی ہے کہ جب تک پورا کھڑا نہ ہو جائے بیٹھا جا سکتا ہے پورا کھڑا ہو جانے کی صورت میں بیٹھنا نہیں چاہیے، یہی قول صحیح ہے اور اس کی تائید یہ حدیث بھی کرتی ہے۔

اگر کوئی آدمی کھڑا ہونے سے پہلے قعدے کے لیے بیٹھ جائے تو اس کے لیے سجدہ سہو کی ضرورت نہ ہوگی۔ ہاں جو آدمی پورا کھڑا ہو جائے اور اس سے پہلا قعدہ چھوٹ جائے تو اس کو سجدہ سہو کرنا ہوگا۔

اس سلسلے میں اتنی بات اور جان لیجئے جب کوئی آدمی پہلے قعدے میں بیٹھے بغیر تیسری رکعت کے لیے پوری طرح کھڑا ہو

جائے تو اس کو بیٹھنا نہیں چاہیے کیونکہ اگر وہ بیٹھ جائے گا تو اس کی نماز ٹوٹ جائے گی۔ (فتح القدیر)

اگر وہ قعدہ آخیرہ بھول جائے تو حکم:

(وَإِنْ سَهَا عَنْ الْقَعْدَةِ الْأَخِيرَةِ حَتَّى قَامَ إلَى الْخَامِسَةِ رَجَعَ إلَى الْقَعْدَةِ مَا لَمْ يَسْجُدْ) لِأَنَّ فِيهِ إصْلَاحَ صَلَاتِهِ وَأَمْكَنَهُ ذَلِكَ لِأَنَّ مَا دُونَ الرَّكْعَةِ بِمَحَلِّ الرَّفْضِ .

قَالَ (وَأَلْغَى الْخَامِسَةَ) لِأَنَّهُ رَجَعَ إلَى شَيْءٍ مَحَلُّهُ قَبْلَهَا فَتَرْتَفِضُ (وَسَجَدَ لِلسَّهْوِ) لِأَنَّهُ أَخَّرَ وَاجِبًا .

ترجمہ

اور اگر وہ وہ آخری قعدہ بھول گیا حتیٰ کہ وہ پانچویں کی طرف کھڑا ہو گیا۔ تو جب تک اس نے سجدہ نہیں کیا وہ قعدہ کی طرف لوٹ آئے۔ کیونکہ اس نماز میں اصلاح اسی میں ہے۔ اور ایسا ممکن بھی ہے کہ ایک رکعت سے کم کو چھوڑا جا سکتا ہے۔ اور فرمایا: کہ وہ پانچویں رکعت کو فضول قرار دے کیونکہ وہ ایسی چیز کی طرف لوٹا ہے جس کا محل پانچویں رکعت سے پہلے ہے۔ لہذا اس کو چھوڑ دے۔ اور سجدہ سہو کرے کیونکہ اس نے واجب میں تاخیر کی ہے۔

شرح:

حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (آپ کا اسم گرامی محمد اور کنیت ابوبکر ہے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ کے تیس بچے تھے جو آپ کی زندگی ہی میں سوائے ایک کے وفات پا گئے صرف ایک صاحبزادے عبداللہ بن محمد بن سیرین بقید حیات تھے۔ ستر سال کی عمر میں ۱۰ھ میں ان انتقال ہوا۔) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا (ایک دن) سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر یا عصر کی نماز جس کا نام ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو بتایا تھا مگر میں بھول گیا، ہمیں پڑھائی۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی اور تیسری رکعت کے لیے اٹھنے کی بجائے سلام پھیر لیا، پھر اس لکڑی کے سہارے جو مسجد میں عرضاً کھڑی تھی کھڑے ہو گئے اور (محسوس ایسا ہوتا تھا) گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم غصہ کی حالت میں ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھا اور انگلیوں میں انگلیاں ڈال لیں اور اپنا بایاں رخسار مبارک اپنے بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ لیا۔ جلد باز لوگ (جو نماز کی ادائیگی کے بعد ذکر اور دعا وغیرہ کے لیے نہیں ٹھہرتے تھے) مسجد کے دروازوں سے جانے لگے، صحابہ کہنے لگے کہ کیا نماز میں کمی ہو گئی ہے؟ (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار رکعت کے بجائے دو ہی رکعتیں پڑھی ہیں؟) صحابہ کے درمیان (جو مسجد میں باقی رہ گئے تھے) حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی موجود تھے مگر خوف کی وجہ سے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرنے کی جرات نہ ہوئی صحابہ میں ایک اور آدمی (بھی) تھے جن کے ہاتھ لمبے تھے اور جنہیں (اسی وجہ سے) ذوالیدین (یعنی ہاتھوں والا کے لقب سے) پکارا جاتا تھا

انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ ! کیا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بھول گئے ہیں یا نماز ہی میں کمی ہوگئی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ تو میں بھولا ہوں اور نہ نماز میں کمی ہوئی ہے پھر (صحابہ سے مخاطب ہوئے اور) فرمایا کیا تم بھی یہی کہتے ہو جو ذوالیدین کہہ رہے ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا کہ جی ہاں یہی بات ہے اور یہ سن کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے آئے اور جو نماز (یعنی دو رکعت) چھوٹ گئی تھی اسے پڑھا اور سلام پھیر کر تکبیر کہی اور حسب معمول سجدوں جیسا یا ان سے بھی کچھ طویل سجدہ کیا اور پھر تکبیر کہہ کر سر اٹھایا لوگ ابن سیرین سے پوچھنے لگے کہ پھر اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیر دیا ہوگا؟ انہوں نے کہا کہ مجھے عمران بن حصین سے یہ خبر ملی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیر دیا اس روایت کو بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے مگر الفاظ صحیح البخاری کے ہیں۔

اور صحیح البخاری و مسلم ہی کی ایک اور روایت میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ذوالیدین کے جواب میں) لم انس ولم تقصر (یعنی نہ میں بھولا ہوں اور نہ نماز میں کمی ہوئی ہے) کے بجائے یہ فرمایا کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو اس میں سے کچھ بھی نہیں ہے انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس میں سے کچھ ضرور ہوا ہے۔

علامہ عسقلانی نے فتح الباری میں اس حدیث کی بہت لمبی چوڑی شرح کی گئی ہے اگر اس کو یہاں نقل کی جائے تو بات بڑی لمبی ہو جائے گی البتہ اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ اس حدیث کے بارے میں دو اشکال پیدا ہوتے ہیں۔ پہلا اشکال تو یہ ہے کہ علماء کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ خبر میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہو ہونا ناممکن ہے اور افعال میں بھی اختلاف ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں ذوالیدین کے جواب میں جو یہ فرمایا کہ نہ تو میں بھولا ہوں اور نہ نماز میں کمی ہی ہوئی ہے کیا خلاف واقعہ نہیں ہے؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر میں بھی سہو ہوسکتا تھا۔

اس کا جواب مختصر طریقہ پر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سہو ہونا ان خبروں میں ناممکن ہے جو تبلیغ شرائع، دینی علم اور وحی الہی سے متعلق ہیں نہ کہ تمام خبروں میں۔

دوسرا یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ دو رکعت نماز ادا کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افعال بھی سرزد ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گفتگو بھی کی مگر اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے از سر نو نماز نہیں پڑھی بلکہ جو رکعتیں باقی رہ گئیں تھی انہیں کو پورا کرلیا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب علماء نے یہ دیا ہے کہ مفسد نماز وہ کلام و افعال ہیں جو قصداً واقع ہوئے ہوں نہ کہ وہ کلام و افعال جو سہواً ہو گئے ہوں جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کا مسلک ہے۔ لیکن چونکہ یہ جواب نہ صرف یہ کہ خود اپنے اندر جھول رکھتا ہے بلکہ حنفیہ کے مسلک کے مطابق بھی نہیں ہے کیونکہ ان کے ہاں مطلقاً کلام مفسد صلوٰۃ ہے خواہ قصداً صادر ہوا ہو یا سہواً۔ اس لیے

علماء حنفیہ کے نزدیک اس اشکال کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ نماز میں کلام اور افعال کا جواز منسوخ نہیں ہوا تھا۔

حضرت امام احمد کا مسلک بھی یہی ہے کہ نماز میں کلام مطلقاً مفسد صلوٰۃ ہے خواہ قصداً ہو یا سہواً مگر ان کے ہاں اتنی گنجائش بھی ہے کہ نماز میں جو کلام امام یا مقتدی سے نماز کی کسی مصلحت کے پیش نظر صادر ہوا ہو گا وہ مفسد نماز نہیں ہوگا جیسا کہ حدیث مذکورہ میں پیش آمدہ صورت ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کو جب حضرت ابن سیرین لوگوں کے سامنے بیان کر چکے تو ان سے بطریق استفہام اکثر لوگوں نے پوچھا کہ کیا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ثم سلم بھی کہا تھا گویا ان لوگوں کے پوچھنے کا مطلب یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ سہو سلام کے بعد کیا تھا یا پہلے کیا تھا اس کے جواب میں ابن سیرین نے کہا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں تو یہ الفاظ مجھے یادنہیں پڑتے، ہاں حضرت عمران ابن حصین نے یہی حدیث مجھ سے روایت کی ہے ان کی روایت میں ثم سلم کے الفاظ موجود ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ سہو سلام کے بعد کیا تھا اور میں نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ثم سلم کے جو الفاظ نقل کئے ہیں وہ عمران ابن حصین ہی کی روایت سے اس جگہ لایا ہوں۔

بھول کر پانچویں رکعت کا سجدہ کر لینے کا بیان:

(وَإِنْ قَيَّدَ الْخَامِسَةَ بِسَجْدَةٍ بَطَلَ فَرْضُهُ) عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ لِأَنَّهُ اسْتَحْكَمَ شُرُوعَهُ فِي النَّافِلَةِ قَبْلَ إكْمَالِ أَرْكَانِ الْمَكْتُوبَةِ ، وَمِنْ ضَرُورَتِهِ خُرُوجُهُ عَنْ الْفَرْضِ وَهَذَا لِأَنَّ الرَّكْعَةَ بِسَجْدَةٍ وَاحِدَةٍ صَلَاةٌ حَقِيقَةً حَتَّى يَحْنَثَ بِهَا فِي يَمِينِهِ لَا يُصَلِّي .

(وَتَحَوَّلَتْ صَلَاتُهُ نَفْلًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ) خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ عَلَى مَا مَرَّ (فَيَضُمُّ إلَيْهَا رَكْعَةً سَادِسَةً وَلَوْ لَمْ يَضُمَّ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ) لِأَنَّهُ مَظْنُونٌ ، ثُمَّ إنَّمَا يَبْطُلُ فَرْضُهُ بِوَضْعِ الْجَبْهَةِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ لِأَنَّهُ سُجُودٌ كَامِلٌ ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ بِرَفْعِهِ لِأَنَّ تَمَامَ الشَّيْءِ بِآخِرِهِ وَهُوَ الرَّفْعُ وَلَمْ يَصِحَّ مَعَ الْحَدَثِ ، وَثَمَرَةُ الْخِلَافِ تَظْهَرُ فِيمَا إذَا سَبَقَهُ الْحَدَثُ فِي السُّجُودِ بَنَى عِنْدَ مُحَمَّدٍ خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ .

ترجمہ

اگر اس نے پانچویں رکعت کو سجدے کے ساتھ مقید کر دیا تو ہمارے نزدیک اس کا فرض باطل ہو جائے گا۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ ان کے نزدیک اس نے فرض کے ارکان مکمل کرنے سے پہلے اس نے نفل کو مستحکم کر دیا ہے۔ حالانکہ فرض سے نکلنا اس کی ضرورت ہے۔ اور ایک سجدے کے ساتھ یہ اس کی حقیقی نماز ہے حتی کہ وہ قسم 'لا یصلی' میں

میں اس سے حانث ہو جائے گا۔

اور شیخین کے نزدیک اس کی نماز بدل کی نفل ہوگئی اور اس میں امام محمد علیہ الرحمہ کا اختلاف گزر چکا ہے۔ پس وہ چھٹی رکعت ملائے اور اگر اس نے نہ ملائی تو اس پر کچھ واجب نہیں ہے۔ کیونکہ وہ مظنون ہے۔ اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک اس کا فرض پیشانی زمین پر رکھنے کے ساتھ ہی باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ بھی سجدہ کامل ہے۔ جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک سر کو اٹھانے کے ساتھ کیونکہ شئی اپنے آخر سے مکمل ہوتی ہے۔ اور اٹھانا ہے۔ اور یہ سر اٹھانا حدث کے ساتھ صحیح نہیں ہے۔ اور اس اختلاف کا نتیجہ اس صورت میں ظاہر ہوگا جب اس کو سجدے میں حدث لاحق ہو۔ اس صورت میں وہ امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک بناء کرے جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔

چھٹی رکعت ملا کر دو نفل بنانے کا بیان:

احناف کے ہاں پانچ رکعت ادا کر لینے کی صورت میں مسئلے کی کچھ تفصیل ہے۔ چنانچہ ان کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی قعدہ اخیرہ بھول کر پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے اور پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے اسے یاد آ جائے تو اسے چاہیے کہ فوراً بیٹھ جائے اور التحیات پڑھ کر سجدہ سہو کر لے۔ اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر چکا ہو تو پھر نہیں بیٹھ سکتا اور اس کی یہ نماز اگر فرض کی نیت سے پڑھ رہا تھا تو فرض ادا نہیں ہوگا بلکہ نفل ہو جائے گی۔ اور اس کو اختیار ہوگا کہ ایک رکعت کے ساتھ دوسری رکعت اور ملا دے تا کہ یہ رکعت بھی ضائع نہ ہو اور دو رکعتیں یہ بھی نفل ہو جائیں۔ اگر عصر اور فجر میں یہ واقعہ پیش آئے تب بھی دوسری رکعت ملا سکتا ہے اس لیے کہ عصر و فجر کے فرض کے بعد نفل مکروہ ہے اور یہ رکعتیں فرض نہیں رہی بلکہ نفل ہوگئی ہیں پس گویا فرض سے پہلے نفل پڑھی گئی ہیں اور اس میں کچھ کراہت نہیں۔ مغرب کے فرض میں صرف یہی رکعت کافی ہے دوسری رکعت نہ ملائی جائے، ورنہ پانچ رکعتیں ہو جائیں گی اور نفل میں طاق رکعتیں منقول نہیں اور اس صورت میں سجدہ سہو کی ضرورت نہ ہوگی۔ یہ شکل تو قعدہ اخیرہ میں بیٹھے بغیر رکعت کے لیے اٹھ جانے کی تھی۔

قعدہ اخیرہ میں مقدار تشہد بیٹھنے کا بیان:

(وَلَوْ قَعَدَ فِي الرَّابِعَةِ ثُمَّ قَامَ وَلَمْ يُسَلِّمْ عَادَ إلَى الْقَعْدَةِ مَا لَمْ يَسْجُدْ لِلْخَامِسَةِ وَسَلَّمَ) لِأَنَّ التَّسْلِيمَ فِي حَالَةِ الْقِيَامِ غَيْرُ مَشْرُوعٍ ، وَأَمْكَنَهُ الْإِقَامَةُ عَلَى وَجْهِهِ بِالْقُعُودِ لِأَنَّ مَا دُونَ الرَّكْعَةِ بِمَحَلِّ الرَّفْضِ .

(وَإِنْ قَيَّدَ الْخَامِسَةَ بِالسَّجْدَةِ ثُمَّ تَذَكَّرَ ضَمَّ إلَيْهَا رَكْعَةً أُخْرَى وَتَمَّ فَرْضُهُ) لِأَنَّ الْبَاقِيَ إصَابَةُ لَفْظَةِ السَّلَامِ وَهِيَ وَاجِبَةٌ ، وَإِنَّمَا يَضُمُّ إلَيْهَا أُخْرَى لِتَصِيرَ الرَّكْعَتَانِ نَفْلًا لِأَنَّ الرَّكْعَةَ الْوَاحِدَةَ لَا تُجْزِئُهُ (لِنَهْيِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَنْ الْبُتَيْرَاءِ) ، ثُمَّ لَا تَنُوبَانِ عَنْ سُنَّةِ الظُّهْرِ هُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّ الْمُوَاظَبَةَ عَلَيْهَا بِتَحْرِيمَةٍ مُبْتَدَأَةٍ .

ترجمہ:

اور اگر وہ چوتھی رکعت میں قعدہ کرے پھر وہ کھڑا ہو گیا اور سلام نہیں پھیرا تو قعدہ کی طرف لوٹ آئے۔ جب تک اس نے پانچویں کا سجدہ نہیں کیا۔ اور سلام پھیرے۔ کیونکہ حالت قیام میں سلام پھیرنا غیر مشروع ہے۔ اور قعدہ کی حالت مشروعی کے ساتھ سلام پھیرنا ممکن ہے۔ کیونکہ ایک رکعت سے کم کو چھوڑنے کی جگہ ہے۔

اور اگر اس نے سجدے کے ساتھ پانچویں رکعت کو مقید کر دیا پھر اس کو یاد آیا تو وہ اس کے ساتھ ایک رکعت اور ملائے تو اس کا فرض مکمل ہو چکا کیونکہ اس کا اب باقی صرف سلام تک پہنچنا تھا اور وہ واجب ہے۔ اور دوسری رکعت کا ملانا اس لئے تھا تاکہ دو رکعتیں نفل ہو جائیں۔ کیونکہ ایک رکعت کافی نہیں ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے دم کٹی نماز سے منع ہے۔ پھر یہ دو رکعات ظہر کی سنتوں کے قائم مقام نہ ہوں گی یہی صحیح ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ان دو رکعتوں پر نئی تحریمہ کے ساتھ دوام فرمایا ہے۔

شرح:

اگر کوئی آدمی قعدہ اخیرہ میں التحیات پڑھنے کے بقدر بیٹھ کر سلام پھیرنے سے پہلے پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے تو اگر وہ پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کر چکا ہو تو فوراً بیٹھ جائے اور چونکہ سلام کے ادا کرنے میں جو واجب تھا تاخیر ہو گئی اس لیے سجدہ سہو کر لے اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر نیکے بعد یاد آئے تو اس کو چاہیے کہ وہ اب نہ بیٹھے بلکہ ایک رکعت اور ملا دے تاکہ یہ پانچوں رکعت ضائع نہ ہو اور اگر رکعت نہ ملائے بلکہ پانچویں رکعت کے بعد سلام پھیر دے تب بھی جائز ہے مگر ملا دینا بہتر ہے۔ اس صورت میں اس کی وہ رکعتیں اگر فرض نیت کی تھی تو فرض ادا ہوں گی نفل نہ ہوں گی۔ عصر اور فجر کے فرض میں بھی دوسری رکعت ملا سکتا ہے اس لیے کہ عصر اور فجر کے فرض کے بعد قصداً نفل پڑھنا مکروہ ہے اور اگر سہواً پڑھ بھی لیا جائے تو کچھ کراہت نہیں۔ اس صورت میں فرض کے بعد رکعتیں پڑھی گئیں ہیں یہ ان موکدہ سنتوں کے قائم مقام نہیں ہو سکتیں جو فرض کے بعد ظہر و مغرب اور عشاء کے وقت مسنون ہیں کیونکہ ان سنتوں کا تحریمہ سے ادا کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔

سہو کے دو سجدوں کے استحسان ہونے کا بیان:

(وَيَسْجُدُ لِلسَّهْوِ اسْتِحْسَانًا) لِتَمَكُّنِ النُّقْصَانِ فِي الْفَرْضِ بِالْخُرُوجِ لَا عَلَى الْوَجْهِ الْمَسْنُونِ . وَفِي النَّفْلِ بِالدُّخُولِ لَا عَلَى الْوَجْهِ الْمَسْنُونِ ، وَلَوْ قَطَعَهَا لَمْ يَلْزَمْهُ الْقَضَاءُ لِأَنَّهُ مَظْنُونٌ ، وَلَوْ اقْتَدَى بِهِ إنْسَانٌ فِيهِمَا يُصَلِّي سِتًّا عِنْدَ مُحَمَّدٍ لِأَنَّهُ الْمُؤَدَّى بِهَذِهِ التَّحْرِيمَةِ ، وَعِنْدَهُمَا رَكْعَتَيْنِ لِأَنَّهُ اسْتَحْكَمَ خُرُوجُهُ عَنْ الْفَرْضِ وَلَوْ أَفْسَدَهُ الْمُقْتَدِي فَلَا قَضَاءَ عَلَيْهِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ اعْتِبَارًا بِالْإِمَامِ ، وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ يَقْضِي رَكْعَتَيْنِ لِأَنَّ السُّقُوطَ بِعَارِضٍ يَخُصُّ الْإِمَامَ .

ترجمہ:

اور وہ بطور استحسان سہو کے دو سجدے کرے کیونکہ فرض میں نقصان غیر مسنون طریقے سے خروج پر ہوا اور نفل میں غیر مسنون طریقے سے دخول پر ہوا ہے۔اور اگر اس نے نفل کو ختم کر دیا تو اس کی قضاء واجب نہ ہوگی کیونکہ وہ مظنون ہے۔اگر کسی شخص نے ان دو رکعتوں میں اس کی اقتداء کی تو امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک وہ چھ رکعتیں پڑھے گا۔کیونکہ اسی تحریمہ کے ساتھ اتنی ہی تعداد ادا کی گئی ہے۔جبکہ شیخین کے نزدیک صرف دو رکعتیں پڑھے گا۔کیونکہ اس کا فرض سے نکلنا مستحکم ہو چکا ہے۔اور اگر مقتدی نے اس کو فاسد کر دیا تو امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک اس پر قضاء نہیں ہے۔کیونکہ اسے امام پر قیاس کیا جائے گا۔اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ۔کے نزدیک دو رکعتیں قضاء کرے کیونکہ عارضہ کی وجہ سے سقوط صرف امام کے ساتھ خاص ہے۔

شرح:

سجدہ سہو کے دلیل استحسان ہونے کے بارے میں علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يَسْجُدَ لِأَنَّهُ صَارَ إلَى صَلَاةٍ غَيْرِ الَّتِي سَهَا فِيهَا ، وَمَنْ سَهَا فِي صَلَاةٍ لَا يَسْجُدُ فِي أُخْرَى وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّ النُّقْصَانَ دَخَلَ فِي فَرْضِهِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ بِتَرْكِهِ الْوَاجِبَ وَهُوَ السَّلَامُ ، وَهَذَا النَّفَلُ بِنَاءً عَلَى التَّحْرِيمَةِ الْأُولَى فَيُجْعَلُ فِي حَقِّ السَّهْوِ كَأَنَّهُمَا وَاحِدَةٌ ، كَمَنْ صَلَّى سِتًّا تَطَوُّعًا بِتَسْلِيمَةٍ وَسَهَا فِي الشَّفْعِ الْأَوَّلِ يَسْجُدُ فِي الْآخِرِ وَإِنْ كَانَ كُلُّ شَفْعٍ صَلَاةً عَلَى حِدَةٍ بِنَاءً عَلَى الِاتِّحَادِ الْحُكْمِيِّ الْكَائِنِ بِوَاسِطَةِ اتِّحَادِ التَّحْرِيمَةِ وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ النُّقْصَانُ فِي النَّفْلِ بِالدُّخُولِ لَا عَلَى الْوَجْهِ الْوَاجِبِ ، إذْ الْوَاجِبُ أَنْ يَشْرَعَ فِي النَّفْلِ بِتَحْرِيمَةٍ مُبْتَدَأَةٍ لِلنَّفْلِ وَهَذِهِ كَانَتْ لِلْفَرْضِ . كَذَا فِي الْكَافِي .(فتح القدير،۳،ص ۶۱،بیروت)

نفل میں بھولنے والے کے سجدہ سہو کا بیان:

قَالَ (وَمَنْ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ تَطَوُّعًا فَسَهَا فِيهِمَا وَسَجَدَ لِلسَّهْوِ ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُصَلِّيَ أُخْرَيَيْنِ لَمْ يَبْنِ) لِأَنَّ السُّجُودَ يَبْطُلُ لِوُقُوعِهِ فِي وَسَطِ الصَّلَاةِ ، بِخِلَافِ الْمُسَافِرِ إذَا سَجَدَ السَّهْوَ ثُمَّ نَوَى الْإِقَامَةَ حَيْثُ يَبْنِي لِأَنَّهُ لَوْ لَمْ يَبْنِ يَبْطُلُ جَمِيعُ الصَّلَاةِ ، وَمَعَ هَذَا لَوْ أَدَّى صَحَّ لِبَقَاءِ التَّحْرِيمَةِ .و يبطل سجود السهو هو الصحيح .

ترجمہ:

امام محمد علیہ الرحمہ نے جامع صغیر میں فرمایا ہے۔کہ جس آدمی نے دو رکعتیں نفل پڑھیں اور ان میں بھول گیا اور اس نے سجدہ سہو کیا پھر اس نے پسند کیا کہ دوسری دو رکعتیں پڑھے تو وہ بناء نہیں کرے گا۔کیونکہ اس کے درمیان میں واقع ہونے کی وجہ سے سجدہ سہو اس کو باطل کرنے والا ہے۔بخلاف مسافر کے کیونکہ جب اس نے سجدہ سہو کیا پھر نیت اقامت کی تو وہ بناء کرے۔

اس لئے کہ اگر اس نے بناء نہ کی تو اس کی ساری نماز باطل ہوجائے گی۔تحریمہ کے باقی ہونے کی وجہ سے اگر اس نے اسی طرح کیا تو صحیح ہے۔اور سجدہ سہو باطل ہوجائے گا۔یہی قول صحیح ہے۔

شرح:

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ بناء نہ کرنے دلیل یہی ہے کہ اس میں بناء رہی ہی نہیں۔لہذا وہ بناء نہیں کرے گا۔(فتح القدیر، ج ۳،ص،۶۴ بیروت)

جب سلام پھیرنے والے امام پر سجدہ ہو تو اس کا بیان:

(وَمَنْ سَلَّمَ وَعَلَيْهِ سَجْدَتَا السَّهْوِ فَدَخَلَ رَجُلٌ فِي صَلَاتِهِ بَعْدَ التَّسْلِيمِ ، فَإِنْ سَجَدَ الْإِمَامُ كَانَ دَاخِلًا وَإِلَّا فَلَا) وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ .

وَقَالَ مُحَمَّدٌ :هُوَ دَاخِلٌ سَجَدَ الْإِمَامُ أَوْ لَمْ يَسْجُدْ ، لِأَنَّ عِنْدَهُ سَلَامُ مَنْ عَلَيْهِ السَّهْوُ لَا يُخْرِجُهُ عَنْ الصَّلَاةِ أَصْلًا لِأَنَّهَا وَجَبَتْ جَبْرًا لِلنُّقْصَانِ فَلَا بُدَّ مِنْ أَنْ يَكُونَ فِي إحْرَامِ الصَّلَاةِ وَعِنْدَهُمَا يُخْرِجُهُ عَلَى سَبِيلِ التَّوَقُّفِ لِأَنَّهُ مُحَلِّلٌ فِي نَفْسِهِ ، وَإِنَّمَا لَا يَعْمَلُ لِحَاجَتِهِ إلَى أَدَاءِ السَّجْدَةِ فَلَا يَظْهَرُ دُونَهَا ، وَلَا حَاجَةَ عَلَى اعْتِبَارِ عَدَمِ الْعَوْدِ ، وَيَظْهَرُ الِاخْتِلَافُ فِي هَذَا وَفِي انْتِقَاضِ الطَّهَارَةِ بِالْقَهْقَهَةِ وَتَغَيُّرِ الْفَرْضِ بِنِيَّةِ الْإِقَامَةِ فِي هَذِهِ الْحَالَةِ .

ترجمہ:

اور جس نے سلام پھیرا اور اس پر سہو کے دو سجدے تھے پس ایک شخص اس کی نماز میں سلام کے بعد داخل ہوا۔پس اگر امام نے سجدہ کیا تو وہ داخل ہونے والا ہے ورنہ نہیں۔اور یہ شیخین کے نزدیک ہے۔

اور امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ امام سجدہ کرے یا نہ کرے وہ نماز میں داخل ہونے والا ہے۔کیونکہ آپ کے نزدیک اس کا سلام اس کو نماز سے بالکل خارج کرنے والا نہیں ہے۔اس لئے کہ پر سجدہ سہو لازم ہے۔کیونکہ سجدہ سہو کا وجوب نقصان کو دور کرنے والا ہے۔لہذا ضروری ہوا کہ وہ شخص نماز کے احرام میں ہے۔اور شیخین کے نزدیک وہ سلام توقف کے طریقے پر اس کا نکالنے والا ہے۔کیونکہ سلام خود اس کا حلال کرنے والا ہے۔اور اذائے سجدہ کی ضرورت کے پیش نظر وہ کوئی عمل نہ کرے گا۔جو سجدے کے بغیر ظاہر نہ ہوگا۔اور عدم عود پر قیاس کرنے کی وجہ سے کوئی ضروری نہیں ہے۔اور یہ اختلاف قہقہ کے ساتھ وضو ٹوٹنے کی صورت میں ظاہر ہوگا۔اور نیت اقامت کی وجہ سے تغیر فرض کی صورت میں ہوگا۔

شرح:

صورت مسئلہ واضح ہے کہ اگر نمازی کے دخول کے بعد امام نے سجدہ سہو تو کیا تو وہ نمازی امام کے تابع ہوگیا۔اور اگر امام

نے سجدہ سہو نہ کیا تو وہ نمازی اپنی نماز میں امام کے تابع نہ ہوگا۔ کیونکہ جماعت کے ساتھ شرکت ثابت نہ ہوئی۔ لہذا وہ جماعت کے احکام سے باہر رہے گا۔ یعنی اگر سجدہ سہو امام پر تھا اس نے نہ کیا تو وہ امام اور اس کے ساتھ دوسرے لوگ جماعت میں جو شریک ہیں۔ ان پر سجدہ سہو لازم ہے لیکن اس بعد میں آنے والے نمازی پر سجدہ سہو لازم نہ ہوگا۔

جب نماز کو ختم کرنے والے نے سلام پھیرا حالانکہ اس سجدہ سہو لازم تھا:

وَ (مَنْ سَلَّمَ يُرِيدُ بِهِ قَطْعَ الصَّلَاةِ وَعَلَيْهِ سَهْوٌ فَعَلَيْهِ أَنْ يَسْجُدَ لِلسَّهْوِ) لِأَنَّ هَذَا السَّلَامَ غَيْرُ قَاطِعٍ وَنِيَّتُهُ تَغْيِيرُ الْمَشْرُوعِ فَلَغَتْ .

(وَمَنْ شَكَّ فِي صَلَاتِهِ فَلَمْ يَدْرِ أَثَلَاثًا صَلَّى أَمْ أَرْبَعًا وَذَلِكَ أَوَّلُ مَا عَرَضَ لَهُ اسْتَأْنَفَ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (إذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ أَنَّهُ كَمْ صَلَّى فَلْيَسْتَقْبِلْ الصَّلَاةَ)

ترجمہ:

اور جس آدمی نے نماز کو ختم کرنے کی وجہ سے سلام پھیرا اور اس پر سجدہ سہو تھا تو وہ سجدہ سہو کرے کیونکہ اس کا یہ سلام اس کی نماز کو ختم کرنے والا نہیں ہے۔ اور مشروع میں تبدیلی لانے والی نیت فضول ہے۔

اور جسے اپنی نماز میں شک پیدا ہوا لہذا وہ نہیں جانتا کہ اس نے تین پڑھی ہیں یا چار پڑھی ہیں۔ اور اس کا یہ پہلا شک ہے تو وہ نئے سرے سے نماز پڑھے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں کسی کو اپنی نماز میں شک ہو کہ اس نے کتنی نماز پڑھی تو اسے چاہیے کہ وہ نئے سرے سے نماز پڑھے۔

شرح:

وَمَا أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَهْ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ :سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ (إذَا سَهَا أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلَمْ يَدْرِ وَاحِدَةً صَلَّى أَوْ ثِنْتَيْنِ فَلْيَبْنِ عَلَى وَاحِدَةٍ ، فَإِنْ لَمْ يَدْرِ ثِنْتَيْنِ صَلَّى أَوْ ثَلَاثًا فَلْيَبْنِ عَلَى ثِنْتَيْنِ ، فَإِنْ لَمْ يَدْرِ ثَلَاثًا صَلَّى أَوْ أَرْبَعًا فَلْيَبْنِ عَلَى ثَلَاثٍ ، وَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ) قَالَ التِّرْمِذِيُّ :حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

فَلَمَّا ثَبَتَ عِنْدَهُمْ الْكُلُّ سَلَكُوا فِيهَا طَرِيقَ الْجَمْعِ بِحَمْلِ كُلٍّ مِنْهُمَا عَلَى مَحْمَلٍ يَتَّجِهُ حَمْلُهُ عَلَيْهِ ، فَالْأَوَّلُ عَلَى مَا إذَا كَانَ أَوَّلَ شَكٍّ عَرَضَ لَهُ إمَّا مُطْلَقًا فِي عُمْرِهِ أَوْ فِي تِلْكَ الصَّلَاةِ إلَى آخِرِ مَا تَقَدَّمَ مِنْ الْخِلَافِ ، وَاخْتِيرَ الْحَمْلُ عَلَى مَا إذَا كَانَ الشَّكُّ لَيْسَ عَادَةً

نماز میں بار بار سہو پیش آنے کا بیان:

(وَإِنْ كَانَ يَعْرِضُ لَهُ كَثِيرًا بَنَى عَلَى أَكْبَرِ رَأْيِهِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ شَكَّ فِي صَلَاتِهِ

فَلْيَتَحَرَّ الصَّوَابَ) (وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ رَأْيٌ بَنَى عَلَى الْيَقِينِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ شَكَّ فِي صَلَاتِهِ فَلَمْ يَدْرِ أَثَلَاثًا صَلَّى أَمْ أَرْبَعًا بَنَى عَلَى الْأَقَلِّ) وَالِاسْتِقْبَالُ بِالسَّلَامِ أَوْلَى ، لِأَنَّهُ عُرِفَ مُحَلِّلًا دُونَ الْكَلَامِ ، وَمُجَرَّدُ النِّيَّةِ يَلْغُو ، وَعِنْدَ الْبِنَاءِ عَلَى الْأَقَلِّ يَقْعُدُ فِي كُلِّ مَوْضِعٍ يَتَوَهَّمُ آخِرَ صَلَاتِهِ كَيْ لَا يَصِيرَ تَارِكًا فَرْضَ الْقَعْدَةِ .

ترجمہ

اور اگر اس کو کئی مرتبہ شک ہوا تو وہ غالب رائے پر بناء کرے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس کو اپنی نماز میں شک تو وہ صحیح کی کوشش کرے۔ اور اس کی کوئی رائے نہ تو وہ یقین پر عمل کرے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جسے اپنی نماز میں شک ہو وہ نہیں جانتا کہ اس نے تین یا چار پڑھی ہیں تو کم پر بناء کرے۔ اور نئے سرے سے سلام کے ساتھ نماز پڑھنا افضل ہے۔ کیونکہ حلال کرنے والا سلام ہے کلام نہیں ہے۔ اور خالی نیت فضول جائے گی۔ اور کم بناء کرنے کی صورت میں وہ ہر اس جگہ قعدہ کرے جس کا اس نماز کا آخر ہونے کا خیال ہے۔ تاکہ وہ قعدہ فرض کا تارک نہ بنے۔

شک کی صورت میں کم پر بناء کرنے میں فقہی مذاہب کا بیان:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تو نماز میں ہو اور تجھے اس بارے میں شک ہو جائے کہ رکعتیں تین ہوئیں یا چار مگر ظن غالب یہ ہو کہ چار ہوئیں تو تشہد پڑھ اور دو سجدے کر بیٹھے بیٹھے سلام سے پہلے اور (سلام کے بعد) پھر تشہد پڑھ اور سلام پھیر۔ ابو داؤد نے کہا عبدالواحد نے یہ حدیث بواسطہ خصیف موقوفاً روایت کی ہے اور سفیان، شریک اور اسرائیل نے عبدالواحد کی موافقت کی ہے اور متن حدیث میں اختلاف کیا ہے اور اس کو مسند نہیں کیا۔ (سنن ابوداؤد)

حضرت عطاء ابن یسار حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی درمیان نماز شک میں مبتلا ہو جائے اور اسے یاد نہ رہے کہ اس نے تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار رکعتیں تو اسے چاہیے کہ وہ اپنا شک دور کرے اور جس عدد پر اسے یقین ہو اس پر بناء کرے (یعنی کسی ایک عدد کا تعین کر کے نماز پوری کر لے) اور پھر سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کر لے۔ اگر اس نے پانچ رکعتیں پڑھی ہوں گی تو یہ پانچ رکعتیں ان دو سجدوں کے ذریعے اس کی نماز کو جفت کر دیں گی اور اگر اس نے پوری چار رکعتیں پڑھی ہوں گی تو یہ دونوں سجدے شیطان کی ذلت کا سبب بنیں گے مسلم اور مالک نے اس روایت کو عطاء سے بطریق ارسال نقل کیا ہے نیز امام مالک کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ نمازی ان دونوں سجدوں کے ذریعے پانچ رکعتوں کو جفت کر دے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نماز پڑھ رہا ہے درمیان نماز وہ شک وشبہ میں مبتلا ہو گیا یعنی اسے یاد نہیں رہا کہ اس

نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں تو اسے چاہئے کہ وہ کمتر عدد کا تعین کرے اور اسی کا گمان غالب کر کے نماز پڑھ لے مثلاً اسے یہ شبہ ہو کہ نہ معلوم میں نے تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار رکعتیں تو اس صورت میں اس تین رکعتوں کا تعین کر کے نماز پوری کرنی چاہیے اور پھر آخری قعدے میں التحیات پڑھنے کے بعد سلام پھیرنے سے پہلے دائیں طرف سلام پھیر کر سہو کے دوسجدے کرنا چاہئے۔ صحیح البخاری کی روایت میں سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ سہو کرنے کی قید نہیں ہے چنانچہ اسی وجہ سے ائمہ کے ہاں اس بات پر اختلاف ہے کہ سجدے سلام پھیرنے سے پہلے کرنے چاہئے یا سلام پھیرنے کے بعد۔ اس مسئلے کی تفصیل ہم آئندہ کسی حدیث کے فائدہ کے ضمن میں بیان کریں گے۔

حدیث میں سہو کے دونوں سجدوں کا فائدہ بھی بتایا گیا ہے چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی آدمی نے مذکورہ صورت میں تین رکعت کا تعین کر کے ایک رکعت اور پڑھ لی حالانکہ حقیقت میں وہ چار رکعتیں پہلے پڑھ چکا تھا اس طرح اس کی پانچ رکعتیں ہو گئی تو پانچ رکعتیں ان دونوں سجدوں کی وجہ سے اس کی نماز کو شفع (جفت کر دیں گی کیونکہ وہ دونوں سجدے ایک رکعت کے حکم میں ہیں یعنی یہ پانچ رکعتیں ان دونوں سجدوں سے مل کر چھ رکعت کے حکم میں ہو جائیں گی اور اگر اس نے حقیقت میں تین ہی رکعتیں پڑھی ہیں اور سہو کی صورت میں اس نے تین ہی کا تعین کر کے ایک رکعت اور پڑھی اور اس کی چار رکعتیں پوری ہو گئیں تو اس کے وہ دونوں سجدے شیطان کی ذلت کا سبب بن جائیں گے۔ یعنی اس صورت میں جب کہ اس آدمی نے چار ہی رکعتیں پڑھی ہیں تو دونوں سجدوں کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ نماز کو جفت کر دیں جیسا کہ پہلی صورت (پانچ رکعتیں پڑھنے کی صورت) میں ان دونوں سجدوں کی ضرورت تھی لیکن ان دونوں سجدوں کو جو بظاہر زائد معلوم ہوتے ہیں یہ فائدہ ہوا کہ ان سے شیطان کی ذلت و ناکامی ہوئی۔ کیونکہ شیطان کا مقصد تو یہ تھا کہ وہ نمازی کو شک وشبہ میں مبتلا کر کے اسے عبادت سے باز رکھے حالانکہ نمازی نے اس کے برعکس دوسجدے اور کر کے عبادت چھوڑنے کی بجائے اس میں زیادتی کی جو یقینی بات ہے کہ شیطان کی ناکامی و نامرادی کا باعث ہے۔

اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شک کی صورت میں اقل (کمتر) کو اختیار کرنا چاہئے تحری (غالب گمان) پر عمل نہ کیا جائے چنانچہ جمہور ائمہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

امام ترمذی کا قول یہ ہے کہ اہل علم میں سے بعض حضرات کا مسلک یہ ہے کہ شک کی صورت میں نماز کا اعادہ کرنا چاہیے یعنی اگر کسی کو درمیان نماز میں رکعتوں کی تعداد کے بارے میں شک ہو جائے تو اسے چاہیے کہ نماز کو از سر نو پڑھے۔

اس مسئلے میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مسلک کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی آدمی کو نماز میں شک ہو جائے کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں تو اگر اس آدمی کی عادت شک کرنے کی نہ ہو تو اسے چاہیے کہ پھر نئے سرے سے نماز پڑھے اور اگر اس کو شک ہونے کی عادت ہو تو اپنے غالب گمان پر عمل کرے یعنی جتنی رکعتیں اس کو غالب گمان سے یاد پڑیں تو اسی قدر

رکعتیں سمجھے کہ پڑھ چکا ہےاور اگر غالب گمان کسی طرف نہ ہوتو کمتر عدد کو اختیار کرے مثلاً کسی کو ظہر کی نماز میں شک ہوا کہ تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار اور غالب گمان کسی طرف نہ ہوتو اسے کو چاہیے کہ تین رکعتیں شمار کرے اور ایک رکعت اور پڑھ کر نماز پوری کرلے پھر سجدہ سہو کرلے۔

اتنی بات سمجھ لینی چاہیے کہ غالب گمان پر عمل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ شریعت میں غالب گمان کو اختیار کرنے کی اصل موجود ہے جیسا کہ اگر کوئی آدمی کسی ایسی جگہ نماز پڑھنا چاہے جہاں سے قبلے کی سمت معلوم نہ ہو سکےتو اس کے لیے حکم ہے کہ وہ جس سمت کے بارے میں غالب گمان رکھے کہ ادھر قبلہ ہے اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے اس کی نماز ہو جائے گی۔

غالب گمان کو اختیار کرنے کے سلسلے میں احادیث بھی مروی ہیں۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک واقع ہو جائے تو اسے چاہیے کہ وہ صحیح رائے قائم کرکے (یعنی کسی ایک پہلو پر غالب گمان کرکے) نماز پوری کرلے اس حدیث کو شمنی نے بھی شرح نقایہ میں نقل کیا ہے نیز جامع الاصول میں بھی نسائی سے ایک حدیث تحری (غالب گمان) پر عمل کرنے کے صحیح ہونے کے بارے میں منقول ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب موطا میں تحری کی احادیث کے سلسلے میں یہ کہتے ہوئے کہ تحری کے سلسلے میں بہت آثار وارد ہیں بڑی اچھی بات یہ کہی ہے کہ اگر ایسا نہ کیا جائے یعنی تحری کو قابل قبول نہ قرار دیا جائے تو شک اور سہو سے نجات ملنی بڑے مشکل ہوگی اور پھر شک وشبہ کی صورت میں اعادہ بڑی پریشانی کا باعث بن جائے گا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس موقع پر مسئلہ مذکورہ کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس موقع پر حاصل کلام یہ ہے کہ اس مسئلہ کے سلسلہ میں تین احادیث منقول ہیں۔ پہلی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں جب بھی کسی کو شک واقع ہو جائے تو وہ نماز کو از سرنو پڑھے دوسری حدیث کا ماحصل یہ ہے کہ جب کسی کو نماز میں شک واقع ہو جائے تو اسے چاہئے کہ صحیح بات کو حاصل کرنے کے لئے تحری کرے۔ یعنی غالب گمان پر عمل کرے۔ تیسری حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جب نماز میں شک واقع ہوتو یقین پر عمل کرنا چاہیے یعنی جس پہلو پر یقین ہو اسی پر عمل کیا جائے

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان تینوں حدیثوں کو اپنے مسلک میں جمع کر دیا ہے اس طرح کہ انہوں نے پہلی حدیث کو تو مرتبہ شک واقع ہونے کی صورت پر محمول کیا ہے، دوسری حدیث کو کسی ایک پہلو پر غالب گمان ہونے کی صورت پر محمول کیا ہے اور تیسری حدیث کو کسی بھی پہلو پر غالب گمان نہ ہونے کی صورت پر محمول کیا ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ حضرت امام اعظم کے مسلک کے کمال جامعیت اور انتہائی محقق ہونے کی دلیل ہے۔

باب صلوٰۃ المریض

﴿یہ باب مریض کے طریقہ نماز کے بیان میں ہے﴾

باب صلوٰۃ المریض کی مطابقت کا بیان:

یہاں پر مریض بمعنی مارض ہے۔اور ماقبل باب سے مناسبت یہ ہے کہ سجدہ سہو میں بھی عارضہ پیدا ہوتا ہے جس کے اسباب میں کثرت ہے۔اور مرض چونکہ عارضہ سماوی ہے۔اور اس کے اسباب میں بہ نسبت سہو کے قلیل ہے۔لہذا قلت کے پیش نظر اس کے سہو سے مؤخر ذکر کیا ہے۔

قیام پر عدم قدرت کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھنے کا بیان:

(إِذَا عَجَزَ الْمَرِيضُ عَنْ الْقِيَامِ صَلَّى قَاعِدًا يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ) (لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ صَلِّ قَائِمًا ، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا ، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَعَلَى الْجَنْبِ تُومِءُ إِيمَاءً) ؛ وَلِأَنَّ الطَّاعَةَ بِحَسَبِ الطَّاقَةِ .

قَالَ (فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ أَوْمَأَ إِيمَاءً) يَعْنِي قَاعِدًا ؛ لِأَنَّهُ وُسْعُ مِثْلِهِ (وَجَعَلَ سُجُودَهُ أَخْفَضَ مِنْ رُكُوعِهِ) ؛ لِأَنَّهُ قَائِمٌ مَقَامَهُمَا فَأَخَذَ حُكْمَهُمَا (وَلَا يَرْفَعُ إِلَى وَجْهِهِ شَيْئًا يَسْجُدُ عَلَيْهِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (إِنْ قَدَرْت أَنْ تَسْجُدَ عَلَى الْأَرْضِ فَاسْجُدْ وَإِلَّا فَأَوْمِءْ بِرَأْسِك) فَإِنْ فَعَلَ ذَلِكَ وَهُوَ يَخْفِضُ رَأْسَهُ أَجْزَأَهُ ؛ لِوُجُودِ الْإِيمَاءِ ، فَإِنْ وَضَعَ ذَلِكَ عَلَى جَبْهَتِهِ لَا يُجْزِئُهُ لِانْعِدَامِهِ

ترجمہ:

مریض جب قیام پر قدرت نہ رکھتا ہو تو وہ بیٹھ کر رکوع وسجود کے ساتھ نماز پڑھے۔کیونکہ نبی کریم ﷺ نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے فرمایا: نماز کھڑے ہو کر پڑھو،اور اگر (کسی عذر کی وجہ سے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر) قادر نہ ہو سکو تو بیٹھ کر پڑھو،اور اگر بیٹھ کر نماز پڑھنے پر بھی) قادر نہ ہو سکو تو (پھر) کروٹ پر پڑھو۔کیونکہ اطاعت طاقت کے مطابق ہے۔

فرمایا: پس اگر رکوع وسجود پر کی طاقت نہ رکھے تو وہ اشارے سے پڑھے۔کیونکہ یہی اس کا طریقہ ہے۔اور وہ اپنے سجدے میں رکوع کی نسبت زیادہ جھکے۔کیونکہ یہ اشارہ انہی دونوں کے قائم مقام ہے۔لہذا اس نے انہی کا حکم پکڑ لیا۔اور کسی چیز کو اٹھا کر چہرے کی طرف نہ لائے تا کہ اس پر سجدہ کرے۔کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر تو زمین پر سجدہ کرنے کی طاقت رکھتا ہے تو کر ورنہ اپنے سر سے اشارہ کر۔پس اگر اس نے ایسا کیا تو وہ سر کو جھکانے والا ہے لہذا کافی ہوا۔کیونکہ اشارہ پایا گیا اگر اس نے چیز کو اپنی پیشانی پر رکھ دیا تو اشارہ معدوم ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔

شرح:

اس کی شرح آئندہ آنے والی عبارت کی شرح جمع کردی گئی ہے۔اور اس میں اصل عدم قدرت کا اعتبار کیا جائے گا۔ جہاں کہیں بھی یہ علت پائی جائے یعنی جو شخص بھی کسی عذر کی وجہ سے معذور ہو گیا تو اس کیلئے جس طرح ممکن ہوا اسی طرح اس کو نماز کا حکم دیا جائے گا۔

قعود کی عدم قدرت پر لیٹ کر نماز پڑھنے کا بیان:

(فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ الْقُعُود اسْتَلْقَى عَلَى ظَهْرِهِ وَجَعَلَ رِجْلَيْهِ إِلَى الْقِبْلَةِ وَأَوْمَأَ بِالرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (يُصَلِّي الْمَرِيضُ قَائِمًا فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَى قَفَاهُ يُومِءُ إِيمَاءً، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَاَللَّهُ تَعَالَى أَحَقُّ بِقَبُولِ الْعُذْرِ مِنْهُ) قَالَ (وَإِنْ اسْتَلْقَى عَلَى جَنْبِهِ وَوَجْهُهُ إِلَى الْقِبْلَةِ فَأَوْمَأَ) جَازَ) لِمَا رَوَيْنَا مِنْ قَبْلُ إِلَّا أَنَّ الْأُولَى هِيَ الْأَوْلَى عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ ؛ لِأَنَّ إشَارَةَ الْمُسْتَلْقِي تَقَعُ إلَى هَوَاءِ الْكَعْبَةِ ، وَإِشَارَةَ الْمُضْطَجِعِ عَلَى جَنْبِهِ إلَى جَانِبِ قَدَمَيْهِ ، وَبِهِ تَتَأَدَّى الصَّلَاةُ .

ترجمہ

اگر وہ بیٹھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ اپنی پشت پر لیٹ جائے اور اپنے پاؤں کو قبلہ جانب رکھے اور اشارے کے ساتھ رکوع وسجود کرے۔کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مریض کھڑے ہو کر نماز پڑھے پس اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتے تو گدی کے بل لیٹ کر اشارے سے نماز پڑھے۔اور اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے تو زیادہ حق رکھتا ہے کہ وہ اس کا عذر قبول کرے۔

اور اگر بیمار کروٹ پر لیٹے اور اس کا چہرہ قبلہ جانب ہو اور اس نے اشارہ کیا تو جائز ہے۔اسی روایت کی وجہ سے ہم بیان کر چکے ہیں۔لیکن ہمارے نزدیک اس کی پہلی صورت افضل ہے۔جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ چت لیٹنے والا کا اشارہ ہوائے کعبہ پر پڑتا ہے اور لیٹنے والے کا اشارہ اس کے دونوں قدموں پر پڑتا ہے۔اور اسی کے ساتھ نماز ادا ہوتی ہے۔

معذوری کی حالت میں بیٹھ کر اور لیٹ کر نماز پڑھنے کا حکم:

حضرت عمران بن حصین راوی ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز کھڑے ہو کر پڑھو، اور اگر (کسی عذر کی وجہ سے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر) قادر نہ ہو سکو تو بیٹھ کر پڑھو، اور اگر بیٹھ کر نماز پڑھنے پر بھی) قادر نہ ہو سکو تو (پھر) کروٹ پر پڑھو۔(صحیح البخاری)

اگر کوئی آدمی کسی عذر شدید مثلاً سخت بیماری وغیرہ کی وجہ سے کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو تو بیٹھ کر اپنی نماز ادا کرے اور

اگر عذر اتنا شدید ہو کہ بیٹھ کر بھی قدرت سے باہر ہو تو پھر آخری مرحلہ یہ ہے کہ (لیٹے لیٹے) کروٹ سے بقبلہ ہو کر پڑھ لے پھر اس میں بھی اتنی آسانی کہ اگر کوئی آدمی قبلے کی طرف منہ نہ کر سکے یا یہ کہ کوئی آدمی ایسا پاس موجود نہ ہو جو معذور کا منہ قبلے کی طرف کر سکے تو جس طرف بھی منہ ہو ادھر ہی کی طرف پڑھ لے، ایسے موقع پر کسی بھی سمت منہ کر کے نماز پڑھ لینا جائز ہے۔

حنفیہ فرماتے ہیں کہ لیٹ کر نماز پڑھنے کے سلسلے میں افضل یہ ہے کہ رو بقبلہ ہو کر چت لیٹے کندھے کے نیچے تکیہ رکھ کر سر کو اونچا کرے اور اشاروں سے نماز پڑھے۔ چنانچہ دار قطنی نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ اس سے چت لیٹ کر ہی نماز پڑھنے کا اثبات ہوتا ہے یہاں جو حدیث ذکر کی گئی ہے اس کے بارہ میں حنفیہ کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم بطور خاص حضرت عمران کے لیے فرمایا تھا کیونکہ وہ بواسیر کے مرض میں مبتلا تھے اور چت نہیں لیٹ سکتے تھے لہٰذا یہ حدیث دوسروں کے لیے حجت نہیں ہو سکتی۔

آخر میں اتنی بات اور جان لیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم فرض نماز کے لیے ارشاد فرمایا ہے اس لیے نفل نمازوں میں یہ بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔

سر کے اشارے سے بھی عاجز آنے والے کی نماز کا بیان:

(فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ الْإِيمَاءَ بِرَأْسِهِ أُخِّرَتْ الصَّلَاةُ عَنْهُ ، وَلَا يُومِءُ بِعَيْنِهِ وَلَا بِقَلْبِهِ وَلَا بِحَاجِبَيْهِ) خِلَافًا لِزُفَرَ لِمَا رَوَيْنَا مِنْ قَبْلُ ، وَلِأَنَّ نَصْبَ الْإِبْدَالِ بِالرَّأْيِ مُمْتَنِعٌ ، وَلَا قِيَاسَ عَلَى الرَّأْسِ ؛ لِأَنَّهُ يَتَأَدَّى بِهِ رُكْنُ الصَّلَاةِ دُونَ الْعَيْنِ وَأُخْتَيْهَا .

وَقَوْلُهُ أُخِّرَتْ عَنْهُ إشَارَةٌ إلَى أَنَّهُ لَا تَسْقُطُ عَنْهُ الصَّلَاةُ وَإِنْ كَانَ الْعَجْزُ أَكْثَرَ مِنْ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ إذَا كَانَ مُفِيقًا هُوَ الصَّحِيحُ ؛ لِأَنَّهُ يَفْهَمُ مَضْمُونَ الْخِطَابِ بِخِلَافِ الْمُغْمَى عَلَيْهِ .

ترجمہ:

اگر وہ سر کے اشارے کی طاقت بھی نہ رکھتا تو وہ نماز کو موخر کر دے۔ وہ آنکھ، دل اور حاجبین کا اشارہ نہ کرے۔ ہماری پہلی روایت کردہ حدیث کی وجہ سے امام زفر علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ رائے سے بدل قائم کرنا منع ہے۔ اور اس پر قیاس بھی نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ سر کے ساتھ نماز کا ایک رکن ادا ہوتا ہے۔ جبکہ آنکھ اور اس کی بہنیں یعنی قلب وحاجبین، کوئی رکن ادا نہیں ہوتا۔ اور صاحب قدوری علیہ الرحمہ کا یہ قول "" اس بات کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ وہ نماز اس سے ساقط نہ ہو گی۔ خواہ عجز ایک دن رات سے زیادہ ہو۔ صحیح روایت کے مطابق جب وہ افاقہ پانے والا ہو۔ کیونکہ مریض خطاب کے مفہوم کو سمجھنے والا ہے۔ بخلاف اس شخص کے جس پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔

قاعدہ فقہیہ:

کیونکہ رائے سے بدل قائم کرنا منع ہے۔

اسی طرح احکام شرعیہ میں یہ حکمت ہے کہ احکام مکلف کی طاقت کے مطابق اس پر لازم کیے گئے ہیں۔اور یہ اصول شرعی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی جان پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔لہذا جس قدر انسان مکلف میں صلاحیت ہوگی احکام شرعیہ اسی کے اعتبار سے اس پر لازم ہوں گے۔

قدرت قیام پر قادر جبکہ رکوع وسجود پر عدم قدرت کا بیان:

قَالَ (وَإِنْ قَدَرَ عَلَى الْقِيَامِ وَلَمْ يَقْدِرْ عَلَى الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ لَمْ يَلْزَمْهُ الْقِيَامُ وَيُصَلِّي قَاعِدًا يُومِءُ إِيمَاءً) ؛ لِأَنَّ رُكْنِيَّةَ الْقِيَامِ لِلتَّوَسُّلِ بِهِ إِلَى السَّجْدَةِ لِمَا فِيهَا مِنْ نِهَايَةِ التَّعْظِيمِ ، فَإِذَا كَانَ لَا يَتَعَقَّبُهُ السُّجُودُ لَا يَكُونُ رُكْنًا فَيَتَخَيَّرُ ، وَالْأَفْضَلُ هُوَ الْإِيمَاءُ قَاعِدًا ؛ لِأَنَّهُ أَشْبَهُ بِالسُّجُودِ .

(وَإِنْ صَلَّى الصَّحِيحُ بَعْضَ صَلَاتِهِ قَائِمًا ثُمَّ حَدَثَ بِهِ مَرَضٌ يُتِمُّهَا قَاعِدًا يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ أَوْ يُومِءُ إِنْ لَمْ يَقْدِرْ أَوْ مُسْتَلْقِيًا إِنْ لَمْ يَقْدِرْ) ؛ لِأَنَّهُ بِنَاءُ الْأَدْنَى عَلَى الْأَعْلَى فَصَارَ كَالِاقْتِدَاءِ .

ترجمہ:

اور اگر مریض قیام پر قدرت رکھتا ہے لیکن وہ رکوع وسجود پر قادر نہیں تو اس پر قیام لازم نہیں ہے بلکہ وہ بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھے۔کیونکہ قیام کا رکن اس وجہ سے ہے تاکہ اس کے وسیلے سے سجدہ کیا جائے۔جس میں انتہائی تعظیم ہے۔لہذا جس قیام کے بعد سجدہ نہ ہو وہ قیام رکن نہ ہوگا۔پس عذر والے کو اختیار ہے۔اور افضل یہ ہے کہ وہ بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھے۔ کیونکہ حقیقی سجدے کے یہی مشابہ ہے۔

اور اگر کسی تندرست شخص نے کچھ نماز قیام کے ساتھ پڑھی پھر وہ بیمار ہوگیا تو وہ رکوع وسجود کے ساتھ یا اشارے کے ساتھ نماز کو پورا کرے۔اگر اس قادر نہ ہو تو لیٹ کر مکمل کرے۔کیونکہ اس نے ادنیٰ کی اعلیٰ پر بناء کی ہے جو اقتداء کی طرح ہے۔

شرح:

مسئلہ مذکورہ کا ثبوت یہ قاعدہ فقہیہ ہے کہ حرمت سے اباحت کی طرف منتقل ہونے کیلئے قوی اسباب کا ہونا ضروری ہے جبکہ اباحت سے حرمت کی طرف منتقل ہونے کیلئے معمولی سبب بھی کافی ہوتا ہے۔(الاشباہ)

اس قاعدہ کا ثبوت یہ حکم ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو مسلمان اسکی شہادت دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اس کا خون صرف تین اسباب سے حلال ہوتا ہے ۱۔نکاح کے بعد زنا کرنا ۲۔جان کا بدلہ جان ۳۔اور جو شخص اپنے دین کو چھوڑ کر جماعت سے علیحدہ ہو جائے۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۵۹، قدیمی کتب خانہ کراچی)

مسلمان کے خون میں اصل حرمت ہے لیکن اس حدیث میں تین ایسے قوی اسباب ذکر ہوئے ہیں جو مسلمان کے خون کی حرمت کو اباحت کی منتقل کر دیتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ قوی اسباب کی وجہ سے حرمت اباحت کی طرف منتقل ہو جاتی ہے

اباحت سے حرمت کی طرف:

حضرت انس بن مالک رسول اللہ ﷺ سے مرفوع حدیث بیان کرتے ہیں کہ قاتل پر قصاص ہی ہے مگر جبکہ کوئی شخص معاف کر دے۔

(سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۹۳، قدیمی کتب خانہ کراچی)

قتل کی وجہ سے قاتل کا خون مباح ہو چکا لیکن جب مقتول کے ورثاء نے قاتل کو معاف کر دیا تو یہ معمولی سا سبب ہے جسکی وجہ سے قاتل کے خون کی اباحت حرمت کی طرف منتقل ہو گئی۔

مریض کا دوران نماز قدرت پالینے کا بیان:

(وَمَنْ صَلَّى قَاعِدًا يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ لِمَرَضٍ ثُمَّ صَحَّ بَنَى عَلَى صَلَاتِهِ قَائِمًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ : اسْتَقْبَلَ) بِنَاءً عَلَى اخْتِلَافِهِمْ فِي الِاقْتِدَاءِ وَقَدْ تَقَدَّمَ بَيَانُهُ (وَإِنْ صَلَّى بَعْضَ صَلَاتِهِ بِإِيمَاءٍ ثُمَّ قَدَرَ عَلَى الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ اسْتَأْنَفَ عِنْدَهُمْ جَمِيعًا) ؛ لِأَنَّهُ لَا يَجُوزُ اقْتِدَاءُ الرَّاكِعِ بِالْمُومِئِ ، فَكَذَا الْبِنَاءُ .

ترجمہ:

اور جو مرض کی وجہ سے بیٹھ کر رکوع وسجود کے ساتھ نماز پڑھے پھر وہ تندرست ہو گیا تو وہ اسی بناء پر کھڑا ہو کر نماز ادا کرے یہ شیخین کے نزدیک ہے جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: نئے سرے سے پڑھے۔ اس اختلاف کی بنیاد ان کی اقتداء میں اختلاف ہے۔ جس کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔

اور اگر اس نے کچھ نماز اشارے کے ساتھ پڑھی پھر وہ رکوع وسجود پر قادر ہو گیا۔ تو سب کے نزدیک نئے سرے سے پڑھے۔ کیونکہ رکوع کرنے والے کی اقتداء اشارہ والے کے پیچھے جائز نہیں ہے۔ یہی حکم بناء کا ہے۔

شرح:

اس کی شرح بھی قاعدہ مذکورہ میں گزر چکی ہے کہ احکام حرمت سے حلت کی طرف اور ممانعت سے اباحت کی طرف منتقل ہوتے رہتے ہیں لیکن دلائل شرعیہ کے ساتھ حکم خاص ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ جس کسی کا دل چاہے کسی حکم کو ممانعت کی طرف یا اباحت کی طرف منتقل کر دے۔

نوافل کھڑے ہو کر یا ٹیک لگا کر پڑھنے کا بیان:

(وَمَنْ افْتَتَحَ التَّطَوُّعَ قَائِمًا ثُمَّ أَعْيَا لَا بَأْسَ بِأَنْ يَتَوَكَّأَ عَلَى عَصًا أَوْ حَائِطٍ أَوْ يَقْعُدَ) ؛ لِأَنَّ هَذَا عُذْرٌ ، وَإِنْ كَانَ الِاتِّكَاءُ بِغَيْرِ عُذْرٍ يُكْرَهُ ؛ لِأَنَّهُ إسَاءَةٌ فِي الْأَدَبِ .

وَقِيلَ لَا يُكْرَهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ ؛ لِأَنَّهُ لَوْ قَعَدَ عِنْدَهُ بِغَيْرِ عُذْرٍ يَجُوزُ ، فَكَذَا لَا يُكْرَهُ الِاتِّكَاءُ .وَعِنْدَهُمَا يُكْرَهُ ؛ لِأَنَّهُ لَا يَجُوزُ الْقُعُودُ عِنْدَهُمَا فَيُكْرَهُ الِاتِّكَاءُ (وَإِنْ قَعَدَ بِغَيْرِ عُذْرٍ يُكْرَهُ بِالِاتِّفَاقِ) وَتَجُوزُ الصَّلَاةُ عِنْدَهُ وَلَا تَجُوزُ عِنْدَهُمَا ، وَقَدْ مَرَّ فِي بَابِ النَّوَافِلِ

ترجمہ:

اور جس نے کھڑے ہو کر نوافل شروع کیے پھر وہ تھک جائے تو اس پر کوئی حرج نہیں کہ وہ کسی عصا، دیوار ٹیک لگائے یا بیٹھ جائے کیونکہ یہ عذر ہے۔ اگر اس کا ٹیک لگانا بغیر کسی عذر کے ہے تو مکروہ ہے کیونکہ اس میں بے ادبی ہے۔
اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے کیونکہ آپ کے نزدیک اگر وہ بغیر عذر کے بیٹھا تو جائز ہے اور ایسے ہی ٹیک لگانا بھی مکروہ نہیں ہے۔ جبکہ صاحبین نے نزدیک بیٹھنا مکروہ ہے لہذا ٹیک بھی مکروہ ہے۔ اور اگر وہ بغیر عذر کے بیٹھ گیا تو یہ اتفاق ائمہ مکروہ ہے۔ البتہ امام اعظم کے نزدیک اس کی نماز جائز ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک اس کی نماز جائز نہیں ہے۔ جس طرح نوافل کے باب میں گذر چکا ہے۔

شرح:

حضرت ہلال بن یساف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں مقام رقہ میں آیا تو میرے ایک دوست نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تمہیں کسی صحابی سے ملنے کا اشتیاق ہے؟ میں نے کہا یہ تو بڑی سعادت ہے پس ہم وابصہ بن معبد کے پاس گئے میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ پہلے ہم ان کی وضع قطع دیکھیں تو ہم نے دیکھا کہ وہ ایک ٹوپی اوڑھے ہوئے ہیں جو سر سے چپکی ہوئی تھی اور دو طرف کنارے نکلے ہوئے تھے اور اس پر ایک خاکی رنگ کی خز کی بنی ہوئی برساتی پہن رکھی تھی اور وہ اپنی نماز میں ایک لاٹھی پر ٹیک لگائے ہوئے تھے (جب وہ نماز سے فارغ ہو گئے تو) ہم نے ان کو سلام کیا اور (نماز میں) سہارا لگانے کے متعلق دریافت کیا انہوں نے کہا کہ مجھ سے ام قیس بنت محصن نے بیان کیا کہ جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر زیادہ ہو گئی اور جسم کا گوشت بڑھ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مصلے پر ایک ستون بنوایا اور اس سے ٹیک لگا کر نماز پڑھنے لگے۔ (سنن ابوداؤد)

کشتی میں بغیر عذر کے بیٹھ کر نماز پڑھنے کا بیان:

(وَمَنْ صَلَّى فِي السَّفِينَةِ قَاعِدًا مِنْ غَيْرِ عِلَّةٍ أَجْزَأَهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَالْقِيَامُ أَفْضَلُ .وَقَالَا :

لَا يُجْزِئُهُ إلَّا مِنْ عُذْرٍ) ؛ لِأَنَّ الْقِيَامَ مَقْدُورٌ عَلَيْهِ فَلَا يُتْرَكُ إلَّا لِعِلَّةٍ . وَلَهُ أَنَّ الْغَالِبَ فِيهَا دَوَرَانُ الرَّأْسِ وَهُوَ كَالْمُتَحَقِّقِ ، إلَّا أَنَّ الْقِيَامَ أَفْضَلُ ؛ لِأَنَّهُ أَبْعَدُ عَنْ شُبْهَةِ الْخِلَافِ ، وَالْخُرُوجُ أَفْضَلُ إنْ أَمْكَنَهُ ؛ لِأَنَّهُ أَسْكَنُ لِقَلْبِهِ ، وَالْخِلَافُ فِي غَيْرِ الْمَرْبُوطَةِ وَالْمَرْبُوطَةُ كَالشَّطِّ هُوَ الصَّحِيحُ .

ترجمہ:

اور جس نے کشتی میں بغیر کسی علت کے بیٹھ کر نماز پڑھی تو امام اعظم کے نزدیک کافی ہے البتہ قیام افضل ہے۔اور صاحبین نے کہا کہ عذر کے بغیر کافی نہیں ہے۔کیونکہ وہ قیام پر قدرت رکھنے والا ہے لہذا اس کو کسی علت کے سوا ترک نہ کیا جائے گا۔اور امام اعظم کی دلیل یہ ہے کہ عام طور پر کشتی میں سر کا گھومنا ہے اور وہ ثابت کی طرح ہے۔لیکن فضیلت قیام ہی کو ہے۔کیونکہ وہی (قیام) شبہ اختلاف کو دور کرنے والا ہے۔اور جس قدر ممکن ہو کشتی سے نکلنا افضل ہے۔کیونکہ اسی میں سکون قلب ہے۔اور یہ اختلاف اس کشتی میں ہے جو باندھی ہوئی نہ ہو اور باندھی ہوئی کشتی کنارے کی طرح ہے۔یہی حکم صحیح ہے۔

شرح:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بغیر کسی عذر کے چلتی کشتی میں بیٹھ کر نماز پڑھنا صحیح ہے۔حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ روایت ہے۔

عَنْ أَنَسٍ :أَنَّهُ كَانَ إِذَا رَكِبَ السَّفِينَةَ فَحَضَرَتِ الصَّلاَةُ وَالسَّفِينَةُ مَحْبُوسَةٌ صَلَّى قَائِمًا وَإِذَا كَانَتْ تَسِيرُ صَلَّى قَاعِدًا فِى جَمَاعَةٍ.(السنن الكبرى للبيهقى باب الْقِيَامِ فِى الْفَرِيضَةِ وَإِنْ كَانَ فِى السَّفِينَةِ مَعَ الْقُدْرَةِ)

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک بغیر عذر کے چلتی کشتی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں۔اور صاحبین کی دلیل یہ روایت ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم جَعْفَرَ بْنَ أَبِى طَالِبٍ إِلَى الْحَبَشَةِ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ أُصَلِّى فِى السَّفِينَةِ قَالَ صَلِّ فِيهَا قَائِمًا إِلاَّ أَنْ تَخَافَ الْغَرَقَ (دارقطنى باب صِفَةِ الصَّلاَةِ فِى السَّفَرِ وَالْجَمْعِ بَيْنَ الصَّلاَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ وَصِفَةِ الصَّلاَةِ فِى السَّفِينَةِ)

اگر کشتی ساحل سے بندھی ہوئی ہو تو اس میں کھڑے ہونے کی قدرت کے باوجود بیٹھ کر نماز جائز نہیں، اگر وہ کشتی سے نہ نکل سکتا ہو تو خواہ کشتی بندھی ہوئی ہو یا چل رہی ہو اس میں نماز پڑھنا جائز ہے۔

عَنْ أَنَسٍ :أَنَّهُ كَانَ إِذَا رَكِبَ السَّفِينَةَ فَحَضَرَتِ الصَّلاَةُ وَالسَّفِينَةُ مَحْبُوسَةٌ صَلَّى قَائِمًا وَإِذَا كَانَتْ تَسِيرُ صَلَّى قَاعِدًا فِى جَمَاعَةٍ .(السنن الكبرى للبيهقى باب الْقِيَامِ فِى الْفَرِيضَةِ وَإِنْ كَانَ فِى السَّفِينَةِ مَعَ الْقُدْرَةِ)عَنْ مُغِيرَةَ ، قَالَ :سَأَلْتُ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الصَّلاَةِ فِى السَّفِينَةِ ؟ فَقَالَ :إِنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَخْرُجَ فَلْيَخْرُجْ ، وَإِلاَّ فَلْيُصَلِّ قَائِمًا ، فَإِنِ اسْتَطَاعَ ، وَإِلاَّ فَلْيُصَلِّ قَاعِدًا وَيَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ كُلَّمَا تَحَرَّفَتْ(مصنف ابن ابى شيبة مَنْ قَالَ :صَلِّ فِيهَا قَائِمًا)

پانچ نمازوں میں بے ہوشی رہی تو حکم صلوٰۃ:

(وَمَنْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ خَمْسَ صَلَوَاتٍ أَوْ دُونَهَا قَضَى ، وَإِنْ كَانَ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ لَمْ يَقْضِ) وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا قَضَاءَ عَلَيْهِ إذَا اسْتَوْعَبَ الْإِغْمَاءُ وَقْتَ صَلَاةٍ كَامِلًا لِتَحَقُّقِ الْعَجْزِ فَأَشْبَهَ الْجُنُونَ .

وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّ الْمُدَّةَ إذَا طَالَتْ كَثُرَتْ الْفَوَائِتُ فَيَتَحَرَّجُ فِي الْأَدَاءِ ، وَإِذَا قَصُرَتْ قَلَّتْ فَلَا حَرَجَ ، وَالْكَثِيرُ أَنْ تَزِيدَ عَلَى يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ ؛ لِأَنَّهُ يَدْخُلُ فِي حَدِّ التَّكْرَارِ ،

وَالْجُنُونُ كَالْإِغْمَاءِ : كَذَا ذَكَرَهُ أَبُو سُلَيْمَانَ رَحِمَهُ اللَّهُ ، بِخِلَافِ النَّوْمِ ؛ لِأَنَّ امْتِدَادَهُ نَادِرٌ فَيَلْحَقُ بِالْقَاصِرِ ، ثُمَّ الزِّيَادَةُ تُعْتَبَرُ مِنْ حَيْثُ الْأَوْقَاتُ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ ؛ لِأَنَّ التَّكْرَارَ يَتَحَقَّقُ بِهِ ، وَعِنْدَهُمَا مِنْ حَيْثُ السَّاعَاتُ هُوَ الْمَأْثُورُ عَنْ عَلِيٍّ وَابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ .

ترجمہ:

اور جس پر پانچ یا اس سے کم نمازوں تک بے ہوشی طاری رہی تو قضاء کرے اور اگر اس سے زیادہ تک بے ہوشی رہی تو قضاء نہ کرے۔ اور یہ دلیل استحسان کے پیش نظر ہے۔ جبکہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس پر کوئی قضاء نہیں ہے۔ جب اغماء نے اسے ایک نماز کے وقت تک گھیر لیا ہو۔ کیونکہ عجز ثابت ہو جائے گا لہذا یہ جنون کے مشابہ ہو گیا۔

اور استحسان کی دلیل یہ ہے کہ اغماء کی مدت جب لمبی ہو جائے گی تو قضاء نمازوں کی کثرت ہو جائے گی جن کو پڑھنے سے حرج لازم آئے گا اور جب مدت اغماء کم ہو گی تو نمازیں بھی تھوڑی قضاء ہوں گیں اور حرج بھی لازم نہ آئے گا۔ اور کثیر اسے کہیں گے کہ جب ایک دن رات سے زیادہ ہوں کیونکہ وہ حد تکرار میں داخل ہو جاتی ہیں۔

اور جنون اغماء کی طرح ہے۔ اسی طرح حضرت ابو سلیمان نے ذکر کیا ہے۔ بخلاف نیند کے کیونکہ نیند کا اتنا لمبا ہونا نادر ہے۔ لہذا نیند کو عذر قاصر کے ساتھ لاحق کیا جائے گا۔ اور امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک کثرت کا اعتبار اوقات کی طرف سے کیا جائے گا۔ کیونکہ تکرار اسی کے ساتھ ثابت ہوتا ہے۔ جبکہ شیخین کے نزدیک ساعات سے ہے اور یہی حضرت علی المرتضی اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا ہے۔ اللہ ہی سب سے زیادہ صحیح کو جاننے والا ہے۔

شرح:

جس پر پاگل پن یا بیہوشی طاری ہو جائے اور بیہوشی اور جنون پانچ نمازوں تک یا اس سے کم تک مسلسل رہے تو افاقہ ہو جانے کے بعد اس کی قضا کرے۔

عَنْ سُفْيَانَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ انِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ أُغْمِيَ عَلَيْهِ أَكْثَرَ مِنْ يَوْمَيْنِ فَلَمْ يَقْضِهِ .(دار قطنی باب الرَّجُلُ يُغْمَى عَلَيْهِ وَقَدْ جَاءَ وَقْتُ الصَّلَاةِ هَلْ يَقْضِي أَمْ لَا)

فتاوی عالمگیری ج 1 ص 121 میں ہے

فلا قضاء علی مجنون ولا علی مغمی علیه مافاته فی تلك الحالة وزادت الفوائت علی یوم ولیلة۔

باب فی السجدة التلاوة

﴿یہ باب سجدہ تلاوت کے بیان میں ہے﴾

سجدہ تلاوت والے باب کی مطابقت کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں ۔ یہ باب سجدہ تلاوت کے احکام میں ہے ۔ یہاں اضافت سبب کی بہ جائے مسبب کی طرف ہے ۔ جس طرح خیار عیب، خیار رویت اور حج بیت اللہ میں نسبت سبب کی بہ جائے مسبب کی طرف کی گئی ہے کیونکہ تلاوت تالی کے حق میں اور سماع سامع کے حق میں سبب ہے ۔ لہذا مناسب یہ تھا کہ یہ کہا جاتا "باب سجود التلاوة والسماع" اس کے جواب میں کہوں گا کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ تلاوت سبب ہے ۔ البتہ سماع کی سببت میں اختلاف ہے ۔ بلکہ بعض نے کہا ہے کہ سماع سبب نہیں ہے ۔

اس باب کو سجدہ سہو کے ساتھ اس ملایا گیا ہے کہ ان دونوں کے احکام میں سجدے کا بیان ہے اور مریض والے باب نے اس لئے موخر کیا گیا ہے کہ مرض عارضہ سماوی ہے ۔ پس اسے سجدہ تلاوت سے مقدم کر دیا ۔

(البنایہ شرح الهدایہ، ج ۳، ص ۲۱۲، حقانیہ ملتان)

قرآن میں سجدوں کا بیان:

قَالَ (سُجُودُ التِّلَاوَةِ فِي الْقُرْآنِ أَرْبَعَ عَشْرَةَ سَجْدَةً : فِي آخِرِ الْأَعْرَافِ ، وَفِي الرَّعْدِ وَالنَّحْلِ ، وَبَنِي إِسْرَائِيلَ ، وَمَرْيَمَ وَالْأُولَى فِي الْحَجِّ ، وَالْفُرْقَانِ وَالنَّمْلِ ، والم تَنْزِيلٌ وَصْ ، وَحْمَ السَّجْدَةِ ، وَالنَّجْمِ ، (وَإِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ) وَاقْرَأْ .

كَذَا كُتِبَ فِي مُصْحَفِ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَهُوَ الْمُعْتَمَدُ وَالسَّجْدَةُ الثَّانِيَةُ فِي الْحَجِّ لِلصَّلَاةِ عِنْدَنَا ، وَمَوْضِعُ السَّجْدَةِ فِي حم السَّجْدَةُ عِنْدَ قَوْلِهِ (لَا يَسْأَمُونَ) فِي قَوْلِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ وَهُوَ الْمَأْخُوذُ لِلِاحْتِيَاطِ

ترجمہ:

امام قدوری علیہ الرحمہ نے فرمایا: قرآن میں تلاوت کے چودہ سجدے ہیں ۔ سورۃ اعراف کے آخر میں، رعد میں، نحل میں، بنی اسرائیل میں، مریم میں، اور حج میں پہلا اور فرقان میں، نمل میں، الم تنزیل، ص، حم السجدۃ، نجم "وَإِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ" اور اقراء میں ہیں ۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مصحف میں اسی طرح ہے لہذا اسی اعتماد کیا جائے گا ۔ اور سورۃ حج میں دوسرا سجدہ ہمارے

نزدیک نماز کیلئے ہے۔اور ''حم السجدۃ'' میں سجدے کا مقام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان کے مطابق '''' ہے۔اوراس کو احتیاط کے پیش نظر اخذ کیا گیا ہے۔

سورہ نجم کا سجدہ

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ نجم میں سجدہ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلمانوں، مشرکوں جنوں اور سب آدمیوں نے (بھی) سجدہ کیا۔(صحیح البخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورہ نجم کی تلاوت کرتے ہوئے آیت سجدہ آیت (فَاسْجُدُوْا لِلّٰہِ وَاعْبُدُوْا 53۔ النجم 62:) سجدہ کرو اللہ کا اور عبادت کرو۔ پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی فرمانبرداری کی غرض سے سجدہ کیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا تو تمام مسلمانوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں سجدہ کیا، اسی طرح مشرکین نے بھی جب بتوں یعنی لات و منات اور عزیٰ کے نام سنے تو انہوں نے بھی سجدہ کیا، یا پھر مشرکوں کے سجدہ کرنے کا سبب یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں مسجد الحرام کے اندر جب سورہ نجم کی ان آیتوں۔

(آیت (اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی 19 وَمَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی 20 اَلَکُمُ الذَّکَرُ وَلَہُ الْاُنْثٰی 21)53۔ النجم(19)

یعنی بھلا تم لوگوں نے لات وعزیٰ کو دیکھا اور تیسرے منات کو(کہ یہ بت کہیں اللہ ہو سکتے ہیں مشرکو!) کیا تمہارے لیے تو بیٹے ہیں اور اللہ کے لیے بیٹیاں۔ کو پڑھنے لگے تو شیطان ملعون نے اپنی آواز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے مشابہ بنا کر یہ پڑھا تِلْکَ الْغَرَانِیْقُ الْعُلٰی وَاِنَّ شَفَاعَتَھُنَّ لَتُرْتَجٰی۔ یعنی: یہ بت بلند مرغابیاں ہیں اور بیشک ان کی شفاعت امید بخش ہے۔

مشرکین یہ سمجھے کہ (نعوذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے بتوں کی تعریف کی ہے اس سے وہ بہت زیادہ خوش ہوئے چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا تو انہوں نے بھی سجدہ کر ڈالا۔

بعض مفسرین نے اس موقع پر یہ تفسیر کی ہے کہ یہ الفاظ شیطان نے ادا نہیں کیے تھے بلکہ نعوذ باللہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سہواً نکل گئے تھے۔ یہ قول بالکل غلط اور محض ذہنی اختراع ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ شیطان ملعون نے اپنی آواز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے مشابہ بنا کر یہ الفاظ ادا کر دیئے جس سے مشرکین یہ سمجھ بیٹھے کہ خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ الفاظ ادا کر رہے ہیں۔

حدیث میں مسلمانوں، مشرکوں، جنوں اور سب آدمیوں سے مراد وہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت موجود تھے۔ لفظ اُنس تعمیم بعد تخصیص ہے۔

سورہ انشقاق اور سورہ علق کے سجدے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (سورہ انشقاق یعنی اِذَا السَّمَاءُ اِنْشَقَّتْ اور (سورہ علق یعنی اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ میں سجدہ کیا۔ (صحیح مسلم)

سجدہ تلاوت واجب ہے

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم سجدے (کی کوئی آیت) پڑھتے اور ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوتے تھے تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سجدہ کرتے اور (اس وقت) ہم لوگوں کا اس قدر اژدحام ہوتا تھا کہ ہم میں سے بعض کو تو اپنی پیشانی ٹیک کر سجدہ کرنے کی جگہ بھی نہیں ملتی تھی۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

مطلب یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے کی کوئی آیت تلاوت فرماتے تو اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سجدہ کرنے کے لیے اتنے زیادہ لوگوں کا ہجوم ہو جاتا تھا کہ جگہ کی تنگی کی وجہ سے بعض لوگوں کو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سجدہ کرنا بھی نصیب نہ ہوتا تھا اور وہ پھر بعد میں سجدہ کرتے تھے۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سجدہ تلاوت واجب ہے کیونکہ اگر تلاوت کا سجدہ واجب نہ ہوتا تو لوگ اتنا زیادہ اہتمام اور اژدحام کیوں کرتے۔

ایسے موقع پر جب کہ تلاوت کرنے والے کے پاس لوگ بیٹھے ہوں اور اس کی تلاوت سن رہے ہوں تو سجدے کی کوئی آیت پڑھنے کے بعد سجدہ کرنے کے سلسلے میں سنت یہ ہے کہ تلاوت کرنے والا آدمی آگے ہو جائے اور تلاوت سننے والے اس کے پیچھے ہو کر صف باندھیں اس طرح سب لوگ سجدہ کرلیں۔ یہ اقتداء صورۃ ہے حقیقۃً اقتداء نہیں ہے۔

دو سجدوں کی وجہ سے سورۂ حج کی فضیلت:

حضرت عقبہ ابن عامر فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ سورہ حج کو اس لیے فضیلت حاصل ہے کہ اس میں دو سجدے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! جو آدمی دونوں سجدے نہ کرے تو وہ ان دونوں سجدوں کی آیتوں کو نہ پڑھے۔ (سنن ابوداؤد جامع ترمذی) امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی اسناد قوی نہیں ہے اور مصابیح میں مثل شرح السنۃ کے فلا یقراھما (تو وہ دونوں سجدوں کی آیتوں کو نہ پڑھے) کے بجائے فلا یقراھا (تو وہ اس سورۃ کو نہ پڑھے) کے الفاظ ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ جو آدمی سجدے کی ان دونوں آیتوں کو نہ پڑھے تو اسے وہ آیتیں ہی نہ پڑھنی چاہئیں تاکہ وہ ترک واجب کا گنہگار نہ ہو یعنی قرآن کریم پڑھنے والے کے حق میں سجدے کی آیت کی

تلاوت کی وجہ سے ایک سجدہ مشروع ہوا ہے اور سجدہ تلاوت کرنا تلاوت کے حقوق سے ہے لہٰذا اگر کوئی آدمی سجدہ تلاوت کو ترک کرنے کے درپے ہو تو اس کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ ان آیتوں ہی کو نہ پڑھے جن کی وجہ سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے کیونکہ سجدہ واجب ہے اور اس کو چھوڑنے والا گنہگار ہوتا ہے اس لیے ترک سجدہ سے ترک تلاوت اولیٰ ہے۔

مشکوٰۃ کے ایک دوسرے صحیح نسخہ میں بجائے فلا یقرا ھما کے فلم یقراھما کے الفاظ ہیں اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے معنی یہ ہوں گے کہ جس نے وہ دونوں سجدے نہ کیے گویا اس نے انہیں پڑھا ہی نہیں یعنی جب اس نے اس آیت کے تقاضے پر عمل نہ کیا تو اس کا پڑھنا نہ پڑھنا دونوں برابر ہے۔

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ سورہ حج کا دوسرا سجدہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک واجب نہیں ہے وہ فرماتے ہیں کہ وہ سجدہ نماز کا ہے کیونکہ وہاں لفظ ارکعوا کا مذکور ہونا اس بات کا قرینہ ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آخر میں ھذا حدیث لیس اسنادہ بالقوی کہہ کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

سورہ الم تنزیل السجدہ کا سجدہ:

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز میں سجدہ کیا اور کھڑے ہوئے پھر رکوع کیا اور لوگوں کو یہ گمان تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ الم تنزیل السجدہ پڑھی ہے۔ (ابوداؤد)

صحابہ نے محض سجدے سے معلوم نہیں کیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ آلم تنزیل السجدہ پڑھی ہے بلکہ سورت کی ایک آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوگی اس سے انہیں معلوم ہو گیا ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سورۃ پڑھ رہے ہیں۔ چنانچہ احادیث میں وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (آہستہ آواز سے پڑھی جانے والی نمازوں میں) کبھی کبھی ایک آیت بآواز بلند بھی پڑھ دیا کرتے تھے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ فلاں سورۃ کی قرأت ہو رہی ہے یا یہ کہ انتہائی شوق اور حضور قلب کی وجہ سے بے اختیار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لسان مقدس سے کوئی آیت بآواز بلند جاری ہو جاتی تھی۔

بظاہر اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت سجدہ پڑھ کر جب سجدہ کیا اور سجدے سے اٹھے تو بقیہ سورۃ پوری نہیں کی بلکہ رکوع میں چلے گئے چنانچہ یہ جائز ہے اگرچہ افضل یہی ہے کہ سجدے سے اٹھ کر بقیہ سورۃ پوری کی جائے اس کے بعد رکوع کیا جائے لہٰذا یہ ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا بیان جواز کی خاطر کیا ہو باوجود یہ نص سے بصراحت تو یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بقیہ سورۃ پوری نہیں کی اور رکوع میں چلے گئے تاہم بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض رکوع پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مستقلاً سجدہ کیا جیسا کہ حنفیہ کے ہاں ایسی صورت میں رکوع ہی میں سجدہ ادا ہو جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ افضل اور اولیٰ چونکہ سجدہ کر لینا ہی ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے افضل طریقہ کو اختیار فرمایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سورۂ نجم میں سجدہ نہ کرنا:

حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سورہ نجم تلاوت کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سجدہ نہیں کیا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

فقہاء احناف وشوافع کی سورۃ نجم میں سجدہ نہ کرنے کی توجیہ وجواب:

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جانب سے تو یہ کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر سورہ نجم میں سجدہ بیان جواز کے لیے نہیں کیا، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ چونکہ مفصل میں سجدہ نہیں ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ نہیں کیا اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف سے اس حدیث کی توجیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر سجدہ یا تو اس لیے نہیں کیا کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم باوضو نہیں تھے ، یا یہ کہ وہ وقت کراہت تھا، یا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ اس لیے ترک کیا تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ سجدہ تلاوت فرض نہیں ہے۔ ان چیزوں کے علاوہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ سجدہ تلاوت فی الفور واجب نہیں ہے اس لیے ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تو سجدہ نہ کیا ہو البتہ بعد میں کسی وقت کر لیا ہو۔ لہٰذا اس سے کوئی آدمی یہ نہ سمجھے کہ سورہ نجم کا سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے کیونکہ اس سے پہلے ایک حدیث میں صراحت کے ساتھ گذر چکا ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور دوسرے لوگوں نے بھی سورہ نجم کا سجدہ کیا تھا۔

سورہ ص کا سجدہ:

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا سورہ ص کا سجدہ بہت تاکیدی سجدوں میں سے نہیں ہے اور میں نے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سورۃ میں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت مجاہد نے بیان کیا کہ میں نے حضرات عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ کیا میں سورہ ص میں سجدہ کروں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ آیت (وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ) 6۔ الانعام 84:) سے فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ) پڑھی اور فرمایا تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی انھی لوگوں میں سے ہیں جنہیں پہلے نبیوں کی اتباع کا حکم تھا۔ (صحیح البخاری)

(لَيْسَ مِنْ عَزَائِمِ السُّجُوْدِ بہت تاکیدی سجدوں میں سے نہیں) کا مطلب فقہ حنفی کی رو سے یہ ہے کہ یہ سجدہ فرائض

میں سے نہیں ہے بلکہ واجبات تلاوت میں سے ہے۔

علماء لکھتے ہیں کہ سورہ ص میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدہ کرنا حضرت داؤدعلیہ السلام کی موافقت اوران کی توبہ کی قبولیت کے شکر کے طور پر تھا۔

حضرت ابن عبادہ نے حضرت مجاہد کے سوال کے جواب میں پہلے آیت پڑھی جس سے اس بات کی دلیل دینا مقصود تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں میں سے ہیں کہ جنہیں سابقہ انبیاء کرام کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ لہٰذا حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے تو تمہیں بطریق اولیٰ ان کی پیروی کرنی چاہیے یعنی جب حضرت داؤدعلیہ السلام نے سجدہ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی موافقت و پیروی میں سجدہ کیا تو ہم کو چاہیے کہ ہم بھی سجدہ کریں۔

قرآن میں کل کتنے سجدے ہیں؟

حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں (یعنی عمرو ابن العاص کو) قرآن میں پندرہ سجدے پڑھائے ان میں سے تین تو مفصل (سورتوں میں ہیں اور دو سجدے سورہ حج میں ہیں۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں لفظ اقراء کے بجائے لفظ اقرائنی ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں ان کے سامنے پڑھوں۔ اس حدیث کے مطابق قرآن کریم کی پندرہ آیتیں ایسی ہیں جن کے پڑھنے اور سننے سے ایک سجدہ واجب ہوتا ہے آیتوں کی تفصیل یہ ہے سورۂ اعراف کے آخر میں یہ آیت

آیت (اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ)7 ۔ الاعراف(206:)

بیشک جولوگ (یعنی فرشتے) تیرے رب کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے غرور اور انکار نہیں کرتے اور اس کا سجدہ کرتے ہیں۔ (اس آیت میں ولہ یسجدون پر سجدہ ہے۔

(۲) سورۂ رعد کے دوسرے رکوع میں یہ آیت

آیت (وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ)13 ۔الرعد15:) وہ تمام چیزیں جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہیں خوشی سے، کوئی ناخوشی سے اوران کا سایہ صبح وشام۔ (اس آیت میں بالغد و والاصال سجدہ ہے۔

(۳) سورۂ نحل کے پانچویں رکوع کے آخر کی یہ آیت

آیت (وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَاۗبَّةٍ وَّالْمَلٰۗىِٕكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ 49)16 ۔

النحل 49:) اورتمام جاندار جوآسمانوں میں ہیں اور جوزمین میں ہیں سب اللہ کے آگے سجدہ کرتے ہیں اور فرشتے بھی، اوروہ ذرا بھی غرور نہیں کرتے اوراپنے پروردگار سے جوان کے اوپر ہے ڈرتے ہیں نیز انہیں جوحکم دیا جاتا ہے وہ اس پرعمل کرتے ہیں۔(اس آیت میں و یفعلون ما یو مرون پرسجدہ ہے۔

(۴) سورہ بنی اسرائیل کے بارھویں رکوع میں یہ آیت آیت (وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعاً) 17 ۔ الاسراء 109:)

اوروہ منہ کے بل گر پڑتے ہیں (اور) روتے جاتے ہیں اوراس سے ان میں اورزیادہ عاجزی پیدا ہوتی ہے ۔اس آیت میں ویزیدھم خشوعا پرسجدہ ہے۔

(۵) سورہ مریم کے چوتھے رکوع میں یہ آیت

آیت (اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّداً وَّبُكِيّاً 19 (۔مریم 58:)

جب پڑھی جاتی ہیں ان پر رحمٰن کی آیتیں تو گرتے ہیں وہ سجدہ کرنے کے لیے روتے ہوئے (یہ انبیاء اوران کے اصحاب کا حال بیان کیا گیا ہے)۔اس آیت میں سجدا و بکیا پرسجدہ ہے۔

(۶) سورہ، حج کے دوسرے رکوع میں آیت

آیت (اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَه مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَه مِنْ مُّكْرِمٍ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ)22 ۔ الحج(18:)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو (مخلوق) آسمانوں میں اور جوزمین میں ہے اور سورج اور چاند ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جانوراور بہت سے انسان اللہ کوسجدہ کرتے ہیں اور بہت سے آدمی ایسے ہیں جن پرعذاب ثابت ہو چکا ہے اور جس آدمی کو اللہ ذلیل کرے اس کوکوئی عزت دینے والا نہیں، بے شک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

(اس آیت میں یسجد لہ پرسجدہ ہے مگر پوری آیت پڑھنے کے بعد سجدہ ہے۔

(۷) سورہ حج کے آخری رکوع کی یہ آیت

آیت (يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ) 22 ۔ الحج(77:)

اے ایمان والو ! رکوع اورسجدہ کرتے اوراپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو اور نیک کام کروتا کہ فلاح پاؤ۔اس آیت میں لعلکم تفلحون پرسجدہ ہے۔

(۸) سورہ فرقان کے پانچویں رکوع کی یہ آیت

آیت (وَاِذَا قِیْلَ لَھُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَھُمْ نُفُوراً) 25 ۔ الفرقان60:) اس آیت میں وزادھم نفوراً پر سجدہ ھے۔

اور جب ان (عرب کے کافروں) سے کہا جاتا ہے کہ سجدہ کرو رحمٰن کو تو کہتے ہیں کہ رحمٰن کیا چیز ہے۔کیا ہم سجدہ کرلیں اس کو جس کو تم کہتے ہو اور ہم کو نفرت بڑھتی ہے۔اس آیت میں لا یسکتبرون پر سجدہ ہے۔

(۹) سورہ نمل کے دوسرے رکوع میں آیت

آیت (اَلَّا یَسْجُدُوْا لِلّٰہِ الَّذِیْ یُخْرِجُ الْخَبْءَ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَیَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ 25 اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ)(النمل(25:)

اور نہیں سمجھتے کہ اللہ کو جو آسمانوں اور زمین میں چھپی چیزوں کو نکالتا ہے اور تمہارے پوشیدہ وظاہر اعمال کو جانتا ہے کیوں سجدہ نہ کریں؟ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ،وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔

(۱۰) سورہ الم تنزیل السجدہ کے دوسرے رکوع میں یہ آیت

آیت (اِنَّمَا یُؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِّرُوْا بِھَا خَرُّوْا سُجَّداً وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّھِمْ وَھُمْ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ) 32 ۔ السجدہ(35:)

ہماری آیتوں پر وہی لوگ ایمان رکھتے ہیں کہ جب انہیں وہ آیتیں یاد دلائی جائیں تو سجدہ کرنے کے لیے گر جائیں اور اللہ کی حمد وثنا بیان کریں اور یہ لوگ غرور نہیں کرتے۔

(۱۱) سورۃ ص کے دوسرے رکوع میں یہ آیت

آیت (وَخَرَّ رَاکِعاً وَّاَنَابَ 24 فَغَفَرْنَا لَہٗ ذٰلِکَ وَاِنَّ لَہٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰی وَحُسْنَ مَاٰبٍ 25)38 ۔ص(24:

اور (داؤد علیہ السلام) گر پڑے سجدے کے لیے اور توبہ کی۔پس ہم نے ان کو بخش دیا اور بے شک ہمارے ہاں ان کا تقرب ہے اور عمدہ مقام ہے۔(اس آیت میں وحسن مآب پر سجدہ ہے۔

(۱۲) سورہ حم سجدہ کے پانچویں رکوع میں یہ آیت

آیت (فَاِنِ اسْتَکْبَرُوْا فَالَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّکَ یُسَبِّحُوْنَ لَہٗ بِالَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَھُمْ لَا یَسْئَمُوْنَ)41 ۔فصلت38:)

اگر یہ لوگ سرکشی کریں تو (اللہ کو بھی ان کی پرواہ نہیں جو فرشتے) تمہارے پروردگار کے پاس ہیں وہ رات دن اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور کبھی تھکتے ہی نہیں (اس آیت میں لا یسئمون پر سجدہ ہے یا تعبدون پر ہے

(۱۳) سورہ نجم کے آخر میں یہ آیت

آیت (فَاسْجُدُوْا لِلّٰہِ وَاعْبُدُوْا 62)53 ۔ النجم (62: سجدہ کرو اللہ کا اور عبادت کرو۔ (اس آیت میں واعبدوا پر سجدہ ہے۔

(۱۴) سورہ انشقاق میں یہ آیت

آیت (فَمَا لَھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ 20 وَاِذَا قُرِیَ عَلَیْھِمُ الْقُرْاٰنُ لَا یَسْجُدُوْنَ 21)84 ۔ الانشاق (24:)

توان لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ ایمان نہیں لاتے اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے۔

(اس آیت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور یہاں رب العرش العظیم اور بعض کے نزدیک لعلکم تغلبون پر سجدہ ہے۔) (اس آیت میں لا یسجدون پر سجدہ ہے۔

(۱۵) سورہ علق میں یہ آیت

(وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (19) (96۔العلق 19:) آیت میں واقترب پر سجدہ ہے۔

(اے محمد!) سجدہ کیجئے اور اللہ کے نزدیک ہو جایئے۔

سجود تلاوت کی تعداد میں فقہی مذاہب کا بیان :

ائمہ کے ہاں اس بات پر اختلاف ہے کہ قرآن کریم میں کل کتنی آیتیں ایسی ہیں جن کے پڑھنے یا سننے سے ایک سجدہ تلاوت واجب ہو جاتا ہے۔ حضرت امام احمد نے اس حدیث کے مطابق کہا ہے کہ ایسی آیتیں پندرہ ہیں جن کی تفصیل اوپر بیان کی گئی ہے چنانچہ انہوں نے اس حدیث کے ظاہر پر عمل کیا ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاں آیت سجدہ کی تعداد چودہ ہے۔ اس طرح کہ سورہ حج میں تو دو سجدے ہیں اور سورہ ص میں کوئی سجدہ نہیں ہے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاں آیت سجدہ کی تعداد گیارہ ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ سورہ ص، سورۂ نجم، سورۂ انشقت اور سورۂ اقرا میں سجدہ نہیں ہے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول قدیم بھی یہی ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ کل سجدوں کی تعداد چودہ ہے اس طرح کہ سورہ حج میں دو سجدے نہیں ہیں بلکہ ایک ہی سجدہ ہے جو دوسرے رکوع میں ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ حضرت عمرو ابن العاص کی یہ حدیث جس سے سجدوں کی تعداد پندرہ ثابت ہوتی ہے ضعیف ہے اور اس کو دلیل بنانا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ اس کے بعض راوی مجہول ہیں۔

نماز میں بھی سجدہ تلاوت کرنا چاہیے: علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نماز فرض اور نماز نفل میں اگر کسی آیت سجدہ کی قرأت کی جائے تو نماز ہی میں سجدہ کیا جائے یعنی جو سجدہ تلاوت نماز میں واجب ہوا سے خارج نماز میں ادا نہ کیا جائے۔ آیت سجدہ

اگر فرض نماز میں پڑھی جائے تو اس کے سجدے میں نماز کی طرح سبحان ربی الاعلیٰ کہنا ہی بہتر ہے اور اگر نفل نماز میں یا خارج نماز میں پڑھی جائے تو اس کے سجدے میں اختیار ہے کہ سبحان ربی الاعلیٰ کہا جائے اور تسبیحیں جو احادیث میں وارد ہوئی پڑھی جائیں مثلاً یہ تسبیح

سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَه، وَصَوَّرَه، وَشَقَّ سَمْعَه وَبَصَرَه، بِحَوْلِهٖ وَقُوَّتِهٖ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ۔

میرے چہرے نے اس ذات کو سجدہ کیا جس نے اس کو پیدا کیا جس نے اسی کو بنالیا اور اس میں کان و آنکھ پیدا کیں اپنی طاقت اور قوت سے پس بزرگ ہے اللہ اچھا پیدا کرنے والا ہے۔

نماز میں آخر سورۃ میں سجدہ کی آیت آ جانے کا مسئلہ: بعض علماء کا یہ قول ہے کہ نماز میں سجدہ کی جو آیت آخر سورۃ میں آ جائے تو رکوع کرنا ہی سجدے کے لیے کافی ہو جاتا ہے یعنی رکوع کرنے میں سجدہ تلاوت بھی ادا ہو جاتا ہے۔ یہ قول حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے اور یہی مسلک حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے۔

فقہ کی کتابوں میں اس مسئلے کی تفصیل اس طرح مذکور ہے کہ اگر آیت سجدہ نماز میں پڑھی جائے اور فوراً رکوع کیا جائے یا آیت سجدہ کے بعد دو تین آیتیں پڑھ کر رکوع کر لیا جائے اور اس رکوع میں جھکتے وقت سجدہ تلاوت کی بھی نیت کر لی جائے تو سجدہ ادا ہو جائے گا اور اگر اسی طرح آیت سجدہ پڑھنے کے بعد نماز کا سجدہ کیا تب بھی سجدہ ادا ہو جائے گا اور اس میں نیت کی بھی ضرورت نہ ہوگی مگر شرط یہ ہے کہ کہ ہر دو صورت میں آیت سجدہ کے بعد تین آیتوں سے زیادہ قرأت نہ کی گئی ہو کیونکہ آیتوں کے پڑھنے میں تو اختلاف بھی ہے مگر یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ تین سے زیادہ آیتیں پڑھنے کی صورت میں نماز کے رکوع یا سجود میں سجدہ تلاوت ادا نہیں ہوگا بلکہ الگ سے سجدہ تلاوت کرنا ضروری ہوگا۔

سجدہ تلاوت کے وجوب کا بیان:

وَالسَّجْدَةُ وَاجِبَةٌ فِي هٰذِهِ الْمَوَاضِعِ عَلَى التَّالِي وَالسَّامِعِ) سَوَاءٌ قَصَدَ سَمَاعَ الْقُرْآنِ أَوْ لَمْ يَقْصِدْ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (السَّجْدَةُ عَلَى مَنْ سَمِعَهَا وَعَلَى مَنْ تَلَاهَا) وَهِيَ كَلِمَةُ إِيجَابٍ وَهُوَ غَيْرُ مُقَيَّدٍ بِالْقَصْدِ (وَإِذَا تَلَا الْإِمَامُ آيَةَ السَّجْدَةِ سَجَدَهَا وَسَجَدَهَا الْمَأْمُومُ مَعَهُ) لِالْتِزَامِهِ مُتَابَعَتَهُ

ترجمہ

اور ان مقامات پر سامع و تالی پر سجدہ کرنا واجب ہے۔ چاہے وہ سننے کا ارادہ کرے یا نہ کرے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا سجدہ اس پر ہے جس نے اس کو سنا اور اس پر بھی ہے جس نے اس کو پڑھا۔ اور یہ کلمہ ایجاب ہے۔ لہذا یہ قصد کے ساتھ مقید نہ ہو گا۔ اور جب امام آیت سجدہ تلاوت کرے تو وہ سجدہ کرے اور مقتدی بھی اس کے ساتھ سجدہ کریں۔ کیونکہ امام کی اتباع لازم ہے۔

سجدہ تلاوت کے وجوب میں فقہ حنفی وشافعی کا اختلاف:

علامہ ابن مازہ بخاری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ ہمارے نزدیک تلاوت کا سجدہ واجب ہے۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک سجدہ تلاوت سنت ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ نے نبی کریم ﷺ کے سامنے آیت سجدہ پڑھی۔ اورانہوں نے سجدہ نہیں کیا اور نبی کریم ﷺ نے بھی سجدہ نہیں کیا۔ اورانہوں نے کہا کہ آپ ﷺ ہمارے امام ہیں۔ اگر آپ نے سجدہ کیا تو ہم بھی آپ کے ساتھ سجدہ کریں گے۔ لہذا اگر سجدہ تلاوت واجب ہوتا تو حضرت زید سجدہ ترک نہ کرتے اور نہ ہی نبی کریم ﷺ سجدے کو ترک فرماتے۔

جبکہ ہماری دلیل یہ ہے کہ سجدے آیات کی دلالت وجوب پر ہے کیونکہ بعض آیات میں سجدہ کرنے کا امر ہے۔ اور بعض آیات میں ترک سجدہ پر وعید کا ذکر ہوا ہے۔ لہذا ان آیات سجدہ میں حکم امر اور ترک سجدہ پر وعید والی آیات سے استدلال یہ ہے کہ سجدہ کرنا واجب ہے۔ (محیط برہانی فی فقہ نعمانی، ج ۲،ص ۳۴، بیروت)

تلاوت کرنے والے اور سننے والے دونوں پر سجدہ تلاوت واجب ہے:

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے قرآن کریم پڑھتے اور جب سجدے کی کسی آیت پر پہنچتے تو تکبیر کہتے اور سجدہ کرتے اور ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سجدہ کرتے تھے۔ (ابوداؤد)

اس حدیث سے یہ بات بصراحت معلوم ہوگئی کہ سجدہ تلاوت قاری (یعنی قرآن کریم پڑھنے والے) اور سامع (یعنی تلاوت سننے والے) دونوں پر واجب ہے۔

صرف سجدے کے وقت تکبیر کہنی چاہیے :

یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ سجدہ تلاوت کے لیے تکبیر صرف سجدے میں جاتے وقت کہنی چاہیے چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا اسی پر عمل ہے۔

البتہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک یہ مسئلہ ہے کہ جب کوئی آدمی سجدہ تلاوت کرے تو اسے پہلے ہاتھ اٹھا کر تکبیر تحریمہ کہنی چاہیے اس کے بعد سجدے کے لیے دوسری تکبیر کہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک روایت کی روشنی میں یہ ثابت ہے کہ سجدہ تلاوت کے وقت پہلے کھڑے ہونا اوراس کے بعد سجدے میں جانا مستحب ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال (کوئی) آیت پڑھی چنانچہ تمام لوگوں نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ) سجدہ تلاوت کیا سجدہ کرنے والوں میں سے بعض تو سواریوں پر تھے (اور بعض زمین پر تھے سواریوں والے اپنے ہاتھ ہی پر سجدہ کرتے تھے۔ (ابوداؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یا تو آیت سجدہ کے ساتھ کچھ اور آیتیں بھی ملا کر پڑھی ہوں گی یا پھر محض آیت سجدہ بیان جواز کے لیے پڑھی ہوگی، کیونکہ حنفیہ کے مسلک کے مطابق صرف آیت سجدہ کی تلاوت کرنا خلاف استحباب ہے۔

سواریوں والے اپنے ہاتھ ہی پر سجدہ کرتے تھے کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اپنی سواریوں مثلاً گھوڑے وغیرہ پر بیٹھے ہوئے تھے وہ اپنے ہاتھوں کو زین وغیرہ پر رکھ کر ان پر سجدہ کرتے تھے اس طرح انہیں حالت سجدہ میں زمین کی سی سختی حاصل ہو جاتی تھی۔

حضرت ابن ملک فرماتے ہیں کہ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر کوئی آدمی گردن جھکا کر اپنے ہاتھوں پر سجدہ کرے تو اس کا سجدہ جائز ہو جائے گا اور یہی قول حضرت امام ابوحنیفہ کا ہے البتہ حضرت امام شافعی کا یہ قول نہیں ہے۔

علامہ ابن ملک نے حضرت امام اعظم کا جو یہ قول ذکر کیا ہے یہ ان کے مسلک میں غیر مشہور ہے چنانچہ شرح منیہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی ہجوم واژدہام کی وجہ سے اپنی ران پر سجدہ کر لے تو جائز ہوگا اسی طرح ران کے علاوہ کسی دوسرے عضو پر بھی سجدہ کرنا جائز ہے جب کہ اسے کوئی ایسا عذر پیش ہو جو سجدہ کرنے سے مانع ہو، بغیر عذر ایسا کرنا جائز نہ ہوگا نیز اگر کوئی آدمی اپنا ہاتھ زمین پر رکھ کر اس پر سجدہ کرلے تو اگر چہ اسے کوئی عذر نہ ہو یہ جائز ہے مگر مکروہ ہوا۔

علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی بیمار ہو سجدے کی کوئی آیت پڑھے اور سجدہ کرنے پر قادر نہ ہو تو اسے سجدے کا اشارہ کر لینا کافی ہوگا۔ (فتح القدیر)

مقتدی کے سجدہ تلاوت میں امام اس کی اتباع نہ کرے:

(وَإِذَا تَلَا الْمَأْمُومُ لَمْ يَسْجُدْ الْإِمَامُ وَلَا الْمَأْمُومُ فِي الصَّلَاةِ وَلَا بَعْدَ الْفَرَاغِ) عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ : يَسْجُدُونَهَا إذَا فَرَغُوا ؛ لِأَنَّ السَّبَبَ قَدْ تَقَرَّرَ ، وَلَا مَانِعَ بِخِلَافِ حَالَةِ الصَّلَاةِ ؛ لِأَنَّهُ يُؤَدِّي إلَى خِلَافِ وَضْعِ الْإِمَامَةِ أَوْ التِّلَاوَةِ .

وَلَهُمَا أَنَّ الْمُقْتَدِيَ مَحْجُورٌ عَنْ الْقِرَاءَةِ لِنَفَاذِ تَصَرُّفِ الْإِمَامِ عَلَيْهِ ، وَتَصَرُّفُ الْمَحْجُورِ لَا حُكْمَ لَهُ ، بِخِلَافِ الْجُنُبِ وَالْحَائِضِ ؛ لِأَنَّهُمَا عَنْ الْقِرَاءَةِ مَنْهِيَّانِ ، إلَّا أَنَّهُ لَا يَجِبُ عَلَى الْحَائِضِ بِتِلَاوَتِهَا كَمَا لَا يَجِبُ بِسَمَاعِهَا ؛ لِانْعِدَامِ أَهْلِيَّةِ الصَّلَاةِ ، بِخِلَافِ الْجُنُبِ .

ترجمہ:

اور جب مقتدی نے تلاوت کی تو امام سجدہ نہ کرے اور نہ ہی وہ مقتدی نماز میں سجدہ کرے اور نہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد سجدہ کرے۔ یہ شیخین کے نزدیک ہے جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: جب وہ فارغ ہوں تو وہ سب سجدہ کریں۔ کیونکہ سبب مقرر ہو چکا ہے۔ اور حالت نماز کے سوا مانع کوئی نہیں ہے۔ اور یہ سبب چونکہ امامت کے طریقے اور نماز کے طریقے کے خلاف

پہنچانے والا تھا۔ (اور اب فارغ ہونے کے بعد وہ ختم ہو گیا لہذا سجدہ سب کریں گے)۔

اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ مقتدی کو قرأت سے روکا گیا ہے۔ کیونکہ اس پر امام کا تصرف نافذ ہے لہذا روکے گئے کا تصرف کوئی حکم نہیں رکھتا۔ بخلاف جنبی وحائض کے کیونکہ ان دونوں کا قرأت منع کیا گیا ہے۔ لیکن حائض پر اس کی تلاوت کی وجہ سے واجب نہ ہوگا جس طرح اسکی سماعت کی وجہ سے واجب نہ ہوا۔ کیونکہ اس میں نماز کی اہلیت معدوم ہے۔ جبکہ جنبی میں ایسا نہیں ہے۔

شرح:

مقتدی نماز کے احکام میں اور نماز کسی حکم کے واجب ہونے امام کے تابع ہے جبکہ امام کسی طرح مقتدی کے حالت نماز میں کسی چیز کو واجب کر لینے میں اس کے تابع نہیں۔ اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ امام کی اتباع دیگر وجوبات سے قوی ہے اور قوی کے ہوتے ہوئے کسی ضعیف حکم کی طرف جانا جائز نہیں۔

نماز سے باہر آیت سجدہ سننے والے کا حکم:

(وَلَوْ سَمِعَهَا رَجُلٌ خَارِجَ الصَّلَاةِ سَجَدَهَا) هُوَ الصَّحِيحُ ؛ لِأَنَّ الْحَجْرَ ثَبَتَ فِي حَقِّهِمْ فَلَا يَعْدُوهُمْ (وَإِنْ سَمِعُوا وَهُمْ فِي الصَّلَاةِ سَجْدَةً مِنْ رَجُلٍ لَيْسَ مَعَهُمْ فِي الصَّلَاةِ لَمْ يَسْجُدُوهَا فِي الصَّلَاةِ) ؛ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِصَلَاتِيَّةٍ ؛ لِأَنَّ سَمَاعَهُمْ هَذِهِ السَّجْدَةَ لَيْسَ مِنْ أَفْعَالِ الصَّلَاةِ (وَسَجَدُوهَا بَعْدَهَا) لِتَحَقُّقِ سَبَبِهَا (وَلَوْ سَجَدُوهَا فِي الصَّلَاةِ لَمْ يُجْزِهِمْ) ؛ لِأَنَّهُ نَاقِصٌ لِمَكَانِ النَّهْيِ فَلَا يَتَأَدَّى بِهِ الْكَامِلُ .

قَالَ (وَأَعَادُوهَا) لِتَقَرُّرِ سَبَبِهَا (وَلَمْ يُعِيدُوا الصَّلَاةَ) ؛ لِأَنَّ مُجَرَّدَ السَّجْدَةِ لَا يُنَافِي إحْرَامَ الصَّلَاةِ وَفِي النَّوَادِرِ أَنَّهَا تَفْسُدُ ؛ لِأَنَّهُمْ زَادُوا فِيهَا مَا لَيْسَ مِنْهَا ، وَقِيلَ هُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ

ترجمہ

اور اگر کسی شخص نے نماز سے باہر اس کو سنا تو وہ سجدہ کرے۔ کیونکہ حکم حجر مقتدیوں کے حق میں ثابت ہوا ہے جو ان سے آگے نہ بڑھے گا۔ اور جب نمازیوں نے حالت نماز میں ایسے شخص سے سنا جو نماز میں ان کے ساتھ نہیں ہے وہ نماز میں سجدہ نہیں کریں گے۔ کیونکہ یہ سجدہ نماز کا سجدہ نہیں ہے۔ اور ان لوگوں کا سن لینا یہ نماز کے کاموں میں سے نہیں ہے۔ اور وہ نماز کے بعد سجدہ کریں گے۔ اس لئے کہ سجدے کا سبب متحقق ہو چکا ہے۔

اور اگر انہوں نے نماز میں سجدہ کر لیا تو یہ کافی نہ ہوگا۔ کیونکہ حکم ممانعت کی وجہ سے ادا ناقص ہوئی۔ لہذا ادائے کامل کے طور پر ادا نہ ہوا۔

صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ وہ اس سجدے کا اعادہ کریں کیونکہ اس کا سبب ثابت ہو چکا ہے۔ اور وہ نماز کا اعادہ نہ کریں

کیونکہ محض سجدہ احرام صلوٰۃ کے منافی نہیں ہے۔جبکہ نوادر میں ہے کہ اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔کیونکہ انہوں نے اس چیز کو زیادہ کیا ہے جو نماز میں سے نہیں ہے۔اور بھی کہا گیا ہے کہ ایک قول امام محمد علیہ الرحمہ کا بھی یہی ہے۔

شرح:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ابن آدم (یعنی بندہ مومن) سجدے کی آیت پڑھتا ہے اور (پڑھنے والا یا سننے والا) سجدہ کرتا ہے تو اس وقت شیطان لعین روتا ہوا ایک طرف ہٹ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ! ہائے افسوس ابن آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تو اس نے سجدہ کیا اور (اس کے بدلے میں) وہ جنت کا حقدار ہے اور مجھے سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تو میں نے (سجدہ نہ کر کے پروردگار کی) نافرمانی کی چنانچہ (اس کے نتیجے میں) مجھے آگ ملی۔(صحیح مسلم)

خارج نماز سننے والے پر وجوب سجدے کا بیان:

(فَإِنْ قَرَأَهَا الْإِمَامُ وَسَمِعَهَا رَجُلٌ لَيْسَ مَعَهُ فِي الصَّلَاةِ فَدَخَلَ مَعَهُ بَعْدَمَا سَجَدَهَا الْإِمَامُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ أَنْ يَسْجُدَهَا) ؛ لِأَنَّهُ صَارَ مُدْرِكًا لَهَا بِإِدْرَاكِ الرَّكْعَةِ (وَإِنْ دَخَلَ مَعَهُ قَبْلَ أَنْ يَسْجُدَهَا سَجَدَهَا مَعَهُ) ؛ لِأَنَّهُ لَوْ لَمْ يَسْمَعْهَا سَجَدَهَا مَعَهُ فَهَاهُنَا أَوْلَى (وَإِنْ لَمْ يَدْخُلْ مَعَهُ سَجَدَهَا وَحْدَهُ) لِتَحَقُّقِ السَّبَبِ .

(وَكُلُّ سَجْدَةٍ وَجَبَتْ فِي الصَّلَاةِ فَلَمْ يَسْجُدْهَا فِيهَا لَمْ تُقْضَ خَارِجَ الصَّلَاةِ) ؛ لِأَنَّهَا صَلَاتِيَّةٌ وَلَهَا مَزِيَّةُ الصَّلَاةِ ، فَلَا تَتَأَدَّى بِالنَّاقِصِ

ترجمہ:

پس اگر امام نے پڑھا اور اس آدمی نے سنا جو امام کے ساتھ نماز میں نہیں ہے۔پھر وہ شخص سجدہ کرنے کے بعد امام کے ساتھ داخل ہو گیا۔تو اس پر سجدہ کرنا واجب نہ رہا کیونکہ وہ رکعت کو پانے کی وجہ سے سجدے کو پانے والا ہو گیا ہے۔اور اگر وہ امام کے سجدہ کرنے سے پہلے وہ داخل ہوا تو وہ امام کے ساتھ سجدہ کرے۔اس لئے کہ اگر اس نے آیت سجدہ نہ بھی سنا ہوتا تب بھی اس پر سجدہ واجب ہوتا ہے۔لہذا یہاں سننے کی وجہ سے بدرجہ اولیٰ واجب ہو گیا۔اور اگر وہ امام کے ساتھ داخل نہ ہوا تو بھی اکیلے میں یہ سجدہ کرے کیونکہ اس کا سبب ثابت ہے۔

اور ہر وہ سجدہ جو نماز میں واجب ہوا ہے پس اس نے جب اسے نماز میں ادا نہ کیا تو وہ خارج نماز میں اس کی قضاء نہ کی جائے گی۔کیونکہ یہ سجدہ صلوتیہ ہے اور سجدہ نماز کو فضیلت حاصل ہے لہذا وہ نقص کے ساتھ ادا نہ ہوگا۔

شرح:

سامع وتالی کی اصل میں اس مسئلہ کی دلیل گزر چکی ہے کیونکہ سجدہ تلاوت کا وجوب سامع وتالی دونوں پر ہے۔

بار بار آیت سجدہ پڑھنے پر وجوب سجدے کا بیان:

(وَمَنْ تَلَا سَجْدَةً فَلَمْ يَسْجُدْهَا حَتَّى دَخَلَ فِي صَلَاةٍ فَأَعَادَهَا وَسَجَدَ أَجْزَأَتْهُ السَّجْدَةُ عَنْ التِّلَاوَتَيْنِ) ؛ لِأَنَّ الثَّانِيَةَ أَقْوَى لِكَوْنِهَا صَلَاتِيَّةً فَاسْتَتْبَعَتْ الْأُولَى .وَفِي النَّوَادِرِ يَسْجُدُ أُخْرَى بَعْدَ الْفَرَاغِ لِأَنَّ لِلْأُولَى قُوَّةَ السَّبْقِ فَاسْتَوَيَا . قُلْنَا :لِلثَّانِيَةِ قُوَّةُ اتِّصَالِ الْمَقْصُودِ فَتَرَجَّحَتْ بِهَا

(وَإِنْ تَلَاهَا فَسَجَدَ ثُمَّ دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ فَتَلَاهَا سَجَدَ لَهَا) ؛ لِأَنَّ الثَّانِيَةَ هِيَ الْمُسْتَتْبِعَةُ وَلَا وَجْهَ إلَى إلْحَاقِهَا بِالْأُولَى ؛ لِأَنَّهُ يُؤَدِّي إلَى سَبْقِ الْحُكْمِ عَلَى السَّبَبِ

ترجمہ:

اور جس نے آیت سجدہ پڑھی جبکہ سجدہ نہ کیا حتیٰ کہ وہ نماز میں داخل ہو گیا پس اس نے پھر اسی آیت سجدہ کو پڑھ دیا اور سجدہ کیا تو یہ سجدہ اس کی دونوں تلاوتوں کو کافی ہوگا۔ کیونکہ دوسرا سجدہ زیادہ قوی ہے کیونکہ وہ سجدہ صلوٰتیہ ہے۔ لہذا پہلا اس کے تابع ہوگا۔ جبکہ نوادر میں ہے کہ دوسرا سجدہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد کرے۔ کیونکہ پہلے سجدے کو تقدم قوی حاصل ہے۔ پس وہ دونوں برابر ہو گئے۔ ہم نے کہا کہ دوسرا سجدہ اتصال مقصود کی وجہ سے ترجیح پا گیا لہذا دوسرے کو ترجیح حاصل ہے۔

اگر اس نے نماز سے باہر تلاوت کی اور سجدہ کیا اور پھر وہ نماز میں داخل ہوا پس اس نے پھر اسی آیت کو پڑھا تو اس کیلئے بھی سجدہ کرے۔ کیونکہ دوسرا سجدہ تو تابع کرنے والا تھا لیکن اول سجدہ کے ساتھ لاحق کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ سبب پر تقدم حکم کا باعث ہوگا۔

شرح:

تکرار مجلس واحدہ میں زیادتی کا متقاضی نہیں ہے۔ البتہ تبدیلی مجلس کی صورت میں تکرار حکم میں تکرار کو مستلزم ہے۔

ایک ہی مجلس میں تکرار آیت سجدہ کا بیان:

(وَمَنْ كَرَّرَ تِلَاوَةَ سَجْدَةٍ وَاحِدَةٍ فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ أَجْزَأَتْهُ سَجْدَةٌ وَاحِدَةٌ ، فَإِنْ قَرَأَهَا فِي مَجْلِسِهِ فَسَجَدَهَا ثُمَّ ذَهَبَ وَرَجَعَ فَقَرَأَهَا سَجَدَهَا ثَانِيَةً ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ سَجَدَ لِلْأُولَى فَعَلَيْهِ السَّجْدَتَانِ) فَالْأَصْلُ أَنَّ مَبْنَى السَّجْدَةِ عَلَى التَّدَاخُلِ دَفْعًا لِلْحَرَجِ ، وَهُوَ تَدَاخُلٌ فِي السَّبَبِ دُونَ الْحُكْمِ ، وَهَذَا أَلْيَقُ بِالْعِبَادَاتِ وَالثَّانِي بِالْعُقُوبَاتِ وَإِمْكَانُ التَّدَاخُلِ عِنْدَ اتِّحَادِ الْمَجْلِسِ لِكَوْنِهِ جَامِعًا ، لِلْمُتَفَرِّقَاتِ فَإِذَا اخْتَلَفَ عَادَ الْحُكْمُ إلَى الْأَصْلِ ، وَلَا يَخْتَلِفُ بِمُجَرَّدِ الْقِيَامِ بِخِلَافِ الْمُخَيَّرَةِ ؛ لِأَنَّهُ دَلِيلُ الْإِعْرَاضِ وَهُوَ الْمُبْطِلُ هُنَالِكَ . وَفِي تَسْدِيَةِ الثَّوْبِ يَتَكَرَّرُ الْوُجُوبُ ، وَفِي الْمُنْتَقِلِ مِنْ غُصْنٍ إلَى غُصْنٍ كَذَلِكَ فِي الْأَصَحِّ ، وَكَذَا فِي الدِّيَاسَةِ لِلِاحْتِيَاطِ .

ترجمہ:

اور جس شخص نے آیت سجدہ کو ایک ہی مجلس میں بار بار پڑھا تو اس کیلئے ایک ہی سجدہ کافی ہوگا۔اور اگر اس نے اپنی مجلس میں پڑھا پھر سجدہ کیا پھر وہ کہیں چلا گیا واپس آ کر پھر اسی آیت کو پڑھا تو دوبارہ سجدہ کرے۔اور اس نے پہلی مرتبہ کا سجدہ نہیں کیا تو اس پر دو سجدے واجب ہیں۔قانون یہ ہے کہ حرج کو دور کرنے کیلئے سجدے کا دارومدار مداخلت پر ہے۔اور یہ مداخلت سبب میں ہے حکم میں نہیں ہے۔عبادات میں یہی مداخلت زیادہ ملی ہوئی ہے جبکہ عقوبات میں ثانی زیادہ ملی ہوئی ہوتی ہے۔اور تداخل کا ممکن زیادہ اتحاد مجلس کی صورت میں ہے۔کیونکہ مجلس ہی متفرقات کو جمع کرنے والی ہے۔جب مجلس مختلف ہو جائے تو حکم اصل کی طرف لوٹ جائے گا۔اور محض قیام سے مجلس مختلف نہ ہوگی۔بخلاف اختیار کے کہ اس کی دلیل تو اعراض پر ہے اور وہی اس کو باطل کرنے والا ہے۔اور تانا تننے میں آتے جاتے میں سجدہ میں تکرار واجب ہوگا۔اور زیادہ صحیح قول کے مطابق ایک شاخ سے دوسری شاخ کی طرف جاتے ہوئے بھی یہی حکم ہے۔اور کھلیان روندنے میں احتیاط کے پیش نظر یہی حکم ہے۔

شرح:

اس کی دلیل بھی یہی ہے کہ سبب کا تکرار ان مسائل میں اس وقت موثر ہوتا ہے جب مجلس تبدیل ہو اور اگر مجلس تبدیل نہ ہو تو سبب کا تکرار حکم کے تکرار میں کچھ اثر انداز نہیں ہوتا۔

تبدیلی مجلس کی صورت میں آیت سجدہ کا حکم:

(وَلَوْ تَبَدَّلَ مَجْلِسُ السَّامِعِ دُونَ التَّالِي يَتَكَرَّرُ الْوُجُوبُ) ؛ لِأَنَّ السَّبَبَ فِي حَقِّهِ السَّمَاعُ (وَكَذَا إذَا تَبَدَّلَ مَجْلِسُ التَّالِي دُونَ السَّامِعِ) عَلَى مَا قِيلَ ، وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ لَا يَتَكَرَّرُ الْوُجُوبُ عَلَى السَّامِعِ لِمَا قُلْنَا .

(وَمَنْ أَرَادَ السُّجُود كَبَّرَ وَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ وَسَجَدَ ثُمَّ كَبَّرَ وَرَفَعَ رَأْسَهُ) اعْتِبَارًا بِسَجْدَةِ الصَّلَاةِ وَهُوَ الْمَرْوِيُّ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ (وَلَا تَشَهُّدَ عَلَيْهِ وَلَا سَلَامَ) ؛ لِأَنَّ ذَلِكَ لِلتَّحَلُّلِ وَهُوَ يَسْتَدْعِي سَبْقَ التَّحْرِيمَةِ وَهِيَ مُنْعَدِمَةٌ .

ترجمہ:

اور اگر پڑھنے والے کی مجلس تبدیل ہوگئی سوائے تلاوت کرنے والے کہ تو سامع پر وجوب مکرر ہو جائے گا۔کیونکہ حق سامع میں سبب ہی اسی طرح ہے۔اور اسی طرح جب سامع کے سوا تالی کی مجلس تبدیل ہوئی تو بھی وہی حکم ہے جو کہا گیا ہے جبکہ زیادہ صحیح یہ روایت ہے۔کہ سامع پر تکرار واجب نہ ہوگا جس کی دلیل ہم بیان کر چکے ہیں۔

اور جس نے سجدہ تلاوت کرنے کا ارادہ کیا تو وہ تکبیر کہے اور رفع یدین نہ کرے۔پھر نماز کے سجدے پر قیاس کرتے ہوئے پھر وہ تکبیر کہتے ہوئے سجدے سے سر اٹھائے۔اور یہی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے۔اور اس پر

کوئی تشہد وسلام نہیں۔اس لئے سلام خروج نماز کیلئے ہوتا ہے۔اوراس کا تقاضہ سبقت تحریمہ ہےاوروہ یہاں معدوم ہے۔

شرح:

علامہ حصکفی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔سجدہ تلاوت کا طریقہ یہ ہے کہ قبلہ رخ کھڑے ہوکر اللہ اکبر کہتا ہوا سجدہ میں جائے اور کم سے کم تین بار سبحان ربی الاعلی کہے پھر اللہ اکبر کہتا ہوا کھڑا ہو جائے ،بس نہ اس میں اللہ کہتے ہوئے ہاتھ اٹھانا ہے نہ اس میں تشہد ہے نہ سلام۔(درمختار،ج 1ص(513)

ایک مجلس میں آیت سجدہ پڑھی اور سجدہ کرلیا۔پھر اُسی مجلس میں دوبارہ اُسی آیت کی تلاوت کی تو دوسرا سجدہ واجب نہیں ہوگا۔خلاصہ یہ ہے کہ ایک مجلس میں اگر بار بار آیت سجدہ پڑھی تو ایک ہی سجدہ واجب ہوگا اور اگر مجلس بدل کر وہی آیت سجدہ پڑھی تو جتنی مجلسوں میں اس آیت کو پڑھے گا اتنے ہی سجدے اُس پر واجب ہو جائیں گے۔

مجلس بدلنے کی بہت سی صورتیں ہیں۔مثلاً کبھی تو جگہ بدل جانے سے مجلس بدل جاتی ہے۔جیسے مدرسہ ایک مجلس ہے اور مسجد ایک مجلس ہے اور کبھی ایک ہی جگہ میں کام بدل جانے سے مجلس بدل جاتی ہے۔جیسے ایک ہی جگہ بیٹھ کر سبق پڑھایا تو یہ مجلس درس ہوئی۔پھر اسی جگہ بیٹھے بیٹھے لوگوں نے کھانا شروع کر دیا تو یہ مجلس بدل گئی کہ پہلے مجلسِ درس تھی اب مجلس طعام ہوگئی۔کسی گھر میں ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں چلے جانے کمرے سے صحن میں چلے جانے سے مجلس بدل جاتی ہے۔کسی بڑے ہال میں ایک کونے سے دوسرے کونے میں چلے جانے سے مجلس بدل جاتی ہے وغیرہ وغیرہ،مجلس کے بدل جانے کی بہت سی صورتیں ہیں۔(درمختار،ج1ص 520وعالمگیری ج 1ص(126)

درمیان قرأت میں آیت سجدہ کو چھوڑنا مکروہ ہے:

قَالَ (وَيُكْرَهُ أَنْ يَقْرَأَ السُّورَةَ فِي الصَّلَاةِ أَوْ غَيْرِهَا وَيَدَعَ آيَةَ السَّجْدَةِ) ؛لِأَنَّهُ يُشْبِهُ الِاسْتِنْكَافَ عَنْهَا (وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَقْرَأَ آيَةَ السَّجْدَةِ وَيَدَعَ مَا سِوَاهَا) ؛لِأَنَّهُ مُبَادَرَةٌ إلَيْهَا .

قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ :أَحَبُّ إلَيَّ أَنْ يَقْرَأَ قَبْلَهَا آيَةً أَوْ آيَتَيْنِ دَفْعًا لِوَهْمِ التَّفْضِيلِ وَاسْتَحْسَنُوا إخْفَاءَهَا شَفَقَةً عَلَى السَّامِعِينَ .

ترجمہ:

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ نماز یا غیر نماز میں کسی سورۃ کو پڑھنا اور آیت سجدہ کو چھوڑنا مکروہ ہے۔کیونکہ اس کا یہ عمل سجدے سے اعراض کے مشابہ ہے۔اوراس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ آیت سجدہ کو پڑھے اوراس کے سوا کو چھوڑ دے۔ کیونکہ یہ تو سجدے میں بڑھنے کی طرف اقدام ہے۔اورامام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ مجھے پسند یہ ہے کہ تفصیل کے وہم کو دور کرنے کیلئے آیت سجدہ سے پہلے ایک یا دو آیات پڑھ لے۔سامعین پر شفقت کے پیش نظر نے علماء نے اس کے اخفاء کو مستحسن قرار دیا ہے۔

شرح:

حکم کراہت کی دلیل واضح ہے کہ قرآن مجید میں سجدے کا حکم بھی اسی طرح قابل تعظیم ہے جس طرح باقی احکام ہیں۔

بَابُ صَلَاةِ الْمُسَافِر

﴿یہ باب نماز سفر کے بیان میں ہے﴾

مسافر کی نماز والے باب کی مناسبت کا بیان:

نماز کو مکمل پڑھنا یہ عزیمت ہے جبکہ قصر نماز جو حالت سفر میں پڑھی جاتی ہے یہ رخصت ہے۔ وجود عزیمت وجود رخصت سے مقدم ہوتا ہے۔ اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ مکمل نماز پڑھنے کا حکم حالت اصلیہ ہے جبکہ قصر حالت فرعیہ ہے حالت اصلیہ ہمیشہ حالت فرعیہ سے مقدم ہوتی ہے۔ اس کی تیسری وجہ یہ ہے کہ عزیمت علی الاطلاق ہوتی ہے جبکہ حالت رخصت مقید ہوتی ہے اور مطلق ہمیشہ مقید پر مقدم ہوتا ہے۔

نماز سفر کا بیان:

مسافر جب اپنے گاؤں یا شہر کی آبادی سے باہر نکل جائے تو اس پر قصر واجب ہے، پوری چار رکعت والی فرض نماز کی دو رکعتیں ہی پڑھنا واجب ہے اگر کوئی آدمی سفر کی حالت میں جب کہ اس پر قصر واجب ہے، پوری چار رکعتیں پڑھے گا تو گنہگار ہوگا اور دو واجب کو چھوڑنے والا ہوگا یعنی ایک واجب تو قصر کا ترک ہوگا اور دوسرے قعدہ اخیرہ کے بعد فوراً سلام پھیرنا، کیونکہ مسافر کے حق میں پہلا قعدہ ہی قعدہ اخیرہ ہوتا ہے اس کے بعد اسے فوراً سلام پھیر دینا چاہیے اگر اس نے نہیں پھیرا بلکہ کھڑا ہو گیا اس طرح اس نے دوسرے واجب کو ترک کیا۔

اس موقع پر اتنی بات بھی جانتے چلئے کہ مسافر کے لیے قصر کے جواز میں کسی بھی عالم اور کسی بھی امام کا اختلاف نہیں ہے صرف اتنی بات ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک تو قصر واجب ہے لیکن امام شافعی کے ہاں قصر اولیٰ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسافر قصر نہیں کرے گا تو وہ امام صاحب کے مسلک کی رو سے گنہگار رہوگا، مگر حضرت شافعی کا مسلک اسے گنہگار نہیں قرار دے گا۔ بلکہ اولیٰ وافضل چیز کو ترک کرنے والا کہلائے گا۔

سفر کے عذر شرعی ہونے کا بیان:

السَّفَرُ الَّذِي يَتَغَيَّرُ بِهِ الْأَحْكَامُ أَنْ يَقْصِدَ الْإِنْسَانُ مَسِيرَةَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا سَيْرَ الْإِبِلِ وَمَشْيَ الْأَقْدَامِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (يَمْسَحُ الْمُقِيمُ كَمَالَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ وَالْمُسَافِرُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا) عَمَّ بِالرُّخْصَةِ الْجِنْسَ .

وَمِنْ ضَرُورَتِهِ عُمُومُ التَّقْدِيرِ وَقَدَّرَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ بِيَوْمَيْنِ وَأَكْثَرِ الْيَوْمِ الثَّالِثِ ، وَالشَّافِعِيُّ بِيَوْمٍ وَلَيْلَةٍ فِي قَوْلٍ ، وَكَفَى بِالسُّنَّةِ حُجَّةً عَلَيْهِمَا (وَالسَّيْرُ الْمَذْكُورُ هُوَ الْوَسَطُ) وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ

رَحِمَهُ اللّٰهُ التَّقْدِيرُ بِالْمَرَاحِلِ وَهُوَ قَرِيبٌ مِنَ الْأَوَّلِ وَلَا مُعْتَبَرَ بِالْفَرَاسِخِ هُوَ الصَّحِيحُ (وَلَا يُعْتَبَرُ السَّيْرُ فِي الْمَاءِ) مَعْنَاهُ لَا يُعْتَبَرُ بِهِ السَّيْرُ فِي الْبَرِّ، فَأَمَّا الْمُعْتَبَرُ فِي الْبَحْرِ فَمَا يَلِيقُ بِحَالِهِ كَمَا فِي الْجَبَلِ.

ترجمہ

وہ سفرجس سے احکام تبدیل ہوجاتے ہیں۔یہ کہ انسان تین دن اوراس کی راتوں میں اونٹ کی چال یاقدموں کی چال سے چلنے کاارادہ کرے۔کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مقیم مسح پورا کرے ایک دن اوررات اور مسافر تین دن اوراس کی راتوں میں مسح پورا کرے۔اور یہ جنس رخصت کوعام ہے۔اوراس کے لوازمات سے قیاس عام ہے۔اورامام ابویوسف علیہ الرحمہ نے دفر کی مدت دودن اورتیسرے دن کا اکثر شمار کیا ہے۔اورامام شافعی علیہ الرحمہ کے ایک قول کے مطابق ایک دن اورایک رات ہے۔اور یہ حدیث دونوں کے خلاف دلیل ہے۔اور چلنے سے مراد درمیانی چال ہے۔اورامام اعظم رضی اللہ عنہ سے مراحل کا اندازہ ہےاوروہی پہلے کے قریب ہے۔جبکہ فراسخ کے ساتھ اعتبارنہیں کیاجائے گااور یہی صحیح ہے۔اور پانی میں چلنے کا اعتبار نہیں کیاجائے گا۔اس کامعنی یہ ہے کہ خشکی کا چلنا پانی میں چلنے پر اعتبارنہیں کیاجائے گا۔البتہ سمندر میں اعتبار کیاجائے گا کیونکہ وہ اپنی حالت میں پہاڑ کی حالت کی طرح ملاہوا ہے۔

مسافت کے بارے فقہی مذاہب کابیان:

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک روایت کے مطابق ایک روز کی مسافت اوردوسری روایت کے مطابق دو روز کی مسافت کومقرر کیا ہےلیکن ان کے مسلک کی کتاب حاوی میں سولہ فرسخ کاتعین کیا گیا ہےاور یہی مسلک حضرت امام مالک وحضرت امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما کا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ نے مسافت قصر کے سلسلے میں تین منزلیں کی حد مقرر کی ہیں اورایک منزل اتنی مسافت پر ہوکہ چھوٹے دنوں میں قافلہ صبح کوچل کر دو پہر کے بعد منزل پر پہنچ جائے۔حضرت امام ابویوسف دوروز اورتیسرے روز کے اکثر حصہ کی مسافت کومسافت قصر قراردیا ہے۔

اصحاب ظواہر(وہ جماعت جوصرف حدیث کے ظاہری الفاظ پرعمل پیراہوتی ہے) نے مطلقاً سفر کا اعتبار کیا ہے یعنی ان کےنزدیک مسافت قصر کی کوئی حد مقررنہیں ہے خواہ سفرلمباہو یاچھوٹا ہو ہرصورت میں نماز قصرادا کی جائے گی۔

اس سلسلے میں اگر چاروں ائمہ کے مسلک کودیکھاجائے تو معلوم ہوگا کہ حقیقت اورنتیجے کے اعتبار سے سب کا یکساں ہی مسلک ہے کیونکہ حنفیہ کے نزدیک مشہور مسلک کے مطابق مسافت قصر (۴۸) میل مقرر ہے، حاوی قول کے مطابق شوافع کے ہاں سولہ فرسخ مقرر ہےاورسولہ فرسخ حساب کے اعتبار سے (۴۷) میل کے برابر ہے اسی طرح حضرت امام مالک و حضرت امام احمد کا یہی مسلک ہے لہٰذا چاروں مسلک میں مسافت قصر (۴۸) میل ہوئی۔

میل کی مسافت کا بیان:

میل تین فرسخ کا ہوتا ہے اور ہر فرسخ بارہ ہزار قدموں کا ہوتا ہے۔ابن شجاع نے کہا ہے کہ میل تین ہزار پانچ سو گز سے لیکر چار ہزار گزوں کا ہوتا ہے۔اور میل کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے اس کی وجہ سے حرج لازم آتا ہے۔جو کہ اٹھالیا گیا ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج۱،ص ۱۸۵، بیروت)

مسافت قصر کا بیان:

قصر اتنی مسافت کے لیے واجب ہوتا ہے جو متوسط چال سے تین دن سے کم میں طے نہیں ہو سکتی۔متوسط چال سے مراد آدمی یا اونٹ کی متوسط رفتار ہے تین دن کی مسافت ہے یہ مراد ہے کہ صبح سے دوپہر تک چلے نہ یہ کہ صبح سے شام تک،اسی لیے فقہاء نے موجودہ زمانے میں اس مسافت کا اندازہ اڑتالیس میل کیا ہے گویا اگر کوئی آدمی اڑتالیس میل (تقریباً ۷۸ کلومیٹر) کی مسافت کے لیے اپنے گھر سے سفر پر نکلے تو جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا اپنے گاؤں یا شہر کی آبادی سے باہر نکلتے ہی اس پر قصر واجب ہو جاتا ہے۔اگر کوئی آدمی مسافت قصر (یعنی ۴۸ میل یا ۷۸ کلومیٹر) کو کسی تیز سواری مثلاً گھوڑے یا ریل وغیرہ کے ذریعے تین دن سے کم میں طے کرے تب بھی وہ مسافر سمجھا جائے گا اسے بھی قصر نماز پڑھنی چاہیے۔

مدت قصر کا بیان:

مسافر کو اس وقت تک قصر کرنا چاہیے۔جب تک کہ اپنے وطن اصلی نہ پہنچ جائے یا کسی مقام پر کم سے کم پندرہ دن ٹھہرنے کا قصد نہ کرے بشرطیکہ وہ مقام ٹھہرنے کے لائق ہو اگر کوئی آدمی دریا میں ٹھہرنے کی نیت کرے یا دار الحرب میں یا اسی طرح جنگل میں تو اس نیت کا کچھ اعتبار نہ ہوگا۔ہاں خانہ بدوش لوگ اگر جنگل میں بھی پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کریں تو یہ نیت صحیح ہو جائے گی اس لیے کہ وہ جنگلوں میں ہی رہنے کے عادی ہوتے ہیں۔

اگر کوئی آدمی اس مقدار مسافت کو قطع کرنے سے قبل کہ جس کا سفر میں اعتبار کیا گیا ہے کسی مقام پر ٹھہرنے کی یا اپنے وطن لوٹ جانے کی نیت کرے تو وہ مقیم ہو جائے گا۔اگر چہ پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت کی ہو اب یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے سفر کے ارادے کو ختم کر دیا ہے۔

مدت اقامت میں فقہاء احناف وشوافع کا فقہی استدلال:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حجۃ الوداع کے موقع پر مدینہ سے مکہ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (چار رکعتوں والی نماز کی) دو دو رکعتیں پڑھیں یہاں تک کہ ہم مدینہ واپس آئے۔حضرت انس سے پوچھا گیا کہ کیا آپ لوگ مکہ میں کچھ دن ٹھہرے تھے؟ حضرت انس نے فرمایا کہ (ہاں) ہم لوگ مکہ میں دس دن ٹھہرے تھے۔ (بخاری وصحیح مسلم)

حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء صحابہ کا قیام مکہ میں دس دن اس طرح رہا کہ آپ صلی

اللہ علیہ وسلم مکہ میں ذی الحجہ کی چار تاریخ کو پہنچے تھے اور ارکان حج وغیرہ سے فراغت کے بعد چودھویں ذی الحجہ کی صبح کو وہاں سے مدینہ کے لیے روانہ ہو گئے۔

بہر حال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حالت سفر میں کسی جگہ دس دن ٹھہرنے سے کوئی آدمی مقیم نہیں ہوتا اس کے لیے قصر نماز پڑھنی جائز ہے جب کہ یہ حدیث بظاہر حضرت امام شافعی کے مسلک کے خلاف معلوم ہوتی ہے کیونکہ ان کے نزدیک اگر کوئی آدمی کہیں چار دن سے زیادہ ٹھہرے گا تو پھر اس کے لئے قصر جائز نہیں اسے پوری نماز پڑھنی ضروری ہوگی اس کی پوری تفصیل اگلی حدیث میں آرہی ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کہیں) سفر پر تشریف لے گئے اور وہاں انیس دن قیام فرمایا (دوران قیام) آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو دو رکعتیں نماز پڑھتے رہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ بھی جب مکہ اور اپنے (یعنی مدینہ) کے درمیان کہیں انیس دن قیام کرتے ہیں تو دو دو رکعتیں نماز پڑھتے ہیں اور جب اس سے زیادہ ٹھہرتے ہیں تو چار رکعت نماز پڑھتے ہیں۔ (صحیح البخاری)

فاقام تسعة عشر یوما کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انیس دن بغیر اقامت کے اس طرح ٹھہرے کہ امروز فردا میں وہاں سے روانہ ہو جانے کا ارادہ فرماتے رہے مگر بلا قصد وارادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام وہاں انیس دن ہو گیا۔ مگر اس سے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اگر کوئی آدمی حالت سفر میں کہیں انیس دن ٹھہر جائے تو وہ قصر نماز پڑھ سکتا ہے۔ ہاں انیس دن بعد اس کے لیے قصر جائز نہیں ہوگا اس مسئلے میں حضرت عبداللہ ابن عباس منفرد ہیں اور کسی کا بھی یہ مسلک نہیں ہے۔

مدت اقامت کے سلسلے میں ابتداء باب میں تفصیل کے ساتھ مسئلہ بیان کیا جا چکا ہے۔ اس موقع پر پھر جان لیجئے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی حالت سفر میں کسی جگہ پندرہ دن سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ تو اس کے لیے قصر جائز نہیں ہے بلکہ وہ پوری نماز پڑھے اور اگر کوئی آدمی پندرہ دن یا پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو قصر نماز پڑھے بلکہ اگر وہ اقامت کی نیت نہ کرے اور آج کل میں وہاں سے روانہ ہونے کا ارادہ کرتا رہے اور اس طرح بلا قصد ارادہ اس کے قیام کا سلسلہ برسوں تک بھی دراز ہو جائے تب بھی وہ قصر نماز پڑھتا رہے امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہی مسئلہ جلیل القدر صحابہ مثلاً حضرت عبداللہ ابن عمر وغیرہ سے نقل کیا ہے۔

حضرت امام محمد نے کتاب الآثار میں نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر آذر بائیجان میں چھ مہینے اس طرح ٹھہرے رہے کہ آج کل میں وہاں سے چلنے کا ارادہ کرتے رہے مگر بلا قصد وارادہ ان کا قیام اس قدر طویل ہو گیا چنانچہ وہ اس مدت میں برابر قصر نماز پڑھتے رہے اس موقع پر دیگر صحابہ بھی ان کے ہمراہ تھے اسی طرح حضرت انس بھی مروان کے بیٹے عبدالملک کے

ہمراہ شام میں دو مہینے تک بلاقصد ارادہ ٹھہرے رہے اور وہاں دو دو رکعت نماز پڑھتے رہے۔

اس مسئلے میں حضرت امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی جگہ علاوہ دو دن آنے اور جانے کے چار روز سے زیادہ قیام کا ارادہ رکھتا ہے تو وہ مقیم ہو جاتا ہے اس کے لیے قصر جائز نہیں ہے وہ پوری نماز پڑھے اسی طرح اقامت کی نیت کے بغیر امروز وفردا میں چلنے کا ارادہ کرتے کرتے بلاقصد وارادہ اٹھارہ دن سے زیادہ ٹھہر جانے تو تب بھی اس کے لیے قصر جائز نہیں ہوگا وہ پوری نماز پڑھے امام شافعی کی فقہ میں یہی معتمد اور صحیح قول ہے۔

مسافر چار رکعتوں والے فرائض میں دو رکعتیں پڑھے گا:

قَالَ (وَفَرْضُ الْمُسَافِرِ فِي الرُّبَاعِيَّةِ رَكْعَتَانِ لَا يَزِيدُ عَلَيْهِمَا) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ فَرْضُهُ الْأَرْبَعُ وَالْقَصْرُ رُخْصَةٌ اعْتِبَارًا بِالصَّوْمِ .

وَلَنَا أَنَّ الشَّفْعَ الثَّانِيَ لَا يُقْضَى وَلَا يُؤْثَمُ عَلَى تَرْكِهِ ، وَهَذَا آيَةُ النَّافِلَةِ بِخِلَافِ الصَّوْمِ ؛ لِأَنَّهُ يُقْضَى (وَإِنْ صَلَّى أَرْبَعًا وَقَعَدَ فِي الثَّانِيَةِ قَدْرَ التَّشَهُّدِ أَجْزَأَتْهُ الْأُولَيَانِ عَنْ الْفَرْضِ وَالْأُخْرَيَاتُ لَهُ نَافِلَةٌ) اعْتِبَارًا بِالْفَجْرِ ، وَيَصِيرُ مُسِيئًا لِتَأْخِيرِ السَّلَامِ (وَإِنْ لَمْ يَقْعُدْ فِي الثَّانِيَةِ قَدْرَهَا بَطَلَتْ) ؛ لِاخْتِلَاطِ النَّافِلَةِ بِهَا قَبْلَ إكْمَالِ أَرْكَانِهَا .

ترجمہ

فرمایا: اور مسافر کی فرض چار میں دو رکعتیں ہیں۔ اور ان دونوں پر زیادتی نہیں کی جائے گی۔ اور امام شافعی علیہ الرحمہ روزے پر قیاس کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کا فرض تو چار رکعتیں ہی ہے جبکہ رخصت قصر ہے۔

جبکہ ہمارے نزدیک شفعہ ثانی کی قضاء نہیں کی جائے گی اور نہ ہی اس کے ترک سے گناہگار ہوگا۔ اور یہی اس کے نفل ہونے کی علامت ہے بخلاف روزے کے کیونکہ اس کی قضاء کی جاتی ہے۔ اور اگر اس نے چار رکعتیں پڑھیں۔ اور دوسری میں تشہد کی مقدار قعدہ کیا تو پہلی دونوں رکعتیں فرض کیلئے کافی ہوں گی۔ اور دوسری دو اس کے حق میں نفل ہوں گی۔ اسے فجر پر قیاس کیا جائے گا۔ اور تاخیر سلام کی وجہ سے وہ گناہگار ہوگا۔ اور اگر وہ دوسری تشہد کی مقدار نہ بیٹھا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ فرض کے ارکان پورے ہونے سے پہلے ہی نفل اس میں مل گئے۔

شرح:

امام مسلم علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہ، نے تمہارے نبی سرتاج دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی حضر میں چار رکعتیں فرض کی ہیں۔ اور سفر میں دو رکعتیں اور خوف کی حالت میں ایک رکعت فرض کی ہے۔ (صحیح مسلم)

وفـی السفـر رکعتین احناف کے مسلک کی صریح دلیل ہے کہ سفر کی حالت میں دو ہی رکعتیں پڑھی جائیں پوری نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔

حالت سفر میں پوری نماز پڑھنے سے متعلق فقہ شافعی اوراس کی دلیل وجواب:

وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ☆ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اِنَّ الْكٰفِرِیْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ۔(النساء ،۱۰۱)

اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر گناہ نہیں کہ بعض نمازیں قصر سے پڑھو اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں ایذا دیں گے بے شک کفار تمہارے کھلے دشمن ہیں۔(کنزالایمان)

اس آیت کی وضاحت میں فقہاء شوافع نے یہ دلیل اخذ کی ہے۔ کہ تم پر کوئی حرج نہیں کا معنی یہ ہے کہ قصر تمہارے لئے رخصت ہے۔ اگر تم عزیمت پر عمل کرتے ہوئے پوری نماز پڑھو تو اس میں بھی تمہارے لئے کوئی حرج نہیں۔ جبکہ فقہاء احناف فرماتے ہیں کہ قصر کی رخصت یہ شارع کی طرف سے صدقہ جسے قبول کرنا چاہیے اوراس کو قبول نہ کرنا جائز نہیں۔

یعلی بن امیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہم تو امن میں ہیں پھر ہم کیوں قصر کرتے ہیں فرمایا اس کا مجھے بھی تعجب ہوا تھا تو میں نے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے لئے یہ اللہ کی طرف سے صدقہ ہے تم اس کا صدقہ قبول کرو۔(صحیح مسلم)

اس حدیث میں ''فـا قبـلـوا '' امر کا صیغہ ہے جو وجوب کا فائدہ دیتا ہے۔ لہذا قصر کرنے کا وجوب ثابت ہوجائے گا جیسا کہ فقہاء احناف کا موقف ہے۔

اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں چار رکعت والی نماز کو پورا پڑھنا جائز نہیں ہے کیونکہ جو چیزیں قابل تملیک نہیں ہیں ان کا صدقہ اسقاط محض ہے رد کا احتمال نہیں رکھتا۔ آیت کے نزول کے وقت سفر اندیشہ سے خالی نہ ہوتے تھے اس لئے آیت میں اس کا ذکر بیان حال ہے شرط قصر نہیں حضرت عبداللہ بن عمر کی قراءت بھی دلیل ہے جس میں "اَنْ یَّفْتِنَكُمْ "بغیر " اِنْ خِفْتُمْ " کے ہے صحابہ کا بھی یہی عمل تھا کہ امن کے سفروں میں بھی قصر فرماتے جیسا کہ اوپر کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے اور احادیث سے بھی یہ ثابت ہے اور پوری چار پڑھنے میں اللہ تعالی کے صدقہ کا رد کرنا لازم آتا ہے لہذا قصر ضروری ہے۔

مسئلہ: جس سفر میں قصر کیا جاتا ہے اس کی ادنی مدت تین رات دن کی مسافت ہے جو اونٹ یا پیدل کی متوسط رفتار سے طے کی جاتی ہو اوراس کی مقداریں خشکی اور دریا اور پہاڑوں میں مختلف ہوجاتی ہیں جو مسافت متوسط رفتار سے چلنے والے تین روز میں طے کرتے ہوں اوراس کے سفر میں قصر ہوگا۔

مسئلہ: مسافر کی جلدی اور دیر کا اعتبار نہیں خواہ وہ تین روز کی مسافت تین گھنٹہ میں طے کرے جب بھی قصر ہوگا اور اگر ایک

روز کی مسافت تین روز سے زیادہ میں طے کرے تو قصر نہ ہوگا غرض اعتبار مسافت کا ہے۔ (خزائن العرفان)

فقہاء شوافع کی دوسری دلیل اوراس کا جواب:

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کچھ کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (سفر کی حالت میں) کم رکعتیں بھی پڑھی ہیں اور پوری بھی پڑھی ہیں۔ (شرح السنہ)

چنانچہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عمل اسی حدیث پر ہے وہ فرماتے ہیں کہ سفر میں قصر کرنا بھی جائز ہے اور پوری نماز پڑھنا بھی جائز ہے جب کہ حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک سفر میں پوری نماز پڑھنی جائز نہیں ہے۔ اگر کوئی آدمی قصر نہیں کرے گا بلکہ پوری نماز پڑھے گا تو وہ گنہگار ہوگا۔

یہ حدیث اگر چہ امام شافعی کی دلیل ہے لیکن اہل نظر کا کہنا ہے کہ اس حدیث کے سلسلہ روایت میں ابراہیم بن یحییٰ کا نام بھی آتا ہے جس کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف قرار دی گئی ہے یہی وجہ ہے کہ صاحب سفر السعادۃ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مرتبہ صحت کو پہنچی ہوئی نہیں ہے اور سفر کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوری نماز پڑھنا ثابت نہیں ہے اور دار قطنی اور بیہقی وغیرہ نے جو روایت نقل کی ہے جس سے حالت سفر میں اتمام اور قصر دونوں کا جواز ثابت ہوتا ہے بلکہ دار قطنی نے اس کی صراحت بھی کی ہے کہ اس کی سند صحیح ہے تو اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ اگر اس روایت کو صحیح مان بھی لیا جائے تو اس کا تعلق حکم اول سے ہوگا یعنی ابتداء میں تو اتمام اور قصر دونوں جائز تھے۔ مگر بعد میں قصر ہی کو ضروری قرار دیدیا گیا۔

یہاں حضرت عائشہ کی جو روایت نقل کی گئی ہے اس کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ حدیث کے پہلے جزء کا تعلق تو ان نمازوں سے ہے جن میں قصر کیا جاتا ہے مثلاً چار رکعتوں والی نماز اور دوسرے جز کا تعلق ان نمازوں سے ہے جن میں قصر ہوتا ہی نہیں جیسے تین یا دو رکعتوں والی نماز یعنی چار رکعتوں والی نماز میں تو قصر کرتے تھے اور تین و دو رکعتوں والی نماز کو پورا کر کے پڑھتے تھے اسی مفہوم کو مراد لینے سے ظاہری معنی و مفہوم سے زیادہ دور جانا نہیں پڑتا کیونکہ قصر و اتمام دونوں ہی اپنی اپنی جگہ مفہوم ہو جاتے ہیں اور یہ توجیہ بہت مناسب اور قریب از حقیقت ہے۔

قصر صرف چار رکعتوں والی نمازوں ہی میں جائز ہے:

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سفر کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ظہر کی دو رکعتیں اور اس کے بعد (یعنی سنت کی) دو رکعتیں پڑھی ہیں۔ ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر میں بھی نماز پڑھی ہے اور شہر (یعنی حضر) میں بھی، چنانچہ میں نے شہر میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ظہر کی چار رکعتیں اور اس کے بعد (سنت کی) دو رکعتیں پڑھی ہیں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس نماز میں سفر وشہر میں کوئی (زیادتی) نہیں کرتے تھے اور مغرب ہی کی نماز دن کے وتر (کہلاتے) ہیں اور اس کے بعد (سنت کی) دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ (جامع ترمذی)

اس حدیث سے یہ بات بصراحت معلوم ہوئی کہ سفر کی حالت میں قصر ان ہی نمازوں میں جائز ہے جو چار رکعتوں والی ہیں جیسے ظہر، عصر اور عشاء جو نماز چار رکعت والی نہیں ہیں جیسے مغرب اور فجر ان میں قصر جائز نہیں ہے۔ یہ نمازیں جس طرح حضر میں پڑھی جاتی ہیں اسی طرح انہیں سفر میں پڑھنا چاہیے۔

وھی وتر النھار کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح نماز وتر رات کے وتر ہیں اسی طرح مغرب کی نماز دن کے وتر ہیں گویا اس قول سے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے قول کی تائید ہوتی ہے کہ وتر کی نماز ایک سلام کے ساتھ تین رکعتیں ہیں۔

ابن ملک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سنت مؤکدہ حضر کی طرح سفر میں پڑھنی چاہیے۔ مگر حنفیہ کے ہاں معتمد اور صحیح قول یہ ہے کہ جب مسافر کسی جگہ منزل کرے تو وہاں سنتیں پڑھ لے مگر راستے میں چھوڑ دے نہ پڑھے۔

حالت سفر میں سنن ونوافل پڑھنے کا حکم:

حضرت حفص بن عاصم بن عمر فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد محترم نے حدیث سنائی فرمایا کہ سفر میں ابن عمر کے ساتھ تھے۔ انہوں نے ہمیں نماز پڑھائی پھر ہم انکے ساتھ واپس ہوئے اور وہ بھی واپس ہو گئے۔ فرمایا کہ انہوں نے مڑ کر دیکھا تو کچھ لوگ نماز پڑھ رہے تھے۔ فرمایا یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے کہا نفل پڑھ رہے ہیں۔ فرمایا اگر میں نے نفل پڑھنی ہوتے تو فرض نماز کو بھی پورا کر لیتا۔ اے میرے بھتیجے! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہا۔ آپ نے سفر میں دو رکعت سے زیادہ کچھ نہ پڑھا یہاں تک اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے پاس بلا لیا۔ پھر میں ابوبکر کے ساتھ بھی رہا۔ آپ نے بھی دو رکعت سے زیادہ کچھ نہ پڑھا۔ پھر میں عمر کے ساتھ بھی رہا آپ نے بھی دو رکعت سے زیادہ کچھ نہ پڑھا۔ میں عثمان کے ساتھ رہا۔ آپ نے بھی دو رکعت سے زیادہ نہ پڑھا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں حضرات کو اٹھالیا اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے بے شک تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بہترین نمونہ ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

نماز قصر کی ابتداء کرنے کا بیان:

(وَإِذَا فَارَقَ الْمُسَافِرُ بُيُوتَ الْمِصْرِ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ) ؛ لِأَنَّ الْإِقَامَةَ تَتَعَلَّقُ بِدُخُولِهَا فَيَتَعَلَّقُ السَّفَرُ بِالْخُرُوجِ عَنْهَا .

وَفِيهِ الْأَثَرُ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، لَوْ جَاوَزْنَا هَذَا الْخُصَّ لَقَصَرْنَا (وَلَا يَزَالُ عَلَى حُكْمِ السَّفَرِ حَتَّى يَنْوِيَ الْإِقَامَةَ فِي بَلْدَةٍ أَوْ قَرْيَةٍ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا أَوْ أَكْثَرَ ، وَإِنْ نَوَى أَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ قَصَرَ) ؛ لِأَنَّهُ لَا

بُدَّ مِنْ اعْتِبَارِ مُدَّةٍ لِأَنَّ السَّفَرَ يُجَامِعُهُ اللُّبْثُ فَقَدَّرْنَاهَا بِمُدَّةِ الطُّهْرِ ، لِأَنَّهُمَا مُدَّتَانِ مُوجِبَتَانِ ، وَهُوَ مَأْثُورٌ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ ، وَالْأَثَرُ فِي مِثْلِهِ كَالْخَبَرِ ، وَالتَّقْيِيدُ بِالْبَلْدَةِ وَالْقَرْيَةِ يُشِيرُ إلَى أَنَّهُ لَا تَصِحُّ نِيَّةُ الْإِقَامَةِ فِي الْمَفَازَةِ وَهُوَ الظَّاهِرُ

ترجمہ

اور مسافر شہر کے گھروں سے جدا ہوتو وہ دو رکعتیں پڑھے گا۔ کیونکہ حکم اقامت گھروں میں دخول کے ساتھ متعلق ہے۔ لہذا سفر ان سے خروج کے متعلق ہوگا۔ اور کی دلیل حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کا یہ اثر ہے کہ اگر ہم ان جھونپڑیوں سے آگے بڑھے تو ہم قصر کریں گے۔

اور جب وہ کسی شہر یا گاؤں میں پندرہ دن یا اس سے زیادہ دنوں کے قیام کی نیت نہیں کرے گا اس وقت تک حکم سفر اس سے زائل نہ ہوگا۔ اور اگر اس کے کم کی نیت کی تو وہ قصر کرے۔ کیونکہ قیام میں مدت کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ سفر کے اندر بھی ٹھہرنا ہوتا ہے۔ لہذا ہم نے مدت اقامت کو مدت طہر پر قیاس کر لیا۔ کیونکہ دونوں مدتیں حکم کو واجب کرنے والی ہیں۔ اور یہی حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ماثور ہے۔ اور اس باب میں صحابی کا قول حدیث کی طرح ہوتا ہے۔ شہر اور گاؤں کی قید سے اس بات کو طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ جنگل میں اقامت کی نیت کرنا درست نہیں۔ یہی ظاہر ہے۔

فنائے شہر کی تعریف:

جو جگہ خود شہر نہ ہو اُس میں صحت جمعہ کیلئے فنائے مصر ہونا ضرور ہے فنائے مصر حوالی شہر کے اُن مقامات کو کہتے ہیں جو مصالح شہر کے لئے رکھے گئے ہوں مثلاً وہاں شہر کی عیدگاہ یا شہر کے مقابر ہوں یا حفاظت شہر کے لئے جو فوج رکھی جاتی ہے اُس کی چھاونی یا شہر کی گھوڑ دوڑ یا چاند ماری کا میدان یا کچہریاں، اگر چہ مواضع شہر سے کتنے ہی میل ہوں اگر چہ بیچ میں کچھ کھیت حائل ہوں، اور جو نہ شہر ہے نہ فنائے شہر اس میں جمعہ پڑھنا حرام ہے اور نہ صرف حرام بلکہ باطل کہ فرضِ ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔
علامہ علاؤالدین حصکفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

صحت جمعہ کے لئے شہر یا فنائے شہر کا ہونا ضروری ہے، اور فنا سے مراد وہ جگہ ہے جو شہر کے پاس شہریوں کی ضرورت کے لئے ہو، خواہ متصل ہو یا نہ ہو، جیسا کہ ابن الکمال وغیرہ نے تحریر کیا ہے، مثلاً قبرستان، گھوڑ دوڑ کا میدان ہو۔
(درمختار، باب الجمعہ، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے سال پندرہ شب تک قیام فرمایا (اور اس دوران) نماز قصر ہی پڑھتے رہے۔ (سنن ابن ماجہ)

حضرت ابن عباس بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انیس روز تک قیام فرمایا دو دو رکعتیں پڑھتے رہے اور ہم بھی جب انیس دن تک قیام کریں تو دو دو رکعتیں پڑھتے ہیں اور جب اس سے زیادہ قیام کریں تو چار رکعتیں پڑھتے ہیں۔ (سنن ابن ماجہ)

شہر میں دخول وخروج سے مسافت کا بیان:

(وَلَوْ دَخَلَ مِصْرًا عَلَى عَزْمِ أَنْ يَخْرُجَ غَدًا أَوْ بَعْدَ غَدٍ وَلَمْ يَنْوِ مُدَّةَ الْإِقَامَةِ حَتَّى بَقِيَ عَلَى ذَلِكَ سِنِينَ قَصَرَ) ؛ لِأَنَّ ابْنَ عُمَرَ أَقَامَ بِأَذْرَبِيجَانَ سِتَّةَ أَشْهُرٍ وَكَانَ يَقْصُرُ .وَعَنْ جَمَاعَةٍ مِنْ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ مِثْلُ ذَلِكَ .

(وَإِذَا دَخَلَ الْعَسْكَرُ أَرْضَ الْحَرْبِ فَنَوَوْا الْإِقَامَةَ بِهَا قَصَرُوا وَكَذَا إذَا حَاصَرُوا فِيهَا مَدِينَةً أَوْ حِصْنًا) ؛ لِأَنَّ الدَّاخِلَ بَيْنَ أَنْ يُهْزَمَ فَيَقِرَّ وَبَيْنَ أَنْ يَنْهَزِمَ فَيَفِرَّ فَلَمْ تَكُنْ دَارَ إقَامَةٍ (وَكَذَا إذَا حَاصَرُوا أَهْلَ الْبَغْيِ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ فِي غَيْرِ مِصْرٍ أَوْ حَاصَرُوهُمْ فِي الْبَحْرِ) ؛ لِأَنَّ حَالَهُمْ مُبْطِلٌ عَزِيمَتَهُمْ ، وَعِنْدَ زُفَرَ رَحِمَهُ اللَّهُ : يَصِحُّ فِي الْوَجْهَيْنِ إذَا كَانَ الشَّوْكَةُ لَهُمْ لِلتَّمَكُّنِ مِنْ الْقَرَارِ ظَاهِرًا .وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ يَصِحُّ إذَا كَانُوا فِي بُيُوتِ الْمَدَرِ ؛ لِأَنَّهُ مَوْضِعُ إقَامَةٍ.

ترجمہ:

اگر کوئی شخص شہر میں اس نیت کے ساتھ داخل ہوا کہ وہ ایک دودن کے بعد چلا جائے گا۔اوراس نے اقامت کی نیت کی حتیٰ کہ وہ کئی سال وہاں ٹھہر گیا۔تو وہ قصر کرے گا کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے آذر بائجان میں چھ ماہ قیام کیا اور آپ قصر کرتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے بھی اسی طرح روایت بیان کی گئی ہے۔

اور اگر کوئی لشکر کفار کے ملک میں داخل ہوا اور انہوں نے اقامت کی نیت بھی کی تب وہ قصر کریں گے۔اور اسی طرح جب انہوں نے دارالحرب میں کسی شہر یا قلعہ کا محاصرہ کیا۔کیونکہ داخل ہونے والا لشکر اس خیال میں ہے۔ایک خیال یہ ہے کہ وہ شکست کھا کر بھاگ جائے اور دوسرا خیال یہ ہے کہ وہ شکست دیکر قیام پذیر ہوجائے۔کیونکہ یہ دارالاقامت نہیں ہے۔

اور اسی طرح جب انہوں نے دارالاسلام میں اہل بغات کا غیر شہر میں محاصرہ کیا یا انہوں نے سمندر میں محاصرہ کیا۔کیونکہ ان کی حالت ان کی عزیمت کو باطل کرنے والی ہے۔اور امام زفر علیہ الرحمہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں صحیح ہے۔کیونکہ ظاہری طور ان کو طاقت دلاتا ہے۔جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک تب ٹھیک ہے جب وہ مٹی کے گھروں میں قیام کریں کیونکہ وہی ٹھہرنے کی جگہ ہے۔

بغیر نیت اقامت کئی ماہ ٹھہرنے کی صورت میں حکم قصر میں مذاہب فقہاء:

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی حالت سفر میں کسی جگہ پندرہ دن سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ تو اس کے لیے قصر جائز نہیں ہے بلکہ وہ پوری نماز پڑھے اور اگر کوئی آدمی پندرہ دن یا پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو قصر نماز پڑھے بلکہ اگر وہ اقامت کی نیت نہ کرے اور آج کل میں وہاں سے روانہ ہونے کا ارادہ کرتا رہے اور اس طرح بلا قصد ارادہ اس کے قیام کا سلسلہ برسوں تک بھی دراز ہو جائے تب بھی وہ قصر نماز پڑھتا رہے امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہی مسئلہ جلیل القدر صحابہ مثلاً حضرت عبداللہ ابن عمر وغیرہ سے نقل کیا ہے۔

حضرت امام محمد نے کتاب الآثار میں نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر آزر بائیجان میں چھ مہینے اس طرح ٹھہرے رہے کہ آج کل میں وہاں سے چلنے کا ارادہ کرتے رہے مگر بلا قصد وارادہ ان کا قیام اس قدر طویل ہو گیا چنانچہ وہ اس مدت میں برابر قصر نماز پڑھتے رہے اس موقع پر دیگر صحابہ بھی ان کے ہمراہ تھے اسی طرح حضرت انس بھی مروان کے بیٹے عبدالملک کے ہمراہ شام میں دو مہینے تک بلا قصد ارادہ ٹھہرے رہے اور وہاں دو دو رکعت نماز پڑھتے رہے۔

اس مسئلے میں حضرت امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی جگہ علاوہ دو دن آنے اور جانے کے چار روز سے زیادہ قیام کا ارادہ رکھتا ہے تو وہ مقیم ہو جاتا ہے اس کے لیے قصر جائز نہیں ہے وہ پوری نماز پڑھے اسی طرح اقامت کی نیت کے بغیر امروز وفردا میں چلنے کا ارادہ کرتے کرتے بلا قصد وارادہ اٹھارہ دن سے زیادہ ٹھہر جائے تو تب بھی اس کے لیے قصر جائز نہیں ہو گا وہ پوری نماز پڑھے امام شافعی کی فقہ میں یہی معتمد اور صحیح قول ہے۔

خیمہ بردار لوگوں کی نیت کا اعتبار:

(وَنِيَّةُ الْإِقَامَةِ مِنْ أَهْلِ الْكَلَأِ وَهُمْ أَهْلُ الْأَخْبِيَةِ ، قِيلَ لَا تَصِحُّ ، وَالْأَصَحُّ أَنَّهُمْ مُقِيمُونَ) يُرْوَى ذَلِكَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ ؛ لِأَنَّ الْإِقَامَةَ أَصْلٌ فَلَا تَبْطُلُ بِالِانْتِقَالِ مِنْ مَرْعًى إلَى مَرْعًى

ترجمہ:

اور گھاس والے خیمہ بردار لوگوں کی نیت اقامت صحیح نہیں ہے۔ اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ مقیم ہیں۔ اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ اقامت اصل ہے لہذا وہ ایک چراگاہ سے دوسری چراگاہ کی طرف انتقال سے باطل نہ ہو گی۔

شرح:

جھونپڑیوں میں رہنے والوں کا یہ انداز سفر شرعی کی طرح معتبر ہو کر احکام میں مؤثر نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس میں وہ تکالیف جو علت رخصت بنتی ہیں وہ نہیں ہیں۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ان میں اقامت پائی جاتی ہے۔

مسافر مقیم کی اقتداء میں پوری نماز پڑھے گا:

(وَإِنْ اقْتَدَى الْمُسَافِرُ بِالْمُقِيمِ فِي الْوَقْتِ أَتَمَّ أَرْبَعًا) ؛ لِأَنَّهُ يَتَغَيَّرُ فَرْضُهُ إلَى أَرْبَعٍ لِلتَّبَعِيَّةِ كَمَا يَتَغَيَّرُ بِنِيَّةِ الْإِقَامَةِ لِاتِّصَالِ الْمُغَيِّرِ بِالسَّبَبِ وَهُوَ الْوَقْتُ (وَإِنْ دَخَلَ مَعَهُ فِي فَائِتَةٍ لَمْ تُجْزِهِ) ؛ لِأَنَّهُ لَا يَتَغَيَّرُ بَعْدَ الْوَقْتِ لِانْقِضَاءِ السَّبَبِ ، كَمَا لَا يَتَغَيَّرُ بِنِيَّةِ الْإِقَامَةِ فَيَكُونُ اقْتِدَاءُ الْمُفْتَرِضِ بِالْمُتَنَفِّلِ فِي حَقِّ الْقَعْدَةِ أَوْ الْقِرَاءَةِ .

ترجمہ:

اور اگر مسافر نے مقیم کی اقتداء کی تو چار رکعات مکمل پڑھے ۔ کیونکہ اتباع کی وجہ سے اس فرض چار میں تبدیل ہو گیا ۔ جس طرح وہ نیت اقامت کی وجہ سے تبدیل ہو جاتا ہے ۔ لہذا اتصال سبب یعنی وقت کی وجہ سے ہوا ہے ۔ اور اگر وہ اس کے ساتھ کسی فائتہ میں داخل ہوا تو جائز نہیں ۔ کیونکہ وقت کے بعد اس میں تغیر نہیں ہوسکتا ۔ کیونکہ اس کا سبب ختم ہو گیا ۔ جس طرح (فائتہ نماز) نیت اقامت کی وجہ سے تبدیل نہیں ہوتی ۔ لہذا فرض پڑھنے والے کی اقتداء ایسے شخص کے پیچھے ہوگی جس کے حق میں قعدہ یا قرأت نفل ہے ۔

شرح:

اس کی دلیل یہ ہے کہ امام کی اتباع قوی ہے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ مقتدی نیت میں امام کے تابع ہوتا ہے ۔

جب مسافر اقامت والوں کا امام ہو:

(وَإِنْ صَلَّى الْمُسَافِرُ بِالْمُقِيمِينَ رَكْعَتَيْنِ سَلَّمَ وَأَتَمَّ الْمُقِيمُونَ صَلَاتَهُمْ) لِأَنَّ الْمُقْتَدِيَ الْتَزَمَ الْمُوَافَقَةَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ فَيَنْفَرِدُ فِي الْبَاقِي كَالْمَسْبُوقِ ، إلَّا أَنَّهُ لَا يَقْرَأُ فِي الْأَصَحِّ ؛ لِأَنَّهُ مُقْتَدٍ تَحْرِيمَةً لَا فِعْلًا وَالْفَرْضُ صَارَ مُؤَدًّى فَيَتْرُكُهَا احْتِيَاطًا ، بِخِلَافِ الْمَسْبُوقِ ؛ لِأَنَّهُ أَدْرَكَ قِرَاءَةً نَافِلَةً فَلَمْ يَتَأَدَّ الْفَرْضُ فَكَانَ الْإِتْيَانُ أَوْلَى ، قَالَ ﴿ وَيُسْتَحَبُّ لِلْإِمَامِ إذْ سَلَّمَ أَنْ يَقُولَ : أَتِمُّوا صَلَاتَكُمْ فَإِنَّا قَوْمٌ سَفْرٌ) ؛ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ قَالَهُ حِينَ صَلَّى بِأَهْلِ مَكَّةَ وَهُوَ مُسَافِرٌ .

ترجمہ:

اور اگر مسافر مقیموں کو نماز پڑھائے تو وہ دو رکعات پر سلام پھیرے اور مقیم اپنی نماز کو پورا کریں کیونکہ مقتدی کا التزام موافقت میں صرف دو رکعتوں میں ہے ۔ پس باقی میں مسبوق کی طرح منفرد ہوگا ۔ لیکن قول صحیح کے مطابق جب وہ قرأت نہ کرے ۔ اس لئے کہ وہ مقتدی تحریمہ کے اعتبار سے ہے اور فعل کے اعتبار سے نہیں ہے ۔ اور فرض ادا کر چکا ہے ۔ لہذا احتیاطا قرأت کو چھوڑ دے بخلاف مسبوق کے کیونکہ وہ ابھی تک نفلی قرأت پانے والا ہے اور اس نے فرض قرأت ادا نہیں کی ۔ لہذا

اس کا قرأت کرنا افضل ہے۔

اور امام کیلئے مستحب یہ ہے کہ وہ سلام پھیرے تو یوں کہے "أَتِمُّوا صَلَاتَكُمْ فَإِنَّا قَوْمٌ سَفْرٌ" "تم اپنی نماز کو پورا کرو ہم تو قوم مسافر ہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حالت سفر میں اہل مکہ کو نماز پڑھائی تھی تو آپ ﷺ نے ایسے ہی کہا تھا۔

مسافر کا مقیم کی اقتداء میں نماز مکمل پڑھنے کا سبب:

مسافر بھی مقیم کی اقتداء کرسکتا ہے مگر وقت کے اندر، وقت کے بعد نہیں۔ اس لیے کہ مسافر جب مقیم کی اقتداء کرے گا تو امام کی اتباع میں چار رکعت یہ بھی پڑھے گا اور امام کا قعدہ اولیٰ نفل ہوگا اور اس کا فرض، امام کی تحریمہ قعدہ اولیٰ کے نفل ہونے کے ساتھ ہوگی اور مسافر مقتدی کی اس کی فرضیت کے ساتھ پس فرض نماز پڑھنے والے کی اقتداء نفل نماز پڑھنے والے کے پیچھے ہوئی اور یہ درست نہیں۔

شہر میں داخل ہوگیا تو پوری نماز پڑھے گا:

(وَإِذَا دَخَلَ الْمُسَافِرُ فِي مِصْرِهِ أَتَمَّ الصَّلَاةَ وَإِنْ لَمْ يَنْوِ الْمُقَامَ فِيهِ) ؛ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَأَصْحَابَهُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ كَانُوا يُسَافِرُونَ وَيَعُودُونَ إلَى أَوْطَانِهِمْ مُقِيمِينَ مِنْ غَيْرِ عَزْمٍ جَدِيدٍ .

(وَمَنْ كَانَ لَهُ وَطَنٌ فَانْتَقَلَ عَنْهُ وَاسْتَوْطَنَ غَيْرَهُ ثُمَّ سَافَرَ وَدَخَلَ وَطَنَهُ الْأَوَّلَ قَصَرَ) ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَبْقَ وَطَنًا لَهُ ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بَعْدَ الْهِجْرَةِ عَدَّ نَفْسَهُ بِمَكَّةَ مِنْ الْمُسَافِرِينَ ؛ وَهَذَا لِأَنَّ الْأَصْلَ أَنَّ الْوَطَنَ الْأَصْلِيَّ يَبْطُلُ بِمِثْلِهِ دُونَ السَّفَرِ ، وَوَطَنُ الْإِقَامَةِ يَبْطُلُ بِمِثْلِهِ وَبِالسَّفَرِ وَبِالْأَصْلِيِّ .

ترجمہ:

اور جب کوئی مسافر شہر میں داخل ہوگیا تو وہ پوری نماز پڑھے اگر چہ اس نے اس میں اقامت کی نیت نہ کی ہو۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سفر کیا اور اپنے وطن کی طرف واپس آتے ہی بغیر کسی نئے ارادے کے مقیم ہو جاتے۔

اور جس بندے کا کوئی وطن تھا پھر وہ اس وطن سے منتقل ہوگیا اور اس کے سوا کسی اور جگہ کو وطن بنالیا اور پھر سفر کرتے ہوئے پہلے وطن میں داخل ہوگیا۔ تو وہ قصر نماز پڑھے گا۔ کیونکہ اب وہ اس کا وطن نہیں رہا۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ نبی کریم ﷺ نے ہجرت کے بعد مکۃ المکرمہ میں اپنے آپ کو مسافر شمار کیا اور یہ قاعدہ ہے کہ وطن اصلی اپنی مثل وطن سے باطل ہوجاتا ہے۔ جبکہ سفر سے باطل نہیں ہوتا اور وطن اقامت بھی اپنی مثل وطن اقامت سے باطل ہوجاتا ہے۔ اور سفر اور وطن اصلی سے بھی باطل ہوجاتا ہے۔

وطن اصلی کے ابطال کا بیان:

وطن اصلی اپنے جیسے قوی وطن سے باطل ہو جاتا ہے اس قوت میں اعتبار شرعی حکم کا ہے جسے صاحب ہدایہ نے بیان کر دیا ہے

حالت سفر میں سواری پر نماز ادا کرنے میں فقہی مذاہب کا بیان:

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں ہوتے تو رات کی نماز علاوہ فرض نماز کے اپنی سواری پر اشارے سے پڑھتے اور سواری کا منہ جس سمت ہوتا اسی سمت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی منہ ہوتا نیز نماز وتر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سواری ہی پر پڑھ لیتے تھے۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم)

حَیْثُ تَوَجَّهَتْ بِهٖ کا مطلب یہ ہے کہ جدھر سواری کا منہ ہوتا (ادھر ہی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی منہ کیے ہوئے نماز پڑھتے رہتے تھے لیکن تکبیر تحریمہ کے وقت اپنا روئے مبارک بہر صورت قبلے ہی کی طرف رکھتے تھے۔ جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے معلوم ہوگا اشارے سے نماز پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ رکوع اور سجدہ اشارہ سے کرتے تھے نیز یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کا جو اشارہ کرتے وہ رکوع کے اشارے سے پست ہوتا تھا۔

اس حدیث سے دو مسئلے مستنبط ہوتے ہیں اول تو یہ کہ سواری پر نفل نماز پڑھنی جائز ہے لیکن فرض نہیں اس حدیث میں اگر چہ رات کی نماز کا ذکر کیا گیا ہے لیکن دوسری روایتوں میں عام نفل نمازوں کا ذکر موجود ہے لہٰذا یہ حکم سنت موکدہ اور اس کے علاوہ دیگر سنن ونوافل نمازوں کو بھی شامل ہے۔

مگر حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ایک روایت میں ثابت ہے کہ فجر کی سنتوں کے لیے سواری سے اتر جانا مستحب ہے بلکہ ایک دوسری روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی سنتوں کو سواری سے اتر کر پڑھنا واجب ہے۔ اسی لیے اس نماز کو بغیر کسی عذر کے بیٹھے بیٹھے پڑھنا جائز نہیں ہے فرض نماز سواری پر پڑھنا جائز نہیں ہے لیکن مندرجہ ذیل اعذار کی صورت میں فرض نماز بھی سواری پر پڑھ لینا جائز ہے۔

(۱) کوئی آدمی جنگل میں ہو اور اپنے مال یا اپنی جان کی ہلاکت کا خوف غالب ہو مثلاً یہ ڈر ہو کہ اگر سواری سے اتر کر نماز پڑھنے لگوں گا تو کوئی چور یا راہزن مال واسباب لے کر چلتا بنے گا یا کوئی درندہ نقصان پہنچائے گا یا قافلے سے بچھڑ جاؤں گا یا راستہ بھول جاؤں (۲) سواری میں کوئی ایسا سرکش جانور ہو یا کوئی ایسی چیز ہو جس پر اترنے کے بعد پھر چڑھنا ممکن نہ ہو۔ (۳) نماز پڑھنے والا اتنا ضعیف اور بوڑھا ہو کہ خود نہ تو سواری سے اتر سکتا ہو اور سواری پر چڑھنے پر قادر ہو اور نہ کوئی ایسا آدمی پاس موجود ہو جو سواری سے اتار سکے اور اس پر چڑھا سکے۔ (۴) زمین پر اتنا کیچڑ ہو کہ اس پر نماز پڑھنا ممکن نہ ہے۔ (۵) یا بارش کا عذر ہو۔

بہر حال ان صورتوں میں فرض نماز بھی سواری پر پڑھی جا سکتی ہے کیونکہ اعذار اور ضرورتیں شرعی وقواعد وقوانین سے مستثنیٰ ہوتی ہیں۔

جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل کا تعلق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی نماز بھی سواری پر پڑھ لیتے تھے تو اس کے بارے میں امام طحاوی فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے نماز وتر کے حکم کی تاکید کے پیش نظر اور اس کی اہمیت کا احساس دلانے کے لیے سواری پر وتر کی نماز پڑھ لیتے تھے مگر جب لوگوں کے ذہن میں اس نماز کی تاکید واہمیت بیٹھ گئی اور اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اتنی تاکید فرمادی کہ اس کے چھوڑنے کو روا نہیں رکھا تو بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی نماز بھی سواری سے اتر کر زمین پر پڑھتے تھے حضرت امام محمد نے اپنی کتاب مؤطا میں صحابہ وتابعین کے ایسے بہت آثار نقل کئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حضرات وتر کی نماز پڑھنے کے لیے اپنی سواریوں سے اتر جاتے تھے۔

علامہ شمنی فرماتے ہیں کہ نماز فرض کی طرح جنازہ کی نماز، منت مانی ہوئی نماز نذر اور وہ سجدہ تلاوت کہ جس آیت سجدہ کی تلاوت زمین پر کی گئی سواری پر جائز نہیں ہے۔

حدیث سے دوسرا مسئلہ یہ مستنبط ہوتا ہے کہ سواری پر نماز پڑھنا سفر کے ساتھ مشروط ہے چنانچہ ائمہ جمہور کا یہی مسلک ہے اور حضرت امام ابوحنیفہ وحضرت امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما سے بھی ایک روایت میں یہی منقول ہے لیکن حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا محقق اور صحیح مسلک یہ ہے کہ سواری پر نماز کا جواز نمازی کے شہر سے باہر ہونے کے ساتھ مشروط ہے خواہ مسافر ہو یا نہ ہو، چنانچہ اگر کوئی مسافر بھی شہر کے اندر ہو تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کے لیے سواری پر نفل نماز پڑھنا جائز نہیں ہے لیکن حضرت امام محمد کے نزدیک جائز ہے اگرچہ مکروہ ان کے نزدیک بھی ہے حضرت امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ مسافر شہر کے اندر بھی سواری پر نفل پڑھے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اب اس کے بعد اس میں اختلاف ہے کہ شہر سے کتنے فاصلے پر ہونے کی صورت میں سواری پر نماز پڑھنا جائز ہے چنانچہ بعض حضرات کے نزدیک کم سے کم دو فرسخ (چھ میل) شہر سے باہر ہونا ضروری ہے بعض حضرات نے تین فرسخ اور بعض حضرات نے ایک کوس متعین کیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ شہر وآبادی کے مکانات سے باہر ہوتے ہی سواری پر نماز نفل پڑھنا جائز ہے جیسا کہ قصر نماز کے جواز کے سلسلے میں قاعدہ ہے۔

مسافر کی دو شہروں میں نیت کرنے کا بیان:

(وَإِذَا نَوَى الْمُسَافِرُ أَنْ يُقِيمَ بِمَكَّةَ وَمِنًى خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا لَمْ يُتِمَّ الصَّلَاةَ) ؛ لِأَنَّ اعْتِبَارَ النِّيَّةِ فِي مَوْضِعَيْنِ يَقْتَضِي اعْتِبَارَهَا فِي مَوَاضِعَ ، وَهُوَ مُمْتَنِعٌ ؛ لِأَنَّ السَّفَرَ لَا يَعْرَى عَنْهُ إلَّا إذَا نَوَى الْمُسَافِرُ أَنْ يُقِيمَ بِاللَّيْلِ فِي أَحَدِهِمَا فَيَصِيرَ مُقِيمًا بِدُخُولِهِ فِيهِ ؛ لِأَنَّ إقَامَةَ الْمَرْءِ مُضَافَةٌ إلَى مَبِيتِهِ.

ترجمہ:

اور جب مسافر مکہ اور منیٰ میں اقامت کی پندرہ دن کی نیت کرے تو وہ پوری نماز نہ پڑھے کیونکہ دونوں جگہوں میں نیت

کے اعتبار کا تقاضہ یہ ہے کہ چند مقامات میں نیت معتبر ہو اور وہ ممتنع ہے۔ کیونکہ سفر اس سے خالی نہیں ہوتا۔ ہاں البتہ ان دونوں میں سے کسی ایک میں رات کے قیام کی نیت کرے تو اس مقام میں داخل ہونے کے ساتھ ہی مقیم ہو جائے گا۔ کیونکہ آدمی کا مقیم ہونا اس کی رات گذارنے کے مقام کی طرف منسوب ہوتا ہے۔

شرح:

اختلاف مقامات کیوجہ سے نیت مسافر غیر معتبر ہو جاتی ہے کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک محتمل ہوتی ہے اور اصول شرعی ہے کہ جب احتمال آ جائے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے۔

حالت سفر میں حضر کی قضاء مکمل پڑھی جائے گی:

(وَمَنْ فَاتَتْهُ صَلَاةٌ فِي السَّفَرِ قَضَاهَا فِي الْحَضَرِ رَكْعَتَيْنِ ، وَمَنْ فَاتَتْهُ فِي الْحَضَرِ قَضَاهَا فِي السَّفَرِ أَرْبَعًا) ؛ لِأَنَّ الْقَضَاءَ بِحَسَبِ الْأَدَاءِ ، وَالْمُعْتَبَرُ فِي ذَلِكَ آخِرُ الْوَقْتِ ؛ لِأَنَّهُ الْمُعْتَبَرُ فِي السَّبَبِيَّةِ عِنْدَ عَدَمِ الْأَدَاءِ فِي الْوَقْتِ .

ترجمہ:

اور جس بندے کی سفر میں نماز قضاء ہوئی تو شہر میں دو رکعتوں کی قضاء کرے۔ اور جس کی نماز حضر میں قضاء ہوئی تو وہ حالت سفر میں چار رکعتیں پڑھے۔ کیونکہ قضاء بحسب ادا ہے۔ اور اس میں آخری وقت کا اعتبار ہے۔ اور اعتبار اسی لئے ہے کہ اس نے اس کو وقت کے اندر ادا نہیں کیا۔

شرح:

اس مسئلہ دلیل واضح ہے کہ جو نماز جس طرح قضاء ہوئی ہے اس کو اسی طرح پڑھا جائے گا۔ جیسا نذر کے روزوں کو پورا کرنے کا حکم بیان کیا جاتا ہے۔

سفر رخصت شرعیہ میں عموم کا بیان:

(وَالْعَاصِي وَالْمُطِيعُ فِي سَفَرِهِمَا فِي الرُّخْصَةِ سَوَاءٌ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ : سَفَرُ الْمَعْصِيَةِ لَا يُفِيدُ الرُّخْصَةَ ؛ لِأَنَّهَا تَثْبُتُ تَخْفِيفًا فَلَا تَتَعَلَّقُ بِمَا يُوجِبُ التَّغْلِيظَ ، وَلَنَا إطْلَاقُ النُّصُوصِ ، وَلِأَنَّ نَفْسَ السَّفَرِ لَيْسَ بِمَعْصِيَةٍ ، وَإِنَّمَا الْمَعْصِيَةُ مَا يَكُونُ بَعْدَهُ أَوْ يُجَاوِرُهُ فَصَلُحَ مُتَعَلَّقُ الرُّخْصَةِ .

ترجمہ:

اور سفر کی رخصت میں عاصی اور مطیع دونوں برابر ہیں۔ اور امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا: سفر معصیت رخصت کا فائدہ نہیں دیتا۔ کیونکہ رخصت آسانی کیلئے ثابت ہوئی ہے لہذا یہ تخفیف اس چیز سے متعلق نہ ہوگی جو تغلیظ کو واجب کرنے والی ہے

اور ہمارے نزدیک نصوص کے مطلق ہونے کی دلیل ہے۔ کیونکہ نفس سفر تو معصیت نہیں ہے۔ جبکہ معصیت سفر کے بعد پیدا ہو گی یا اس کے ساتھ ہوگی لہذا وہ سفر رخصت سے متعلق ہوگا۔

سفر اطاعت ومعصیت میں فقہ شافعی وحنفی کے اختلاف کا بیان:

علامہ ابن محمود البابرتی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ سفر کی تین اقسام ہیں۔

(۱) سفر طاعت، جس طرح حج کرنے کیلئے سفر کرنا ہے۔

(۲) سفر اباحت، جس طرح تجارت کا سفر ہے۔

(۳) سفر معصیت، جس طرح ڈاکوؤں کا سفر کرنا، غلام سے آقا سے بھاگنے کا سفر اور کسی عورت کا بغیر محرم کے سفر کرنا ہے۔

پہلے دو سفروں کیلئے علی الاتفاق اجازت ہے۔ جبکہ تیسرے سفر میں امام شافعی علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ رخصت سفر احکام میں تخفیف کیلئے ثابت ہوئی ہے۔ اور جب کوئی شخص معصیت کا سفر کرے گا تو اس کی وجہ سے اس پر شریعت کی طرف سے سختی کا حکم ہوگا۔ اور تخفیف میں حکم کی اضافت ایسے وصف کی جانب ہے جس کا تقاضہ احکام میں سہولت ہے نہ کہ فساد ہے اور سفر معصیت فساد ہے۔

جبکہ ہماری دلیل یہ ہے کہ حکم سفر میں وارد ہونے والی نص مطلق ہے جو اپنے اطلاق پر جاری رہے گی۔

''وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ) وَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (فَرْضُ الْمُسَافِرِ رَكْعَتَانِ) وَقَالَ (يَمْسَحُ الْمُقِيمُ يَوْمًا وَلَيْلَةً ، وَالْمُسَافِرُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهَا ''

ان میں سے ہر ایک حکم اطلاق پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ آپ اصول کی کتب میں پہچان چکے ہین۔ اور اگر آپ اس حکم پر یہ زیادتی کریں کہ وہ سفر مقید ہے اس قید کے ساتھ کہ وہ معصیت کا نہ ہو تو اس سے مطلق حکم کا نسخ لازم آئے گا جو جائز نہیں۔

(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۲، ص، ۳۸۵، بیروت)

بَابُ صَلَاةِ الْجُمُعَةِ

﴿یہ باب نماز جمعہ کے بیان میں ہے﴾

باب نماز جمعہ کی مناسبت کا بیان:

نماز جمعہ کی نماز مسافر کے ساتھ مطابقت یہ ہے کہ جس طرح جمعہ شرائط کے سقوط کی وجہ سے ساقط ہو جاتا ہے اسی طرح نماز سفر بھی شرائط سفر کے معدوم ہونے کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہے۔ جس طرح نماز سفر مقید ہے اسی طرح جمعہ بھی مقید ہے۔ یعنی دونوں میں شرائط پائی جاتی ہیں۔

لفظ جمعہ کی وجہ تسمیہ اور معنی و مفہوم کا بیان:

لفظ جمعہ میم کے ساکن کے ساتھ اور جمعہ میم کے فتح کے ساتھ ہر دو طرح سے بولا گیا ہے۔

قال فی الفتح قد اختلف فی تسمیة الیوم بالجمعة مع الاتفاق علی انه کان لیسمی فی الجاهلیة و العروبة بفتح العین وضم الراء وبالوحدة الخ یعنی جمعہ کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے اس پر سب کا اتفاق ہے کہ عہد جاہلیت میں اس کو یوم عروبہ کہا کرتے تھے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس دن مخلوق کی خلقت تکمیل کو پہنچی اس لیے اسے جمعہ کہا گیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تخلیق آدم کی تکمیل اسی دن ہوئی اس وجہ سے اسے جمعہ کہا گیا۔ ابن حمید میں سند صحیح سے مروی ہے کہ حضرت اسعد بن زرارہ کے ساتھ انصار نے جمع ہو کر نماز ادا کی اور حضرت اسعد بن زرارہ نے ان کو وعظ فرمایا پس اس کا نام انہوں نے جمعہ رکھ دیا کیوں کہ وہ سب اس میں جمع ہوئے یہ بھی ہے کہ کعب بن لوی اس دن اپنی قوم کو حرم شریف میں جمع کر کے ان کو وعظ کیا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ اس حرم سے ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے۔ یوم عروبہ کا نام سب سے پہلے یوم جمعہ کعب بن لوی ہی نے رکھا۔ یہ دن بڑی فضیلت رکھتا ہے اس میں ایک ساعت ایسی ہے جس میں جو نیک دعا کی جائے قبول ہوتی ہے۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی روش کے مطابق نماز جمعہ کی فرضیت کے لیے آیت قرآنی سے استدلال فرمایا جیسا کہ باب ذیل سے ظاہر ہے۔ حضرت مولانا عبیداللہ صاحب شیخ الحدیث مبارکپوری فرماتے ہیں۔

جمعہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں تمام جماعتوں کا اجتماع ہوتا ہے اس کا تقاضا ہے کہ اس میں تمام جماعتوں کو آنے کی اجازت ہوتا کہ نام کے معنی کا ثبوت ہو۔ (بدائع الصنائع فصل شرائط الجمعۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

جمعہ پڑھنے والوں کو جمعہ کا دن:

(ایسی دلہن کو جس کو اسکے حجلہ عروسی میں خراماں خراماں لے جایا جائے) کی طرح اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہوگا۔ یہ دن ان حضرات کیلئے روشن ہوگا جس کی روشنی میں یہ چلیں گے ان جمعہ پڑھنے والوں کے رنگ پہاڑی برف کی طرح سفید ہونگے۔

جمعتہ المبارک کو دنوں کا سردار کہا جاتا ہے۔اس مبارک دن کو اللہ جل مجدہ، نے خصوصی شان سے نوازا ہے مگر اس زمانہ میں اس کے قدر دان بہت ہی کم رہ گئے ہیں۔ابوطالب مکی فرماتے ہیں کہ پہلی صدی ہجری میں دیکھا جاتا تھا کہ سحری اور فجر کے بعد لوگوں سے راستے بھرے ہوتے تھے۔لوگ دیے لیکر چلتے تھے اور عید کے دنوں کی طرح رش کردیتے تھے۔حتیٰ کہ یہ صورت حال ختم ہوگئی۔کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلی بدعت جو اسلام میں شروع ہوئی وہ جمعہ کے دن جامع مسجد میں سویرے سویرے نہ پہنچنے کی ہے۔

امام غزالی فرماتے ہیں کیا ہوگیا؟ مسلمان ! یہودیوں اور عیسائیوں سے حیا کیوں نہیں کرتے وہ تو اپنے گرجا گھروں کی طرف صبح سویرے پہنچ جاتے ہیں۔ہفتہ کے دن یا ہفتہ کو اور دنیا کے طلبگار بازاروں میں خرید وفروخت اور منافع کیلئے سویرے سویرے پہنچ جاتے ہیں۔یہ آخرت کے طالب ان سے آگے کیوں نہیں بڑھتے۔فخر دو عالم خاتم الانبیاء سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مقدس جمعتہ المبارک کی شان کو چار چاند لگا رہا ہے۔

کہ جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں چوبیس گھڑیاں ہیں۔ان میں کوئی گھڑی ایسی نہیں گزرتی مگر اللہ جل شانہ، کی طرف سے اس میں چھ لاکھ مسلمان دوزخ سے آزاد کردیئے جاتے ہیں۔بعض راویوں نے یہ الفاظ ذکر کئے ہیں ان سب پر دوزخ واجب ہوچکی تھی۔(مسند ابویعلی باسنادہ)

دوسری جگہ فرمان حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم ہے:جمعہ کا دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام دنوں کا سردار ہے اور ان سب سے بڑا دن ہے۔اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کے دن اور عیدالفطر کے دن سے بھی بڑا دن ہے۔اس میں پانچ خصوصیات ہیں۔

1.اس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔
2.اسی میں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا۔
3.اسی میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو وفات دی۔
4.اسی میں ایک گھڑی ایسی ہے جب بھی کوئی بندہ اس میں اللہ سے سوال کرتا ہے اللہ اس کو عطا کرتے ہیں جب تک کہ وہ اس میں حرام چیز کا سوال نہ کرے۔
5.اسی میں قیامت قائم ہوگی۔کوئی مقرب فرشتہ اور کوئی آسمان اور کوئی زمین اور کوئی ہوا اور کوئی پہاڑ اور کوئی دریا و سمندر ایسا

نہیں ہے مگر یہ سارے جمعہ کے دن سے محبت کرتے ہیں۔ (مسند احمد ابن ماجہ باسناد حسن)

قیامت کے دن جمعہ کی نماز پڑھنے والوں کی شان بھی ملاحظہ ہو کہ رب ذوالجلال کے ہاں کس قدر رفعت وشان اور انعامات حاصل کریں گے۔

چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعری محبوب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں روز قیامت تمام دنوں کو ان کی اپنی اصلی حالت پر پیش کیا جائیگا جبکہ جمعۃ المبارک کو چمکتا دمکتا ہوا پیش کیا جائیگا۔

یہ دن ان حضرات کیلئے روشن ہوگا اور اس کی روشنی میں یہ چلیں گے ان جمعہ پڑھنے والوں کے رنگ پہاڑی برف کی طرح سفید ہونگے۔ ان کی خوشبو مشک (کستوری) کی طرح ہوگی۔ یہ کافور کے پہاڑ پر آپس میں باتیں کرتے ہونگے۔ ان کی طرف جنات اور انسان دیکھتے ہونگے جب تک یہ جمعہ والے جنت میں داخل نہیں ہونگے ان پر رشک کی نگاہ کو نہیں پھیریں گے۔ ان کے ساتھ کوئی نہیں بیٹھ سکے گا سوائے ان اذان دینے والوں کے جو صرف اللہ کی رضا کیلئے اذان دیتے تھے۔ (ابن خزیمہ بسند حسن)

نماز جمعہ کیلئے تیاری کرنا، غسل کرنا، ناخن کاٹنا، زیر ناف بال کاٹنا، مسواک کرنا، سرمہ لگانا، خوشبو لگانا، نئے یا صاف ستھرے کپڑے پہننا۔ سب سے پہلے اور جلدی جامع مسجد جانا مستحب ہے اور ایک ہفتہ کے گناہ بھی معاف ہوتے ہیں۔

آیئے شاہ کار کائنات، فخر موجودات جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک فرمان کو سنتے اور دیکھتے ہیں۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں۔ جو شخص جمعہ کے دن غسل کرتا ہے اور اپنی توفیق کے مطابق پاکیزگی حاصل کرتا ہے اور تیل لگاتا ہے اور اپنے گھر میں موجود خوشبو لگاتا ہے پھر گھر سے نکلتا ہے تو کسی بھی قسم کے دو شخصوں میں علیحدگی نہیں ڈالتا، پھر جو اس کیلئے ضروری قرار دیا گیا ہے سنت موکدہ نماز کو ادا کرتا ہے پھر جب امام خطبہ شروع کرتا ہے تو یہ خاموش ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس جمعہ سے لیکر اگلے جمعہ تک کے صغیرہ گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔ (بخاری شریف)

لفظ جمعہ جو ہفتہ کے ایک دن کا نام ہے فصیح زبان ولغت کے اعتبار سے جیم اور میم دونوں کے پیش کے ساتھ ہے لیکن جیم کے پیش اور میم کے سکون کے ساتھ بھی مستعمل ہوا ہے۔

اس دن کو جمعہ اس لیئے کہا جاتا ہے کہ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق جمع اور پوری کی گئی تھی۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس دن کو جمعے کا نام دینے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب بہشت سے دنیا میں اتارے گئے تو اسی دن زمین پر وہ حضرت حوا کے ساتھ جمع ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ علماء نے اور بھی وجہ تسمیہ بیان کئے ہیں چنانچہ بعض حضرات کا قول ہے کہ اس دن چونکہ تمام لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور نماز کے لیے جمع ہوتے ہیں اس لیے اسے یوم الجمعہ کہا جاتا ہے۔

جمعہ اسلامی نام ہے زمانہ جاہلیت میں اس دن کو عروبہ کہا جاتا تھا۔لیکن بعض علماء کی تحقیق یہ ہے کہ عروبہ بہت قدیم نام تھا مگر زمانہ جاہلیت میں یہ نام بدل گیا تھا اور اس دن کو جمعہ کہا جانے لگا تھا۔

جمعہ کا روز نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے زمانہ جاہلیت میں بھی ایک امتیازی اور شرف وفضیلت کا دن مانا جاتا تھا مگر اسلام نے اس دن کو اس کی حقیقی عظمت وفضیلت کے پیش نظر بہت ہی زیادہ باعظمت وبافضیلت دن قرار دیا۔

گزشتہ صفحات میں یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نماز سے زیادہ اور کوئی عبادت پسند نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ بندوں پر اللہ جل شانہ کی طرف سے جو بے انتہا نعمتوں کی بارش ہوتی ہے اور جن کا سلسلہ انسان کی پیدائش سے لے کر موت تک ہے۔بلکہ پیدائش سے قبل اور موت کے بعد بھی انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے ہمکنار رہتا ہے۔اس کے ادائے شکر کے لئے ہر دن میں پانچ وقت نماز مقرر کی اور جمعے کے دن چونکہ تمام دنوں سے زیادہ نعمتیں بندوں پر نازل ہوتی ہیں۔اس لئے اس دن ایک خاص نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا۔جماعت کے باب میں جماعت کی حکمتیں اور اس کے فائدے بیان کئے جا چکے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہو چکا ہے کہ جماعت میں جتنی زیادہ کثرت ہوگی اور مسلمان جتنی بڑی تعداد میں نماز کے لیے جمع ہوں گے اسی قدر ان فوائد کا زیادہ ظہور ہوتا ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے۔جب کہ محلوں کے مسلمان اور اس مقام کے اکثر لوگ ایک جگہ جمع ہو کر نماز پڑھیں چونکہ ہر روز پانچوں وقت اس قدر اجتماع لوگوں کی پریشانی وتکلیف کے پیش نظر ممکن نہیں ہوتا اس لیے شریعت نے ہفتے میں ایک دن ایسا مقرر فرما دیا جس میں مختلف محلوں اور گاؤں کے مسلمان آپس میں ایک جگہ جمع ہو کر اس عبادت کو اداء کریں اور چونکہ جمعے کا دن تمام دنوں میں سے افضل واشرف تھا لہٰذا یہ تخصیص اسی دن کے لیے کی گئی۔

اگلی امتوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس دن عبادت کا حکم فرمایا تھا مگر انہوں نے اپنے تمرد وسرکشی اور اپنی بدنصیبی کی بناء پر اس میں اختلاف کیا اور ان کی اس سرکشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اس عظیم سعادت سے محروم رہے اور یہ فضیلت وسعادت بھی اسی امت مرحومہ کے حصے میں پڑی ہے۔یہود نے سنیچر کا دن مقرر کر لیا اس خیال سے کہ اس دن اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کے پیدا کرنے سے فارغ ہوا تھا۔عیسائیوں نے اتوار کا دن مقرر کیا۔اس خیال سے کہ یہ دن ابتدائے آفرینش کا ہے۔

چنانچہ اب تک یہ دونوں فرقے ان دنوں میں عبادت کا بہت زیادہ اہتمام کرتے ہیں،اپنے تمام کام کاج چھوڑ کر اس دن چرچ وعبادت گاہوں میں ضرور جاتے ہیں۔عیسائی حکومتوں میں اتوار کے دن اسی سبب سے تمام دفاتر وتعلیم گاہوں میں تعطیل ہوتی ہے۔بعض مسلم حکومتوں کی یہ مرعوبیت اور بدنصیبی ہے کہ وہ بھی عیسائی حکومتوں کے اس خالص مذہبی طرز عمل کو بدل نہ سکیں اور اپنے ملکوں میں بجائے جمعہ کے اتوار کے دن عام تعطیل کرنے پر مجبور ہیں۔

نماز جمعہ کی فرضیت :

نماز جمعہ فرض عین ہے،قرآن مجید،احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے اور اسلام کے شعائر اعظم میں

سے ہے نماز جمعہ کی فرضیت کا انکار کرنے والا کافر اور اس کو بلا عذر چھوڑنے والا فاسق ہے، نماز جمعہ کے بارے میں ارشاد ربانی ہے۔

آیت (یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَیْعَ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ) 62۔الجمعہ 9:) اے ایمان والو! جب نماز جمعہ کے لیے اذان کہی جائے تو تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید وفروخت چھوڑ دو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔

امام زرقانی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ جمہور کے نزدیک صحیح مشہور یہی ہے کہ ہجرت کے پہلے سال فرض ہوا، آیت (جمعہ) مدنی ہے جو دال ہے کہ جمعہ کی فرضیت مدینہ منورہ علی صاحبہا الصلوۃ میں ہوئی، اور اکثر علماء کی یہی رائے ہے، شیخ ابو حامد کہتے ہیں کہ جمعہ مکہ مکرمہ میں فرض ہوا تھا، حافظ کہتے ہیں کہ یہ قول غریب ہے۔

(شرح المواھب اللدنیہ للزرقانی الباب الثانی فی ذکر صلوۃ الجمعۃ مطبوعہ مطبعہ عامرہ مصر)

زرقانی کی شرح موطا میں ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب سفرِ ہجرت کے موقعہ پر جمعہ کے دن قبا سے مدینہ طیبہ کی طرف چلے تو دن خوب بلند ہو چکا تھا محلہ بنو سالم بن عوف میں جمعہ کا وقت ہو گیا تو آپ نے ان کی مسجد میں جمعہ ادا فرمایا، اسی وجہ سے اس مسجد کا نام مسجد الجمعہ قرار پا گیا، یہ پہلا جمعہ تھا جو حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ادا فرمایا، ابن اسحاق نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ (شرح زرقانی للموطا، ج ا،ص ۲۲۰،مطبوعہ مصر)

نماز جمعہ کے صحیح ہونے کی شرائط کا بیان:

(لَا تَصِحُّ الْجُمُعَةُ إلَّا فِي مِصْرٍ جَامِعٍ ، أَوْ فِي مُصَلَّى الْمِصْرِ ، وَلَا تَجُوزُ فِي الْقُرَى) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا جُمُعَةَ وَلَا تَشْرِيقَ وَلَا فِطْرَ وَلَا أَضْحَى إلَّا فِي مِصْرٍ جَامِعٍ) وَالْمِصْرُ الْجَامِعُ : كُلُّ مَوْضِعٍ لَهُ أَمِيرٌ وَقَاضٍ يُنَفِّذُ الْأَحْكَامَ .

وَيُقِيمُ الْحُدُودَ ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ ، وَعَنْهُ أَنَّهُمْ إذَا اجْتَمَعُوا فِي أَكْبَرِ مَسَاجِدِهِمْ لَمْ يَسَعْهُمْ ، وَالْأَوَّلُ اخْتِيَارُ الْكَرْخِيِّ وَهُوَ الظَّاهِرُ ، وَالثَّانِي اخْتِيَارُ الثَّلْجِيِّ ، وَالْحُكْمُ غَيْرُ مَقْصُورٍ عَلَى الْمُصَلَّى بَلْ تَجُوزُ فِي جَمِيعِ أَفْنِيَةِ الْمِصْرِ ، لِأَنَّهَا بِمَنْزِلَتِهِ فِي حَوَائِجِ أَهْلِهِ .

ترجمہ:

اور جمعہ صرف شہر یا اس کی حدود میں صحیح ہے۔ جبکہ گاؤں میں جمعہ جائز نہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جمعہ، تشریق ،عید الفطر اور عید الاضحیٰ صرف جامع شہر میں جائز ہے۔ اور جامع شہر اسے کہتے ہیں۔ ہر وہ شہر جس کیلئے امیر اور قاضی ہوں جو احکام نافذ کریں۔ اور حدود کو قائم کریں۔ یہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت بیان کی گئی ہے اور آپ سے یہ بھی روایت

ہے کہ جب سب لوگ وہاں کی ایک مسجد میں جمع ہوں تو وہ اس میں سمانہ سکتے ہوں۔ پہلے قول کو امام کرخی علیہ الرحمہ نے اختیار کیا ہے اور یہی ظاہر مذہب ہے اور دوسرے قول کو امام ثلجی علیہ الرحمہ نے اختیار کیا ہے۔ اور حکم جواز مسجد کی فناؤں پر نہیں بلکہ شہر کی تمام فناؤں میں جائز ہے۔ کیونکہ اہل شہر کی ضروریات وہ شہر کے درجے میں ہیں۔

جامع شہر کی تعریف:

امام عبدالرزاق علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ اپنی مصنف میں لکھتے ہیں کہ ہمیں ابن جریج نے حضرت عطاء بن ابی رباح سے بیان کیا کہ جب تم کسی جامع قریہ میں ہوں تو وہاں جمعہ کے لئے اذان ہو تو تم پر جمعہ کے لئے جانا فرض ہے خواہ اذان سنی ہو یا نہ، کہتے ہیں میں نے عطا سے پوچھا کہ جامع قریہ کون سا ہوتا ہے؟ انہوں نے فرمایا جس میں جماعت، امیر، قاضی اور متعدد کوچے اس میں ملے جلے ہوں جس طرح جدہ ہے۔

(المصنف لعبدالرزاق باب القری الصغار مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

علامہ ابراہیم حلبی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

شہر کی وہ صحیح تعریف جسے صاحب ہدایہ نے پسند کیا ہے یہ ہے کہ وہاں امیر اور قاضی ہو جو احکام نافذ اور حدود قائم کر سکیں، اور صاحب وقایہ کے پہلی تعریف کو اختیار کرنے پر ان کی طرف سے صدر الشریعہ کا یہ عذر کرنا کہ احکام شرع خصوصاً حدود کے نفاذ میں سستی کا ظہور ہو رہا ہے کمزور ہے کیونکہ مراد اقامت حدود پر قادر ہونا ہے جیسے کہ تحفۃ الفقہاء میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تصریح ہے کہ وہ شہر کبیر ہو اس میں شاہراہیں، بازار اور وہاں سرائے ہوں اور اس میں کوئی نہ کوئی ایسا والی ہو جو ظالم سے مظلوم کو انصاف دلانے پر قادر ہو خواہ اپنے دبدبہ اور علم کی بنا پر یا غیر کے علم کی وجہ سے تا کہ حوادثات میں اس کی طرف رجوع کر سکیں اور یہی اصح ہے۔ (شرح منیہ ج، ص ۵۵۰، سہیل اکیڈمی لاہور)

جہاں جواز جمعہ میں شک تو کیا کرنا چاہیے:

علامہ ابراہیم حلبی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اس اختلاف اور تعریف شہر میں اختلاف کی وجہ سے فقہاء نے فرمایا ہے کہ جس جگہ جواز جمعہ میں شک ہو وہاں ظہر کی نیت سے چار رکعات ادا کرنی چاہئیں، تو احتیاط ہی بہتر ہے کیونکہ یہاں بڑا سخت اختلاف ہے اور جمعہ کا ضرورت کے پیش نظر متعدد جگہ پر جواز کے فتوی کا صحیح ہونا شرعاً تقوی کے طور پر احتیاط کے منافی نہیں۔
(شرح منیہ ج، ص ۵۵۰، سہیل اکیڈمی لاہور)

فنائے شہر کی تعریف:

جو جگہ خود شہر نہ ہو اُس میں صحت جمعہ کیلئے فنائے مصر ہونا ضرور ہے فنائے مصر حوالی شہر کے اُن مقامات کو کہتے ہیں جو مصالح شہر کے لئے رکھے گئے ہوں مثلاً وہاں شہر کی عیدگاہ یا شہر کے مقابر ہوں یا حفاظت شہر کے لئے جو فوج رکھی جاتی ہے اُس کی

چھاونی یا شہر کی گھوڑ دوڑ یا چاند ماری کا میدان یا کچہریاں، اگرچہ مواضع شہر سے کتنے ہی میل ہوں اگرچہ بیچ میں کچھ کھیت حائل ہوں، اور جو نہ شہر ہے نہ فنائے شہر اس میں جمعہ پڑھنا حرام ہے اور نہ صرف حرام بلکہ باطل کہ فرضِ ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔

علامہ علاؤالدین حصکفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

صحت جمعہ کے لئے شہر یا فنائے شہر کا ہونا ضروری ہے، اور فنا سے مراد وہ جگہ ہے جو شہر کے پاس شہریوں کی ضرورت کے لئے ہو، خواہ متصل ہو یا نہ ہو، جیسا کہ ابن الکمال وغیرہ نے تحریر کیا ہے، مثلاً قبرستان، گھوڑ دوڑ کا میدان ہو۔

(درمختار، باب الجمعہ، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی)

منیٰ میں نماز جمعہ کا بیان:

(وَتَجُوزُ بِمِنًى إذَا كَانَ الْأَمِيرُ أَمِيرَ الْحِجَازِ ، أَوْ كَانَ مُسَافِرًا عِنْدَهُمَا .وَقَدْ قَالَ مُحَمَّدٌ :لَا جُمُعَةَ بِمِنًى) ؛لِأَنَّهَا مِنْ الْقُرَى حَتَّى لَا يُعَيِّدُ بِهَا .وَلَهُمَا أَنَّهَا تَتَمَصَّرُ فِي أَيَّامِ الْمَوْسِمِ وَعَدَمُ التَّعْيِيدِ لِلتَّخْفِيفِ ، وَلَا جُمُعَةَ بِعَرَفَاتٍ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا ؛لِأَنَّهَا فَضَاءٌ وَبِمِنًى أَبْنِيَةٌ .وَالتَّقْيِيدُ بِالْخَلِيفَةِ وَأَمِيرِ الْحِجَازِ ؛لِأَنَّ الْوِلَايَةَ لَهُمَا ، أَمَّا أَمِيرُ الْمَوْسِمِ فَيَلِي أُمُورَ الْحَجِّ لَا غَيْرُ .

ترجمہ:

اگر حجاز کا امیر ہو تو مقام منیٰ میں جمعہ پڑھنا جائز ہے۔ یا پھر مسلمانوں کا وہ خلیفہ جو بطور مسافر وہاں موجود ہو۔ یہ حکم جواز شیخین کے نزدیک ہے۔ جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: مقام منیٰ میں جمعہ نہیں ہے۔ کیونکہ منیٰ گاؤں میں سے ایک گاؤں ہے یہاں تک کہ اس میں عیدالاضحیٰ بھی نہیں پڑھی جاتی۔ جبکہ شیخین کی دلیل یہ ہے کہ حج کے موسم میں منیٰ شہر بن جاتا ہے۔ اور عید کی نماز کا نہ ہو سہولت کے پیش نظر ہے۔ اور میدان عرفات میں جمعہ جائز نہیں۔ کیونکہ وہ خالی میدان ہے۔ جبکہ منیٰ میں مکانات بنے ہوئے ہیں اور اس میں خلیفہ وامیر حجاز کی قید اس وجہ لگائی گئی ہے کہ ولایت بھی تو ان دونوں کی ہے۔ جبکہ امیر موسم صرف امورِ حج کا ناظم ہے۔

شرح:

ائمہ احناف کا یہ اختلاف شرط کی بنیاد پر ہے یعنی منیٰ کو گاؤں قرار دیا جائے گا یا شہر قرار دیا جائے لہذا اسی اعتبار سے فقہاء احناف کا اختلاف ہے۔

جمعہ کیلئے سلطان کی شرط کا بیان:

(وَلَا يَجُوزُ إقَامَتُهَا إلَّا لِلسُّلْطَانِ أَوْ لِمَنْ أَمَرَهُ السُّلْطَانُ) لِأَنَّهَا تُقَامُ بِجَمْعٍ عَظِيمٍ ، وَقَدْ تَقَعُ الْمُنَازَعَةُ فِي التَّقَدُّمِ وَالتَّقْدِيمِ ، وَقَدْ تَقَعُ فِي غَيْرِهِ فَلَا بُدَّ مِنْهُ تَتْمِيمًا لِأَمْرِهِ .

(وَمِنْ شَرَائِطِهَا الْوَقْتُ فَتَصِحُّ فِي وَقْتِ الظُّهْرِ وَلَا تَصِحُّ بَعْدَهُ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (إذَا مَالَتْ الشَّمْسُ فَصَلِّ بِالنَّاسِ الْجُمُعَةَ) (وَلَوْ خَرَجَ الْوَقْتُ وَهُوَ فِيهَا اسْتَقْبَلَ الظُّهْرَ وَلَا يَبْنِيه عَلَيْهَا) لِاخْتِلَافِهِمَا .

ترجمہ:

سلطان یا اس کی اجازت کے بغیر جمعہ قائم کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ جمعہ ایک عظیم جماعت کے ساتھ قائم کیا جاتا ہے۔ اور اس میں تقدم وتقدیم میں تنازع واقع ہوسکتا ہے۔ اور اس کے علاوہ بھی کسی بات پر جھگڑ ہوسکتا ہے۔ لہذا جمعہ کو پورا کرنے کیلئے خلیفہ یا اس کے قائم مقام کا ہونا ضروری ہے۔

اوراس کی شرائط میں وقت بھی شرط ہے۔ پس جمعہ صرف ظہر کے وقت میں صحیح ہے۔ اس کے بعد صحیح نہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب سورج ڈھل جائے تو لوگوں کو جمعہ پڑھاتا اور اگر یہ وقت خارج ہو جائے اور نمازی جمعہ میں ہے تو وہ نئے سرے سے ظہر کی نماز پڑھے۔ اوران دونوں کے مختلف ہونے سے ظہر کی جمعہ پر بناء نہ کرے۔

سلطان ونائب نہ ہونے کی وجہ سے قیام جمعہ میں ممانعت کی علت:

صاحب ہدایہ کی عبارت سے یہ واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ سلطان ونائب سلطان نہ ہونے کی علت یہ ہے کہ تقدم وتاخر میں جھگڑا ہوسکتا ہے۔ اسی طرح کئی دیگر مسائل جن کا تعلق احکام دینیہ سے ہوتا ہے ان میں بھی جھگڑا ہوسکتا ہے۔ اسی طرح ہر قسم کے معاملات کو نمٹانے کیلئے ضروری ہے کہ اس میں کوئی سلطان وقاضی وغیرہ یا وہ لوگ جوان معاملات کو اپنے کنٹرول میں لیکر بہ خوبی حل کرسکتے ہوں۔ ان کا ہونا ضروری ہے۔

جمعہ خطبہ کی شرط کا بیان:

(وَمِنْهَا الْخُطْبَةُ) ؛ لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا صَلَّاهَا بِدُونِ الْخُطْبَةِ فِي عُمْرِهِ (وَهِيَ قَبْلَ الصَّلَاةِ بَعْدَ الزَّوَالِ) بِهِ وَرَدَتْ السُّنَّةُ (وَيَخْطُبُ خُطْبَتَيْنِ يَفْصِلُ بَيْنَهُمَا بِقَعْدَةٍ) بِهِ جَرَى التَّوَارُثُ (وَيَخْطُبُ قَائِمًا عَلَى طَهَارَةٍ) ؛ لِأَنَّ الْقِيَامَ فِيهِمَا مُتَوَارَثٌ ، ثُمَّ هِيَ شَرْطُ الصَّلَاةِ فَيُسْتَحَبُّ فِيهَا الطَّهَارَةُ كَالْأَذَانِ .

(وَلَوْ خَطَبَ قَاعِدًا أَوْ عَلَى غَيْرِ طَهَارَةٍ جَازَ) لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ إلَّا أَنَّهُ يُكْرَهُ لِمُخَالَفَتِهِ التَّوَارُثَ وَلِلْفَصْلِ بَيْنَهُمَا وَبَيْنَ الصَّلَاةِ

(فَإِنْ اقْتَصَرَ عَلَى ذِكْرِ اللَّهِ جَازَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ .وَقَالَا :لَا بُدَّ مِنْ ذِكْرٍ طَوِيلٍ يُسَمَّى خُطْبَةً) ؛ لِأَنَّ الْخُطْبَةَ هِيَ الْوَاجِبَةُ ، وَالتَّسْبِيحَةُ أَوْ التَّحْمِيدَةُ لَا تُسَمَّى خُطْبَةً .

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا تَجُوزُ حَتَّى يَخْطُبَ خُطْبَتَيْنِ اعْتِبَارًا لِلْمُتَعَارَفِ .وَلَهُ قَوْلُه تَعَالَى (فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ) مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ .وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ :الْحَمْدُ لِلَّهِ فَارْتِجَ عَلَيْهِ فَنَزَلَ وَصَلَّى .

ترجمہ:

اور اس کی شرائط میں خطبہ بھی شرط ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اپنی عمر مبارک میں کبھی اس کو جمعہ کے بغیر نہیں پڑھا۔ اور خطبہ نماز سے پہلے اور زوال کے بعد شرط ہے۔ اسی طرح سنت میں بیان ہوا ہے اور دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھ کر فرق کرے کیونکہ یہی توارث جاری ہوا ہے۔ اور باوضو کھڑے ہو کر خطبہ دے کیونکہ اس میں قیام متوارث ہے۔ اور یہ خطبہ نماز جمعہ کیلئے شرط ہے۔ البتہ اس میں طہارت مستحب ہے جس طرح اذان میں ہے۔ اور اگر اس نے بیٹھ کر بغیر طہارت کے خطبہ دیا تو بھی جائز ہے۔ کیونکہ مقصد حاصل ہو گیا لیکن توارث کی مخالفت کی وجہ سے اور نماز اور خطبہ کے درمیان فاصلہ ہو جانے کی وجہ سے اس طرح کرنا مکروہ ہے۔

اگر اس نے ذکر اللہ پر اکتفاء کیا تو امام اعظم کے نزدیک جائز ہے جبکہ صاحبین نے کہا کہ اتنا طویل خطبہ جس کا نام خطبہ ہو دینا ضروری ہے۔ کیونکہ خطبہ واجب ہے جبکہ تسبیح وتحمید کا نام خطبہ نہیں ہے۔

اور امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا جائز نہیں لیکن وہ عرف کا اعتبار کرتے ہوئے دو خطبے پڑھے۔ اور امام اعظم کی دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے" فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ "لہذا اس میں کوئی تفصیل نہیں ہے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے" :الْحَمْدُ لِلَّهِ" کہا تو آپ کی زبان رک گئی تو آپ اتر اور نماز پڑھائی۔

جمعہ کیلئے جماعت کے شرط ہونے کا حکم:

(وَمِنْ شَرَائِطِهَا الْجَمَاعَةُ) ؛ لِأَنَّ الْجُمُعَةَ مُشْتَقَّةٌ مِنْهَا (وَأَقَلُّهُمْ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ثَلَاثَةٌ سِوَى الْإِمَامِ ، وَقَالَا :اثْنَانِ سِوَاهُ) قَالَ :وَالْأَصَحُّ أَنَّ هَذَا قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ وَحْدَهُ .لَهُ أَنَّ فِي الْمُثَنَّى مَعْنَى الِاجْتِمَاعِ هِيَ مُنْبِئَةٌ عَنْهُ .وَلَهُمَا أَنَّ الْجَمْعَ الصَّحِيحَ إنَّمَا هُوَ الثَّلَاثُ ؛ لِأَنَّهُ جَمْعٌ تَسْمِيَةً وَمَعْنًى ، وَالْجَمَاعَةُ شَرْطٌ عَلَى حِدَةٍ ، وَكَذَا الْإِمَامُ فَلَا يُعْتَبَرُ مِنْهُمْ .

ترجمہ:

اور اسکی شرائط میں سے جماعت بھی شرط ہے۔ کیونکہ جمعہ تو مشتق ہی جماعت سے ہے۔ اور امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک کم از کم امام کے سوا تین افراد ہوں اور صاحبین نے کہا کہ امام کے سوا دو ہوں۔ صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کا قول ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک تثنیہ جمع کے حکم میں ہے۔ اور جمعہ اسی سے نکلا ہے۔ اور طرفین کی دلیل یہ ہے صحیح جمع تین ہی ہے۔ کیونکہ تین نام وحکم دونوں کے اعتبار سے جمع ہے۔ اور جماعت الگ شرط ہے اور اسی طرح

امام ان میں شمار نہ کیا جائے گا۔

شرح: جماعت کے بغیر جمعہ معتبر نہیں ہے اس کی دلیل شرائط جمعہ میں گزر چکی ہے۔

غیر مدرک جمعہ والوں کی ظہر کا حکم:

(وَإِنْ نَفَرَ النَّاسُ قَبْلَ أَنْ يَرْكَعَ الْإِمَامُ وَيَسْجُدَ وَلَمْ يَبْقَ إلَّا النِّسَاءُ وَالصِّبْيَانُ اسْتَقْبَلَ الظُّهْرَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَقَالَا :إذَا نَفَرُوا عَنْهُ بَعْدَمَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ صَلَّى الْجُمُعَةَ ، فَإِنْ نَفَرُوا عَنْهُ بَعْدَمَا رَكَعَ رَكْعَةً وَسَجَدَ سَجْدَةً بَنَى عَلَى الْجُمُعَةِ) خِلَافًا لِزُفَرَ .وَهُوَ يَقُولُ :إنَّهَا شَرْطٌ فَلَا بُدَّ مِنْ دَوَامِهَا كَالْوَقْتِ .وَلَهُمَا أَنَّ الْجَمَاعَةَ شَرْطُ الِانْعِقَادِ فَلَا يُشْتَرَطُ دَوَامُهَا كَالْخُطْبَةِ .

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ الِانْعِقَادَ بِالشُّرُوعِ فِي الصَّلَاةِ ، وَلَا يَتِمُّ ذَلِكَ إلَّا بِتَمَامِ الرَّكْعَةِ ؛ لِأَنَّ مَا دُونَهَا لَيْسَ بِصَلَاةٍ فَلَا بُدَّ مِنْ دَوَامِهَا إلَيْهَا بِخِلَافِ الْخُطْبَةِ فَإِنَّهَا تُنَافِي الصَّلَاةَ فَلَا يُشْتَرَطُ دَوَامُهَا ، وَلَا مُعْتَبَرَ بِبَقَاءِ النِّسْوَانِ ، وَكَذَا الصِّبْيَانِ ؛ لِأَنَّهُ لَا تَنْعَقِدُ بِهِمْ الْجُمُعَةُ فَلَا تَتِمُّ بِهِمْ الْجَمَاعَةُ .

ترجمہ:

اگر لوگ بچوں اور عورتوں کے سوا امام جمعہ کے رکوع وسجود سے پہلے بھاگ گئے تو امام اعظم کے نزدیک نئے سرے سے ظہر کی نماز پڑھے۔جبکہ صاحبین نے فرمایا: اگر لوگ امام کے جمعہ شروع کرنے کے بعد بھاگے ہیں تو امام جمعہ پڑھے گا۔اور اگر رکوع وسجدہ کرنے کے بعد بھاگے تو امام جمعے پر بناء کرے۔جبکہ امام زفر علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ جماعت شرط ہے لہذا اس کا آخر تک ہونا ضروری ہے۔جس طرح وقت کا ہونا ضروری ہے۔اور صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ جماعت جمعہ کے منعقد ہونے کیلئے شرط ہے لہذا اس کا آخر تک رہنا ضروری نہیں۔جس طرح خطبہ کا ہونا ہے۔اور امام اعظم کی دلیل یہ ہے۔جمعے کا انعقاد نماز کے شروع کرنے سے ہوتا ہے۔اور انعقاد ایک رکعت کے پورا ہونے سے مکمل ہوتا ہے۔کیونکہ ایک رکعت سے کم تو نماز ہی نہ رہی۔لہذا ایک رکعت تک جماعت کا دوام لازمی ہے۔بخلاف خطبہ کے کیونکہ وہ تو نماز کے منافی ہے پس خطبے کا ایک رکعت تک دوام شرط نہیں ہے۔اور عورتوں اور بچوں کے باقی رہنے کا کوئی اعتبار نہیں۔کیونکہ ان کے ساتھ جمعہ کا انعقاد ہی نہیں ہوا۔لہذا ان کے ساتھ جماعت مکمل نہ ہوئی۔

شرح: اس اختلاف کی بنیاد بھی وجود شرط یعنی وجود جماعت کے ساتھ مقید ہے۔

جن لوگوں پر جمعہ کی فرضیت عملی اثر انداز نہیں:

(وَلَا تَجِبُ الْجُمُعَةُ عَلَى مُسَافِرٍ وَلَا امْرَأَةٍ وَلَا مَرِيضٍ وَلَا عَبْدٍ وَلَا أَعْمَى) ؛ لِأَنَّ الْمُسَافِرَ يَحْرُجُ فِي الْحُضُورِ ، وَكَذَا الْمَرِيضُ وَالْأَعْمَى ، وَالْعَبْدُ مَشْغُولٌ بِخِدْمَةِ الْمَوْلَى ، وَالْمَرْأَةُ بِخِدْمَةِ الزَّوْجِ فَعُذِرُوا

دَفْعًا لِلْحَرَجِ وَالضَّرَرِ (فَإِنْ حَضَرُوا وَصَلَّوْا مَعَ النَّاسِ أَجْزَأَهُمْ عَنْ فَرْضِ الْوَقْتِ) ؛ لِأَنَّهُمْ تَحَمَّلُوهُ فَصَارُوا كَالْمُسَافِرِ إذَا صَامَ .

(وَيَجُوزُ لِلْمُسَافِرِ وَالْعَبْدِ وَالْمَرِيضِ أَنْ يَؤُمَّ فِي الْجُمُعَةِ) وَقَالَ زُفَرُ : لَا يُجْزِئُهُ ؛ لِأَنَّهُ لَا فَرْضَ عَلَيْهِ فَأَشْبَهَ الصَّبِيَّ وَالْمَرْأَةَ .

وَلَنَا أَنَّ هَذِهِ رُخْصَةٌ ، فَإِذَا حَضَرُوا يَقَعُ فَرْضًا عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ ، أَمَّا الصَّبِيُّ فَمَسْلُوبُ الْأَهْلِيَّةِ ، وَالْمَرْأَةُ لَا تَصْلُحُ لِإِمَامَةِ الرِّجَالِ ، وَتَنْعَقِدُ بِهِمْ الْجُمُعَةُ ؛ لِأَنَّهُمْ صَلَحُوا لِلْإِمَامَةِ فَيَصْلُحُونَ لِلِاقْتِدَاءِ بِطَرِيقِ الْأَوْلَى .

ترجمہ:

مسافر،عورت ،مریض ،غلام اور نابینے پر جمعہ واجب نہیں ۔اس لئے کہ مسافر کو جمعہ کیلئے نکلنے میں حرج ہوگا۔یہی عذر مریض اور نابینا میں ہے۔اور غلام اپنے آقا کی خدمت میں مصروف ہے۔اور عورت اپنے خاوند کی خدمت میں مصروف ہے۔ لہذا دفع حرج وضرر کے پیش نظر یہ لوگ معذور قرار دیئے گئے۔

اگر یہ لوگ جمعہ کیلئے حاضر ہوں اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھیں تو اس وقت کا فرض ان سے ادا ہوجائے گا۔کیونکہ ان لوگوں نے اس حکم کو اس شخص کی طرح اٹھایا ہے جس طرح مسافر نے روزہ رکھا ہے۔

اور مسافر،غلام اور مریض کیلئے جائز ہے کہ وہ جمعہ کی امامت کرائیں۔اور امام زفر علیہ الرحمہ نے کہا کہ کافی نہیں ہے کیونکہ ان پر فرض نہیں ہے۔لہذا وہ بچے اور عورت کے مشابہ ہوگئے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ رخصت تھی جب یہ لوگ حاضر ہوگئے تو ان پر فرض واقع ہوگیا جس طرح ہم بیان کرچکے ہیں۔ جبکہ بچے میں امامت کی اہلیت ہی نہیں۔اور اسی طرح عورت مردوں کی امامت کی اہلیت نہیں رکھتی۔اور مسافر،غلام اور مریض کے ساتھ جمعہ کا انعقاد ہوجاتا ہے۔کیونکہ وہ امامت کی صلاحیت رکھتے ہیں۔پس ان کی اقتداء بدرجہ اولیٰ صحیح ہوگی۔

شرح:

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا ہر مسلمان پر واجب ہے سوائے چار طرح کے لوگوں کے ایک غلام پر دوسرے عورت پر، تیسرے بچے پر، چوتھے بیمار پر ابوداؤد کہتے ہیں کہ طارق بن شہاب نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ سنا نہیں۔

جمعہ کے دن ظہر کی کراہت کا بیان:

(وَمَنْ صَلَّى الظُّهْرَ فِي مَنْزِلِهِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ صَلَاةِ الْإِمَامِ وَلَا عُذْرَ لَهُ كُرِهَ لَهُ ذَلِكَ وَجَازَتْ صَلَاتُهُ) وَقَالَ زُفَرُ :لَا يُجْزِئُهُ ؛ لِأَنَّ عِنْدَهُ الْجُمُعَةَ هِيَ الْفَرِيضَةُ أَصَالَةً .وَالظُّهْرُ كَالْبَدَلِ عَنْهَا ، وَلَا مَصِيرَ إلَى الْبَدَلِ مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَى الْأَصْلِ .

وَلَنَا أَنَّ أَصْلَ الْفَرْضِ هُوَ الظُّهْرُ فِي حَقِّ الْكَافَّةِ ، هَذَا هُوَ الظَّاهِرُ إلَّا أَنَّهُ مَأْمُورٌ بِإِسْقَاطِهِ بِأَدَاءِ الْجُمُعَةِ ، وَهَذَا ؛ لِأَنَّهُ مُتَمَكِّنٌ مِنْ أَدَاءِ الظُّهْرِ بِنَفْسِهِ دُونَ الْجُمُعَةِ لِتَوَقُّفِهَا عَلَى شَرَائِطَ لَا تَتِمُّ بِهِ وَحْدَهُ ، وَعَلَى التَّمَكُّنِ يَدُورُ التَّكْلِيفُ .

ترجمہ:

اور جس نے اپنے گھر میں جمعہ کے دن امام کی نماز سے پہلے ظہر کی نماز پڑھی حالانکہ اسے کوئی عذر نہ تھا تو اس کیلئے ایسا کرنا مکروہ ہے۔البتہ نماز جائز ہو جائے گی۔ جبکہ امام زفر علیہ الرحمہ نے فرمایا: اس کی نماز کافی نہ ہوگی۔ کیونکہ ان کے نزدیک جمعہ فرض اصلی ہے۔اور ظہر اس کا بدل ہے۔اور اصل پر قدرت ہونے کے باوجود بدل کی طرف جا سکتا۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ سب کیلئے فرض اصلی ظہر ہے۔ یہی ظاہر ہے۔لیکن جمعہ کی ادائیگی سے اس کا سقوط مامور ہے اور یہ بھی دلیل ہے کہ ظہر کی ادائیگی پر ہر شخص بذات خود قدرت رکھتا ہے۔ جبکہ جمعہ میں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ جمعہ ایسی شرائط کے ساتھ ہے کہ اکیلا آدمی ان کو پورا نہیں کر سکتا۔حالانکہ قدرت پر مکلّف ہونے کا دارومدار ہے۔(قاعدہ فقہیہ)

شرح:

اس دن جمعہ کی نماز کو ظہر فضیلت دی گئی ہے۔

ظہر کی طرف جانے والا جمعہ کی طرف جائے تو حکم فقہی:

(فَإِنْ بَدَا لَهُ أَنْ يَحْضُرَهَا فَتَوَجَّهَ إلَيْهَا وَالْإِمَامُ فِيهَا بَطَلَ ظُهْرُهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ بِالسَّعْيِ ، وَقَالَا :لَا يَبْطُلُ حَتَّى يَدْخُلَ مَعَ الْإِمَامِ) ؛ لِأَنَّ السَّعْيَ دُونَ الظُّهْرِ فَلَا يَنْقُضُهُ بَعْدَ تَمَامِهِ ، وَالْجُمُعَةُ فَوْقَهَا فَيَنْقُضُهَا وَصَارَ كَمَا إذَا تَوَجَّهَ بَعْدَ فَرَاغِ الْإِمَامِ .

وَلَهُ أَنَّ السَّعْيَ إلَى الْجُمُعَةِ مِنْ خَصَائِصِ الْجُمُعَةِ فَيَنْزِلُ مَنْزِلَتَهَا فِي حَقِّ ارْتِفَاعِ الظُّهْرِ احْتِيَاطًا بِخِلَافِ مَا بَعْدَ الْفَرَاغِ مِنْهَا ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِسَعْيٍ إلَيْهَا .

ترجمہ:

پس اگر اس پر واضح ہوا کہ جمعہ حاضر ہے اور وہ اس کی طرف متوجہ ہوا اور امام بھی جمعہ میں تھا تو اس شخص کی ظہر باطل ہو

جائے گی۔ اور صاحبین نے فرمایا: باطل نہیں ہوگی حتیٰ کہ وہ امام کے ساتھ داخل ہو جائے۔ کیونکہ یہ سعی ظہر سے تھوڑی ہے لہذا ظہر مکمل ہونے کے بعد سعی اس کو نہ توڑے گی۔ اور جمعہ ظہر سے بڑھ کر ہے اور وہ اس کو توڑ دے گا۔ لہذا یہ اسی طرح ہوگیا جس طرح کوئی شخص امام کے فارغ ہونے کے بعد متوجہ ہوا ہے۔

اور سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ جمعہ کی طرف سعی کرنا یہ جمعہ کے خصائص میں سے ہے۔ لہذا ظہر کو توڑنے میں سعی کو بطور احتیاط جمعہ کے منزلے میں لے آئیں گے۔ بخلاف اس کے کہ جب امام جمعہ سے ہی فارغ ہو چکا ہو کیونکہ تب وہ جمعہ کی طرف سعی ہی نہیں ہوگی۔

شرح:

اس مسئلہ دلیل یہ ہے قوی کے ہوتے ہوئے ضعیف سبب کا اعتبار نہیں کیا جاتا روز جمعہ ظہر سے جمعہ کا سبب قوی ہے۔

معذورں کی جمعہ کے دن نماز ظہر کا بیان:

(وَيُكْرَهُ أَنْ يُصَلِّيَ الْمَعْذُورُونَ الظُّهْرَ بِجَمَاعَةٍ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِي الْمِصْرِ ، وَكَذَا أَهْلُ السِّجْنِ) لِمَا فِيهِ مِنْ الْإِخْلَالِ بِالْجُمُعَةِ إذْ هِيَ جَامِعَةٌ لِلْجَمَاعَاتِ ، وَالْمَعْذُورُ قَدْ يَقْتَدِي بِهِ غَيْرُهُ بِخِلَافِ أَهْلِ السَّوَادِ ؛ لِأَنَّهُ لَا جُمُعَةَ عَلَيْهِمْ (وَلَوْ صَلَّى قَوْمٌ أَجْزَأَهُمْ) لِاسْتِجْمَاعِ شَرَائِطِهِ .

ترجمہ:

اور معذورں کیلئے جمعہ کے دن شہر میں جماعت کے ساتھ ظہر پڑھنا مکروہ ہے۔ اور اسی طرح قیدیوں کیلئے بھی حکم ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے جمعہ میں خلل پیدا ہوتا ہے۔ اور جمعہ تو تمام جماعتوں کو جمع کرنے والا ہے۔ جبکہ معذور کے ساتھ کبھی کوئی غیر معذور بھی اقتداء کر لیتا ہے۔ بخلاف گاؤں والوں کے کیونکہ ان پر جمعہ لازم نہیں ہے۔ اور اگر کسی قوم نے اس دن ظہر جماعت کے ساتھ پڑھی تو ان کیلئے کافی ہوگا کیونکہ اس میں تمام شرائط جمع ہیں۔

شرح: کیونکہ اس طرح سعی الجمعہ کی طرف عدم اشتغال پیدا ہوگا۔

جس نے امام کو جمعہ میں پایا اس کی بناء کا حکم:

(وَمَنْ أَدْرَكَ الْإِمَامَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ صَلَّى مَعَهُ مَا أَدْرَكَهُ) وَبَنَى عَلَيْهِ الْجُمُعَةَ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا ، وَمَا فَاتَكُمْ فَاقْضُوا) (وَإِنْ كَانَ أَدْرَكَهُ فِي التَّشَهُّدِ أَوْ فِي سُجُودِ السَّهْوِ بَنَى عَلَيْهَا الْجُمُعَةَ عِنْدَهُمَا .

وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ : إنْ أَدْرَكَ مَعَهُ أَكْثَرَ الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ بَنَى عَلَيْهَا الْجُمُعَةَ ، وَإِنْ أَدْرَكَ أَقَلَّهَا بَنَى عَلَيْهَا الظُّهْرَ) ؛ لِأَنَّهُ جُمُعَةٌ مِنْ وَجْهٍ ظُهْرٌ مِنْ وَجْهٍ لِفَوَاتِ بَعْضِ الشَّرَائِطِ فِي حَقِّهِ ، فَيُصَلِّي

أَرْبَعًا اعْتِبَارًا لِلظُّهْرِ وَيَقْعُدُ لَا مَحَالَةَ عَلَى رَأْسِ الرَّكْعَتَيْنِ اعْتِبَارًا لِلْجُمُعَةِ، وَيَقْرَأُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ لِاحْتِمَالِ النَّفْلِيَّةِ. وَلَهُمَا أَنَّهُ مُدْرِكٌ لِلْجُمُعَةِ فِي هَذِهِ الْحَالَةِ حَتَّى يَشْتَرِطَ نِيَّةَ الْجُمُعَةِ، وَهِيَ رَكْعَتَانِ، وَلَا وَجْهَ لِمَا ذُكِرَ؛ لِأَنَّهُمَا مُخْتَلِفَانِ فَلَا يَبْنِي أَحَدَهُمَا عَلَى تَحْرِيمَةِ الْآخَرِ.

ترجمہ

اور جس نے امام کو جمعہ میں پایا تو وہ وہی پڑھا جو اس نے پایا ہے۔ اور جمعہ پر ہی بناء کرے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم جس قدر پاؤ اسے پڑھو اور جو فوت ہو جائے اس کی قضاء کرو۔ اور اگر اس نے امام کو تشہد میں پایا یا سجدہ سہو میں پایا تو شیخین کے نزدیک وہ جمعہ پر بناء کرے۔

اور امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: اگر اس نے دوسری رکعت کا اکثر حصہ پایا ہے تو وہ جمعہ پر بناء کرے اور اگر اس نے کم حصہ پایا ہے تو وہ ظہر پر بناء کرے۔ کیونکہ اس کی یہ نماز من وجہ جمعہ ہے اور من وجہ ظہر ہے۔ اس لئے کہ اسکے حق میں بعض شرائط فوت ہو گئی ہیں۔ لہذا وہ شخص ظہر کا اعتبار کرتے ہوئے چار رکعات پڑھے گا۔ اور جمعہ کا اعتبار کرتے ہوئے دو رکعات پر یقین رکھتے ہوئے قعدہ کرے۔ اور احتمال نفل کی وجہ سے آخری دو رکعات میں قرأت کرے۔ جبکہ شیخین کی دلیل یہ ہے کہ اس صورت میں جمعہ کو پانے والا ہے۔ حتیٰ کہ اس پر لازم ہے کہ وہ جمعہ کی نیت کرے۔ اور جمعہ کی دو رکعات ہیں۔ اور جو امام محمد علیہ الرحمہ نے کہا ہے اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ یہ دونوں نمازیں مختلف ہیں کسی ایک کی بھی دوسرے کی تحریمہ سے بناء نہیں کی جا سکتی۔

مدرک رکعت مدرک جمعہ ہونے میں شیخین کے مؤقف کی تائید میں احادیث:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس آدمی نے نماز کی ایک رکعت امام کے ساتھ پائی اس نے نماز پالی۔ (صحیح البخاری و صحیح مسلم)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس کو جمعہ کی ایک رکعت ہی (امام کے ساتھ) ملے وہ دوسری (بعد میں) اس کے ساتھ ملا لے۔ (سنن ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کو نماز کی (صرف) ایک رکعت ملی تو اس کو بھی (گویا کہ) وہ نماز مل گئی۔ (سنن ابن ماجہ)

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کو جمعہ یا کسی اور نماز کی ایک رکعت بھی مل گئی تو وہ اس کو وہ نماز مل گئی۔ (سنن ابن ماجہ)

یہ حکم عام طور پر تمام نمازوں کے لیے ہے جمعہ ہی کے لیے مخصوص نہیں۔ کتاب الصلوۃ کے باب ما علی الماموم میں تقریباً اسی مضمون کی یہ حدیث گزر چکی ہے کہ من ادرك ركعة فقد ادرك الصلوة اس کی وضاحت وہاں بھی کی جا چکی ہے۔ لیکن اس

حدیث کو جو یہاں نقل کی جارہی ہے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جمعے کی نماز کے ساتھ مخصوص ومقید کیا ہے اور اس کی بنیاد انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت پر رکھی ہے جو اسی باب کے آخر میں آرہی ہے۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں لکھا ہے کہ جس آدمی کی نماز میں امام کے ساتھ نماز کا جو حصہ بھی ملے اسے امام کے ساتھ ادا کرے اور اس حصہ پر جمعہ کی بناء کر کے بقیہ نماز پوری کر لے اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ ما ادر کتم فصلوا و ما فاتکم فاقضوا یعنی نماز کا جو حصہ امام کے ساتھ پاؤ اسے ادا کرو اور جو کچھ رہ جائے اسے پورا کرو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی آدمی جمعہ کی نماز میں بالکل آخر میں اس حال میں شریک ہوا کہ امام التحیات میں تھا یا سجدہ سہو میں تھا تو اسے چاہیے کہ وہ اسی حالت میں جماعت میں شریک ہو جائے اور امام کے ساتھ اسے نماز جمعہ کا جو بھی حصہ ہاتھ لگا ہے اسی پر جمعہ کی بناء کر کے بقیہ نماز پوری کر لے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمہما اللہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ البتہ امام محمد فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی امام کے ساتھ جمعے کی دوسری رکعت کا اکثر حصہ پائے تو اسے اس حصے پر جمعے کی بناء کرنی چاہیے۔ لیکن جس آدمی کو دوسری رکعت کا اکثر حصہ نہ ملے تو اس پر جمعہ کی بناء نہ کرے بلکہ ظہر کی بناء کرے۔

دوسری رکعت کا اکثر حصہ پانے سے مراد دوسری رکعت کا رکوع پانا ہے۔ یعنی اگر کوئی آدمی دوسری رکعت کے رکوع میں بھی شریک ہو گیا تو اسے اکثر حصہ مل گیا اور اگر امام کے رکوع سے سر اٹھانے کے بعد وہ جماعت میں شریک ہوا تو اسے اکثر حصہ پانا نہیں کہیں گے۔

شیخ ابن ہمام نے فرمایا ہے کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف نے اپنے مذکورہ بالا مسلک کی بنیاد جس حدیث پر رکھی ہے وہ حدیث بھی مطلق ہے جمعہ کے ساتھ اس کی تخصیص نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ سے قبل چار رکعت ایک سلام سے پڑھتے تھے۔
(سنن ابن ماجہ)

جمعہ کے بعد کی سنتیں:

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم جمعہ کے بعد نماز پڑھو تو چار رکعت پڑھو۔ (سنن ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو آدمی جمعہ کی فرض نماز کے بعد نماز پڑھنے والا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ چار رکعت پڑھے۔ صحیح مسلم اور مسلم ہی کی ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ پ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی جمعہ کی نماز پڑھے تو اسے چاہیے کہ وہ اس کے بعد چار رکعت سنتیں بھی پڑھے۔

وقت خطبہ نماز وکلام کی ممانعت کا بیان:

(وَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ تَرَكَ النَّاسُ الصَّلَاةَ وَالْكَلَامَ حَتَّى يَفْرُغَ مِنْ خُطْبَتِهِ) قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ ، وَقَالَا : لَا بَأْسَ بِالْكَلَامِ إِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ قَبْلَ أَنْ يَخْطُبَ وَإِذَا نَزَلَ قَبْلَ أَنْ يُكَبِّرَ ، لِأَنَّ الْكَرَاهَةَ لِلْإِخْلَالِ بِفَرْضِ الِاسْتِمَاعِ وَلَا اسْتِمَاعَ هُنَا ، بِخِلَافِ الصَّلَاةِ ؛ لِأَنَّهَا قَدْ تَمْتَدُّ .

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (إِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ فَلَا صَلَاةَ وَلَا كَلَامَ) مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ ، وَلِأَنَّ الْكَلَامَ قَدْ يَمْتَدُّ طَبْعًا فَأَشْبَهَ الصَّلَاةَ .

ترجمہ

اور جب امام جمعہ کے دن نکلے تو لوگ نماز وکلام کو چھوڑ دیں حتیٰ کہ امام خطبے سے فارغ ہو جائے۔ اور صاحب ہدایہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہے اور صاحبین نے فرمایا: کہ جب امام خطبے سے پہلے آیا ہے تو کلام میں کوئی حرج نہیں۔ اور اسی طرح جب وہ تکبیر کہنے سے پہلے منبر سے اترے۔ کیونکہ سماعت میں حرج کی وجہ سے حکم کراہت ہے۔ اور یہاں کوئی سماعت نہیں ہے۔ بخلاف نماز کے کیونکہ وہ کبھی طویل ہو جاتی ہے۔

اور امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے۔ جب امام نکلے تو کوئی نماز اور کوئی کلام نہیں ہے۔ اس میں کوئی تفصیل نہیں ہے۔ لہذا کلام طبعی طور پر لمبا ہوتا ہے لہذا یہ نماز کے مشابہ ہو گیا۔

شرح:

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی جمعے کے دن اس حالت میں جب کہ امام خطبہ پڑھ رہا ہو بات چیت میں مشغول ہو تو وہ اس گدھے کی مانند ہے کہ جس پر کتابیں لاد دی گئیں ہوں اور جو آدمی اس (بات چیت میں مشغول رہنے والے) سے کہے چپ رہو تو اس کے لیے جمعے کا ثواب نہیں ہے۔ (مسند احمد بن حنبل)

گدھے کی مثل کا مطلب یہ ہے کہ ایسا آدمی اس گدھے کی طرح ہے جس کی پشت پر کتابیں لاد دی جائیں یہ دراصل عالم کے علم پر عمل نہ کرنے سے کنایہ ہے نیز اس بات سے کنایہ ہے کہ اس آدمی نے انتہائی محنت ومشقت برداشت کر کے علم حاصل کیا مگر اس علم سے فائدہ نہیں اٹھایا۔

جو آدمی مشغول گفتگو کو خاموش ہونے کے لیے کہے اس کو بھی جمعے کا ثواب اس لیے نہیں ملتا کہ اس سے ایسا لغو اور بے فائدہ کلام صادر ہوا جس کی ممانعت ثابت ہو چکی ہے۔

خطبہ کے وقت خاموشی کا حکم:

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب جمعہ کے روز امام خطبہ دے رہا ہو اور تم اپنے ساتھی سے کہو کہ خاموش ہو جاؤ تو تم نے لغو کلام کیا۔ (سنن ابن ماجہ)

حضرت ابی بن کعب سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمعہ کے روز کھڑے ہو کر (خطبہ میں) سورہ تبارک پڑھی پھر ہمیں تذکیر بایام اللہ فرمائی (گزشتہ قوموں کی جزا وسزا کا ذکر کر کے عبرت دلائی) اس وقت ابوالدرداء یا ابوذر میں سے کسی ایک نے مجھے ہاتھ لگا کر پوچھا یہ سورت کب نازل ہوئی؟ میں تو ابھی سن رہا ہوں۔ تو حضرت اُبی نے اشارہ سے ان کو خاموش رہنے کو کہا جب نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت ابوالدرداء یا ابوذر (میں سے جس نے سوال کیا تھا) میں نے آپ سے پوچھا کہ یہ سورت کب نازل ہوئی؟ تو آپ نے مجھے بتایا نہیں۔ حضرت ابی نے کہا تمہیں آج کی اس نماز میں سے یہی لغو بات حصہ میں آئی۔ تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ابوذر کی بات آپ کے سامنے رکھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اُبی نے سچ کہا۔ (سنن ابن ماجہ)

خطبے کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام اور اس کی وضاحت:

ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ جمعے کے روز جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے ایک اعرابی آیا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرا مال تباہ و برباد ہو گیا، میرے اہل و عیال بھوکے ہیں ہمارے لیے دعا کیجئے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حالت میں اپنے ہاتھ اٹھائے اور دعا فرمائی یا اسی طرح بعض روایتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطبہ کی حالت میں بات چیت کرنا ثابت ہے تو ان روایتوں کے بارے میں کئی احتمال ہیں اول تو یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعا میں مشغول ہونا یا بات چیت کرنا خطبہ کی حالت میں نہیں تھا بلکہ یا تو خطبہ شروع ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا یا بات چیت میں مشغول ہوئے ایک احتمال یہ ہے کہ ان روایتوں کا تعلق اس زمانے سے ہے جب کہ خطبے کی حالت میں اس قسم کی مشغولیت ممنوع نہیں تھی یا پھر یہ کہا جائے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے۔

حضرت سلمان راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو آدمی جمعے کے دن نہائے اور جس قدر ہو سکے پاکی حاصل کرے اور اپنے پاس سے (یعنی گھر میں جو بلا تکلف میسر ہو سکے) تیل ڈالے اور اپنے گھر سے عطر لگائے اور پھر مسجد کے لیے نکلے اور (مسجد پہنچ کر) دو آدمیوں کے درمیان فرق نہ رکھے اور پھر جتنی بھی اس کے مقدر میں ہو (یعنی جمعے کی سنت نوافل یا قضاء نماز پڑھے اور امام کے خطبہ پڑھتے وقت خاموش رہے تو اس جمعے اور گذشتہ جمعے کے درمیان کے اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ (صحیح البخاری)

اور جس قدر ہو سکے پاکی اختیار کرے کا مطلب یہ ہے کہ لبیں کترواۓ، ناخن کٹوائے، زیر ناف کے بال صاف کرے

بغلوں کے بال دور کرے اور پاک وصاف کپڑے پہنے۔

دوآدمیوں کے درمیان فرق نہ کرے کا مطلب یہ ہے کہ اگر مسجد میں باپ بیٹا یا ایسے دوآدمی جو آپس میں محبت وتعلق رکھتے ہوں ایک جگہ پاس بیٹھے ہوں تو ان کے درمیان نہ بیٹھے یا دوآدمیوں کے درمیان اگر جگہ نہ ہوتو وہاں نہ بیٹھے کہ انہیں تکلیف ہوگی ہاں اگر جگہ ہوتو کوئی مضائقہ نہیں۔

یا فرق نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کو پھلانگتا ہوا۔؟صفوں کو چیرتا پھاڑتا آگے کی صفوں میں نہ جائے بلکہ جہاں جگہ ملے وہیں بیٹھ جائے اور اگر بغیر پھلانگے اور بغیر صفوں کے چیرے پھاڑے پہلی صف میں پہنچ سکتا ہے تو آگے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں یہ حکم اس صورت کا ہے جب کہ آگے کی صفوں میں جگہ نہ ہو۔ ہاں اگر یہ سمجھتا ہے کہ اگر میں آگے کی صفوں میں جاؤں گا تو لوگ مجھے وہاں بیٹھنے کی جگہ دیدیں گے یا یہ کہ اگلی صفوں میں جگہ خالی پڑی ہوتو پھر صفوں کو چیر پھاڑ کر بھی آگے جانا درست ہوگا کیونکہ یہ پچھلی صفوں میں بیٹھے ہوئے لوگوں کا قصور ہے کہ وہ آگے بڑھ کر پہلی صفوں میں کیوں نہیں بیٹھتے اور خالی جگہ کو پر کیوں نہیں کرتے۔

درحقیقت یہ حدیث اس طرف اشارہ کررہی ہے کہ نماز جمعہ کے لیے اول وقت مسجد پہنچ جانا چاہے۔تا کہ وہاں فرق نہ کرنے اور صفوں کو چیرنے پھاڑنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس آدمی نے غسل کیا پھر جمعہ میں آیا اور جس قدر کہ اس کے نصیب میں تھی نماز پڑھی پھر امام کے خطبے سے فارغ ہونے تک خاموش رہا اور اس کے ساتھ نماز پڑھی تو اس جمعے سے گذشتہ جمعے تک بلکہ اس سے تین دن زیادہ کے اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔(صحیح البخاری(

تین دن کی زیادتی اس لیے ہے کہ ہر نیکی کا ثواب دس گنا زیادہ ہوتا ہے لہٰذا جمعے سے جمعہ تک تو سات دن ہوئے اور تین دن کا اسی میں اضافہ کردیا گیا تا کہ دہائی پوری ہوجائے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس آدمی نے وضو کیا اور اچھا وضو کیا (یعنی آداب وضو کی رعایت کے ساتھ) پھر جمعہ میں آیا اور (اگر نزدیک تھا تو) خطبہ سنا اور (اگر دور تھا اور خطبہ نہ سن سکتا تھا) تو خاموش رہا تو اس (جمعے) کے اور گذشتہ جمعے کے درمیان بلکہ اس سے بھی تین دن زیادہ کے اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور جس نے کنکریوں کو چھوا اس نے لغو کیا۔(صحیح مسلم)

کنکریوں کو چھوا یعنی نماز میں کنکریوں سے شغل کیا بایں طور کے سجدے کی جگہ برابر کرنے کے لیے انہیں ایک مرتبہ سے زیادہ برابر کیا بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ خطبے کے وقت کنکریوں سے کھیلتا رہا۔

لغو کے معنی باطل اور بے فائدہ بات لہٰذا نمازی کے کنکریوں سے کھیلنے یا کنکریوں کو چھونے کو لغو کے ساتھ مشابہت اس

لیے دی گئی ہے کہ یہ فعل خطبہ سننے سے مانع ہوتا ہے۔

جمعہ کی طرف سعی کے وقت کا بیان:

(وَإِذَا أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُونَ الْأَذَانَ الْأَوَّلَ تَرَكَ النَّاسُ الْبَيْعَ وَالشِّرَاءَ وَتَوَجَّهُوا إِلَى الْجُمُعَةِ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ) (وَإِذَا صَعِدَ الْإِمَامُ الْمِنْبَرَ جَلَسَ وَأَذَّنَ الْمُؤَذِّنُونَ بَيْنَ يَدَيِ الْمِنْبَرِ) بِذَلِكَ جَرَى التَّوَارُثُ وَلَمْ يَكُنْ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا هَذَا الْأَذَانُ ، وَلِهَذَا قِيلَ :هُوَ الْمُعْتَبَرُ فِي وُجُوبِ السَّعْيِ وَحُرْمَةِ الْبَيْعِ ، وَالْأَصَحُّ أَنَّ الْمُعْتَبَرَ هُوَ الْأَوَّلُ إِذَا كَانَ بَعْدَ الزَّوَالِ لِحُصُولِ الْإِعْلَامِ بِهِ ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ .

ترجمہ

اور جب مؤذنین نے پہلی اذان دی تو لوگ خرید وفروخت چھوڑ کر جمعہ کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ ''فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ'' اور جب امام منبر پر بیٹھ جائے تو مؤذن منبر کے سامنے اذان دے کیونکہ یہی متوارث ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کے زمانہ اقدس میں یہ اذان تھی۔ اسی دلیل کی بنیاد پر کہا گیا ہے کہ وجوب سعی اور حرمت بیع اسی اذان کے ساتھ ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ اذان اول کا اعتبار ہے۔ جو زوال کے بعد ہوتی ہے۔ کیونکہ اعلان اسی کے ساتھ حاصل ہوتا ہے۔

شرح:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب جمعے کا دن آتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے پر آ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جو آدمی مسجد میں اول وقت آتا ہے پہلے وہ اس کا نام لکھتے ہیں پھر اس کے بعد پہلے آنے والوں کا نام لکھتے ہیں اور جو آدمی مسجد میں اول (وقت) جمعہ میں آتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسا کوئی آدمی مکہ میں قربانی کے لیے اونٹ بھیجتا ہے۔ (کہ جس کا بہت زیادہ ثواب ہوتا ہے) پھر اس کے بعد جو آدمی جمعہ میں آتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی آدمی مکہ میں قربانی کے لیے گائے بھیجتا ہے۔ پھر اس کے بعد جو آدمی آتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی آدمی دنبہ بھیجتا ہے پھر اس کے بعد جو آدمی آتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی صدقہ میں مرغی دیتا ہے پھر اس کے بعد جو آدمی آتا ہے وہ صدقہ میں انڈا دینے والے کی مانند ہوتا ہے اور جب امام (خطبے کے لیے منبر پر) آتا ہے تو وہ اپنے صحیفے لپیٹ لیتے ہیں اور خطبہ سننے لگتے ہیں۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

بَابُ الْعِیْدَیْنِ

﴿یہ باب عیدین کی نماز کے بیان میں ہے﴾

باب نماز عیدین کی مناسبت کا بیان:

عیدین کی نماز کی مطابقت جمعہ کے ساتھ واضح ہے۔ کیونکہ اس میں قیاس ہی اسی پر کیا جاتا ہے۔

عید کا معنی:

عربی زبان میں لفظ عید "عود" سے ماخوذ ہے۔ جس کا معنی لوٹنا ہے۔ اسکی وضعی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے لغویوں میں سے عصر آئمہ کا ادراک کرنے والے خلیل بن احمد فراہیدی (۱۰۷ھ "(کتاب العین "۲/۱۲۷ پر یوں بیان کرتے ہیں: عود بار بار لوٹنے کو کہا جاتا ہے اور "عودۃ "ایک دفعہ لوٹنا ہے جیسا کہ ملک الموت اہل میت کو کہتا ہے: میں بار بار تمہارے ہاں آؤں گا یہاں تک کہ تم میں سے کوئی بھی نہیں بچے گا۔

لفظ عید کی وضاحت کرتے ہوئے خلیل بن احمد فراہیدی (۱۰۷ھ) کتاب العین ۲/۱۲۷ پر یوں بیان کرتے ہیں ": کل یوم مجمع "جس دن لوگ اکٹھے ہوں اس دن کو عید کہتے ہیں۔ عید اصل میں واو کیساتھ تھا اسکی واو کو یا میں تبدیل کیا اور پھر جمع اور تصغیر میں اسی طرح رہنے دیا لہذا اسکی جمع "اعیاد "اور اسکی تصغیر "عیید" آتی ہے اور یہ لفظ مذکر اور مونث دونوں طرح سے استعمال ہوتا ہے۔

دوسرے لغویوں نے بھی اسی معنی کو بیان کیا ہے جیسا کہ لسان العرب ۳/۳۱۸ میں ابن منظور (متوفی ۷۱۱ھ) نے ان الفاظ کے ساتھ عید کو بیان کیا ہے:

"و العِیدُ :کلُّ یوم فیہ جَمع، و اشتقاقہ من عادیَعُود کانھم عادوا الیہ؛ و قیل :اشتقاقہ من العادۃ لأنھم اعتادوہ، و الجمع أعیاد"

انسان اور عید کا تصور

حزن اور سرور انسانی سرشت اور فطرت میں پوشیدہ ان کیفیات میں سے ہیں جو عام طور پر کسی سبب کی وجہ سے انسان کو عارض ہوتی ہیں لہذا غم واندوہ اور خوشی وفرحت کسی چیز کا عکس العمل ہوتا ہے یعنی اس غمی کے پیچھے کوئی واقعہ یا خبر یا عمل ہوتا ہے جو اس غمی کا موجب بنتا ہے اور اسی طرح کوئی خبر، واقعہ، فعل یا عمل ہوتا ہے جو اس خوشی کا پیش خیمہ بنتا ہے۔ پس اس بناء پر حزن و سرور اور انسان کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ البتہ حزن وسرور کا اظہار کبھی انسان کی شخصی اور انفرادی زندگی تک محدود ہوتا ہے لیکن کبھی اسکی محدودیت اس کی ذات سے وسیع تر اجتماعی صورت اختیار کر لیتی ہے یعنی انسان اس خوشی وغمی کو اجتماعی صورت میں

انجام دیتا ہے اور عید کا لفظ حقیقت میں اسی اجتماعی صورت کیلئے وضع ہوا ہے۔اس کا مشاہدہ عید کے لغوی معنی میں کیا جاسکتا ہے۔

بہر حال تاریخ انسانی کے متعلق دقیق ترین کسی عیب وشک سے پاکیزہ معلومات فراہم کرنے کا منبع قرآن عید کے تصور کو صراحت کے ساتھ بنی اسرائیل کے بارے میں خبر دیتے ہوئے کہتا ہے کہ

"قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِنْكَ وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ "

"حضرت عیسی بن مریم نے خدا کی بارگاہ میں عرض کیا اے بارالہا! تم ہمارے لئے آسمان سے مائدہ نازل فرمادہ ہمارے اولین اورآخرین کیلئے عیداور تمہاری جانب سے معجزہ ہواورتم ہی بہترین رازقین میں سے ہو "

اسکے لئے تفسیر المیز ان ۶/ ۸۲۲؛ تفسیر آلوسی اور دیگر تفاسیر میں سورہ مائدہ کی ۱۱۴ویں آیت کے ذیل میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

حضرت عیسی کا اپنی قوم کے سوال کے جواب میں حضرت کا خدا سے دعا کا کرنا اور پھراس دعا میں "لنا "اور"عید" کے الفاظ کا استعمال اس قوم میں اس تصور کی خبر دیتا ہے پس یہ آیت اسلام سے پہلے تصور عید کی موجودیت پر دلالت کرتی ہے اگر چہ بنی اسرائیل سے پہلے بھی اس تصور کی جانب حضرت ابراہیم کے قصے میں انبیاء کی ۵۷ ویں اور ۵۸ ویں آیت میں مفسرین کے بقول "مدبرین"اور "س معنا فتی "میں اشارہ موجود ہے۔

نماز عید ہراس شخص پر واجب ہے جس پر جمعہ واجب ہے:

قَالَ (وَتَجِبُ صَلَاةُ الْعِيدِ عَلَى كُلِّ مَنْ تَجِبُ عَلَيْهِ صَلَاةُ الْجُمُعَةِ) وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ :عِيدَانِ اجْتَمَعَا فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ ، فَالْأَوَّلُ سُنَّةٌ ، وَالثَّانِي فَرِيضَةٌ ، وَلَا يُتْرَكُ وَاحِدٌ مِنْهُمَا .قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: وَهَذَا تَنْصِيصٌ عَلَى السُّنَّةِ ، وَالْأَوَّلُ عَلَى الْوُجُوبِ وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ .وَجْهُ الْأَوَّلِ مُوَاظَبَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهَا ، وَوَجْهُ الثَّانِي قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَدِيثِ الْأَعْرَابِيِّ عَقِيبَ سُؤَالِهِ "قَالَ :(هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُنَّ ؟ فَقَالَ :لَا إلَّا أَنْ تَطَوَّعَ) وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ ، وَتَسْمِيَتُهُ سُنَّةً لِوُجُوبِهِ بِالسُّنَّةِ.

ترجمہ:

اور نماز عید ہراس شخص پر واجب ہے جس پر نماز جمعہ واجب ہے۔اور جامع صغیر میں ہے جب ایک دن میں دو عید یں جمع ہو جائیں تو پہلی سنت ہے اور دوسری فرض ہے۔لہذا ان دونوں میں کسی ایک کو بھی چھوڑا نہیں جائے گا۔صاحب ہدایہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔اور عید کی نماز کی سنیت نص سے ہے۔اور پہلی واجب ہے۔اور یہی روایت حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ

سے ہے۔اور پہلی کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس پر دوام فرمایا ہے اور دوسری کی دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ جب اعرابی نے آپ ﷺ سے سوال کیا کہ کیا ان کے سوا بھی مجھ پر کوئی نماز لازم ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں بلکہ جس قدر نفل ہو سکے۔اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے اور اس کا سنت نام رکھنا اس وجہ سے ہے کہ اس کا وجوب سنت سے ہے۔

شرح:

وجوب عید کا وجوب جمعہ پر قیاس کرنے کی علت:

جمعہ کے تمام احکام پڑھ لینے کے بعد یہ قیاس اخذ ہوتا ہے کہ عید کی نماز کا وجوب لوگوں سے حرج دور کرنے کی وجہ سے ہے

عید الفطر کی سنن کا بیان:

(وَيُسْتَحَبُّ فِي يَوْمِ الْفِطْرِ أَنْ يَطْعَمَ قَبْلَ أَنْ يَخْرُجَ إِلَى الْمُصَلَّى وَيَغْتَسِلَ وَيَسْتَاكَ وَيَتَطَيَّبَ) لِمَا رُوِيَ (أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ يَطْعَمُ فِي يَوْمِ الْفِطْرِ قَبْلَ أَنْ يَخْرُجَ إِلَى الْمُصَلَّى ، وَكَانَ يَغْتَسِلُ فِي الْعِيدَيْنِ) وَلِأَنَّهُ يَوْمُ اجْتِمَاعٍ فَيُسَنُّ فِيهِ الْغُسْلُ وَالطِّيبُ كَمَا فِي الْجُمُعَةِ (وَيَلْبَسُ أَحْسَنَ ثِيَابِهِ) ؛ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَتْ لَهُ جُبَّةُ فَنَكٍ أَوْ صُوفٍ يَلْبَسُهَا فِي الْأَعْيَادِ .

(وَيُؤَدِّي صَدَقَةَ الْفِطْرِ) إغْنَاءً لِلْفَقِيرِ لِيَتَفَرَّغَ قَلْبُهُ لِلصَّلَاةِ (وَيَتَوَجَّهُ إِلَى الْمُصَلَّى ، وَلَا يُكَبِّرُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي طَرِيقِ الْمُصَلَّى ، وَعِنْدَهُمَا يُكَبِّرُ) اعْتِبَارًا بِالْأَضْحَى .

وَلَهُ أَنَّ الْأَصْلَ فِي الثَّنَاءِ الْإِخْفَاءُ ، وَالشَّرْعُ وَرَدَ بِهِ فِي الْأَضْحَى ؛ لِأَنَّهُ يَوْمُ تَكْبِيرٍ ، وَلَا كَذَلِكَ يَوْمَ الْفِطْرِ .

(وَلَا يَتَنَفَّلُ فِي الْمُصَلَّى قَبْلَ الْعِيدِ) ؛ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَمْ يَفْعَلْ ذَلِكَ مَعَ حِرْصِهِ عَلَى الصَّلَاةِ ، ثُمَّ قِيلَ الْكَرَاهَةُ فِي الْمُصَلَّى خَاصَّةً ، وَقِيلَ فِيهِ وَفِي غَيْرِهِ عَامَّةً ؛ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَمْ يَفْعَلْهُ .

ترجمہ:

نمازی کیلئے مستحب یہ ہے کہ وہ عید الفطر کے دن عید گاہ جانے سے پہلے کچھ کھائے، غسل کرے اور مسواک کرے اور خوشبو لگائے۔اسی روایت کی وجہ سے جو بیان کی گئی ہے کہ آپ ﷺ عید الفطر کے دن عید گاہ جانے سے پہلے کچھ تناول فرماتے اور آپ ﷺ عیدین کے غسل فرمایا کرتے تھے۔کیونکہ یہ اجتماع کا دن ہے لہذا اس میں غسل کرنا، خوشبو لگانا اسی طرح سنت ہے جس طرح جمعہ میں سنت ہے۔اور وہ اچھا لباس پہنے۔کیونکہ نبی کریم ﷺ کے پاس فناک یا صوف کا جبہ تھا جو آپ ﷺ عیدین کے موقع پر پہنا کرتے تھے۔

اوروہ صدقہ فطرادا کرنے تاکہ فقیر کا دل بے نیاز ہوکر نماز کیلئے فارغ ہوجائے۔اوروہ عیدگاہ کی طرف متوجہ ہوااورامام اعظم کے نزدیک راستے میں تکبیر نہ کہے جبکہ صاحبین کے نزدیک عیدالاضحیٰ پر قیاس کرتے ہوئے وہ تکبیر کہے۔امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ ثناءاورذکر میں اصل اخفاء ہے جبکہ جہر کے ساتھ حکم شرعی عیدالاضحیٰ کے بارے میں ہے۔کیونکہ عیدالاضحیٰ تودن ہی تکبیر کا ہے۔جبکہ عیدالفطر میں ایسانہیں ہے۔

عید کی نماز سے پہلے عیدگاہ میں نفلی نماز نہ پڑھے۔کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ایسانہیں فرمایا حالانکہ آپ ﷺ کونماز کا بہت شوق تھا۔یہ بھی کہا گیاہے کہ حکم کراہت عیدگاہ کے ساتھ خاص ہے۔اور یہ بھی فقہاء نے کہاہے کہ حکم کراہت عیدگاہ وغیرعیدگاہ کیلئے عام ہے۔کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ایسانہیں کیا۔

شرح:

عید کی نماز میں قرأت کے احکام باب القرأت میں گزرچکے ہیں۔

نمازعید کے وقت کا بیان:

(وَإِذَا حَلَّتْ الصَّلَاةُ بِارْتِفَاعِ الشَّمْسِ دَخَلَ وَقْتُهَا إلَى الزَّوَالِ ، فَإِذَا زَالَتْ الشَّمْسُ خَرَجَ وَقْتُهَا) (؛لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يُصَلِّي الْعِيدَ وَالشَّمْسُ عَلَى قَيْدِ رُمْحٍ أَوْ رُمْحَيْنِ ، وَلَمَّا شَهِدُوا بِالْهِلَالِ بَعْدَ الزَّوَالِ أَمَرَ بِالْخُرُوجِ إلَى الْمُصَلَّى مِنْ الْغَدِ).

ترجمہ:

جب سورج بلندہوجائے تونماز مباح ہوجائے گی حتیٰ کہ وقت زوال داخل ہونے تک۔اور جب سورج ڈھل گیاتوعید کی نماز کا وقت خارج ہوگیا۔کیونکہ نبی کریم ﷺ اس وقت نمازعید پڑھا کرتے تھے جب سورج ایک نیزہ یادونیزوں تک بلندہو جاتا۔اور جب لوگوں نے زوال کے بعد ہلال کی گواہی دی توآپ نے اگلے دن عیدگاہ کی طرف نماز کاحکم دیا۔

نمازعید کا طریقہ:

(وَيُصَلِّي الْإِمَامُ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ ، يُكَبِّرُ فِي الْأُولَى لِلِافْتِتَاحِ وَثَلَاثًا بَعْدَهَا ، ثُمَّ يَقْرَأُ الْفَاتِحَةَ وَسُورَةً ، وَيُكَبِّرُ تَكْبِيرَةً يَرْكَعُ بِهَا .

ثُمَّ يَبْتَدِئُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ بِالْقِرَاءَةِ ، ثُمَّ يُكَبِّرُ ثَلَاثًا بَعْدَهَا ، وَيُكَبِّرُ رَابِعَةً يَرْكَعُ بِهَا) وَهَذَا قَوْلُ ابْنِ مَسْعُودٍ ، وَهُوَ قَوْلُنَا .

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : يُكَبِّرُ فِي الْأُولَى لِلِافْتِتَاحِ وَخَمْسًا بَعْدَهَا وَفِي الثَّانِيَةِ يُكَبِّرُ خَمْسًا ثُمَّ يَقْرَأُ .وَفِي رِوَايَةٍ يُكَبِّرُ أَرْبَعًا ، وَظَهَرَ عَمَلُ الْعَامَّةِ الْيَوْمَ بِقَوْلِ ابْنِ عَبَّاسٍ لِأَمْرِ بَنِيهِ الْخُلَفَاءِ .فَأَمَّا الْمَذْهَبُ فَالْقَوْلُ

الْأَوَّلُ ؛ لِأَنَّ التَّكْبِيرَ وَرَفْعَ الْأَيْدِي خِلَافُ الْمَعْهُودِ فَكَانَ الْأَخْذُ بِالْأَقَلِّ أَوْلَى ثُمَّ بِالتَّكْبِيرَاتِ مِنْ أَعْلَامِ الدِّينِ حَتَّى يُجْهَرَ بِهِ فَكَانَ الْأَصْلُ فِيهِ الْجَمْعُ وَفِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى يَجِبُ إلْحَاقُهَا بِتَكْبِيرَةِ الِافْتِتَاحِ لِقُوَّتِهَا مِنْ حَيْثُ الْفَرِيضَةِ وَالسَّبْقِ ، وَفِي الثَّانِيَةِ لَمْ يُوجَدْ إلَّا تَكْبِيرَةُ الرُّكُوعِ فَوَجَبَ الضَّمُّ إلَيْهَا ، وَالشَّافِعِيُّ أَخَذَ بِقَوْلِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، إلَّا أَنَّهُ حَمَلَ الْمَرْوِيَّ كُلَّهُ عَلَى الزَّوَائِدِ فَصَارَتْ التَّكْبِيرَاتُ عِنْدَهُ خَمْسَ عَشْرَةَ أَوْ سِتَّ عَشْرَةَ .

ترجمہ:

اور امام لوگوں کو دو رکعات نماز پڑھائے۔اور پہلی رکعت شروع کرنے کیلئے ایک تکبیر کہے۔اور بعد میں تین تکبیریں کہے۔پھر فاتحہ اور سورۃ پڑھے۔اور ایک تکبیر کہتا ہوا رکوع کرے۔پھر دوسری رکعت کو قرأت سے شروع کرے۔پھر اس کے بعد تین تکبیریں کہے۔اور چوتھی تکبیر کہتے ہوئے رکوع کرے۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہی فرمان ہے۔اور ہمارا بھی یہی مسلک ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: پہلے شروع کرنے کیلئے تکبیر کہے تو اس کے بعد پانچ تکبیریں کہے۔اور دوسری رکعت میں بھی پانچ تکبیریں کہے۔اور اس کے بعد قرأت کرے۔جبکہ ایک روایت کے مطابق چار تکبیریں کہے۔آج کل حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول پر عمل ہو رہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی اولاد میں سے خلفاء ہیں۔لہذا انہوں نے لوگوں کو اسی پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔رہی بات مذہب کی تو وہ پہلا قول ہے کیونکہ تکبیر اور ہاتھ اٹھانا خلاف معہود ہے۔لہذا قلیل کو لینا افضل ہے۔اور تکبیرات دینی اعلام سے ہیں۔لہذا ان میں جہر کیا جائے۔پس ان تکبیرات میں اصل اجتماع ہے۔اور پہلی رکعت میں ان تکبیروں کو تکبیر تحریمہ سے ملانا واجب ہے۔کیونکہ فرضیت وسبقت کی وجہ سے تکبیر تحریمہ قوی ہے۔جبکہ دوسری رکعت میں رکوع میں پائی جائے گی۔لہذا رکوع والی تکبیر کے ساتھ ملانا واجب ہے۔جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول پکڑا ہے۔لیکن انہوں نے روایت کردہ تعداد زوائد پر محمول کیا ہے۔اس طرح امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک تمام تکبیرات کی تعداد پندرہ یا سولہ ہوگئی۔

فقہ حنفی کے مطابق تکبیرات تشریق کی تعداد کا بیان:

حضرت سعید ابن عاص فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوموسیٰ وحضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سوال کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر وبقرعید کی نماز میں کتنی تکبیریں کہتے تھے؟ تو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ میں چار تکبیریں کہتے تھے اسی طرح عیدین کی نماز میں بھی چار تکبیریں کہا کرتے تھے حضرت حذیفہ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ ابوموسیٰ نے سچ کہا (ابوداؤد)

حضرت ابوموسیٰ کے جواب کی تفصیل یہ ہے کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہا کرتے تھے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی نماز میں بھی ہر رکعت میں چار تکبیریں کہا کرتے تھے اس طرح کہ پہلی رکعت میں تو قرأت سے پہلے تکبیر تحریمہ سمیت چار تکبیریں کہتے تھے اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد رکوع کی تکبیر سمیت چار تکبیریں کہتے تھے۔

اس سلسلہ میں یہ بات جان لینی چاہیے کہ تکبیرات عید کے سلسلہ میں متضاد احادیث منقول ہیں اسی وجہ سے ائمہ کے مسلک میں بھی اختلاف ظاہر ہوا ہے چنانچہ تینوں اماموں کے نزدیک عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں سات تکبیریں ہیں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد کے ہاں تو پہلی رکعت میں سات تکبیریں مع تکبیر تحریمہ کے ہیں اور اسی طرح دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں تکبیر قیام سمیت ہیں جب کہ حضرت امام شافعی کے نزدیک پہلی رکعت میں سات تکبیریں تکبیر تحریمہ کے علاوہ اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں تکبیر قیام کے علاوہ ہیں۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ تین تکبیریں پہلی رکعت میں اور تکبیر رکوع کے علاوہ تین تکبیریں دوسری رکعت میں ہیں جیسا کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ نیز اسی کو حضرت عبداللہ ابن مسعود نے بھی اختیار کیا ہے جبکہ حضرت امام شافعی کے مسلک کے مطابق حضرت عبداللہ ابن عباس کا مسلک ہے جہاں تک ان احادیث کا تعلق ہے جن سے حضرت امام شافعی استدلال کرتے ہیں تو ان کی صحت وضعف اور ان کی اسناد وطرق کے بارے میں بہت زیادہ اعتراضات ہیں جس کو یہاں نقل کرنے کا موقع نہیں ہے۔ علماء حنیفہ اپنے مسلک کے بارے میں لکھتے ہیں کہ تکبیرات عیدین کے سلسلہ میں جب متضاد اور مختلف احادیث سامنے آئیں تو ہم نے ان میں سے ان احادیث کو اپنا معمول بہ قرار دیا جن میں تکبیرات کی تعداد کم منقول تھی کیونکہ عیدین کی زائد تکبیریں اور رفع یدین بہر حال خلاف معمول ہیں اس لیے کم تعداد کا اختیار کرنا ہی اولی ہوگا۔

تکبیرات عیدین میں رفع یدین کرنے کا بیان:

قَالَ (وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي تَكْبِيرَاتِ الْعِيدَيْنِ) يُرِيدُ بِهِ مَا سِوَى تَكْبِيرَتَيْ الرُّكُوعِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا تُرْفَعُ الْأَيْدِي إلَّا فِي سَبْعِ مَوَاطِنَ) وَذَكَرَ مِنْ جُمْلَتِهَا تَكْبِيرَاتِ الْأَعْيَادِ .وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَا يَرْفَعُ ، وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا رَوَيْنَا .

قَالَ (ثُمَّ يَخْطُبُ بَعْدَ الصَّلَاةِ خُطْبَتَيْنِ) بِذَلِكَ وَرَدَ النَّقْلُ الْمُسْتَفِيضُ (يُعَلِّمُ النَّاسَ فِيهَا صَدَقَةَ الْفِطْرِ وَأَحْكَامَهَا) ؛ لِأَنَّهَا شُرِعَتْ لِأَجْلِهِ .

ترجمہ:

اور وہ عیدین کی تکبیرات میں رفع یدین کرے۔رکوع والی تکبیر کے سوا تکبیریں مراد ہیں۔کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ رفع یدین صرف سات مقامات پر کیا جائے۔اور ان تمام میں تکبیرات عیدین کا بھی ذکر فرمایا۔جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک رفع یدین نہ کیا جائے ان پر ہماری روایت حجت ہے۔

پھر وہ نماز کے بعد دو خطبے پڑھے جس طرح نقل سے حاصل ہوا ہے۔اس میں لوگوں کو صدقہ فطر اور اس کے احکام سکھائے کیونکہ اس کی مشروعیت ہی اس وجہ سے کی گئی ہے۔

نماز عید کے قضاء کرنے کا طریقہ:

(وَمَنْ فَاتَتْهُ صَلَاةُ الْعِيدِ مَعَ الْإِمَامِ لَمْ يَقْضِهَا) ؛ لِأَنَّ الصَّلَاةَ بِهَذِهِ الصِّفَةِ لَمْ تُعْرَفْ قُرْبَةً إلَّا بِشَرَائِطَ لَا تَتِمُّ بِالْمُنْفَرِدِ .

ترجمہ:

اور جس شخص کی عید کی نماز امام کے ساتھ سے فوت ہو جائے۔وہ اس کی قضاء نہ کرے اس لئے کہ نماز عید کا اس صفت کے ساتھ عبادت ہونا معلوم نہیں۔مگر ایسی یہ نماز شرائط کے ساتھ ہے جو منفرد سے پوری نہیں ہو سکتیں۔

شرح: جماعت کے سوا یہ نماز نہیں پڑھی جاتی۔لہذا اس کا وجوب معلق بالجماعت ہے۔

رؤیت ہلال کے بیان میں:

(فَإِنْ غُمَّ الْهِلَالُ وَشَهِدُوا عِنْدَ الْإِمَامِ بِرُؤْيَةِ الْهِلَالِ بَعْدَ الزَّوَالِ صَلَّى الْعِيدَ مِنْ الْغَدِ) ؛ لِأَنَّ هَذَا تَأْخِيرٌ بِعُذْرٍ وَقَدْ وَرَدَ فِيهِ الْحَدِيثُ (فَإِنْ حَدَثَ عُذْرٌ يَمْنَعُ مِنْ الصَّلَاةِ فِي الْيَوْمِ الثَّانِي لَمْ يُصَلِّهَا بَعْدَهُ) ؛ لِأَنَّ الْأَصْلَ فِيهَا أَنْ لَا تُقْضَى كَالْجُمُعَةِ إلَّا أَنَّا تَرَكْنَاهُ بِالْحَدِيثِ ، وَقَدْ وَرَدَ بِالتَّأْخِيرِ إلَى الْيَوْمِ الثَّانِي عِنْدَ الْعُذْرِ .

ترجمہ:

اگر چاند بادل میں چھپ گیا اور لوگوں نے زوال کے بعد رؤیت ہلال کی گواہی دی تو امام دوسرے دن عید کی نماز پڑھائے کیونکہ اس میں تاخیر عذر کی وجہ سے ہوئی ہے۔اور اس میں حدیث بھی وارد ہوئی ہے۔پس اگر ایسا عذر واقع ہوا کہ وہ دوسرے دن بھی عید کی نماز نہ پڑھ سکے تو اس کے بعد وہ نماز عید نہ پڑھیں گے۔کیونکہ اس کی اصل یہ ہے کہ یہ جمعہ کی طرح قضاء نہ کی جائے مگر ہم نے حدیث کی وجہ سے اسے چھوڑ دیا ہے کیونکہ اس میں عذر کی وجہ سے یوم ثانی تک تاخیر کا حکم وارد ہوا ہے۔

چاند کی شہادت زوال کے بعد آئے تو عید کی نماز دوسرے دن پڑھی جائے:

حضرت عمیر بن انس اپنے چچاؤں سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے تھے، نقل کرتے ہیں کہ ایک قافلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ شہادت دی کہ انہوں نے کل عید کا چاند دیکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو افطار کا حکم دیا اور فرمایا کہ صبح عیدگاہ جائیں۔ (ابوداؤد، سنن نسائی)

رمضان کی تیسویں شب یعنی انتیس تاریخ کو اہل مدینہ نے عید کا چاند نہیں دیکھا چنانچہ انہوں نے تیس تاریخ کو روزہ رکھا۔ اتفاق سے اسی روز ایک قافلہ باہر سے مدینہ آیا اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس بات کی شہادت دی کہ ہم نے کل چاند دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قافلہ کی شہادت کو مانتے ہوئے لوگوں کو حکم دیا کہ روزہ افطار کر دیں۔ اور چونکہ چاند ہونے کی یہ شہادت زوال آفتاب کے بعد آئی تھی اور نماز عید کا وقت نہ رہا تھا۔ جیسا کہ ایک روایت میں یہ صراحت بھی ہے کہ انهم قدموا اخر النهار (یعنی قافلہ دن کے آخری حصہ میں مدینہ پہنچا تھا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عید کے بارے میں یہ حکم دیا کہ کل صبح ادا کی جائے۔ چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اسی پر عمل ہے کہ آفتاب بلند ہونے کے بعد نماز عید کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور زوال آفتاب تک رہتا ہے۔

شرح منیہ میں لکھا کہ اگر کوئی ایسا عذر پیش آ جائے جو عید الفطر کے روز زوال آفتاب سے پہلے نماز عید کی ادائیگی کے لیے مانع ہو تو عید کی نماز اس روز پڑھنے کی بجائے دوسرے روز زوال آفتاب سے پہلے ادا کر لی جائے۔ اگر دوسرے دن بھی کوئی عذر نماز کی ادائیگی کے لیے مانع ہو تو پھر نماز نہ پڑھی جائے۔

بخلاف بقر عید کی نماز کے کہ اگر اس کی ادائیگی کے لیے کوئی عذر پہلے اور دوسرے روز مانع ہو تو تیسرے روز بھی اس کی نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ ویسے بقر عید کی نماز میں بلا عذر بھی دوسرے یا تیسرے دن تک تاخیر جائز ہے مگر مکروہ ہے۔

عید الاضحیٰ کے دن سنن کا بیان:

(وَيُسْتَحَبُّ فِي يَوْمِ الْأَضْحَى أَنْ يَغْتَسِلَ وَيَتَطَيَّبَ) لِمَا ذَكَرْنَاهُ (وَيُؤَخِّرَ الْأَكْلَ حَتَّى يَفْرُغَ مِنَ الصَّلَاةِ) لِمَا رُوِيَ (أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ لَا يَطْعَمُ فِي يَوْمِ النَّحْرِ حَتَّى يَرْجِعَ فَيَأْكُلَ مِنْ أُضْحِيَّتِهِ . وَيَتَوَجَّهُ إِلَى الْمُصَلَّى) (وَهُوَ يُكَبِّرُ) ؛ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ يُكَبِّرُ فِي الطَّرِيقِ (وَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ كَالْفِطْرِ) كَذَلِكَ نُقِلَ (وَيَخْطُبُ بَعْدَهَا خُطْبَتَيْنِ) ؛ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَذَلِكَ فَعَلَ (وَيُعَلِّمُ النَّاسَ فِيهَا الْأُضْحِيَّةَ وَتَكْبِيرَ التَّشْرِيقِ) ؛ لِأَنَّهُ مَشْرُوعُ الْوَقْتِ ، وَالْخُطْبَةُ مَا شُرِعَتْ إِلَّا لِتَعْلِيمِهِ .

ترجمہ:

اور عید الاضحیٰ کے دن مستحب یہ ہے کہ وہ غسل کرے اور خوشبو لگائے۔ جیسے ہم ذکر کر چکے ہیں۔ اور وہ کھانے کو مؤخر کرے

حتیٰ کہ عید کی نماز سے فارغ ہو جائے۔اسی روایت کی وجہ سے کہ نبی کریم ﷺ قربانی کے دن کھانا تناول نہ فرماتے حتیٰ کہ نماز سے واپس آتے اور قربانی سے کھانا تناول فرمایا کرتے۔

اور وہ عید گاہ جاتے ہوئے تکبیر کہے کیونکہ نبی کریم ﷺ راستے میں تکبیر کہا کرتے تھے۔اور امام عیدالفطر کی طرح دو رکعت نماز پڑھائے۔اسی طرح منقول ہے اور اس کے بعد وہ دو خطبے پڑھے۔کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ایسا ہی فرمایا ہے۔اور اس میں وہ لوگوں کو قربانی اور تکبیرات تشریق کے احکام سکھائے۔کیونکہ یہی اس کا وقت مشروع ہے اور خطبے کی مشروعیت ہی اسی کی تعلیم کیلئے ہوئی ہے۔

عیدین کی سنتیں اور احادیث نبوی ﷺ:

1 آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر عید کے دن اپنی حبری چادر(یمن میں بنی ہوئی ایک عمدہ چادر) پہنا کرتے تھے(شافعی)۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عیدالفطر کے دن عید گاہ جانے سے پہلے غسل کیا کرتے تھے(موطا) عیدین کے دن غسل کرنا، خوبصورت (نئے یا دھلے ہوئے) کپڑے پہننا اور خوشبو لگانا چاہئے)

2 عیدالفطر کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک نماز کے لئے نہیں نکلا کرتے تھے جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم چند کھجوریں نہ کھالیتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم طاق تعداد 1)، 3، 5، 7) میں کھجور کھایا کرتے تھے۔(بخاری)

اگر عیدالفطر والے دن کھجوریں میسر نہ ہوں تو کوئی بھی میٹھی چیز عید گاہ جانے سے پہلے کھالینی چاہئے لیکن عیدالاضحیٰ میں نمازِ عید ادا کرنے کے بعد کھانا کھانا مسنون ہے بہتر ہے کہ قربانی کا گوشت کھایا جائے۔(مسند احمد)

3 عیدالاضحیٰ کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک کچھ نہ کھاتے جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس نہ آجاتے۔ (ترمذی)

4 عیدالاضحیٰ والے دن نمازِ عید سے واپس آکر قربانی کے گوشت میں سے ہی کھایا کرتے تھے۔(احمد)

5 آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے باہر نکل کر عید گاہ میں نمازِ عید ادا کیا کرتے تھے البتہ اگر بارش ہوتی تو مسجد میں نماز پڑھ لیتے تھے۔ (ابوداود)

6 نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید گاہ کی طرف پیدل جایا کرتے تھے(ابن ماجہ۔عن ابن عمر رضی اللہ عنہما)

عید گاہ اگر گھر کے قریب ہوتو عید گاہ کی طرف پیدل جانا مسنون ہے اگر عید گاہ گھر سے کافی دور ہوتو سواری پر بھی جایا جاسکتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عید کے دن صبح سورج نکلتے ہی عید گاہ تشریف لے جاتے اور عید گاہ تک باآواز بلند تکبیریں پڑھتے ہوئے جاتے تھے۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ

اور پھر عیدگاہ میں بھی تکبیریں کہتے رہتے۔ جب امام خطبہ شروع کردیتا تو تکبیریں پڑھنا چھوڑ دیتے۔ (شافعی رحمہ اللہ)

ذوالحجہ کے پہلے 10 دن پورے سال میں نہایت اہم ہیں اس لئے ان 10 دنوں میں اور ایام تشریق 11)، 12 اور 13 ذوالحجہ) میں ذکر اللہ بہت زیادہ کرنا چاہئے۔ (مفہوم حدیث بخاری کتاب العیدین۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما)

7 نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے دن ہم چھوٹی بچیوں، جوان (پردہ والی) اور حائضہ عورتوں کو بھی (عیدگاہ) لے جائیں۔ البتہ حائضہ عورتیں نماز سے الگ رہیں اور مسلمانوں کی (صرف) دعا میں شریک ہوں میں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بعض عورتیں ایسی بھی ہیں جن کے پاس چادر نہیں ہوتی۔ فرمایا جس عورت کے پاس چادر نہ ہو اس کی بہن کو چاہئے کہ اسے اپنی چادر پہنا کر ساتھ لے لے۔

(بخاری۔ عن ام عطیہ رضی اللہ عنہا)

8 نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے دن عید کی نماز کے لئے کوئی اذان نہیں کہی جاتی تھی اور نہ ہی عیدین (کے میدان) میں منبر ہوتا تھا امام کھڑا رہتا تھا۔ (بخاری)

9 نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز کے لئے عیدگاہ تشریف لے گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے 2 رکعت نماز (نمازِ عید) پڑھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ نمازِ عید سے پہلے کوئی نماز پڑھی اور نہ ہی بعد میں (بخاری)۔ (نوٹ: جب کسی کی نمازِ عید جماعت سے رہ جائے تو وہ 2 رکعت (نمازِ ظہر سے پہلے) نمازِ عید ادا کرلے (بخاری)۔ اسی طرح اگر کسی کی ایک رکعت نکل جائے تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد ادا کرلے۔ اگر کسی کی نمازِ فجر وقت پر ادا نہیں ہوسکی ہو تو گھر پر یہ نمازِ فجر پڑھ کر جائے)

10 جب آپ علیہ السلام عید کے بعد اپنے ساتھیوں سے ملتے تو یہ کلمات کہتے تَقَبَّلَ اللّٰہُ مِنِّی وَ مِنْکَ (اللہ مجھ سے اور آپ سے قبول فرمائے۔

عید کے دن مندرجہ ذیل کام کرنے مسنون ہیں:

غسل کرنا مردوں کو خوشبو استعمال کرنا۔ صدقہ فطر عیدگاہ جانے سے پہلے ادا کرنا (یا نمازِ عید سے پہلے تو ضرور ادا کردے۔ عیدالفطر کے لئے جانے سے پہلے کھجوریں طاق عدد میں کھانا اور پیدل چل کر عیدگاہ جانا۔ عیدالاضحیٰ (بقرعید) کے دن عیدگاہ جانے سے پہلے کچھ نہ کھانا۔ (مفہوم احادیث بخاری، مسلم)

اگر یوم اول مانع نماز عید ہو تو حکم شرعی:

(فَإِنْ كَانَ عُذْرٌ يَمْنَعُ مِنْ الصَّلَاةِ فِي يَوْمِ الْأَضْحَى صَلَّاهَا مِنْ الْغَدِ وَبَعْدَ الْغَدِ وَلَا يُصَلِّيهَا بَعْدَ ذَلِكَ) لِأَنَّ الصَّلَاةَ مُؤَقَّتَةٌ بِوَقْتِ الْأُضْحِيَّةِ فَتَتَقَيَّدُ بِأَيَّامِهَا لَكِنَّهُ مُسِيءٌ فِي التَّأْخِيرِ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ لِمُخَالَفَةِ

الْمَنْقُولِ ۔ترجمہ:

اگر کسی عذر کی وجہ یوم الاضحیٰ کے دن عید نماز نہ پڑھ سکیں تو دوسرے یا تیسرے دن پڑھیں اوراس کے بعد نہ پڑھیں کیونکہ یہ نماز قربانی کے وقت کے ساتھ موقت ہے۔لہذا اس کا وقت بھی ایام قربانی کے ساتھ مقید ہوگا۔البتہ نقل کی مخالفت کی وجہ سے بغیر عذر کے تاخیر کرنے والا گناہگار ہوگا۔

شرح: فتاویٰ خانیہ میں ہے کہ اگر کسی عذر کی وجہ سے عید الفطر پہلے دن رہ گئی تو دوسرے دن ادا کی جائے اور اگر عذر نہ تھا تو دوسرے دن نہیں پڑھی جاسکتی،اور اگر دوسرے دن بھی نہ پڑھی جاسکی خواہ عذر تھا یا نہیں،تو اس کے بعد نہیں پڑھی جاسکتی، باقی نماز عید الاضحیٰ اگر عذر یا بغیر عذر پہلے دن رہ گئی تو دوسرے دن پڑھ لی جائے،اگر دوسرے دن فوت ہوگئی عذر تھا یا نہ تھا تو تیسرے دن پڑھ لی جائے،اور اگر تیسرے دن بھی رہ گئی خواہ عذر تھا یا نہ تھا تو اس کے بعد ادا نہیں کی جاسکتی۔

(فتاویٰ قاضی خاں،باب صلوٰۃ العیدین مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ)

امام زیلعی حنفی لکھتے ہیں کہ یہاں عذر نفی کراہت کے لئے ہے،حتی کہ اگر بغیر عذر کے تین دن نماز موخر کر دی تو اب بھی نماز جائز البتہ تاخیر کر کے برا کیا اور فطر میں عذر جواز کے لئے ہے حتی کہ اگر بغیر عذر کے نماز دوسرے دن تک مؤخر کی تو اب اس کی ادائیگی جائز نہ ہوگی۔(تبیین الحقائق،باب الجمعہ)

علامہ حصکفی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔عذر مثلاً بارش کی وجہ سے فقط دوسرے دن زوال تک مؤخر کی جاسکتی ہے اور عید الفطر کے احکام عید الاضحیٰ کی طرح ہیں لیکن عید الاضحیٰ کو بلا عذر ایام نحر کے تیسرے دن تک مؤخر کیا جاسکتا ہے،ہاں کراہت ہے اور عذر ہوگا تو کراہت نہیں ہوگی،یہاں عذر کا ہونا نفی کراہت کے لئے ہے اور عید الفطر میں صحت کے لئے ضروری ہے۔

(درمختار،باب العیدین،مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی)

عرفہ والوں کے ساتھ اشتباہ کا بیان:

(وَالتَّعْرِيفُ الَّذِي يَصْنَعُهُ النَّاسُ لَيْسَ بِشَيْءٍ) وَهُوَ أَنْ يَجْتَمِعَ النَّاسُ يَوْمَ عَرَفَةَ فِي بَعْضِ الْمَوَاضِعِ تَشَبُّهًا بِالْوَاقِفِينَ بِعَرَفَةَ ؛ لِأَنَّ الْوُقُوفَ عُرِفَ عِبَادَةً مُخْتَصَّةً بِمَكَانٍ مَخْصُوصٍ فَلَا يَكُونُ عِبَادَةً دُونَهُ كَسَائِرِ الْمَنَاسِكِ .

ترجمہ: اور جو لوگوں نے تعریف کی ہے وہ کچھ بھی نہیں ہے اور وہ یہ ہے عرفہ کے دن لوگ ایک میدان میں جمع ہوتے ہیں اس طرح کہ وہ وہاں کھڑے ہونے والوں سے مشابہت رکھتے ہیں۔کیونکہ وقوف عرفہ مخصوص عبادت کے ساتھ مخصوص جگہ کے ساتھ خاص ہے۔لہذا اس کے سوا کھڑا ہونا عبادت نہ ہوگا۔جس طرح تمام مناسک میں ہوتا ہے۔

شرح:عرفہ کی عبادت مناسک کے ساتھ خاص ہے لہذا دوسرے احکام میں نہ پائی جائے گی۔

فَصْلٌ فِي تَكْبِيرَاتِ التَّشْرِيقِ

﴿یہ فصل تکبیرات تشریق کے بیان میں ہے﴾

تکبیر تشریق کی فصل کی مطابقت کا بیان:

عیدین کی نماز کے ساتھ ان تکبیروں کی مطابقت واضح ہے۔لہذا اسی وجہ عیدین کے باب کے بعد اس فصل کا ذکر کیا ہے۔

کلمات کو تکبیر تشریق کہا جاتا ہے۔ الله اکبر، الله اکبر، لااله الا الله، و الله اکبر، الله اکبر ولله الحمد۔

ذوالحجہ کی نویں تاریخ کی فجر سے ذوالحجہ کی تیرہ تاریخ کی عصر تک ہر نماز کے بعد فوراً بلند آواز سے تکبیرات تشریق پڑھنا واجب ہے، البتہ عورتیں آہستہ سے کہیں۔

حضرات صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق تکبیرات تشریق امام، مقتدی، مسبوق، منفرد، شہری، دیہاتی، مقیم، مسافر، مرد اور عورت سب پر واجب ہے۔حضرات فقہا کرام کے نزدیک یہی قول مفتی بہ ہے، اس لیے تمام افراد کو تکبیرات تشریق ہر فرض نماز کے بعد کہہ لینی چاہئیں۔

تکبیرات تشریق پڑھنے کا بیان:

:(وَيَبْدَأُ بِتَكْبِيرِ التَّشْرِيقِ بَعْدَ صَلَاةِ الْفَجْرِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ ، وَيَخْتِمُ عَقِيبَ صَلَاةِ الْعَصْرِ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ) عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ .

وَقَالَا :يَخْتِمُ عَقِيبَ صَلَاةِ الْعَصْرِ مِنْ آخِرِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ ، وَالْمَسْأَلَةُ مُخْتَلِفَةٌ بَيْنَ الصَّحَابَةِ ، فَأَخَذَا بِقَوْلِ عَلِيٍّ أَخْذًا بِالْأَكْثَرِ ، إذْ هُوَ الِاحْتِيَاطُ فِي الْعِبَادَاتِ ، وَأَخَذَ بِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَخْذًا بِالْأَقَلِّ ؛ لِأَنَّ الْجَهْرَ بِالتَّكْبِيرِ بِدْعَةٌ .

وَالتَّكْبِيرُ أَنْ يَقُولَ مَرَّةً وَاحِدَةً :اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ ، لَا إلَهَ إلَّا اللَّهُ وَاَللَّهُ أَكْبَرُ ، اللَّهُ أَكْبَرُ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ هَذَا هُوَ الْمَأْثُورُ عَنْ الْخَلِيلِ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِ .

ترجمہ:

اور وہ عرفہ کے دن فجر کی نماز کے بعد تکبیرات تشریق شروع کرے۔اور نحر کے دن عصر کے بعد ختم کرے۔یہ امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک ہے۔

اور صاحبین نے فرمایا: ایام تشریق کے آخری دن کی عصر کے بعد ختم کرے۔اس مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔لہذا صاحبین نے اکثر پر عمل کرنے کا استدلال حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرمان کو اپنایا ہے۔کیونکہ عبادات میں احتیاط یہی ہے۔جبکہ امام اعظم علیہ الرحمہ نے قلیل کو اپنانے کا استدلال سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فرمان سے لیا ہے۔تکبیر جہر کے ساتھ کہنا بدعت ہے۔اور وہ تکبیر یہ ہے'' :اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ ، لَا إلَهَ إلَّا

اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ ، اللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ'' یہی حضرت ابراہیم علیہ الرحمہ سے نقل کی گئی ہے۔

تکبیرات تشریق کی تعداد میں فقہی مذاہب کا بیان:

حضرت کثیر ابن عبداللہ اپنے والد سے اور وہ کثیر کے دادا سے یعنی اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں کہیں۔ (جامع ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے تحریمہ اور رکوع کی تکبیروں کے علاوہ سات تکبیریں کہیں۔ اسی طرح دوسری رکعت میں قیام اور رکوع کی تکبیروں کے علاوہ پانچ تکبیریں کہیں۔ چنانچہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اسی پر عمل ہے۔

حضرت سعید ابن عاص فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوموسیٰ و حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سوال کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید و بقر عید کی نماز میں کتنی تکبیریں کہتے تھے؟ تو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ میں چار تکبیریں کہتے تھے اسی طرح عیدین کی نماز میں بھی چار تکبیریں کہا کرتے تھے حضرت حذیفہ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ ابوموسیٰ نے سچ کہا (ابوداؤد)

حضرت ابوموسیٰ کے جواب کی تفصیل یہ ہے کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہا کرتے تھے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی نماز میں بھی ہر رکعت میں چار تکبیریں کہا کرتے تھے اس طرح کہ پہلی رکعت میں تو قرأت سے پہلے تکبیر تحریمہ سمیت چار تکبیریں کہتے تھے اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد رکوع کی تکبیر سمیت چار تکبیریں کہتے تھے۔

اس سلسلہ میں یہ بات جان لینی چاہیے کہ تکبیرات عید کے سلسلہ میں متضاد احادیث منقول ہیں اسی وجہ سے ائمہ کے مسلک میں بھی اختلاف ظاہر ہوا ہے چنانچہ تینوں اماموں کے نزدیک عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں سات تکبیریں ہیں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد کے ہاں تو پہلی رکعت میں سات تکبیریں مع تکبیر تحریمہ کے ہیں اور اسی طرح دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں تکبیر قیام سمیت ہیں جب کہ حضرت امام شافعی کے نزدیک پہلی رکعت میں سات تکبیریں تکبیر تحریمہ کے علاوہ اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں تکبیر قیام کے علاوہ ہیں۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ تین تکبیریں پہلی رکعت میں اور تکبیر رکوع کے علاوہ تین تکبیریں دوسری رکعت میں ہیں جیسا کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ نیز اسی کو حضرت عبداللہ ابن مسعود نے بھی اختیار کیا ہے جبکہ حضرت امام شافعی کے مسلک کے مطابق حضرت عبداللہ ابن عباس کا مسلک ہے یہاں تک ان احادیث کا تعلق ہے جن سے حضرت امام شافعی استدلال کرتے ہیں تو ان کی صحت وضعف اور ان کی اسناد وطرق کے بارہ میں بہت زیادہ اعتراضات ہیں جس کو یہاں نقل کرنے کا موقع نہیں ہے۔ علماء حنفیہ اپنے مسلک کے بارہ میں لکھتے ہیں کہ تکبیرات عیدین کے سلسلہ میں جب متضاد اور مختلف احادیث سامنے آئیں تو ہم نے ان میں سے ان احادیث کو اپنا معمول بہ قرار دیا جن میں

تکبیرات کی تعداد کم منقول تھی کیونکہ عیدین کی زائد تکبیریں اور رفع یدین بہر حال خلاف معمول ہیں اس لیے کم تعداد کا اختیار کرنا ہی اولیٰ ہوگا۔

نمازوں کے بعد تکبیرات تشریق پڑھنے کا بیان:

(وَهُوَ عَقِيبَ الصَّلَوَاتِ الْمَفْرُوضَاتِ عَلَى الْمُقِيمِينَ فِي الْأَمْصَارِ فِي الْجَمَاعَاتِ الْمُسْتَحَبَّةِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَلَيْسَ عَلَى جَمَاعَاتِ النِّسَاءِ إذَا لَمْ يَكُنْ مَعَهُنَّ رَجُلٌ ، وَلَا عَلَى جَمَاعَةِ الْمُسَافِرِينَ إذَا لَمْ يَكُنْ مَعَهُمْ مُقِيمٌ .

وَقَالَا :هُوَ عَلَى كُلِّ مَنْ صَلَّى الْمَكْتُوبَةَ) ؛ لِأَنَّهُ تَبَعٌ لِلْمَكْتُوبَةِ ، وَلَهُ مَا رَوَيْنَا مِنْ قَبْلُ .وَالتَّشْرِيقُ هُوَ التَّكْبِيرُ كَذَا نُقِلَ عَنْ الْخَلِيلِ بْنِ أَحْمَدَ ، وَلِأَنَّ الْجَهْرَ بِالتَّكْبِيرِ خِلَافُ السُّنَّةِ ، وَالشَّرْعُ وَرَدَ بِهِ عِنْدَ اسْتِجْمَاعِ هَذِهِ الشَّرَائِطِ ، إلَّا أَنَّهُ يَجِبُ عَلَى النِّسَاءِ إذَا اقْتَدَيْنَ بِالرِّجَالِ ، وَعَلَى الْمُسَافِرِينَ عِنْدَ اقْتِدَائِهِمْ بِالْمُقِيمِ بِطَرِيقِ التَّبَعِيَّةِ .

قَالَ يَعْقُوبُ :صَلَّيْت بِهِمْ الْمَغْرِبَ يَوْمَ عَرَفَةَ فَسَهَوْت أَنْ أُكَبِّرَ فَكَبَّرَ أَبُو حَنِيفَةَ .دَلَّ أَنَّ الْإِمَامَ وَإِنْ تَرَكَ التَّكْبِيرَ لَا يَتْرُكُهُ الْمُقْتَدِي ، وَهَذَا ؛ لِأَنَّهُ لَا يُؤَدَّى فِي حُرْمَةِ الصَّلَاةِ فَلَمْ يَكُنْ الْإِمَامُ فِيهِ حَتْمًا وَإِنَّمَا هُوَ مُسْتَحَبٌّ .

ترجمہ:

شہروں میں مقیم لوگ جو مستحب جماعتوں کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک ان پر نمازوں کے بعد ہے۔لہذا عورتوں کی جماعتوں پر یہ تکبیر نہیں ہے۔جبکہ ان کے ساتھ کوئی مرد نہ ہو۔اور مسافروں کی جماعتوں پر بھی تکبیر نہیں ہے جبکہ ان کے ساتھ کوئی مقیم نہ ہو۔

اور صاحبین نے فرمایا: تکبیر ہر اس شخص پر ہے جو فرض پڑھے۔کیونکہ تکبیر فرض نماز کے تابع ہے۔جبکہ امام اعظم کی دلیل وہی حدیث ہے جسے ہم بیان کر چکے ہیں۔اور تشریق تکبیر ہی ہے اسی طرح حضرت خلیل بن احمد سے نقل کیا گیا ہے۔کیونکہ جہر کے ساتھ تکبیر خلاف سنت ہے۔اور حکم شرعی ان شرائط کے جمع ہونے کے ساتھ وارد ہوا ہے۔مگر تکبیر عورتوں پر بھی واجب ہو جائے گی جبکہ وہ کسی مرد کی اقتداء کریں۔اور اسی طرح تابع ہونے کی وجہ مسافروں پر بھی واجب ہو جائے گی جب وہ کسی مقیم کی اقتداء کریں۔اور امام ابو یوسف (یعقوب) نے کہا ہے۔میں نے عرفہ کے دن مغرب کی نماز پڑھائی اور تکبیر تشریق کہنا بھول گیا تو امام اعظم نے تکبیر کہی۔اس قصہ کی اس بات پر دلالت ہے کہ اگر امام تکبیر کہنا بھول جائے تو مقتدی اس کو ترک نہ کرے اس لئے تکبیر تحریمہ نماز کے اندر ادا نہیں کی جاتی۔لہذا اس کے کہنے میں امام کا ہونا واجب نہیں بلکہ صرف مستحب ہے۔

شرح:

اس مسئلہ کی وضاحت میں یہی دلیل ہے کہ تکبیرات تشریق فرض نماز کے تابع ہیں۔اور اس کی شرح سابقہ عبارات میں گزر چکی ہے۔

باب صلاۃ الکسوف

﴿یہ باب نماز کسوف کے بیان میں ہے﴾

باب نماز کسوف کی مطابقت:

اس نماز کا وقوع قلیل ہوتا ہے اسی وجہ سے مصنف نے اس کو مؤخر ذکر کیا ہے۔ پھر ان کے وقوع کا سبب مخفی ہے۔

سورج گرہن کے وقت رسول اللہ ﷺ کی نماز:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں (ہجرت کے بعد ایک مرتبہ) سورج گرہن ہوا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نداء والے کو (لوگوں کے درمیان) بھیجا کہ وہ منادی کر دے کہ الصلوٰۃ جامعۃ یعنی نماز جمع کرنے والی ہے چنانچہ (جب لوگ جمع ہو گئے تو) آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور دو رکعت نماز پڑھائی جن میں چار رکوع کیے اور چار سجدے کیے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ (جتنے طویل رکوع اور سجدے میں نے اس دن نماز خسوف میں کیے) اس سے زیادہ طویل میں نے نہ کبھی رکوع کیا اور نہ کبھی سجدہ کیا۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم)

نماز خسوف میں لوگوں کو جمع کرنے کے لیے الصلوٰۃ جامعۃ پکار کر کہنا سنت ہے خاص طور پر جب کہ لوگ اس نماز کے لیے جمع نہ ہوئے ہوں۔ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ نماز جماعت کے ساتھ جامع مسجد میں یا عیدگاہ میں پڑھی جائے نیز یہ نماز اوقات مکروہہ میں نہ پڑھی جائے۔

فصلی اربع رکعات الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار رکوع اور چار سجدے کیے یعنی ہر رکعت میں دو رکوع اور دو سجدے کیے لیکن امام اعظم ابوحنیفہ کے مسلک میں دوسری نمازوں کی طرح اس نماز میں بھی ہر رکعت میں ایک ہی رکوع ہے ان کی دلیل وہ احادیث ہیں جن سے ایک ہی رکوع کرنا ثابت ہے بلکہ اس باب میں ایک حدیث قولی بھی منقول ہے اور یہ اصول ہے کہ جہاں قول اور فعل ثابت ہوتے ہیں تو فعل پر قول کو ترجیح دی جاتی ہے۔

سورج گرہن کا حقیقی سبب

اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سورج گرہن ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے ساتھ (اس طرح) نماز پڑھی کہ سورہ بقرہ کی قرائت کی بقدر طویل قیام فرمایا (یعنی اتنی دیر تک قیام میں کھڑے رہے جتنی دیر تک سورہ بقرہ پڑھی جا سکتی ہے) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کیا، رکوع بھی اتنا طویل تھا، رکوع سے سر اٹھایا اور بڑی دیر تک کھڑے رہے لیکن یہ قیام پہلے قیام سے کم تھا، پھر (دوبارہ) رکوع کیا، یہ رکوع بھی طویل تھا مگر پہلے رکوع سے کم، پھر کھڑے ہوئے اور سجدہ کیا، پھر (دوسری رکعت کے لیے) کھڑے ہوئے اور بہت

طویل قیام کیا مگر یہ قیام پہلی رکعت کے قیام سے کم تھا، پھر رکوع میں گئے یہ رکوع بھی طویل تھا مگر پہلے رکوع سے کم، پھر کھڑے اور دیر تک کھڑے رہے مگر یہ قیام پہلے قیام سے کم تھا، پھر رکوع میں گئے یہ رکوع بھی طویل تھا مگر پہلے رکوع سے کم پھر کھڑے ہوئے اور سجدہ کیا اس کے بعد (یعنی التحیات اور سلام کے بعد) نماز سے فارغ ہوئے تو سورج روشن ہو چکا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورج اور چاند اللہ کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے دونشانیاں ہیں ! یہ نہ کسی کے مرنے کی وجہ سے گرہن ہوتے ہیں اور نہ کسی کے پیدا ہونے کی وجہ سے جب تم یہ دیکھو کہ (یہ گرہن میں آ گئے ہیں.) تو اللہ کی یاد میں مشغول ہو جاؤ۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم !(نماز کے دوران) ہم نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جگہ سے کسی چیز کو لینے کا ارادہ کیا پھر ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (جب تم نے مجھے کسی چیز کے لینے کیلئے آگے بڑھتے ہوئے دیکھا تھا تو اس وقت) میں نے جنت کو دیکھا تھا اور اس میں سے خوشہ انگور لینے کا ارادہ کیا تھا، اگر میں خوشہ انگور لے لیتا تو بلاشبہ تم اسے رہتی دنیا تک کھاتے اور جب تم نے مجھے پیچھے ہٹے ہوئے دیکھا تھا (اس وقت) میں نے دوزخ دیکھی تھی (اس کی گرمی کے پہنچنے کے ڈر سے پیچھے ہٹ گیا تھا) چنانچہ آج کے دن کی طرح کسی دن میں نے ایسی ہولناک جگہ کبھی نہیں دیکھی اور دوزخ میں میں نے زیادہ عورتیں ہی دیکھی ہیں۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کس وجہ سے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان کے کفر کی وجہ سے صحابہ کرام نے عرض کیا کہ کیا عورتیں اللہ کے کفر میں مبتلا ہیں۔؟ فرمایا نہیں بلکہ وہ شوہروں کی نعمتوں اور احسان کا کفران کرتی ہیں (یعنی شوہروں کی ناشکری و نافرمانی کرتی ہیں اور کسی کا احسان نہیں مانتیں) چنانچہ تم ان میں سے کسی کے ساتھ مدتوں تک بھلائی کرتے رہو مگر جب بھی وہ کسی چیز کو اپنی مرضی کے خلاف پائے گی تو یہی کہے گی کہ میں نے کبھی تمہارے یہاں بھلائی نہیں دیکھی۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم)

آیتان من ایت اللہ کا مطلب یہ ہے کہ سورج و چاند اللہ کی الوہیت اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے اس بات کی دو نشانیاں ہیں کہ یہ دونوں رب قدوس کے تابعدار اور فرمانبردار پیدا کیے گئے ہیں انہیں اپنی طرف سے کسی کو نفع ونقصان پہنچانے کی قدرت تو کیا ہوتی ہے ان میں اتنی بھی طاقت نہیں ہے کہ اپنے اندر کسی قسم کے پیدا ہوئے نقصان اور عیب کو ختم کر سکیں۔ لہٰذا کیسے بدعقل و کند فہم اور کور بخت ہیں وہ لوگ جو اس چیز کا مشاہدہ کرتے ہوئے چاند و سورج کو معبود قرار دیتے ہیں ان کے سامنے اپنی پیشانی جھکاتے ہیں؟ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل جاہلیت کے اس عقیدہ کو ختم فرمایا کہ کس عظیم حادثہ مثلاً کسی بڑے آدمی کے مرنے اور وباء عام یعنی قحط وغیرہ کی وجہ سے سورج و چاند گرہن میں آتے ہیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگاہ فرمایا کہ یہ خیالات باطل اور اعتقادات فاسد ہیں حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اللہ ان دونوں کو گرہن میں مبتلا کر کے صرف اپنی قدرت کا اظہار کرتا ہے اور لوگوں کو اپنے غضب سے ڈراتا ہے۔

فاذکروا اللہ کا مطلب یہ ہے کہ چاند و سورج گرہن کے وقت اگر نماز کے وقت مکروہ نہ ہوں تو کسوف و خسوف کی نماز پڑھو اور اگر اوقات مکروہ ہوں تو پھر نماز نہ پڑھو بلکہ پروردگار کی تسبیح و تہلیل اور تکبیر نیز استغفار میں مشغول ہو جاؤ۔ لیکن یہ بات جان لو

کہ یہ حکم امر استحبابی کے طور پر ہے وجوب کے طور پر نہیں ہے کیونکہ نماز کسوف وخسوف واجب نہیں ہے۔ بلکہ بالاتفاق تمام علماء کے نزدیک سنت ہے۔

سورج گرہن کی نماز کا بیان:

قَالَ (إِذَا انْكَسَفَتْ الشَّمْسُ صَلَّى الْإِمَامُ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ كَهَيْئَةِ النَّافِلَةِ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ رُكُوعٌ وَاحِدٌ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : رُكُوعَانِ .

لَهُ مَا رَوَتْ عَائِشَةُ ، وَلَنَا رِوَايَةُ ابْنِ عُمَرَ ، وَالْحَالُ أَكْشَفُ عَلَى الرِّجَالِ لِقُرْبِهِمْ فَكَانَ التَّرْجِيحُ لِرِوَايَتِهِ (وَيُطَوِّلُ الْقِرَاءَةَ فِيهِمَا وَيُخْفِي عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَقَالَا يَجْهَرُ) وَعَنْ مُحَمَّدٍ مِثْلُ قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ أَمَّا التَّطْوِيلُ فِي الْقِرَاءَةِ فَبَيَانُ الْأَفْضَلِ ، وَيُخَفِّفُ إنْ شَاءَ ؛ لِأَنَّ الْمَسْنُونَ اسْتِيعَابُ الْوَقْتِ بِالصَّلَاةِ وَالدُّعَاءِ ، فَإِذَا خَفَّفَ أَحَدَهُمَا طَوَّلَ الْآخَرَ .

وَأَمَّا الْإِخْفَاءُ وَالْجَهْرُ فَلَهُمَا رِوَايَةُ عَائِشَةَ (أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَهَرَ فِيهَا) وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رِوَايَةُ ابْنِ عَبَّاسٍ وَسَمُرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ ، وَالتَّرْجِيحُ قَدْ مَرَّ مِنْ قَبْلُ ، كَيْفَ وَإِنَّهَا صَلَاةُ النَّهَارِ وَهِيَ عَجْمَاءُ .

ترجمہ:

جب سورج گرہن ہو جائے تو امام لوگوں کو نفل کی طرح اس طرح دو رکعت نماز پڑھائے۔ کہ ہر رکعت میں ایک رکوع ہو۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ دو رکوع ہیں۔ امام شافعی کی دلیل وہ حدیث ہے جسے حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے اور ہماری دلیل حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ اور اس نماز کا حال مردوں پر زیادہ واضح ہے۔ کیونکہ وہی زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ لہذا حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص والی روایت کو ترجیح دی جائے گی اور وہ دونوں رکعات میں قرأت طویل کرے۔ یہ قرأت امام اعظم کے نزدیک خفی جبکہ صاحبین کے نزدیک جہر کے ساتھ کرے۔ اور امام محمد علیہ الرحمہ سے ایک روایت امام اعظم کی طرح بھی مروی ہے۔ بہر حال قرأت میں طوالت بیان فضیلت ہے۔ اور اگر وہ چاہے تو قرأت میں تخفیف کردے۔ کیونکہ سنت تو یہ ہے کہ وقت کسوف کو نماز و دعا کے ساتھ گھیرنا ہے لہذا ان دونوں میں سے جب کسی ایک کو کم کرے تو دوسرے کو لمبا کردے۔ اور جہر واخفاء کے مسئلے میں صاحبین کی دلیل حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہما والی روایت ہے۔ اور دلیل ترجیح پہلے گزر چکی ہے۔ اور قرأت خفی کا تعین نہ ہوگا کیونکہ دن کی نمازیں سری ہیں۔

نماز کسوف میں سری قرأت کرنے میں فقہاء احناف کی دلیل:

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سورج گرہن کے وقت (اس طرح) نماز پڑھائی (کہ) ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز نہیں سنتے تھے۔

(جامع ترمذی، ابوداؤدو، سنن نسائی، ابن ماجہ)

یہ حدیث اور اسی قسم کی اور احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نماز کسوف میں امام با آواز بلند قرأت نہ کرے چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما کا مسلک یہ ہے۔ صحیح البخاری و صحیح مسلم نیز دوسری کتابوں میں ایسی روایات بھی منقول ہیں کہ جن سے نماز کسوف کی قرأت کا بآواز بلند ہونا ثابت ہوتا ہے۔ روایات کے اس تعارض کے پیش نظر حضرت ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جب روایتوں میں تعارض پیدا ہوا تو ان روایتوں کو ترجیح دینا ضروری ہوا جن سے قرأت کا آہستہ ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ دن کی نماز میں قرأت کا آہستہ ہونا اصل ہے۔ (فتح القدیر)

امام بخاری اور امام مسلم اپنی اسناد کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خسوف یعنی چاند گرہن کی نماز میں قرأت بآواز بلند پڑھی تھی۔ (صحیح البخاری و صحیح مسلم)

نماز کسوف میں طوالت کا بیان:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے (بھی) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذکورہ بالا روایت کی طرح روایت منقول ہے چنانچہ انہوں نے یہ (بھی) فرمایا ہے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گئے تو بڑا طویل سجدہ کیا پھر نماز سے فارغ ہوئے تو (آفتاب) روشن ہو چکا تھا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (لوگوں کے سامنے) خطبہ ارشاد فرمایا، چنانچہ (پہلے) آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان فرمائی اور پھر فرمایا کہ سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، نہ تو کسی کی موت کی وجہ انہیں گرہن لگتا ہے اور نہ کسی کی پیدائش کی وجہ سے چنانچہ جب تم گرہن دیکھو تو خدا سے دعا مانگو، تکبیر کہو اور نماز پڑھو نیز اللہ کی راہ میں خیرات کرو۔ پھر فرمایا کہ اے امت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! قسم ہے پروردگار کی اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی غیرت مند نہیں ہے۔ جب کہ اس کا کوئی بندہ زنا کرتا ہے یا اس کی کوئی بندی زنا میں مبتلاء ہوتی ہے اور اے امت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! قسم ہے خدا کی، اگر تم لوگ وہ چیز جان لو جو میں جانتا ہوں (یعنی یوم آخرت کی ہولناکی اور پروردگار کا غضب) تو اس میں کوئی شک نہیں تمہارا ہنسنا کم اور تمہارا رونا زیادہ ہو جائے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک کسوف میں دو رکوع کرنے کا بیان:

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا تھا سورج گرہن ہوا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو چھ رکوع اور چار سجدے کے ساتھ نماز پڑھائی۔ (صحیح مسلم)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن کے وقت دو رکعت نماز آٹھ رکوع اور چار سجدوں کے ساتھ اس طرح پڑھائی کہ ہر رکعت میں چار چار رکوع اور دو دو سجدے کیے) اور اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منقول ہے۔ (صحیح مسلم)

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نے ان احادیث کو ترجیح دی ہے جن میں ہر رکعت میں صرف ایک رکوع کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ نہ صرف یہ کہ اصل یہی ہے کہ ہر رکعت میں ایک رکوع ہو بلکہ اس بارے میں قولی اور فعلی دونوں طرح کی احادیث منقول ہیں۔ پھر یہ کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مستدل روایت کے علاوہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور دوسرے اکثر اہل علم حضرات کے یہاں یہ بھی مسئلہ ہے کہ اگر گرہن دیر تک رہے تو یہ جائز ہے کہ ہر رکعت میں تین یا چار یا پانچ رکوع بھی کئے جاسکتے ہیں۔

فقہاء احناف کی مؤید رکوع واحد میں دلیل:

امام نسائی علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دو رکعت نماز پڑھنی شروع کی) یعنی دو رکعت نماز پڑھ کر دیکھتے اگر گرہن ختم نہ ہوتا تو پھر دو دو رکعت نماز پڑھتے اسی طرح گرہن تک نماز پڑھتے رہے) اور (اللہ تعالیٰ سے یہ دعا) مانگتے (کہ یا اللہ آفتاب روشن کردے یا یہ کہ ہر دو دو رکعت کے بعد لوگوں سے گرہن کے بارے میں پوچھتے کہ گرہن ختم ہوا یا نہیں؟ اگر لوگ کہتے کہ ابھی گرہن باقی ہے تو پھر نماز میں مشغول ہوجاتے) جہاں تک کہ آفتاب روشن ہوگیا۔ (ابوداؤد) اور سنن نسائی کی روایت ہے کہ جب سورج گرہن ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری نماز کی طرح نماز پڑھی جس میں رکوع وسجدہ کرتے تھے سنن نسائی کی ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ایک روز جب کہ سورج کو گرہن ہوا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عجلت کے ساتھ مسجد میں تشریف لائے اور نماز پڑھی یہاں تک کہ آفتاب روشن ہوگیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ کہا کرتے تھے کہ زمین پر رہنے والے بڑے آدمیوں میں سے کسی بڑے آدمی کے مرجانے کی وجہ سے سورج اور چاند کو گرہن لگتا ہے، حالانکہ (حقیقت یہ ہے کہ) سورج وچاند نہ تو کسی کے مرجانے کی وجہ سے گرہن میں آتے ہیں اور نہ کسی کی پیدائش کی وجہ سے۔ یہ دونوں محض اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے دو مخلوق ہیں، اللہ جو چاہتا ہے اپنی مخلوق میں تغیر (مثلاً گرہن، روشنی اور اندھیرا) پیدا کرتا ہے۔ لہٰذا جب ان میں سے کوئی گرہن میں آئے تو تم نماز پڑھنی شروع کردو یہاں تک کہ وہ روشن ہوجائے یا اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم ظاہر ہوجائے (یعنی عذاب آجائے یا قیامت شروع ہو جائے)۔ (سنن نسائی)

حدیث کے الفاظ ہماری نماز کی طرح کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کسوف کی ہر رکعت میں کئی کئی رکوع نہیں کئے بلکہ جس طرح کہ ہم روزمرہ نماز پڑھتے ہیں اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس وقت نماز پڑھی اور ہر رکعت میں ایک ایک رکوع اور دو دو سجدے کئے۔ یہ حدیث احناف کے مسلک کی دلیل ہیں اس کے علاوہ اور احادیث بھی منقول ہیں جو اس مسئلہ میں احناف کے مسلک کی تائید کرتی ہیں۔

سورج گرہن والی نماز کی دعا کا بیان:

(وَيَدْعُو بَعْدَهَا حَتَّى تَنْجَلِيَ الشَّمْسُ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (إذَا رَأَيْتُمْ مِنْ هَذِهِ الْأَفْزَاعِ

شَيْئًا فَارْغَبُوا إِلَى اللَّهِ بِالدُّعَاءِ) ، وَالسُّنَّةُ فِي الْأَدْعِيَةِ تَأْخِيرُهَا عَنْ الصَّلَاةِ (وَيُصَلِّي بِهِمْ الْإِمَامُ الَّذِي يُصَلِّي بِهِمْ الْجُمُعَةَ فَإِنْ لَمْ يَحْضُرْ صَلَّى النَّاسُ فُرَادَى) تَحَرُّزًا عَنْ الْفِتْنَةِ .

ترجمہ:

اور وہ نماز کے بعد دعا کرے یہاں تک کہ سورج روشن ہو جائے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم خوف والی اشیاء کو دیکھو تو دعا کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرو۔ اور دعا میں سنت ان کے نماز کے بعد ہونا ہے۔ اور نماز کسوف ان کو وہی امام پڑھائے جو انہیں جمعہ کی نماز پڑھاتا ہے۔ اور اگر وہ امام نہ ہو تو لوگ اکیلے اکیلے نماز پڑھیں تاکہ فتنے سے بچ جائیں۔

نوٹ اس کی شرح سابقہ عبارت کی شرح میں گزر چکی ہے۔

چاند گرہن میں جماعت کرانے کا بیان:

(وَلَيْسَ فِي خُسُوفِ الْقَمَرِ جَمَاعَةٌ) لِتَعَذُّرِ الِاجْتِمَاعِ فِي اللَّيْلِ (أَوْ لِخَوْفِ الْفِتْنَةِ) ، وَإِنَّمَا يُصَلِّي كُلُّ وَاحِدٍ بِنَفْسِهِ ؛ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (إِذَا رَأَيْتُمْ شَيْئًا مِنْ هَذِهِ الْأَهْوَالِ فَافْزَعُوا إِلَى الصَّلَاةِ) (وَلَيْسَ فِي الْكُسُوفِ خُطْبَةٌ) ، لِأَنَّهُ لَمْ يُنْقَلْ .

ترجمہ:

چاند گرہن میں جماعت نہیں ہے۔ کیونکہ لوگوں کا رات جمع ہونا متعذر ہے یا پھر فتنے کا خوف ہے۔ اور بے شک ہر شخص اپنی نماز خود پڑھے گا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تک خوفناک چیزوں میں سے دیکھو تو نماز کی طرف آجاؤ۔ اور کسوف میں خطبہ نہیں ہے اس لئے کہ یہ منقول ہی نہیں ہوا۔

نماز خسوف کی قرأت

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خسوف یعنی چاند گرہن کی نماز میں قرأت بآواز بلند پڑھی تھی۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم)

سورج گرہن کی نماز بالاتفاق جمہور علماء کے نزدیک مسنون ہے۔ حنفیہ کے نزدیک سورج گرہن کی نماز دو رکعت با جماعت بغیر خطبہ کے ہے۔ چاند گرہن کی نماز میں دو رکعت ہے مگر اس میں جماعت نہیں ہے بلکہ ہر آدمی الگ الگ یہ نماز پڑھے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک دونوں میں جماعت اور خطبہ ہے۔

بَابُ الْاِسْتِسْقَاءِ

﴿یہ باب بارش طلب کرنے کے بیان میں ہے﴾

باب الاستسقاء کی مطابقت کا بیان:

اس باب کی سابقہ باب سے مطابقت واضح ہے کیونکہ ان دونوں میں لوگوں کی کثیر تعداد کو جمع کیا جاتا ہے۔

استسقاء کا فقہی مفہوم:

استسقاء کے لغوی معنی ہیں پانی طلب کرنا اور اصطلاح شریعت میں اس کا مطلب ہے قحط اور خشک سالی میں طلب بارش کے لیے بتائے گئے طریقوں کے مطابق نماز پڑھنا اور دعا کرنا۔

حضرت عبداللہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ہمراہ طلب بارش کے لیئے عیدگاہ تشریف لئے گئے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں دو رکعت نماز پڑھائی جس میں بلند آواز سے قرأت فرمائی اور قبلہ رخ ہو کر دعا مانگی نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (دعا کے لیے) اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے اور قبلہ رخ ہوتے وقت اپنی چادر پھیر دی تھی۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم)

ائمہ فقہ کے نزدیک نماز استسقاء میں مذاہب:

حضرت امام شافعی اور صاحبین (حضرت امام یوسف اور حضرت امام محمد) کے نزدیک استسقاء کی نماز عید کی نماز کی طرح ہے اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ استسقاء کی دو رکعت نماز اسی طرح پڑھی جائے جیسا کہ دوسری نماز پڑھی جاتی ہے۔

چادر پھیرنا دراصل تغیر حالت کے لیے اچھا شگون لینے کے درجہ میں ہے جس طرح چادر الٹ پلٹ دی گئی ہے اسی طرح موجودہ حالت میں بھی تبدیلی اور تغیر ہو جائے بایں طور کہ قحط کے بدلہ ارزانی ہو جائے اور خشک سالی کی بجائے باران رحمت سے دنیا سیراب ہو جائے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک استسقاء میں نماز نہیں ہے:

:(قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ :لَيْسَ فِي الِاسْتِسْقَاءِ صَلَاةٌ مَسْنُونَةٌ فِي جَمَاعَةٍ ، فَإِنْ صَلَّى النَّاسُ وُحْدَانًا جَازَ ، وَإِنَّمَا الِاسْتِسْقَاءُ الدُّعَاءُ وَالِاسْتِغْفَارُ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إنَّهُ كَانَ غَفَّارًا) الْآيَةَ ، (وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَسْقَى وَلَمْ تُرْوَ عَنْهُ الصَّلَاةُ)

ترجمہ

امام اعظم علیہ الرحمہ نے فرمایا: استسقاء میں کوئی نماز جماعت کے ساتھ سنت نہیں۔ لہذا اگر لوگ اکیلے اکیلے پڑھیں تو جائز ہے اور بے شک استسقاء صرف دعا و استغفار کا نام ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا '' اور رسول اللہ ﷺ استسقاء فرمایا جبکہ آپ سے نماز کی روایت مروی نہیں ہے۔

نماز جمعہ والی دعا سے استسقاء کے عدم نماز ہونے کا استدلال:

امام بخاری علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں لوگوں پر قحط سالی پڑی تو جمعہ کے دن اس حالت میں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے، ایک اعرابی کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ مال تلف ہو گیا اور بچے بھوکے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے (بارش کی) دعا کیجئے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور ہم (اس وقت) آسمان میں ایک ٹکڑا بھی بادل کا نہ دیکھتے تھے مگر قسم اس ذات (پاک) کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھوں کو سمیٹنے بھی نہ پائے کہ بادل پہاڑوں کی طرح چھا گیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے منبر پر سے اترے نہیں یہاں تک کہ میں نے بارش کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک پر ٹپکتے ہوئے دیکھا۔ پھر اس دن ہم پر بارش ہوئی اور دوسرے دن اور تیسرے دن اور چوتھے دن (اسی طرح) دوسرے جمعہ تک بارش برستی رہی تو وہی اعرابی (یا انس رضی اللہ عنہ نے) کہا کہ (کوئی) دوسرا (آدمی جمعہ کے وقت) پھر کھڑا ہو گیا اور اس نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ (بارش کی کثرت سے) مکان گر گئے اور مال ڈوب گیا پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے دعا فرمایئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور کہا: اے اللہ! ہمارے آس پاس مینہ برسا اور ہم پر نہ برسا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بادل کے جس ٹکڑے کی طرف اشارہ کرتے تھے وہ ہٹ جاتا تھا اور پورا مدینہ (بادل سے صاف ہو کر) مثل حوض کے ہو گیا اور وادی قناۃ کا نالہ ایک مہینے تک بہتا رہا اور جو شخص کسی طرف سے آتا تھا وہ بارش کی کیفیت بیان کرتا تھا۔

(صحیح بخاری، حدیث نمبر 519)

صاحبین کے نزدیک استسقاء نماز ہے:

(وَقَالَا : يُصَلِّي الْإِمَامُ رَكْعَتَيْنِ) لِمَا رُوِيَ (أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى فِيهِ رَكْعَتَيْنِ كَصَلَاةِ الْعِيدِ) رَوَاهُ ابْنُ عَبَّاسٍ .

قُلْنَا : فَعَلَهُ مَرَّةً وَتَرَكَهُ أُخْرَى فَلَمْ يَكُنْ سُنَّةً ، وَقَدْ ذُكِرَ فِي الْأَصْلِ قَوْلُ مُحَمَّدٍ وَحْدَهُ .(وَيَجْهَرُ فِيهِمَا بِالْقِرَاءَةِ) اعْتِبَارًا بِصَلَاةِ الْعِيدِ .

(ثُمَّ يَخْطُبُ) لِمَا رُوِيَ (أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ) ثُمَّ هِيَ كَخُطْبَةِ الْعِيدِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ

، وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ خُطْبَةٌ وَاحِدَةٌ (وَلَا خُطْبَةَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ) ؛ لِأَنَّهَا تَبَعٌ لِلْجَمَاعَةِ وَلَا جَمَاعَةَ عِنْدَهُ (وَيَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ بِالدُّعَاءِ) لِمَا رُوِيَ (أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَحَوَّلَ رِدَاءَهُ) (وَيَقْلِبُ رِدَاءَهُ) لِمَا رَوَيْنَا . قَالَ : وَهَذَا قَوْلُ مُحَمَّدٍ ، أَمَّا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ فَلَا يَقْلِبُ رِدَاءَهُ ؛ لِأَنَّهُ دُعَاءٌ فَيُعْتَبَرُ بِسَائِرِ الْأَدْعِيَةِ .وَمَا رَوَاهُ كَانَ تَفَاؤُلًا (وَلَا يَقْلِبُ الْقَوْمُ أَرْدِيَتَهُمْ) ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يُنْقَلْ أَنَّهُ أَمَرَهُمْ بِذَلِكَ .(وَلَا يَحْضُرُ أَهْلُ الذِّمَّةِ الِاسْتِسْقَاءَ) ؛ لِأَنَّهُ لِاسْتِنْزَالِ الرَّحْمَةِ ، وَإِنَّمَا تَنْزِلُ عَلَيْهِمْ اللَّعْنَةُ .

ترجمہ

اورصاحبین علیہما الرحمہ نے فرمایا: امام دو رکعات پڑھے۔ اسی دلیل کی وجہ سے جو نبی کریم ﷺ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے نماز عید کی طرح دو رکعت نماز پڑھی۔ اور اس کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ایسا کیا پھر اسے چھوڑ دیا لہذا یہ سنت نہ ہوا۔ جبکہ مبسوط میں مذکور ہے کہ یہ امام محمد علیہ الرحمہ کا قول ہے۔

صاحبین کے نزدیک عید پر قیاس کرتے ہوئے دونوں رکعات میں قرأت جہر سے کرے۔ اور پھر وہ خطبہ پڑھے۔ اس لئے کہ روایت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے خطبہ پڑھا ہے۔ لہذا یہ خطبہ عید کے خطبہ کی طرح ہو گیا۔ صاحبین کے نزدیک ایک ہی خطبہ ہے۔

جبکہ امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک اس میں خطبہ نہیں ہے کیونکہ جماعت کے تابع ہے اور آپ کے نزدیک جماعت ہی نہیں ہے۔

اور وہ قبلہ رخ ہو کر دعا کرے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دعا مانگی۔ اور اپنی چادر کو اُلٹ دے اور اس کا انقلاب کرے اسی روایت کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ صاحب ہدایہ نے فرمایا: یہ امام محمد علیہ الرحمہ کا قول ہے جبکہ امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک رداء قلب نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بھی دعا ہے اور اسے دوسری دعاؤں پر قیاس کیا جائے گا۔ رجو روایت بیان کی گئی وہ محض نیکی کے طور پر تھی۔۔۔۔۔ اور قوم اپنی چادروں میں رداء قلب نہ کریں کیونکہ اس طرح منقول ہی نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ذمی لوگ اس میں شامل نہ ہوں کیونکہ استسقاء نزول رحمت کی طلب کی دعا ہے جبکہ ذمیوں پر لعنت نازل ہوتی ہے۔

نماز استسقاء کے بارے میں فقہاء احناف کا مذہب:

نماز استسقاء کے سلسلہ میں خود حنفیہ کے یہاں دو قول ہیں، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ تو یہ فرماتے ہیں کہ استسقاء نماز نہیں ہے بلکہ دعا و استغفار ہے وہ فرماتے ہیں کہ جن اکثر احادیث میں استسقاء کا ذکر آیا ہے ان میں نماز مذکور نہیں ہے بلکہ صرف دعا

کرنا مذکور ہے۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں صحیح روایت منقول ہے۔ کہ انھوں نے استقاء کے لیے صرف دعا واستغفار پر اکتفا فرمایا نماز نہیں پڑھی، اگر اس سلسلہ میں نماز مسنون ہوتی تو وہ ترک نہ کرتے۔ اور ایسے ضروری مشہور واقعات کا انہیں معلوم نہ ہونا جب کہ زمانہ نبوت کو بھی زیادہ دن نہیں گزرے تھے بعید ہے اور معلوم ہونے کی صورت میں اسے ترک کرنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان سے بعید تر ہے۔

صاحبین کا مسلک اس کے خلاف ہے۔ ان حضرات کے نزدیک نہ صرف یہ کہ استقاء کے لیے نماز منقول اور مسنون ہے بلکہ اس نماز میں جماعت اور خطبہ بھی مشروع ہے۔

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول لا صلوۃ فی الاستسقاء (یعنی استقاء کے لیے نماز نہیں ہے) کی مراد یہ ہے کہ اس نماز کے لیے جماعت خطبہ اور خصوصیت سنت وشرط نہیں، اگر ہر آدمی الگ الگ نفل نماز پڑھے اور دعا واستغفار کرے تو بہتر ہے۔ اس وقت حنفیہ کے یہاں فتوی صاحبین کے قول پر ہے کیونکہ نماز استقاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت اور منقول ہے جس کا ایک واضح ثبوت مذکورہ بالا حدیث ہے۔

نماز استقاء کے سلسلہ میں یہ افضل ہے کہ اس کی دونوں رکعتوں میں سے پہلی رکعت سورہ ق یا سبح اسم ربك الاعلی اور دوسری رکعت میں اقتربت الساعة یا سورۃ غاشیہ کی قرأت کی جائے۔

استقاء کی دو رکعت نماز سنت ہے۔ صاحبین امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور جمہور کا یہی قول ہے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک استقاء صرف دعا ہے۔

ردائے قلب کا بیان وطریقہ:

حضرت عبداللہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ تشریف لے گئے اور وہاں بارش مانگی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ رخ ہوئے تو اپنی چادر کا دایاں کونا گھما کر اپنے بائیں کندھے پر لائے اور چادر کا بایاں کونا گھما کر اپنے دائیں کندھے پر لائے پھر اللہ تعالیٰ سے (بارش کے لیے) دعا مانگی۔ (سنن ابوداؤد)

چادر پھیرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ پیٹھ کے پیچھے لے جا کر دائیں ہاتھ سے چادر کی بائیں جانب کے نیچے کا کونا پکڑا جائے اور بائیں ہاتھ سے چادر کی دائیں جانب کے نیچے کا کونا پکڑ لیا جائے پھر دونوں ہاتھوں کو پیٹھ کے پیچھے اس طرح پھیرا اور پلٹا جائے کہ دائیں ہاتھ چادر کا پکڑا ہوا کونا دائیں مونڈھے پر آجائے اور بائیں ہاتھ میں چادر کا پکڑا ہوا کونا بائیں مونڈھے پر آجائے اس طریقہ سے چادر کو دایاں کونا تو بائیں ہو جائے گا اور بایاں کونا دائیں ہو جائے گا۔ نیز اوپر نیچے پہنچ جائے گا اور نیچے کا حصہ اوپر جائے گا۔

نمازاستسقاء میں خطبہ ودعا کے بیان میں مذاہب فقہاء:

امام ابوداؤدعلیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ لوگوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بارش نہ ہونے کی شکایت کی،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ عیدگاہ میں منبر رکھا جائے چنانچہ جب عیدگاہ میں منبر رکھ دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے ایک دن کے بارے میں طے کیا کہ اس دن سب لوگ عیدگاہ چلیں گے۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ (متعین دن) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورج کا کنارہ ظاہر ہوتے ہی (عیدگاہ) تشریف لے گئے،اور منبر پر بیٹھ کر تکبیر کہی اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور فرمایا کہ تم نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے شہروں کی قحط سالی اور بارش کے اپنے وقت پر نہ برسنے کی شکایت تھی اب اللہ تعالیٰ تمہیں یہ حکم دیتا ہے کہ تم اس سے بارش کے لیے دعا مانگو اور اس نے وعدہ کیا ہے کہ تمہاری دعا قبول ہوگئی ہے۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے مہربان اور بخشش کرنے والا ہے یوم جزاء کا مالک ہے۔اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔اے اللہ !تو معبود ہے۔تیرے سوا کوئی معبود نہیں،تو غنی (بے پرواہ) ہے اور ہم فقیر محتاج ہیں۔ہم پر بارش برسا اور جو چیز کہ تو نازل کرے (یعنی بارش)۔

اس کو ایک مدت دراز تک ہماری مدت اور (اس کے ذریعہ اپنے اپنے مقاصد ومنافع تک) پہنچنے کا سبب بنا۔اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور اتنے بلند اٹھائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی،پھر اپنی پشت مبارک لوگوں کی طرف پھیر کر اپنی چادر الٹی یا یہ کہ پھیری اور اپنے ہاتھ یوں ہی اٹھائے رہے پھر لوگوں کی طرف منہ کرے (منبر سے) نیچے تشریف لائے اور دو رکعت نماز پڑھی۔جب ہی اللہ تعالیٰ نے بادل ظاہر فرمائے جو گرجنے لگے اور بجلی چمکنے لگی،چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بارش شروع ہوگئی یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد تک نہ آئے پائے تھے کہ نالے بہنے لگے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو سایہ (یعنی بارش سے بچنے کے لیے محفوظ مقام) ڈھونڈھنے میں جلدی کرتے دیکھا تو ہنس پڑھے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کچلیاں ظاہر ہوگئیں پھر فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول اللہ ہوں۔(ابوداؤد)

حضرت امام مالک حضرت امام شافعی اور ایک روایت کے مطابق حضرت امام احمد فرماتے ہیں کہ نماز استسقاء کے بعد دو خطبے پڑھنا سنت ہے اور خطبہ کی ابتداء استغفار کے ساتھ کرنی چاہیے جیسے کہ عیدین کے خطبہ کی ابتداء تکبیر کے ساتھ ہوتی ہے اور حضرت امام ابوحنیفہ اور ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت امام احمد کے نزدیک خطبہ مشروع نہیں ہے صرف دعا و استغفار پر اکتفا کرنا چاہیے۔

حضرت ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں کہ اصحاب سنن اربعہ نے حضرت اسحٰق ابن عبداللہ کنانہ سے ایک روایت نقل کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (استسقاء کے لیے) عیدگاہ جا کر تمہاری طرح خطبہ نہیں پڑھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم برابر دعا کرتے گریہ وزاری کرتے اور اللہ کی عظمت و بڑائی بیان کرتے رہے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز پڑھی جیسا کہ عید میں پڑھتے تھے۔

نماز استسقاء میں بلند آواز سے قرأت کرنے کا بیان:

امام بخاری علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت عباد بن تمیم نے اوران سے ان کے چچا(عبداللہ بن زید) نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم استسقاء کے لیے باہر نکلے تو قبلہ رو ہو کر دعا کی۔ پھر اپنی چادر پلٹی اور دو رکعت نماز پڑھی۔ نماز میں آپ نے قرات بلند آواز سے کی۔ (صحیح بخاری،۱۰۲۴)

باب صلاۃ الخوف

﴿یہ باب نماز خوف کے بیان میں ہے﴾

باب صلوۃ الخوف کی مطابقت کا بیان:

اس مطابقت باب الاستسقاء کے ساتھ یوں ہے کہ وہ عارض سماوی یعنی عدم ماء کی وجہ سے ہے اور اس کا عارض اختیاری یعنی جہاد اور کفار سے مقابلہ کرنے سے ہوتا ہے۔

نماز خوف کا بیان:

کفار کے خوف اور دشمن کے مقابل ہونے کے وقت جو نماز پڑھی جاتی ہے اسے نماز خوف کہتے ہیں۔خوف کی نماز کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ نیز اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد یہ نماز باقی اور ثابت ہے اگرچہ بعض حضرات کا قول ہے کہ نماز خوف صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک ہی کے ساتھ مخصوص تھی۔ نیز بعض حضرات مثلاً حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک یہ نماز حالت سفر کے ساتھ مخصوص ہے۔ جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک یہ نماز سفر و حضر دونوں صورتوں میں جائز ہے۔

بحسب اختلاف زمانہ و مقام یہ نماز متعدد طریقوں سے روایت کی گئی ہے چنانچہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ سولہ طریقوں سے منقول ہے۔ بعض حضرات نے اس سے زائد اور بعض نے اس سے کم کہا ہے لیکن علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ احادیث میں جتنے بھی طریقے منقول ہیں تمام کے تمام معتبر ہیں علماء کے ہاں اختلاف صرف ترجیح اور فوقیت کے بارے میں ہے کہ کسی نے کسی طریقے کو ترجیح دی ہے اور اس پر عمل کیا ہے جو صحاح ستہ میں مذکور ہے۔

علامہ شمنی نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خوف چار جگہ پڑھی ہے۔ ذات الرقاع، بطن نخل، عسفان اور ذی قرد۔ لہذا اس سے معلوم ہوا کہ نماز خوف تھی تو حالت سفر میں مگر فقہاء نے اس پر قیاس کرتے ہوئے اس نماز کو حضر میں بھی جائز رکھا ہے۔

نماز خوف پڑھنے کا طریقہ:

(إِذَا اشْتَدَّ الْخَوْفُ جَعَلَ الْإِمَامُ النَّاسَ طَائِفَتَيْنِ : طَائِفَةً إِلَى وَجْهِ الْعَدُوِّ ، وَطَائِفَةً خَلْفَهُ ، فَيُصَلِّي بِهَذِهِ الطَّائِفَةِ رَكْعَةً وَسَجْدَتَيْنِ ، فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنْ السَّجْدَةِ الثَّانِيَةِ مَضَتْ هَذِهِ الطَّائِفَةُ إِلَى وَجْهِ الْعَدُوِّ وَجَاءَتْ تِلْكَ الطَّائِفَةُ ، فَيُصَلِّي بِهِمْ الْإِمَامُ رَكْعَةً وَسَجْدَتَيْنِ وَتَشَهَّدَ وَسَلَّمَ وَلَمْ يُسَلِّمُوا ، وَذَهَبُوا إِلَى وَجْهِ الْعَدُوِّ ، وَجَاءَتْ الطَّائِفَةُ الْأُولَى فَصَلَّوْا رَكْعَةً وَسَجْدَتَيْنِ وُحْدَانًا بِغَيْرِ قِرَاءَةٍ) ؛ لِأَنَّهُمْ لَاحِقُونَ (وَتَشَهَّدُوا وَسَلَّمُوا وَمَضَوْا إِلَى وَجْهِ الْعَدُوِّ ، وَجَاءَتْ الطَّائِفَةُ الْأُخْرَى ، وَصَلَّوْا رَكْعَةً وَسَجْدَتَيْنِ بِقِرَاءَةٍ) ؛ لِأَنَّهُمْ مَسْبُوقُونَ (وَتَشَهَّدُوا وَسَلَّمُوا) وَالْأَصْلُ فِيهِ رِوَايَةُ ابْنِ مَسْعُودٍ (أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ

وَالسَّلَامُ صَلَّى صَلَاةَ الْخَوْفِ عَلَى الصِّفَةِ الَّتِي قُلْنَا). وَأَبُو يُوسُفَ وَإِنْ أَنْكَرَ شَرْعِيَّتَهَا فِي زَمَانِنَا فَهُوَ مَحْجُوجٌ عَلَيْهِ بِمَا رَوَيْنَا.

ترجمہ

اور جب خوف شدت اختیار کر جائے تو امام لوگوں کے دو گروہ بنائے۔ایک گروہ کو دشمنوں کے سامنے چھوڑ دے۔اور پہلے گروہ کو اپنے پیچھے ایک رکعت اور دو سجدے نماز پڑھائے۔پس جب یہ گروہ دوسرے سجدے سے سر اٹھائے تو دشمن کے سامنے چلا جائے۔اور وہ گروہ آجائے پس امام ان کو ایک رکعت، دو سجدے اور تشہد پڑھے اور امام سلام پھیرے اور وہ سلام نہ پھیریں بلکہ وہ دشمن کے سامنے چلیں جائیں۔اور پہلا گروہ آجائے پس وہ نماز ایک رکعت اور دو سجدے فرداً فرداً بغیر قرأت کے پڑھیں گے۔اس لئے یہ لوگ لاحق ہیں اور تشہد پڑھ کر سلام پھیر کر دشمن کے سامنے چلیں جائیں گے۔اور دوسرا گروہ آجائے وہ ایک رکعت دو سجدے قرأت کے ساتھ پڑھیں۔کیونکہ یہ گروہ مسبوق ہے۔اور تشہد پڑھ کر سلام پھیر دیں۔اور اس میں اصل حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نماز خوف کو اسی طرح پڑھا ہے جو ہم نے بیان کی ہے۔جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ فرمایا ہمارے زمانے اس کی مشروعیت ختم ہوگئی۔لیکن ان پر دلائل انہی روایات کی وجہ سے قائم ہیں جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

نماز خوف ادا کرنے میں مذہب احناف کا بیان:

حضرت سالم ابن عبداللہ ابن عمر اپنے والد (حضرت عبداللہ ابن عمر) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم (ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نجد کی طرف جہاد کے لیے گئے (جب) ہم دشمنوں کے سامنے ہوئے تو ہم نے ان (سے مقابل) ہونے کے لیے صفیں باندھ لیں، رسول اللہ ہمیں نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے تو ایک جماعت آپ کے ساتھ (نماز کے لیے) کھڑی ہوئی اور دوسری جماعت دشمن کے مدمقابل کھڑی رہی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے ساتھ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ (نماز کی جماعت میں) شریک تھے ایک رکوع کیا اور دو سجدے کئے پھر وہ لوگ (جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز میں تھے) ان لوگوں کی جگہ چلے گئے جنہوں نے نماز نہیں پڑھی تھی (اور دشمن کے مدمقابل کھڑے تھے) جن لوگوں نے نماز نہیں پڑھی تھی وہ آئے (اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز میں شریک ہوگئے) چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے ہمراہ ایک رکوع اور دو سجدے کئے پھر سلام۔اور یہ لوگ کھڑے ہوگئے اور ہر ایک نے اپنا اپنا ایک رکوع اور دو سجدے کر لیے۔نافع نے بھی اسی طرح روایت بیان کی ہے۔مگر انہوں نے اتنا اور زیادہ بیان کیا ہے کہ اگر (عین جنگ کی حالت ہو اور) خوف اس سے بھی زیادہ ہو (کہ مذکورہ بالا طریقہ سے نماز پڑھنا ممکن نہ ہو) تو لوگ پیادہ کھڑے کھڑے یا (پیادہ نہ ہوسکیں تو) سواری پر اگر (ممکن ہو تو) قبلے کی طرف یا (اور اگر ممکن نہ ہو تو) کسی بھی طرف رخ کر کے نماز پڑھ لیں حضرت نافع فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی نقل کئے ہوں گے۔(صحیح البخاری)

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تعدد جماعت یعنی کئی کئی مرتبہ جماعت کرنا مکروہ ہے خصوصاً جب کہ تمام نمازی حاضر ہوں۔ایسے ہی یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ فرض نماز نفل نماز پڑھنے والے کے پیچھے جائز نہیں ہوتی ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں جماعتوں کو الگ الگ دو دو مرتبہ نماز پڑھاتے نیز جماعت کے واجب ہونے کی بھی یہ حدیث دلیل ہے کہ ایسی حالت میں بھی جب کہ دشمن کا لشکر مد مقابل ہو جماعت نہ چھوڑی جائے۔

حضرت ابن ہمام فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا طریقے سے نماز خوف کی ادائیگی اس وقت ضروری ہوتی ہے جب کہ سب لوگ ایک ہی آدمی کو امام بنانے پر مصر ہوں۔اگر ایسی صورت حال نہ ہو تو پھر افضل یہ ہے کہ ایک امام ایک جماعت کو پوری نماز پڑھائے اور دوسرا امام دوسری جماعت کو پوری نماز پڑھائے۔

حدیث کے الفاظ فقام کل واحد منھم (اور یہ لوگ کھڑے ہو گئے الخ) کی تفصیل و فائدہ علماء حنفیہ میں سے بعض شارحین نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ جماعت جو بعد میں آ کر نماز میں شریک ہوئی تھی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام پھیرنے کے بعد دشمن کے مقابلے میں چلی گئی اور پہلی جماعت جو پہلی رکعت میں شریک ہوئی تھی وہاں سے اپنی جگہ یعنی نماز پڑھنے آ گئی اور تنہا تنہا اپنی بقیہ نماز پوری کی اور سلام پھیر کے دشمن کے مقابلہ پر چلی گئی اس کے بعد پھر دوسری جماعت یہاں آ گئی اور اس نے بھی تنہا اپنی بقیہ نماز پوری کی اور سلام پھیر کے دشمن کے مقابلہ پر چلی گئی۔

ابن مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض علماء سے یہی تفصیل اور طریقہ منقول ہے چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ کا بھی یہی مسلک ہے۔اگرچہ تفصیل حدیث میں وضاحت کے ساتھ بیان نہیں کی گئی ہے اور نہ صراحت کے ساتھ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے۔لیکن حضرت ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے حضرت امام ابوحنیفہ کے مسلک کا ایک جز ثابت ہوتا ہے اور وہ یہ کہ پہلی جماعت ایک رکعت پڑھ کر چلی جائے اور دوسری جماعت دوسری رکعت میں آ کر امام کے ساتھ شریک ہو اور اس دوسری جماعت کی موجودگی میں امام اپنی نماز پوری کر کے سلام پھیر دے۔البتہ حضرت امام اعظم کا پورا مسلک اور ان کا نقل کردہ پورا طریقہ ایک دوسری روایت سے ثابت ہوتا ہے جو حضرت عبداللہ ابن عباس پر موقوف ہے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا یہ مسلک اور ان کی روایت حضرت امام محمد نے اپنی کتاب الآثار میں نقل کی ہے۔

اس سلسلے میں اتنی بات سمجھ لینا چاہیے کہ نماز خوف کے بارے میں حضرت امام اعظم کا جو مسلک ہے اور انہوں نے جو تفصیل بیان کی ہے وہ حدیث موقوف سے ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ اس باب میں عقل کو کوئی دخل نہیں لہٰذا حدیث موقوف بھی حدیث مرفوع کے درجے میں ہوگی۔

اور پھر یہ کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ بھی ہے کہ صورت مذکورہ میں پہلی جماعت اپنی نماز بغیر قرأت کے لاحق کی طرح پوری کرے اور دوسری جماعت قرأت کے ساتھ پوری کرے جیسا کہ مسبوق اپنی نماز قرأت کے ساتھ پوری کرتے ہیں لیکن یہ صورت اس وقت کی ہے جب کہ نماز حالت سفر میں پڑھی جا رہی ہو اور امام مسافر ہو یا نماز دو رکعت والی نماز ہو اور اگر امام مقیم ہو اور نماز چار رکعتوں والی ہو تو دونوں جماعتوں میں سے ہر ایک جماعت امام کے ساتھ دو دو رکعتوں پڑھے گی۔

لیکن نماز اگر تین رکعتیں والی ہو جیسے مغرب کی تو خواہ سفر ہو یا حضر دونوں صورتوں میں پہلی جماعت امام کے ساتھ دو رکعتیں پڑھے گی اور دوسری جماعت ایک رکعت اور ہر جماعت اپنی اپنی نماز مذکورہ بالا طریقے سے پوری کرے گی۔

حدیث کے آخری الفاظ فیا ما علی اقدامھم سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نمازی رکوع اور سجدہ ترک کردیں۔ یعنی مذکورہ بالا صورت میں جب کہ لوگ پیادہ کھڑے کھڑے یا سواری پر نماز پڑھیں تو رکوع اور سجدہ سر کے اشارے سے کر لیں نماز خوف کے سلسلے میں مذکورہ بالا طریقہ اگر چہ خلاف قیاس ہے کیونکہ خود حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک چلنا، سوار ہونا اور لڑنا نماز کو فاسد کردیتا ہے۔ پھر یہ کہ اس صورت میں نہ صرف یہ کہ عمل کثیر بہت ہوتا ہے بلکہ قبلے سے بھی انحراف ہوتا ہے لیکن چونکہ قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صحیحہ میں نماز خوف اور اس کا طریقہ وارد ہوگیا ہے۔ اس لیے اسے مشروع رکھا گیا ہے۔

نماز خوف کا طریقہ اور احکام:

علامہ حصکفی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ نماز خوف کا طریقہ یہ ہے کہ جب دشمن سامنے ہو اور یہ اندیشہ ہو کے سب ایک ساتھ نماز پڑھیں گیتو حملہ کردیں گے تو ایسے وقت امام جماعت کے دو حصے کرے اور اگر کوئی گروہ اس پر راضی ہو کہ ہم بعد کو پڑھ لیں گے تو اسے دشمن کے مقابل کرے اور دوسرے گروہ کے ساتھ نماز پڑھ لے پھر جس گروہ ینماز نہی پڑھی اس میں کوئی امام ہو جائے اور یہ لوگ اس کے ساتھ باجماعت نماز پڑھ لیں اور اگر دونوں میں سے بعد کو پڑھنے پر کوئی راضی نہ ہو تو امام ایک گروہ کو دشمن کے مقابل کرے اور دوسرا امام کے پیچھے نماز پرہے، جب امام اس گروہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھ چکے یعنی پہلی رکعت کے دوسرے سجدے سے سر اٹھائیتو یہ لوگ دشمن کے مقابل چلے جائیں اور جو لوگ وہاں تھیوہ چلے آئیں اب ان کے ساتھ امام ایک رکعت پڑھیاور تشہد پڑھ کر سلام پھیر دے مگر مقتدی سلام نہ پھریں بلکہ یہ لوگ دشمن کے مقابل چلے جائیں یا یہیں اپنی نماز پوری کر کے جائیں اور وہ لوگ آئیں اور ایک رکعت بغیر قرات پڑھ کر تشہد کے بعد سلام پھیریں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کے یہ گروہ یھاں نہ آئیبلکہ وہیں اپنی نماز پوری کرلے اور دوسرا گروہ اگر اپنی نماز پوری کر چکا ہے، فبھا، ورنہ اب پوری کرے خواہ وہیں یا یھاں آکر اور یہ لوگ قرات کے ساتھ اپنی ایک رکعت پڑھیں اور تشہد کے بعد سلام پھیریں -یہ طریقہ دو (۲) رکعت والی نماز کا ہے خواہ نماز ہی دو (۲) رکعت کی ہو، جسے فجر وعید وجمعہ یا سفر کی وجہ سے چار کی دو ہو گیئں اور چار رکعت والی نماز ہو تو امام ہر گروہ کے ساتھ دو (۲) دو (۲) رکعت پڑھے اور مغرب میں پہلے گروہ کے ساتھ دو (۲) اور دوسرے گروہ کے ساتھ ایک پڑھے ؛ اگر پہلے کے ساتھ ایک پڑھے، اگر پہلے کے ساتھ ایک پڑھی اور دوسرے کے ساتھ دو تو نماز جاتی رہی۔

(درمختار ج اص ۷۹۴، ۷۹۲، عالمگیری ج اص ۱۵۵، ۱۵۴ اوغیرہما)

اگر امام مقیم ہو تو نماز خوف کا طریقہ:

قَالَ (وَإِنْ كَانَ الْإِمَامُ مُقِيمًا صَلَّى بِالطَّائِفَةِ الْأُولَى رَكْعَتَيْنِ وَبِالثَّانِيَةِ رَكْعَتَيْنِ) لِمَا رُوِيَ (أَنَّهُ عَلَيْهِ

الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ صَلَّى الظُّهْرَ بِالطَّائِفَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ) (وَيُصَلِّي بِالطَّائِفَةِ الْأُولَى مِنَ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ ، وَبِالثَّانِيَةِ رَكْعَةً وَاحِدَةً) لِأَنَّ تَنْصِيفَ الرَّكْعَةِ الْوَاحِدَةِ غَيْرُ مُمْكِنٍ ، فَجَعَلَهَا فِي الْأُولَى أَوْلَى بِحُكْمِ السَّبْقِ .

(وَلَا يُقَاتِلُونَ فِي حَالِ الصَّلَاةِ ، فَإِنْ فَعَلُوا بَطَلَتْ صَلَاتُهُمْ) لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ شُغِلَ عَنْ أَرْبَعِ صَلَوَاتٍ يَوْمَ الْخَنْدَقِ ، وَلَوْ جَازَ الْأَدَاءُ مَعَ الْقِتَالِ لَمَا تَرَكَهَا .

ترجمہ:

اگر امام مقیم ہے تو وہ پہلے گروہ کے ساتھ دو رکعات اور دوسرے گروہ کے ساتھ بھی دو رکعات پڑھے گا۔ کیونکہ روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ظہر کی نماز دونوں گروہوں کے ساتھ ۲، ۲، رکعت پڑھی۔ اور پہلے گروہ کے ساتھ مغرب کی ۲ رکعات اور دوسرے کے ساتھ ایک رکعت پڑھے۔ کیونکہ ایک رکعت کو نصف کرنا ممکن نہیں۔ اور پہلے گروہ کے سابق ہونے کی وجہ سے اس ایک رکعت کو ان کے حق میں کر دینا اولیٰ ہے۔

اور وہ حالت نماز میں قتال نہ کریں کیونکہ اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان کی نماز باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ خندق کے چار نمازوں سے مشغول کر دیئے تھے۔ لہٰذا اگر جنگ کے ساتھ نماز کو ادا کرنا جائز ہوتا تو آپ ان نمازوں کو ترک نہ کرتے

شرح: اس کی شرح سابقہ عبارت کی تشریح کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

حالت سواری میں نماز پڑھنے کا حکم:

(فَإِنْ اشْتَدَّ الْخَوْفُ صَلَّوْا رُكْبَانًا فُرَادَى يُومِئُونَ بِالرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ إِلَى أَيِّ جِهَةٍ شَاءُوا إِذَا لَمْ يَقْدِرُوا عَلَى التَّوَجُّهِ إِلَى الْقِبْلَةِ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا) وَسَقَطَ التَّوَجُّهُ لِلضَّرُورَةِ . وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُمْ الْمُصَلُّونَ بِجَمَاعَةٍ ، وَلَيْسَ بِصَحِيحٍ لِانْعِدَامِ الِاتِّحَادِ فِي الْمَكَانِ .

ترجمہ:

پس شدید خوف کی وجہ سے وہ اکیلے اکیلے سواریوں پر نماز پڑھیں۔ اور رکوع وجود کا اشارہ کریں جس سمت بھی ممکن ہو جب وہ قبلہ کی طرف متوجہ ہونے پر قادر نہ ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا" اور ضرورت کی وجہ سے قبلہ کی طرف متوجہ ہونا ساقط ہو گیا۔ اور امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ وہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں۔ اور عدم اتحاد فی المکان کی وجہ سے یہ روایت صحیح نہیں۔

شرح: سواری پر نوافل پڑھنے کے ضمن میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

بَابُ الجَنَائِز

﴿یہ باب نماز جنازہ کے بیان میں ہے﴾

باب الجنائز کی ماقبل وباب سے مناسبت:

اس سے پہلے نماز خوف اوراب نماز جنازہ کا بیان شروع کرنا نہایت مناسبت طبعی کے موافق ہے۔اور پہلی تمام نمازوں کا تعلق اہل حیات کے وہ مختلف احوال جن کا تعلق زندگی کے ساتھ ہےاور یہ وہ نماز جس کا تعلق اہل حیات سے موت کی طرف ہے۔حیات کا تقدم واضح ہے۔لہذا اسی مناسبت سے باب جنازہ کو موخر ذکر کیا ہے۔

لفظ جنازہ کا معنی:

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی لکھتے ہیں۔ جنائز جنازہ کی جمع ہے،لفظ جنازہ لغت کے اعتبار سے جیم کے زیر اور زبر دونوں کے ساتھ مستعمل ہوتا ہےلیکن زیادہ فصیح جیم کے زیر کے ساتھ ہی ہے۔ جنازہ میت یعنی مردے کو جو تخت پر ہو، کہتے ہیں۔

بعض حضرات نے کہاہے کہ لفظ جنازہ یعنی جیم کے زبر کے ساتھ میت کے معنیٰ میں استعمال کیا جاتا ہےاور جنازہ یعنی جیم کے زیر کے ساتھ تابوت اور اس تخت یا چارپائی کو کہتے ہیں جس پر مردہ کو رکھ کر اٹھاتے ہیں،بعض حضرات نے اس کے برعکس کہاہے یعنی جنازہ تابوت یا تخت کو کہتے ہیں اور جنازہ میت کو کہا جاتا ہے۔

(شرح الوقایہ فی مسائل الہدایہ،ج۱،ص۳۲۰،بیروت)

جب کسی شخص کے پاس موت حاضر ہو:

:(إذَا احْتُضِرَ الرَّجُلُ وُجِّهَ إلَى الْقِبْلَةِ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ) اعْتِبَارًا بِحَالِ الْوَضْعِ فِي الْقَبْرِ ، لِأَنَّهُ أَشْرَفُ عَلَيْهِ ، وَالْمُخْتَارُ فِي بِلَادِنَا الِاسْتِلْقَاءُ ؛ لِأَنَّهُ أَيْسَرُ لِخُرُوجِ الرُّوحِ وَالْأَوَّلُ هُوَ السُّنَّةُ (وَلُقِّنَ الشَّهَادَتَيْنِ) لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :(لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ شَهَادَةَ أَنْ لَا إلَهَ إلَّا اللَّهُ) وَالْمُرَادُ الَّذِي قَرُبَ مِنْ الْمَوْتِ (فَإِذَا مَاتَ شُدَّ لَحْيَاهُ وَغُمِّضَ عَيْنَاهُ) بِذَلِكَ جَرَى التَّوَارُثُ ، ثُمَّ فِيهِ تَحْسِينُهُ فَيُسْتَحْسَنُ .

ترجمہ

اور جب کوئی شخص موت کے قریب ہوتو اسے دائیں جانب قبلہ کی طرف کردیا جائے۔اس کو قبر میں رکھنے کی صورت پر قیاس کیا جائے گا۔کیونکہ اس کیلئے عزت اسی طریقے پر ہے۔جبکہ ہمارے شہروں میں چت لٹانا اختیار کیا گیا ہے۔اس لئے کہ روح نکلنے کی یہی آسان صورت ہے۔لیکن پہلی صورت سنت ہے۔اور اس کو شہادتین کی تلقین کی جائے گی۔کیونکہ نبی کریم

ﷺ نے فرمایا تم اپنے فوت ہونے والوں کو "لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" کی تلقین کرو۔ اوراس حدیث میں فوت ہونے والوں سے مراد وہ ہے جو موت کے قریب ہو۔ جب وہ شخص فوت ہو جائے تو اس کے جبڑوں کو باندھ دیا جائے اوراس کی آنکھیں بند کردی جائیں۔ یہی وراثتاً جاری ہے لہٰذا اس میں فوت ہونے والے کی صورت کو اچھا کرنے کیلئے یہی بہتر ہے۔

شہادتین میں کلمہ توحیدورسالت دونوں کی تلقین کرنے کا بیان:

مجمع بحارالانوار میں ہے:سبب التلقین انه یحضر الشیطان لیفسد عقده، والمراد بلااله الا الله الشهادتان تلقین کا سبب یہ ہے کہ اُس وقت شیطان آدمی کا ایمان بگاڑنے آتا ہے،اور لا الٰہ الا اللہ سے پورا کلمہ طیبہ مراد ہے۔

(مجمع بحارالانوار تحت لفظ"لقن "مطبوعه نولکشور لکھنؤ)

فتح القدیر میں ہے:المقصود منه التذکیر فی وقت تعرض الشیطان۔ تلقین سے مقصود تعرض شیطان کے وقت ایمان یاددلانا ہے(فتح القدیر، باب الجنائز مطبوعہ،مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

اسی طرح تبیین الحقائق اور فتح اللہ مبین وغیرہ میں ہے۔مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں علامہ میرک سے ہے:من کان اٰخر کلامه لا اله الّا الله المراد مع قرینته فانه بمنزلة علم لکلمة الایمان۔ حدیث میں جوفرمایا کہ جس کا پچھلا کلام لا الٰہ الّا اللہ ہواُس سے مراد پوراکلمہ طیبہ ہے کہ لا الٰہ الّا اللہ گویا اس کلمہ ایمان کا نام ہے۔(مرقات شرح مشکوٰۃ باب مایقال عندمن حضرۃ الموت فصل ثانی مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

دُررغرر میں ہے:یلقن بذکر شهادتین عنده لان الاولی لا تقبل بدون الثانیة۔ کلمہ طیبہ کے دونوں جُزمیت کو تلقین کئے جائیں اس لئے کہ لا الٰہ الّا اللہ بغیر محمد رسول اللہ کے مقبول نہیں۔(دررشرح غرر ملّا خسرو،باب الجنائز،بیروت)

غنیہ ذوی الاحکام میں اس پرتقریر فرمائی،تنویر الابصار میں ہے:یلقن بذکر الشهادتین دونوں شہادتیں تلقین کی جائیں۔(تنویر الابصار متن الدر المختار، باب صلوٰۃ الجنائز،مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی)

دُرمختار میں ہے:لان الاولی لاتقبل بدون الثانیۃ کہ پہلی بے دوسری کے مقبول نہیں۔

(درمختار شرح تنویر الابصار،باب صلوٰۃ الجنائز، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی)

المختصر القدوری میں ہے:لقن الشهادتین پوراکلمہ سکھایا جائے۔(المختصر للقدوری باب الجنائز)

جوہرہ نیرہ میں ہے:لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لقنوا موتاکم شهادة ان لا اله الاالله وهوصورة التلقین ان یقال عنده فی حالة النزع جهراًوهویسمع اشهدان لااله الاالله واشهدان محمدارسول الله۔اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا اپنے اموات کو لا الٰہ الا اللہ کی شہادت یاددلاؤ اوراس یاددلانے کی صورت یہ ہے کہ اس نزع میں اس کے پاس ایسی آواز سے کہ وہ سنے اشهدان لااله الاالله واشهدان محمدارسول الله

پڑھیں۔(جوہرہ نیرہ، باب الجنائز، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

شرح صغریٰ میں علامہ سنوسی کی عبارت اس سلسلے میں صاف اور صریح ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں: لا الٰہ الا اللہ کہنے سے ذاکر کے دل میں نورِ حقیقت کی بہجت تو آ گئی مگر اس سے نفع یابی آدابِ شریعت کی بجا آوری پر موقوف ہے۔ اور اس ادب کی بجا آوری کی صورت یہی ہے کہ اس کلمہ والے آقا جو اسے خدائے برتر کے پاس لے کر تبلیغ فرمانے والے ہیں، سیّدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ان کا ذکر پاک جاری رکھے۔ اس لئے حقیقت پر دلالت کرنے والے کلمہ توحید کو کہہ لینے کے بعد ضرورت ہے کہ ذاکر ہمارے آقا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کا بھی اثبات کرے تا کہ شریعت کی مضبوط پناہ میں لا کر اپنے نورِ توحید کو محفوظ رکھ سکے۔ اسی لئے ذاکر کہتا ہے لا الٰہ الااللہ محمد رسول اللہ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اذکار میں سے کسی بھی ذکر میں مومن کو سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔

خدا کے ذکر کے بعد سرکار پر درود بھیجے، یا ان کی رسالت کا اقرار کرے، ساتھ ہی آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود کی ادائیگی، تعظیم کی بجا آوری، اور سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دامنِ پاک سے وابستگی بھی رکھے اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خدائے برتر عظیم ترین باب اور ذریعہ ہیں کہ دنیا و آخرت کی کوئی بھلائی ان سے وابستگی کے بغیر دستیاب نہ ہوگی۔ اس لئے جو سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر پاک اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دامن تھامنے سے غافل ہوا وہ نامراد رہا اور اُسے دنیا و آخرت کی بھلائی سے محروم کر کے بے تعلقی کے قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی تو خدائے برتر کی جانب مخلوق کے رہبر ہیں، جو اپنے رہبر ہی سے غافل ہوا سے خدا تعالیٰ تک رسائی کیسے حاصل ہوگی!

فوت ہونے والے شخص کو سنبھالنے کا بیان:

جب کوئی شخص قریب المرگ ہو اور اس پر علامات موت ظاہر ہونے لگیں تو اسے قبلہ رخ کر دیا جائے بایں طور کہ اسے چت لٹا کر اس کے پاؤں قبلہ کی طرف کر دیئے جائیں اور سر کو اونچا کر دیا جائے تا کہ وہ قبلہ رخ ہو جائے اور قریب المرگ کو تلقین کی جائے یعنی اس کے سامنے کلمہ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمد ارسول اللہ آواز بلند پڑھا جائے تا کہ قریب المرگ بھی سن کر پڑھنے لگے۔ مگر قریب المرگ کو کلمہ پڑھنے کا حکم نہ دیا جائے کیونکہ وہ وقت بڑا مشکل ہے نہ معلوم اس کے منہ سے کیا نکل جائے۔ جب روح قفس عنصری سے پرواز کر جائے تو اس کے تمام اعضاء درست کر دیئے جائیں اور کپڑے سے اس کا منہ اس ترکیب سے باندھ دیا جائے کہ کپڑا ٹھوڑی کے نیچے سے نکال کر اس کے دونوں سرے سر کے اوپر لے جائیں اور گرہ لگا دی جائے تا کہ منہ بند ہو جائے اور منہ کے اندر کوئی کیڑا وغیرہ نہ داخل ہو سکے، آنکھیں بند کر دی جائیں اور پیر کے دونوں انگوٹھے ملا کر باندھ دیئے جائیں تا کہ دونوں ٹانگیں پھیلنے نہ پائیں۔

میت کو نہلانے، کفنانے اور دفنانے میں جہاں تک ہو سکے جلدی کرنی چاہئے۔ جب میت کو غسل دینے کا ارادہ کیا جائے تو پہلے کسی تخت یا بڑے تختہ کو لوبان یا اگربتی وغیرہ کی دھونی دینی چاہئے۔ تین دفعہ، پانچ دفعہ، یا سات دفعہ چاروں طرف دھونی دے کر میت کو اس پر لٹا دیا جائے اس کے کپڑے اتار کر کوئی کپڑا کہ جس کی لمبائی ڈیڑھ ہاتھ اور چوڑائی دو ہاتھ ہو۔ ناف سے لے کر زانو تک ڈال دیا جائے تا کہ ستر چھپا رہے۔

تلقین کے بارے میں احادیث کا بیان:

حضرت ابو ہریرہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اپنے مردوں (یعنی قریب المرگ) کو لَا اِلٰهَ اِلَّا الله کی تلقین کیا کرو۔

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اپنے مرنے والوں کو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهِ کی تلقین کیا کرو۔

حضرت عبداللہ بن جعفر فرماتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنے مرنے والوں کو ان کلمات کی تلقین کیا کرو لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيمُ الْكَرِيمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِين صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! زندہ کیلئے یہ دعا پڑھنا کیسا ہے؟ فرمایا بہت عمدہ ہے بہت عمدہ ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

☆ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یوں دُعا کیا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي شَهَادَةً فِي بَلَدِ رَسُولِكَ ۔

ترجمہ: یا اللہ! مجھے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں شہادت کی موت نصیب فرما۔ (بخاری)

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اپنے مرنے والے کو (لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه) کی تلقین کیا کرو۔ (مسلم)

وضاحت: تلقین کا مطلب یہ ہے کہ مرنے والے کے پاس کلمہ کا ورد کیا جائے، اسے پڑھنے کا نہیں کہنا چاہئے، کیونکہ وہ حالت نزع میں ہوتا ہے، اور منہ سے کوئی غلط بات بھی نکال سکتا ہے۔ یا یہ کہہ دے کہ میں نہیں پڑھتا۔

☆ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رویت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! مرتے وقت جس کی زبان پر آخری الفاظ (لَا اِلٰهَ اِلَّا الله) ہوں وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (ابوداود)

میت کی آنکھوں کو بند کرنے کا حکم:

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابو سلمہ کے پاس آئے۔ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں آپ نے ان کی آنکھیں بند کر دیں پھر فرمایا جب روح قبض ہوتی ہے تو نگاہ اس کے پیچھے پیچھے جاتی ہے۔

حضرت شداد بن اوس بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا جب تم اپنے مردوں کے پاس جاؤ تو ان کی آنکھیں بند کر دو اس لئے کہ نگاہ روح کے پیچھے پیچھے جاتی ہے اور بھلی بات کہو اس لئے کہ فرشتے میت والوں کی بات پر آمین کہتے ہیں۔

(سنن ابن ماجہ)

فَصْلٌ فِي الْغُسْلِ

﴿یہ فصل میت کو غسل دینے کے بیان میں ہے﴾

فصل غسل میت کی مطابقت فقہی کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ جب مصنف زندہ لوگوں سے متعلق احکام سے فارغ ہوئے تو اس کے بعد فوت ہونے کے بعد کے احکام ذکر کریں گے۔ اور کسی بھی شخص کے فوت ہونے کے بعد جو سب سے پہلا کام ہے وہ اسے غسل دینا ہے اسی وجہ سے مصنف نے غسل کی فصل کو مقدم ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد اسے کفن دینے کا بیان، اس پر نماز پڑھنے کا بیان، پھر جنازہ اٹھانے کا بیان اور اس کے بعد اس کو دفن کرنے کا بیان یہ تمام فصول ترتیب کے ساتھ بیان کیں تاکہ ترتیب وضع کے مطابق ہو جائے۔ (البنائیہ شرح الہدایہ، ج ۳، ص ۲۴۳، حقانیہ ملتان)

میت کے وجوب غسل کی اصل کا بیان:

علامہ زیلعی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ شیخ ابو نصر بغدادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ کہ غسل میت کے وجوب میں اصل یہ ہے کہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو غسل دیا اور انہوں نے کہا کہ یہ تمہاری اولاد کیلئے یہی طریقہ ہے۔ اور جب نبی کریم ﷺ کا وصال ہوا تو آپ ﷺ کو غسل دیا گیا۔ اور اس کے بعد بھی مسلمانوں نے اسی طرح کیا۔ اور صاحب درایہ فرماتے ہیں کہ زندہ لوگوں کو واجب ہے کہ وہ فوت ہونے والے کو غسل دیں۔ اور اسی پر امت کا اجماع ہے۔

(نصب الرایہ، ج ۲، ص ۲۵۵)

میت کو غسل دینے کا بیان:

وَإِذَا أَرَادُوا غُسْلَهُ وَضَعُوهُ عَلَى سَرِيرٍ) لِيَنْصَبَّ الْمَاءُ عَنْهُ (وَجَعَلُوا عَلَى عَوْرَتِهِ خِرْقَةً) إقَامَةً لِوَاجِبِ السَّتْرِ، وَيَكْتَفِي بِسَتْرِ الْعَوْرَةِ الْغَلِيظَةِ هُوَ الصَّحِيحُ تَيْسِيرًا (وَنَزَعُوا ثِيَابَهُ) لِيُمْكِنَهُمْ التَّنْظِيفُ.

(وَوَضَّئُوهُ مِنْ غَيْرِ مَضْمَضَةٍ وَلَا اسْتِنْشَاقٍ) ؛ لِأَنَّ الْوُضُوءَ سُنَّةُ الِاغْتِسَالِ، غَيْرَ أَنَّ إخْرَاجَ الْمَاءِ مِنْهُ مُتَعَذِّرٌ فَيُتْرَكَانِ (ثُمَّ يُفِيضُونَ الْمَاءَ عَلَيْهِ) اعْتِبَارًا بِحَالِ الْحَيَاةِ . (وَيُجَمَّرُ سَرِيرُهُ وِتْرًا) لِمَا فِيهِ مِنْ تَعْظِيمِ الْمَيِّتِ، وَإِنَّمَا يُوتَرُ ؛ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (إنَّ اللَّهَ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ).

(وَيَغْلِي الْمَاءَ بِالسِّدْرِ أَوْ بِالْحُرُضِ) مُبَالَغَةً فِي التَّنْظِيفِ (فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فَالْمَاءُ الْقَرَاحُ) لِحُصُولِ أَصْلِ الْمَقْصُودِ (وَيُغْسَلُ رَأْسُهُ وَلِحْيَتُهُ بِالْخِطْمِيِّ) لِيَكُونَ أَنْظَفَ لَهُ .

ترجمہ

اور جب تم اس کو غسل دینے کا ارادہ کرو تو اس کو ایک چار پائی (تختہ) پر رکھیں۔ جس سے پانی بہہ جائے۔ اور اس کے ستر پر کپڑا ڈال دیں۔ تاکہ ستر کا واجب مکمل ہو جائے۔ اور آسانی کے پیش نظر صرف عورت غلیظہ پر اکتفاء کیا جائے گا۔ یہی قول صحیح ہے۔ اور اس کے کپڑوں کو اتاریں تاکہ اس کو پاک کرنا ممکن ہو۔ پھر میت کو بغیر کلی وناک میں پانی ڈالنے کے وضو کرائیں کیونکہ وضو غسل کی سنت ہے۔ کلی وناک میں پانی ڈالنا اس لئے چھوڑ دیا جائے گا کیونکہ ان دونوں سے پانی نکالنا معتذر ہے پھر میت کی زندگی پر قیاس کرتے ہوئے اس کے جسم پر پانی بہائیں۔ اور تختے پر طاق مرتبہ خوشبو کی دھونی دی جائے۔ اسی میں میت کیلئے تعظیم ہے۔ اور طاق مرتبہ اس لئے دی جائے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ وتر ہے وہ وتر کو پسند کرتا ہے۔

اور پانی کو بیری یا اشنان گھاس کے ساتھ جوش دیا جائے کیونکہ اس طرح صفائی میں زیادہ مبالغہ ہے۔ اور اگر یہ نہ ہوں تو پھر خالص پانی ہو تاکہ مقصود حاصل ہو جائے۔ جبکہ اس کی داڑھی اور سر کو خطمی کے ساتھ دھویا جائے۔ تاکہ میت کو خوب صفائی حاصل ہو جائے۔

میت کو نہلانے اور کفنانے کا بیان

اس باب میں وہ احادیث نقل کی جائیں گی جن سے مردہ کو نہلانے اور کفنانے کے احکام ومسائل اور آداب کا علم ہوگا۔ تمام علماء کے نزدیک میت کو غسل دینا فرض کفایہ ہے یعنی اگر کچھ لوگ نہلا دیں گے تو سب کے ذمہ سے فرض ادا ہو جائے گا اور اگر کوئی بھی شخص میت کو نہ نہلائے تو سب کے سب گنہ گار ہوں گے۔

میت کو غسل دینا فرضِ کفایہ ہے۔ بعض لوگوں نے نہلا دیا تو سب اس ذمہ داری سے بری ہو گئے۔

(عالمگیری ج 1 ص 147)

نہلانے کا طریقہ یہ ہے کہ جس تخت پر نہلانے کا ارادہ ہو اس کو تین یا پانچ یا سات مرتبہ دھونی دیں۔ پھر اس پر میت کو لٹا کر ناف سے گھٹنوں تک کسی پاک کپڑے سے چھپا دیں۔ پھر نہلانے والا اپنے ہاتھ میں کپڑا لپیٹ کر پہلے استنجا کرائے۔ پھر نماز جیسا وضو کرائے۔ مگر میت کے وضو میں پہلے گٹوں تک ہاتھ دھونا اور کلی کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا نہیں ہے۔ ہاں کوئی کپڑا بھگو کر دانتوں اور مسوڑھوں اور نتھنوں پر پھیر دیں۔ پھر سر اور داڑھی کے بال ہوں تو گل خیرو یا پاک صابون سے دھوئیں۔ ورنہ خالی پانی بھی کافی ہے۔ پھر بائیں کروٹ پر لٹا کر سر سے پاؤں تک بیری کے پتوں کا جوش دیا ہوا پانی بہائیں کہ تخت تک پانی پہنچ جائیں پھر داہنی کروٹ پر لٹا کر اسی طرح پانی بہائیں۔ اگر بیری کے پتوں کا ابالا ہوا پانی نہ ہو تو سادہ نیم گرم پانی کافی ہے۔ پھر ٹیک لگا کر بٹھائیں اور نرمی سے پیٹ سہلائیں اگر کچھ نکلے تو دھو ڈالیں۔ اور غسل کر دہرانے کی ضرورت نہیں۔ پھر آخر میں سر سے پاؤں تک کافور کا پانی بہائیں پھر اس کے بدن کو کسی پاک کپڑے سے آہستہ آہستہ پونچھ کر سکھا دیں۔

(عالمگیری ج 1 ص 149)

اس بارے میں علماء کے یہاں اختلاف ہے کہ غسل میت میں نیت شرط ہے یا نہیں؟ چنانچہ بعض حضرات کے نزدیک شرط ہے اور بعض کے نزدیک شرط نہیں ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ نیت شرط ہے جیسا کہ حضرت شیخ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

غسل میت:

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہمارے پاس رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے جب کہ ہم آپ کی بیٹی (حضرت زینب رضی اللہ عنہ) کو نہلا رہے تھے آپ نے فرمایا تم تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ اور اگر مناسب سمجھو (یعنی ضرورت ہو تو اس سے بھی زیادہ اسے پانی اور بیری کے پتوں سے (یعنی بیری کے پانی میں جوش دے کر اس پانی سے نہلاؤ (کیونکہ بیری کے پتوں کے جوش دیئے ہوئے پانی سے بہت زیادہ پاکی اور صفائی حاصل ہوتی ہے) اور آخری مرتبہ میں کافور یا یہ فرمایا کہ کافور کا کچھ حصہ (پانی میں) ڈال دینا۔ اور جب تم (نہلانے سے) فارغ ہو جاؤ تو مجھے خبر دینا، چنانچہ جب ہم فارغ ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع دی گئی، آپ نے اپنا تہ بند ہماری طرف بڑھا دیا اور فرمایا کہ اس تہ بند کو اس کے بدن سے لگا دو (یعنی اس تہ بند کو اس طرف کفن کے نیچے رکھ دو کہ وہ زینب کے بدن سے لگا رہے) اور ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسے طاق یعنی تین بار یا پانچ بار یا سات بار غسل دو اور غسل اس کی دائیں طرف سے اور اس کے اعضاء وضو سے شروع کرو۔ حضرت ام عطیہ فرماتی ہیں کہ ہم نے ان کے بالوں کی تین چوٹیاں گوندھ کر ان کے پیچھے ڈال دیں۔ (صحیح بخاری و مسلم)

حدیث کے الفاظ اغسلنھا ثلاثا او خمسا او اکثر من ذالک اور اغسلنھا و ترا ثلاثا او خمسا او سبعا میں حرف او ترتیب کے لیے ہے تخییر کے لیے نہیں ہے کیونکہ اگر پہلے غسل میں پاکی حاصل ہو جائے تو تین مرتبہ نہلانا مستحب ہے اور اس سے تجاوز کرنا مکروہ ہے اور اگر پاکی دو بار یا تین بار میں حاصل ہو تو پھر پانچ مرتبہ نہلانا مستحب ہے یا زیادہ سے زیادہ سات مرتبہ، سات مرتبہ سے زیادہ نہلانا منقول نہیں ہے بلکہ اس سے زیادہ نہلانا مکروہ ہے۔

بیری کے پتوں اور کافور کے پانی سے غسل میت:

میت کو بیری کے پتوں اور کافور کے پانی سے نہلانا چاہئے اس سلسلہ میں ضابطہ یہ ہے کہ دو دو مرتبہ تو بیری کے پتوں کے پانی سے نہلایا جائے جیسا کہ کتاب ہدایہ سے معلوم ہوتا ہے نیز ابوداؤد کی روایت ہے کہ ابن سیرین رحمۃ اللہ نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے غسل میت سیکھا تھا۔ وہ بیری کے پتوں کے پانی سے دو مرتبہ غسل دیتی تھیں۔ اور تیسری مرتبہ کافور کے پانی سے غسل دیا جائے۔

کافور پانی میں ملایا جائے یا خوشبو میں؟

شیخ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی مراد یہ ہے کہ کافور اس پانی میں ملایا جائے جس سے میت کو نہلایا جا رہا ہو

چنانچہ جمہور علماء کی بھی یہی رائے ہے، جب کہ کوئی کہتے ہیں کہ کافور حنوط میں یعنی اس خوشبو میں ملایا جائے جس سے میت کو معطر کیا جارہا ہو اور میت کے نہلانے اور اس کے بدن کو خشک کرنے کے بعد بدن پر لگایا جائے نیز علماء نے لکھا ہے کہ اگر کافور میسر نہ ہو تو پھر مشک اس کا قائم مقام قرار دیا جاتا ہے۔

بیری کے پتوں اور کافور کی خاصیت:

علماء لکھتے ہیں کہ بیری کے پتوں اور کافور کے پانی سے میت کو غسل دینے اور میت کے بدن پر کافور ملنے کی وجہ یہ ہے کہ بیری کے پتوں سے تو بدن کا میل اچھی طرح صاف ہو جاتا ہے اور اس کی وجہ سے مردہ جلدی بگڑتا نہیں نیز بیری کے پتوں اور کافور کے استعمال کی وجہ سے موذی جانور پاس نہیں آتے۔

حصول برکت کے لیے بزرگوں کا کوئی کپڑا کفن میں شامل کیا جاسکتا ہے:

نبی کریم ﷺ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا تہ بند صاحبزادی کے کفن کے ساتھ لگانے کے لیے اس لیے عنایت فرمایا تاکہ اس کی برکت اسے پہنچے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح کوئی شخص اہل اللہ اور بزرگان دین سے اس کے لباس کا کوئی کپڑا موت سے پہلے حاصل کر کے اپنے پاس برکت کے لیے رکھتا ہے یا اسے استعمال کرتا ہے اس طرح موت کے بعد بزرگوں کے لباس سے برکت حاصل کرنا مستحب ہے بایں طور کہ ان کا کوئی کپڑا لے کر کفن میں شامل کر دیا جائے لیکن اس سلسلہ میں یہ امر ملحوظ رہے کہ وہ کپڑا کفن کے کپڑوں سے زیادہ نہ ہو۔

ابداں بمیا منہا کا مطلب یہ ہے کہ میت کو اس کے دائیں ہاتھ دائیں پہلو اور دائیں پاؤں کی طرف سے نہلانا شروع کرو اسی طرح "مواضع الوضوء منہا میں حر واو "مطلق جمع کے لئے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ غسل میت میں پہلے اعضاء وضو دھونے چاہئیں اس کے بعد دوسرے اعضاء دھوئے جائیں اور اعضاء وضو سے مراد وہ اعضاء ہیں کہ جن کا دھونا فرض ہے۔ چنانچہ غسل میت میں کلی اور ناک میں پانی دینا حنفیہ کے نزدیک مشروع نہیں بعض علماء نے اس بات کو مستحب کہا ہے کہ میت کو نہلانے والا اپنی انگلیوں پر کپڑا لپیٹ لے اور اس سے میت کے دانتوں کو، تالو کو، اندر سے دونوں کلوں کو اور نتھنوں کو ملے، چنانچہ اب یہی معمول بہ ہے۔

صحیح یہ ہے کہ غسل کے وقت میت کے سر پر مسح کیا جائے اور اس کے پاؤں غسل کے بعد نہ دھوئے جائیں بلکہ جب دوسرے اعضاء وضو دھوئے جاتے ہیں تو اسی وقت پیروں کو بھی دھویا جائے۔ نیز میت کے ہاتھ پہلے نہ دھوئے جائیں بلکہ غسل کی ابتداء منہ دھونے سے کرنی چاہئے بخلاف جنبی (ناپاک شخص) کے کہ وہ جب غسل کرتا ہے تو پہلے اپنے دونوں ہاتھ اس لیے دھوتا ہے تاکہ دوسرے اعضاء دھونے کے لیے دونوں ہاتھ پاک ہو جائیں جب کہ میت دوسروں کے ہاتھوں نہلائی جاتی ہے اس لیے اس کے دونوں ہاتھوں کو دھلانے کی حاجت نہیں ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت کی میت ہو تو غسل کے بعد اس کے بال کھلے ہی رہنے دیئے جائیں انہیں گوندھا نہ جائے۔

میت کیلئے کلی وناک میں پانی نہ ڈالنے کا بیان:

علامہ فخر الدین عثمان بن علی زیلعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ لانہ لایمکن اخراج الماء منه فیترکان و یخاف الجنب فیهماوفی غسل الید فان الجنب یبداء بغسل یدیه و المیت یبداء بغسل وجهه۔

اس سے پانی باہر نہیں جاسکتا اس لئے یہ دونوں ترک کردیئے جائیں گے۔ غسل میت اور غسل جنب میں ایک فرق مضمضہ واستنشاق کا ہے دوسرے ہاتھ دھونے میں، کیونکہ جنب پہلے اپنے ہاتھ دھوئیگا اور میت کا پہلے چہرہ دھویا جائے گا۔
(تبیین الحقائق باب الجنائز، مطبوعہ مطبعۃ کبریٰ مصریۃ مصر ج ۱، ص ۲۳۸)

میت کے جسم پر پانی بہانے کا طریقہ:

(ثُمَّ يُضْجَعُ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْسَرِ فَيُغْسَلُ بِالْمَاءِ وَالسِّدْرِ حَتَّى يُرَى أَنَّ الْمَاءَ قَدْ وَصَلَ إِلَى مَا يَلِي التَّخْتَ مِنْهُ ، ثُمَّ يُضْجَعُ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ فَيُغْسَلُ حَتَّى يُرَى أَنَّ الْمَاءَ قَدْ وَصَلَ إِلَى مَا يَلِي التَّخْتَ مِنْهُ) ؛ لِأَنَّ السُّنَّةَ هُوَ الْبُدَاءَةُ بِالْمَيَامِنِ (ثُمَّ يُجْلِسُهُ وَيُسْنِدُهُ إِلَيْهِ وَيَمْسَحُ بَطْنَهُ مَسْحًا رَفِيقًا) تَحَرُّزًا عَنْ تَلْوِيثِ الْكَفَنِ .

(فَإِنْ خَرَجَ مِنْهُ شَيْءٌ غَسَلَهُ وَلَا يُعِيدُ غُسْلَهُ وَلَا وُضُوءَهُ) ؛ لِأَنَّ الْغُسْلَ عَرَفْنَاهُ بِالنَّصِّ وَقَدْ حَصَلَ مَرَّةً (ثُمَّ يُنَشِّفُهُ بِثَوْبٍ) كَيْ لَا تَبْتَلَّ أَكْفَانُهُ (وَيَجْعَلُهُ) أَيْ الْمَيِّتَ (فِي أَكْفَانِهِ وَيَجْعَلُ الْحَنُوطَ عَلَى رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ وَالْكَافُورَ عَلَى مَسَاجِدِهِ) ؛ لِأَنَّ التَّطَيُّبَ سُنَّةٌ وَالْمَسَاجِدُ أَوْلَى بِزِيَادَةِ الْكَرَامَةِ .

(وَلَا يُسَرَّحُ شَعْرُ الْمَيِّتِ وَلَا لِحْيَتُهُ وَلَا يُقَصُّ ظُفْرُهُ وَلَا شَعْرُهُ) لِقَوْلِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا : عَلَامَ تَنْصُونَ مَيِّتَكُمْ ، وَلِأَنَّ هَذِهِ الْأَشْيَاءَ لِلزِّينَةِ وَقَدْ اسْتَغْنَى الْمَيِّتُ عَنْهَا ، وَفِي الْحَيِّ كَانَ تَنْظِيفًا لِاجْتِمَاعِ الْوَسَخِ تَحْتَهُ وَصَارَ كَالْخِتَانِ .

ترجمہ

اور پھر اس کو دائیں کروٹ پر لٹا کر دھویا جائے۔ حتیٰ کہ دیکھ لیا جائے کہ پانی میت کے اس حصہ تک پہنچ گیا ہے جو تختے سے ملا ہوا ہے۔ اور سنت یہی ہے۔ اور ابتداء دائیں جانب سے کرے۔ اس میت کو غسل دینے والا میت کو بٹھائے اور اپنی جانب ہی اس کا تکیہ لگائے اور میت کے پیٹ کو آہستہ آہستہ ملتا رہے تا کہ کفن کو آلودہ ہونے سے بچائے۔ اگر میت کے پیٹ سے کچھ نکلے تو اس کو دھوئے اور اس کے غسل ووضو کا اعادہ نہ کرے۔ اس لئے کہ غسل دینے کا حکم ہم نے نص سے جانا ہے اور وہ

ایک مرتبہ میں ہو چکا ہے۔اس کے بعد میت کو کپڑے سے صاف کرے تاکہ کفن نہ بھیگے۔

اور وہ میت کو اس کفن کے کپڑوں میں رکھ دے۔اور میت کے سر اور اس کی داڑھی پر حنوط لگائے۔اور اس کے سجدے والے اعضاء پر کافور لگائے۔اس لئے کہ خوشبو لگانا سنت ہے۔اور سجدے والے اعضاء اس کی عزت میں زیادتی ہے۔اور میت کے بالوں اور داڑھی کی کنگھی نہ کی جائے اور نہ اس کے ناخن و بال کاٹے جائیں۔اس لئے کہ حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تم کس طرح اپنے فوت ہونے والوں کی پیشانی پکڑ کر کھینچتے ہو۔حالانکہ یہ چیزیں تو سجاوٹ کیلئے ہیں اور میت سجاوٹ سے بے پرواہ ہو چکی ہے۔اور زندگی میں جب وہ پاک صاف تھا تو اس کے نیچے میل وکچیل جمع ہو جاتی تھی لہذا یہ ختنہ کی طرح ہو گیا۔

غسل میت کا طریقہ:

میت کو نہلانے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے مردہ کا استنجا کرایا جائے لیکن رانوں اور استنجے کی جگہ غسل دینے والا اپنے ہاتھ نہ لگائے اور نہ اس پر نگاہ ڈالے بلکہ اپنے ہاتھ میں کوئی کپڑا لپیٹ لے اور جو کپڑا ناف سے زانو تک پڑا ہے اس کے اندر اندر دھلائے۔ پھر اسے وضو کرایا جائے لیکن نہ تو کلی کرائی جائے اور نہ ناک میں پانی ڈالا جائے اور نہ گٹے تک ہاتھ دھلائے جائیں۔ بلکہ منہ دھلایا جائے پھر ہاتھ کہنی سمیت، پھر سر کا مسح، پھر دونوں پیر اور اگر تین دفعہ روئی تر کر کے دانتوں اور مسوڑھوں پر اور ناک کے دونوں سوراخوں میں پھیر دی جائے تو بھی جائز ہے۔ ہاں اگر میت نہانے کی حاجت میں یا حیض ونفاس میں مر جائے تو اس طرح سے منہ اور ناک میں پانی پہنچانا ضروری ہے۔

میت کی ناک، منہ اور کانوں میں روئی بھر دی جائے تاکہ وضو کراتے اور نہلاتے وقت پانی اندر نہ جائے۔

جب وضو کرا دیا جائے تو سر اور داڑھی کو خطمی (گل خیرو) سے یا اور کسی چیز سے جیسے بیسن، کھلی اور یا صابون وغیرہ سے مل کر دھویا جائے پھر میت کو بائیں کروٹ لٹا کر بیری کے پتے یا اشنان ڈال کر پکایا ہوا پانی نیم گرم تین دفعہ سر سے پیر تک ڈالا جائے یہاں تک کہ پانی اس کروٹ تک پہنچ جائے تو تختے سے لگی ہوئی ہے۔پھر دائیں کروٹ لٹا کر اسی طرح سر سے پیر تک تین دفعہ پانی ڈالا جائے یہاں تک کہ پانی اس کروٹ تک پہنچ جائے جو تختے سے لگی ہوئی ہے۔

اس کے بعد میت کو اپنے بدن کی ٹیک لگا کر ذرا بٹھلایا جائے اور اس کے پیٹ کو آہستہ آہستہ ملا اور دبایا جائے اگر پیٹ سے کوئی پاخانہ وغیرہ نکلے تو اسے پونچھ کر دھو ڈالا جائے۔لیکن اس صفائی کے بعد پھر دوبارہ وضو اور غسل کی ضرورت نہیں اس کے بعد پھر اس کو بائیں کروٹ پر لٹا کر کافور پڑا ہوا پانی سر سے پیر تک تین مرتبہ ڈالا جائے۔اگر بیری کے پتے اشنان اور کافور میسر نہ آئے تو سادہ نیم گرم پانی کافی ہے۔اسی سے اسی طرح تین دفعہ نہلایا جائے۔

نہلانے کے بعد سارے بدن کو کپڑے سے پونچھ دیا جائے اور پھر اس کے سر اور داڑھی پر عطر لگایا جائے اور ماتھے تک ناک، دونوں ہتھیلیوں، دونوں گھٹنوں اور دونوں پاؤں پر کافور مل دیا جائے میت کے بالوں اور داڑھی میں کنگھی نہ کی جائے اور نہ ناخن و بال کترے جائیں۔اسی طرح جس میت کی ختنہ نہ ہوئی ہو اس کی ختنہ بھی نہ کی جائے۔ان تمام چیزوں سے فارغ کر کفنا دیا جائے۔

فَصْلٌ فِي تَكْفِينِهِ

﴿یہ فصل میت کو کفن دینے کے بیان میں ہے﴾

میت کو کفن دینے کے بیان میں:

(السُّنَّةُ أَنْ يُكَفَّنَ الرَّجُلُ فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ إزَارٍ وَقَمِيصٍ وَلِفَافَةٍ) لِمَا رُوِيَ "(أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كُفِّنَ فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ بِيضٍ سَحُولِيَّةٍ) " وَلِأَنَّهُ أَكْثَرُ مَا يَلْبَسُهُ عَادَةً فِي حَيَاتِهِ فَكَذَا بَعْدَ مَمَاتِهِ (فَإِنْ اقْتَصَرُوا عَلَى ثَوْبَيْنِ جَازَ ، وَالثَّوْبَانِ إزَارٌ وَلِفَافَةٌ) وَهَذَا كَفَنُ الْكِفَايَةِ لِقَوْلِ أَبِي بَكْرٍ :اغْسِلُوا ثَوْبَيَّ هَذَيْنِ وَكَفِّنُونِي فِيهِمَا ، وَلِأَنَّهُ أَدْنَى لِبَاسِ الْأَحْيَاءِ ، وَالْإِزَارُ مِنْ الْقَرْنِ إلَى الْقَدَمِ ، وَاللِّفَافَةُ كَذَلِكَ ، وَالْقَمِيصُ مِنْ أَصْلِ الْعُنُقِ إلَى الْقَدَمِ

ترجمہ

اور مرد کیلئے سنت یہ ہے کہ اس کو تین کپڑوں ازار، قمیص اور لفافے میں کفن دیا جائے۔ کیونکہ یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو سحولیہ کے تین سفید کپڑوں میں کفن دیا گیا ہے۔ کیونکہ زندگی میں اس کے پہننے کی اکثر عادت یہی تھی لہذا وفات کے بعد بھی اس کے ساتھ ایسا ہی ہو جائے۔

اگر وہ دو کپڑوں کا اکتفاء کریں تو بھی جائز ہے جس میں ازار اور لفافہ ہوں گے۔ اور یہ کفن کفایہ ہے کیونکہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے انہی دو کپڑوں کو دھو کر مجھے ان کا کفن دینا۔ کیونکہ زندوں کا یہی ادنیٰ لباس ہے۔ اور ازار سر سے لیکر قدم تک ہوتا ہے اور لفافہ بھی اسی طرح ہوتا ہے جبکہ قمیص گردن سے قدم تک ہوتی ہے۔

شرح:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین کپڑوں میں کفنائے گئے تھے جو سفید یمنی اور سحول کی بنی ہوئی روئی کے تھے، نہ ان میں (سیا ہوا) کرتہ تھا نہ پگڑی تھی۔ (بخاری و مسلم)

لیس فیھا قمیص ولا عمامة (نہ ان میں کرتہ تھا اور نہ پگڑی تھی) کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کفن میں ان کپڑوں کے علاوہ کرتہ اور عمامہ بالکل نہ تھا۔

بعض حضرات نے اس جملہ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ کرتہ اور عمامہ ان تین کپڑوں میں نہیں تھا بلکہ کرتہ اور عمامہ ان تین کپڑوں کے علاوہ تھا۔ اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کفن میں پانچ کپڑوں کا ہونا لازم آئے گا۔ حالانکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کفن میں تین کپڑے تھے لہذا اس جملہ کا یہی مطلب صحیح ہے کہ آپ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کفن میں کرتہ وعمامہ بالکل نہیں تھا صرف تین کپڑے تھے۔ اس جملہ کے پیش نظر علماء کے مسلک میں بھی یہ اختلاف واقع ہوا ہے کہ آیا یہ مستحب ہے کہ کفن میں کرتہ اور عمامہ ہو یا نہ ہو؟ چنانچہ حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ کفن میں تین لفافہ ہوں (یعنی صرف تین چادریں ہوں جن میں میت کو لپیٹا جا سکے) اور ان میں کرتہ وعمامہ نہ ہو۔

جب کہ حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ کفن میں تین کپڑے ہونے چاہئیں (۱) ازار یعنی لنگی (۲) قمیص یعنی کفن (۳) لفافہ یعنی پوٹ کی چادر۔ لہٰذا حدیث میں قمیص کی جو نفی فرمائی گئی ہے اس کی تاویل حنفیہ یہ کرتے ہیں کہ سیا ہوا قمیص نہیں تھا بلکہ بغیر سیا ہوا قمیص تھا جس کو کفنی کہا جاتا ہے۔

سحولیہ سحول کی طرف منسوب ہے اور سحول یمن کی ایک بستی کا نام ہے۔

کفن اچھا دینا چاہئے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو کفنائے تو اسے چاہئے کہ وہ اچھا کفن دے (مسلم)

ابن عدی کی روایت ہے کہ اپنے مردوں کو اچھا کفن دو اس لیے کہ وہ مردے اپنی قبروں میں آپس میں (ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں) بہر حال اچھے کفن سے مراد یہ ہے کہ کفن کا کپڑا پورا ہو اور بغیر کسی اسراف کے لطیف و پاکیزہ ہو اور سفید ہو خواہ دھلا ہوا ہو یا نیا ہو۔ اچھے کفن سے وہ اعلیٰ وقیمتی کپڑوں کے کفن مراد نہیں ہیں جو بعض جاہل دنیادار از راہ ناموری اور تکبر کے استعمال کرتے ہیں بلکہ ایسا کفن سخت حرام ہے۔

علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اسراف کرنے والوں نے یہ جو طریقہ اختیار کیا ہوا ہے کہ بہت زیادہ قیمتی کپڑے کفن میں دیتے ہیں یہ شرعی اعتبار سے ممنوع ہے کیونکہ اس سے مال کا خواہ مخواہ ضائع ہونا لازم آتا ہے۔

کفن پہنانے کا طریقہ:

کفنانے سے پہلے کفن کو تین یا پانچ یا سات مرتبہ خوشبو کی دھونی دینی چاہئے۔ پھر میت کو اگر وہ مرد ہو تو اس طریقہ سے کفنایا جائے کہ پہلے لفافہ یعنی پوٹ کی چادر بچھائی جائے۔ اس کے اوپر ازار اس کے اوپر کرتہ، پھر میت کو اس پر لے جا کر پہلے کرتہ پہنایا جائے اور اس کے دونوں ہاتھ سینہ پر نہ رکھے جائیں بلکہ دونوں طرف پھیلا دیئے جائیں اور پھر ازار لپیٹ دیا جائے پہلے بائیں طرف پھر دائیں طرف، پھر چادر لپیٹی جائے پہلے بائیں طرف پھر دائیں طرف۔

عورت کو کفنانے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے چادر اور ازار بچھا کر اس پر کرتہ رکھا جائے اور میت کو اس پر لے جا کر پہلے کرتہ پہنایا جائے اور سر کے بالوں کو دو حصے کر کے کرتہ کے اوپر سینہ پر ڈال دیا جائے ایک حصہ دائیں طرف اور ایک حصہ بائیں

طرف۔

اس کے بعد سر بند سر پر اور بالوں پر ڈالا جائے اسے نہ باندھا جائے اور نہ لپیٹا جائے پھر اس کے اوپر ازار اور اس کے بعد لفافہ یعنی پوٹ کی چادر اسی ترتیب سے یعنی پہلے بائیں طرف سے پھر دائیں طرف سے لپیٹ دی جائے اور پھر سب سے اوپر سینہ بند لپیٹا جائے۔

کفن کے کپڑے لپیٹنے کے بعد کسی دھجی سے پیر اور سر کی طرف کفن باندھ دیا جائے اور ایک بند سے کمر کے پاس بھی باندھ دینا چاہیے تا کہ راستہ میں کہیں کھل نہ جائے۔

کفن لپیٹنے کا بیان:

(فَإِذَا أَرَادُوا لَفَّ الْكَفَنِ ابْتَدَءُوا بِجَانِبِهِ الْأَيْسَرِ فَلَفُّوهُ عَلَيْهِ ثُمَّ بِالْأَيْمَنِ) كَمَا فِي حَالِ الْحَيَاةِ ، وَبَسْطُهُ أَنْ تُبْسَطَ اللِّفَافَةُ أَوَّلًا ثُمَّ يُبْسَطَ عَلَيْهَا الْإِزَارُ ثُمَّ يُقَمَّصَ الْمَيِّتُ وَيُوضَعَ عَلَى الْإِزَارِ ثُمَّ يُعْطَفَ الْإِزَارُ مِنْ قِبَلِ الْيَسَارِ ثُمَّ مِنْ قِبَلِ الْيَمِينِ ، ثُمَّ اللِّفَافَةُ كَذَلِكَ (وَإِنْ خَافُوا أَنْ يَنْتَشِرَ الْكَفَنُ عَنْهُ عَقَدُوهُ بِخِرْقَةٍ) صِيَانَةً عَنْ الْكَشْفِ .

ترجمہ:

اور جب وہ کفن لپیٹنے کا ارادہ کریں تو اس کی بائیں جانب سے شروع کریں۔لہذا بائیں کو میت پر لپیٹ دیں پھر دائیں کو لپیٹ دیں۔جس طرح حالت حیات میں کیا جاتا ہے۔اور کفن کو بچھانے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے لفافے کو بچھایا جائے پھر ازار کو بچھایا جائے اس کے بعد میت کو قمیص پہنا کر ازار پر رکھا جائے۔پھر بائیں جانب سے ازار کو موڑا جائے۔پھر دائیں جانب سے ایسے ہی لفافے کو کیا جائے اور میت کے کفن کے منتشر ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کو گرہ سے باندھ دیں تا کہ وہ کھلنے سے بچ سکے۔

کفن پہنانے میں فقہی بیان:

علامہ حصکفی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔کفن میں مرد کے لئے ازار (تہبند) قمیص اور لفافہ (چادر) مسنون ہے،اور عورت کے لئے درع یعنی قمیص،تہبند،خمار (اوڑھنی)،چادر اور ایک کپڑا جو پستان اور شکم پر باندھا جائے--اور کفن کفایت مرد کے اصح قول پر تہبند اور چادر-- عورت کے لئے دو کپڑے اور اوڑھنی،کفنِ کفایت سے کم دینا مکروہ ہے۔اور کفنِ ضرورت مرد وعورت دونوں کیلئے وہ ہے جو مل جائے۔کم سے کم اتنا کہ پورے بدن کو چھپالے -- پہلے چادر بچھائی جائے پھر اس پر تہبند بچھایا جائے اور قمیص پہنائی جائے اور تہبند پر رکھا جائے،پھر تہبند لپیٹا جائے پہلے بایاں پھر دایاں،پھر اسی طرح چادر لپیٹی جائے تا کہ دایاں بائیں کے اوپر رہے-- عورت کو قمیص پہنا کر اس کے بال دو حصہ کر کے سینے پر قمیص کے اوپر ڈال

دے جائیں اور اوڑھنی بال کے اوپر ہو، پھر ویسے ہی کیا جائے جیسے مرد کے بارے میں بیان ہوا۔۔اور اگر کفن منتشر ہونے کا اندیشہ ہو تو اسے تہبند باندھ دیا جائے۔۔مراہق (جو بلوغ کے قریب ہو) کا حکم بالغ کی طرح ہے جو مراہق نہیں اسے اگر ایک کفن دیا جائے تو جائز ہے۔اور نا تمام بچے کو کسی کپڑے میں لپیٹ دیا جائے، کفن نہ دیا جائے۔

(درمختار ج ا ص ۱۲۱، باب صلوۃ الجنائز، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی)

عورت کے سنت کفن کا بیان:

(وَتُكَفَّنُ الْمَرْأَةُ فِي خَمْسَةِ أَثْوَابٍ دِرْعٍ وَإِزَارٍ وَخِمَارٍ وَلِفَافَةٍ وَخِرْقَةٍ تُرْبَطُ فَوْقَ ثَدْيَيْهَا) لِحَدِيثِ أُمِّ عَطِيَّةَ "(أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَى اللَّوَاتِي غَسَّلْنَ ابْنَتَهُ خَمْسَةَ أَثْوَابٍ)" وَلِأَنَّهَا تَخْرُجُ فِيهَا حَالَةَ الْحَيَاةِ فَكَذَا بَعْدَ الْمَمَاتِ.

(ثُمَّ هَذَا بَيَانُ كَفَنِ السُّنَّةِ، وَإِنْ اقْتَصَرُوا عَلَى ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ جَازَ) وَهِيَ ثَوْبَانِ وَخِمَارٌ (وَهُوَ كَفَنُ الْكِفَايَةِ، وَيُكْرَهُ أَقَلُّ مِنْ ذَلِكَ.

ترجمہ:

اور عورت کو پانچ کپڑوں میں کفن دیا جائے جس میں کرتہ، ازار، اوڑھنی، لفافہ اور وہ پٹی شامل ہیں جس کو اس کی چھاتیوں پر باندھا جائے گا۔حضرت ابن عطیہ رضی اللہ عنہ والی حدیث ہی اس کی دلیل ہے۔کہ جن عورتوں نے نبی کریم ﷺ کی صاحبزادی کو غسل دیا ان کو آپ ﷺ نے کفن کے پانچ کپڑے دیئے ہیں۔اور یہ بھی دلیل ہے کہ عورت زندگی میں انہی پانچ کپڑوں کے ساتھ رہتی ہے۔لہذا موت کے بعد بھی اس کیلئے ایسا ہی ہو۔

یہ تو کفن سنت کا بیان ہے۔لہذا اگر تین کپڑوں پر اکتفاء کیا تو بھی جائز ہے۔اور وہ دو کپڑے، ازار، لفافہ ہیں اور ایک اوڑھنی ہے۔اور یہ کفن کفایہ ہے اور اس سے بھی کم کرنا مکروہ ہے۔

شرح:

سنت مرد کے لئے تین کپڑے ہیں ایک تہ بند کہ سر سے پاؤں تک ہو، اور کفن گردن کی جڑ سے پاؤں تک، اور چادر کہ اُس کے قد سے سر اور پاؤں دونوں طرف اتنی زیادہ ہو جسے لپیٹ کر باندھ سکیں۔ پہلے چادر بچھائیں اُس پر تہبند، پھر میت مغسول کا بدن ایک کپڑے سے صاف کریں پھر اس پر رکھ کر کفنی پہنا کر تہبند لپیٹیں، پہلے بائیں پھر دہنی طرف لپیٹیں تا کہ دہنا حصہ بائیں کے اوپر رہے۔ پھر اسی طرح چادر لپیٹ کر اوپر نیچے دونوں جانب باندھ دیں۔

اور عورت کے لئے پانچ کپڑے سنت ہیں، تین یہی، مگر مرد وعورت کے لئے کفنی اتنا فرق ہے کہ مرد کی قمیص عرض میں مونڈھوں کی طرف چیرنا چاہئے اور عورت کا طول میں سینے کی جانب۔ چوتھے اوڑھنی جس کا طول ڈیڑھ گز یعنی تین ہاتھ ہو۔

پانچواں سینہ بند کہ پستان سے ناف بلکہ افضل یہ ہے کہ رانوں تک ہو۔ پہلے چادر اور اس پر تہ بند بدستور بچھا کر کفنی پہنا کر تہ بند پر لٹائیں اور اس کے بال دو حصے کرکے بالائے سینہ کفنی کے اوپر لا کر رکھیں اس کے اوپر اوڑھنی سر سے اڑھا کر بغیر منہ لپیٹے ڈال دیں، پھر تہ بند اور اس پر چادر بدستور لپیٹیں اور چادر اسی طرح دونوں سمت باندھ دیں، ان سب کے اوپر سینہ بند بالائے پستان سے ناف یا ران تک باندھیں، یہ کفن سنت ہے، اور کافی اس قدر ہے کہ مرد کے لئے دو کپڑے ہوں تہبند اور چادر۔ اور عورت کے لئے تین، کفنی و چادر اور تیسرے اوڑھنی، اسے کفن کفایت کہتے ہیں۔ اگر میت کا مال زائد اور وارث کم ہوں تو کفن سنت افضل ہے، اور عکس ہو تو کفن کفایت اولٰی اور اس سے کمی بحالت اختیار جائز نہیں۔ ہاں وقت ضرورت جو میسر آئے صرف ایک ہی کپڑا کہ سر سے پاؤں تک ہو، مرد و عورت دونوں کے لئے بس ہے۔ جاہل محتاج جب ان کا مورث محتاج مرتا ہے لوگوں سے پورے کفن کا سوال کرتے ہیں، یہ حماقت ہے، ضرورت سے زیادہ سوال حرام اور ضرورت کے وقت کفن میں ایک کپڑا کافی، بس اسی قدر مانگیں اس سے زائد مانگنا جائز نہیں۔ ہاں ان کو بے مانگے جو مسلمان بہ نیت ثواب پورا کفن محتاج کے لئے دے گا اللہ عزوجل سے پورا ثواب پائے گا۔ نابالغ اگر حد شہوت کو پہنچ گیا ہے جب اس کا کفن جوان مرد و عورت کی مثل ہے، اور یہ حکم یعنی حد شہوت کو پہنچنا پسر میں بارہ اور دختر میں نو برس کی عمر کے بعد نہیں رکتا، اور ممکن کہ کبھی اس سے پہلے بھی حاصل ہو جائے جبکہ جسم نہایت قوی اور مزاج گرم اور حرارت جوش پر ہو۔ لڑکوں میں یہ اس کا عورتوں کی طرف رغبت کرنے لگے اور لڑکیوں میں یہ کہ اسے دیکھ کر مردوں کو اس کی طرف میل پیدا ہو۔ جو بچے اس عمر و حالت کو نہ پہنچیں ان میں بستر مرگ ایک اور دختر کو دو کپڑوں میں کفن دیں تو کوئی حرج نہیں، اور پسر کو دو، دختر کو تین دیں تو اچھا ہے۔ اور دونوں کو پورا کفن مرد و عورت کا دیں تو سب سے بہتر اور جو بچہ مردہ پیدا ہو یا کچا گر گیا اسے بہر طور ایک ہی کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دینا چاہئے کفن نہ دیں۔ (فتاویٰ رضویہ، باب الجنائز)

مرد کے کفن مکروہ کا بیان:

وَفِي الرَّجُلِ يُكْرَهُ الِاقْتِصَارُ عَلَى ثَوْبٍ وَاحِدٍ إلَّا فِي حَالَةِ الضَّرُورَةِ) لِأَنَّ مُصْعَبَ بْنَ عُمَيْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حِينَ اُسْتُشْهِدَ كُفِّنَ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ وَهَذَا كَفَنُ الضَّرُورَةِ (وَتُلْبَسُ الْمَرْأَةُ الدِّرْعَ أَوَّلًا ثُمَّ يُجْعَلُ شَعْرُهَا ضَفِيرَتَيْنِ عَلَى صَدْرِهَا فَوْقَ الدِّرْعِ ، ثُمَّ الْخِمَارُ فَوْقَ ذَلِكَ تَحْتَ الْإِزَارِ ، ثُمَّ الْإِزَارُ ثُمَّ اللِّفَافَةُ .

قَالَ : وَتُجَمَّرُ الْأَكْفَانُ قَبْلَ أَنْ يُدْرَجَ فِيهَا وِتْرًا) (لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَمَرَ بِإِجْمَارِ أَكْفَانِ ابْنَتِهِ وِتْرًا) ، وَالْإِجْمَارُ هُوَ التَّطْيِيبُ ، فَإِذَا فَرَغُوا مِنْهُ صَلَّوْا عَلَيْهِ لِأَنَّهَا فَرِيضَةٌ .

ترجمہ:

اور مرد کو ایک کپڑے میں کفن دینے پر اکتفاء کرنا مکروہ ہے۔ لیکن جب ضرورت ہو تو جائز ہے کیونکہ جب حضرت مصعب

بن عمیر رضی اللہ عنہ کو کفن دیا گیا تو انہیں ایک ہی کپڑے میں کفن دیا گیا تھا۔اور یہ کفن ضرورت ہے۔

سب سے پہلے عورت کو کرتی پہنائی جائے اس کے بعد اس کے بالوں کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے کرتی کے اوپر اور سینے پر رکھا جائے۔اس کے بعد اس کے اوپر اوڑھنی اور پھر نیچے ازار پہنائی جائے۔

فرمایا: کفنوں کو پہنانے سے پہلے ان کو طاق مرتبہ دھونی دی جائے۔کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اپنی بیٹی کو کفن پہنانے سے پہلے اس کو تین مرتبہ دھونی دینے کا حکم تھا۔اور اجمار خوشبودار کرنے کا نام ہے۔لہذا جب اس سے فارغ ہو جائیں تو میت پر نماز پڑھیں۔اس لئے کہ نماز جنازہ فرض ہے۔

میت کو کفن دینا فرض کفایہ ہے اور کفن کے تین درجے ہیں:

(۱) کفن ضرورت (۲) کفن کفایت اور (۳) کفن سنت

کفن ضرورت :

مرد اور عورت دونوں کے لیے یہ کہ جو میسر آئے اور کم از کم اتنا تر ہو کہ سارا بدن ڈھک جائے یعنی وقت ضرورت جو میسر آئے، اگرچہ صرف ایک ہی کپڑا جو کہ سر سے پاؤں تک ہو مرد اور عورت دونوں کے لیے بس ہے۔

کفن کفایت :

مرد کے لیے :(1) لفافہ یعنی چادر،(2) ازار یعنی تہبند۔

عورت کے لیے :(1) لفافہ یعنی چادر،(2) ازار یعنی تہبند،(3) اوڑھنی یا :ازار کی جگہ کفنی یعنی قمیص۔

کفن سنت :

مرد کے لیے :(1) لفافہ(چادر) ،(2) تہبند(ازار) ،(3) کفنی(قمیص) ۔

عورت کے لیے :(1)لفافہ(چادر) ،(2)تہبند(ازار) ،(3)کفنی(قمیص)(4)اوڑھنی،(5) سینہ بند

کفن کی مقدار یعنی ناپ

لفافہ :

لفافہ یعنی چادر جو مرد اور عورت دونوں کے کفن میں ہوتی ہے،اس کی مقدار یہ ہے کہ میت کے قد سے اتنی زیادہ ہو کہ سر اور پاؤں تک پہنانے (لپیٹنے) کے بعد اوپر اور نیچے دونوں کی طرف سے باندھ سکیں یعنی سر کی طرف اتنی زیادہ ہو کہ سر کی طرف باندھ سکیں اور پاؤں کی طرف بھی اس قدر زیادہ ہو کہ پاؤں کی طرف سے بھی باندھ سکیں

تہبند :

تہبند یعنی ازار جو مرد اور عورت دونوں کے کفن میں ہوتی ہے،اس کی مقدار جاننے سے پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ عام

طور سے تہبند اس چادر کو کہتے ہیں جو کمر میں شلوار یا پاجامہ کی جگہ استعمال ہو، اور اس کا لنگی بھی کہتے ہیں، لیکن میت کے کفن میں جو تہبند یعنی ازار ہوتا ہے، وہ صرف کمر سے لے کر پاؤں تک نہیں، بلکہ سر سے لے کر پاؤں تک ہوتا ہے، البتہ تہبند یعنی ازار کے طور پر استعمال ہونے والی چادر کی مقدار (لمبائی) لفافہ کی چادر سے کم ہوتی ہے یعنی تہبند سر سے لے کر پاؤں تک ہے، لفافہ کی طرح قد سے زیادہ نہیں ہوتا اسے لفافہ کے اوپر بچھا دینا چاہیئے کمر میں باندھنا یا لپیٹنا نہیں چاہیئے

کفنی :

کفنی یعنی قمیص جو مرد اور عورت دونوں کے کفن میں ہوتی ہے، اس کی مقدار یہ ہے کہ گردن سے لے کر گھٹنوں کے نیچے قدم تک ہو اس قمیص میں آستین نہیں ہوتی، علاوہ ازیں اس کے اطراف میں سلائی بھی نہیں ہوتی قمیص آگے و پیچھے دونوں طرف لمبائی میں برابر (مساوی) ہوتی ہے۔

اوڑھنی :

جو صرف عورت ہی کے کفن میں ہوتی ہے، وہ تین ہاتھ یعنی ڈیڑھ گز کی ہونی چاہیئے۔

سینہ بند :

یہ بھی صرف عورت کے کفن میں ہوتا ہے اس کی مقدار کندھوں کے نیچے سے ناف تک ہے اور بہتر یہ ہے کہ کندھوں کے نیچے سے ران تک ہو۔

کفن پہنانے کا سنت طریقہ:

میت کو غسل دینے کے بعد میت کے بدن کو آہستہ اور نرمی کے ساتھ پاک کپڑے سے پونچھ لیں تاکہ کفن گیلا نہ ہو۔ غسل سے فارغ ہونے کے بعد میت کو فوراً کفن پہنا دینا چاہیئے۔

چارپائی پر پہلے لفافہ یعنی بڑی چادر بچھادی جائے اور اس پر تہبند (ازار) یعنی چھوٹی چادر بچھادی جائے پھر چھوٹی چادر پر کفنی یعنی قمیص اس طرح رکھیں کہ بعض کا نیچے والا حصہ چھوٹی چادر پر بچھا دیا جائے اور قمیص کا اوپر والا حصہ جو میت کے سینے پر رکھا جائے گا، اس کو چارپائی کے سرہانے کی طرف کر دیا جائے۔

پھر میت کو چارپائی پر قمیص یعنی کفنی پر لٹایا جائے اور قمیص کا وہ حصہ جو چارپائی کے سرہانے کی طرف کر دیا گیا تھا، جس کو کفن سینے کے وقت چاک کر کے اس میں گلا بنایا گیا تھا اس میں سے میت کے سر کو گزار دیں، پھر قمیص کا وہ حصہ جو چارپائی کے سرہانے کی طرف کر دیا گیا تھا، وہ حصہ اب میت کے سینے سے قدم تک کر دیں۔

پھر تہبند (ازار) یعنی چھوٹی چادر کو لپیٹا جائے اس طرح کہ میت کی بائیں جانب کا حصہ پہلے لپیٹیں پھر دائیں جانب کا حصہ لپیٹیں، تاکہ دائیں طرف کا حصہ بائیں طرف کے حصہ کے اوپر رہے۔ لفافہ یعنی بڑی چادر کو بھی مندرجہ بالا طریقہ سے لپیٹ کر سر اور پاؤں کی طرف باندھ دیں، تاکہ کفن کھلنے نہ پائے۔

فَصْلٌ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْمَيِّتِ

﴿یہ فصل میت پر نماز پڑھنے کے بیان میں ہے﴾

نماز جنازہ پڑھانے کا زیادہ حقدار کون ہے:

(وَأَوْلَى النَّاسِ بِالصَّلَاةِ عَلَى الْمَيِّتِ السُّلْطَانُ إنْ حَضَرَ) لِأَنَّ فِي التَّقَدُّمِ عَلَيْهِ ازْدِرَاءً بِهِ (فَإِنْ لَمْ يَحْضُرْ فَالْقَاضِي) لِأَنَّهُ صَاحِبُ وِلَايَةٍ (فَإِنْ لَمْ يَحْضُرْ فَيُسْتَحَبُّ تَقْدِيمُ إمَامِ الْحَيِّ) لِأَنَّهُ رَضِيَهُ فِي حَالِ حَيَاتِهِ .قَالَ (ثُمَّ الْوَلِيُّ وَالْأَوْلِيَاءُ عَلَى التَّرْتِيبِ الْمَذْكُورِ فِي النِّكَاحِ) .

ترجمہ:

اورلوگوں میں میت پرنماز جنازہ پڑھانے کا سب سے زیادہ حقدار سلطان ہے۔اگروہ حاضر ہو۔کیونکہ تقدم کا وہی زیادہ حقدار ہے۔اگر سلطان نہ ہوتو پھر قاضی کا حق ہے۔کیونکہ وہ بھی صاحب ولایت ہے۔اگر قاضی بھی حاضر نہ ہوتو محلے کے امام کا حق ہے۔کیونکہ اس کے امام ہونے پر دُنیا میں راضی تھا۔فرمایا: اس کے بعد میت کا ولی ہے۔اور میت کے اولیاء اسی طرح ہوں گے جس طرح نکاح میں ان کا ولایت کا ذکر ہے۔

جنازہ میں حق ولایت کا فقہی مفہوم:

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔نمازِ جنازہ میں مقدم سلطان ہے یا اس کا نائب (بہتر یہ کہنا ہے کہ: پھر اس کا نائب، جیسا کہ فتح القدیر وغیرہ میں ہے پھر قاضی (پھر حاکم شہر کا نائب، پھر قاضی ک نائب--امداد--از زیلعی۔ شامی) پھر امامِ محلہ اور حکام کی تقدیم واجب ہے اور امامِ محلہ کی تقدیم مستحب ہے بشرطے کہ ولی سے افضل ہو، ورنہ ولی بہتر جیسا کہ مجتبیٰ میں ہے اور مصنف کی شرح مجمع میں ہے (امام محلہ سے مُراد وہ کو جو مسجدِ محلہ کا امام ہو، اس کے اولیٰ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مرنے والے نے زندگی میں اس کی اقتداء پسند کی تو بعد وفات اس کی نماز جنازہ اسی کو پڑھانا چاہئے--شامی) درایہ میں ہے کہ امام جامع مسجد (شرح منیہ میں اسے امام جمعہ سے تعبیر کیا--شامی) امامِ محلہ سے بہتر ہے۔ظاہر یہ ہے کہ اس کی تقدیم بھی استحبابی ہے بشرطے کہ ولی سے افضل ہو۔اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ مرنے والے نے زندگی میں اسے اپنا امام پسند کیا، تو میت اگر جمعہ پڑھنے والا نہیں، جیسے عورت، یا دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے والا اُس کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا تو وہ بھی ولی پر مقدم نہ ہوگا۔شامی نے کہا اس لئے کہ آگے آرہا ہے کہ اصل میں حق ولی کا ہے، اس پر حکام اور امام محلہ کی تقدیم تعلیل مذکور کے باعث تھی وہ علت ہی یہاں موجود نہیں۔ پھر ولی جو نکاح کرانے میں عصبہ ہونے کی ترتیب کے اعتبار سے ہے تو اگر ولی کے علاوہ کسی ایسے نے نماز پڑھی جسے ولی پر حق تقدم حاصل نہیں اور ولی نے اس کی متابعت نہ کی تو ولی پھر پڑھ سکتا ہے اگر چہ قبر، اگر

چاہے۔ یہ اجازت اس کے حق کے سبب ہے، اس وجہ سے نہیں کہ فرض جنازہ ادا نہ ہوا۔ اسی لئے پہلے جو لوگ پڑھ چکے ہوں انہیں ولی کے ساتھ اعادہ کی اجازت نہیں اس لئے کہ نمازِ جنازہ کی تکرار غیر مشروع ہے۔ (درمختار شرح تنویر الابصار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ردالمحتار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر)

دوبارہ نماز جنازہ پڑھانے کے بارے میں احکام شرعی:

(فَإِنْ صَلَّى غَيْرُ الْوَلِيِّ أَوْ السُّلْطَانِ أَعَادَ الْوَلِيُّ) يَعْنِي إنْ شَاءَ لِمَا ذَكَرْنَا أَنَّ الْحَقَّ لِلْأَوْلِيَاءِ (وَإِنْ صَلَّى الْوَلِيُّ لَمْ يَجُزْ لِأَحَدٍ أَنْ يُصَلِّيَ بَعْدَهُ) لِأَنَّ الْفَرْضَ يَتَأَدَّى بِالْأَوْلَى وَالتَّنَفُّلَ بِهَا غَيْرُ مَشْرُوعٍ ، وَلِهَذَا رَأَيْنَا النَّاسَ تَرَكُوا عَنْ آخِرِهِمْ الصَّلَاةَ عَلَى قَبْرِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَهُوَ الْيَوْمَ كَمَا وُضِعَ .

ترجمہ:

اگر ولی وحاکم اسلام کے سوا اور لوگ نمازِ جنازہ پڑھ لیں تو ولی کو اعادہ کا اختیار کہ حق اولیاء کا ہے اور اگر ولی پڑھ چکا تو اب کسی کو جائز نہیں کہ فرض تو پہلی نماز سے ادا ہو چکا اور یہ نماز بطور نفل پڑھنی مشروع نہیں ولہذا ہم دیکھتے ہیں کہ تمام جہان کے مسلمانوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مزار اقدس پر نماز چھوڑ دی حالانکہ حضور آج بھی ویسے ہی ہیں جیسے جس دن قبر مبارک میں رکھے گئے تھے۔

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اگر نمازِ جنازہ کی تکرار مشروع ہوتی تو مزار اقدس پر نماز پڑھنے سے تمام جہان اعراض نہ کرتا جس میں علماء وصلحاء اور وہ بندے ہیں جو طرح طرح سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ میں تقرب حاصل کرنے کی رغبت رکھتے ہیں تو یہ تکرار کی مشروعی پر کھلی دلیل ہے پس اس کا اعتبار واجب ہوا۔ (فتح القدیر فصل فی الصلوٰۃ علی المیت مطبوعہ المکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

لہذا اگر کوئی شخص بے نماز پڑھے دفن کر دیا گیا تو فرض ہے کہ اس کی قبر پر نمازِ جنازہ پڑھیں جب تک ظن غالب رہے کہ بدن بگڑ نہ گیا ہوگا اور نماز جنازہ ایک تو ہر مسلمان کا حق ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں، ان میں نمازِ جنازہ کو بھی ذکر فرمایا، حدیث آگے آرہی ہے۔

(مسند احمد بن حنبل مروی از ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

دوبارہ نماز جنازہ پڑھانے کے عدم جواز پر دلائل:

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ انس بن مالک وعبداللہ بن جابر وسلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہم سے متعدد احادیث ذکر کریں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں": مومن صالح کو پہلا تحفہ یہ دیا جاتا ہے کہ جتنے لوگوں نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھی سب بخش دئے جاتے ہیں۔ اللہ عزوجل حیا فرماتا ہے کہ اُن میں کسی پر عذاب کرے۔

اب اگر حق کا لحاظ کیجئے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق کے برابر تمام جہان میں کس کا ہوسکتا ہے، اور فضل کو دیکھئے تو افضل المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کے برابر کس مقبول پر نماز پڑھنی ہوسکتی ہے، ہاں قبر پر نماز پڑھنے سے مانع یہ ہوتا ہے کہ اتنی مدت گزر جائے جس میں میت کا بدن سلامت ہونا مظنون نہ رہے، اسی کو بعض روایات میں دفن کے بعد تین دن سے تقدیر کیا، اور صحیح یہ کہ کچھ مدت معین نہیں، جب سلامت وعدم سلامت مشکوک ہوجائے نماز ناجائز ہوجائیگی، مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں معاذ اللہ اس کا اصلاً احتمال نہیں وہ آج بھی یقیناً ایسے ہی ہیں جیسے روزِ دفن مبارک تھے۔ وہ خود ارشاد فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

ان اللہ حرّم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام فرمادیا ہے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا جسم مبارک کھانا۔ اسے امام احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمۃ، ابن حبان، حاکم، اور ابونعیم نے روایت کیا۔ ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم دارقطنی اور ابن دحیہ نے صحیح کہا، اور اسے عبدالغنی اور منذری وغیرہم نے حسن کہا ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

جب مانع مفقود اور مقتضی اس درجہ قوت سے موجود، تو اگر نمازِ جنازہ کی تکرار شرع میں جائز ہوتی تو صحابہ وتابعین سے لے کر آج تک تمام جہان تمام طبقات کے تمام علماء اور اولیاء وصلحا اور عاشقانِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اُس کے ترک پر اجماع کیا معنی، جن میں لاکھوں بندے خدا کے وُہ گزرے اور اب بھی ہیں جنہیں دن رات یہی فکر رہتی ہے کہ جہاں تک مل سکیں وُہ طریقے بجالائیں کہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں تقرب پائیں، لاجرم تیرہ سو برس کا یہ اجماع کلی دلیل ظاہر ہے کہ تکرارِ نماز جنازہ جائز نہیں، اس لئے مجبوراً سب باقیماندہ کو اس فضل عظیم سے محروم ہونا پڑا۔

امام اجل نسفی وافی اور اس کی شرح وافی میں فرماتے ہیں۔

لم یصل غیرہ بعدہ ای ان صلی الولی لم یجزلغیرہ ان یصلی بعدہ لان حق المیت یتادی بالفریق الاول وسقط الفرض بالصلوۃ الاولی فلوفعلہ الفریق الثانی لکان نفلا واذاغیر مشروع کمن صلی علیہ مرۃ الخ۔

اگر ولی نے نمازِ جنازہ پڑھ لی تو اس کے بعد دوسرے کو پڑھنا جائز نہیں، اس لئے کہ میت کا حق پہلے فریق سے ادا ہو چکا، اور پہلی نماز سے فرض ساقط ہوگیا، اب اگر کوئی دوسرا فریق ادا کرے تو یہ نفل ہوگی اور یہاں نفل مشروع نہیں، جیسے وہ جس کی ایک بار نماز پڑھی جاچکی ہو۔ (فتاویٰ رضویہ، کتاب الجنائز)

امام محمد بن حلبی ابن امیر الحاج حلیہ میں فرماتے ہیں ہمارے علماء نے فرمایا جب میت پر صاحب حق نماز پڑھ چکے پھر اور کوئی اس پر نماز مشروع نہیں۔ (حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی)

علامہ ابراہیم حلبی غنیہ شرح منیہ میں فرماتے ہیں: اُس پر نماز نہ پڑھی جائے کہ ایک میت پر دوبار نماز نہ ہو کہ یہ نامشروع

ہے۔(غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الجنائز مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

درر شرح غرر ومجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے: فرض تو پہلی نماز سے ادا ہوگیا اور یہ نماز نفلی طور پر مشروع نہیں۔

(الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام باب الجنائز مطبوعہ احمد کامل الکائنہ فی دار السعادت بیروت)

علامہ شامی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ جو پہلے پڑھ چکا وہ ولی کے ساتھ بھی اعادہ کا اختیار نہیں رکھتا کہ اس کی تکرار غیر مشروع ہے۔(درمختار، باب صلوٰۃ الجنائز، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی)

غائبانہ جنازہ

کیا ہر میت پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا مشروع ہے؟

اہل علم کے اقوال میں سے راجح قول یہ ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ مشروع نہیں، لیکن جس شخص کی نماز جنازہ ادا نہ کی گئی ہو اس کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی جاسکتی ہے، مثلاً کوئی شخص کفار کے ملک میں فوت ہو جائے اور کسی نے بھی اس کی نماز جنازہ ادا نہ کی ہو تو اس کی نماز جنازہ ادا کرنا واجب ہے، لیکن جس شخص کی نماز جنازہ ادا کی جاچکی ہو تو اس کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کرنا مشروع نہیں، کیونکہ سنت نبویہ میں سوائے نجاشی کے کوئی اور قصہ نہیں ہے، اور نجاشی کی بھی اس کے ملک میں نماز جنازہ ادا نہیں کی گئی تھی۔

اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اس کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی تھی ...اور اس کے علاوہ کئی بڑے اور سردار فوت ہوئے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کے علاوہ کسی اور کی نماز جنازہ ادا نہیں کی۔

اور بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ جس شخص نے اپنے مال سے دینی خدمات سرانجام دی ہوں، یا اس کی علمی خدمات ہوں اس کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کرنا جائز ہے ...اور جس کی خدمات نہ ہوں اس کی غائبانہ نماز جنازہ ادا نہیں کی جائیگی۔

اور بعض اہل علم کہتے ہیں:

مطلقا غائبانہ نماز جنازہ ادا کی جاسکتی ہے، اور یہ ضعیف ترین قول ہے۔

(سوال فی احکام المقابر شیخ محمد صالح العثیمین صفحہ نمبر 9)

غائبانہ نماز جنازہ میں ابن تیمیہ کا نظریہ:

رہا غائبانہ نماز جنازہ کا مسئلہ تو اس میں علماء کرام کا بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نجاشی کے علاوہ کسی اور کی غائبانہ نماز جنازہ ثابت نہیں، اور نہ ہی یہ منقول ہے کہ مدینہ سے باہر کسی اور شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عظیم محبت ہونے کے باوجود ان کی نماز جنازہ ادا کی ہو۔

اور اسی طرح خلفاء راشدین کے متعلق بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جب ان میں کوئی فوت ہوا تو ان کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی

گئی ہو، لیکن غائبانہ نماز جنازہ کا مقتضی ہونے کے باوجود مسلمانوں سے ایسا کرنا معروف نہیں رہا، جو کہ مسلمانوں کا اپنے بھائیوں کو نفع دینے کی حرص رکھنا ہے، اور خاص کر جس شخص کی عام مسلمانوں کے دلوں میں محبت ہو، یا پھر اس کے ساتھ رشتہ داری یا ایسی محبت جو اس کی نماز جنازہ ادا کر کے صلہ رحمی اور قرابت داری اور نیکی واحسان کرنے کو واجب کرتی ہو۔

اسی لیے علماء کرام جیسا کہ ابن تیمیہ نے یہ اختیار کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نجاشی کی نماز جنازہ ادا کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت میں شامل ہوتا ہے۔

کیونکہ نجاشی کے ملک میں اس کی نماز جنازہ ادا کرنے والا کوئی شخص نہ تھا، میری نظر میں مندرجہ بالا توجیہ کی بنا پر یہ قول قوی معلوم ہوتا ہے۔

غائبانہ نماز جنازہ کے عدم جواز پر فقہی تصریحات:

علامہ حلبی لکھتے ہیں۔ نمازِ جنازہ کی شرائطِ صحت سے ہے جنازہ کا مصلّی کے آگے ہونا۔ اسی لئے ہمارے علماء نے فرمایا کہ مطلقاً کسی غائب پر نماز جائز نہیں۔ (حلية المحلي شرح منية المصلي)

علامہ حصکفی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ جنازہ کا نمازی کے سامنے ہونا شرطِ نماز جنازہ ہے۔

(درمختار باب صلوٰة الجنائز مطبع مجتبائی دهلی)

علامہ حسن شرنبلالی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ صحتِ نمازِ جنازہ کی شرطوں سے ہے میّت کا مسلمان ہونا اور نمازیوں کے سامنے حاضر ہونا۔ (نورالایضاح ، فصل فی الصّلوٰة علی المیّت)

() متن ملتقی الابحر میں ہے۔ میّت کا کوئی عضو کسی جگہ ملے تو اس پر نماز جائز نہیں، نہ کسی غائب پر جائز ہے۔

(ملتقی الابحر ، فصل فی الصّلوٰة علی المیّت ،بیروت)

مجمع شرح ملتقی میں ہے: امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا اس مسئلہ میں ہم سے خلاف بھی اس صورت میں ہے کہ میّت دوسرے شہر میں ہو اگر اسی شہر میں ہو تو نماز غائب امام شافعی کے نزدیک بھی جائز نہیں کہ اب حاضر ہونے میں مشقت نہیں۔

(مجمع الانهر شرح ملتقى الابحر، فصل فى الصلوة على الميت ، بيروت)

فتاوٰی خلاصہ میں ہے:۔ ہمارے نزدیک کسی میّت غائب پر نماز نہ پڑھی جائے۔

(خلاصة الفتاوى ، الصلوة على الجنازة اربع تكبيرات ،مكتبه حبيبيه كوئته)

غائبانہ نمازِ جنازہ منع ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس دن نجاشی فوت ہوئے، اس دن رسول اللہ ﷺ نے ان کی موت کی خبر دی، آپ عیدگاہ کی طرف نکلے آپ نے مسلمانوں کی صفیں بنوائیں اور چار تکبیریں پڑھیں۔
(صحیح بخاری، ج۱ص۱۷۸، قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس حدیث سے بعض جدت پسند لوگوں نے استدلال کرتے ہوئے نہ صرف کہا بلکہ عملی طور پہ غائبانہ نماز جنازہ شروع کر دی ہے۔ حالانکہ اس حدیث کے مطابق جو آپ ﷺ نے نجاشی کی نماز جنازہ پڑھی ہے وہ آپ ﷺ کی خصوصیت خاصہ ہے۔ اور کم علم لوگوں کو یہ پتہ ہی نہیں کہ شریعت کا یہ قانون ہے جو عمل آپ ﷺ کی خصوصیت خاصہ ہو اس سے عمومی حکم ثابت نہیں ہوتا کیا کوئی شخص یہ کہے گا مرد کیلئے جائز ہے کہ وہ بیک وقت ۹ بیویاں اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے کیونکہ ایسا رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے۔ ہرگز نہیں، کیونکہ ۹ بیویاں بیک وقت نکاح میں رکھنا آپ ﷺ کی خصوصیت خاصہ ہے جو آپ ﷺ کے سوا کسی کیلئے جائز ہی نہیں۔

پانچویں صدی ہجری کے مشہور امام علامہ بن بطال مالکی لکھتے ہیں۔ کہ نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو نجاشی کی موت کی خبر دی اور خصوصاً اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ کیونکہ عام مسلمانوں کے علم میں اس کا اسلام لانا نہیں تھا، تو آپ نے یہ ارادہ کیا کہ تمام مسلمانوں کو اس کے اسلام لانے کی خبر دیں اور تمام مسلمانوں کے ساتھ اس کے حق میں دعا کریں تا کہ اسے مسلمانوں کی دعا کی برکت حاصل ہو۔ اس کی خصوصیت کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں میں سے کسی کی بھی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ اور نہ ان مہاجرین وانصار جو مختلف شہروں میں فوت ہوئے تھے۔ اور نبی کریم ﷺ کے بعد مسلمانوں کا اسی پر عمل رہا ہے۔ اور نبی کریم ﷺ نے نجاشی کے سوا کسی کی بھی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے جو شخص جس شہر میں فوت ہو جائے اس شہر کے لوگ اس کی نماز جنازہ پڑھیں۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ نجاشی کی روح آپ ﷺ کے سامنے حاضر تھی لہٰذا آپ نے اس پر نماز جنازہ پڑھی۔ اور آپ کیلئے جنازہ کو اٹھا کر لایا گیا تھا جس طرح بیت المقدس کو آپ کیلئے منکشف کر دیا گیا تھا۔ جب کفار نے بیت المقدس کے متعلق آپ ﷺ سے سوالات کیے تھے۔ اور میں نے امت میں سے کسی کو نہیں پایا جس نے غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کی اجازت دی ہو۔ (شرح ابن بطال ج ۳، ص ۲۴۵، بیروت)

سینکڑوں کی تعداد میں دلائل موجود ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ پڑھانا جائز نہیں۔ کیونکہ خود نبی کریم ﷺ کے دور اقدس میں ایسے ایسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے کہ جن کی نماز جنازہ پڑھانے میں آپ بہت حریص تھے تاہم آپ نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ اسی طرح بیر معونہ کا واقعہ اس پر شاہد ہے کہ وہ صحابہ کرام جو قرآن کے قاری وحافظ تھے اور جن کی شہادت پر آپ ﷺ کو اتنا رنج پہنچا تھا کہ آپ ﷺ نے مسلسل ایک ماہ نماز فجر میں قنوت نازلہ پڑھی اور ان کفار کی مذمت کی، لیکن ان شہداء کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی۔

اسی طرح حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لیکر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہما کے دور خلافت تک جو کل تیس سال کا عرصہ بنتا ہے کسی ایک خلیفہ یا کسی ایک صحابی سے بھی غائبانہ نماز جنازہ ثابت نہیں۔

اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سلطنت سے لیکر حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی خلافت تک بھی کسی دور میں کسی ملک میں کسی مسلمانوں کے شہر میں کسی گاؤں ودیہات قصبہ میں غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی۔

دور صحابہ کے بعد تابعین کے دور، تبع تابعین کے دور سے لیکر مسلمانوں کے چودہ سو سالہ دور میں کوئی ایک مثال بھی نہیں ملتی کہ کسی نے غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ہو۔

حالانکہ نماز جنازہ ایک ایسی عبادت ہے جسے اجتماعی عبادت کہا جاتا ہے یہ کوئی ایک شخص نہیں پڑھتا بلکہ مسلمانوں کی ایک جماعت اسے پڑھتی ہے۔ جس کیلئے قوی دلائل کی ضرورت ہے جو کہ بالکل مفقود ہیں اور غائبانہ نماز جنازہ پڑھانے والوں کے دلائل بھی غائب ہیں۔

چودھویں صدی کے آخر میں اور پندرھویں صدی کے اوائل میں ایک بدعتی فرقے نے غائبانہ نماز جنازہ کو اپنے جماعتی مفاد اور چندے کو جمع کرنے کی غرض سے غائبانہ نماز جنازہ کو گھڑ لیا ہے اس طرح اس فرقے کی جماعت کی شہرت بھی ہوتی ہے اور یہ لوگ عوام کے دلوں میں شہداء کے ساتھ ہمدردی کا اظہار اور لوگوں کو یہ باور کراتے ہیں کہ وہ جہاد فی سبیل اللہ کر رہے ہیں لہذا ان کی معاونت و مدد کی جائے۔ اور ان لوگوں کا غیر اللہ سے مدد مانگنے کا یہ ایک مضبوط بہانہ ہے۔

حیران کن بات یہ ہے کہ یہی گروہ اذان سے پہلے یا بعد میں نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنا بدعت سمجھتا ہے، حالانکہ یہ درود پڑھنا ایک انفرادی عمل ہے۔ جس کیلئے ان لوگوں کو کوئی دلیل نظر ہی نہیں آتی۔ حالانکہ درود و سلام کی اصل تو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں موجود ہے۔ ایک وہ مسئلہ جس کی اصل موجود ہو وہ بدعت ہے۔ اور ایک وہ عمل جس کی اصل موجود نہ ہو وہ عین عبادت ہے۔ ان لوگوں کا کیسا استدلال ہے۔

بغیر نماز جنازہ کے دفن کیے جانے والے کی نماز کا حکم:

(وَإِنْ دُفِنَ الْمَيِّتُ وَلَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ صُلِّيَ عَلَى قَبْرِهِ) لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ صَلَّى عَلَى قَبْرِ امْرَأَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ (وَيُصَلَّى عَلَيْهِ قَبْلَ أَنْ يَتَفَسَّخَ) وَالْمُعْتَبَرُ فِي مَعْرِفَةِ ذَلِكَ أَكْبَرُ الرَّأْيِ هُوَ الصَّحِيحُ لِاخْتِلَافِ الْحَالِ وَالزَّمَانِ وَالْمَكَانِ .

ترجمہ

اور اگر میت کو بغیر نماز جنازہ کے دفن کر دیا گیا تو اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ایک انصاری عورت کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی۔ اور میت کے پھولنے سے پہلے پہلے اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے۔ اور اس کی پہچان میں غالب رائے کا اعتبار کیا جائے گا۔ حال، زمان و مکان کے اختلاف کی وجہ سے یہی صحیح روایت ہے۔

تدفین کے بعد قبر پر نماز جنازہ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ایسی قبر پر گزر ہوا جس میں بوقت شب مردہ دفن کیا گیا تھا آپ نے پوچھا کہ یہ کب دفن کیا گیا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب دیا کہ آج ہی رات میں۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے مجھے خبر کیوں نہیں دی؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم نے اسے اندھیری رات میں دفن کیا تھا

اس وقت آپ کو جگانا ہمیں اچھا نہیں معلوم ہوا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے ہم نے آپ کے پیچھے صف باندھی چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ (بخاری ومسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک کالی عورت تھی جو مسجد (نبوی) میں جھاڑو دیا کرتی تھی یا راوی کہتے ہیں کہ ایک جوان مرد تھا جو جھاڑو دیا کرتا تھا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن اسے غائب پایا تو اس عورت، یا مرد کے بارے میں دریافت فرمایا کہ وہ کہاں ہے؟ بتایا گیا کہ وہ مرگئی یا وہ مرگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے کیوں نہیں بتایا گیا؟ تا کہ میں بھی اس کی نماز جنازہ پڑھتا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ لوگوں نے اس عورت یا اس مرد کی موت کوئی اہمیت نہیں دی (کہ جس کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف دی جاتی گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم مقصود تھی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا مجھے اس کی قبر بتادو کہ کہاں ہے؟ آپ کو جب اس کی قبر بتائی گئی تو (آپ وہاں تشریف لے گئے اور) اس کی قبر پر نماز پڑھی اور پھر فرمایا کہ یہ قبریں اپنے مردوں کے لیے تاریکیوں سے بھری ہوئی ہوتی ہیں ان قبروں پر میرے نماز پڑھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انہیں روشن کر دیتا ہے (اس روایت کو بخاری ومسلم نے نقل کیا ہے اور الفاظ مسلم کے ہیں۔

ایک کالی عورت تھی یا ایک جوان مرد تھا یہ درحقیقت راوی کا شک ہے کہ صحیح طریقہ سے یہ بات یاد نہیں رہی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا تھا کہ ایک کالی عورت تھی جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی یا یہ فرمایا کہ ایک جوان مرد تھا جو جھاڑو دیا کرتا تھا۔

تاریکیوں سے بھری ہوئی قبروں سے مراد صرف وہ قبریں ہیں جن پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نماز پڑھنا ممکن تھا۔

اس مسئلہ میں کہ قبروں پر نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ علماء کا اختلاف ہے چنانچہ جمہور علماء کا فیصلہ تو یہ ہے کہ قبر پر نماز جنازہ پڑھنا مشروع ہے خواہ پہلے اس کی نماز جنازہ ادا کی جا چکی ہو یا نہ ادا کی گئی ہو۔

ابراہیم نخعی، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام رحمہم اللہ کا قول یہ ہے کہ اگر پہلے نماز جنازہ ادا کی جا چکی ہے تو اب قبر پر نماز درست نہیں اور اگر پہلے نماز جنازہ ادا نہ کی گئی ہو تو پھر جائز ہے لیکن حضرت امام ابوحنیفہ کی شرط یہ بھی ہے کہ اگر مردہ اپنی قبر میں پھٹ نہ گیا ہو تو نماز درست ہوگی ورنہ تو قبر میں مردہ کے پھٹ جانے کی صورت میں نماز درست نہیں ہوگی۔ قبر میں مردہ کے پھٹ جانے کا اندازہ بعض حضرات نے تین دن متعین کیا ہے یعنی اگر تدفین کو تین دن نہ گزرے ہوں تو سمجھا جائے گا کہ مردہ اپنی قبر میں ابھی پھٹا نہیں ہے اور اگر تدفین کو تین دن یا تین دن سے زائد کا عرصہ گزر گیا ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ مردہ اپنی قبر میں پھٹ گیا ہے۔

نماز جنازہ پڑھنے کا طریقہ:

(وَالصَّلَاةُ أَنْ يُكَبِّرَ تَكْبِيرَةً يَحْمَدُ اللَّهَ عَقِيبَهَا ، ثُمَّ يُكَبِّرُ تَكْبِيرَةً يُصَلِّي فِيهَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، ثُمَّ يُكَبِّرُ تَكْبِيرَةً يَدْعُو فِيهَا لِنَفْسِهِ وَلِلْمَيِّتِ وَلِلْمُسْلِمِينَ ثُمَّ يُكَبِّرُ الرَّابِعَةَ وَيُسَلِّمُ) لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَبَّرَ أَرْبَعًا فِي آخِرِ صَلَاةٍ صَلَّاهَا فَنَسَخَتْ مَا قَبْلَهَا .

(وَلَوْ كَبَّرَ الْإِمَامُ خَمْسًا لَمْ يُتَابِعْهُ الْمُؤْتَمُّ) خِلَافًا لِزُفَرَ لِأَنَّهُ مَنْسُوخٌ لِمَا رَوَيْنَا ، وَيَنْتَظِرُ تَسْلِيمَةَ الْإِمَامِ فِي رِوَايَةٍ وَهُوَ الْمُخْتَارُ .

ترجمہ

اور نماز جنازہ پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ تکبیر کہے اس کے ساتھ ہی اللہ کی حمد بیان کرے اور پھر تکبیر کہے اور نبی کریم ﷺ پر درود پڑھے۔ پھر تکبیر کہے اور اپنے لئے ،میت کیلئے اور تمام مسلمانوں کیلئے دعا مانگے۔ پھر چوتھی تکبیر کہے اور سلام پھیر دے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے جو آخری نماز جنازہ پڑھائی تھی اس میں چار تکبیریں کہی تھیں۔ لہذا اس سے پہلے والا طریقہ منسوخ ہوگیا۔

اور اگر پانچویں تکبیر کہے تو مقتدی ہرگز اس کی اتباع نہ کرے۔ جبکہ امام زفر علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے۔ ہماری بیان کردہ روایت کی وجہ سے وہ (پانچویں تکبیر) منسوخ ہے۔ بلکہ ایک روایت کے مطابق وہ امام کے سلام کا انتظار کرے۔ اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔

نماز جنازہ کی تکبیرات کے بیان میں:

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ ہمارے جنازوں (کی نماز) میں چار تکبیریں کہا کرتے تھے۔ ایک جنازہ پر انہوں نے پانچ تکبیریں کہیں تو ہم نے ان سے پوچھا کہ آپ تو ہمیشہ چار تکبیریں کہا کرتے تھے آج پانچ تکبیریں کیوں کہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پانچ تکبیریں کہا کرتے تھے۔ (مسلم)

حضرت زید بن ارقم کے ارشاد کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پانچ تکبیریں کہا کرتے تھے کا مطلب یہ ہے کہ یا تو آپ ابتدائی زمانہ میں پانچ تکبیریں کہا کرتے تھے یا یہ کہ کبھی کبھی پانچ تکبیریں کہتے تھے۔

تمام علماء کا متفقہ طور پر یہ فیصلہ ہے کہ نماز جنازہ میں چار ہی تکبیریں ہیں اگر چہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے چار سے زائد تکبیریں بھی منقول ہیں لیکن علماء لکھتے ہیں کہ آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چار ہی تکبیریں ثابت ہیں لہذا جن روایتوں میں چار سے زائد تکبیریں منقول ہیں وہ منسوخ ہیں اگر حضرت زید رضی اللہ عنہ ان روایتوں کے منسوخ ہونے کے قائل نہیں ہیں تو اس اتفاقی اور اجماعی فیصلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

فقہ حنفی کے مطابق جنازہ میں چار تکبیرات کے دلائل میں احادیث:

امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت عثمان بن عفان سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون کے جنازہ میں چار تکبیریں کہیں۔

حضرت ابوبکر ہجری کہتے ہیں کہ میں نے صحابی رسول ﷺ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی اسلمی کے ساتھ ان کی بیٹی کی نماز جنازہ پڑھی۔ آپ نے چار تکبیریں کہی اور چوتھی تکبیر کے بعد کچھ دیر خاموش رہے تو دیکھا کہ لوگ صفوں کی اطراف سے سُبْحَانَ اللّٰهِ سُبْحَانَ اللّٰہِ کہہ رہے ہیں تو سلام پھیرا اور کہا کہ تمہارا خیال ہوگا کہ پانچویں تکبیر کہنے لگا ہوں۔ لوگوں نے کہا ہمیں اس کا خدشہ ہو رہا تھا۔ فرمایا میں ایسا نہیں کرتا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار تکبیریں کہہ کر کچھ دیر ٹھہرتے پھر کچھ پڑھ کر سلام پھیرتے۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (جنازہ کی نماز میں) چار تکبیریں کہیں۔ (سنن ابن ماجہ)

نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا مسئلہ:

حضرت طلحہ بن عبداللہ بن عوف (طابعی) کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پیچھے جنازہ کی نماز پڑھی چنانچہ انہوں نے (تکبیر اولیٰ کے بعد) سورہ فاتحہ پڑھی اور فرمایا کہ میں نے سورۃ فاتحہ اس لیے پڑھی ہے تا کہ تم لوگ جان لو کہ یہ سنت ہے۔ (بخاری)

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ سنت ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ نماز جنازہ میں سورت فاتحہ پڑھنا واجب نہیں ہے۔ یعنی اگر تکبیر اولیٰ کے بعد سبحانک اللھم الخ کے بجائے سورۃ فاتحہ پڑھی جائے تو یہ سورت فاتحہ سنت (یعنی سبحانك اللهم الخ پڑھنے) کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔

محقق امام ابن ہمام فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ میں سورت فاتحہ کی قرأت نہ کی جائے ہاں بہ نیت ثناء سورہ فاتحہ پڑھی جاسکتی ہے چنانچہ نماز جنازہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سورہ فاتحہ پڑھنا ثابت نہیں ہے۔ نیز مؤطا میں منقول ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نماز جنازہ میں سورت فاتحہ نہیں پڑھتے تھے۔

چونکہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے اس لیے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس کے الفاظ انها سنة (یہ سنت ہے) میں سنت سے مراد ہے کہ سورہ فاتحہ پڑھنا دین کا ایک مشروع طریقہ ہے لہٰذا ان کی اس تاویل سے وجوب کی نفی نہیں ہوتی۔ (مؤطا امام مالک)

وقال العلامة ابن رشد المالكى القرطبى

اختلفوا في عدد التكبير في الصدر الأول اختلافا كثيرا من ثلاث إلى سبع أعني :الصحابة رضي الله عنهم ، ولكن فقهاء الأمصار على أن التكبير في الجنازة أربع ، إلا ابن أبي ليلى و جابر بن زيد فإنهما كانا يقولون إنهما خمس و سبب الاختلاف :اختلاف الآثار في ذلك ، وذلك أنه روى من حديث أبي هريرة ": أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نعى النجاشي في اليوم الذي مات فيه ، وخرج بهم إلى المصلى فصف بهم و كبر أربع تكبيرات "وهو حديث متفق على صحته ، ولذلك أخذ به جمهور فقهاء الأمصار ، وجاء في هذا المعنى أيضا من " :أنه عليه الصلاة والسلام صلى على قبر مسكينة فكبر عليها أربعا . "وروى مسلم أيضا عن عبد الرحمن بن أبي ليلى قال " :كان زيد بن أرقم يكبر على الجنائز أربعا ، وأنه كبر على جنازة خمسا ، فسألناه فقال :كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يكبرها . "وروى عن أبي خيثمة عن أبيه قال : "كان النبي صلى الله عليه وسلم يكبر على الجنائز أربعا وخمسا وستا وسبعا وثمانيا حتى مات النجاشي . فصف الناس وراءه و كبر أربعا ، ثم ثبت صلى الله عليه وسلم على أربع حتى توفاه الله . "وهذا فيه حجة لائحة للجمهور .

حاصل یہ کہ نماز جنازہ میں چار تکبیرات پر فقہاء مذاہب الأربعۃ اور جمہور أہل العلم کا اتفاق ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ یہ نماز جنازہ میں چار تکبیرات رکن ہیں ان کے بغیر نماز جنازہ صحیح نہیں ہے، اور یہ بھی یادرہے کہ أہل العلم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صلاۃ الجنازۃ میں سجدہ سہو جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں رکوع وسجود نہیں ہے اور اگر بالفرض امام صلاۃ الجنازۃ میں بھول جائے مثلا تیسری تکبیر کے بعد سلام پھیر دے تو دوبارہ صرف چوتھی تکبیر کر دے اور اگر وقت زیادہ گذر گیا ہو تو پھر صلاۃ الجنازۃ دوبارہ پڑھے۔

نماز جنازہ میں پہلی تکبیر کے علاوہ رفع یدین نہ کرنا:

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنازہ پڑھاتے تو پہلی تکبیر میں دونوں ہاتھ اٹھالیتے پھر دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ لیتے۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنازہ پڑھاتے تو پہلی تکبیر میں دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر دوبارہ نہیں اٹھاتے۔

عن أبي هريرة " :أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كبر على جنازة فرفع يديه في أول تكبيرة ، ووضع اليمنى على اليسرى "(أخرجه الترمذي، والدار قطني ، والبيهقي)

عن عبد الله بن عباس "أن رسول الله كان يرفع يديه على الجنازة في أول تكبيرة ، ثم لا يعود . أخرجه الدار

قطنی۔

امام اعظم أبي حنیفة رحمہ اللہ کا مذہب بھی یہی ہے، اور اسی طرح علامہ ابن حزم الظاہری اور علامہ الشوکانی کا قول بھی یہی ہے، اور اسی طرح سلف میں سے ابن عباس وابن مسعود وسفیان الثوری و مالک وغیرہم رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے، اور یاد رہے کہ شافعی وحنبلی علماء تکبیرات الجنازۃ میں رفع الیدین کے قائل ہیں، اور وہ اس بارے میں بعض صحابہ کے آثار سے استدلال کرتے ہیں

نماز جنازہ میں قراءت فاتحہ نہیں ہے:

حضرت نافع فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نماز جنازہ میں قراءت (فاتحہ) نہیں کرتے تھے۔

وحدثني عن مالك عن نافع أن عبد الله بن عمر كان لا يقرأ في الصلاة على الجنازة

یاد رہے کہ یہ روایت محدثین کے یہاں صحت کے نہایت أعلی درجات پر ہے، اور بعض علماء اس کو "السلسلة الذهبية" کہتے ہیں، اور أصح الأسانید کہتے ہیں، لہذا امام اعظم أبوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کا مذہب یہی ہے کہ نماز ہ میں قراءت فاتحہ نہیں ہے، اور حضرت عبداللہ بن عمر، ابراہیم نخعی، محمد ابن سیرین، ابوالعالیہ، فضالہ ابن عبید، ابو بردہ، عطاء، طاووس، میمون، بکر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم کا بھی یہی مذہب ہے، (مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ) امام اعظم أبوحنیفہ اور امام مالک اور ان کے اصحاب کے نزدیک قراءۃ الفاتحہ نماز جنازہ میں مکروہ ہے۔

جب کہ شافعیة وحنابلة کا مذہب یہ ہے کہ قراءۃ الفاتحہ نماز جنازہ میں واجب ہے اور امام احمد سے ایک روایت استحباب کی ہے۔ ابن تیمیہ بھی اس کے مستحب ہونے کے قائل ہیں، امام الشافعي وامام أحمد وغیرہ کا استدلال ابن عباس رضی اللہ عنہ کے عمل سے ہے کہ انہوں نے نماز جنازہ پڑھایا اور اس میں سورت فاتحہ پڑھی

وفي البخاري :صلى ابن عباس على جنازة فقرأ بفاتحة الكتاب،الخ و بهذا قال الشافعي و أحمد وغيرهم ،جاء في الاختيار من كتب الحنفية :والصلاة أربع تكبيرات ويرفع يديه في الأولى لأنها تكبيرة الافتتاح، ولا يرفع بعدها ويحمد الله تعالى بعد الأولى .لأن سنة الدعاء البداية بحمد الله .وروى الحسن عن أبي حنيفة أنه يستفتح (ويصلي على نبيه عليه الصلاة والسلام بعد الثانية) لأن ذكره عليه الصلاة والسلام يلي ذكر ربه تعالى .ويدعو لنفسه وللميت وللمؤمنين بعد الثالثة) لأن المقصود منها الدعاء ، وقد قدم ذكر الله وذكر رسوله فيأتي بالمقصود فهو أقرب للإجابة .(ويسلم بعد الرابعة) لأنه لم يبق عليه شيء فيسلم عن يمينه وعن شماله كما في الصلاة، ولا قراءة فيها ولا تشهد .انتهى بتصرف۔

جنازہ میں فاتحہ سے متعلق غیر مقلدین کے اعتراضات وجوابات:

اعتراض 1۔

مشکوٰۃ شریف باب نماز جنازہ میں بحوالہ بخاری شریف ہے۔عن طلحۃ ابن عبد اللہ ابن عوف قال صلیت خلف ابن عباس علی جنازۃ فقراء بفاتحۃ الکتاب وقال لتعلموا انھا سنۃ۔

روایت ہے طلحہ ابن عبداللہ ابن عوف سے فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس کے پیچھے ایک نماز پرنماز پڑھی تو آپ نے سورہ فاتحہ پڑھی اورفرمایامیں نے اس لئے پڑھی کہ تم جان لو یہ سنت ہے۔

اس سے معلوام ہوا کہ نماز جنازہ میں سور فاتحہ پڑھنا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا عمل ہے۔

جواب:

اس حدیث سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے چند وجہ سے ایک یہ کہ اس روایت میں یہ نہیں آیا کہ جناب ابن عباس نے نماز جنازہ کے اندر سورہ فاتحہ پڑھی بلکہ ظاہر یہ ہے کہ نماز کے بعد میت کوایصال ثواب کے لئے پڑھی ہو جیسا کہ فقراء کی ف سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ ف تعقیب کی ہے، دوسرے یہ کہ اگر مان لیا جائے کہ نماز کے اندر ہی پڑھی تو یہ پتہ نہیں لگتا کہ بنیت حمد وثناء پڑھی یابنیت تلاوت، بنیت دعاء وتلاوت پڑھنا جائز ہم بھی جائز ہی کہتے ہیں۔چوتھے یہ کہ آپ کے سورہ فاتحہ پڑھنے پر سارے حاضرین صحابہ وتابعین کوسخت تعجب ہوا تب ہی تو آپ نے معذرت کے طور پر کہا میں نے یہ عمل اس لئے کیا تاکہ تم جان لو یہ سنت ہے پتہ چلا کہ صحابہ کرام نہ پڑھتے تھے اور نہ اسے سنت جانتے تھے اسی لئے آپ کو یہ معذرت کرنا پڑھی۔ پانچویں یہ کہ آپ نے یوں نہ فرمایا کہ یہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے بلکہ لغوی معنی میں سنت فرمایا یعنی یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ بجائے دوسری ثناء اور دعاء کے سورہ فاتحہ پڑھ لی جائے ہم بھی یہی کہتے ہیں۔چھٹے یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں ثابت نہیں ہوا کہ آپ نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھی ہو۔ساتویں یہ کہ بجز سیدنا عبداللہ ابن عباس کے کسی صحابی سے جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا ثابت نہیں، بلکہ نہ پڑھنا ثابت ہے جیسا کہ ہم فصل اول میں عرض کر چکے ہیں۔

چناچہ فتح القدیر میں ہے۔ولم تثبت القرائۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جنازہ میں قراءت ثابت نہیں۔ بہرحال اس حدیث سے جنازہ میں فاتحہ پڑھنا ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ بالکل مجمل ہے۔جس میں بہت سے احتمالات ہیں۔

اعتراض 2۔

مشکوٰۃ شریف، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ میں بروایت حضرت عبداللہ ابن عباس ہے۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرء علی الجنازۃ بفاتحۃ الکتاب۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ پر سورہ فاتحہ پڑھی۔

معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

جواب : اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ اس کی اسناد میں ابراہیم ابن عثمان واسطی ہے جو محدثین کے نزدیک منکر الحدیث ہے،

چنانچہ ترمذی شریف میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

قال ابو عیسٰی ابن عباس حدیث لیس اسناده بذالك القوی ابراہیم ابن عثمان هو ابو شیبة منکر الحدیث۔

ابو عیسٰی فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن عباس کی یہ حدیث اسناد اقوی نہیں، ابراہیم ابن عثمان منکر الحدیث ہیں۔

دوسرے یہ کہ ابوداؤد نے یہ حدیث نقل نہیں کی بلکہ انہوں نے عبداللہ ابن عباس کی حدیث موقوف نقل فرمائی ہے صاحب مشکوٰۃ غلطی سے ابوداؤد کا نام لے گئے۔ (مرقاۃ) تیسرے یہ کہ اگر یہ حدیث صحیح بھی مان لو تو بھی اس سے جنازہ کے اندر سورہ فاتحہ پڑھنا ثابت نہیں ہوتا ہوسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے آگے یا پیچھے میت کے ایصال ثواب کے لئے سورہ فاتحہ پڑھی، یہاں اس کا بیان ہے چنانچہ اس حدیث کی شرح میں اشعۃ اللمعات میں ہے۔

واحتمال وادر کہ ہر جنازہ بعد ان نماز یا پیش بقصد تبرک خواندہ باشد چنانکہ آلان متعارف است۔

یعنی احتمال یہ بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ سے پہلے یا بعد، جنازہ پر برکت کیلئے پڑھی ہو جیسا کہ اب بھی رواج ہے۔

بہر حال اس حدیث سے جنازہ میں تلاوت فاتحہ کا ثبوت ہرگز نہیں ہوتا تعجب ہے کہ حضرات اہل حدیث ہم لوگوں سے جواز یا استحباب ثابت کرنے کے لئے نہایت کھری صحیح حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں اور خود وجوب ثابت کرنے کیلئے ایسی مجمل اور منکر وضعیف حدیثیں پیش کرتے ہیں اللہ تعالٰی انصاف کی توفیق دے۔

اعتراض 3۔ جب تم نماز جنازہ کو نماز کہتے ہو تو اس میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب مانو۔

حدیث شریف میں ہے۔ لا صلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب (بغیر سورہ فاتحہ کوئی نماز نہیں ہوتی) نماز جنازہ بھی نماز ہے یہ بھی بغیر سورہ فاتحہ نہ ہونی چاہیے۔

جواب :

اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ الزامی تو یہ ہے کہ پھر آپ نماز جنازہ میں رکوع سجدہ بھی کیا کریں، کیونکہ نمازوں میں یہ بھی فرض ہے، تحقیقی جواب یہ ہے کہ نماز جنازہ نہیں بلکہ دعا ہے اسے نماز کہنا صرف اس لئے ہے کہ اس میں نماز کی بعض شرطیں ملحوظ ہیں جیسے وضو قبلہ کو رخ، اگر یہ نماز ہوتی تو اس میں میت کو بھی آگے نہ رکھا جاتا۔

میت کیلئے دعاواستغفار کرنے کابیان:

وَالْاِتْيَانُ بِالدَّعَوَاتِ اسْتِغْفَارٌ لِلْمَيِّتِ وَالْبُدَاءَةُ بِالثَّنَاءِ ثُمَّ بِالصَّلَاةِ سُنَّةُ الدُّعَاءِ ، وَلَا يَسْتَغْفِرُ لِلصَّبِيِّ وَلَكِنْ يَقُولُ :اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا ، وَاجْعَلْهُ لَنَا أَجْرًا وَذُخْرًا ، وَاجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا مُشَفَّعًا.

ترجمہ:

اور دعاؤں کا کرنا میت کیلئے بخشش کا سبب ہے۔اوراس کوثناء کے ساتھ شروع کرنا پھر درود پڑھنا دعا کی سنت ہے۔اوروہ بچے کیلئے استغفار نہ کرے بلکہ یوں کہے"اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا ، وَاجْعَلْهُ لَنَا أَجْرًا وَذُخْرًا ، وَاجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا مُشَفَّعًا"

شرح:

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کوئی جنازہ پڑھتے تو یہ دعا پڑھتے۔

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيرِنَا وَكَبِيرِنَا وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا اللَّهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِيمَانِ .

اللَّهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهُ وَلَا تُضِلَّنَا بَعْدَهُ

اے اللہ! بخش دیجئے ہمارے زندوں کواور مردوں کوحاضر کواور غائب کوچھوٹے کواور بڑے کومرد کواورعورت کویااللہ آپ ہم میں سے جس کوزندہ رکھیں تو سلام پراور موت دیں تو ایمان پراے اللہ ہمیں اس کے اجر سے محروم نہ فرمایئے اوراس کے بعد گمراہ نہ ہونے دیجئے۔(سنن ابن ماجہ)

نماز جنازہ کے بعد دعامانگنے کےشرعی احکام:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:جب تم میت پرنماز(جنازہ) پڑھ چکوتو میت کودعا کیلئے خاص کرلو۔(سنن ابوداؤد،سنن ابن ماجہ،مشکوۃ المصابیح،ج ا،ص ۱۴۶ قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس حدیث میں بڑی وضاحت کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ جب تم کسی مسلمان میت کی نماز جنازہ پڑھ لوتو اس کا جنازہ پڑھ لینے کے بعد اس کیلئے خصوصی طور پر دعا کرو۔اس سے وہ لوگ سبق حاصل کریں جولوگوں کو جنازہ کے بعد دعا مانگنے سے منع کرتے ہیں،ان نادانوں کو چاہیے کہ اپنے مردوں کی مخالفت کرنا اگرکوئی ان کا شیوہ ہے تو کرتے رہیں کم ازکم دوسروں کوتو اس طرح گمراہی کی پٹیاں نہ پڑھائیں۔کتنے بڑے افسوس کی بات ہے کہ نبی کریم ﷺ کی حدیث کی مخالفت کرتے ہوئے لوگوں کودعا سے منع کرتے ہیں۔

مبسوط شمس الائمہ سرخسی جلددوم صفحہ 67 باب غسل المیت میں روایت ہے کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ ایک

جنازے پر بعد نماز پہنچے اورفرمایا۔ان سبقتمولی بالصلوٰۃ علیہ فلا تسبقونی بالدعاء۔
اگرتم نے مجھ سے پہلے نماز پڑھ لی تو دعا میں تو مجھ سے آگے نہ بڑھو یعنی آؤ میرے ساتھ مل کردعا کرلو۔

جولوگ قبرستان جانا یا قبروں کی زیارت کوشرک وبدعت کہتے ہیں انہیں چاہیے کہ جب ان کا کوئی شخص مرجائے تو اس وقت بھی وہ اسے قبرستان میں دفن نہ کریں کیونکہ جب وہ اسے قبرستان لے جائیں گے تو ہوسکتا ہے شرکیہ راستے پر چلنے کی وجہ سے وہ سارے کہیں مشرک نہ ہوجائیں ۔اوراپنی اولادوں کو یہ وصیت کرکے جائیں کہ جب ہم مرجائیں تو ہمیں شرکیہ راستے سے بچا کر کہیں نالوں گٹروں میں پھینک دینا لیکن قبرستان جیسے شرکیہ راستے کی طرف لیکر نہ چلنا۔

حدیث :

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا حضور پرنور سید العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:
کثر الدعاء ۔ الحاکم فی مستدرک عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما وصححہ ورمزالامام السیوطی لصحتہ ۔دعا بکثرت کر۔اسے حاکم نے مستدرک میں اوراسے صحیح کہا۔امام سیوطی نے بھی اس کے صحیح ہونے کانشان (رمز) لگایا۔(المستدرک علی الصحیحین کتاب الدعاء مطبوعہ دارالفکربیروت)

حدیث :فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم :جب تم میں سے کوئی شخص دعا مانگے تو بکثرت کرے کہ اپنے رب سے ہی سوال کررہا ہے۔اسے ابن حبان نے اپنی صحیح میں اورطبرانی نے معجم اوسط میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے بسند صحیح روایت کیا۔(مجمع الزوائد بحوالہ المعجم الاوسط ،باب سؤال العبد حوائجہ ،بیروت)

حدیث :فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم :اکثر من الدعاء فان الدعاء یرد القضاء المبرم ۔ ابوالشیخ عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ ۔دعا بکثرت مانگ کہ دعا قضائے مبرم کوٹال دیتی ہے۔اسے ابوالشیخ نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(کنزالعمال ،بحوالہ ابی الشیخ عن انس رضی اللہ ،بیروت)

حدیث :فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم :لقد بارک اللہ لرجل فی حاجۃ اکثرالدعاء فیہا۔البیہقی فی الشعب والخطیب فی التاریخ عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ ۔بیشک اللہ تعالٰی نے برکت رکھی آدمی کی اس حاجت میں جس میں وہ دعا کی کثرت کرے۔اسے بیہقی نے شعب الایمان میں اورخطیب نے تاریخ میں حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا(شعب الایمان ذکرفصول فی الدعاء مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

حدیث : کثرت دعا سے گھبرا کردعا چھوڑ دینے والے کوفرمایا :ایسے کی دعا قبول نہیں ہوتی ۔فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم :لا یزال یستجاب للعبد مالم یدع باثم اوقطیعۃ رحم مالم یستعجل قیل یارسول اللہ ماالاستعجال یقول قددعوت فلم اریستجیب لی فیستحسر عندذلک ویدع الدعاء ۔مسلم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی

عنہ واصل الحدیث عندالشیخین وابی داؤد والترمذی وابن ماجۃ جمیعاعنہ وفی الباب وغیرہ۔بندے کی دعا قبول ہوتی رہتی ہے جب تک کہ کسی گناہ یا قطع رحم کا سوال نہ کرے اور جب تک کہ جلد بازی نہ کرے۔

عرض کیا یارسول اللہ جلد بازی کیا ہے؟ فرمایا جب بندہ کہنے لگے کہ میں نے بار بار دعا کی، قبول ہوتی نظر نہیں آتی، اُس وقت اُکتا کر چھوڑ دے۔ یہ حدیث امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ اور اصل حدیث بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ سبھی کے یہاں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے موجود ہے اور اس باب میں اس کے علاوہ اور حدیثیں ہیں۔(صحیح مسلم شریف کتاب الذکروالدعاء مطبوعہ نورمحمد اصح المطابع کراچی)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اطلبوا الخیر دھرکم کلہ وتعرضوا النفحات رحمۃ اللّٰہفان للّٰہ نفحات من رحمۃ یصیب بھا من یشاء من عبادہ۔

ہروقت ہر گھڑی عمر بھر خیر مانگے جاؤ اور تجلیات رحمتِ الٰہی کی تلاش رکھو کہ اللہ عزوجل کے لئے اس کی رحمت کی کچھ تجلیاں ہیں کہ اپنے بندوں میں جسے چاہتا ہے پہنچاتا ہے۔

(نوادرالاصول الاصل الرابع والثمانون والمائۃ فی طلب الخیر، مطبوعہ دارصادر بیروت)

ابوبکر بن ابی الدنیا فی الفرج بعد الشدۃ والامام الاجل عارف باللّٰہ سیدی محمد الترمذی فی نوادرالاصول والبیھقی فی شعب الایمان وابونعیم فی حلیۃ الاولیاء عن انس بن مالک وفی الشعب عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہتعالٰی عنھما وتقدم نحوہ للطبرانی فی المعجم الکبیر عن محمد بن مسلمۃ رضی اللّٰہتعالٰی عنہ فی الفتوی الاولی قال العامری حسن صحیح اقول وقولی حسن حسن صحیح لمارایت من تعددٌ طرقہ وقد حسن الشیخ محمد حجازی الشعرانی حدیث المعجم الکبیر۔اسے ابوبکر بن ابی الدنیا نے "الفرج بعد الشدۃ" میں، امام اجل عارف باللہ سیّدی محمد ترمذی نے نوادرالاصول میں، بیہقی نے شعب الایمان میں، ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں انس بن مالک سے اور شعب الایمان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایت کیا۔ اور اسی کے ہم معنی حدیث طبرانی کی معجم کبیر کے حوالے سے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت پہلے بیان میں گزر چکی ہے۔ عامری نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

کتب فقہ کی عبارات سے نماز جنازہ کے بعد دعا کے عدم جواز پر دلائل وجوابات:

چار اعتراض ہیں تین عقلی اور ایک نقلی۔ اس کے سوا اور کوئی اعتراض نہیں۔

اعتراض -:(1) وہی پرانا یاد کیا ہوا سبق کہ یہ دعا بدعت ہے اور ہر بدعت حرام ہے لہٰذا یہ دعا کرنا حرام ہے، شرک ہے، بے دینی ہے۔

جواب :- یہ دعا بدعت نہیں اس کا ثبوت حضور علیہ السلام کے قول و فعل مبارک سے ہو چکا۔ نیز صحابہ کرام کا اس پر عمل رہا۔ فقہاء نے اس کی اجازت دی۔ جیسا کہ اس بحث کے پہلے باب میں گزر گیا۔ اور اگر مان بھی لیا جاوے کی بدعت ہے تو ہر بدعت حرام نہیں ہوتی۔ بلکہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں۔

بدعت کا مفہوم

بدعت کا معنی:

کسی ایسے قول کو وارد کرنا جس کے کرنے والے اور کہنے والے نے صاحب شریعت کی اتباع نہ کی ہو اور نہ اس کو سابقہ شرعی مثالوں سے اور شرعی قواعد سے مستنبط نہ کیا ہو۔ اس کے متعلق حدیث میں ہے کہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں ہے (المفردات ص، ۳۹، مکتبہ مرتضائیہ ایران)

ہر وہ بدعت جو ضلالت و گمراہی ہے اس سے مراد وہ بدعت ہے جس کی شریعت میں اصل موجود نہ ہو۔

فقہاء نے بدعت کی کئی اقسام بیان کی ہیں۔ جن میں سے معروف دو اقسام ہیں۔

بدعت کی اقسام: (۱) بدعت حسنہ (۲) بدعت سیئہ

(۱) بدعت حسنہ:

وہ بدعت جس کی شریعت میں اصل ہو اور یہ نیا کام یا نیا نیک عمل ہو تو ایسی بدعت کو بدعت حسنہ کہتے ہیں۔ ایسی بدعت پر عمل مستحسن بھی ہوتا ہے کہیں واجب بھی ہوتا ہے۔ اس بدعت کا ثبوت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس بات پر اتفاق کرنا کہ نماز تراویح کو جماعت کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ جب حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے اس عمل کو دیکھا تو فرمایا: "**نعم البدعة هذه**" یہ کیا ہی اچھی بدعت ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱، ص ۲۶۹ قدیمی کتب خانہ کراچی)

بخاری شریف کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس بدعت حسنہ پر اتفاق کیا ہے۔ وہ نماز تراویح باجماعت ہے۔

(۱) بدعت حسنہ کا ثبوت:

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اون کے کپڑے پہنے ہوئے کچھ دیہاتی حاضر ہوئے، آپ نے ان کی بدحالی اور ان کی ضرورت کو دیکھا پھر آپ نے لوگوں کو صدقہ کرنے کی ترغیب دلائی، لوگوں نے کچھ دیر کی، جس سے آپ کے چہرہ انور پر کچھ احساس کے آثار ظاہر ہوئے، پھر ایک انصاری درہموں کی تھیلی لیکر آیا پھر دوسرا آیا اور پھر لانے والوں کا تانتا باندھ گیا، حتیٰ کہ نبی کریم ﷺ کے چہرہ انور پر خوشی کے آثار ظاہر ہوئے۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے

مسلمانوں میں کسی نیک طریقہ کی ابتداء کی اور اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا گیا تو اس طریقہ پر عمل کرنے والوں کا اجر بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا۔اور عمل کرنے والوں کے اجر میں کمی نہیں ہوگی۔اور جس نے مسلمانوں میں کسی برے طریقے کی ابتداء کی اور اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا گیا تو اس طریقہ پر عمل کرنے والوں کا گناہ بھی اس شخص کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا اور عمل کرنے والوں کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔(صحیح مسلم، ج ۲، ص ۳۴۱، قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۲) بدعت سیئہ:

ہر وہ بدعت جس کی قرآن وسنت، اجماع وقیاس میں کوئی اصل موجود نہ ہو، ایسی نئی بدعت کو بدعت سیئہ کہتے ہیں جسے شریعت نے گمراہ کہا ہے۔ایسی بدعت پر عمل کرنا گمراہی ہے۔

اس مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر نیا کام بدعت نہیں ہے بلکہ ہر وہ عمل جس کی قرآن وحدیث میں کوئی اصل موجود نہ ہو، وہ بدعت سیئہ ہے۔

بدعت کے مفاہیم واقسام:

بدعت کی پانچ اقسام ہیں۔ان میں سے پہلی قسم واجب ہے اور یہ وہ بدعت ہے جو قواعد وجوب پر مشتمل ہو اور اس کی دلیل شریعت میں موجود ہو جیسے ضائع ہونے کے ڈر سے قرآن مجید اور شریعت کی تدوین۔بے شک ہمارے بعد آنے والوں کے لیے تبلیغ کرنا اجماعاً واجب ہے اور اسے چھوڑ دینا اجماعاً حرام ہے۔اس طرح کی چیزوں کے وجوب میں اختلاف کرنا درست نہیں ہے۔دوسری قسم بدعت محرومہ ہے۔یہ وہ بدعت ہے جس کی دلیل شریعت میں حرام کے قواعد کے مطابق ہو۔جیسے ٹیکس اور ایسے نئے ظالمانہ امور جو کہ قواعد شریعت کے منافی ہوں۔جیسے جہلاء کو علماء پر فوقیت دینا اور شریعت کے کسی ایسے عہدے پر فائز کرنا جو وراثتی طریقے سے اس کے لیے درست نہ ہو اور اس منصب کو اس شخص کے لیے درست قرار دیا جائے جو کہ اس کے باپ کے لیے تھا اور وہ بذات خود اس منصب کا اہل نہ ہو اور تیسری قسم بدعت مستحبہ ہے اور یہ وہ بدعت ہے جو قواعد استحباب پر مشتمل ہو اور شریعت میں اس کی حمایت میں دلائل موجود ہوں جیسا کہ نماز تراویح اور امر صحابہ کے خلاف (مصلحت وخیر کے پیش نظر) حکمرانان وقت، قاضیوں اور اہم منصب داروں کی تصویروں کو آویزاں کرنا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ بے شمار مصالح اور شرعی مقاصد لوگوں کے دلوں میں حکمرانوں کی عظمت ڈالے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے صحابہ کے زمانے میں صحابہ کے دین اور سابق الھجرہ ہونے کی وجہ سے لوگ ان کی تعظیم کرتے تھے پھر نظام درہم برہم ہو گیا اور وہ زمانہ گزر گیا اور نیا زمانہ آ گیا اس زمانہ میں لوگ تصویروں کے بغیر کسی کی عظمت نہیں کرتے تھے لہٰذا تصویروں کی حیثیت کو تسلیم کر لیا گیا۔یہاں تک کہ متعلقہ مصلحتیں حاصل ہو گئیں اور اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود تو جو کی روٹی اور نمک کھایا کرتے تھے جبکہ اپنے عاملین کے لئے آدھی بکری روزانہ مقرر کر رکھی تھی کیونکہ اگر دوسرے عاملین بھی اسی طریقہ پر عمل کرتے جس پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ خود تھے تو وہ عوام الناس کی نظروں میں گر جاتے اور لوگ ان کا احترام نہ کرتے اور ان کی مخالفت پر اتر آتے لہٰذا یہ ضرورت

محسوس ہوئی کہ کسی دوسرے کو کسی اور شکل میں نظام کی حفاظت کے لیے تیار کیا جائے اور اسی طرح جب آپ شام گئے تو آپ نے معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان کو اس حالت میں دیکھا کہ وہ پردہ کیے ہوئے اور پردہ لٹکائے ہوئے تھے اور ان کے پاس خوبصورت سواری اور اعلیٰ رعب دار کپڑے تھے اور آپ اس طرح پیش آتے جس طرح بادشاہ پیش آتے تھے پھر اس کے بارے میں ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا ہم ایسے علاقے میں ہیں جہاں ہمیں اس کی ضرورت ہے۔ لہٰذا سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ نہ میں تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ منع کرتا ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنے احوال کو بہتر جانتے ہو کہ تمہیں اس کی ضرورت ہے کہ نہیں اور اگر ضرورت ہے تو یہ بہتر ہے۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسروں کے نظائر (Precedents)) سے یہ دلیل ملتی ہے کہ ائمہ کے احوال اور امور سلطنت، زمانے، شہروں، صدیوں کے اختلاف سے مختلف ہوتے ہیں۔ اس طرح انہیں حسن معاملات اور حسن سیاسیات میں تنوع کی ضرورت ہوتی ہے تا کہ یہ احوال پرانے نہ ہو جائیں اور بعض اوقات یہ مصلحتیں واجب ہو جاتی ہیں اور چوتھی قسم بدعت مکروہ کی ہے اور یہ وہ ہے جو شریعت اور اس کے قواعد میں سے دلائل کراہت پر مشتمل ہو جیسے بعض فضیلت والے اور بابرکت ایام کو عبادات کے لئے مخصوص کرنا۔ اس کی مثال وہ روایت ہے جسے امام مسلم اور دیگر نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمعہ کے دن روزہ رکھنے اور اسی رات کو قیام کے لئے مختص کرنے کو منع کیا ہے۔ اور اسی طرح اس باب میں محدود مندوبات کو زیادہ کرنا جیسے نمازوں کے بعد تینتیس بار تسبیح کرنا آیا ہے پھر ان کو سو بار کیا جائے، اور اسی طرح زکوٰۃ فطر کے لیے ایک صاع دینا آیا ہے پھر اسے دس صاعات بنا دیا جائے یہ اس وجہ سے ہے کہ ان امور میں زیادتی شارع پر جرات اور اس کی بے ادبی ہے۔ پس عظیم لوگوں کی شان یہ ہے کہ اگر انہیں کسی امر سے روکا جائے تو وہ رک جائیں کیونکہ اس حکم سے سرتابی سوئے ادب ہے۔ لہٰذا واجب میں زیادتی یا واجب پر زیادتی سخت منع ہے۔ کیونکہ اس طرح یہ اعتقاد پہنچتا ہے کہ واجب اور اس پر زیادتی دونوں واجب ہیں۔ جیسا کہ امام مالک نے شوال کے چھ (روزوں کو) ملانے سے منع کیا ہے۔ کہیں ایسا نہ سمجھا جائے کہ یہ بھی رمضان میں سے ہیں اسی طرح امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے کہ ایک آدمی مسجد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں داخل ہوا پھر اس نے فرض نماز ادا کی اور ساتھ ہی کھڑا ہو گیا تا کہ دو رکعتیں (نفل) پڑھے۔ تو اسے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بیٹھ جاؤ۔ یہاں تک کہ تو اپنے فرض اور نفل میں فرق کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسی وجہ سے ہم سے پہلے لوگ ہلاک ہو گئے تو پھر اسے آقا علیہ السلام نے فرمایا اے ابن خطاب اللہ تعالیٰ نے تجھے درست پایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ ہم سے پہلے لوگوں نے نوافل کو فرائض کے ساتھ ملا دیا انہوں نے یہ یقین کر لیا کہ یہ تمام واجبات میں سے ہیں اور یہ شریعت میں تغیر ہے جو کہ اجماعاً حرام ہے اور پانچویں قسم بدعت مباح ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی چیز کی دلیل شریعت کے قواعد وضوابط میں اباحت کے اصولوں کے مطابق ہو جیسا کہ آٹا چھاننے کے لیے چھلنی کا استعمال کرنا اور آثار میں پہلی چیز جو لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ایجاد کی وہ تھی اتخاذ المناخل للدقیق یعنی آٹا چھاننے کے لئے چھلنی کا استعمال کیونکہ زندگی میں لوگوں کی طبیعت میں نرمی ہونا اور اس کی اصلاح کرنا مباحات میں سے ہے اور اس

کے تمام وسائل بھی مباح میں سے ہیں۔(القرافی، انوار البروق فی انوار الفروق، 205 - 202 : 4علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی 711ھ)

بدعت کا گمراہانہ مفہوم:

جس طرح بدعقیدہ لوگوں نے بدعت کا مفہوم معاشرے میں مشہور کر رکھا ہے، اگر اسے تسلیم کر لیا جائے، تو ان گمراہ لوگوں کے مدارس، ان کی تنظیمات، ان کی جماعتیں، ان کے جلسے، ان کے استقبالیہ پروگرام، سالانہ تقریبات، جماعت کیلئے الیکشن، جماعت کیلئے امیر کا، یا صدر کا انتخاب، نصابی کتابیں، فہم قرآن کورسز، سالانہ اجتماع، قرآن کلاس کورسز، سالگرہ کے پروگرام اسی طرح گویا ان کے شب و روز بدعت سیئہ کے گڑھے میں گر جائیں گے۔ حیران کن بات یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی خود ساختہ بدعت کے مطابق سو فیصد تو یہ خود بدعتی ثابت ہو جائیں گے، ان لوگوں نے دوسروں کو بدعت سے کیا بچانا ہے جو خود بدعتی ہیں۔

نام نہاد بدعت کو مٹانے والے:

دور حاضر میں کچھ لوگوں نے خود فریبی میں آ کر بدعت کو مٹانے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے حالانکہ ان بیچاروں کو خود معلوم ہی نہیں کہ بدعت کیا چیز ہوتی ہے۔ بس انتہائی گھبراتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعتی دوزخی ہے۔ ہم نے پوچھا؟ کہ تم لوگ بدعت سے کیا مراد لیتے ہو کہا، جو چیز نبی کریم ﷺ کے دور میں نہ ہو بعد میں ایجاد کر لی گئی ہو وہ بدعت ہے اور گمراہی ہے، ہم نے کہا ذرا یہ بتاؤ کہ نبی کریم ﷺ کے دور اقدس میں یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں قرآن مجید پر اعراب لگا ہوا تھا۔ کہا نہیں، تو ہم نے کہا کہ کیا قرآن کو اعراب سے پڑھنا بھی بدعت و گمراہی ہوا۔ کیونکہ تمہارے نزدیک ہر وہ عمل جو نبی کریم ﷺ کے دور میں نہ ہو وہ بدعت اور گمراہی ہے تو پھر کیا آپ لوگ قرآن پر لگا اعراب کو دنیا سے ختم کر دو گے کیونکہ وہ بدعت ہے۔ ہمارے اس سوال پر نام نہاد تبلیغ کرنے والا مبلغ مبہوت و پریشان ہو گیا۔

اعتراض -:(2) نماز جنازہ میں خود دعا ہے پھر دوبارہ دعا مانگنا جائز نہیں ہے پہلی دعا کافی ہو چکی۔

جواب -: یہ اعتراض بالکل لغو ہے نماز پنجگانہ میں دعا ہے۔ نماز استخارہ۔ نماز کسوف اور نماز استسقاء۔ سب دعا کے لیے ہیں مگر ان سب کے بعد دعا مانگنا جائز بلکہ سنت ہے حدیث پاک میں ہے اکثروالدعاء دعا زیادہ مانگو۔ دعا کے بعد دعا مانگنا زیادہ دعا ہے تیسرے اس لیے کہ یہ تو محض دعا ہے بعض صورتوں میں تو نماز جنازہ کے بعد نماز جنازہ دوبارہ ہوتی ہے اگر میت کے ولی نے نماز نہ پڑھی اوروں نے پڑھ لی تو وہ دوبارہ پڑھ سکتا ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم کا وصال مبارک دوشنبہ کو ہوا اور دفن شریف چہار شنبہ کو (شامی کتاب الصلوۃ باب الامت) اور ان دو روز میں لوگ جماعت جماعت آتے رہے نماز جنازہ ادا کرتے رہے کیونکہ اب تک صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو کہ ولی تھے نہ پڑھی تھی۔ پھر جب آخر دن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھ لی۔ اب تا قیامت کسی کو جائز نہ رہا کہ حضور علیہ السلام پر نماز جنازہ پڑھے (دیکھو شامی باب صلوۃ

الجنازہ بحث ومن احق بالامامت) اب کہو کہ یہ نماز تو دعا تھی۔ وہ ادا ہوگئی۔ یہ دوبارہ نمازیں کیسی ہو رہی ہیں؟ یہ سوال تو ایسا ہے کہ کوئی کہے کہ کھانے کے بعد پانی نہ پیو۔ کیونکہ کھانے میں پانی موجود ہے وہ پانی ہی سے پکا ہے۔

اعتراض -:(3) چونکہ دعا مانگنے کی وجہ سے دفن میں دیر ہوتی ہے اور یہ حرام ہے لہٰذا یہ دعا بھی حرام ہے۔

جواب -:

یہ اعتراض بھی محض لغو ہے اولاً تو اس لیے کہ آپ تو اس دعا کو بہر حال منع کرتے ہیں۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دفن میں دیر ہو تو منع ورنہ نہیں۔ تو بتاؤ کہ اگر ابھی قبر تیار ہونے میں دیر ہے اور نماز جنازہ ہوگئی۔ اب دعا وغیرہ پڑھیں یا کہ نہیں کیونکہ یہاں تاخیر دفن دعا سے نہیں بلکہ تیاری قبر کی وجہ سے ہے دوسرے اس لیے کہ دعا میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔ صرف دو یا تین منٹ۔ مشکل سے خرچ ہوتے ہیں۔ اس قدر غیر محسوس دیر کا اعتبار نہیں اتنی بلکہ اس سے زیادہ دیر تو راستہ میں آہستہ لے جانے اور غسل کا کام آہستہ آہستہ انجام دینے اور قبر کو اطمینان سے کھودنے میں بھی لگ جاتی ہے اگر اس قدر دیر بھی حرام ہو تو لازم ہوگا کہ غسل وکفن دینے والے نہایت بدحواسی سے بہت جلد یہ کام کریں اور قبر کھودنے والے مشین کی طرح جھٹ پٹ قبر کھودیں اور میت کو لے جانے والے انجن کی رفتار بھاگتے ہوئے جاویں اور فوراً پھینک کر آجاویں۔ تیسرے اس لیے کہ ہم پہلے باب میں حوالے دے چکے ہیں کہ دفن سے پہلے اہل میت کو تعزیت کرنا۔ ان کو تسلی وتشفی دینا جائز بلکہ سنت ہے۔ خواہ بعد نماز کرے یا قبل نماز تو تعزیت کے الفاظ کہنے اور تسلی دینے میں بھی دیر لگے گی یا کہ نہیں؟ ضرور لگے گی مگر چونکہ یہ ایک دینی کام کے لیے جائز ہے۔ چوتھے اس لیے کہ ہم ابھی عرض کر چکے کہ حضور علیہ السلام کی وفات شریف دوشنبہ کو اور دفن چہارشنبہ کو ہوا۔ علامہ شامی اسی کتاب الصلوٰۃ باب الامامت میں یہ واقعہ بیان فرما کر فرماتے ہیں۔

وھذہ السنة باقية الى الان لم يدفن خليفة حتى يولى غيره۔

یہ سنت اب تک باقی ہے کہ خلیفہ اس وقت تک دفن نہیں کیا جاتا جب تک کہ دوسرا خلیفہ نہ بن جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دفن میں وہ تاخیر مکروہ ہے جو کہ دنیاوی وجہ سے ہو دینی وجہ سے قدرے جائز ہے کہ خلیفہ بنانا دینی کام ہے۔ اس کی وجہ سے دفن میں دیر کردی اور دعا مانگنا بھی دینی کام ہے۔ اگر کوئی نمازی آخر میں ملے تو وہ دعا پڑھ کر سلام پھیر سکتا ہے۔ لیکن اگر نماز کے بعد فوراً نقش اٹھالی جائے تو یہ شخص دعا پوری نہ کر سکے گا کہ اٹھائے ہوئے جنازے پر نماز نہیں ہوتی۔ لہٰذا دعا بعد جنازہ میں مسبوق نمازیوں کی بھی رعایت ہے۔ اگر اس کے لیے ایک غیر محسوس سی تاخیر ہو تو جائز ہے۔ پانچویں اس لیے کہ دفن میں مطلقاً تاخیر کرنا حرام کہاں لکھا ہے؟ فقہاء فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن میت کا انتقال ہوگیا تو نماز جمعہ کا انتظار نہ کرے بلکہ ممکن ہو قبل جمعہ ہی دفن کرلے یہ نہیں کہتے کہ یہ انتظار کرنا حرام ہے شرک ہے۔ کفر ہے معاذ اللہ۔

اعتراض -:(4) نماز جنازے کے بعد دعا کو فقہاء منع فرماتے ہیں۔ چنانچہ جامع الرموز میں ہے۔

لا یقوم داعیا له نماز کے بعد دعا کے لیے نہ کھڑا رہے۔ ذخیرہ کبریٰ اور محیط میں ہے۔ لا یقوم بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ نماز جنازے کے بعد دعا کے لیے نہ کھڑا رہے۔

عالمگیری میں ہے۔

لایدعوا بعدہ فی ظاہر المذہب۔ اس کے بعد دعا نہ کرے ظاہر مذہب میں۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے۔

ولا یدعوا للمیت بعد صلوٰۃ الجنازۃ ولانہ یشبہ الزیادۃ فی صلوٰۃ الجنازۃ۔ نماز جنازہ کے بعد میت کے لیے دعا نہ کرے کیونکہ یہ نماز جنازہ میں زیادتی کرنے کے مشابہ ہے۔

کشف الغطاء میں ہے کہ قائم نہ شود بعد از نماز برائے دعا۔ "نماز کے بعد دعا کے لیے کھڑا نہ رہے۔

جامع الرموز میں ہے۔

ولا یقوم بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ۔ نماز جنازہ کے بعد دعا کے لیے نہ کھڑا رہے کیونکہ یہ زیادتی کے مشابہ ہے۔

ابن حامد سے مروی ہے۔ ان الدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ مکروہ۔ نماز جنازہ کے بعد دعا مکروہ ہے۔

ان فقہی عبارات سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد دعا وغیرہ ناجائز ہے۔

جواب:-

اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک اجمالی دوسرا تفصیلی، اجمالی جواب تو یہ ہے کہ اس دعا سے ممانعت کی تین وجہیں ہیں۔ اولاً یہ کہ چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے ہو۔ دوم یہ کہ دعائیں زیادہ لمبی نہ ہوں۔ جس سے کہ دفن میں بہت تاخیر ہو۔ اسی لیے نماز جنازہ جمعہ کے انتظار میں دفن میں تاخیر کرنا منع ہے۔ تیسرے یہ کہ اسی طرح صف بستہ بحیثیت نماز دعا کی جاوے کہ دیکھنے والا سمجھے نماز ہو رہی ہے یہ زیادتی کے مشابہ ہے۔ لہٰذا اگر بعد سلام بیٹھ کر یا صفیں توڑ کر تھوڑی دیر دعا کی جاوے تو بلا کراہت جائز ہے یہ وجوہ اس لیے نکالے گئے کہ فقہاء کی عبارتیں آپس میں متعارض نہ ہوں اور یہ اقوال احادیث مذکورہ اور صحابہ کرام کے قول وعمل کے خلاف نہ ہوں۔

تفصیلی جواب یہ ہے کہ عبارات میں سے جامع الرموز، ذخیرہ، محیط، کشف الغطاء کی عبارتوں میں تو دعا سے ممانعت ہے ہی نہیں بلکہ کھڑے ہو کر دعا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ وہ ہم بھی منع کرتے ہیں مرقات اور جامع الرموز میں یہ بھی ہے۔ لانہ یشبہ الزیادۃ یہ زیادتی کے مشابہ ہے۔ یعنی اس دعا سے دھوکا ہوتا ہے کہ نماز جنازہ زیادہ ہوگئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح دعا مانگنا منع ہے جس میں زیادتی کا دھوکا ہو۔ وہ یہ ہی ہے کہ صف بستہ کھڑے کھڑے دعا کریں۔ اگر صف توڑ دی یا بیٹھ گئے تو

حرج نہیں دیکھو۔ جماعت فرض کے بعد حکم ہے کہ لوگ صفوف توڑ کر سنتیں پڑھیں تا کہ کسی کو دھوکا نہ ہو کہ جماعت ہو رہی ہے (دیکھو شامی اور مشکوٰۃ شریف باب السنن) تو اس سے یہ لازم نہیں کہ فرض کے بعد سنتیں پڑھنا ہی منع ہیں بلکہ فرض سے ملا کر پڑھنا منع ہے۔ اسی طرح یہ بھی ہے۔ عالمگیری کی عبارت غلط نقل کی۔ اس کی اصل عبارت یہ ہے۔

ولیس بعد التکبیر الرابعة قبل السلام دعاء۔ چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے کوئی دعا نہیں۔

یعنی نماز جنازہ میں پہلے تین تکبیروں کے بعد کچھ نہ کچھ پڑھا جاتا ہے مگر اس چوتھی تکبیر کے بعد کچھ نہ پڑھا جاوے گا۔ جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے۔ چنانچہ بدائع، کفایہ عنایہ میں ہے۔ لیس بعد التکبیر الرابعة قبل السلام دعاء ابوبکر ابن حامد کی جو عبارت پیش کی گئی یہ قنیہ کی عبارت ہے۔ جو معتزلی وغیر معتبر ہے۔

نماز جنازہ میں بعد ملنے والا جنازہ کیسے پڑھے:

(وَلَوْ كَبَّرَ الْإِمَامُ تَكْبِيرَةً أَوْ تَكْبِيرَتَيْنِ لَا يُكَبِّرُ الْآتِي حَتَّى يُكَبِّرَ أُخْرَى بَعْدَ حُضُورِهِ) عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ .وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ :يُكَبِّرُ حِينَ يَحْضُرُ لِأَنَّ الْأُولَى لِلِافْتِتَاحِ ، وَالْمَسْبُوقُ يَأْتِي بِهِ .وَلَهُمَا أَنَّ كُلَّ تَكْبِيرَةٍ قَائِمَةٌ مَقَامَ رَكْعَةٍ ، وَالْمَسْبُوقُ لَا يَبْتَدِئُ بِمَا فَاتَهُ إِذْ هُوَ مَنْسُوخٌ ، وَلَوْ كَانَ حَاضِرًا فَلَمْ يُكَبِّرْ مَعَ الْإِمَامِ لَا يَنْتَظِرُ الثَّانِيَةَ بِالِاتِّفَاقِ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْمُدْرِكِ .

ترجمہ:

اور اگر امام نے ایک یا دو تکبیریں کہی ہیں تو آنے والا اس وقت تک تکبیر نہ کہے حتیٰ کہ امام اس کے آنے کے بعد کوئی دوسری تکبیر کہے۔ یہ طرفین کے نزدیک ہے جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک وہ آتے ہی رہ جانے والی تکبیر کہے گا۔ کیونکہ پہلی تکبیر افتتاح کیلئے ہے۔ جس کو مسبوق ضرور لاتا ہے۔ جبکہ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ ہر تکبیر رکعت کے قائم مقام ہے۔ اور مسبوق وہاں سے شروع نہیں کرتا جہاں سے وہ فوت ہوئی کیونکہ یہ منسوخ ہو گیا ہے۔ اور اگر کوئی شخص شروع میں ہی حاضر تھا لیکن اس نے امام کے ساتھ تکبیر نہ کہی تو وہ بالاتفاق امام کی دوسری تکبیر کا انتظار نہ کرے۔ کیونکہ مدرک کے مرتبے میں شمار ہوگا

مسبوق ولاحق کی نماز جنازہ کا طریقہ:

ا۔ اگر کوئی شخص ایسے وقت آیا کہ امام پہلی تکبیر کہہ چکا تو انتظار کرے اور جب امام دوسری تکبیر کہے یہ اس کے ساتھ تکبیر کہہ کر نماز میں شامل ہو جائے اور جب امام سلام سے فارغ ہو جائے تو وہ مسبوق جنازہ اٹھنے سے پہلے اپنی فوت شدہ تکبیر کہہ لے اور اگر وہ اس وقت آیا جب امام دو یا تین تکبیریں کہہ چکا ہے تب بھی انتظار کرے اور جب امام تکبیر کہے اس وقت یہ تکبیر کہہ کر شامل ہو جائے اور فوت شدہ تکبیروں کو امام کے سلام کے بعد ادا کرے، اگر امام کی تکبیر کا انتظار نہ کیا اور فوراً شامل ہو گیا تب بھی اس کی نماز درست ہے لیکن امام کے تکبیر کہنے سے پہلے جو کچھ ادا کیا اس کا اعتبار نہیں۔

۲. اگر کوئی شخص ایسے وقت آیا جب امام چاروں تکبیریں کہہ چکا ہے اور ابھی سلام نہیں پھیرا تو اصح یہ ہے کہ تکبیر کہہ کر نماز میں شامل ہو جائے اور امام کے سلام کے بعد جنازہ اٹھنے سے پہلے تین مرتبہ اللہ اکبر کہہ کر سلام پھیر دے کیونکہ وہ چھوتھی تکبیر میں شامل سمجھا جائے گا۔

۳. مسبوق کو اگر اپنی بقیہ تکبیریں کہنے میں یہ خوف ہے کہ درود یا دعا وغیرہ پڑھنے میں اتنا وقت لگے گا کہ لوگ جنازے کو کندھے پر اٹھالیں گے تو صرف تکبیریں کہہ لے اور دعا وغیرہ چھوڑ دے اور جب تک جنازہ کندھوں پر نہ رکھا جائے تکبیریں نہ چھوڑے پوری کرلے اور اگر جنازہ کندھے پر رکھنے تک اس کی تکبیریں پوری نہ ہوئی تو باقی کو چھوڑ دے۔

۴. اگر مسبوق کو یہ معلوم ہو سکے کہ یہ کون سی تکبیر ہے تو وہ بھی وہی مسنون ذکر پڑھے اور اگر کسی طرح یہ معلوم نہ ہو سکے یہ امام کی کون سے تکبیر ہے تو بلترتیب اذکار ادا کرے یعنی پہلے ثنا پھر درود پھر دعا پڑھے۔

۵. لاحق یعنی شروع شامل ہونے کے بعد جس کی بعض تکبیریں درمیان میں رہ گئیں مثلاً پہلی تکبیر میں امام کے ساتھ شامل ہوا پھر کسی دوسری وجہ سے دوسری اور تیسری تکبیر رہ گئی تو وہ امام کی چھوتھی تکبیر سے پہلے ان دونوں کو کہہ لے پھر چھوتھی تکبیر امام کے ساتھ کہے۔

امام کا میت کے سینے کے مقابل کھڑے ہونے کا بیان:

قَالَ (وَيَقُومُ الَّذِي يُصَلِّي عَلَى الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ بِحِذَاءِ الصَّدْرِ) لِأَنَّهُ مَوْضِعُ الْقَلْبِ وَفِيهِ نُورُ الْإِيمَانِ فَيَكُونُ الْقِيَامُ عِنْدَهُ إشَارَةً إلَى الشَّفَاعَةِ لِإِيمَانِهِ .وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يَقُومُ مِنْ الرَّجُلِ بِحِذَاءِ رَأْسِهِ وَمِنْ الْمَرْأَةِ بِحِذَاءِ وَسَطِهَا لِأَنَّ أَنَسًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَعَلَ كَذَلِكَ وَقَالَ :هُوَ السُّنَّةُ .قُلْنَا تَأْوِيلُهُ أَنَّ جِنَازَتَهَا لَمْ تَكُنْ مَنْعُوشَةً فَحَالَ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُمْ .

ترجمہ:

اور نماز پڑھانے والا خواہ مرد کی نماز ہو یا عورت کی نماز ہو وہ سینے کے برابر کھڑا ہو۔ کیونکہ یہی دل کی جگہ ہے اور اسی میں ایمان کا نور ہے۔ لہذا اس کے سامنے کھڑا ہونا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہوگا کہ شفاعت ایمان کی وجہ سے ہے۔ اور امام اعظم علیہ الرحمہ سے ایک روایت ہے کہ مرد کے جنازے میں سر کے برابر کھڑا ہو۔ اور عورت کے درمیان میں کھڑا ہو۔ کیونکہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہی سنت ہے۔ جبکہ ہم کہتے ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ والی روایت کی تاویل یہ ہے کہ عورت کا جنازہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں نعش والا نہ تھا۔ لہذا آپ عورت کے جنازے اور لوگوں کے درمیان حائل ہو جاتے۔

نماز جنازہ میں امام کا میت کے سامنے کھڑے ہونے میں فقہ شافعی وحنفی کا بیان:

حضرت سمرہ بن جندب فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے ایک عورت کے جنازہ کی نماز پڑھی جو حالت نفاس میں انتقال کر گئی تھی چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لیے جنازہ کے درمیان کھڑے ہوئے تھے۔ (بخاری ومسلم)

حضرت نافع رحمۃ اللہ جن کی کنیت ابو غالب ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک جنازہ (یعنی حضرت عبداللہ بن عمر کے جنازہ) کی نماز پڑھی، حضرت انس (جو امام تھے) جنازہ کے سر کے سامنے کھڑے ہوئے اور نماز پڑھائی پھر لوگ قریش کی ایک عورت کا جنازہ لے کر آئے اور کہا اے ابوحمزہ ! (یہ انس کی کنیت ہے) اس جنازہ کی نماز پڑھا دیجئے چنانچہ حضرت انس تخت (کہ جس پر جنازہ تھا) کے درمیانی حصہ کے سامنے کھڑے ہوئے (اور نماز پڑھائی یہ دیکھ کر) علاء بن زیاد نے کہا کہ کیا آپ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (نماز جنازہ میں) اسی طرح کھڑے ہوتے دیکھا ہے جیسا کہ آپ اس عورت کے جنازہ کے درمیان اور مرد کے جنازہ کے سر کے سامنے کھڑے ہوئے تھے؟ یعنی کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی نماز جنازہ پڑھاتے وقت عورت کے جنازہ پر اس کے درمیانی حصہ کے سامنے اور مرد کے جنازہ پر اس کے سر کے سامنے کھڑے ہوتے تھے؟ حضرت انس نے فرمایا ہاں !ابوداؤد نے بھی اس روایت کو کچھ زیادتی کے ساتھ نقل کیا ہے اور ان کی روایت میں فقام حیال وسط السریر کے بجائے فقام عند عجیزۃ المرأۃ (عورت کے جنازہ پر اس کے کولھے کے قریب کھڑے ہوئے) کے الفاظ منقول ہیں۔ (ترمذی وابن ماجہ)

حضرت امام شافعی کا مسلک تو یہ ہے کہ عورت کے جنازہ کی نماز میں امام میت کے کولہوں کے سامنے کھڑا ہو اور مرد کے جنازہ کی نماز میں میت کے سر کے سامنے کھڑا ہو، چنانچہ عورت کی نماز جنازہ کے بارے میں تو حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ کے مسلک کی دلیل یہی حدیث ہے جب کہ مرد کی نماز جنازہ کے بارے میں وہ اپنا مسلک ایک دوسری حدیث سے ثابت کرتے ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ امام میت کے سینہ کے سامنے کھڑا ہو کر خواہ مرد کا ہو یا عورت کا جنازہ ہو۔ اس حدیث کے بارے میں حضرت ابن ہمام رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث میت کے سینہ کے سامنے کھڑے ہونے کی منافی نہیں کیونکہ انسانی جسم اعضاء کے اعتبار سے دراصل سینہ ہی وسط ہے بایں طور کہ سینہ کے اوپر سر اور ہاتھ ہیں اور سینہ کے نیچے پیٹ اور پاؤں ہیں اور ان سب کے درمیان سینہ ہے، نیز یہ احتمال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس موقع پر سینہ کے سامنے کولہوں کی طرف تھوڑا مائل کھڑے ہوں گے اور چونکہ یہ دونوں حصے یعنی سینہ اور کولھے آپس میں بالکل قریب قریب ہیں اس لیے راوی نے یہ گمان کر لیا ہو کہ آپ کولہوں کے سامنے کھڑے تھے۔

شمنی رحمۃ اللہ نے کہا ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ اور حضرت امام ابو یوسف کی روایت بھی یہ ہے کہ عورت کی جنازہ کی نماز میں امام میت کے کولہوں کے سامنے کھڑا ہو۔ واللہ اعلم۔

سواری کی حالت میں نماز جنازہ پڑھنے کا بیان:

(فَإِنْ صَلَّوْا عَلَى جِنَازَةٍ رُكْبَانًا أَجْزَأَهُمْ) فِي الْقِيَاسِ لِأَنَّهَا دُعَاءٌ . وَفِي الِاسْتِحْسَانِ : لَا تُجْزِئُهُمْ لِأَنَّهَا صَلَاةٌ مِنْ وَجْهٍ لِوُجُودِ التَّحْرِيمَةِ فَلَا يَجُوزُ تَرْكُهُ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ احْتِيَاطًا (وَلَا بَأْسَ بِالْإِذْنِ فِي صَلَاةِ الْجِنَازَةِ) لِأَنَّ التَّقَدُّمَ حَقُّ الْوَلِيِّ فَيَمْلِكُ إبْطَالَهُ بِتَقْدِيمِ غَيْرِهِ . وَفِي بَعْضِ النُّسَخِ : لَا بَأْسَ بِالْأَذَانِ : أَيْ الْإِعْلَامِ ، وَهُوَ أَنْ يُعْلِمَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا لِيَقْضُوا حَقَّهُ

ترجمہ:

اگر لوگوں نے حالت سواری میں نماز جنازہ پڑھی تو بمطابق قیاس ان کی نماز جائز ہے۔ اس لئے کہ یہ دعا ہے۔ جبکہ بطور استحسان یہ جائز نہیں ہے کیونکہ تحریمہ کے پائے جانے کی وجہ سے یہ من وجہ نماز ہے اس لئے احتیاطاً عذر کے بغیر اس کا ترک جائز نہیں ہے۔

اور نماز جنازہ کی اجازت میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ امام ہونا ولی کا حق ہے لہذا وہ دوسرے مقدم کو کرتے ہوئے اپنا حق اس کے سپرد کر سکتا ہے۔ اور ہدایہ کے بعض نسخوں میں یہ لکھا ہے کہ نماز جنازہ میں اذن یعنی اعلان میں کوئی حرج نہیں۔ اور اعلان یہ ہے کہ کچھ لوگ دوسروں کو مطلع کر دیں تا کہ وہ میت کا حق ادا کریں۔

شرح:

سواری پر چلتے ہوئے نمازِ جنازہ کے متعلق اگر قیاس پر نظر رکھی جائے تو معلوم ہوگا کہ نمازِ جنازہ سواری پر جائز ہونی چاہیے؛ اس لیے کہ وہ اصل نماز نہیں؛ بلکہ دعا ہے اور دعا ہر حالت میں جائز ہے، اس کے لیے سواری یا پیدل کو کوئی قید نہیں ہے، اس کے برخلاف استحسان کا تقاضا یہ ہے کہ سواری کی حالت میں نمازِ جنازہ نہ ہو؛ اس لیے کہ نمازِ جنازہ میں تکبیر تحریمہ وغیرہ پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے اس کی حیثیت نماز کی ہے؛ لہٰذا اس پر فرض نماز کے احکامات جاری کرنے چاہئیں اور بلا عذر سواری پر نماز جنازہ پڑھنے کی اجازت نہ ہونی چاہیے، اس مسئلہ میں بھی استحسان قیاس کے مقابلہ میں قوی ہے؛ لہٰذا استحسان ہی کو ترجیح دی گئی ہے۔

کیا ایک ہی قبر میں خاوند اور بیوی کو دفن کرنا جائز ہے؟

اکثر شافعی فقہاء اور حنابلہ کا مسلک یہی ہے کہ ایک ہی قبر میں ایک سے زیادہ میت دفن کرنا جائز نہیں. لیکن اگر ضرورت پیش آ جائے کہ شہداء کی کثرت ہو، یا پھر کوئی وبا پھیل جائے، یا آگ لگنے یا غرق ہونے کی بنا پر زیادہ افراد مر جائیں اور ہر ایک

کو علیحدہ قبر میں دفن کرنا مشکل ہو جائے تو اس وقت ایک ہی قبر میں دو یا تین افراد کو دفن کرنا جائز ہے، لیکن مرد کے ساتھ عورت کو زیادہ شدید ضرورت کے بغیر دفن کرنا صحیح نہیں، اور اگر ایسی حالت پیش بھی آ جائے تو دونوں کے درمیان مٹی کی آڑ بنائی جائیگی۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے مقتولوں میں دفن کرتے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو آدمیوں کو ایک ہی کپڑے میں جمع کرتے اور فرماتے ان میں میں زیادہ قرآن کسے یاد ہے؟ جب ان میں سے کسی ایک کی طرف اشارہ کیا جاتا تو لحد میں پہلے اسے اتارتے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " : میں روز قیامت ان کی شہادت دونگا، اور انہیں ان کے خون اور کپڑوں میں ہی دفن کرنے کا حکم دیا، نہ تو انہیں غسل دیا گیا اور نہ ہی ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی "(صحیح بخاری حدیث نمبر، 1343)

ہشام بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے جنگ احد والے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ: اے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم : ہمارے لیے ہر ایک شخص کے لیے علیحدہ قبر کھودنا بہت شدید مشکل ہے، تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " : زیادہ گہری کھودو اور اچھی طرح کھود کر ایک قبر میں دو دو اور تین تین شخص دفن کر دو "صحابہ کرام نے عرض کیا : اے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم لحد میں اتارنے میں مقدم کسے کریں؟ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " : جس نے زیادہ قرآن یاد کیا ہو "راوی کہتے ہیں کہ میرے والد ایک قبر میں تین افراد میں تیسرے تھے "
(سنن نسائی حدیث نمبر(2010) یہ الفاظ نسائی شریف کے ہیں، سنن ترمذی حدیث نمبر(1713) سنن ابو داوُد حدیث نمبر(3215)

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں :

"بغیر کسی ضرورت ایک ہی قبر میں دو مرد اور دو عورتیں دفن کرنا جائز نہیں، سرخسی رحمہ اللہ نے ایسے ہی بیان کیا ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں، اور اکثر کی عبارت یہ ہے کہ : ایک قبر میں دو کو دفن نہیں کیا جائیگا، مصنف کی عبارت جیسی عبارت ہی بیان کی ہے، اور ایک جماعت نے صراحت کی ہے کہ ایک ہی قبر میں دو افراد کو دفن نہ کرنا مستحب ہے لیکن اگر کوئی ضرورت پیش آ جائے اور کسی وبا یا انہدام اور غرق وغیرہ کی بنا پر اموات کی تعداد زیادہ ہو جائیں اور ہر شخص کو ایک قبر میں دفن کرنا مشکل ہو تو پھر دو یا تین یا اس سے زائد افراد کو مذکورہ حدیث کی بنا پر ایک قبر میں حسب ضرورت دفن کرنا جائز ہے۔

ہمارے اصحاب کا کہنا ہے : تو اس حالت میں قبلہ کی جانب پہلے افضل شخص کو مقدم کیا جائیگا، اور اگر مرد، بچہ اور عورت جمع ہو جائیں تو سب سے پہلے مرد کو اور پھر بچے کو اور پھر ہیجڑے کو اور پھر عورت کو رکھا جائیگا۔

ہمارے اصحاب کا کہنا ہے : اور باپ کو والد ہونے کی حرمت کے پیش نظر بیٹے پر مقدم کیا جائیگا، چاہے بیٹا افضل ہو، اور ماں کو بیٹی پر مقدم کیا جائیگا، اور عورت اور مرد کو ایک ہی قبر میں نہیں جمع کیا جا سکتا، لیکن شدید قسم کی ضرورت کے پیش نظر ایسا کیا

جاسکتا ہے، اوراس وقت دونوں کے درمیان مٹی کی آڑ بنائی جائیگی، اس میں کوئی اختلاف نہیں، اور مرد کو پہلے قبر میں رکھا جائیگا چاہے وہ بیٹا ہی کیوں نہ ہو "(المجموع للنووی (5 ، 247)

اور بعض اہل علم کہتے ہیں کہ :ایک قبر میں ایک شخص سے زیادہ افراد کو دفن کرنا صرف مکروہ ہے، مالکیہ کا مسلک یہی ہے، اورامام احمد سے بھی ایک روایت یہی ملتی ہے،(الانصاف (2 ، 551) شرح الخرشی (2 ، 134)

ور دوسرے علماء عدم کراہت کا مسلک رکھتے ہوئے کہتے ہیں :ایسا کرنا صرف افضلیت کو ترک کرنا ہے۔

شیخ ابن عثیمین کہتے ہیں۔

"میرے نزدیک راجح واللہ اعلم درمیانہ قول ہے، اور وہ کراہت کا قول ہے، جیسا کہ ابن تیمیہ نے اختیار کیا ہے، لیکن اگر پہلا شخص قبر میں دفن ہو چکا ہو، اور اپنی قبر میں ٹھرا اور استقرار پا چکا ہو تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے، تو اس وقت دوسرا شخص اس میں داخل نہیں کیا جائیگا لیکن بہت شدید ضرورت کے وقت ایسا ہو سکتا ہے۔(الشرح الممتع (5 ، 369)

جماعت والی مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھائی جائے:

(وَلَا يُصَلَّى عَلَى مَيِّتٍ فِي مَسْجِدِ جَمَاعَةٍ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "(مَنْ صَلَّى عَلَى جِنَازَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَلَا أَجْرَ لَهُ) " وَلِأَنَّهُ بُنِيَ لِأَدَاءِ الْمَكْتُوبَاتِ ، وَلِأَنَّهُ يُحْتَمَلُ تَلْوِيثُ الْمَسْجِدِ ، وَفِيمَا إذَا كَانَ الْمَيِّتُ خَارِجَ الْمَسْجِدِ اخْتِلَافُ الْمَشَايِخِ رَحِمَهُمُ اللَّهُ .

ترجمہ

اور کسی بھی مسجد جس میں جماعت ہوتی ہو اس میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی اس کیلئے کوئی ثواب نہیں۔ کیونکہ مسجد ادائے فرض کیلئے بنائی گئی ہے۔ اور یہ بھی وجہ ہے کہ اس میں مسجد کے آلودہ ہونے کا احتمال ہے۔ اور جب میت مسجد سے باہر ہو اس میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے۔

مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا مسئلہ:

ہدایہ میں لکھا ہے کہ مسجد میں جو جماعت پنجگانہ کے لیے بنائی گئی ہو جنازہ کی نماز نہ پڑھی جائے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص مسجد میں میت پر نماز پڑھے گا تو اسے ثواب نہیں ملے گا۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ خلاصہ میں لکھا ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے خواہ جنازہ اور نمازی دونوں مسجد میں ہوں خواہ جنازہ مسجد کے اندر ہو اور سب نمازی یا تھوڑے نمازی مسجد کے باہر ہوں۔ ہاں البتہ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں مکروہ نہیں ہے جب کہ جنازہ مسجد سے باہر رکھا ہوا ہو۔ پھر اس کے بعد کراہت کے بارے میں بھی علماء کے اختلافی اقوال ہیں بعض حضرات تو کہتے ہیں کہ کراہت تحریمی ہے۔ جب کہ بعض حضرات کا قول ہے کہ کراہت تنزیہی ہے۔

حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمن کہتے ہیں کہ جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا (اور ان کا جنازہ ان کے مکان سے بقیع میں دفن کے لیے لایا گیا) تو حضرت عائشہ نے فرمایا کہ ان کا جنازہ مسجد میں لاؤ تا کہ میں بھی نماز پڑھ سکوں لوگوں نے اس سے انکار کیا (کہ مسجد میں جناز کی نماز کیسے پڑھی جا سکتی ہے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ خدا کی قسم ! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیضا کے دونوں سہیل اور ان کے بھائی کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی ہے۔ (مسلم)

سہیل کے بھائی کا نام سہل تھا اور ان دونوں کی ماں کا نام بیضاء تھا۔

مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو اس حدیث کے پیش نظر جنازہ کی نماز مسجد میں پڑھی جا سکتی ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے۔ حضرت امام اعظم کی دلیل بھی یہی حدیث ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کہنے پر صحابہ نے اس بات سے انکار کر دیا کہ سعد ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا جنازہ مسجد میں لایا جائے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معمول نہیں تھا کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھتے ہوں بلکہ مسجد ہی کے قریب ایک جگہ مقرر تھی جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز جنازہ پڑھا کرتے تھے۔ پھر یہ کہ اس کے علاوہ ابوداؤد میں ایک حدیث بھی بایں مضمون منقول ہے کہ جو شخص مسجد میں نماز جنازہ پڑھے گا اسے ثواب نہیں ملے گا۔

جہاں تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس ارشاد کا تعلق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد میں سہیل اور ان کے بھائی کی نماز جنازہ پڑھی ہے تو اس کے بارے میں علماء لکھتے ہیں کہ ایسا آپ نے عذر کی وجہ سے کیا کہ اس وقت یا تو بارش ہو رہی تھی یا یہ کہ آپ اعتکاف میں تھے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد ہی میں نماز جنازہ ادا فرمائی، چنانچہ ایک روایت میں اس کی صراحت بھی کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ اعتکاف میں تھے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی۔

پیدائش میں استہلال کے اعتبار کا حکم شرعی:

(وَمَنْ اسْتَهَلَّ بَعْدَ الْوِلَادَةِ سُمِّيَ وَغُسِّلَ وَصُلِّيَ عَلَيْهِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (إذَا اسْتَهَلَّ الْمَوْلُودُ صُلِّيَ عَلَيْهِ ، وَإِنْ لَمْ يَسْتَهِلَّ لَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ) " وَلِأَنَّ الِاسْتِهْلَالَ دَلَالَةُ الْحَيَاةِ فَتَحَقَّقَ فِي حَقِّهِ سُنَّةُ الْمَوْتَى (وَإِنْ لَمْ يَسْتَهِلَّ أُدْرِجَ فِي خِرْقَةٍ) كَرَامَةً لِبَنِي آدَمَ (وَلَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ) لِمَا رَوَيْنَا ، وَيُغَسَّلُ فِي غَيْرِ الظَّاهِرِ مِنْ الرِّوَايَةِ لِأَنَّهُ نَفْسٌ مِنْ وَجْهٍ ، وَهُوَ الْمُخْتَارُ

ترجمہ

اور جس بچے نے پیدا ہونے کے بعد روتے ہوئے آواز نکالی۔ اسے غسل بھی دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی

جائے گی کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب بچہ رونے کی آواز نکالے تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے۔اور اس نے رونے کی آواز نہ نکالی تو اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے کیونکہ اس کا رونا اس کی زندگی کی دلیل ہے۔لہذا اس کے حق میں فوت ہونے والوں کا طریقہ ثابت ہوگیا۔اور جو بچہ نہ رویا ہوا سے بنی آدم کی عزت کے پیش نظر ایک کپڑے میں لپیٹ دیا جائے اور اس پر نماز نہ پڑھی جائے۔اسی حدیث کی بناء کو ہم بیان کر چکے ہیں۔جبکہ غیر ظاہر الروایۃ کے مطابق اس کو غسل بھی دیا جائے۔کیونکہ من وجہ تو وہ بھی جان ہے اور اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔

شرح:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (ناتمام) بچہ کی نہ تو نماز پڑھی جائے اور نہ اسے کسی کا وارث قرار دیا جائے اور نہ ہی اس کا کوئی وارث ہو بشرطیکہ پیٹ سے باہر آتے وقت اس کی آواز نہ نکلے (یعنی اس وقت اس میں زندگی کے آثار نہ پائے جائیں جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے) اس روایت کو ترمذی رحمۃ اللہ اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے مگر ابن ماجہ نے اپنی روایت میں لا یورث نقل نہیں کیا ہے۔(سنن ابن ماجہ)

حکم جنازہ میں بچے کو خیر کے تابع کیا جائے گا:

(وَإِذَا سُبِيَ صَبِيٌّ مَعَ أَحَدِ أَبَوَيْهِ وَمَاتَ لَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ) لِأَنَّهُ تَبَعٌ لَهُمَا (إلَّا أَنْ يُقِرَّ بِالْإِسْلَامِ وَهُوَ يَعْقِلُ) لِأَنَّهُ صَحَّ إسْلَامُهُ اسْتِحْسَانًا (أَوْ يُسْلِمَ أَحَدُ أَبَوَيْهِ) لِأَنَّهُ يَتْبَعُ خَيْرَ الْأَبَوَيْنِ دِينًا (وَإِنْ لَمْ يُسْبَ مَعَهُ أَحَدُ أَبَوَيْهِ صُلِّيَ عَلَيْهِ) لِأَنَّهُ ظَهَرَتْ تَبَعِيَّةُ الدَّارِ فَحُكِمَ بِالْإِسْلَامِ كَمَا فِي اللَّقِيطِ .

ترجمہ:

اور جب کوئی بچہ اپنے والدین میں سے کسی ایک ساتھ قید ہوا اور پھر وہ مر گیا تو اس کا جنازہ نہیں پڑھا جائے گا۔کیونکہ وہ بچہ اپنے والدین کے تابع ہے۔مگر جب وہ سمجھداری کی حالت میں اقرار کرے۔لہذا اس کا اسلام استحسانا درست ہوگا۔یا اس کے والدین میں کسی ایک نے اسلام قبول کرلیا۔کیونکہ وہ دین کے اعتبار سے والدین میں بہترین دین والے کے تابع ہے اور اگر اس بچے کے والدین میں سے کوئی ایک بھی قید نہ ہوا تو تب اس پر جنازہ پڑھا جائے گا۔کیونکہ دار الاسلام کے تابع ہونا اس کے حق میں ظاہر ہوگیا۔لہذا اسلام کا حکم دیا جائے گا۔جس طرح لقیط کے بارے میں ہوتا ہے۔

شرح: اگر کسی شخص کے والدین میں سے ایک کتابی ہو اور دوسرا مجوسی ہو تو اس شخص کا نکاح اور ذبیحہ حلال ہے اور وہ شخص کتابی ہوگا۔حالانکہ قاعدہ کا تقاضہ یہ ہے کہ مجوسی جو جانب حرمت ہے اس کا اعتبار کیا۔لیکن علمائے احناف فرماتے ہیں کہ یہاں اس شخص کو کتابی کے تابع کیا جائے گا کیونکہ مجوسی کتابی سے زیادہ شر (برا) ہے لہذا بیٹا کتابی کے تابع ہوگا کیونکہ اگر اس کے بچپن پر حکم لگایا جائے تو ''کل مولود علی فطرۃ'' کے مطابق بھی اسے خیر کے تابع کرنا چاہیے۔

مسلم ولی اپنی کافر میت کو غسل، کفن اور دفن بھی کرے گا:

(وَإِذَا مَاتَ الْكَافِرُ وَلَهُ وَلِيٌّ مُسْلِمٌ فَإِنَّهُ يُغَسِّلُهُ وَيُكَفِّنُهُ وَيَدْفِنُهُ) بِذَلِكَ أُمِرَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي حَقِّ أَبِيهِ أَبِي طَالِبٍ ، لَكِنْ يُغَسَّلُ غُسْلَ الثَّوْبِ النَّجِسِ وَيُلَفُّ فِي خِرْقَةٍ وَتُحْفَرُ حُفَيْرَةٌ مِنْ غَيْرِ مُرَاعَاةِ سُنَّةِ التَّكْفِينِ وَاللَّحْدِ ، وَلَا يُوضَعُ فِيهَا بَلْ يُلْقَى .

ترجمہ:

اور جب کوئی کافر شخص فوت ہوا تو اس کا ولی اس کو غسل وکفن دے اور اسے دفن بھی کرے۔ کیونکہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو ان کے والد کے حق میں اسی طرح حکم دیا گیا تھا۔ مگر اس کو غسل اس طرح دیا جائے جس طرح کسی نجس کپڑے کو دھویا جاتا ہے۔ اور سنت کفن ولحد کی رعایت کیے بغیر اسے ایک کپڑے میں لپیٹ دیا جائے۔ اور نہ ہی اس میں رکھا جائے بلکہ اس میں ڈال دیا جائے۔

کافر میت کے کفن وغسل کا حکم:

علامہ حصکفی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ مسلمان اپنے قرابت دار جیسے ماموں (کافر اصلی کو) غسل وکفن دفن کرے، رہا مرتد تو اسے کسی گڑھے میں کتے کی طرح دبا دے (ضرورت کے وقت) تو اگر اس کا کوئی اور قرابت دار ہے تو بہتر یہ ہے کہ انھیں دے دے (بغیر رعایت سنت کے غسل اور کفن دفن کرے) تو کسی ناپاک کپڑے کی طرح دھوئے اور کسی چیتھڑے میں لپیٹ کر کسی گھڑے میں ڈال دے۔ (درمختار، باب صلوۃ الجنائز، مطبع مجتبائی دھلی)

علامہ سید طحطاوی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ اسے کسی ناپاک کپڑے کی طرح دھوئے اور کسی معمولی کپڑے میں کفن دے کر کسی گڑھے میں مردار کی طرح ڈال دے تاکہ حق قرابت کی رعایت ہو جائے یا قرابت دار اس کے اہل مذہب کو دے دے اور خود دور سے جنازے کے پیچھے چلا جائے، اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مرتد کو غسل کے لئے کسی کو نہ دے اس لئے کہ اس سے کوئی رشتہ وتعلق نہیں تو کتے کی طرح کسی گڑھے میں ڈال دے گا۔

(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح فصل السلطان احق بصلوة)

فصل فی حمل الجنازة

﴿یہ فصل جنازہ اٹھانے کے بیان میں ہے﴾

جنازے کی چارپائی اٹھانے کا بیان:

(وَإِذَا حَمَلُوا الْمَيِّتَ عَلَى سَرِيرِهِ أَخَذُوا بِقَوَائِمِهِ الْأَرْبَعِ) بِذَلِكَ وَرَدَتْ السُّنَّةُ ، وَفِيهِ تَكْثِيرُ الْجَمَاعَةِ وَزِيَادَةُ الْإِكْرَامِ وَالصِّيَانَةِ ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ :السُّنَّةُ أَنْ يَحْمِلَهَا رَجُلَانِ :يَضَعُهَا السَّابِقُ عَلَى أَصْلِ عُنُقِهِ ، وَالثَّانِي عَلَى أَعْلَى صَدْرِهِ ،لِأَنَّ جِنَازَةَ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ هَكَذَا حُمِلَتْ .قُلْنَا : كَانَ ذَلِكَ لِازْدِحَامِ الْمَلَائِكَةِ .

ترجمہ:

اور جب لوگ میت کو چارپائی پر اٹھائیں تو اس کے چار پایوں کو پکڑ لیں ۔سنت میں یہی طریقہ بیان ہوا ہے ۔اسی میں جماعت کی کثرت ہے اوراسی میں میت کی عزت میں اضافہ ہے۔اور حفاظت ہے۔اور امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا کہ سنت یہ ہے کہ میت کو دو مرد اٹھائیں۔ پہلا آدمی جنازہ کو اپنی گردن کی جڑ پر رکھے جبکہ دوسرا شخص اس کو اپنے سینے پر رکھ لے۔اس لئے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا جنازہ بھی اسی طرح اٹھایا گیا تھا۔ہم کہتے ہیں کہ یہ اس وجہ سے تھا کہ فرشتوں کا ہجوم اس میں زیادہ تھا۔

شرح:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان کے جنازہ کے ساتھ مومن ہونے کی حیثیت سے (یعنی فرمان شریعت پر عمل کرنے کی غرض سے) اور طلب ثواب کی خاطر جائے اور جنازہ کے ساتھ ساتھ رہے یہاں تک کہ اس کی نماز جنازہ پڑھے اور اس کی تدفین سے فراغت پائے تو وہ شخص دو قیراط ثواب لے کر واپس ہوتا ہے جس میں سے ہر قیراط احد پہاڑ کے برابر ہے اور جو شخص صرف جنازہ کی نماز پڑھ کر آجائے اور تدفین میں شریک نہ ہو تو وہ ایک قیراط ثواب لے کر واپس ہوتا ہے۔(بخاری ومسلم)

حدیث سعد کی سند میں ضعف کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔امام نووی شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ تربیع (یعنی بندوں کا جنازہ اٹھانا) افضل ہے۔اس عمودین کے بارے میں جو امام شافعی علیہ الرحمہ کے مؤقف کی حدیث بیان کی گئی ہے۔امام الحرمین کہتے ہیں کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔اور ضعیف ہے۔اور امام نووی علیہ الرحمہ نے کہا یہ شاذ اور مردود ہے۔(البنایہ شرح

الہدایہ،ج ۳،ص،۵۱۵،حقانیہ ملتان)

جنازہ کو جلدی مگر درمیانی چال کے ساتھ لیکر چلنا:

(وَيَمْشُونَ بِهِ مُسْرِعِينَ دُونَ الْخَبَبِ) " لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ حِينَ سُئِلَ عَنْهُ قَالَ : مَا دُونَ الْخَبَبِ " (وَإِذَا بَلَغُوا إلَى قَبْرِهِ يُكْرَهُ أَنْ يَجْلِسُوا قَبْلَ أَنْ يُوضَعَ عَنْ أَعْنَاقِ الرِّجَالِ) لِأَنَّهُ قَدْ تَقَعُ الْحَاجَةُ إلَى التَّعَاوُنِ وَالْقِيَامُ أَمْكَنُ مِنْهُ

ترجمہ:

اور دوڑنے کے سوا جنازہ کو جلدی لیکر چلیں۔ کیونکہ جس وقت رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: دوڑنے کے سوا (جلدی لیکر چلیں)۔ اور جب اس کی قبر تک پہنچ جائیں تو جنازہ اتارنے سے پہلے بیٹھنا مکروہ ہے۔ کیونکہ جنازہ میں مدد کی ضرورت پڑسکتی ہے۔ اور حالت قیام میں مدد زیادہ کی جاسکتی ہے۔

جنازہ لے کر جلدی چلنا چاہئے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جنازہ لے کر جلدی چلو، کیونکہ اگر وہ جنازہ نیک (آدمی کا) ہے تو (اس کے لیے) بھلائی ہے لہٰذا اسے نیکی و بھلائی کی طرف (جلد) پہنچادو اور اگر وہ ایسا نہیں ہے تو برا ہے لہٰذا اسے (جلد سے جلد) اپنی گردنوں سے اتار کر رکھ دو۔ (بخاری و مسلم)

جنازہ لے کر جلدی چلو کا مطلب یہ ہے کہ جب دفن کرنے کے لیے جنازہ کو لے کر چلو تو جلدی جلدی چلو، آہستہ آہستہ قدم نہ اٹھاؤ لیکن جلدی سے دوڑنا مراد نہیں ہے بلکہ متوسط چال مراد ہے کہ قدم جلد جلد اٹھیں اور پاس پاس رکھے جائیں جس کا حاصل یہ ہے کہ جنازہ لے کر چلنے کی چال معمولی چال سے تو بڑھی ہوئی ہو اور دوڑنے سے کم ہو۔

اگر وہ جنازہ نیک آدمی کا ہے الخ یہ جلدی چلنے کا فائدہ بیان کیا جارہا ہے کہ تم جس شخص کا جنازہ لے کر چل رہے ہو اگر اس کی زندگی اچھے احوال اور اچھے اعمال کے ساتھ گزری ہے تو اسے جلد جلد لے کر چلو تا کہ وہ آخرت کے ثواب اور حق تعالیٰ کی رحمت تک جلد سے جلد پہنچ جائے اور اگر وہ جنازہ کسی ایسے شخص کا ہے جس کی زندگی برے احوال اور برے اعمال کے ساتھ گزری ہے تو بھی جلد جلد چلو تا کہ برے کو جلد اپنے کاندھوں سے اتار پھینکو۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب جنازہ تیار کیا جاتا ہے اور لوگ اسے اپنی گردنوں پر اٹھاتے ہیں تو اگر وہ جنازہ نیک بخت (آدمی کا) ہوتا ہے تو اپنے لوگوں سے کہتا ہے کہ (مجھے میری منزل کی طرف) جلد لے چلو اور اگر بدبخت (آدمی کا) جنازہ ہوتا ہے تو اپنے لوگوں سے کہتا ہے کہ ہائے افسوس! مجھے کہاں لئے جاتے ہو! جنازہ کی اس آواز کو سوائے انسان کے ہر چیز سن سکتی ہے، اگر انسان اس آواز کو سن لے تو بے ہوش ہوکر گر پڑے یا

مرجائے۔

نیک بخت یعنی مومن جب مرتا ہے اور اس کا جنازہ تیار ہو جاتا ہے تو چونکہ جنت کی نعمتیں اور حق تعالیٰ کی رحمتیں دیکھتا ہے اس لیے اپنے آپ کو جلدی لے چلنے کے لیے کہتا ہے اس کے برخلاف جب بد بخت انسان موت کی گود میں پہنچ جاتا ہے اور اس کا جنازہ تیار کیا جاتا ہے تو چونکہ وہ عذاب کو سامنے دیکھتا ہے اس لیے واویلا کرتا ہے اور اپنے لوگوں سے کہتا ہے کہ مجھے عذاب کی طرف کیوں لے جارہے ہو۔

علماء لکھتے ہیں کہ مردہ اس وقت حقیقتا کلام کرتا ہے اگر چہ اس کی روح نکل چکی ہوتی ہے فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ انسان اس کی آواز کی ساعت نہیں کرسکتا جب کہ دوسری مخلوقات اس کی آواز سنتی ہیں، اور یہ چیز کوئی غیر ممکن نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ مردہ اپنی قبر میں سوال و جواب کے لیے زندہ کیا جاتا ہے۔

جنازہ کے پیچھے چلنا بہتر ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنازہ متبوع ہے اور وہ شخص تابع نہیں جو اس سے آگے بڑھ گیا۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

جنازے کو اٹھانے کا طریقہ:

قَالَ :وَكَيْفِيَّةُ الْحَمْلِ أَنْ تَضَعَ مُقَدَّمَ الْجِنَازَةِ عَلَى يَمِينِك ثُمَّ مُؤَخَّرَهَا عَلَى يَمِينِك ثُمَّ مُقَدَّمَهَا عَلَى يَسَارِك ثُمَّ مُؤَخَّرَهَا عَلَى يَسَارِك إيثَارًا لِلتَّيَامُنِ ، وَهَذَا فِي حَالَةِ التَّنَاوُبِ

ترجمہ:

اور جنازے کو اٹھانے کا طریقہ یہ ہے کہ اور وہ میت کو اگلے سرے سے اپنے دائیں کندھے پر رکھے اور پھر اس کے پچھلے سرے کو اپنے دائیں کندھے پر رکھیں اور پھر اس کے پچھلے سرے کو اپنے بائیں کندھے پر رکھے اور پھر دائیں جانب کو ترجیح دیتے ہوئے۔ اور اسی طرح بار بار کرنے کی صورت میں ہوگا۔

جنازہ کو کاندھا دینا میت کے حق کی ادائیگی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو شخص جنازے کے ساتھ جائے اور اٹھائے اس کو پس تحقیق ادا کیا حق اس کا جو اس پر تھا۔ (ترمذی) اور کہا یہ حدیث غریب ہے تحقیق روایت کی شرح السنۃ میں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سعد بن معاذ کا جنازہ دو لکڑیوں کے درمیان اٹھایا۔

فصل فی الدفن

﴿یہ فصل میت کودفن کرنے کے بیان میں ہے﴾

میت کے کیلئے قبر بنانے کابیان:

(وَيُحْفَرُ الْقَبْرُ وَيُلْحَدُ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "(وَاللَّحْدُ لَنَا وَالشَّقُّ لِغَيْرِنَا) " (وَيُدْخَلُ الْمَيِّتُ) مِمَّا يَلِي الْقِبْلَةَ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ ، فَإِنَّ عِنْدَهُ يُسَلُّ سَلًّا لِمَا رُوِيَ "(أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ سُلَّ سَلًّا). " وَلَنَا أَنَّ جَانِبَ الْقِبْلَةِ مُعَظَّمٌ فَيُسْتَحَبُّ الْإِدْخَالُ مِنْهُ ، وَاضْطَرَبَتْ الرِّوَايَاتُ فِي إِدْخَالِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ .

ترجمہ

اور قبر لحد بنائی جائے ۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہمارے لئے لحد ہے ۔ اور دوسروں کیلئے شق ہے ۔ اور میت کو اس طرف سے داخل کیا جائے جو قبلہ سے ملی ہوئی ہو ۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک میت کا پائنتی کی طرف داخل کیا جائے ۔ کیونکہ یہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اسی طرح سل کر کے داخل کیے گئے ۔ جبکہ ہماری دلیل یہ ہے کہ جانب قبلہ معظم ہے ۔ لہذا اس کی طرف سے داخل کرنا مستحب ہے ۔ اور رسول اللہ ﷺ کو قبر میں داخل کرنے میں مروی روایات میں اضطراب ہے ۔

شرح:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لحد یعنی بغلی قبر، ہمارے لیے ہے اور شق (یعنی صندوقی قبر) دوسروں کے لیے ہے ۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، اور امام احمد نے اس روایت کو جریر بن عبداللہ سے نقل کیا ہے)۔

علماء نے اس حدیث کے کئی معنی بیان کیے ہیں لیکن زیادہ صحیح معنی یہ ہیں کہ لحد یعنی بغلی قبر ہم انبیاء کی جماعت کے لیے ہے اور شق یعنی صندوقی قبر جماعت انبیاء کے علاوہ دوسروں کے لیے جائز ہے گویا لحد کی فضیلت بیان کی جارہی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بغلی قبر کی نسب جماعت انبیاء علیہم السلام کی طرف کر کے اس کی فضیلت اور اولیت کا اظہار فرمایا جارہا ہے ۔

قبر شق کی تعریف:

شق کی تعریف یہ ہے کہ قبر کے بیچ میں نہر کی طرح ایک لمبا گڑھا کھودا جائے جس کے دونوں کنارے کچی اینٹوں یا کسی اور چیز سے بنادیں اور اس میں میت کو رکھ کر اوپر سے چھت کی طرح بند کردیں ۔ ایسا ہی معراج الدرایۃ میں ہے ۔

(فتاوی ہندیة ،الفصل السادس فی القبر و الدفن ،نورانی کتب خانه پشاور)

قبر لحد کی تعریف:

لحد قبر میں قبلہ کی طرف بنائے گئے اس گھڑے کو کہتے ہیں جس میں مردہ رکھا جاتا ہے جس قبر میں ایسا گڑھا بنایا جاتا ہے اسے بغلی قبر کہتے ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغلی قبر بنانا مستحب ہے۔

حضرت ابن ہمام فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک قبر میں لحد بنانا سنت ہے بشرطیکہ کوئی مجبوری نہ ہو یعنی اگر زمین نرم ہو اور لحد بنانے سے قبر کے بیٹھ جانے کا اندیشہ ہو تو پھر قبر میں لحد نہ بنائی جائے بلکہ صندوقی قبر بنائی جائے۔
(فتح القدیر، ج ۲،ص، بیروت)

حضرت عامر بن سعد بن ابی وقاص روایت کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے اپنی اس بیماری میں کہ جس میں ان کی وفات ہوئی فرمایا کہ مجھے دفن کرنے کے لیے لحد بنانا اور مجھ پر کچی اینٹیں کھڑی کرنا جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کیا گیا تھا۔(مسلم)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ارشاد مجھ پر کچی اینٹیں کھڑی کرنے کا مطلب یہ ہے میری لحد کو کچی اینٹوں سے بند کرنا۔علماء لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کی لحد کو نو اینٹوں سے بند کیا گیا تھا۔

میت کو جانب قبلہ قبر میں داخل کیا جائے:

علامہ حصکفی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ہمارے نزدیک مستحب یہی ہے کہ میت کو قبلہ کی طرف سے قبر میں لے جائیں۔
(درمختار، باب صلوۃ الجنائز ،مطبع مجتبائی دہلی)

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ میت کو قبر میں اتارنے سے متعلق روایات میں اضطراب ہے۔چنانچہ درج ذیل روایات بیان کی جاتی ہیں۔

میت کو قبر میں کس طرح اتارا جائے؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (قبر میں اتارتے وقت) سر کی طرف اتارا گیا۔(شافعی)

اس کی صورت یہ تھی کہ جنازہ قبر کے پائنتی رکھا گیا پھر آپ کو سر مبارک کی طرف سے اٹھا کر قبر میں اتارا گیا چنانچہ حضرت امام شافعی کے ہاں میت کو اسی طریقہ سے قبر میں اتارا جاتا ہے۔

احناف کے نزدیک اس سلسلہ میں مسنون طریقہ یہ ہے کہ جنازہ قبر کے قبلہ والی جانب رکھا جائے اور وہاں سے میت کو اٹھا کر قبر میں رکھا جائے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میت کو اسی طریقہ سے قبر میں اتارا کرتے تھے جیسا کہ اگلی حدیث سے واضح ہوگا۔

جہاں تک مذکورہ بالا روایت کا تعلق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس طریقہ سے قبر میں کیوں اتارا گیا؟ تو اس کی وجہ یہ تھی کہ حجرۂ شریفہ میں اتنی وسعت نہ تھی کہ آپ کو قبلہ کی طرف سے قبر میں اتارا جاتا کیونکہ آپ کی قبر حجرہ کی دیوار سے ملی ہوئی ہے حنفیہ کی طرف سے اس کا ایک جواب یہ بھی دیا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبر میں اتارنے کی کیفیت مضطرب منقول ہے یعنی یہاں اس روایت میں تو یہ بتایا جارہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سر کی طرف سے قبر میں اتارا گیا تھا جب کہ ابوداؤد کی ایک روایت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبر میں قبلہ کی طرف اتارا گیا تھا سر کی طرف سے نہیں اٹھایا گیا تھا نیز اسی طرح کی روایت ابن ماجہ نے بھی نقل کی ہے۔لہٰذا جب ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہوا تو دونوں حدیثیں ساقط ہوئیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کسی میت کو رکھنے کے لیے) قبر میں اترے، آپ کے لیے چراغ جلا دیا گیا چنانچہ آپ نے میت کو قبلہ کی طرف سے پکڑا (اور اسے قبر میں اتارا) اور یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے تو (خوف خدا سے) بہت رونے والا اور قرآن کریم بہت زیادہ پڑھنے والے تھے (اور ان دونوں چیزوں کے سبب سے تم رحمت ومغفرت کے مستحق ہو) یہ حدیث ترمذی نے نقل کی ہے اور شرح السنۃ میں ہے کہ اس روایت کی اسناد ضعیف ہیں۔

اس روایت کے بارے میں امام ترمذی کا فیصلہ یہ ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے نیز اس بارے میں حضرت جابر اور حضرت یزید بن ثابت کی روایتیں بھی منقول ہیں۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ رات کے وقت مردہ کو دفن کرنا مکروہ نہیں جیسا کہ بعض علماء نے لکھا ہے یہ حدیث احناف کے مسلک کی دلیل ہے ان کے ہاں میت کو قبر میں قبلہ کی طرف سے اتارنا سنت ہے۔

(فتح القدیر، بتصرف ج۳، ص۲۳۲، بیروت)

تیرہ سو برس بعد بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجسام مبارک صحیح تھے:

1934ء میں صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حذیفہ بن یمان، اور عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبریں عراق میں اکھاڑی گئیں، اور انہیں دوسری جگہ منتقل کیا گیا، میں نے اس کا طویل قصہ پڑھا ہے کہ وہ دونوں بادشاہ کی خواب میں ظاہر ہوئے، اور انہیں 1300 برس بعد بھی قبروں سے نکالے جانے پر ان کے چہرے مکمل تھے۔

کیا قبروں کو اکھاڑنا جائز ہے؟

ہم کہتے ہیں کہ اصل تو یہی ہے کہ جائز نہیں، اس کی دلیل مندرجہ ذیل عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے: عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میت کی ہڈی توڑنا اسی طرح ہے جیسے زندہ کی ہڈی توڑی

جائے۔ (سنن ابوداود حدیث نمبر 3207)

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ میت کو حرمت حاصل ہے، لھذا مسلمان شخص زندہ ہو تب بھی اسے حرمت حاصل ہے، اور اگر فوت ہو جائے تب بھی، اگر ایسے ہی ہے تو پھر کسی ظاہری مصلحت کے بغیر قبر اکھاڑنا جائز نہیں، اور یہ شرعی حاکم کے اوپر ہے اور وہی اس مصلحت کو مقرر کر سکتا ہے۔ (الشیخ خالد المشیقحؒ)

مسلمانوں کی قبروں کی تعظیم وادب کرنے کا حکم:

حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بیشک آدمی کو آگ کی چنگاری پر بیٹھا رہنا یہاں تک کہ وہ اس کے کپڑے جلا کر جلد تک توڑ جائے، اس کے لیے بہتر ہے اس سے کہ قبر پر بیٹھے، اسے مسلم وابوداؤد ونسائی وابن ماجہ نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ (سنن ابوداؤد، ج۲، ص۱۰۴، لاہور)

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ قبروں پر بیٹھنا اوران کو روندنا مکروہ ہے لھذا بعض لوگوں کا یہ طریقہ ہے کہ وہ اپنے قبرستان میں اپنے کسی عزیز ومتعلق کی قبر تک پہنچنے کے لیے درمیان کی قبروں کو بلا تکلف روندتے ہوئے چلتے ہیں یہ انتہائی غلط بات ہے۔ ہاں ضرورت وحاجت کے وقت مثلاً قبر کھودنے کے لیے یا میت کو دفن کرنے کے لیے قبروں پر پاؤں رکھ کر چلنا جائز ہے۔ قبرستان میں ننگے پاؤں چلنا مستحب ہے قبر کے نزدیک یا قبر کو تکیہ بنا کر سونا مکروہ ہے قبروں کے پاس استنجا کرنا تو انتہائی کراہت کی بات ہے، قبرستان آنے جانے کے بارے میں ہر وہ چیز مکروہ جو معہود یعنی سنت سے ثابت نہیں اس بارے میں صرف قبروں پر جانا اور وہاں کھڑے کھڑے دعا مانگنا سنت سے ثابت ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب جنت البقیع تشریف لے جاتے تو وہاں یہ فرماتے دعا (السلام علیکم دار قوم مومنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون واسأل اللہ لی ولکم العافیہ) ۔یعنی اے مومنین کے گھر تجھ پر سلامتی ہو، اے مومنو! انشاءاللہ ہم تم سے ملنے والے ہیں، میں اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور تمہارے لیے امن وعافیت مانگتا ہوں۔

(فتح القدیر، ج۳، ص۱۳۱، بیروت)

میت کو قبر میں داخل کرنے سے متعلق لفظی استدلال کا واقعہ:

ہمارے گاؤں "جلک ستیکا" میں ایک شخص کا وصال ہوا اس وقت ہم اپنے گاؤں میں کریما سعدی پڑھتے تھے۔ دوران طالب علمی ہمارے گاؤں کے سادہ لوح استاذ محترم نے کریما سعدی کے اس شعر

تکبر مکن زینہار اے پسر   کہ روزے ز دستش در آنی بسر

استدلال کرتے ہوئے ہمیں یہ حکم دیا کہ میت کو قبر میں سر کے بل اتارنا چاہیے۔ اتفاق سے ہم جنازہ پڑھنے کے بعد جب قبرستان سید علی شاہ علیہ الرحمہ گئے تو دیکھا کہ لوگوں نے قبر کو اس طرح تیار کیا ہے کہ میت کو سرہانے کے جانب سے پاؤں کے

بل اتارا جائے گا۔ ہم نے لوگوں کو بتایا کہ مسئلہ اس طرح کہ انسان کے سر کے بل آئے گا۔ انہوں نے ہم سے مخاصمت کی حتیٰ کہ اس وقت نماز عصر کے بعد کا وقت تھا ہم مسئلہ دریافت کرنے کیلئے اسی وقت ولی کامل پیر سید ولی محمد شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ اس وقت وضو فرما رہے تھے اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو پاؤں کے بل یعنی سرہانے کی جانب سے قبر میں اتارا گیا۔ تب ہمیں لفظی استدلال سے متعلق غلطی کا احساس شرمندگی کے ساتھ اس لئے ہوا کہ ہم بڑے وثوق اور بڑی سختی سے لوگوں سے عمل کروانا چاہتے تھے۔ (ابن صادق رضوی عفی عنہ)

حالانکہ میت کو قبر میں سر کی جانب سے اتارنا یہ امام شافعی علیہ الرحمہ کا مسلک ہے اور ان کی دلیل یہ ہے۔

حضرت رافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد کو جنازہ میں سے سر کی طرف سے نکالا (یعنی انہیں سر کی طرف سے قبر میں اتارا) اور ان کی قبر پر پانی چھڑکا۔ (ابن ماجہ)

مردہ کو قبر میں اتارنے کے بارے میں حضرت امام شافعی کا مسلک بیان کیا جا چکا ہے۔ یہ حدیث ان کے اسی مسلک کی دلیل ہے احناف کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یا تو یہ ضرورت پر یا پھر یہ کہ بیان جواز پر محمول ہے۔

میت کو قبر میں رکھنے والا کیا کہے:

(فَإِذَا وُضِعَ فِي لَحْدِهِ يَقُولُ وَاضِعُهُ : بِسْمِ اللَّهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ) كَذَا قَالَهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ حِينَ وَضَعَ أَبَا دُجَانَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي الْقَبْرِ (وَيُوَجَّهُ إِلَى الْقِبْلَةِ) بِذَلِكَ أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (وَتُحَلُّ الْعُقْدَةُ) لِوُقُوعِ الْأَمْنِ مِنْ الِانْتِشَارِ (وَيُسَوَّى اللَّبِنُ عَلَى اللَّحْدِ) لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ جُعِلَ عَلَى قَبْرِهِ اللَّبِنُ

ترجمہ:

جب کسی میت کو قبر میں رکھا جائے تو رکھنے والا یہ کہے" بِسْمِ اللَّهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ" کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کو قبر میں رکھتے وقت یہی کہا تھا۔ اور اس کو قبلہ کی طرف متوجہ کرے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات کا حکم دیا ہے۔ اور کفن کی گرہوں کا کھول دے اس لئے کہ اب کفن کے انتشار کا خوف ختم ہو چکا ہے۔ اور لحد پر کچی اینٹیں برابر کر دی جائیں۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک پر کچی اینٹیں لگائی گئی تھیں۔

میت کو قبر میں اتارتے وقت کیا پڑھا جائے؟

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب میت کو قبر میں اتارتے تھے تو یہ فرماتے دعا (بسم اللہ و باللہ و علیٰ ملۃ رسول اللہ ﷺ)۔ اس میت کو ہم اللہ کے نام کے ساتھ اللہ کے حکم کے مطابق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت پر قبر میں اتارتے ہیں اور ایک روایت میں وعلیٰ ملۃ رسول اللہ ﷺ کے بجائے وعلیٰ

سنۃ رسول اللہ ﷺ ہے (یعنی یہاں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت پر منقول ہے اور ایک دوسری روایت میں اس کے بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر نقل کیا گیا ہے۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ اور ابوداؤد نے دوسری روایت (جس میں ملۃ کے بجائے سنۃ ہے) نقل کی ہے۔

عورت کی قبر پر پردہ کرنے کا حکم:

(وَيُسَجَّى قَبْرُ الْمَرْأَةِ بِثَوْبٍ حَتَّى يُجْعَلَ اللَّبِنُ عَلَى اللَّحْدِ وَلَا يُسَجَّى قَبْرُ الرَّجُلِ) لِأَنَّ مَبْنَى حَالِهِنَّ عَلَى السَّتْرِ وَمَبْنَى حَالِ الرِّجَالِ عَلَى الِانْكِشَافِ .

(وَيُكْرَهُ الْآجُرُّ وَالْخَشَبُ) لِأَنَّهُمَا لِإِحْكَامِ الْبِنَاءِ وَالْقَبْرُ مَوْضِعُ الْبِلَى ، ثُمَّ بِالْآجُرِّ يَكُونُ أَثَرُ النَّارِ فَيُكْرَهُ تَفَاؤُلًا (وَلَا بَأْسَ بِالْقَصَبِ) وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ ، وَيُسْتَحَبُّ اللَّبِنُ وَالْقَصَبُ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ جُعِلَ عَلَى قَبْرِهِ طُنٌّ مِنْ قَصَبٍ .

ترجمہ:

اور عورت کی قبر پر پردہ کیا جائے حتیٰ کہ اس کی قبر پر کچی اینٹیں لگادی جائیں۔ جبکہ مرد کی قبر پر پردہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ پردے کا حکم صرف عورتوں کی حالت پر لازم ہے۔ جبکہ مرد کی حالت کشف پر مبنی ہے۔

اور پکی اینٹیں اور لکڑی لگانا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ یہ دونوں عمارت کو مضبوط کرنے کیلئے ہیں۔ جبکہ قبر گلنے کی جگہ ہے۔ اور اس وجہ سے بھی کہ پکی اینٹ میں آگ کا اثر ہوتا ہے۔ لہذا برائی کی وجہ سے مکروہ ہوگا۔ جبکہ بانس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔ اور جامع صغیر میں کچی اینٹ اور بانس کے استعمال کو مستحب کہا ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کی قبر انور پر بانس کا ایک گٹھا استعمال ہوا ہے۔

مشائخ بخارا کے نزدیک پکی قبریں بنانے کا سبب:

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ علماء نے پکی اینٹوں اور لکڑی کے تختوں کو مکروہ کہا ہے اور امام تمرتاشی نے فرمایا: یہ اس وقت ہے جب میت کے گرد ہو، اور اگر اس کے اوپر ہو تو مکروہ نہیں اس لیے کہ یہ درندے سے حفاظت کا ذریعہ ہوگا، مشائخ بخارا نے فرمایا کہ ہمارے دیار میں پکی اینٹیں مکروہ نہیں کیونکہ زمین کمزور ہونے کی وجہ سے اس کی ضرورت ہے۔ (ردالمحتار باب صلوۃ الجنائز، داراحیاء التراث العربی بیروت)

لحد میں پکی اینٹ مکروہ ہے جبکہ میت سے متصل ہو اس کے علاوہ میں کوئی حرج نہیں، اور مستحب کچی اینٹ اور بانس ہے۔ (فتاوی قاضی خاں، کتاب الصلوۃ، منشی نولکشور لکھنؤ)

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ امام سرخسی نے اس حکم کو اس سے مقید کیا ہے کہ زمین پر تری اور نرمی

غالب نہ ہو۔ اگر ایسی ہو تو پکی اینٹ اور لکڑی لگانے میں کوئی حرج نہیں، جیسے اس بناء پر لوہے کا تابوت لگانے میں حرج نہیں
(بحر الرائق، کتاب الجنائز، فصل السلطان احق بصلوته ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

امام اسمٰعیل زاہد نے اس کی رخصت دی ہے کہ لحد میں کچی اینٹوں کے پیچھے پکی اینٹیں لگائی جائیں، اور اس کی وصیت بھی فرمائی تھی، مشائخ بخارا نے فرمایا ہے کہ اگر ہماری زمین میں پکی اینٹ لگائیں تو مکروہ نہ ہوگا اس لیے کہ زمین نرم ہے تو جہاں بھی زمین نرم ہو، پکی اینٹ اور اسی طرح لکڑی کے تختے لگانے میں کوئی حرج نہیں۔ (کشف الغطاء، ج ا، ص ۵۵)

قبر کو کوہان نما بنانے کا بیان:

(ثُمَّ يُهَالُ التُّرَابُ وَيُسَنَّمُ الْقَبْرُ وَلَا يُسَطَّحُ) أَيْ لَا يُرَبَّعُ "(لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَى عَنْ تَرْبِيعِ الْقُبُورِ) " وَمَنْ شَاهَدَ قَبْرَهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَخْبَرَ أَنَّهُ مُسَنَّمٌ .

ترجمہ:

پھر مٹی ڈالتے ہوئے قبر کو ہان نما بنادی جائے۔ جبکہ سطح نما نہ بنائی جائے۔ (چوکور نما نہ ہو) اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے قبروں کو چکور بنانے سے منع فرمایا ہے۔ اور جس نے رسول اللہ ﷺ کی قبر انور کو دیکھا اس نے شہادت دی کہ وہ کوہان نما ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اونٹ کی کوہان کی طرح قبر بنانی چاہیے:

امام بخاری علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت سفیان تمار سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کو دیکھا جو اونٹ کے کوہان کی طرح تھی۔ (بخاری)

حضرت امام مالک، حضرت امام احمد، اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نے نہ صرف یہ کہ اس حدیث کو بلکہ اس کے علاوہ اور بھی صحیح احادیث کو اپنے اس مسلک کا مستدل قرار دیا ہے کہ قبر کو اونٹ کے کوہان کی طرح اٹھی ہوئی بنانا مسطح بنانے سے افضل ہے جب کہ حضرت امام شافعی کے نزدیک قبر مسطح بنانا افضل ہے۔

قبر کو زیادہ اونچا بنانے کی کراہت کا بیان:

امام مسلم علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت ابوالہیاج اسدی (تابعی) کہتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مجھ سے فرمایا کہ کیا میں تمہیں اس کام پر معمور نہ کروں جس کام پر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معمور کیا تھا؟ اور وہ کام یہ ہے کہ تم جو بھی تصویر دیکھو اسے چھوڑو نہیں بلکہ اسے مٹا دو اور جس قبر کو بلند دیکھو اسے برابر کر دو۔ (مسلم)

علماء نے لکھا ہے کہ اپنے پاس تصویر کا رکھنا حرام ہے اور اسے مٹا دینا واجب ہے نیز اس کے سامنے بیٹھنا جائز نہیں ہے، جس قبر کو بلند دیکھو اسے برابر کر دو۔ کا مطلب یہ ہے کہ قبر اگر زیادہ اونچی اور بلند بنائی گئی ہو تو اسے اتنی نیچی کر دو کہ زمین کی سطح سے قریب ہو جائے صرف اس کا نشان باقی رہے جس کی مقدار ایک بالشت ہے کیونکہ مسنون یہی ہے چنانچہ کتاب ازہار میں علماء کا یہ قول لکھا ہوا ہے کہ قبر کو بقدر ایک بالشت کے بلند کرنا مستحب ہے اور اس سے زیادہ مکروہ ہے نیز ایک بالشت سے زیادہ قبر کو ڈھا دینا یعنی صرف ایک بالشت کی بقدر باقی رہنے دینا مستحب ہے۔

باب الشہید

﴿یہ باب شہید کی نماز کے بیان میں ہے﴾

باب شہید کی مطابقت کا بیان:

مصنف علیہ الرحمہ نے احکام الموتی کے بعد باب الشہید ذکر کیا ہے کیونکہ موتی کی تدفین وتکفین کے کلی احکام ذکر کردیئے گئے ہیں اور شہید کے احکام سابقہ بیان کردہ بعض احکام سے مختلف ہیں۔ جو ان احکام میں سے شہید کے ساتھ خاص ہیں۔ لہذا عمومی احکام کے بعد خصوصی احکام کا بیان کرنا عین ترتیب علمی کے موافق ہے کیونکہ عموم ہمیشہ مقدم جبکہ خصوص ہمیشہ مؤخر ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ احکام الموتی کلی احکام اور شہید کے احکام استثنائی احکام ہیں اور استثناء ہمیشہ مؤخر ہوتا ہے۔ لہذا باب الشہید کو مؤخر ذکر کیا ہے۔

شہداء کی حیات برزخی کا بیان:

حضرت مسروق (تابعی) کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کریمہ کی تفسیر پوچھی۔ (وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتاً بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ) 3۔ آل عمران 169:) جو لوگ خدا کی راہ میں جہاد میں مارے گئے ہیں ان کو تم مردہ خیال نہ کرو بلکہ وہ اپنے پروردگار کے پاس زندہ ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ (ان شہداء) کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے قلب میں ہیں ان کے (رہنے) کے لئے عرش الٰہی کے نیچے (بمنزلہ گھونسلوں) کے قندیلیں لٹکائی گئی ہیں وہ (روحیں) بہشت میں سے جہاں سے ان کا جی چاہتا ہے میوے کھاتی ہیں پھر ان قندیلوں میں جا کر بسیرا کرتی ہیں تب پروردگار ان (شہدا) کی طرف جھانکتا ہے فرماتا ہے کہ کیا تم کو کسی چیز کی خواہش ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ ہم کس چیز کی خواہش کریں درآنحالیکہ ہم بہشت میں سے جہاں سے ہمارا جی چاہتا ہے میوے کھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ تین مرتبہ یہی معاملہ کرتا ہے (یعنی تین بار ان سے یہی سوال کرتا ہے) اور جب وہ دیکھتے ہیں کہ ہمیں پوچھے جانے والے سے چھوڑا نہیں جائے گا (یعنی جب وہ یہ جانتے ہیں کہ پروردگار کی مراد یہ ہے کہ ہم کسی خواہش کا اظہار کریں) تو وہ عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہماری بس یہی خواہش ہے تو ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں واپس کردے (اور ہمیں دنیا میں واپس بھیج دے) تاکہ ہم ایک بار اور تیری راہ میں مارے جائیں) جب اللہ تعالیٰ یہ دیکھتا ہے کہ ان کی کوئی (متعین) خواہش وحاجت نہیں ہے (کیونکہ انہوں نے جس خواہش کا اظہار کیا ہے اس کو پورا کرنا اللہ کے ارادہ اور مصلحت کے خلاف ہے دوسرے یہ کہ ان کو پہلی ہی بار میں جو عظیم ثواب اور عظیم اجر ملا ہے اور اسی وجہ سے ان کی کوئی

حاجت وخواہش نہیں ہے اگر وہ دوبارہ دنیا میں بھیج دیئے جائیں تو وہی اجر وانعام انہیں دوبارہ ملے گا اور اس کی انہیں حاجت ہی نہیں ہے کیونکہ شہید کا اجر وثواب ایک ہی ہے جو انہیں حاصل ہے) تو ان کو چھوڑ دیا جاتا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ ان سے پوچھنا چھوڑ دیتا ہے۔ (مسلم)

کسی کے ذہن میں اعتراض پیدا ہو سکتا ہے کہ ترجمہ میں بین القوسین عبارت کے مطابق اگر دوسری بار میں بھی پہلی ہی بار جیسا ثواب ملے تو پھر ان شہداء کی خواہش کا کیا فائدہ کہ ہماری روحوں کو ہمارے جسموں واپس کر کے دنیا میں بھیج دیا جائے تا کہ ہم دوبارہ خدا کی راہ میں مارے جائیں۔

علماء نے اسکا جواب لکھا ہے کہ اس خواہش کے اظہار سے اس کی مراد حقیقت میں اپنی روحوں کو جسموں میں واپس کئے جانے کی درخواست کرنا نہیں ہے بلکہ ان کا مقصود اللہ تعالیٰ کے ان انعامات واکرامات کا شکر ادا کرنا ہے جس سے ان کو نوازا گیا گویا اپنی اس خواہش کے ذریعے وہ یہ واضح کرتے ہیں کہ اے اللہ ! تو نے ہمیں اپنی جو نعمتیں عطا کی ہیں اور ہمیں جن عظیم درجات سے نوازا ہے اور ان کی وجہ سے ہم پر جو تیرا شکر ادا کرنا واجب ہے اسکا تقاضا یہی ہے کہ ہم ایک مرتبہ پھر دنیا میں واپس جائیں اور تیری راہ میں اپنی جان قربان کردیں۔

یا پھر وہ اپنی خواہش کا اظہار اپنے گمان کے مطابق کرتے ہوں کہ ہم چونکہ دوسری مرتبہ میں اور زیادہ مستعدی ہمت اور جان نثاری کے فزوں تر جذبے کے ساتھ خدا کی راہ میں اپنی جان قربان کریں گے اس لئے کیا عجب کہ دوسری مرتبہ میں ہمیں اور زیادہ بہتر اور کامل تر جزا ملے لیکن نظام قدرت اور جاری معمول چونکہ اس کے خلاف ہے اور حق تعالیٰ کے علم میں یہ بات ہے کہ ان کو دوسری مرتبہ میں وہی اجر ملے گا جو پہلی مرتبہ مل چکا ہے اور اس کی انہیں حاجت نہیں ہے تو ان سے پوچھنا چھوڑ دیا جاتا ہے۔

علماء نے یہ لکھا ہے کہ شہداء کی ارواح کو پرندوں کے قالب میں رکھنا ان ارواح کی عزت وتوقیر اور تکریم کی بنا پر ہے جیسا کہ جواہرات کو ان کی حفاظت واحتیاط کے لئے صندوق میں رکھا جاتا ہے اور ساتھ ہی یہ مقصد ہوتا ہے کہ ان ارواح کو ان کے دنیاوی جسم کے بغیر اس صورت (یعنی پرندوں کے قلب میں جنت میں داخل کیا جائے، چنانچہ وہ ارواح ان پرندوں کے قالب میں جنت کے مرغزاروں میں سیر کرتی ہیں، وہاں کی فضاؤں میں گھومتی ہیں جنت کی پاکیزہ ترین خوشبوؤں اور کیف آور ہواؤں سے لطف اندوز ہوتی ہیں، وہاں کے انوار وبرکات کا مشاہدہ کرتی ہیں، وہاں کی نعمتوں اور لذتوں سے بہرہ اندوز ہوتی ہیں اور ان کو صرف ان ہی چیزوں کے ذریعہ ہمہ وقت کی خوش طبعی وآسودہ خاطری حاصل نہیں ہوتی بلکہ حق جل مجدہ کے مقرب ملائکہ کے قرب وجوار کی عظیم ترین سعادت بھی میسر ہوتی ہے جو بجائے خود سب سے بڑی نعمت اور فرحت وانبساط کا سبب ہے چنانچہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی یہی مراد ہے کہ :(یرزقون فرحین بما اتھم الله من فضله)۔

وہ رزق دیئے جاتے ہیں اور جو کچھ خدا نے ان کو اپنے فضل سے بخش رکھا ہے اس میں خوش ہیں۔

اس موقع پر یہ بات بطور خاص ملحوظ رہنی چاہئے کہ اس حدیث سے تناسخ (آواگون) کا نظریہ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ جو لوگ تناسخ کے قائل ہیں ان کے نزدیک تناسخ اس کو کہتے ہیں کہ اس عالم میں روح کا کسی قالب وبدن میں لوٹنا گویا ان کے نزدیک کسی قالب وبدن میں روح کے لوٹنے کا نظریہ آخرت سے متعلق نہیں ہے اور یہ یوں بھی ممکن نہیں ہے کہ ان کے نزدیک آخرت کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ بلکہ وہ آخرت کے منکر ہیں۔

ایک بات اور اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ جنت مخلوق ہے اور موجود ہے۔ جیسا کہ اہل سنت وجماعت کا مسلک ہے۔

شہید کی تعریف واحکام:

(الشَّهِيدُ مَنْ قَتَلَهُ الْمُشْرِكُونَ ، أَوْ وُجِدَ فِي الْمَعْرَكَةِ وَبِهِ أَثَرٌ ، أَوْ قَتَلَهُ الْمُسْلِمُونَ ظُلْمًا وَلَمْ يَجِبْ بِقَتْلِهِ دِيَةٌ فَيُكَفَّنُ وَيُصَلَّى عَلَيْهِ وَلَا يُغَسَّلُ) لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى شُهَدَاءِ أُحُدٍ .وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِيهِمْ "(زَمِّلُوهُمْ بِكُلُومِهِمْ وَدِمَائِهِمْ وَلَا تُغَسِّلُوهُمْ) " فَكُلُّ مَنْ قُتِلَ بِالْحَدِيدَةِ ظُلْمًا وَهُوَ طَاهِرٌ بَالِغٌ وَلَمْ يَجِبْ بِهِ عِوَضٌ مَالِيٌّ فَهُوَ فِي مَعْنَاهُمْ فَيَلْحَقُ بِهِمْ ،

وَالْمُرَادُ بِالْأَثَرِ الْجِرَاحَةُ لِأَنَّهَا دَلَالَةُ الْقَتْلِ ، وَكَذَا خُرُوجُ الدَّمِ مِنْ مَوْضِعٍ غَيْرِ مُعْتَادٍ كَالْعَيْنِ وَنَحْوِهَا ،

وَالشَّافِعِيُّ يُخَالِفُنَا فِي الصَّلَاةِ وَيَقُولُ السَّيْفُ مَحَّاءٌ لِلذُّنُوبِ فَأَغْنَى عَنْ الشَّفَاعَةِ ،وَنَحْنُ نَقُولُ : الصَّلَاةُ عَلَى الْمَيِّتِ لِإِظْهَارِ كَرَامَتِهِ ، وَالشَّهِيدُ أَوْلَى بِهَا ، وَالطَّاهِرُ عَنْ الذُّنُوبِ لَا يَسْتَغْنِي عَنْ الدُّعَاءِ كَالنَّبِيِّ وَالصَّبِيِّ .

ترجمہ:

شہید وہ شخص ہے جس کو مشرکین نے قتل کیا یا معرکہ سے ملا اس حال میں کہ اس پر اثر پایا جاتا ہے۔ یا اس کو مسلمانوں نے ظلم کے طور پر قتل کر دیا ہو۔ اور اس کے قتل پر دیت واجب نہ ہوئی ہو۔ تو اس کو کفن دیا جائے اور اس کی نماز پڑھی جائے گی۔ اور اسے غسل نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ اس طرح قتل ہونے والا شخص شہداء احد کے حکم میں ہے۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے شہداء احد کے بارے میں فرمایا: ان کو غسل نہ دو بلکہ ان کو ان کے زخموں اور خونوں کے ساتھ لپیٹ دو۔ لہٰذا ہر وہ شخص جو ظلم سے لوہے کے آلہ کے ساتھ قتل کیا گیا اور وہ بالغ ہو اور اس قتل کی وجہ سے مالی عوض بھی واجب نہ ہوا ہو تو وہ بھی شہداء احد کے حکم میں ہے لہٰذا اس کو انہی کے حکم میں لاحق کر دیا جائے گا۔

اور اثر سے مراد زخم ہے جس کی دلالت قتل پر ہے۔اور اسی طرح غیر معتاد جگہ سے خون کا خارج ہونا جس طرح آنکھ اور اس کی مثل چیزیں ہیں۔

امام شافعی علیہ الرحمہ نے نماز میں ہم سے اختلاف کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ تلوار گناہوں کو مٹانے والی ہے۔لہذا اس نے شفاعت سے بے پرواہ کر دیا ہے۔جبکہ ہم کہتے ہیں کہ میت پر نماز پڑھنا اس کی عظمت کا اظہار ہے۔اور شہید تو اس کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔اور گناہوں سے پاک ہونے والا بھی دعا سے مستغنی نہیں ہوتا جیسے نبی (علیہ السلام) اور جس طرح کوئی بچہ ہے۔

شرح:

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہداء سے اسلحہ اور زائد لباس اتارنے کا حکم دیا اور خون اور کپڑوں سمیت دفن کرنے کا حکم دیا۔(ابن ماجہ)

شہید کا معنی و مفہوم:

شہید کا لغوی معنی ہے گواہ، کسی کام کا مشاہدہ کرنے والا۔اور شریعت میں اِسکا مفہوم ہے اللہ تعالی کے دِین کی خدمت کرتے ہوئے اپنی جان قُربان کرنے والا، میدانِ جہاد میں لڑتے ہوئے یا جہاد کی راہ میں گامزن یا دِین کی دعوت وتبلیغ میں، اور جس موت کو شہادت کی موت قرار دیا گیا ہے اُن میں سے کوئی موت پانے والا ہے۔

اہل حرب واہل بغات یا ڈکیتی میں قتل ہونے والے کا حکم:

(وَمَنْ قَتَلَهُ أَهْلُ الْحَرْبِ أَوْ أَهْلُ الْبَغْيِ أَوْ قُطَّاعُ الطَّرِيقِ فَبِأَيِّ شَيْءٍ قَتَلُوهُ لَمْ يُغَسَّلْ) لِأَنَّ شُهَدَاءَ أُحُدٍ مَا كَانَ كُلُّهُمْ قَتِيلَ السَّيْفِ وَالسِّلَاحِ .

(وَإِذَا اُسْتُشْهِدَ الْجُنُبُ غُسِّلَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ) وَقَالَا :لَا يُغَسَّلُ ، لِأَنَّ مَا وَجَبَ بِالْجَنَابَةِ سَقَطَ بِالْمَوْتِ وَالثَّانِي لَمْ يَجِبْ لِلشَّهَادَةِ .وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ الشَّهَادَةَ عُرِفَتْ مَانِعَةً غَيْرَ رَافِعَةٍ فَلَا تَرْفَعُ الْجَنَابَةَ . وَقَدْ صَحَّ أَنَّ حَنْظَلَةَ لَمَّا اُسْتُشْهِدَ جُنُبًا غَسَّلَتْهُ الْمَلَائِكَةُ ، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ الْحَائِضُ وَالنُّفَسَاءُ إذَا طَهُرَتَا وَكَذَا قَبْلَ الِانْقِطَاعِ فِي الصَّحِيحِ مِنْ الرِّوَايَةِ ، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ الصَّبِيُّ لَهُمَا أَنَّ الصَّبِيَّ أَحَقُّ بِهَذِهِ الْكَرَامَةِ .وَلَهُ أَنَّ السَّيْفَ كَفَى عَنْ الْغُسْلِ فِي حَقِّ شُهَدَاءِ أُحُدٍ بِوَصْفِ كَوْنِهِ طُهْرَةً ، وَلَا ذَنْبَ عَلَى الصَّبِيِّ فَلَمْ يَكُنْ فِي مَعْنَاهُمْ .

ترجمہ:

اور جس شخص کو اہل حرب، اہل بغات یا ڈاکوؤں نے خواہ کسی بھی چیز سے قتل کیا ہو تو اسے بھی غسل نہیں دیا جائے گا۔کیونکہ

شہداء احد سارے کے سارے تلوار و اسلحہ سے قتل ہونے والے نہ تھے۔

اور اگر کوئی شخص حالت جنابت میں شہید ہوا تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کو غسل دیا جائے گا۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک اس کو غسل نہیں دیا جائے گا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جو غسل جنابت کی وجہ واجب ہوا ہے وہ موت کی وجہ سے ساقط ہو جائے گا۔ اور دوسرا غسل شہادت کی وجہ سے واجب نہیں ہوا۔ جبکہ امام اعظم کی دلیل یہ ہے۔ کہ شہادت غسل میت کے وجوب کو مانع ہے۔ غسل واجب سے حکم کو ختم کرنے والی نہیں ہے۔ لہذا وہ جنابت کو دور نہیں کر سکتی۔ اور صحیح روایت کے مطابق حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ جب حالت جنابت میں شہید ہوتے تھے تو فرشتوں نے ان کو غسل دیا تھا۔ اسی بنیاد پر حائض ونفاس والی کا اختلاف ہے۔ جبکہ وہ پاک ہو جائیں۔ اور اسی طرح انقطاع سے پہلے کا حکم ہے۔ یہی روایت صحیح ہے۔ اور اسی اختلاف پر بچہ ہے۔ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ بچہ تو اس کرامت کا زیادہ حقدار ہے۔ اور امام اعظم کے نزدیک شہداء احد کے حق میں غسل سے روکنے والی تلوار کافی ہے۔ کیونکہ تلوار گناہوں کو مٹانے والی ہے۔ جبکہ بچے پر تو کوئی گناہ ہی نہیں۔ لہذا وہ شہداء احد کے حکم میں نہ ہوا۔

حضرت حنظلہ کی شہادت سے جنبی شہید کے غسل کا استدلال:

ابو عامر راہب کفار کی طرف سے لڑ رہا تھا مگر اس کے بیٹے حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالی عنہ پرچم اسلام کے نیچے جہاد کر رہے تھے۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالی عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے میں اپنی تلوار سے اپنے باپ ابو عامر راہب کا سر کاٹ کر لاؤں مگر حضور رحمۃ للعلمین صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی رحمت نے یہ گوارا نہیں کیا کہ بیٹے کی تلوار باپ کا سر کاٹے حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالی عنہ اس قدر جوش میں بھرے ہوئے تھے کہ سر ہتھیلی پر رکھ کر انتہائی جان بازی کے ساتھ لڑتے ہوئے قلب لشکر تک پہنچ گئے اور کفار کے سپہ سالار ابو سفیان پر حملہ کر دیا اور قریب تھا کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالی عنہ کی تلوار ابو سفیان کا فیصلہ کر دے کہ اچانک پیچھے سے شداد بن الاسود نے جھپٹ کر وار کو روکا اور حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالی عنہ کو شہید کر دیا۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فرشتے حنظلہ کو غسل دے رہے ہیں۔ جب ان کی بیوی سے ان کا حال دریافت کیا گیا تو اس نے کہا کہ جنگ احد کی رات میں وہ اپنی بیوی کے ساتھ سوئے تھے۔ غسل کی حاجت تھی مگر دعوت جنگ کی آواز ان کے کان میں پڑی تو وہ اسی حالت میں شریک جنگ ہو گئے۔ یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہی وجہ ہے جو فرشتوں نے اس کو غسل دیا اسی واقعہ کی بنا پر حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالی عنہ کو غسیل الملائکہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ (مدارج ج 2 ص 123)

لفظ غسیل کے معنی ہیں "نہلایا گیا" یہ حضرت حنظلہ کی صفت ہے، حضرت حنظلہ کو غسیل اس لیے کہا جاتا ہے کہ انتقال

کے بعد انہیں فرشتوں نے غسل دیا تھا۔ چنانچہ حضرت عروہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حنظلہ کی اہلیہ محترمہ سے پوچھا کہ ان کا کیا حال تھا؟ (یعنی جب وہ گھر سے نکلے تو کیا کام کر رہے تھے) انہوں نے جواب دیا کہ وہ حالت ناپاکی میں تھے اور (نہانے کے وقت) اپنے سر کا ایک ہی حصہ دھو پائے تھے کہ اتنے میں انہوں نے صدا سنی (کہ جہاد کے لیے بلایا جا رہا ہے، چنانچہ وہ اسی حالت میں گھر سے باہر نکل کھڑے ہوئے اور (غزوہ احد میں) جام شہادت نوش فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں نے دیکھا کہ فرشتے انہیں نہلا رہے تھے۔"

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے غسل سے فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ شہید جب حالت جنابت میں شہید ہوا تو اسے غسل دیا جائے گا۔ جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ اس حالت میں بھی شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا۔ ان کی دلیل یہ ہے جنابت کی وجہ سے واجب ہونے غسل کو موت نے ساقط کر دیا ہے۔

شہید کے غسل وخون کا حکم:

(وَلَا يُغَسَّلُ عَنْ الشَّهِيدِ دَمُهُ ، وَلَا يُنْزَعُ عَنْهُ ثِيَابُهُ) لِمَا رَوَيْنَا (وَيُنْزَعُ عَنْهُ الْفَرْوُ وَالْحَشْوُ وَالْقَلَنْسُوَةُ وَالسِّلَاحُ وَالْخُفُّ) لِأَنَّهَا لَيْسَتْ مِنْ جِنْسِ الْكَفَنِ (وَيَزِيدُونَ وَيَنْقُصُونَ مَا شَاءُوا) إتْمَامًا لِلْكَفَنِ

ترجمہ:

اور شہید کے خون کو نہ دھویا جائے اور اس سے کپڑوں کو اتارا جائے۔ اس کی دلیل وہی روایت ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں اور شہید سے روئی، پوستین، ہتھیار اور موزوں کا دور کر دیا جائے۔ اس لئے کہ یہ اشیاء کفن کی جنس سے ہی نہیں ہیں۔ البتہ کفن سنت کو پورا کرنے کیلئے جس قدر چاہیں بڑھائیں یا کم کریں۔

شرح: یہ ان کی شان ہوگی کہ وہ قیامت کے دن اسی حالت میں اٹھائے جائیں گے۔

ارتاث کی تعریف واحکام کا بیان:

قَالَ (وَمَنْ ارْتُثَّ غُسِّلَ) وَهُوَ مَنْ صَارَ خَلَقًا فِي حُكْمِ الشَّهَادَةِ لِنَيْلِ مَرَافِقِ الْحَيَاةِ لِأَنَّ بِذَلِكَ يَخِفُّ أَثَرُ الظُّلْمِ فَلَمْ يَكُنْ فِي مَعْنَى شُهَدَاءِ أُحُدٍ (وَالِارْتِثَاثُ : أَنْ يَأْكُلَ أَوْ يَشْرَبَ أَوْ يَنَامَ أَوْ يُدَاوَى أَوْ يُنْقَلَ مِنْ الْمَعْرَكَةِ حَيًّا) لِأَنَّهُ نَالَ بَعْضَ مَرَافِقِ الْحَيَاةِ .

وَشُهَدَاءُ أُحُدٍ مَاتُوا عِطَاشًا وَالْكَأْسُ تُدَارُ عَلَيْهِمْ فَلَمْ يَقْبَلُوا خَوْفًا مِنْ نُقْصَانِ الشَّهَادَةِ ، إلَّا إذَا حُمِلَ مِنْ مَصْرَعِهِ كَيْ لَا تَطَأَهُ الْخُيُولُ ، لِأَنَّهُ مَا نَالَ شَيْئًا مِنْ الرَّاحَةِ ، وَلَوْ آوَاهُ فُسْطَاطٌ أَوْ خَيْمَةٌ كَانَ مُرْتَثًّا لِمَا بَيَّنَّا (وَلَوْ بَقِيَ حَيًّا حَتَّى مَضَى وَقْتُ صَلَاةٍ وَهُوَ يَعْقِلُ فَهُوَ مُرْتَثٌّ) لِأَنَّ تِلْكَ الصَّلَاةَ صَارَتْ

دَيْنًا فِي ذِمَّتِهِ وَهُوَ مِنْ أَحْكَامِ الْأَحْيَاءِ .

قَالَ : وَهَذَا مَرْوِيٌّ عَنْ أَبِي يُوسُفَ ، وَلَوْ أَوْصَى بِشَيْءٍ مِنْ أُمُورِ الْآخِرَةِ كَانَ ارْتِثَاثًا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ لِأَنَّهُ ارْتِفَاقٌ .وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ لَا يَكُونُ لِأَنَّهُ مِنْ أَحْكَامِ الْأَمْوَاتِ .

ترجمہ:

فرمایا: اور جس شخص نے ارتثاث کو پایا تو اسے غسل دیا جائے گا۔ اور مرتث وہ شخص ہے جو زندگی کے فوائد حاصل کرنے کی وجہ سے حکم شہادت میں پرانا ہو جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس پر ظلم کا اثر بھی تو ہلکا ہوا ہے۔ لہذا وہ شہداء احد کے حکم میں نہ ہوگا ارتثاث اسے کہتے ہیں۔ جو کھائے، پیے، سوئے، اس کی دواء کی جائے یا اسے معرکہ سے منتقل کرلیا جائے۔ کیونکہ اس نے زندگی کے کچھ فوائد حاصل کر لئے ہیں۔

جبکہ شہداء احد تو پیاس ہی میں دم توڑ گئے حالانکہ پیالہ انہیں پیش کیا گیا مگر انہوں نے نقصان شہادت کی وجہ سے اس کو قبول نہ کیا۔ مگر ان کو قتل گاہ سے اس وجہ سے اٹھالیا گیا تھا تا کہ گھوڑے نہ روند ڈالیں۔ لہذا اس نے سکون سے کچھ حاصل نہ کیا اور اگر اسے کسی بڑے یا چھوٹے خیمے میں جگہ ملی تو اس نے ارتثاث پالیا۔ اس کی دلیل وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور اگر وہ وقت نماز تک زندہ اس طرح رہا کہ وہ سمجھ بوجھ رکھتا ہے تب بھی وہ ارتثاث پانے والا ہی ہوگا کیونکہ یہ نماز اس کے ذمہ میں قرض ہوگئی۔ اور زندوں کے احکام میں بھی یہی ہے۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا: یہ روایت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے کی بیان کی گئی ہے۔ اور اگر اخروی معاملات میں سے کسی چیز وصیت کی تب بھی وہ ارتثاث پانے والا ہوگا۔ کیونکہ یہ بھی راحت ہے۔ جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک یہ ارتثاث نہیں۔ اس لئے یہ فوت ہونے والے لوگوں کے احکام میں سے ہے۔

شرح:

ہدایہ کی اس عبارت کی شرح کرتے ہوئے علامہ ابن محمود البابرتی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ وَقَوْلُهُ (وَمَنْ ارْتُثَّ) هُوَ مِنْ قَوْلِكَ ثَوْبٌ رَثٌّ أَيْ خَلَقٌ وَكَلَامُهُ ظَاهِرٌ وَقَوْلُهُ (وَلَوْ أَوْصَى بِشَيْءٍ مِنْ أُمُورِ الْآخِرَةِ) إنَّمَا قَيَّدَ بِأُمُورِ الْآخِرَةِ لِأَنَّهُ إذَا أَوْصَى بِشَيْءٍ مِنْ أُمُورِ الدُّنْيَا يُغَسَّلُ بِالِاتِّفَاقِ .

حد وقصاص میں قتل ہونے والے کا بیان:

(وَمَنْ قُتِلَ فِي حَدٍّ أَوْ قِصَاصٍ غُسِّلَ وَصُلِّيَ عَلَيْهِ) لِأَنَّهُ بَاذِلٌ نَفْسَهُ لِإِيفَاءِ حَقٍّ مُسْتَحَقٍّ عَلَيْهِ ، وَشُهَدَاءُ أُحُدٍ بَذَلُوا أَنْفُسَهُمْ لِابْتِغَاءِ مَرْضَاةِ اللَّهِ تَعَالَى فَلَا يَلْحَقُ بِهِمْ

(وَمَنْ قُتِلَ مِنْ الْبُغَاةِ أَوْ قُطَّاعِ الطَّرِيقِ لَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ) لِأَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَمْ يُصَلِّ عَلَى الْبُغَاةِ .

ترجمہ:

اور جس شخص کو حد یا قصاص میں قتل کیا گیا اسے غسل بھی دیا جائے گا اور اس پر نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔ کیونکہ اس نے اپنی جان کو ایسے حق کی خاطر پیش کیا جو اس پر واجب تھا۔ اور شہداء احد نے اپنی جانوں کو اللہ تعالیٰ رضا کیلئے پیش کیا ہے لہذا ان کے ساتھ لاحق نہیں کیا جائے گا۔

اور اہل بغات، ڈاکوؤں میں سے جو شخص قتل کیا گیا اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ کیونکہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے ان پر نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی۔

قصاص کا فقہی مفہوم:

اے مسلمانو! قصاص کے وقت عدل سے کام لیا کرو آزاد کے بدلے آزاد غلام کے بدلے غلام عورت کے بدلے عورت اس بارے میں حد سے نہ بڑھو جیسے کہ اگلے لوگ حد سے بڑھ گئے اور اللہ کا حکم بدل دیا، اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں بنوقریظہ اور بنونضیر کی جنگ ہوئی تھی جس میں بنونضیر غالب آئے تھے اب یہ دستور ہو گیا تھا کہ جب نضری کسی قرظی کو قتل کرے تو اس کے بدلے اسے قتل نہیں کیا جاتا تھا بلکہ ایک سو وسق کھجور دیت میں لی جاتی تھی اور جب کوئی قرظی نضری کو مار ڈالے تو قصاص میں اسے قتل کر دیا تھا اور اگر دیت لی جائے تو دوگنی دیت یعنی دو سو وسق کھجور لی جاتی تھی پس اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کی اس رسم کو مٹایا اور عدل و مساوات کا حکم دیا، ابو حاتم کی روایت میں شان نزول یوں بیان ہوا ہے کہ عرب کے دو قبیلوں میں جدال وقتال ہوا تھا اسلام کے بعد اس کا بدلہ لینے کی ٹھانی اور کہا کہ ہمارے غلام کے بدلے ان کا آزاد قتل ہو اور عورت کے بدلے مرد قتل ہو تو ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی اور یہ حکم بھی منسوخ ہے قرآن فرماتا ہے آیت (النفس بالنفس) پس ہر قاتل مقتول کے بدلے مار ڈالا جائے گا خواہ آزاد نے کسی غلام کو قتل کیا ہو خواہ اس کے برعکس ہو خواہ مرد نے عورت کو قتل کیا ہو خواہ اس کے برعکس ہو، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ مرد کو عورت کے بدلے قتل نہیں کرتے تھے جس پر (النفس بالنفس والعین بالعین) نازل ہوئی پس آزاد لوگ سب برابر ہیں جان کے بدلے جان لی جائے گی خواہ قاتل مرد ہو خواہ عورت ہو اسی طرح مقتول خواہ مرد ہو خواہ عورت ہو جب کہ ایک آزاد انسان نے ایک آزاد انسان کو مار ڈالا ہے تو اسے بھی مار ڈالا جائے گا اسی طرح یہی حکم غلاموں اور لونڈیوں میں بھی جاری ہو گا اور جو کوئی جان لینے کے قصد سے دوسرے کو قتل کرے گا وہ قصاص میں قتل کیا جائے گا اور یہی حکم قتل کے علاوہ اور زخمیوں کا اور دوسرے اعضاء کی بربادی کا بھی ہے، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی اس آیت کو آیت (النفس بالنفس) سے منسوخ بتلاتے ہیں۔

ائمہ فقہ کے نزدیک غلام کے قصاص کا مسئلہ:

امام ابوحنیفہ امام ثوری امام ابن ابی لیلی اور داؤد کا مذہب ہے کہ آزاد نے اگر غلام کو قتل کیا ہے تو اس کے بدلے وہ بھی

قتل کیا جائے گا، حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت سعید بن جبیر حضرت ابراہیم نخعی حضرت قتادہ اور حضرت حکم کا بھی یہی مذہب ہے، حضرت امام بخاری، علی بن مدینی، ابراہیم نخعی اور ایک اور روایت کی رو سے حضرت ثوری کا بھی مذہب یہی ہے کہ اگر کوئی آقا اپنے غلام کو مار ڈالے تو اس کے بدلے اس کی جان لی جائے گی دلیل میں یہ حدیث بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص اپنے غلام کو قتل کرے ہم اسے قتل کریں گے اور جو شخص اپنے غلام کو نکلا کرے ہم بھی اس کی ناک کاٹ دیں گے اور جو اسے خصی کرے اس سے بھی یہی بدلہ لیا جائے، لیکن جمہور کا مذہب ان بزرگوں کے خلاف ہے وہ کہتے ہیں آزاد غلام کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ غلام مال ہے اگر وہ خطا سے قتل ہو جائے تو دیت یعنی جرمانہ نہیں دینا پڑتا صرف اس کے مالک کو اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اور اسی طرح اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ کے نقصان پر بھی بدلے کا حکم نہیں۔ آیا مسلمان کافر کے بدلے قتل کیا جائے گا یا نہیں؟ اس بارے میں جمہور علماء امت کا مذہب تو یہ ہے کہ قتل نہ کیا جائے گا اور دلیل صحیح بخاری شریف کی یہ حدیث ہے کہ حدیث (لا یقتل مسلم بکافر) مسلمان کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے، اس حدیث کے خلاف نہ تو کوئی صحیح حدیث ہے کہ کوئی ایسی تاویل ہو سکتی ہے جو اس کے خلاف ہو، لیکن تاہم صرف امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ مسلمان کافر کے بدلے قتل کر دیا جائے۔

متعدد قاتلوں سے قصاص لینے میں فقہی مذاہب کا بیان:

چاروں اماموں اور جمہور امت کا مذہب ہے کہ کئی ایک نے مل کر ایک مسلمان کو قتل کیا ہے تو وہ سارے اس ایک کے بدلے قتل کر دئے جائیں گے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک شخص کو سات شخص مل کر مار ڈالتے ہیں تو آپ ان ساتوں کو قتل کراتے ہیں اور فرماتے ہیں اگر صفا کے تمام لوگ بھی اس قتل میں شریک ہوتے تو میں قصاص میں سب کو قتل کرا دیتا۔ آپ کے اس فرمان کے خلاف آپ کے زمانہ میں کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے اعتراض نہیں کیا پس اس بات پر گویا اجماع ہو گیا۔ لیکن امام احمد سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں ایک کے بدلے ایک ہی قتل کیا جائے زیادہ قتل نہ کیے جائیں۔ حضرت معاذ حضرت ابن زبیر عبدالملک بن مروان زہری ابن سیرین حبیب بن ابی ثابت سے بھی یہ قول مروی ہے، ابن المنذر فرماتے ہیں یہی زیادہ صحیح ہے اور ایک جماعت کو ایک مقتول کے بدلے قتل کرنے کی کوئی دلیل نہیں اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے یہ ثابت ہے کہ وہ اس مسئلہ کو نہیں مانتے تھے پس جب صحابہ رضی اللہ عنہ میں اختلاف ہوا تو اب مسئلہ غور طلب ہو گیا۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ اور بات ہے کہ کسی قاتل کو مقتول کا کوئی وارث کچھ حصہ معاف کر دے یعنی قتل کے بدلے وہ دیت قبول کر لے یا دیت بھی اپنے حصہ کی چھوڑ دے اور صاف معاف کر دے، اگر وہ دیت پر راضی ہو گیا ہے تو قاتل کو مشکل نہ ڈالے بلکہ اچھائی سے دیت وصول کرے اور قاتل کو بھی چاہئے کہ بھلائی کے ساتھ اسے دیت ادا کر دے، حیل وحجت نہ کرے۔

امام مالک کا مشہور مذہب اور امام ابوحنیفہ اور آپ کے شاگردوں کا اور امام شافعی اور امام احمد کا ایک روایت کی رو سے یہ

مذہب ہے کہ مقتول کے اولیاء کا قصاص چھوڑ کر دیت پر راضی ہونا اس وقت جائز ہے جب خود قاتل بھی اس پر آمادہ ہوا لیکن اور بزرگان دین فرماتے ہیں کہ اس میں قاتل کی رضامندی شرط نہیں۔

بغاوت کی لغوی تعریف:

بغاوت البغی سے مشتق ہے اور البغی لغوی طور پر کبھی طلب کے لئے آتا ہے اور کبھی تعدی (ظلم وزیادتی) کے لئے۔ اصطلاحِ فقہاء میں بغاوت سے مراد ایسی حکومت کے احکام کو نہ ماننا اور اس کے خلاف مسلح خروج کرنا ہے جس کا حق حکمرانی قانون کے مطابق قائم ہوا ہو۔

علامہ ابن فارس لکھتے ہیں۔

بَغْیٌ :اَلْبَاءُ وَالْغَیْنُ وَالْیَاءُ، أَصْلَانِ :أَحَدُهُمَا طَلَبُ الشَّیْءِ، وَالثَّانِی :جِنْسٌ مِنَ الْفَسَادِ ...وَالْأَصْلُ الثَّانِی :قَوْلُهُمْ بَغَی الْجَرْحُ، إِذَا تَرَامَی إِلَی فَسَادٍ ...ثُمَّ یُشْتَقُّ مِنْ هَذَا مَا بَعْدَهُ، فَالْبَغِیُّ الْفَاجِرَةُ ...وَمِنْهُ أَنْ یَبْغِیَ الْإِنْسَانُ عَلَی الْآخَرِ ...وَإِذَا کَانَ ذَا بَغْیٍ فَلَا بُدَّ أَنْ یَقَعَ مِنْهُ فَسَادٌ ...وَالْبَغْیُ :اَلظُّلْمُ ..ابن فارس، معجم مقاییس اللغة (مادة بغی) 144 : (ابن منظور، لسان العرب (مادۂ بغی)، 78 .75 : 14)

بغی کا مادہ ب، غ اور ی ہے اور اس کی اصل دو چیزیں ہیں۔ پہلا معنی کسی چیز کا طلب کرنا ہے جبکہ دوسرے معنی کے مطابق یہ فساد کی ایک قسم ہے۔ دوسرے معنی کی مثال دیتے ہوئے اہل زبان کا کہنا ہے :بغی الجرح، زخم فساد کی حد تک بڑھ گیا یعنی بہت زیادہ خراب ہو گیا۔ اسی سے اس نوعیت کے دیگر الفاظ مشتق ہوتے ہیں مثلاً بغی بری عورت کو بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ شرم و حیا کی حدیں پھلانگ کر بدکاری کی مرتکب ہوتی ہے۔ اور اس مادے سے بَغْیٌ کا معنی ایک انسان کی طرف سے دوسرے پر ظلم و زیادتی ہے۔ جب بغاوت کسی شخص کی عادت بن جائے تو اس سے فساد خود بخود جنم لیتا ہے؛ اور (اسی لیے) بَغْیٌ ظلم کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔

علامہ ابن نجیم حنفی (970ھ) بغاوت کی تعریف میں لکھتے ہیں۔

البغاة جمع باغ، من بغی علی الناس ظلم واعتدی، وبغی سعی بالفساد، ومنه الفرقة الباغیة لأنها عدلت عن القصد ....وفئة باغیة خارجة عن طاعة الإمام العادل.(ابن نجیم، البحر الرائق، 150 : 5)

البغاۃ باغی کی جمع ہے۔ بغی علی الناس کا معنی ہے :اس نے لوگوں پر ظلم اور زیادتی کی ہے۔ بغی کا معنی یہ بھی ہے کہ اس نے فساد پھیلانے کی کوشش کی ہے۔ اور اسی سے فرقہ باغیہ ہے اس لئے کہ وہ راہ راست سے ہٹ گیا ہے۔۔۔۔ اور فئۃ باغیۃ کا معنی مسلم ریاست 2)) کی اتھارٹی تسلیم نہ کرنے والا گروہ ہے۔

صاحب ہدایہ میں بیان کردہ مسئلہ کے بارے میں ہم بتاتے چلیں کہ ایسے شخص کو جسے قصاص یا حد میں قتل کیا گیا ہو اسے

غسل بھی دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔اس کے ساتھ کسی قسم کا منفرد سلوک نہ کیا جائے بلکہ دیگر جنائز کی طرح اس کے احکام وحقوق ہیں۔

بَابُ الصَّلَاةِ فِي الْكَعْبَةِ

﴿یہ باب کعبہ میں نماز پڑھنے کے بیان میں ہے﴾

باب کعبہ میں نماز پڑھنے کی مطابقت کا بیان:

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ یہ باب کعبہ میں نماز پڑھنے کے احکام کے بارے میں ہے۔اور کعبہ مسجد حرام کا نام ہے۔اوراس میں نماز پڑھنا تمام نمازوں کے طریقہ سے مختلف ہے۔ کیونکہ ہر طرح کی نماز جہات اربعہ میں سے کسی جانب ضرور ہوتی ہے۔ جبکہ کعبہ میں نماز پڑھنا اس سے اس لئے مختلف ہے کہ اس میں جس طرف چاہے توجہ کرتے ہوئے نماز پڑھ سکتا ہے۔ لہذا اسی وجہ سے اس کی جنس کے اختلاف کی وجہ سے تمام نمازوں سے اس کو موخر ذکر کیا ہے۔اوراس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ نماز قلیل ہے۔اور جنائز کے بعد اس کو ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ نص سے ثابت ہے کہ کعبہ میں جو داخل ہوا اس کیلئے امن کی ضمانت ہے اوراسی طرح قبریت کیلئے ضامن ہے۔

(البنایہ شرح الہدایہ، ج ۳، ص ۵۶۳، حقانیہ ملتان)

کعبہ میں فرض ونفلی نماز کے جواز کا بیان:

(جَائِزَةٌ فَرْضُهَا وَنَفْلُهَا) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ فِيهِمَا . وَلِمَالِكٍ فِي الْفَرْضِ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ صَلَّى فِي جَوْفِ الْكَعْبَةِ يَوْمَ الْفَتْحِ ، وَلِأَنَّهَا صَلَاةٌ اُسْتُجْمِعَتْ شَرَائِطُهَا لِوُجُودِ اسْتِقْبَالِ الْقِبْلَةِ لِأَنَّ اسْتِيعَابَهَا لَيْسَ بِشَرْطٍ .

ترجمہ:

کعبہ میں فرض ونفل نماز پڑھنا جائز ہے۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کا ان دونوں میں اختلاف ہے۔اورامام مالک علیہ الرحمہ کا فرض نماز میں اختلاف ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن کعبہ کے اندر نماز پڑھی ہے۔اور یہ ایسی نماز تھی جس میں تمام شرائط جمع ہوئیں۔اس لئے کہ استقبال قبلہ پایا کیونکہ سارے قبلہ استعاب شرط نہیں ہے۔

کعبہ میں فرض ونفل پڑھنے میں امام شافعی کے اختلاف میں سہو کا بیان:

علامہ ابن ہمام حنفی اور علامہ ابن محمود البابرتی علیہا الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ قول "خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ فِيهِمَا" سہو ہے۔ کیونکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے کعبہ میں نماز کو جائز قرار دیا ہے۔اوراللہ تعالی کا یہ فرمان "(أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ)" لہذا جب نماز کیلئے طہارت کا حکم ہے تو صحت نماز کیلئے بدرجہ اولیٰ حکم طہارت ہوگا۔ علامہ بابرتی لکھتے ہیں کہ صاحب نہایہ کہتے ہیں کہ اس میں کاتب کا سہو ہے کیونکہ امام شافعی کے نزدیک کعبہ میں نماز جائز ہے۔اور فقہاء شوافع

میں سے کثیر فقہاء نے اس جواز کو اپنی کتب میں لکھا ہے۔ جبکہ اس مسئلے کا اختلاف ہمارے فقہاء میں سے کسی نے بھی اپنی کتاب میں نہیں لکھا۔ (فتح القدیر، ج ۳، ص ۴۵۵، عنایہ شرح الہدایہ، ج ۳، ص ۳۸، بیروت)

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اس لفظ ''خِلَافًا لِلشَّافِعِیْ فِیْهِمَا'' میں کاتب کا سہو ہے۔ کیونکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک کعبہ میں فرض ونفل پڑھنا جائز ہے۔ اور فقہ شافعی کی کتابوں ''وجیز، خلاصہ، الہادی اور ذخیرہ وغیرہ میں اسی طرح لکھا ہے۔ اور ہمارے علماء نے اس کی تردید نہیں کی۔ (البنایہ شرح الہدایہ، ج ۳، ص ۵۶۳، حقانیہ ملتان)

فتح مکہ کے دن نبی کریم ﷺ کا کعبہ میں نماز پڑھنے کا بیان:

امام بخاری ومسلم اپنی اسناد کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ (فتح مکہ کے روز) سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم، اسامہ ابن زید، عثمان ابن طلحہ حجبی اور بلال ابن رباح رضی اللہ عنہم خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور حضرت بلال یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے اندر سے دروازہ بند کر لیا (تا کہ لوگ ہجوم نہ کریں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر تک اندر (دعا وغیرہ میں مشغول رہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب کہ وہ یا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) خانہ کعبہ سے باہر آئے تو پوچھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم (خانہ کعبہ کے اندر) کیا کر رہے تھے؟ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ آپ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی ایک ستون آپ کے بائیں طرف تھا، دو داہنی طرف تھے تین پیچھے تھے ان دنوں خانہ کعبہ میں چھ ستون تھے (اور اب تین ستون ہیں)۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھی تھی مگر اس سے پہلے اس مضمون کی حضرت اسامہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ جو حدیث گزری ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کے اندر نماز نہیں پڑھی تھی۔ لہٰذا ان دونوں حدیثوں میں تطبیق اسی طرح ہوگی کہ یہ کہا جائے گا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ یہ حضرات خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور دروازہ بند کر لیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعا مانگتے ہوئے دیکھ کر حضرت اسامہ بھی کسی دوسرے کونہ میں جا کر دعا میں مشغول ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کونہ میں کھڑے تھے وہاں سے حضرت اسامہ تو دور تھے مگر حضرت بلال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہی تھے اس لیے حضرت بلال نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور چونکہ حضرت اسامہ اول تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فاصلہ پر تھے دوسرے وہ خود بھی نماز میں مشغول تھے، پھر یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ نماز بھی جلد ہی پڑھ لی تھی۔ اس لیے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے نہ دیکھ سکے۔

پھر اس کے علاوہ یہ بھی منقول ہے کہ بیت اللہ کی دیواروں سے تصویریں مٹانے کے واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ کو پانی لانے کے لیے باہر بھیج دیا تھا اس لیے ہوسکتا ہے کہ جس وقت وہ باہر گئے ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عرصے میں نماز پڑھ لی ہو۔ بہر حال حضرت اسامہ اور حضرت بلال دونوں نے اپنے علم ومشاہدہ کے مطابق خبر دی ہے اور بہر صورت ادائیگی نماز کو ثابت کرنا ہی مختار ہے اس کی نفی نہیں۔

حضرت سیدنا ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ مکہ میں تشریف لائے تو عثمان بن طلحہؓ کو بلایا، انھوں نے (کعبہ کا) دروازہ کھول دیا، پھر نبی ﷺ اور بلال اور اسامہ بن زید اور عثمان بن طلحہؓ اندر گئے، اس کے بعد دروازہ بند کرلیا گیا، پھر آپ ﷺ اس میں تھوڑی دیر رہے، اس کے بعد سب لوگ نکلے۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں کعبہ کی طرف جلدی سے بھاگا اور بلالؓ سے پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ نبی ﷺ نے کعبہ کے اندر نماز پڑھی ہے۔ میں نے کہا کس مقام میں؟ انھوں نے کہا دونوں ستونوں کے درمیان۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں مجھ سے یہ بات رہ گئی کہ ان سے پوچھتا کہ آپ ﷺ نے کس قدر نماز پڑھی۔ (بخاری، رقم، ۲۹۶)

کعبہ میں ہر وقت نماز پڑھنے کا بیان:

البتہ اس بارے میں علماء کا یہاں اختلاف ہے کہ خانہ کعبہ میں رات ودن کے کسی بھی حصہ میں خواہ اوقات مکروہہ کیوں نہ ہوں نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟ چنانچہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک اس حدیث کی بناء پر خانہ کعبہ میں ہر وقت کوئی بھی نماز خواہ وہ طواف کی دو رکعتیں ہوں یا دوسری نماز ہو پڑھی جاسکتی ہے۔

حضرت امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ خانہ کعبہ میں صرف طواف کی دو رکعتیں کسی وقت بھی پڑھی جاسکتی ہیں۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک خانہ کعبہ کے اندر اوقات مکروہ میں کوئی بھی نماز جائز نہیں ہے اوقات کی حرمت اور کراہت کے سلسلے میں مکہ کا حکم بھی دیگر شہروں کی طرح ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اوقات کی حرمت وکراہت کا حکم اور ان میں نماز پڑھنے کی ممانعت کے سلسلے میں جو احادیث منقول ہیں وہ سب عام ہیں ان میں کسی جگہ اور کسی شہر کی کوئی تخصیص نہیں ہے کہ فلاں جگہ تو ان اوقات میں نماز پڑھنی جائز ہے اور فلاں جگہ ناجائز ہے۔ جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں کہا جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی مراد یہ ہے کہ خانہ کعبہ میں جس وقت چاہے نماز پڑھی جاسکتی البتہ اوقات مکروہ میں وہاں بھی نماز نہیں پڑھی جاسکتی۔ اس تاویل سے تمام احادیث میں موافقت اور مطابقت بھی ہوجاتی ہے جو ایک ضروری چیز ہے۔

کعبہ میں نماز پڑھنے سے متعلق فقہی اختلاف کا بیان:

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کعبہ کے اندر نماز پڑھنے میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے۔ لیکن جب وہ کعبہ کی کسی دیوار کی طرف چہرہ کرکے نماز پڑھے۔ لہذا سیدنا امام اعظم، امام شافعی، امام احمد اور جمہور فقہاء نے یہ کہا ہے کہ

کعبہ کے اندر نماز پڑھنا صحیح ہے۔ چاہے وہ فرض نماز ہو یا وہ نفل نماز ہو۔ جبکہ امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک کعبہ میں صرف نفل نماز صحیح ہے۔ جبکہ فرض وواجب اور فجر کی سنتیں پڑھنا صحیح نہیں۔ اوراسی طرح طواف کی دور کعتیں بھی صحیح نہیں۔

بعض غیر مقلدین کا موقف یہ ہے کہ کعبہ میں کوئی فرض ونفل صحیح نہیں۔ جبکہ جمہور کے نزدیک حضرت بلال رضی اللہ عنہ والی روایت دلیل ہے کہ جب اس میں نفل پڑھنا صحیح ہے تو فرض پڑھنا بھی صحیح ہوگا۔ کیونکہ حالت سواری میں فرض ونفل کے جائز ہونے یا نہ ہونے میں فرق ہے۔ لیکن جب نماز زمین پر پڑھی جائے تو اس کے فرض ونفل میں کوئی فرق نہیں کیا جائے گا۔ (شرح صحیح مسلم، ج ۱، ص ۴۴۹، قدیمی کتب خانہ کراچی)

کعبہ میں باجماعت نماز پڑھنے کا بیان:

(فَإِنْ صَلَّى الْإِمَامُ بِجَمَاعَةٍ فِيهَا فَجَعَلَ بَعْضُهُمْ ظَهْرَهُ إلَى ظَهْرِ الْإِمَامِ جَازَ) لِأَنَّهُ مُتَوَجِّهٌ إلَى الْقِبْلَةِ ، وَلَا يَعْتَقِدُ إمَامَهُ عَلَى الْخَطَإِ بِخِلَافِ مَسْأَلَةِ التَّحَرِّي (وَمَنْ جَعَلَ مِنْهُمْ ظَهْرَهُ إلَى وَجْهِ الْإِمَامِ لَمْ تَجُزْ صَلَاتُهُ) لِتَقَدُّمِهِ عَلَى إمَامِهِ .

ترجمہ:

اگر امام نے کعبہ میں جماعت کرائی اور بعض مقتدیوں نے اپنے امام کی پشت کی طرف پشت کی تو جائز ہے۔ کیونکہ یہ مقتدی جانب قبلہ متوجہ ہیں۔ اور وہ اپنے امام کی غلطی پر بھی جاننے والا نہیں۔ جبکہ تحری میں ایسا نہیں۔ اور اقتداء کرنے والوں میں سے اگر کسی مقتدی نے امام کے چہرے کی طرف پشت کی تو اس کی نماز جائز نہیں۔ اس لئے کہ وہ امام سے آگے بڑھ گیا۔

شرح:

علامہ ابن محمود البابرتی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

وَقَوْلُهُ (فَإِنْ صَلَّى الْإِمَامُ بِجَمَاعَةٍ فِيهَا) الصَّلَاةُ بِالْجَمَاعَةِ فِي جَوْفِ الْكَعْبَةِ لَا يَخْلُو عَنْ وُجُوهٍ أَرْبَعَةٍ : إمَّا أَنْ يَكُونَ وَجْهُهُ إلَى ظَهْرِ الْإِمَامِ ، أَوْ إلَى وَجْهِ الْإِمَامِ أَوْ يَكُونَ ظَهْرُهُ إلَى ظَهْرِ الْإِمَامِ ، أَوْ إلَى وَجْهِ الْإِمَامِ . وَالْأَوَّلُ وَالثَّالِثُ جَائِزٌ بِلَا كَرَاهَةٍ ، وَالثَّانِي بِكَرَاهَةٍ وَالرَّابِعُ لَا يَجُوزُ . أَمَّا جَوَازُ الْأَوَّلِ فَظَاهِرٌ . وَأَمَّا جَوَازُ الثَّانِي فَلِوُجُودِ الْمُتَابَعَةِ وَانْتِفَاءِ الْمَانِعِ وَهُوَ التَّقَدُّمُ عَلَى الْإِمَامِ . وَأَمَّا كَرَاهَتُهُ فَلِشَبَهِهِ بِعَابِدِ الصُّورَةِ بِالْمُقَابَلَةِ فَيَنْبَغِي أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْإِمَامِ سُتْرَةً تَحَرُّزًا عَنْ ذَلِكَ . وَأَمَّا جَوَازُ الثَّالِثِ فَلِمَا ذَكَرَهُ فِي الْكِتَابِ أَنَّهُ مُتَوَجِّهٌ إلَى الْقِبْلَةِ وَلَا يَعْتَقِدُ إمَامَهُ عَلَى الْخَطَإِ .

قِيلَ وَهَذَا لَيْسَ بِكَافٍ لِأَنَّ مَنْ جَعَلَ ظَهْرَهُ إلَى وَجْهِ الْإِمَامِ وَهُوَ الْوَجْهُ الرَّابِعُ مُتَوَجِّهٌ إلَى الْقِبْلَةِ وَلَا يَعْتَقِدُ إمَامَهُ عَلَى الْخَطَإِ وَمَعَ ذَلِكَ لَا تَجُوزُ صَلَاتُهُ ، وَكَانَ الْوَاجِبُ أَنْ يَقُولَ وَهُوَ غَيْرُ مُتَقَدِّمٍ عَلَيْهِ .

وَالْجَوَابُ اَنَّهُ لَمَّا عَلَّلَ عَدَمَ الْجَوَازِ فِي الْوَجْهِ الرَّابِعِ بِالتَّقَدُّمِ عَلَى الْإِمَامِ دَلَّ عَلَى اَنَّهُ مَانِعٌ فَاقْتَصَرَ عَلَى ذِكْرِهِ فِي الْأَوَّلِ اعْتِمَادًا عَلَى اَنَّهُ يُفْهَمُ مِنَ الثَّانِي .

وَقَوْلُهُ (بِخِلَافِ مَسْأَلَةِ التَّحَرِّي) يَعْنِي إِذَا صَلَّوْا فِي لَيْلَةٍ مُظْلِمَةٍ فَجَعَلَ بَعْضُهُمْ ظَهْرَهُ إِلَى ظَهْرِ الْإِمَامِ وَهُوَ يَعْلَمُ ، فَإِنَّهُ لَا تَجُوزُ صَلَاتُهُ لِأَنَّهُ اعْتَقَدَ أَنَّ إِمَامَهُ عَلَى الْخَطَإِ ، وَقَدْ مَرَّ فِي بَابِ شُرُوطِ الصَّلَاةِ ، وَقَدْ ظَهَرَ وَجْهُ عَدَمِ جَوَازِ الْوَجْهِ الرَّابِعِ مِنْ هَذَا .وَأَمَّا إِذَا كَانَ عَلَى يَمِينِ الْإِمَامِ أَوْ يَسَارِهِ فَهُوَ أَيْضًا جَائِزٌ .وَهُوَ ظَاهِرٌ

مصنف کا قول کہ اگر امام نے کعبہ میں جماعت کرائی تو اس کا کعبہ کے اندر جماعت کرانا چار وجوہات سے خالی نہیں ہے۔

(۱) مقتدی کا چہرہ امام کی پشت کی جانب ہوگا۔(۲) مقتدی کا چہرہ امام کے چہرے کی طرف ہوگا۔(۳) مقتدی کی پیٹھ امام کی پشت کی جانب ہوگی (۴) مقتدی کی پیٹھ امام کے چہرے کی طرف ہوگی۔

پہلی صورت اور تیسری صورت بغیر کسی کراہت کے جائز ہے۔جبکہ دوسری صورت کراہت کے ساتھ جائز ہے اور چوتھی صورت جائز نہیں۔پہلی صورت کے جواز کی دلیل ظاہر ہے جبکہ دوسری صورت کے جواز کی دلیل یہ ہے کہ امام کے متابعت پائی جارہی ہے۔اور انتفائے ممانعت بھی پائی جارہی ہے۔اور وہ امام کا مقدم ہونا ہے۔اور کراہیت کی دلیل یہ ہے کہ تصویر کی عبادت کا اشتباہ پایا جارہا ہے۔لہذا وہ اپنے اور اس کے درمیان سترہ قائم کرے تا کہ اس اشتباہ سے بچا جائے۔

اور تیسری صورت کے جواز کی دلیل وہی ہے جو کتاب (ہدایہ) میں مذکور ہو چکی ہے۔کہ اس کا قبلہ کی طرف متوجہ ہونا ہے اگر چہ اسے امام کی غلطی کا علم نہ ہو۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ دلیل کافی نہیں ہے کیونکہ اس کی پیٹھ امام کے چہرے کی طرف ہے۔اور چوتھی وجہ صورت میں اگر چہ اس کا متوجہ الی القبلہ اور امام کی غلطی کا علم نہ ہونا پایا جارہا ہے لیکن عدم جواز کی دلیل یہ ہے کہ وہ امام سے تقدم کرنے والا نہ ہو۔

اور چوتھی صورت میں جو عدم جواز کی علت بیان کی گئی ہے وہ امام سے مقدم ہونا ہے۔اور یہی دلیل ممانعت ہے۔اور اسی سے پہلی پر اعتماد کیا جائے گا کیونکہ اسی سے دوسری صورت سمجھی جائے گی۔

اور مصنف کا قول ''بِخِلَافِ مَسْأَلَةِ التَّحَرِّي ''یعنی جب انہوں نے اندھیری رات میں نماز پڑھی۔اور ان میں سے بعض نے اپنی پشت امام کی طرف کی۔اور وہ جانتا ہے کہ امام غلطی پر ہے تو اس کی نماز جائز نہیں۔اور یہ شرائط کے باب میں گذر چکا ہے۔اور چوتھی صورت کے عدم جواز پر یہی دلیل ظاہر ہو چکی ہے۔اور اگر وہ امام کے دائیں یا بائیں جانب ہوا تو جائز ہے اور اسکی دلیل ظاہر ہے۔

جب امام مسجد حرام میں لوگوں کو نماز پڑھائے:

(وَإِذَا صَلَّى الْإِمَامُ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَتَحَلَّقَ النَّاسُ حَوْلَ الْكَعْبَةِ وَصَلَّوْا بِصَلَاةِ الْإِمَامِ ، فَمَنْ كَانَ مِنْهُمْ أَقْرَبَ إِلَى الْكَعْبَةِ مِنَ الْإِمَامِ جَازَتْ صَلَاتُهُ إِذَا لَمْ يَكُنْ فِي جَانِبِ الْإِمَامِ) لِأَنَّ التَّقَدُّمَ وَالتَّأَخُّرَ إِنَّمَا يَظْهَرُ عِنْدَ اتِّحَادِ الْجَانِبِ

ترجمہ:

اور جب امام نے مسجد حرام میں ... ھائی پس لوگوں نے کعبہ کے گرد حلقہ بنایا اور انہوں نے امام کے ساتھ نماز پڑھی۔ پس جو شخص کعبہ کی طرف امام سے بھی زیادہ قریب ہو تو اس کی نماز جائز ہے اگر چہ وہ جانب نہ تھا۔ کیونکہ تقدم و تاخر اتحاد جانب کے وقت ظاہر ہوتا ہے۔

خانہ کعبہ کو اندر نماز پڑھنے کے مسائل:

۱ . خانہ کعبہ کے اندر اور باہر یعنی مسجد الحرام میں ہر نماز فرض و نفل پڑھنا بلا کراہت صحیح ہے خواہ اکیلا پڑھے یا جماعت سے اور خواہ بغیر سترے کے ہو اور وہاں نمازی کے آگے سے گزرنا معاف ہے، خانہ کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ ہے اگر خانہ کعبہ کے اندر جماعت سے نماز پڑھیں اور امام کے گرد صفیں بنائیں تو کعبے کی طرف منہ کرنے میں جماعت والوں کے منہ جدا جدا طرف کو ہوں گے پس جس مقتدی کی پیٹھ امام کے منہ کی طرف ہوگی اس کی نماز جائز نہیں ہوگی کیونکہ وہ شخص امام سے آگے ہوگا اور جس مقتدی کا منہ امام کو منہ کی طرف ہو اور امام اور مقتدی کے درمیاں کوئی سترہ (آڑ) نہ ہو تو اس کی نماز جائز مگر مکروہ ہوگی اور اگر سترہ (کپڑا وغیرہ لٹکایا) ہو تو مکروہ نہ ہوگی اس کے علاوہ جتنی صورتیں ہیں سب میں نماز بلا کراہت جائز ہوگی۔

۲ . اگر امام نے خانہ کعبہ سے باہر مسجد الحرام میں نماز پڑھی اور جماعت کے لوگ خانہ کعبہ کے گرد حلقہ باندھ کر کھڑے ہوں اگر امام کے ساتھ نماز میں شامل ہوئے تو سب کی نماز درست ہے صرف اس شخص کی نماز درست نہیں ہوگی جو امام کی سمت میں امام سے آگے ہو یعنی امام کی بہ نسبت کعبہ شریف کے قریب ہو اور امام ہی کی سمت میں کھڑا ہو اور اگر وہ شخص جو امام کی بہ نسبت خانہ کعبہ سے زیادہ قریب ہے اما' کی سمت میں نہیں ہے بلکہ کسی دوسری سمت میں ہے تو اس کی نماز درست ہو جائے گی کیونکہ وہ حکماً امام کے پیچھے ہے اور امام۔ ے آگے بڑھنا اس وقت ہوتا ہے جبکہ دونوں کی جہت ایک ہی ہو، اگر مقتدی اس رکن (کونے) کی سیدھ میں ہے جو امام کی جانب میں ہے اور امام سے زیادہ کعبہ شریف کے قریب ہے تو احتیاطاً اس کی نماز فاسد ہوگی۔

۳ . اگر امام خانہ کعبہ کے اندر کھڑا ہو اور کوئی مقتدی امام کے ساتھ اندر بھی ہو اور باقی مقتدی کعبہ کے باہر ہوں اور دروازہ کھلا ہوا ہو تا کہ مقتدی امام کے رکوع و سجود وغیرہ کا حال معلوم کر سکیں تو نماز بلا کراہت جائز ہے اور اگر دروازہ بند ہو لیکن کوئی

تکبیر کہنے والا آواز پہنچاتا جائے تب بھی اقتدا درست ہے اور اگر امام اکیلا خانہ کعبہ کے اندر ہو اس کے ساتھ مقتدی کوئی نہ ہو تو مکروہ ہے کیونکہ خانہ کعبہ کا اندرونی فرش قد آدم سے زیادہ بلند ہے۔

کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنے کا بیان:

(وَمَنْ صَلَّى عَلَى ظَهْرِ الْكَعْبَةِ جَازَتْ صَلَاتُهُ) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ لِأَنَّ الْكَعْبَةَ هِيَ الْعَرْصَةُ ، وَالْهَوَاءُ إلَى عَنَانِ السَّمَاءِ عِنْدَنَا دُونَ الْبِنَاءِ لِأَنَّهُ يُنْقَلُ :أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَوْ صَلَّى عَلَى جَبَلِ أَبِي قُبَيْسٍ جَازَ وَلَا بِنَاءَ بَيْنَ يَدَيْهِ ، إلَّا أَنَّهُ يُكْرَهُ لِمَا فِيهِ مِنْ تَرْكِ التَّعْظِيمِ ، وَقَدْ وَرَدَ النَّهْيُ عَنْهُ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

ترجمہ:

اور جس شخص نے کعبہ کی چھت پر نماز پڑھی تو اس کی نماز جائز ہے۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک کعبہ میدان اور آسمان تک فضاء ہی کا نام ہے کسی عمارت کا نام نہیں۔ کیونکہ وہ منتقل کی جاسکتی ہے۔ کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ اگر کسی شخص نے ابوقبیس پہاڑ پر نماز پڑھی تو اس کی نماز جائز ہے۔ حالانکہ اس کے سامنے عمارت (کعبہ) ہی نہیں۔ لیکن مکروہ اس لئے ہے کہ اس میں تعظیم کا ترک ہے۔ اور اس سے نبی کریم ﷺ نے منع کیا ہے۔

شرح:

علامہ ابن محمود البابرتی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ وَقَوْلُهُ (وَمَنْ صَلَّى عَلَى ظَهْرِ الْكَعْبَةِ) أَيْ عَلَى سَطْحِهَا ، وَلَعَلَّهُ اخْتَارَ لَفْظَ الظَّهْرِ لِوُرُودِ لَفْظِ الْحَدِيثِ بِهِ عَلَى مَا ذَكَرَهُ أَرَادَ أَنَّ مَنْ صَلَّى عَلَى سَطْحِ الْكَعْبَةِ (جَازَتْ صَلَاتُهُ) عِنْدَنَا وَإِنْ لَمْ يَكُنْ بَيْنَ يَدَيْهِ سُتْرَةٌ .

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ :لَا يَجُوزُ إلَّا أَنْ يَكُونَ بَيْنَ يَدَيْهِ سُتْرَةٌ بِنَاءً عَلَى أَنَّ الْمُعْتَبَرَ فِي جَوَازِ التَّوَجُّهِ إلَيْهَا لِلصَّلَاةِ الْبِنَاءُ ۔

وَعِنْدَنَا أَنَّ الْقِبْلَةَ هِيَ الْكَعْبَةُ وَالْكَعْبَةُ هِيَ الْعَرْصَةُ وَالْهَوَاءُ إلَى عَنَانِ السَّمَاءِ ، وَلَا مُعْتَبَرَ بِالْبِنَاءِ لِأَنَّهُ يُنْقَلُ ؛ أَلَا تَرَى أَنَّ مَنْ صَلَّى عَلَى أَبِي قُبَيْسٍ جَازَتْ صَلَاتُهُ وَلَا شَيْءَ مِنْ بِنَاءِ الْكَعْبَةِ بَيْنَ يَدَيْهِ فَدَلَّ عَلَى أَنَّهُ لَا مُعْتَبَرَ بِالْبِنَاءِ

وَقَوْلُهُ (إلَّا أَنَّهُ يُكْرَهُ) اسْتِثْنَاءٌ مِنْ قَوْلِهِ جَازَتْ صَلَاتُهُ ، وَتَذْكِيرُ الضَّمِيرِ بِتَأْوِيلِ فِعْلِ الصَّلَاةِ وَأَدَائِهَا (لِمَا فِيهِ) أَيْ فِي التَّعَلِّي عَلَى ظَهْرِ الْكَعْبَةِ (وَمِنْ تَرْكِ التَّعْظِيمِ وَقَدْ وَرَدَ النَّهْيُ عَنْهُ) قِيلَ أَيْ عَنْ تَرْكِ التَّعْظِيمِ ، وَقِيلَ عَنْ أَدَاءِ الصَّلَاةِ عَلَى ظَهْرِهَا .

وَرُوِيَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ قَالَ "(نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ الصَّلَاةِ فِي سَبْعَةِ مَوَاطِنَ الْمَجْزَرَةِ ،

وَالْمَزْبَلَةِ ، وَالْمَقْبَرَةِ ، وَالْحَمَّامِ ، وَقَوَارِعِ الطُّرُقِ ، وَمَعَاطِنِ الْإِبِلِ ، وَفَوْقَ ظَهْرِ بَيْتِ اللَّهِ الْحَرَامِ) . "

اور مصنف کا قول جس نے کعبہ کی پیٹھ یعنی چھت پر نماز پڑھی۔شاید مصنف نے 'ظہر'' کا لفظ اس لئے استعمال کیا ہے کہ حدیث میں یہی لفظ وارد ہوا ہے۔جو حدیث ذکر ہو چکی ہے۔اور مراد یہ ہے کہ جس نے کعبہ کی چھت پر نماز پڑھی تو اس کی نماز ہمارے نزدیک جائز ہے خواہ اس کے سامنے سترہ نہ بھی ہو۔

جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ سترہ کے بغیر اس کی نماز جائز نہیں ہے۔کیونکہ بنائے صلوٰۃ کیلئے سترے کا اعتبار کیا جائے گا۔

اور ہمارے نزدیک اس کا قبلہ ہی کعبہ ہے اور وہ فضاء سے لیکر آسمان تک ہے۔اور عدم نقل کی وجہ سے بناء کا اعتبار نہ ہوگا کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اگر ابوقبیس پہاڑ پر نماز پڑھی جائے تو جائز ہے۔اور اس میں بنائے کعبہ کی کوئی چیز نہیں۔لہذا اس کی دلالت اس بات ہے کہ بناء کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

اور مصنف کا قول،مگر یہ کہ مکروہ ہے۔یہ قول'' جَازَتْ صَلَاتُہٗ '' سے استثناء ہے۔اور اس میں ضمیر مذکر کی اس لئے لائے ہیں۔کہ اس کی تاویل فعل نماز اور ادائے نماز سے کی گئی ہے۔

اور کعبہ کی چھت پر بلند ہونے کی وجہ سے اس کی تعظیم کا ترک لازم آئے گا۔جبکہ اس کے ترک تعظیم کے بارے میں نہی وارد ہوئی ہے۔جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ نہی اس کی تعظیم کے ترک کے بارے میں ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نہی اس کی چھت پر نماز کی آدائیگی کے بارے میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سات جگہوں پر نماز پڑھنے سے منع کیا ہے(1) جہاں گوبر یعنی کوڑا کرکٹ ڈالتے ہیں(2) قصاب خانہ میں (جہاں جانوروں کو ذبح کرتے ہیں)(3) قبرستان میں،(4) چلتے راستہ میں(5) حمام میں(نہانے کی جگہ)(6) اونٹوں کے باڑے میں(7) بیت اللہ کی چھت پر۔

(ترمذی، السنن، أبواب الصلاة، باب ما جاء في كراهية ما يصلى إليه وفيه، 375 : 1، رقم 346)

(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۳، ص ۴۲، بیروت)

فقہ حنفی اسلامی تعلیمات کی سچی ترجمان ہے:

معروف ثقہ تاریخ دان خطیب بغدادی لکھتے ہیں۔سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔میں(شرعی احکام میں) اللہ کی کتاب پر عمل کرتا ہوں جب وہ احکام مجھے کتاب الٰہی میں مل جائیں،اور جو احکام مجھے قرآن میں نہیں ملتے تو پھر سنت رسول اللہ ﷺ اور ان صحیح آثار پر عمل کرتا ہوں جو ثقہ راویوں سے منقول ہو کر ثقہ راویوں میں پھیل چکے ہیں،اور اگر کتاب الٰہی اور حدیث نبوی (دونوں) میں نہیں پاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے اقوال میں سے جسے چاہتا ہوں لے لیتا ہوں اور

جسے چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں (البتہ حضرات صحابہ کے قول سے باہر نہیں جاتا کہ) سارے صحابہ کے قول کو چھوڑ کر دوسرے کے قول کو اختیار کرلوں۔

اور جب نوبت ابراہیم نخعی، عامر شعبی، محمد بن سیرین، حسن بصری، عطاء اور سعید بن مسیب (رحمہم اللہ) وغیرہ متعدد حضرات تابعین کے نام شمار کیے) تک پہنچتی ہے تو ان حضرات نے اجتہاد کیا لہٰذا مجھے بھی حق ہے کہ ان حضرات کی طرح اجتہاد کروں۔ یعنی ان حضرات کے اقوال پر عمل کرنے کی پابندی نہیں کرتا بلکہ ان ائمہ مجتہدین کی طرح خدائے ذوالمنن کی بخشی ہوئی اجتہادی صلاحیتوں کو کام میں لاتا ہوں اور اپنے فکر واجتہاد سے پیش آمدہ مسائل کو حل کرتا ہوں۔

(ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی، تاریخ البغداد ج ۱۳ ص ۳۶۸، بیروت)

خطیب بغدادی کی اس عبارت کے ساتھ ہماری شرح ہدایہ اپنے اختتام کو پہنچی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت نصیب فرمائے آمین۔

دعائیہ کلمات:

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتا ہوں۔ جس نے مجھ جیسے گناہگار بندے کو یہ کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ آج ۲۹ شعبان المعظم 1432ھ بروز پیر بعد نماز عصر بمطابق یکم اگست 2011ء فیوضات رضویہ فی تشریحات ہدایہ کی دوسری جلد مکمل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بوسیلہ نبی کریم ﷺ دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے ہدایہ کی بقیہ کتاب کی شرح بھی مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ یہاں پر میں خاص طور پر اپنے استاذی المکرم جامع المعقول والمنقول حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبدالعلیم سیالوی صاحب مدظلہ العالی، شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ لاہور کا شکر گزار ہوں جنہوں نے شرح ہدایہ کی پہلی جلد شائع ہونے کے بعد میری رہنمائی فرمائی اور مولانا مفتی محمد اکبر ساقی صاحب کا شکر گزار ہوں جنہوں نے مجھے علامہ عینی علیہ الرحمہ کی شرح ''البنایہ فی شرح الہدایہ'' مہیا کی۔ اور میرے وہ دوست واحباب جنہوں نے عربی عبارات کی تصحیح کی اور میرے ساتھ تعاون کیا اللہ تعالیٰ ان سب کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ میرے والد گرامی مرحوم کی بخشش فرمائے۔ اور اس کتاب کے ناشر، قارئین اور تمام مسلمانوں کیلئے میری دعا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب پر حق واضح فرمائے اور اس کی اتباع نصیب فرمائے اور ہم پر باطل واضح فرمائے اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم الامین ﷺ۔

الحمد للہ تمت کتاب الصلوٰۃ من الھدایہ بعون اللہ تعالیٰ وبنظر رسول اللہ ﷺ۔

(محمد لیاقت علی الرضوی الحنفی)

﴿الساکن چک سنتیکا بھاولنگر، ۲۹ شعبان المعظم، ۱۴۳۲ھ، یکم اگست ۲۰۱۱ء، بروز پیر﴾